لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

روح پیر وزیرآباد

روح پرور یادیں

یعنی

سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ کے شاندار تبلیغی دورہ
مغربی افریقہ سنہ ۱۹۷۰ء کی رُوداد اور جماعت کے پندرہ
نامور مُبلّغین اسلام کو گذشتہ نصف صدی میں پیش
آمدہ نہایت ایمان افروز اور معجز نما تاریخی واقعات کا مجموعہ

محمد صدیق امرتسری واقفِ زندگی
سابق مبلّغ ممالک بیرون

امام الزماںؒ

نام کتاب ـــــــــ روح پرور یادیں
مصنف ـــــــــ محمد صدیق امرتسری
ناشر ـــــــــ محمد لطیف انور امرتسری
مطبع ـــــــــ لائن پریس ہسپتال روڈ لاہور
طباعت بار اوّل ـــــ ایک ہزار
کتابت ـــــــــ سید محمد باقر شاہ
قیمت ـــــــــ پینتیس روپیہ 35

ما مسلمانیم از فضلِ خدا — مصطفےٰ ما را امام و پیشوا
ہست او خیر الرسل خیر الانام — ہر نبوّت را بر او شد اختتام
ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال — لاجرم شُد ختم ہر پیغمبرے

امام الزماںؒ

خدمتِ دین کو اک فضلِ الٰہی جانو
اُس کے بدلے میں کبھی طالبِ انعام نہ ہو

اِنتساب

حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیلِ اعلیٰ و وکیل التبشیر تحریکِ جدید
کے نام

جن کی نگرانی میں اس عاجز نے ربع صدی سے زائد عرصہ تک مختلف بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دینے کی سعادت حاصل کی اور جن کی تحریک پر یہ ایمان افروز تبلیغی واقعات قلمبند کئے گئے۔

محمد صدیق امرتسری
واقفِ زندگی

حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب

وکیل اعلیٰ تحریکِ جدید کا قابلِ قدر ارشاد

ایک عرصہ سے خاکسار کے بعض بزرگ اور دوست احباب بیرونی ممالک کے تبلیغی میدانوں میں مجھے سالہاسال تک پیش آنے والے واقعات اور ایمان افروز حالات کو کتابی صورت میں مرتب کرنے کی تحریک کر رہے تھے تاہم خاکسار باوجود خواہش کے یہ کام نہ کر سکا تاوقتیکہ فروری ۱۹۷۹ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل اعلیٰ و وکیل التبشیر تحریکِ جدید نے بیرونی ممالک میں کام کرنے والے بعض سینیئر مبلغین کرام کو اپنی سابقہ تبلیغی زندگی کے حالات اور روح پرور واقعات رسالہ "تحریکِ جدید" کے لئے مرتب کرنے کا ارشاد فرمایا اور ازراہِ ذرّہ نوازی مجھے بھی اس ضمن میں اپنی مندرجہ ذیل چٹھی سے نوازا۔

دفتر وکیل التبشیر ربوہ

روانگی ۷۹-۲-۱۹/ ۷۹۹

مکرمی و محترمی مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری ربوہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک لمبے عرصہ تک بیرونِ پاکستان تبلیغِ اسلام و احمدیت کا فریضہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اور اس کے فضل سے اِس جد و جُہد کے بڑے اچھے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

میری یہ خواہش ہے کہ آپ اپنی تبلیغی جدّوجہد اور اس کے نتائج کے متعلق اپنی یادداشتوں پر مشتمل ایک مضمون قلمبند کر کے ماہنامہ "تحریکِ جدید" کے لئے بھجوا دیں۔ اس میں ان مشکلات اور مصائب کا بھی ذکر ہو جو جماعت کو اس سلسلہ میں پیش آتی رہیں۔ نیز اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے جو نشانات ظاہر ہوئے ہوں ان کو بھی ضبطِ تحریر میں لایا جائے اور خلفائے سلسلہ سے جو رہنمائی حاصل ہوئی ہو اس کا بھی اور جماعت کے اخلاص اور قربانیوں

کا بھی ذکر کیا جائے۔

ایسے مضامین سے نہ صرف ایک قیمتی ریکارڈ محفوظ ہو جائے گا بلکہ ان میں بیان کردہ حالات ہماری آئندہ نسلوں کی تربیت کے لئے بہت مفید ثابت ہوں گے۔ امید ہے کہ آپ اس طرف فوری توجہ فرمائیں گے۔

والسلام خاکسار

دستخط مرزا مبارک احمد

وکیل التبشیر

۷۹-۲-۱۹

چنانچہ حضرت صاحبزادہ صاحب کے اس ارشاد کے مطابق خاکسار اپنے ساتھ پیش آمدہ اہم تبلیغی واقعات تحریر کرکے رسالہ "تحریک جدید" اور "الفضل" کو بھجواتا رہا جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ جنوری ۱۹۸۰ء میں ان مضامین کی افادیت اور مقبولیت کے پیشِ نظر مجھے تحریک ہوئی کہ اس قسم کے دلچسپ اور ایمان افزا تاریخی واقعات پر مشتمل ایک مفصل کتاب مرتب کرکے شائع کی جائے جس میں اپنے ذاتی تجربات کے علاوہ دیگر نامور مبلغین سے بھی اس قسم کے چیدہ چیدہ واقعات لکھوا کر شامل کئے جائیں اور یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے باوجود مختلف عوارض میں مبتلا رہنے کے گزشتہ ڈیڑھ دو سال میں "روح پرور یادیں" کے عنوان سے ایک خاصی ضخیم کتاب مرتب کرنے کی توفیق عطا فرمادی جو بعد منظوری نظارت اشاعتِ لٹریچر و تصنیف صدر انجمن احمدیہ ربوہ ایک اہم تاریخی دستاویز کی صورت میں احبابِ جماعت احمدیہ کی خدمت میں پیش ہے۔

خاکسار حضرت صاحبزادہ صاحب کا تہ دل سے ممنون ہے کہ انہوں نے مجھے بھی اس کارِ خیر کے بجالانے کے قابل سمجھا اور اس طرف توجہ دلائی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جناب سے بہترین جزا عطا فرمائے۔ باصحت اور کارآمد زندگی سے نوازے اور اپنی بقیہ زندگی میں صحت و سلامتی سے پہلے سے بھی اہم اور اعلیٰ دینی خدمات بجالانے کی توفیق دے۔ اور ان کی نگرانی میں ادارہ "تحریک جدید" دنیا کی تمام قوموں اور ملکوں کے لئے اسلام کے نور کا ایک نہایت بلند اور درخشندہ مینار ثابت ہو اور اس کے واقفین زندگی کارکن ہمیشہ جملہ مطالباتِ تحریک جدید کا اعلیٰ اور قابلِ تقلید عملی نمونہ قائم رکھنے کی توفیق پاتے رہیں۔ آمین

تحریک جدید کا ایک ریٹائرڈ کارکن —— محمد صدیق امرتسری —— واقفِ زندگی

محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کا فارسی منظوم کلام

عجب نوریست در جانِ محمدؐ عجب لعلیست در کانِ محمدؐ

عجب دارم دل آں ناکساں را که رو تابند از خوانِ محمدؐ

ندانم ہیچ نفسے در دو عالم که دارد شوکت و شانِ محمدؐ

خدا زاں سینہ بیزارست صدبار که ہست از کینہ دارانِ محمدؐ

اگر خواہی نجات از مستیٔ نفس بیا در ذیلِ مستانِ محمدؐ

اگر خواہی که حق گوید ثنایت بشو از دل ثنا خوانِ محمدؐ

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ

سرے دارم فدائے خاکِ احمدؐ دلم ہر وقت قربانِ محمدؐ

بگیسوئے رسول اللہ که ہستم نثارِ روئے تابانِ محمدؐ

بکارِ دیں نترسم از جہانے که دارم رنگِ ایمانِ محمدؐ

بسے سہلست از دنیا بریدن بیادِ حسن و احسانِ محمدؐ

فدا شد در رہش ہر ذرّۂ من که دیدم حسنِ پنہانِ محمدؐ

دگر استاد را نامے ندانم

که خواندم در دبستانِ محمدؐ

(آئینہ کمالاتِ اسلام)



حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ مرزا غلام احمد علیہ السلام
۱۸۳۵ء ـــــ ۱۹۰۸ء

چہ خوش بُودے اگر ہر یک زامت نور دیں بودے
ہمیں بُودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بودے



حضرت حکیم مولوی نور الدّین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ

فہرستِ مضامین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ــــ ۔ ــــ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پیش لفظ

اُمّتِ مسلمہ کے اکثر بزرگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت سرورِ کائنات خاتم النبیین محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تکمیل ہدایت کا زمانہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے شریعتِ اسلامیہ حقّہ کو ہر لحاظ سے مکمل فرما دیا لیکن اس زمانہ میں چونکہ ابھی دنیا کے کئی ملک اور برّاعظم دریافت نہیں ہوئے تھے نیز سفری سہولتیں اور رسل و رسائل کے میکانکی ذرائع بھی ابھی معرض وجود میں نہیں آئے تھے اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس ابدی ہدایتِ تامّہ اور شریعتِ کاملہ کی تکمیلِ اشاعت کے لئے آخری زمانہ یعنی امام آخرالزّمان کی بعثت کا وقت مخصوص کر رکھا تھا جس میں تکمیلِ اشاعت کے ذرائع مکمل طور پر مہیّا ہونے مقدّر تھے۔ مثلاً دنیا کے تمام ممالک اور تمام برّاعظموں کا دریافت ہوجانا اور ہر ملک تک پہنچنے کے لئے وسائل کا مہیّا ہوجانا نیز کتب و رسائل کی اشاعت کے لئے مطابع وغیرہ کا ایجاد ہوجانا۔

تکمیل اشاعتِ اسلام کا زمانہ

اسی وجہ سے قرآنِ کریم کی آیت هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْکَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ کی تفسیر میں اکثر مفسّرین اور محدّثین لکھتے آئے ہیں کہ یہ مکمل غلبۂ اسلام اور عالمگیر اشاعتِ دین امامِ آخرالزّمان کے ذریعہ مقدر ہے۔ چنانچہ عینی شرح بخاری جلد ۵ صفحہ ۵۸۴ میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے:-

"وہ (یعنی آنے والا مسیح) محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کو جو خود اس کا بھی دین ہوگا اَلدِّیْنُ الْحَقّ ثابت کرے گا اور باقی سب ادیان کو باطل کرکے دینِ اسلام کو غالب کرنے کے لئے نازل ہوگا۔"

اسی طرح تفسیر ابنِ جریر میں اس آیت کے تحت لکھا ہے:-

"ھٰذَا عِنْدَ خُرُوْجِ الْمَھْدِیْ" کہ اسلام کا یہ عالمگیر غلبہ اور دنیا میں تکمیلِ اشاعتِ دین مہدیٔ آخرالزّمان کے ظہور کے وقت مقدر ہے۔"

سو الحمد للہ کہ یہ تکمیلِ اشاعتِ ہدایت جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر فرزند اور خلیفہ امام آخر الزمان حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام اور ان کی قائم کردہ جماعت کے ذریعہ ہونی مقدر تھی خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے اس زمانہ میں کامیابی سے ہو رہی ہے اور دنیا دیکھ رہی ہے کہ کس طرح چار دانگ عالم میں احمدی مبلغین اسلام کی اشاعت کی تکمیل کے لئے مصروفِ جہاد ہیں اور اس کے کیسے کیسے خوش کُن اور ایمان افروز نتائج نکل رہے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب کی تالیف و اشاعت سے بھی قارئین کرام کو اس عظیم جہاد کی کچھ جھلکیاں دکھانا مقصود ہے۔

اظہارِ تشکر

یہ عاجز اللہ تعالےٰ کا جتنا بھی شکر کرے کم ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے اس ناچیز کو بلادِ عربیہ، انگلستان، مغربی افریقہ اور ملائیشیا وغیرہ کئی ممالک میں سالہا سال تک تبلیغ اسلام اور حضرت مسیح الزمان علیہ السلام کے مقدس مشن سے لوگوں کو روشناس کرانے کی توفیق عطا فرمائی ہے

اگر ہر بال ہو جائے سخن ور
تو پھر بھی شکر ہے امکاں سے باہر

میدانِ تبلیغ میں خاکسار کو کس قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ کیا کیا مشکلات پیش آئیں۔ کیا کیا تجربات حاصل ہوئے اور اللہ تعالےٰ نے اپنی تائید و نصرت کے کیسے کیسے جلوے دکھائے یہ ایک طویل داستان ہے جس کو حیطۂ تحریر میں لانا آسان کام نہ تھا لیکن بعض دوستوں کی تحریک پر خاکسار نے اس قسم کے تمام ضروری واقعات کو کتابی شکل دینے کی کوشش کی ہے جن میں سے اکثر ماہنامہ "تحریک جدید"، ماہنامہ "انصار اللہ" اور روزنامہ "الفضل" میں چھپ بھی چکے ہیں۔

قومی تاریخ کی اہمیت

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:۔

"اقوام کی ترقی میں تاریخ سے آگاہ ہونا ایک بہت بڑا محرک ہوتا ہے اور کوئی ایسی قوم جو اپنی تاریخی روایات سے واقف نہ ہو کبھی ترقی نہیں کر سکتی"۔

جماعت احمدیہ کی تاریخ کا دائرہ بہت وسیع ہے اور دنیا کے تمام ممالک کا احاطہ کئے ہوئے ہے کیونکہ احمدیت دنیا کے تمام ممالک اور تمام قوموں میں پھیل رہی ہے پس احمدیت

ی تاریخ کا دائرہ جتنا وسیع ہے اتنی ہی اس کی اہمیت بھی بڑھ گئی ہے لہذا اپنی تاریخ اور اپنی روایات سے ہمارا اور ہماری آئندہ نسلوں کا واقف ہونا، اُسے محفوظ کر لینا اور اس میں دلچسپی لینا نہایت ضروری ہے۔ ہمارا ہر مبلّغ و مربّی اور ہر مجاہدِ اسلام جو دنیا کے کسی ملک میں بھی تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کر کے مرکز میں واپس آتا ہے اگر وہ اپنی تبلیغی مہمات اور اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کے نتائج کو تحریر میں لا کر شائع کروا تا ہے تو گویا وہ جماعت کی امانت جماعت کو پیش کر دیتا ہے۔

مبلّغین کرام کے ایمان افروز تبلیغی واقعات

یہی وجہ ہے کہ علاوہ ان حالات کے جو براہِ راست مجھے پیش آتے رہے اس عاجز نے ایسے متعدد مبلّغین کرام کی خدمت میں بھی درخواست کی جنہیں ان ممالک میں سالہا سال تک تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کرنے کا شرف حاصل رہا۔ جن میں خاکسار نے تبلیغی کام کرنے کی توفیق پائی کہ وہ تاریخی اہمیّت کے دلچسپ واقعات تحریر کر کے اس عاجز کو ارسال فرمائیں۔ اور مجھے خوشی ہے کہ ان میں سے کئی ایک نے ازراہِ نوازش مجھے نہایت ایمان افروز واقعات لکھ کر ارسال کئے جو شاملِ کتاب کر دیئے گئے ہیں۔ یہ عاجز ان سب مجاہدینِ اسلام کا تہِ دل سے ممنون ہے اللہ تعالےٰ انہیں بہترین جزاء دے اور مزید خدماتِ دینیہ کی توفیق عطا فرمائے۔

احمدی احباب کے رؤیا و کشوف

اس کے علاوہ بیرونی ممالک کے کئی مخلص احمدی احباب کے رؤیا و کشوف بھی درج کتاب کر دیئے گئے ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حق کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی۔ اور انہیں قبولِ اسلام کی اور احمدیّت کے نور سے منوّر ہونے کی توفیق ملی۔ امید ہے کہ وہ بہتوں کے لئے تقویّتِ ایمان اور ہدایت کا موجب ہوں گے۔

بہت کچھ سیکھا اور پایا

۱۹۴۰ء میں اشاعتِ اسلام کے لئے جب یہ خاکسار انگلستان سے سیرالیون پہنچا تو مغربی افریقہ کے تبلیغی میدان کی مشکلات اور کام کی نوعیّت سے یکسر ناواقف تھا۔ تاہم اس زمانہ میں احمدیہ مشن سیرالیون کے مبلّغ انچارج حضرت الحاج مولانا نذیر احمد علی صاحبؓ نے بڑی محبّت اور توجّہ سے ہر طرح میری راہنمائی فرمائی اور مُلکی حالات کے مطابق کام سنبھالنے کے لئے مجھے تیار کیا۔

میرے سیرالیون پہنچنے پر سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی طرف سے اُنہیں میرے متعلق یہ ہدایت بھی ملی (جو اس وقت مجھے نہ بتائی گئی) کہ یہ لندن میں جس آرام دہ ماحول میں کام کرتے رہے ہیں اس کی وجہ سے شاید سیرالیون میں تساہل سے کام لیں۔ اس لئے ان سے سخت سے سخت کام لیا جائے تاکہ آپ کو (یعنی مولانا علی صاحب کو) کسی دوسرے ملک کے لئے جلد از جلد فارغ کیا جا سکے اور وہ مقامی مشن کا کام پوری طرح سنبھال لیں۔ چنانچہ خاکسار نے اس زمانہ میں حضرت مولانا علی صاحب کے ساتھ اور علیحدہ بھی نہایت مشکل اور کٹھن حالات میں سینکڑوں میل پیدل سفر کر کے خدا کے فضل سے بہت کچھ سیکھا اور تبلیغی خدمات بجالا کر بہت کچھ پایا فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی۔

ڈاکٹر لونگسٹن کی ڈائریاں

اسی زمانہ میں مجھے کہیں سے مشہور انگریز پادری ڈاکٹر ڈیوڈ لونگسٹن (DR, DAVID LIVINGSTONE) کی افریقہ میں مہمات سے متعلق تفصیلی ڈائریاں کتابی صورت میں مل گئیں جو انہوں نے افریقہ کے مختلف علاقوں میں گھومتے پھرتے تحریر کی تھیں۔ گو اپنی ان ڈائریوں میں ڈاکٹر مذکور اسلام اور حضرت بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہر اُگلنے اور تعصب کا مظاہرہ کرنے سے باز نہیں رہے لیکن پھر بھی میں نے افریقہ کے حالات اور وہاں پادریوں کے طریقِ کار سے آگاہی کے لئے اور اس خیال سے انہیں دلچسپی سے پڑھا کہ حکمت کی باتیں مومن کا گمشدہ مال ہوتی ہیں وہ اسے جہاں سے بھی ملے حاصل کر لیتا ہے (الحدیث)۔ وہ ڈائریاں پڑھ کر میرے دل میں یہ جوش اور ولولہ پیدا ہؤا کہ اگر انیسویں صدی کا ایک متعصب انگریز پادری اپنے مذہب اور قوم کی خاطر افریقہ کے ظلمت کدوں میں ایسی ناقابلِ برداشت تکالیف برداشت کر سکتا ہے۔ تو اسلام جیسے سچے اور بے نظیر مذہب کی خاطر ہمیں کیا کچھ نہیں کرنا چاہیئے۔

بہرکیف ہم دونوں مبلغین نے اس زمانہ میں خدا کے فضل اور اسی کی دی ہوئی توفیق سے سیرالیون کے گوشے گوشے کا تبلیغی سروے کیا جس کے نتائج کی بعض جھلکیاں آئندہ صفحات میں قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گے۔

خلافت ثالثہ کے دور کی خصوصیت

چونکہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث

ایدہ اللہ تعالےٰ نے ۱۹۷۰ء میں جو مغربی افریقہ کا دورہ فرمایا وہ اُن ممالک میں اسلام اور احمدیت کی اشاعت و ترقی کے لئے ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے اس کی تاریخی اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر مضامین کی ترتیب کے لحاظ سے اس ایمان افروز رُوداد دیگر واقعات سے پہلے دی گئی ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالےٰ کا دَورِ خلافت اس لحاظ سے بھی بڑا بابرکت اور مبارک دَور ہے کہ اس میں وہ تبلیغی جہاد جس کا بیرونی ممالک میں باقاعدہ آغاز سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں ہؤا تھا اپنی کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے بڑی سرعت کے ساتھ ترقیات کی منازل طے کر رہا ہے اور اس میں حصہ لینے والے مجاہدین کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔

شکریۂ احباب آخر میں خاکسار اپنے دوست اخویم مکرم مولانا مبشر احمد صاحب راجیکی کا خلوصِ قلب سے شکر گزار ہے جنہوں نے میرے اور دیگر مبلّغین کرام کے تمام مسوّدات کو لفظ لفظ پڑھا اور ادبی اور زبان کے محاورہ کے لحاظ سے جہاں جہاں انہوں نے مناسب سمجھا بڑی محنت اور توجّہ سے تبدیلی فرمادی۔ اسی طرح محترم جناب مسعود احمد خانصاحب دہلوی بی۔اے ایڈیٹر روزنامہ الفضل اور محترم مولانا محمد احمد صاحب جلیل فاضل بی۔اے استاذ الجامعہ کے لئے بھی خاکسار جذباتِ تشکّر و خلوص کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے اس کتاب کے مسوّدات کے بعض حصّوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد مجھے اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔

اس موقعہ پر اظہارِ تشکّر کے طور پر مَیں اپنی بھانجی عزیزہ امۃ الباسط بنت برادرم خواجہ خورشید احمد صاحب سیالکوٹی مربی سلسلہ کا بھی ذکر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں جس نے میری خواہش پر اس کتاب کے متعدد حصّوں کو اپنے قلم سے بڑی محنت سے خوشخط نقل کیا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اُسے جزائے خیر دے اور دین و دنیا کی برکتوں سے اسے مالا مال کرے۔

درخواستِ دُعا احباب دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے لطفِ خاص سے اس عاجز کی اس ادنیٰ سعی کو شرفِ قبولیت بخشے اور یہ کتاب تبلیغی اور تربیتی لحاظ سے مفید ثابت ہو اور میری غلطیوں اور خطاؤں کی پردہ پوشی

فرماتے ہوئے مجھ سے راضی ہو جائے اور راضی رہے۔ اور دونوں جہانوں میں اپنے بے پایاں فضلوں سے نوازے اور اس عاجز کی اولاد پر بھی اپنا فضل و کرم فرمائے انہیں دین و دنیا کی نعمتیں عطا فرمائے اور احمدیت کے نور سے ہمیشہ منوّر رکھے۔ آمین

سلسلہ عالیہ احمدیہ کا ایک ادنیٰ خادم

محمد صدّیق امرتسری

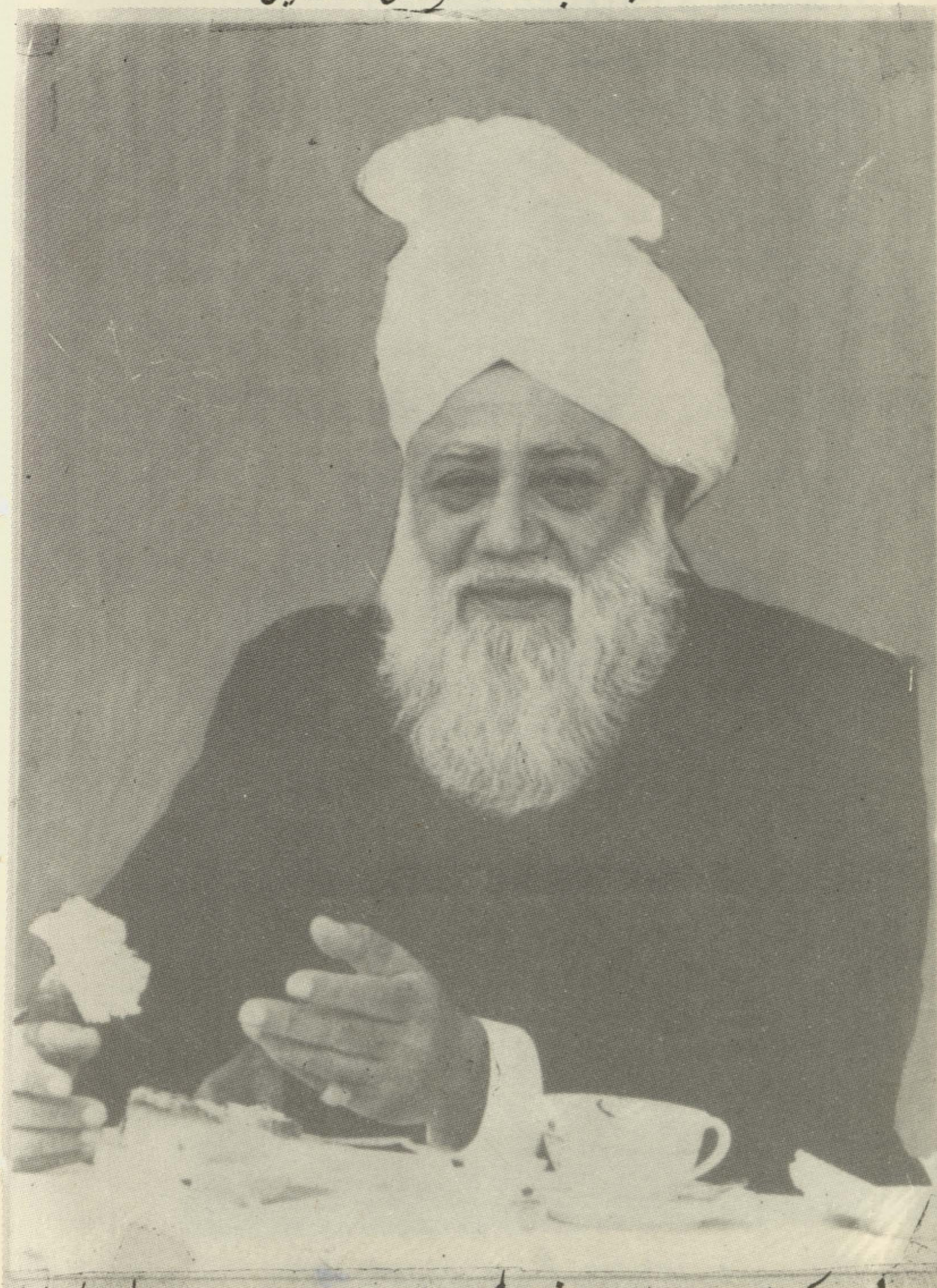
واقفِ زندگی

"قومیں اس سے برکت پائیں گی"



سیدنا حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

"محبت سب کے لئے، نفرت کسی کے لئے نہیں"



محبت کے سفیر حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ

(صفحہ ۴۱ تا ۶۳)

بیرونی ممالک کو جانیوالے مبلّغین کو سیّدنا حضرت مُصلح موعودؓ کی ہدایات

۲۲ر جنوری ۱۹۲۲ء کی صبح کو جب حضرت حکیم فضل الرحمٰن صاحبؓ مرحوم بغرضِ تبلیغ مغربی افریقہ روانہ ہونے والے تھے تو سیّدنا و مولانا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے انہیں تحریری اور زبانی ہر دو طرح جو ہدایات دیں ان کا ملخّص یہ تھا:۔

(۱) وہاں کی زبان سیکھیں (۲) نہایت محبّت اور حکمت سے کام لیں۔ (۳) وہ قومیں اپنے سرداروں کا بہت ادب کرتی ہیں اس لئے اُن سے معاملہ کرتے وقت کوئی ایسی بات نہ ہو جو ان کو بُری لگے۔ جب ان کو نصیحت کریں تو علیحدگی میں کریں۔ (۴) ان کی دماغی قابلیّت کے لحاظ سے تدریجاً انہیں علمِ دین سکھائیں (۵) ہمیشہ چُست رہیں (۶) اپنا کام کرتے وقت دوسروں پر نگاہ مت رکھیں (۷) اخلاق کا خاص خیال رکھیں اور حکام سے معاملہ کرتے وقت مناسب ادب سے پیش آئیں۔ (۸) افریقنوں کا تاثّر ہے کہ دنیا ان سے نفرت کرتی ہے آپ ان سے محبّت و شفقت کا معاملہ کریں (۹) عادات لباس اور کھانے پینے میں ہمیشہ کفایت مدِّ نظر رہے۔

(تاریخ احمدیّت جلد پنجم صفحہ ۳۰۲)

۷ر جنوری ۱۹۲۳ء کو حضرت مولوی محمد دین صاحب کے تبلیغ اسلام کے لئے امریکہ روانہ ہونے سے قبل سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے آپ کو منفصل ہدایات اور نصائح لکھ کر دیں جن کا خلاصہ یہ تھا کہ

(۱) نو مسلموں کو اسلامی اخلاق کا پابند بنائیں (۲) ان کا مرکز اور خلیفہ وقت سے عاشقانہ تعلق پیدا کرنے اور ان میں قربانی اور ایثار کی رُوح پھونکنے کی کوشش کریں۔ (۳) دعا پر زور دیں (۴) سیاہ اور سفید نسل والوں کو ایک نظر سے دیکھیں (۵) سیاست سے الگ رہیں۔ (۶) قرآن مجید پر تدبر کریں۔ (۷) ایسی تمام مجالس سے بچیں جو لغو کاموں پر

مشتمل ہوں (۸) اپنی زندگی سادہ اور بے تکلف بنائیں۔ (۹) پہلے مبلّغین کی خدمات کا دل زبان اور قلم سے اعتراف کریں (۱۰) یہ امر خوب یاد رکھیں کہ ہم آدمیوں کے پرستار نہیں بلکہ خدا کے بندے ہیں۔ نیز فرمایا (۱۱) خلیفۂ وقت کی فرمانبرداری کو اپنا شعار بنائیں اور یہی روح اور جذبہ اپنے سب زیر اثر لوگوں میں پیدا کریں۔ (الفضل ۲۵ جنوری ۱۹۲۳ء۔ تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۳۷۶)

مغربی افریقہ میں سب سے پہلے احمدی مبلّغ حضرت الحاج مولانا عبدالرحیم صاحب نیر رضی اللہ عنہ

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص صحابی اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے پرانے خادم حضرت الحاج مولانا عبدالرحیم صاحب نیر رضی اللہ عنہ چونکہ مغربی افریقہ میں احمدیہ تبلیغی مشنوں کے بانی تھے اور ہزاروں کی تعداد میں افریقن باشندے ان کے ذریعہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ نیز اس کتاب میں مذکورہ واقعات کا بیشتر حصہ مغربی افریقہ سے تعلق رکھتا ہے اس لئے سب سے پہلے انہی کے حالاتِ زندگی مختصراً پیش کئے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا نیر صاحب مرحوم اپنی خودنوشت سوانح میں فرماتے ہیں:۔

"میری پیدائش سنہ ۱۸۸۳ء میں ضلع جالندھر ریاست کپورتھلہ میں موضع پھگواڑہ کے قریب ایک گاؤں میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم پھگواڑہ اور بھونگہ میں حاصل کی۔ ابتدائی ملازمت رکونہ ضلع بھڑائچ اودھ میں کی۔ والد صاحب اصل میں ضلع کرنال کے رہنے والے تھے اور نانا صاحب ضلع ہوشیارپور کے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کرنے کا شرف مجھے اس طرح حاصل ہوا کہ ہمارے قریب ایک ہندو باواجی ہوا کرتے تھے جو پکے ویدانتی تھے ایک دن علم لدنی کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ یہ وہ علم ہے جو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو حاصل ہوا تھا یا اس زمانہ میں مرزا قادیانی کو ہوا ہے۔ میں نے باواجی سے پوچھا۔ باواجی مرزا قادیانی کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ کسی مولوی سے پوچھو۔ میں نے ایک مولوی صاحب سے حضرت صاحب کی نسبت دریافت کیا تو اس نے کہا مرزا صاحب ایک گاؤں قادیان کے باشندے ہیں منشی آدمی ہیں علماء نے اعتراض کیا کہ ان کو عربی نہیں آتی اور اب وہ ایسی اچھی عربی لکھتے ہیں کہ عقل حیران ہوتی ہے اور تعجب ہوتا ہے کہ یہ حقیقتاً میرے سوال کا اللہ تعالےٰ نے ان کے منہ سے جواب دلایا

تھا جس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پاس سے پڑھایا ہے، اور علم لدُنی سکھایا ہے۔ مَیں نے کہا ان کی کوئی تصنیف دکھائیں۔ مولوی صاحب نے مجھے "ست بچن" دکھائی۔ اگرچہ اس کتاب میں حضور نے اپنے دعاوی کا ذکر نہ فرمایا تھا۔ مگر اس کا طرزِ تحریر ایسا تھا کہ جس نے میری طبیعت پر یہ اثر کیا کہ اس کے لکھنے والا شخص واقعی دنیا کے لوگوں میں سے نہیں۔

اس کے بعد ایک احمدی بزرگ شیخ حبیب الرحمٰن صاحبؓ سے ملکر جو پھگواڑہ کے نزدیک رہتے تھے حضرتؑ کی کتب کا مطالعہ شروع کیا۔ ابتدائی رسائل میں سے کسی ایک کے ٹائٹل پیج پر لکھا تھا۔

کیا شک ہے ماننے میں تمھیں اس مسیحؑ کے
جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا
حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب
خوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا

یہ اشعار پڑھنے کے بعد ایک طبیب صاحب کا اشتہار پڑھا جس میں ان کی نسبت مسیح الزمان کا لفظ لکھا تھا اس کو دیکھ کر میرے دل میں خیال پیدا ہُوا کہ یہ چند دوائیاں جاننے والے مسیح الزمان کہلاتے ہیں، تو کیا حرج ہے کہ ایک شخص کو جو دین کی تجدید کرتا ہے مسیح الزمان مان لیا جائے۔ پس اس خیال کے ساتھ مَیں قادیان آیا اور حضور علیہ السلام کو دیکھ کر بلا کسی لمبی چوڑی تحقیق کے ۱۹۰۱ئہ میں بیعت کرلی۔

۱۹۰۲ئہ میں حضورؑ کی ایک تحریر کے اندر "میری نبوت" اور "میری رسالت" کے الفاظ تھے۔ جس کو دیکھ کر میری طبیعت میں قبض پیدا ہوئی۔ مَیں نے کسی سے دو تین روز بات نہیں کی۔ آخر تیسرے روز مجھے الہام بنایا گیا۔ "لَا رَیْبَ فِیْہِ"۔ اس کے بعد میں بسلسلۂ ملازمت اودھ چلا گیا۔ اور مطالعہ کا موقعہ ملتا رہا اور خدا کے فضل سے علم میں اضافہ ہو کر وہ وقت آگیا جب اللہ تعالیٰ مجھے قادیان لے آیا اور مَیں ستمبر ۱۹۰۶ئہ سے قادیان میں رہائش پذیر ہو گیا۔ ابتداءً تعلیم الاسلام ہائی سکول کا استاد مقرر ہُوا۔ اور کئی سال تک یہ خدمت سرانجام دی۔

۱۹۰۶ئہ میں امرتسر میں کنھیا لال کے منڈوے کے اندر رمضان کے مہینے میں حضرت

اقدس علیہ السلام کی تقریر تھی جس میں لوگوں نے شور مچایا اور حضورؑ تقریر نہ فرما سکے۔ جلسہ گاہ سے نکل کر حضورؑ گھوڑا گاڑی پر سوار ہوئے تو گاڑی پر کیچڑ پرانے جوتوں اور اینٹوں کی ایک قسم کی بارش ہو رہی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسلامیہ سکول کے لڑکوں اور دوسرے غنڈوں نے یہ چیزیں پہلے سے جمع کر رکھی تھیں۔ جب حضورؑ صحیح سلامت قیام گاہ پر پہنچ گئے تو مجمع میں سے ایک شخص نے جو غالباً بتے ہالی کے رہنے والے تھے بلند آواز سے کہا۔ السّلام علیکم یا المسیح الموعود والمھدی المعھود۔ حضورؑ نے وعلیکم السّلام میں جواب دیا۔ اس پر السلام علیکم کہنے والے نے عرض کیا۔ حضور یہ وہ سلام ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مہدی معہود کو پہنچانے کے لئے فرمایا تھا میں وہ سلام حضور کو پہنچاتا ہوں اس پر مسیح پاک علیہ السلام نے فرمایا۔

"میرے آقا کے اس سلام میں ایک پیشگوئی ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ اللہ تعالٰے تم کو سلامت رکھے گا یہ ایک پیشگوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری نسبت فرمائی ہے۔" (رجسٹر روایات صحابہ نمبر ۱۱ صـ۲۵۲)

تعلیم الاسلام ہائی سکول میں مدرّسی کے علاوہ حضرت نیّرؔ صاحب کچھ عرصہ حضرت مصلح موعودؓ کے پرائیویٹ سیکرٹری کا کام بھی انجام دیتے رہے۔ ۱۵ر جولائی ۱۹۱۹ء کو حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیالؔ کے ساتھ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے انگلستان روانہ ہوئے اور وہاں کئی ماہ فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کے بعد آپ کو مغربی افریقہ بھجوایا گیا اور سب سے پہلے آپ نے ۱۹ر فروری ۱۹۲۱ء کو ساحلِ سیرالیون پر قدم رکھا اور پھر مغربی افریقہ کے دیگر ملکوں نائیجیریا۔ گولڈکوسٹ (گھانا) میں پہنچے۔ ان علاقوں میں اللہ تعالٰے نے بطور پائونیر مبلّغِ اسلام آپ کو حیرت انگیز کامیابی بخشی۔ اور ہزاروں ہزار افریقن حلقہ بگوشِ احمدیّت ہوئے۔ اور مغربی افریقہ میں احمدیت کے ذریعہ اسلام کا ایک مضبوط حصار قائم ہو گیا۔ چنانچہ ان دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک اور صحابی محترم جناب نعمت اللہ صاحب گوہرؔؓ نے مغربی افریقہ میں حضرت نیّرؔ صاحب کی اس نمایاں کامیابی سے متاثر ہو کر ایک طویل نظم لکھی جس کے چند اشعار کچھ یوں تھے ؎

احمدؑ کے نام لیوا جس زمیں میں پہنچے ٭ بامِ فلک سے نیّرؔ کرنے سلام آیا

شیریں کلام ان کا سُننے کو خلق دوڑی ٭ ہر جا پہ طالبوں کا گرد اژدہام آیا
زنگی ہو یا فرنگی پینے کو رام زنگی ٭ لیکر کوئی صراحی اور کوئی جام آیا

وہاں کے انگریز اور لوکل حکام کے ہاں بھی آپ کا کافی رسوخ تھا۔ لیکن وہاں ڈیڑھ پونے دو سال کا عرصہ گزارنے کے بعد آپ کی صحت پر ایسا بُرا اثر ہُوا کہ ڈاکٹروں کے مشورہ سے آپ کو مجبوراً لنڈن واپس جانا پڑا۔ جہاں پر تقریباً دو سال مزید کام کرنے کے بعد ۱۹۲۴ء کے اواخر میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی رفاقت میں آپ بانیلِ مرام قادیان واپس آگئے۔

اس کے بعد آپ نے تقریباً ۵ سال تک دعوۃ و تبلیغ کے سلسلہ میں بھوپال اور حیدر آباد میں خدمات سرانجام دیں اور پھر قادیان میں مختلف اداروں میں خدمات بجالاتے رہے حتیٰ کہ پنشن لینے کے بعد فارغ ہو گئے۔

آپ کی پہلی بیوی سے آپ کی دو صاحبزادیاں ہیں جو غالباً ریاست حیدر آباد میں مقیم ہیں۔ مولانا کی دوسری شادی مکرم ڈاکٹر عبد الغنی صاحب کڑک کی صاحبزادی محمودہ خانم سے ہوئی۔ جس سے چار بچے ہوئے دو لڑکیاں اور دو لڑکے جو اب متاہل زندگی گزار رہے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے بٹوارہ اور فسادات کے بعد آپ گوجرانوالہ میں پناہ گزیں ہوئے اور اسی مقام پر ۷؍ ستمبر ۱۹۴۸ء کو اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔

(تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۲۰۹)

نیّر صاحبؓ کی وفات پر روزنامہ الفضل کا نوٹ

حضرت مولانا نیّر صاحبؓ کی وفات پر روزنامہ الفضل کے ۹؍ ستمبر ۱۹۴۸ء کے شمارہ میں پہلے صفحہ پر مندرجہ ذیل نوٹ دیا گیا:۔

”نہایت افسوس کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ بتاریخ ۷؍ ستمبر ۱۹۴۸ء سات بجے صبح سلسلہ کے دیرینہ خادم اور مغربی افریقہ کے سب سے پہلے مبلغ حضرت الحاج مولوی عبد الرحیم صاحب نیّر طویل علالت کے بعد گوجرانوالہ میں اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔“

حضرت نیّر صاحب موصوف حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے صحابی تھے اور

عرصہ دراز تک بیرونی ممالک میں ایک کامیاب مبلّغ کی حیثیت سے کام کرتے رہے تھے۔ بالخصوص مغربی افریقہ میں سیّدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے ماتحت وہاں پہلا تبلیغی مشن آپ نے ہی قائم کیا۔ انگلستان میں بھی آپ کو تبلیغِ حقّہ کے فرائض سرانجام دینے کی توفیق ملی۔ اللہ تعالیٰ نے کئی اور نوع کی خدماتِ سلسلہ بجا لانے کی بھی آپ کو توفیق بخشی ہمیں اس صدمہ میں حضرت نیّر صاحبؓ کی اہلیہ محترمہ اور دیگر لواحقین سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو بہت بہت بلند درجات عطا فرمائے آمین۔"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے وفات کی اطلاع

محترم جناب شیخ عبدالقادر صاحب فاضل مربّی سلسلہ و مؤلفؒ تاریخ احمدیت لاہور لکھتے ہیں:۔

"پاکستان آنے کے بعد پہلی عید جو حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے منٹو پارک میں پڑھائی اس میں نماز اور خطبہ کے بعد احباب جماعت حضرت اقدس سے ملاقات کر رہے تھے خاکسار بھی امیدواروں میں سے تھا۔ حضرتِ مولوی عبدالرحیم صاحب نیّر نے خاکسار کو دیکھکر پوچھا کہ "آپ بتائیں ہم لوگ قادیان کب واپس جائیں گے"۔ اتنا فرماتے ہی حضرت نیّر صاحب کے آنسو نکل آئے۔

خاکسار نے جواب میں انہیں عرض کیا کہ مولوی صاحب! اس کا انحصار تو ہمارے اعمال پر ہے اگر ہم جلد اپنی اصلاح کر کے اللہ تعالیٰ کے رحم کو جذب کر لیں۔ تو وہ ذات ارحم الرّاحمین جلد ہمیں واپس قادیان لے جائے گی۔ ورنہ شاید کچھ دیر لگ جائے۔ خاکسار کا یہ جواب سُنکر حضرت نیّر صاحب نے فرمایا۔ "پھر مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ تم ایک سال کے اندر اندر چلے جاؤ گے"۔ چنانچہ اس کے بعد واقعی ایک سال کے اندر اندر ۷ ار ستمبر ۱۹۴۸ء کو گوجرانوالہ میں حضرت نیّر صاحبؓ کا وصال ہو گیا۔"

("تاریخ احمدیت لاہور"۔ صفحہ ۵۴۲)

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرؔ ایک خوش خلق، ملنسار، ہنس مکھ، بے مزر، غریب پرور اور نافع الناس وجود تھے۔ آپ ۹؍ فروری ۱۹۲۱ء کو لندن سے مغربی افریقہ تشریف لے گئے اور ۱۹؍ فروری کو فری ٹاؤن پہنچے۔ ان کو وہاں کے لوگ اب تک بہت یاد کرتے ہیں۔ اور اپنے بچوں کا نام نیرؔ رکھکر اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ فری ٹاؤن میں کئی مسلمان ایسے ہیں جو نیرؔ کے نام سے موسوم ہیں۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ خاکسار اور الحاج مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیل مرحوم سابق مبلغ انچارج سیرالیون فری ٹاؤن کی مسجد فولا ٹاؤن کے نزدیک کسی کام کے سلسلہ میں ایک مکان پر گئے۔ گھر کی مالکہ جو ایک نوّے سالہ بڑھیا تھی ہمیں دیکھکر بہت خوش ہوئی۔ اور کہنے لگی میں وہ عورت ہوں جس نے نیرؔ صاحب مرحوم کو اپنے ہاتھوں سے کھانا پکا پکا کر کھلایا اور وہ میرے اس مکان میں ٹھہرے تھے۔ غرض بڑی وارفتگی سے وہ ہمیں ان کے حالات سُناتی رہی۔ اسی طرح ایک دفعہ فری ٹاؤن کے سرکردہ مسلمان مسٹر احمد الہادی ماسٹر آف کورٹس سے حضرت نیرؔ صاحب کا ذکر چل پڑا۔ کہنے لگے۔ نیرؔ صاحب کیا تھے ایک چلتا پھرتا جادو تھے۔ ایک روز ہزاروں کے مجمع میں لگاتار پانچ گھنٹے تقریر کرتے رہے۔ سامعین پر وجد کا عالم طاری تھا۔ یہاں تک کہ پانچ گھنٹے تقریر سننے کے بعد بھی لوگوں کا اصرار رہا کہ تقریر جاری رکھیں۔ خصوصاً جب قرآن کریم ترتیل سے پڑھتے تو حاضرین جھُوم جھُوم جاتے۔ جتنا عرصہ وہ ہمارے شہر میں رہے جدھر جاتے بیسیوں لوگ پیچھے ہوتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ سارا شہر احمدی ہو گیا ہے۔ ہر کام کا فن ہوتا ہے۔ تبلیغِ اسلام کے فن میں نیرؔ صاحب کو کمال حاصل تھا۔ بازار میں جاتے تو ایک ہاتھ میں قرآن کریم اور دوسرے ہاتھ میں بائیبل ہوتی۔ ہر ایک کو دعوت دیتے۔ آؤ بھائی مقابلہ کر لو کونسی کتاب۔ افضل و اعلیٰ کامل و اکمل اور بہتر و احسن ہے اور کونسی کتاب اب ناقابلِ عمل اور ادنیٰ ہے۔ آؤ۔ آؤ میدان میں آؤ پھر فرماتے کہ سب سے بڑی دلیل الہامی کتاب کی صداقت کی یہ ہے کہ وہ خود الہامی ہونے کا دعویٰ کرے۔ قرآن کریم میں ایسا دعویٰ بھی ہے اور دلائل بھی ایک نہیں ہزارہا دلائل۔ مگر بائیبل میں نہ ایسا دعویٰ ہے نہ دلائل۔

خود نوشت تبلیغی حالات

اب ذیل میں حضرت نیرؔ صاحب کے بعض مزید خود نوشت تبلیغی حالات درج کئے جاتے ہیں جو مکرم مولٰنا

بشارت احمد صاحب بشیر ایم۔اے نائب وکیل التبشیر نے بڑی محنت سے الفضل کے فائلوں سے جمع کئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

"الفضل ۱۵ ؍ جولائی ۱۹۱۹ء۔ حضرت نیرؔ صاحب لکھتے ہیں:۔

"مَیں اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہوں اپنے فرخندہ بخت پر خوش ہوں اپنے مولا کے احسانات کو یاد کرتا ہوں اور آج اپنی دیرینہ خواہش اور اپنے دل کی ایک اُمنگ کو عملی جامہ پہنے ہوئے دیکھکر فرط خوشی سے کہتا ہوں۔

لِلہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد زپسِ پردۂ تقدیر پدید

آج وہ باتیں جو خواب تھیں وہ ارادے جو محض خیال تھے مسیح پاکؑ کی جوتیوں اور حضرت فضل عمر کی توجہ سے حقیقت کا لباس زیب تن کر رہے ہیں۔ خدا کی بڑائی ہو محمدِ عربیؐ پر ہزاروں ہزار صلوٰۃ اور احمد قادیانی پر سلام ہوں کہ گمنام عبدالرحیم اب احمدی نیرؔ بن کر تبلیغِ اسلام کے لئے جاتا ہے۔ میرے قلب میں خیالات کا سلسلہ ہے میرے سامنے اپنی زندگی کا نقشہ ہے۔ مَیں مردوں کو زندہ کئے جانے کی مجسّم مثال ہوں۔

مرا دم معجزہ ہے ان کے دم انکی توجہ کا
مَیں زندہ ہوں اگرچہ قصّۂ لازر ہے افسانہ

"مَیں بچہ تھا کہ مَیں نے خواب میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سواری دیکھی اور پھر مَیں نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمہائے مبارک کو چھُوا۔ میری والدہ نے اس خواب کی تعبیر یہ کی تھی کہ بیٹا تو بڑا ہو کر یا خود بڑا عالم ہوگا یا تم کو امام مہدی مل جائیں گے۔ میرے خدا کی تعریف ہو۔ مجھے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سواری ملی مَیں نے قدم چھُوئے اور خادمِ مہدی بنا۔"

ڈاکٹران سیّد محمد حسین شاہ صاحب اور مرزا یعقوب بیگ صاحب حضرت خلیفہ اوّلؓ کے حضور حاضر تھے۔ ولایت میں ایک مبلّغ بھجوانے کا ذکر تھا ..... اس عاجز نے صدائے السّلام علیکم کی سیّدنا حضرت خلیفہ اوّلؓ

نے محبّت سے بٹھایا اور فرمایا:-

"تم کو ولایت بھیج دیں"

لیکن میرے ولایت جانے کا ابھی وقت نہیں تھا اس لئے میرے مُنہ سے نکلا۔ حضور! یہ (ڈاکٹر صاحبان کی طرف اشارہ کرکے) بڑے بڑے آدمی ہیں۔ مَیں چھوٹا سا آدمی کیا کرسکونگا۔ حضرت نے فرمایا۔ کام چھوٹے آدمی ہی کیا کرتے ہیں"۔ خدا کی ستائش ہو کہ چھوٹوں کو بڑا بنانے والا آیا اور مقدس نورالدینؓ کے مُنہ کی بات آج پوری ہوئی ہے۔

ایں سعادت چو بود قسمتِ ما

رفتہ رفتہ رسید نوبتِ ما

الفضل ۲۴ جنوری ۱۹۲۱ء:-

"اس عاجز کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح کا حکم آیا ہے کہ مَیں مکرم مولوی مبارک علی صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی کی جگہ مغربی افریقہ میں تبلیغ حق کیلئے جاؤں اور مَیں اس حکم کی تعمیل میں اپنا چارج مولوی مبارک علی صاحب (بوگرہ بنگالی) کو دے رہا ہوں۔ احباب اس ناتواں نالائق ضعیف خادم مسیح موعودؑ کی کامیابی کے لئے دعا فرمائیں۔ مَیں انشاء اللہ ۹ فروری کو سفید سے سیاہ مخلوق کی طرف روانہ ہوں گا۔ میری خواہش ہے کہ میرے وہ تمام دوست جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں مجھے خیریت سے اطلاع دیتے رہیں اور اپنی دعاؤں کا یقین دلائیں۔ خط و کتابت کے لئے ابھی میرا پتہ بدستور لندن کا ہوگا"

الفضل ۲۷ جنوری ۱۹۲۱ء:-

"مَیں انشاء اللہ حسبِ ارشاد امام واجب الاحترام والاطاعت پیشوائے جماعت احمدیہ مغربی افریقہ کی طرف لِورپول سے ۹ فروری ۱۹۲۱ء کو بحری جہاز کے ذریعہ روانہ ہو رہا ہوں۔ میرے سامنے بہت بڑا کام ہے اور مَیں ضعیف اور چھوٹا سا آدمی ہوں۔ غیر مبایعین نے وہاں اپنا لٹریچر بھیجا ہوا ہے غیر احمدیوں کے خطوط جا چکے ہیں۔ مسیحی ہر طرح اسلام کا کام تمام

کرنے کے لئے کوشاں ہیں اس قدر دشمنوں کے مقابل میں جہاں تک اسباب کا تعلق ہے لکڑی کی تلوار کے ساتھ جا رہا ہوں مگر مجھے یقین ہے۔ کہ مسیح موعودؑ کی غلامی کے باعث اس سے دشمن کا سر کاٹ سکوں گا۔ مجھے یقینِ واثق ہے کہ فتح ہماری ہے اَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ کے ارشاد میں اٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ بھی شامل ہیں اس لئے حضرت جری اللہؑ فرماتے ہیں ؎

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود
ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد

لیکن مجھ نالائق گنہگار کمزور کو حضرت امام اور آپ سب لوگوں کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ خدا کے لئے غافل نہ ہو۔ خوب دعا کریں۔ بہت کریں۔ مجھے ہندوستان کی خبریں اور قادیان کے اخبارات دو ماہ بعد ملا کریں گے۔ اس لئے روحانی تعلق کی تار ہائے برقی کے توسط سے مجھے پیغام پہنچاتے رہیں۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ دعاؤں میں یہ طاقت ہے۔"

لندن سے روانگی "میں آج ۹ر فروری ۱۹۲۱ء کو صبح دس بجے لندن سے نائیجیریا کے لئے روانہ ہوا۔ لندن میں بہت سے دوست چھوڑنے آئے ہیں۔ ڈیلی گرافک۔ ڈیلی مرر اور ڈیلی ٹائمز نے روانگی کی خبریں شائع کیں۔ ڈیلی مرر میں خاکسار چیف آف لیگوس سے جس میں مصافحہ کر رہا ہے وہ فوٹو شائع ہوئی۔ لندن سٹیشن پر سوار کرنے کے لئے اخویم مولوی مبارک علی صاحب۔ بابو عزیز دین صاحب اور چوہدری مولا بخش صاحب آئے۔ جَزَاھُمُ اللّٰہُ تَعَالیٰ"

(الفضل ۷ر مارچ ۱۹۲۱ء)

مغربی افریقہ میں استقبال جس جہاز میں سوار ہوا اس میں آلہ بے تار (وائرلیس) پیغام رسانی کے لئے موجود تھا۔ اس خدمتگار مبلغ اسلام سے کام لے کر جہاں عاجز نے حضرت امام المتقین کے حضور دعا کی درخواست بھیجی وہاں ایک پیغام مسٹر خیر دین افسر تعلیم مسلمانانِ سیرالیون کے نام

بھی ارسال کر دیا۔ مسٹر موصوف نے اس پیغام کی حتی الوسع اشاعت کی۔ چنانچہ ۱۹ر فروری کو سیرالیون کی مختلف اقوام کے سردار و امام ایک درجن کی تعداد میں اپنے زرق برق لباس اور عبائیں اور عمامے پہنے ایک وزنی نقرئی ڈھول گلے میں ڈالے ہوئے تختۂ جہاز پر اس غریب کے استقبال کے واسطے آگئے۔ علیک سلیک اور اھلاً و سھلاً و مرحبًا کے بعد پہلے گفتگو عربی میں ہوئی۔ الحمد للہ کہ تختۂ جہاز پر سوڈانی اور طرابلس کے مسافروں کے ساتھ لسانِ قرآن میں گفتگو کا اتفاق ہونے کے باعث عربی میں کلام کرنے کی مشق ہو گئی تھی اس لئے کوئی دقت پیش نہ آئی اور خدائے مسیحؑ کا ایک نشان یہ بھی ہے کہ وہ مختلف زبانوں میں کلام کریں گے۔ اس کے مطابق اس نے مجھے عربی میں کلام کرنے کی توفیق دی۔

کنارۂ بحر پر موٹریں موجود تھیں ان میں سوار کرا کے جلوس کی صورت میں مجھے ایک خوبصورت مسجد میں پہنچایا گیا۔ جہاں پندرہ ہزار مسلمانوں کے قائم مقام موجود تھے۔ میں نے انگریزی میں اپنے مشن کی اغراض بیان کیں اور استقبال کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے جواب میں چیف الفا یعنی بوڑھے پیش امام نے میری آمد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مصلحین و مجددین کی آمد کے وعدہ سے مطابقت دے کر میرا شکریہ ادا کیا۔ یہ ۱۹ر فروری کی صبح تھی۔ اس کے بعد مختلف جگہوں پر میری تقریریں ہوئیں میں نے اپنی تقریروں میں برابر مسیح پاکؑ کی آمد کا ذکر کیا اور اٰمنّا کے سوا کوئی آواز نہ سُنی۔ مالکی امام کو علیحدہ تبلیغ کی۔ اس نے اقرارِ ایمان کیا۔ ۲۰ر فروری کی شام کو تقریر مسیحی لوگوں کے لئے تھی وہ توجہ سے سُنی گئی۔ چونکہ سیرالیون میں دو مسیحی کالج ہیں دو بشپ رہتے ہیں اور ۱۱۸ پادری قیام رکھتے ہیں اس لئے مسیحی مجمع تعلیم یافتہ افریقنوں کا تھا۔ تقریر کے بعد سلسلہ سوالات و جوابات شروع ہوا اور مسلمان خوش اور مسیحی متفکّر نظر آئے۔

مسلم بشپ

۲۱ر فروری کی صبح کو حکام سے ملاقات کر کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت کی طرف سرکار کو توجہ دلائی۔ اور حکامِ بالادست نے میری حوصلہ افزائی کی۔ خدا کی قدرت قادیان کے مدرسہ کا ایک نکمّا مدرس ادنیٰ عبدالرحیم یہاں مسلم بشپ کے نام سے مشہور ہوا۔ کیا یہ شانِ محمودؓ نہیں کہ چھوٹے بڑے کر دیئے

جائیں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔"

(الفضل ۱۸/ اپریل ۱۹۲۱ء)

افریقہ میں دس ہزار نئے احمدی۔ نیّر صاحب کا تار

Khalifatul Masih, Qadian, Batala.

Recovered Accept Ten Thousands

Baiat Nayyer.

حضرت خلیفۃ المسیح۔ قادیان۔ اب بصحت ہوں۔ دس ہزار نومبایعین افریقنوں کی بیعت قبول فرمائیں۔ نیّر

(الفضل ۲۰/ جون ۱۹۲۱ء)

نائیجیریا میں فرقہ اہلِ قرآن

فرقۂ اہلِ قرآن کی تعداد تقریباً ایک ہزار نفوس ہے یہ لوگ چکڑالویوں جیسے اہلِ قرآن نہیں ہیں۔ بلکہ ان کو اختلاف صرف یہ ہے کہ تفسیر جلالین کو قرآن پر سبقت نہیں دینی چاہیئے۔ اور کہ قرآن مقدم ہے۔ میں نے ان کی تائید کی اور ان لوگوں نے میرے وعظوں میں دلچسپی لینی شروع کی۔ آخر ایک دن ان کے بارہ اکابر مجھے سلام کرنے آئے اور اُن کے معلّم قرآن نے اعلان کیا کہ

"۱۲ برس ہوئے سابق امام جماعت اہلِ قرآن نے موت سے قبل یہ بشارت دی تھی کہ ایک سفید آدمی (غیر افریقن) مسیح موعود کی خبر لائے گا اور اہلِ قرآن کی تصدیق کرے گا یہ پیشگوئی آپ کے وجود میں پوری ہوئی ہے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔"

"ان لوگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قبول کر لیا ہے۔ مگر ابھی تک من حیث الجماعت بیعت نہیں کی جس کا مجھے انتظار ہے اللہ تعالےٰ سے امید ہے کہ یہ جماعت بھی مخلص احمدی جماعت ثابت ہوگی۔"

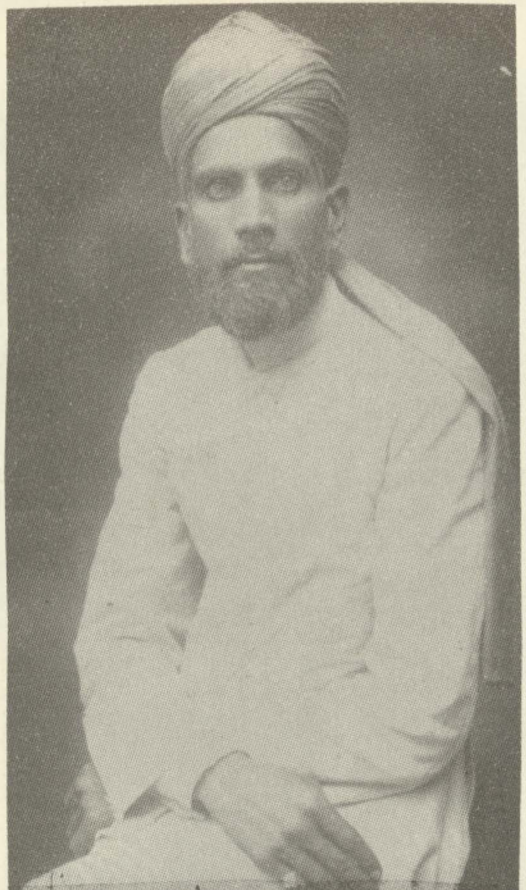
(الفضل ۲۳/ جون ۱۹۲۱ء)



حضرت الحاج مولانا حکیم فضل الرحمٰنؓ مغربی افریقہ
کے دوسرے احمدی مبلغ (صفحہ ۳۰)



حضرت الحاج مولانا عبدالرحیم نیرؓ بانی مبلغ مغربی افریقہ
(صفحہ ۸)



حضرت الحاج مولانا نذیر احمد علیؓ مغربی افریقہ کے
تیسرے احمدی مبلغ و رئیس التبلیغ (صفحہ ۳۴)



حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر مغربی افریقہ کے دورہ کے دوران فری ٹاؤن احمدیہ سیکنڈری سکول کا معائنہ فرما رہے ہیں

افریقہ میں احمدیت کی عظیم الشان فتح

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے جماعت کو خوشخبری

"برادران - السلام علیکم - تمام احبابِ جماعت کو یہ بات سُنکر خوشی ہوگی کہ مغربی افریقہ میں جو ماسٹر عبد الرحیم صاحب کو برائے تبلیغ بھیجا گیا تھا وہاں ان کو خاص کامیابی ہوئی ہے - اس ملک کے مسیحیوں نے لاکھوں آدمیوں کو مسیحی بنا لیا ہوا ہے اور ایک تہائی سے زیادہ آدمی مسیحی ہو چکے ہیں اور کچھ لوگ ابھی اپنے پُرانے مذہب بُت پرستی پر قائم ہیں اور کچھ مسلمان ہیں ....

غرض اس ملک میں جس کی آبادی ۳۰ لاکھ کے قریب ہے - اسلام سخت خطرہ میں تھا اور اس امر کو معلوم کرنے پر میں نے ماسٹر عبد الرحیم صاحب کو جو پہلے لندن میں احمدی مشنری تھے وہاں تبلیغ کے لئے بھجوا دیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالےٰ کے فضل سے وہاں اسلام کو خاص طور پر غلبہ ہوگا کیونکہ وہاں کے لوگ بھی عربوں کی طرح قبائل میں تقسیم ہیں - اور امید کی جاتی ہے کہ ایک آدمی کے حق قبول کرنے سے ہزاروں آدمی حق کو قبول کر لیں گے - چنانچہ ایسا ہی ہوا - اور آج ماسٹر عبد الرحیم صاحب نیرؔ کی طرف سے یہ خوش خبری بذریعہ تار موصول ہوئی ہے کہ وہاں چار ہزار غیر مسلم نے اسلام قبول کیا ہے اور وہ بیعت کی درخواست کرتے ہیں - پس احباب کی اطلاع کے لئے اور تحریکِ دعا کے لئے اس خبر کو بذریعہ اشتہار شائع کرتا ہوں - احباب کو چاہیئے کہ اپنے مبلّغ بھائیوں کے لئے خاص طور پر دعا کریں اور تبلیغ کے بڑھتے ہوئے کام کے لیے حسبِ استطاعت اپنے اموال میں سے حصہ نکالیں اس سے بڑھ کر بابرکت اور موجبِ ثواب کام آجکل کوئی نہیں -

اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے اسلام کے غلبہ کے سامان فرمائے۔ آمین۔"

خاکسار مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح

(۲۹ر مارچ ۱۹۲۱ء ۔ الفضل ۳۱ر مارچ ۱۹۲۱ء)

افریقیہ کے چار ہزار احمدیوں کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے نام

جناب خواجہ حسن نظامی کا خط

لائق احترام جناب مرزا محمود احمد صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
ایک مطبوعہ اشتہار میرے نام پہنچا جس کے آخر میں آپ کے دستخط ہیں اس کے مرسل کا نام معلوم نہیں ہے لیکن چونکہ مطبوعہ اشتہار آپ کی جانب سے ہے اس لئے میں آپ ہی کے نام اس کی رسید بھیجتا ہوں۔

مجھ کو اشتہار کی عبارت پڑھ کر کمال درجہ مسرت ہوئی اور بے اختیار زبان سے الحمد للہ نکلا۔ افریقیہ میں عیسائیت کے مقابلہ میں مرزائیت کی فتح یقیناً ہر مسلمان کو اچھی معلوم ہو گی بشرطیکہ وہ حاصل مقصد کو سمجھتا ہو۔ میں آپ کے عقیدہ کا اب تک دل سے مخالف ہوں مگر امریکہ یورپ اور افریقیہ میں آپ کے آدمیوں کے ذریعہ جو کچھ کام ہو رہا ہے۔ اس کا اعتراف کرنا اور اس کے نتائج سے مسرور رہونا لازمی سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اپنے دین کا اس سے زیادہ بول بالا کرے۔

نیازمند قدیمی حسن نظامی

۲۸ر رجب ۱۳۳۹ھ

(مطبوعہ الفضل ۲۱ر اپریل ۱۹۲۱ء)

حضرت نیّر صاحب کی سیرالیون میں آمد پر فری ٹاؤن کے دو سر کردہ مسلمانوں کے تاثرات

آنریبل سنوسی مصطفیٰ نائب وزیر اعظم و وزیر مال سیرالیون فرماتے ہیں:۔
جماعت احمدیہ نے اس ملک (سیرالیون میں) اسلام کی صحیح تصویر پیش کر کے ملک و

ملّت کی بہت خدمت کی ہے۔ مجھے یاد ہے جب میں فری ٹاؤن کے ایک سکول میں طالبعلم تھا تو جماعت احمدیہ کا پہلا مبلّغ فری ٹاؤن میں آیا لوگوں نے اس کی مخالفت کی۔ مگر اس کے علم و فضل کی اس قدر دھاک بیٹھ گئی کہ لوگ اس کے علم و فضل کا برملا اقرار کرنے لگے اس کے ایک ہاتھ میں قرآن تھا اور دوسرے میں بائیبل اور وہ دونوں کا مقابلہ کرکے قرآن کی فضیلت اس طرح ثابت کرتا تھا کہ کوئی عیسائی پادری اس کا جواب نہ دے سکتا تھا۔" (بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۷ صـ۴۲۷)

مسٹر عبداللہ بیٹ جو آکو قبیلہ کے ایک سرکردہ مسلمان ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"مجھے وہ وقت خوب یاد ہے جب ۱۹۲۱ء میں حضرت مولانا عبدالرحیم نیّر مرحوم کا مبارک قدم سرزمین سیرالیون میں پڑا۔ اس وقت یہ اندازہ لگانا محال تھا کہ ایک دن احمدیت سیرالیون میں اتنی مضبوط ہو جائے گی۔ مولانا نیّر صاحب کے ساتھ میرے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے مگر ان کا قیام فری ٹاؤن میں بہت عارضی تھا۔ تاہم وہ احمدیّت کا جو بیج لے کر آئے اُن کے بعد مکرم مولانا فضل الرحمٰن حکیم نے اس بیج کی آبیاری کی۔"

(تاریخ احمدیت جلد ۷ صـ۴۲۴)

احمدیّت سے قبل مغربی افریقہ کے مسلمانوں کی حالت

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیّر کا افریقہ سے پہلا تفصیلی خط

آجکل تو اسلام کے اشد ترین دشمن بھی معترف ہیں کہ احمدیت کے ذریعہ مغربی افریقہ میں اسلام دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ اور وہاں کے مسلمان خدا کے فضل سے کسی میدان میں بھی عیسائیوں سے پیچھے نہیں ہیں۔ لیکن احمدیت کے مبلّغین کے ورود سے پہلے یعنی آج سے تقریباً ساٹھ سال قبل مسلمان وہاں کس کسمپرسی میں زندگی بسر کرتے تھے اور کس طرح وہ اپنی بقا کے لئے عیسائیوں کے دستِ نگر تھے اس کا اندازہ وہاں احمدیت کے سب سے پہلے مبلّغ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جلیل القدر صحابی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیّر کے اس تفصیلی خط سے ہوتا ہے جو انہوں نے مغربی افریقہ

کے ان پسماندہ ممالک کے مسلمانوں کی حالت کا پورا جائزہ لینے کے بعد مئی ۱۹۲۱ء میں نائیجیریا سے ہندوستانی احمدیوں کے نام تحریر کیا۔ ذیل میں اس کے ضروری اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جو الفضل مورخہ ۱۳ر جون ۱۹۲۱ء سے لئے گئے ہیں۔

مغربی افریقہ اس وقت بالکل عیسائی ہے

"مجھے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان لَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَةِ ہر روز شیخ سعدیؒ کے ترجمہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" کے ساتھ یاد آتا رہتا ہے ہندوستان اور دُنیا کے مسلمان سمجھتے ہیں کہ افریقہ میں اسلام ترقی کر رہا ہے اور جیسا کہ مسیحی لوگوں نے بار بار شائع کیا وہ یقین کرتے ہیں کہ لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ مگر یہاں حالات بالکل اس کے برعکس ہیں اس وقت مغربی افریقہ بالکل عیسائی ہے۔ سرکاری عہدے تعلیم دولت۔ عزت۔ وجاہت۔ تجارت سب عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ جہالت۔ غربت۔ نااتفاقی اور باہمی چھینا جھپٹی یہاں کے ان مسلمانوں کا حصّہ ہے جو اکثر دوسرے ممالک افریقہ سے آکر برطانوی علاقہ میں آباد ہوئے ہیں۔ سوائے نائیجیریا کے باقی ممالک کے اصل باشندے اکثر عیسائی یا بُت پرست ہیں۔ اور عیسائیت دن بدن سب جگہ ترقی کر رہی ہے۔ سیرالیون میں صرف مسیحی کالج اور سکول ہیں۔ اور ہر مسیحی فرقہ کے واعظ پوری تندہی سے اپنے مذہب کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ برطانوی علاقہ میں موجود مسلمان گو دوسرے علاقوں کی نسبت کچھ بہتر حالت میں ہیں۔ مگر حکومت اور جملہ ملکی امور میں ان کا حصّہ صفر ہے۔"

"گولڈ کوسٹ (گھانا) عملاً سب کا سب عیسائی ہے۔ علاقہ فینٹی Fantee میں صرف وہ لوگ مسلمان ہیں جنہوں نے اب احمدیت کے ذریعہ اسلام قبول کیا ہے۔ اور صرف یہی لوگ گولڈ کوسٹ کے اصل مسلمان باشندے کہلا سکتے ہیں باقی (مسلمان) تمام مہاجر اور اجنبی لوگ ہیں۔ جو دوسری ریاستوں سے گولڈ کوسٹ میں داخل ہوئے ہیں وہ باہمی جنگ وجدل سے اپنے تئیں خاص طور پر ممتاز کر رہے ہیں یہاں تک کہ اکرا دارالحکومت گولڈ کوسٹ کی مسجد ان لوگوں کے باہمی فساد کی وجہ سے مقفل ہے۔ بعض رؤساء جو مسلمان تھے ان کے مرنے کے بعد اب ان کے قائم مقام مسیحی ہو چکے ہیں۔

نائیجیریا میں مسلمانوں کی حالت

نائیجیریا میں بھی مسلمانوں کی یہی حالت ہے،

لیگوس میں دو بڑی بڑی مسلم جماعتیں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہیں اور عدالت میں مقدمات دائر ہیں۔ جامع مسجد میں فساد ہو چکا ہے اور مسلمانوں کو ان فسادات نے یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ ان کا نام عیسائیوں کی نظر میں کلمۂ تحقیر ہے اور عیسائی لوگ "محمڈن" کا لفظ گالی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ سیرالیون۔ گولڈ کوسٹ اور نائیجیریا میں ایک بھی ایسا مدرسہ نہیں کہ جسے مسلمانوں کی تعلیمی درسگاہ کہا جا سکے یا جہاں سے تعلیم پا کر مسلمان اللہ اور رسولؐ کو پہچاننے اور دنیا میں عزت کے ساتھ کام کرنے کے قابل ہو سکیں۔

ہندوستان کی جماعت سے خطاب

برادران! امتِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بگڑی ہوئی حالت کا درست کرنا اور اس کو تاریکی میں روشنی دکھانا پھر اسلام کو شیطان کے حملوں سے بچانا آپ کا کام ہے۔ مغربی افریقہ کا ہر گاؤں ہر قصبہ اور ہر شہر مسیحی مناّدوں سے پُر ہے ان کے سکول ان کے کالج ان کا اثر و نفوذ اور حکومت کا ہر طرف زور ہے۔ ہزاروں میل کے رقبہ اور لاکھوں انسانوں میں میں صرف تنِ تنہا ہوں۔ مجھے نہ صرف خوراک اور آب و ہوا سے جنگ کرنا پڑ رہی ہے بلکہ حکام کی غلط فہمیوں سے بھی سابقہ ہے اور گو میں ان تمام مشکلات اور تشویش کی حالت میں حضرت نعمت اللہ ولی کا شعر پڑھتا اور دل کو بہلاتا ہوں ؎

غم مخور زانکہ من دریں تشویش
خرمی وصلِ یار می بینم

لیکن میرا دل پگھل رہا ہے اور ؎

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید
دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین

کا سماں میری آنکھوں کے سامنے آ کر مجھے بیتاب کر رہا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے سوا میرا کوئی اور حامی نہیں۔ میرے سامنے (۱) سیرالیون۔ گولڈ کوسٹ اور نائیجیریا میں سیکنڈری ایجوکیشن کے لئے تین ہائی سکول قائم کرنا اور ہر جگہ پرائمری مدرسہ کھولنا (۲) مقامی زبانوں میں وعظ کرنے والے مبلغ تیار کرنا (۳) موجودہ اماموں اور معلّموں کی اصلاح کرنا اور مرکز میں دارالتبلیغ قائم کرنا یہ چار اہم کام ہیں جو عام کام کے عنوان کے نیچے ہیں۔

چند مخصوص کام اس کے سوا مخصوص کام یہ ہیں کہ (۱) نو احمدی فینٹی مسلمانوں کے ایک ہزار بچوں کا ختنہ کیا جائے (۲) فینٹی زبان میں ان کو احکامِ اسلام و احمدیت سے آگاہ کیا جائے۔ (۳) دس بڑے بڑے فینٹی مرکزوں میں مدرسے کھولے جائیں۔ (۴) سالٹ پانڈ میں دار التبلیغ تعمیر کیا جائے۔ یہ بہت ضروری اور اہم کام ہیں جو اس عاجز ضعیف کمزور انسان کے سامنے ہیں بلکہ جماعت احمدیہ کے سامنے ہیں۔

گھنے جنگلوں میں پیدل سفر۔ ناموافق خوراک برادران! وہ جو گرمی میں برف اور شربت پی کر پیاس بجھاتے ہیں۔ ان سے کہدیں کہ یہاں احمدی مبلغ کو کنوئیں کا پانی بھی میسر نہیں آتا اور اُسے بعض دفعہ پیاس بجھانے کی گولیاں کھانی پڑتی ہیں اور جو گھوڑوں بگھیوں موٹروں اور بیل گاڑیوں پر پھرتے ہیں ان سے کہدیں کہ یہاں داعیٔ اسلام کو گھنے جنگلوں میں سے پیدل گزرنا پڑتا ہے۔ وہ جو دودھ گھی وغیرہ سے تیار شدہ مٹھائیاں استعمال کرتے ہیں ان کو بتلائیں کہ خادمِ احمدؑ کے لئے یہاں یہ چیزیں خواب ہیں۔ کیوں؟ محض اللہ کی خاطر اس کے رسولؐ کی خاطر۔ حفاظت و اشاعتِ اسلام کی خاطر۔ پس مبارک ہے وہ جو اس مسافر سرگرداں دیس بدیس در بدر پھرنے والے فقیر اور ادنے مجاہد کی صدا پر لبیک کہے۔ اور اس بڑے کام میں جو احمدی جماعت کے سامنے ہے میرا مددگار ہو۔ اَے وَے تمام لوگو! جو دل میں اسلام کا درد رکھتے ہو اور اپنے تئیں اسلام کے شیدائیوں میں شمار کرتے ہو اور حفاظتِ اسلام کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے ہو۔ سُنو! اسلام خطرہ میں ہے مبلغِ اسلام کی مدد کرو۔ تا مغربی افریقہ کے ہزاروں میل رقبہ اور لاکھوں انسانوں میں حفاظت و اشاعتِ اسلام کا کام ہو سکے۔ آدمیوں کا ہندوستان سے یہاں آنا مشکل اور پُرخطر ہے۔ ہاں روپیہ آسکتا ہے اور وہ بڑا کام جس کا اوپر ذکر کر چکا ہوں یہاں کے نیک دل انگریزوں اور ہمدردانِ اسلام تعلیم یافتہ افریقن لوگوں کی مدد سے کیا جا سکتا ہے۔ یاد رکھو یہ خدا کا کام ہے جو ہو کر رہے گا۔ لیکن اگر تم نے بے توجہی دکھائی تو اسلام قیامت کے دن تم کو ملزم کرے گا۔ اور کہے گا ؎

پیشِ چشمانِ شما اسلام در خاک اوفتاد
چیست عذرے پیشِ حق اے مجمعِ متنعّمیں

پس اٹھو اور اپنی کوششوں کو پہلے سے بہت زیادہ کردو۔ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں لگا دو۔ تا خدا کے دین کی حفاظت کے ظاہری سامان کئے جاسکیں۔" عبدالرحیم نیّرؔ

(الفضل ۹/۱۴ جون ۱۹۲۱ء)

اسلام کی غیر معمولی ترقی اور عیسائی مبلّغین کی ہزیمت

الحمد للہ کہ اب مغربی افریقہ میں ایک مدّت سے نہ صرف حضرت مولانا نیّر صاحبؓ کے مذکورہ بالا خط میں مجوزہ تمام کام باحسن طریق انجام پارہے ہیں بلکہ جماعت احمدیہ کے زیر قیادت وہاں اسلام اور مسلمانوں کو بے شمار ترقیات اور روحانی فتوحات بھی نصیب ہو رہی ہیں اور عیسائی منّاد اور پادری اکثر مقامات پر احمدی مبلّغین کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر اور اپنے منصوبوں میں ناکام ہو کر راہِ فرار اختیار کر رہے ہیں ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدیہ مساجد۔ اسلامی مراکز۔ تبلیغی سنٹر۔ سکول۔ کالج۔ ہسپتال وغیرہ کھُل کر کامیابی سے چل رہے ہیں اور عیسائی اداروں سے بہتر کام کرنے کی وجہ سے پبلک میں ان سے زیادہ مقبول ہیں۔ الحمد للہ تعالیٰ۔

چنانچہ مشہور امریکن عیسائی مبلّغ اور منّاد ڈاکٹر بلی گراہم اپنے ۱۹۶۰ء کے دورۂ افریقہ کے ضمن میں برّاعظم افریقہ میں عیسائیت کے مقابل پر اسلام کی نمایاں اور غیر معمولی ترقی کا بدیں الفاظ اعتراف کرتے ہیں:-

"میری حالیہ تحقیق کے مطابق افریقہ میں اسلام کی ترقی کی رفتار عیسائیت کی نسبت بہت زیادہ تیز ہے اور باوجود عیسائی مبلّغین کی انتھک کوششوں کے اور ہر قسم کے طریقے استعمال کرنے کے اب تک تیز ہے بلکہ جہاں تین افراد عیسائیت میں داخل ہوتے ہیں وہاں اس کے مقابل سات افراد اسلام قبول کرتے ہیں گویا سات اور تین کی نسبت ہے۔ بعض عیسائی لیڈروں کے نزدیک دس اور ایک کی نسبت ہے۔"

(رسالہ ٹائمز ۱۵ر فروری ۱۹۶۰ء بحوالہ الفضل ۱۷ر مئی ۱۹۶۰ء)

اسی طرح ایک سوئس (SWISS) روزنامے FREIBURG NACHRICHTEN کا

نامہ نگار ۸ار مارچ ۱۹۶۱ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:۔

"فرقہ احمدیہ جو اسلام ہی کا ایک سرگرم اور فعّال فرقہ ہے اس کے لیڈروں نے دنیا بھر میں اپنی تبلیغ اسلام کی مہم کو تیز تر کرنے کے لئے اپنے ممبران سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنے اپنے خاندان میں سے ایک ایک آدمی اشاعتِ اسلام کے کام کی غرض سے پیش کریں.......اس وقت افریقہ میں حالت یہ ہے، کہ اگر ایک باشندہ عیسائیت قبول کرتا ہے تو ہمارے اندازے کے مطابق اس کے بالمقابل بائیس "۲۲" افریقی باشندے اسلام کے حلقہ بگوش بن جاتے ہیں اور مذکورہ بالا تیز احمدیہ تبلیغی جدوجہد یقیناً اس ایک اور بائیس "۲۲" کی نسبت کو اَور بھی زیادہ بڑھا دے گی اور یہ امر عیسائیت کے لئے مزید نقصان کا موجب ہوگا"

اسی طرح ایک ماہر افریقیات مصنف مسٹر ولرڈ پرائس WILLARD PRICE اپنی کتاب INCREDIBLE AFRICA میں لکھتا ہے:۔

"افریقہ میں عیسائیت کا اثر اب اس قدر کم ہوتا چلا جائے گا کہ عیسائیوں کو اپنی جانیں بچانے کے لئے اب غاروں میں چھپنا پڑے گا"

(بحوالہ الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۶۴ء)

یاد رہے کہ اسلام ہر مذہب کے پیروؤں کے لئے مکمل مذہبی آزادی اور آزادئ ضمیر کا حامی ہے اور محض مذہب کی بناء پر تشدد کو جائز قرار نہیں دیتا۔ اس لئے مسٹر پرائس کا یہ تأثر غلط ہے کہ افریقہ میں اسلام کے غلبہ کی صورت میں عیسائیوں کو غاروں میں پناہ لینی پڑے گی۔ چنانچہ اسلام کی نشأۃِ اُولےٰ کے زمانہ میں اسلامی سلطنت میں عیسائیوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل تھی اسی وجہ سے عرب ممالک میں اب تک یہودی عیسائی اور دیگر مذاہب کے عرب باشندے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ہاں اگر عیسائی ندامت کی وجہ سے خود غاروں میں چھپنا چاہیں تو الگ بات ہے۔

ایک مسلمان افریقن لیڈر کا احمدیوں کو خراجِ تحسین

مغربی افریقہ میں احمدی مبلّغین کے ذریعہ اسلام کی ترقی اور

فروغ کا ذکر کرتے ہوئے گورنمنٹ سیرالیون کے سابق نائب وزیرِ اعظم اور وزیرِ مالیات اور سیرالیون مسلم کانگریس کے صدر آنریبل مصطفےٰ سنوسی سنگاپور احمدیہ مشن کی طرف سے خیر مقدم ایڈریس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"جماعت احمدیہ کے مبلّغین نے بروقت افریقہ پہنچ کر افریقن مسلمانوں کو نہ صرف جگایا اور ہوشیار کر دیا بلکہ انہیں عیسائیت کے مضبوط ہتھکنڈوں اور گمراہ کن جال سے بچانے کا ایک نہایت اہم اور قابلِ قدر کردار ادا کیا ہے اس لئے ہم مغربی افریقہ کے مسلمان لیڈر باوجود باقاعدہ احمدیت میں شامل نہ ہو سکنے کے جماعت احمدیہ کے بیحد شکر گزار ہیں اور احمدی مبلّغین کی تبلیغی مساعی کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسلام کے ہر مخالف کے مقابل پر ان کی فتح کے لئے دست بدُعا ہیں۔" (الفضل ۸ راگست ۱۹۶۳ء)

مغربی افریقہ میں جماعت احمدیہ کے زیرِ نگرانی کام کرنے والے مبلّغینِ اسلام کی تبلیغی جدوجہد اور اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں ان کی انتھک کوششوں کے مثمر نتائج کے متعلق لوکل عیسائی پادریوں کا کیا تأثر ہے اس کا اندازہ سیرالیون کے ای ڈبلیو (E.W.) امریکن عیسائی مشن کے ایک نامور افریقن پادری ریونڈ ڈیوڈ کار کے مندرجہ ذیل بیان سے کیا جا سکتا ہے :۔

"اسلام نے ایک اعلیٰ ضابطہ پیش کیا ہے اور اخلاقی اعتبار سے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ عیسائیت اسلام کی مضبوط بنیادوں کے خلاف کیوں دائمی لیکن نتیجۃً ناکام جنگ جاری رکھے اس نوعیّت کی جنگ ابتک جاری ہے اور دونوں طرف سے تعلیماتی جدوجہد کا دباؤ انتہائی درجہ پر ہے کیونکہ کچھ عرصہ سے جماعت احمدیہ کے ذریعہ جو اسلامی کمک یہاں پہنچی ہے۔ روکوپر کے نواحی علاقہ میں اس جماعت کی مضبوط مورچہ بندی ہوگئی ہے اور اب عیسائیت کے مقابلہ پر تمام تر کامیابی اسلام کو نصیب ہو رہی ہے۔ مثال کے طور پر اس مقابلہ کی صف آرائی کے نتیجہ میں تھوڑا عرصہ ہوا گامبیا میں امریکن عیسائی مشن کو بند کرنا پڑا ہے۔"

(اخبار ریسٹنڈنٹ افریقن ۱۰ فروری ۱۹۴۷ء)

SEVEN PEES OF NAYYAR

حضرت نیّر صاحب کے سات مثالی الفاظ

ایک مرتبہ جون ۱۹۴۳ء میں حضرت مولانا نذیر احمد علی صاحب رضی اللہ عنہ اور خاکسار سیرالیون کے اندرونی علاقہ میں کسی سفر پہ تھے کہ ریل گاڑی میں باتوں باتوں میں انہوں نے خاکسار سے بیان کیا کہ مغربی افریقہ سے دوسری مرتبہ قادیان واپسی اور وہاں قیام کے دوران حضرت مولانا عبدالرحیم نیّر رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوتی رہتی تھی اور وہ وقتاً فوقتاً اپنے مغربی افریقہ میں گزارے ہوئے زمانہ کے واقعات مجھے سنایا کرتے تھے۔

ایک روز انہوں نے یعنی نیّر صاحبؓ مرحوم نے مجھ سے (یعنی مولانا نذیر احمد علیؓ سے) ذکر کیا کہ میں نے مغربی افریقہ میں بطور مبلّغِ اسلام جو سبق اور تجارب حاصل کئے ہیں ان کا خلاصہ چند مثالی لفظوں میں آپ کو بتاتا ہوں۔ جنہیں میں نے

SEVEN PEES OF NAYYAR

کا عنوان دیا ہوا ہے۔ بطور مبلّغ ان پر عمل کرنا میں نے بہت کارآمد اور نتیجہ خیز پایا ہے اس لئے آپ بھی نوٹ کرلیں تاکہ ان پر عمل پیرا ہونے سے آپ کو بھی فائدہ پہنچے۔ چنانچہ حضرت مولانا علی صاحبؓ نے مجھے یہ واقعہ سنا کر مجھے بھی وہ مثالی الفاظ نوٹ کروا دیئے خاکسار مبلّغین کرام کے افادہ کے لئے انہیں یہاں درج کرتا ہے۔

(۱) PRAYERS یعنی نماز بروقت باقاعدہ پابندی اور توجہ سے اور باوقار طور پر پانچ وقت باجماعت ادا کرنا۔ نیز اللہ تعالیٰ کے حضور دعاؤں میں مشغول رہنا۔ گویا نماز اور دعا میدانِ تبلیغ میں ایک مبلغ کی کامیابی کی کنجی اور مخالفین کو زیر کرنے اور دوستوں کی مدد حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

غیر ممکن کو یہ ممکن سے بدل دیتی ہے
اے مرے فلسفیو! زورِ دعا دیکھو تو

(۲) PREACHING یعنی تبلیغ کرنا دراصل مبلّغ کا اصل کام اور مقصد ہی پیغامِ حق دوسروں تک پہنچانا اور انہیں صراطِ مستقیم سے آشنا کرنا ہے جس کے لئے وقت اور

مقام کی کوئی قید نہیں۔ لہٰذا ایک مبلّغ اسلام کو اس میں کسی سُستی بے پرواہی یا بزدلی یا مداہنت سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ البتہ اس میں حکمتِ عملی اور موقعہ و محل سے کام لینا نہایت ضروری ہوتا ہے۔

(۳) PIETY یعنی نیکی پرہیز گاری اور تقویٰ شعاری ایک مبلّغ کے لئے سب سے اہم سب سے مقدم اور ضروری امر یہ ہے کہ وہ مجسّم نیکی ہو اور تقویٰ و طہارت میں اور اعلیٰ اخلاق کے مظاہرہ میں دوسروں کے لئے نمونہ ہو۔ اس کے بغیر اس کی تبلیغ بالکل بے اثر اور بے سُود ہوگی۔

(۴) PRESS یعنی مبلّغِ اسلام جہاں کہیں بھی جائے اور جہاں بھی رہے پریس کے نمائندوں اخبارات کے ایڈیٹروں ملک کے مصنّفوں اور علم دوست شخصیتوں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے افسران اور کارکنوں سے دوستانہ مراسم رکھنا اس کے لئے بے حد ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ پریس وغیرہ تبلیغ و اشاعت کا نہایت اہم ذریعہ ہے۔

(۵) PASSPORT۔ پاسپورٹ یعنی ایک مبلّغ کے پاس جائز مکمل اور اَپ ٹوڈیٹ پاسپورٹ موجود ہونا نہایت ضروری ہے جس کے بغیر بیرونی ممالک میں ہر دم خطرہ ہی خطرہ ہوتا ہے۔ پاسپورٹ لمبے سفر کے دوران ساتھ رکھنا چاہیئے اور اس میں ہر ضروری ویزا کا مکمل اندراج ہونا بھی لازمی ہے۔

(۶) POLICE۔ مبلّغ جہاں بھی جائے اور جہاں بھی رہے لوکل پولیس سے تعارف اور دوستانہ مراسم رکھنا اور وقتاً فوقتاً ان پر قانونی طور پر جائز رنگ میں احسان کرنا اور ان کو اپنے اعلیٰ اخلاق اور نیک نمونہ سے متأثر رکھنا ضروری ہے۔

(۷) POSTMASTER۔ اسی طرح لوکل پوسٹ ماسٹر سے بھی تعارف اور دوستانہ راہ و رسم رکھنا مبلّغ کو اپنے فرائض کا ایک حصّہ خیال کرنا چاہیئے تاکہ اس کی ڈاک وغیرہ کے بارے میں کوئی شبہ نہ کیا جا سکے۔ اور ڈاک محفوظ بھی رہے۔

اس کے علاوہ بھی حضرت مولانا علی مرحومؓ نے اپنے طور پر بعض مزید مثالی الفاظ بتائے تھے جو الفضل میں چھپ چکے ہیں۔ مثلاً PRIEST یعنی لوکل مذہبی رہنماؤں اور لیڈروں اور لوکل علماء سے اچھے تعلقات اور انہیں حتی الوسع بے لوث طور پر زیرِ احسان رکھنا۔ تاہم یہاں چونکہ صرف حضرت نیّر صاحبؓ کا ذکرِ خیر مقصود ہے اس

لئے انہیں کے بیان کردہ سات مثالی الفاظ دے دیئے گئے ہیں جن کو حضرت نیر صاحب نے SEVEN PEES OF NAYYER کا نام دیا تھا۔

حضرت الحاج حکیم فضل الرحمٰن صاحب رضؓ

مغربی افریقہ میں دُوسرے احمدی مُبلّغ

حضرت الحاج حکیم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم مغربی افریقہ میں جماعت احمدیہ کی طرف سے تبلیغ اسلام کے لئے بھیجے جانے والے دوسرے خوش قسمت مجاہدِ احمدیت تھے جن کو مغربی افریقہ میں تیئیس سال خدمتِ دین کی توفیق ملی۔ آپ حضرت حافظ نبی بخش صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام ساکن فیض اللہ چک ضلع گورداسپور کے فرزند ارجمند تھے۔ سیرت المہدیؓ کی ایک روایت میں درج ہے کہ حضرت حافظ صاحب مرحومؓ کا ایک لڑکا عبدالرحمٰن نامی جب فوت ہوگیا تو انہوں نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں نعم البدل کے لئے دعا کی درخواست کی۔ چنانچہ حضورؑ نے دعا فرمائی اور اللہ تعالےٰ نے انہیں حکیم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم عطا فرمائے۔ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"حکیم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم ایک نہایت مخلص کارکن تھے جنہوں نے اپنے آپ کو عین جوانی میں سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف کیا اور پھر تقریباً تیئیس سال مغربی افریقہ کے مختلف علاقوں میں فریضۂ تبلیغ ادا کرتے رہے اور ملکی تقسیم کے بعد واپس آ کر افسر لنگر خانہ کے اہم عہدہ پر مقرر ہوئے۔

حکیم صاحب مرحوم ایک باہمّت اور نہایت مخلص اور صابر و شاکر اور خدمتِ سلسلہ میں بشاشت اور خوشی کے ساتھ حصہ لینے والے کارکن تھے ان کی اہلیہ بھی ایک صابرہ اور شاکرہ خاتون ہیں۔"

(الفضل ۲۹ اگست ۱۹۵۵ء)

حضرت حکیم صاحب مرحوم ان چند مخلص ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے سیدنا

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں وقف زندگی کی تحریک پر لبیک کہا اور پھر حضور رضی اللہ عنہ کے ارشاد اور منشاء کے مطابق اپنی زندگی کا بہترین حصہ مغربی افریقہ کے وسیع علاقوں میں نہایت جانفشانی خوش اسلوبی اور کامیابی سے تبلیغ اسلام اور تربیت نومبایعین جیسے اہم کام میں صرف کیا۔

پہلی مرتبہ آپ حضور رضی اللہ عنہ کے حکم پر ۱۹۲۲ء میں تبلیغ اسلام کی غرض سے گولڈ کوسٹ (گھانا) تشریف لے گئے اور آٹھ سال متواتر تبلیغی جہاد میں مصروف رہنے کے بعد ۱۹۲۹ء میں وطن واپس تشریف لائے۔ واپسی پر قادیان میں آپ کی شادی ہوئی اور شادی کے تقریباً ڈیڑھ برس بعد ہی ۱۹۳۳ء میں آپ کو پھر مغربی افریقہ بھیج دیا گیا جہاں آپ ۱۴ سال تک متواتر شب و روز جماعت کی طرف سے تبلیغ اسلام کے مقدس فریضہ کی ادائیگی میں مصروف رہے۔ اس دوران جہاں آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے سلسلہ میں کامیابی کی بہت سی راہیں کھولیں وہاں اسلام کے اس نڈر سپاہی اور حضرت محمود رضی اللہ عنہ کے عظیم خادم نے کئی روح فرسا مشکلات کو بھی برداشت کیا اور نہایت صبر و تحمل اور محنت سے آئندہ آنے والے مبلغین کے لئے تبلیغ کی راہیں ہموار کیں۔ اور اسلام کے کئی اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی یلغار کا نہایت بہادری اور جرأت سے مقابلہ کر کے انہیں شکست دی اور کئی احمدیہ مسجدیں اور سکول قائم کئے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان علاقوں میں احمدیت کی بنیادیں مضبوط کرنے کے سلسلہ میں ایسی ایسی کامیابیاں بخشیں کہ تاریخ احمدیت میں سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے حضرت حکیم صاحب کو دوسری مرتبہ مغربی افریقہ تشریف لے جانے پر متواتر چودہ سال نائیجیریا میں اپنے وطن اہل و عیال اور دیگر عزیزوں سے جدا رہنا پڑا۔ اس عرصہ میں آپ کی اہلیہ اور بچوں اور دیگر عزیز و اقارب کی طرف سے کبھی کبھی آپ سے وطن واپسی کا تقاضا بھی ہوا۔ لیکن آپ نے دینی کام کو ادھورا چھوڑ کر واپس آنا مناسب نہ سمجھا بلکہ آپ کے بھائی محترم جناب ملک حبیب الرحمٰن صاحب نے ایک مرتبہ بتایا کہ جہاں تک انہیں علم ہے حکیم صاحب نے کبھی بھی حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں یا دفتر تبشیر میں اپنی وطن واپسی کی استدعا نہ کی اور ۱۹۴۷ء کے اواخر میں جب آپ

مرکزِ سلسلہ میں واپس تشریف لائے تو سب نے دیکھا کہ ۱۹۳۳ء میں جو مجاہدِ اسلام جوانی کی حالت میں وطن سے روانہ ہوا تھا وہ اب چودہ سال بعد بڑھاپے میں قدم رکھ چکا تھا اور آپ کی اہلیہ محترمہ جنہوں نے شادی کے بعد صرف ڈیڑھ برس ہی اپنے خاوند کے ساتھ گزارے تھے وہ بھی اب ادھیڑ عمر کو پہنچ چکی تھیں۔ لیکن یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر ان دونوں نے اور ان کے بچوں نے برضا و رغبت برداشت کرکے آنے والی نسلوں کیلئے ایک اعلیٰ درجے کا نمونہ قائم کر دیا۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

اس کے علاوہ جب پہلی مرتبہ آپ ۸ سال کے لئے مغربی افریقہ تشریف لے گئے۔ تو آپ کی والدہ مرحومہ آپ کی عدم موجودگی میں ہی وفات پا گئیں اور پھر جب دوبارہ آپ ۱۴ سال کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کے والد حضرت حافظ نبی بخش صاحب رضی اللہ عنہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ گویا آخری بار مرکزِ سلسلہ میں واپس آنے پر حضرت حکیم صاحب کو دونوں میں سے کسی کی بھی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ اس کے باوجود آپ کے والدین مرحومین اور آپ بھی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی رضا پر راضی رہے بلکہ اس پر مطمئن تھے کہ یہ جدائی محض اس کے دین کی خاطر تھی۔

ربوہ میں ۱۹۴۸ء کی ابتداء سے کچھ عرصہ تک حضرت حکیم صاحب نے وکالتِ تبشیر اور نظارت دعوۃ و تبلیغ میں خدماتِ سلسلہ انجام دیں اور اس کے بعد سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے آپ کو افسر لنگر خانہ و مہمان خانہ مقرر فرمایا۔ یہ ایک ایسا ادارہ ہے جس سے ہر چھوٹے بڑے کو واسطہ پڑتا ہے۔ اُس دَور کے احباب جانتے ہیں کہ حضرت حکیم صاحب نے اس قومی ادارے کو نامساعد حالات کے باوجود بہتر بنانے کے لئے کس طرح اپنا خون پسینہ ایک کرکے رہائش اور کھانے کے معیار کو بلند کیا۔ ہر مہمان اور حاجتمند سے خندہ پیشانی سے پیش آتے اور مقدور بھر ان کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ محترم جناب ملک حبیب الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں:۔

"مَیں جب بھی ربوہ آیا مَیں نے ہمیشہ دیکھا کہ حضرت حکیم صاحب رضی اللہ عنہ صبح ۶ بجے صرف چائے کی دو پیالیاں پی کر گھر سے کام کے لئے چلے جاتے اور پھر اڑھائی تین بجے بعد دوپہر گھر واپس آکر ٹھنڈا اور باسی کھانا کھاتے اور چار بجے کے قریب پھر ڈیوٹی پر مہمان خانہ جا کر رات کے دس بجے کے

قریب واپس آتے جبکہ گھر والے سوئے ہوئے ہوتے۔ اس وقت خود ہی جالی وغیرہ میں سے ٹھنڈا کھانا نکال کر کھا لیتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے سو رہتے۔ مَیں نے دیکھا کہ ہمیشہ آپ کا یہی معمول تھا۔ اور مَیں سمجھتا ہوں کہ یہی محنت اور کھانے میں بے قاعدگی آخر آپ کی صحت کی خرابی کا موجب ہوئی۔ مغربی افریقہ کی شدید آب و ہوا کا بھی یقیناً آپ کی صحت پر بُرا اثر ہوا لیکن یہاں آ کر جس لگن اور محنت سے مہمان خانہ میں آپ نے کام کیا اس نے آپ کی صحت کو کھوکھلا کر دیا۔ ہائی بلڈ پریشر اور سخت یرقان کی تکلیف کے دَوران آپ کئی ماہ تک مسلسل کام کرتے رہے۔ اور بڑی مشکل سے حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر احباب کے متواتر اصرار پر ماہ جولائی ۱۹۵۵ء میں اُس وقت باقاعدہ علاج کے لئے لاہور گئے جب بیماری آخری درجہ تک پہنچ چکی تھی اور جو مقدّر میں تھا وہ ہو کر رہا۔ اور آخر مرحوم ۲۸ر اگست ۱۹۵۵ء کو بعد دوپہر لاہور میں تقریباً ۵۹ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔"

الفضل میں آپ کی وفات کی خبر

روزنامہ الفضل ۲۹ر اگست ۱۹۵۵ء کے صفحہ اوّل پر آپ کی وفات پر مندرجہ ذیل نوٹ دیا گیا:۔

"ربوہ۔ ۲۹ر اگست۔ گہرے رنج و افسوس کے ساتھ یہ اطلاع احباب تک پہنچائی جاتی ہے کہ مکرم و محترم جناب حکیم فضل الرحمٰن صاحب کل دوپہر کو لاہور میں انتقال فرما گئے اور اس طرح تبلیغ اسلام کے میدان کا ایک نہایت کامیاب اور بہادر سپاہی اور احمدیت کا ایک سچّا اور مخلص فرزند ہم سے رخصت ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

محترم حکیم صاحب نے ۲۳ برس کے طویل عرصہ تک مغربی افریقہ میں جس کامیابی کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کیا اور محض تبلیغِ اسلام کی خاطر اپنے وطن اپنے اہل و عیال اور اپنے دیگر عزیزوں سے قریباً ایک ربع صدی تک جدائی برداشت کرتے ہوئے جس غیر معمولی قربانی

اور ایثار کا ثبوت دیا اس کی بناء پر آپ کا نام یقیناً اسلام اور سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گا اور آنیوالی نسلوں کے لئے رہنمائی کا کام دے گا۔ .... اللہ تعالیٰ محترم حکیم صاحب کے درجات بلند فرمائے اور انہیں ہمیشہ اپنی آغوشِ رحمت میں رکھے اور ان کی اولاد کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

حضرت الحاج مولانا نذیر احمد علیؓ

مغربی افریقہ میں تیسرے مبلّغ احمدیت

جماعت احمدیہ کی طرف سے مغربی افریقہ میں تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا فریضہ ادا کرنیوالوں میں تیسرا نمبر حضرت مولانا الحاج نذیر احمد علی صاحبؓ کا ہے۔ اس میدانِ تبلیغ کے چوتھے مجاہدِ اسلام محترم الحاج مولانا نذیر احمد صاحب مبشرؔ فاضل حال ناظم قضا ہیں۔ اور پانچواں نمبر اس عاجز ناچیز خادم سلسلہ کا ہے۔ آپ پہلی مرتبہ مغربی افریقہ میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ۲۲ر فروری ۱۹۲۹ء کو قادیان سے روانہ ہوئے اور ۱۱ر اپریل ۱۹۲۹ء کو سالٹ پانڈ (گھانا) پہنچ گئے اور وہاں ہی حضرت الحاج حکیم فضل الرحمٰن صاحبؓ کی نگرانی میں باقاعدہ تبلیغی کام شروع کر دیا۔ یکم اکتوبر ۱۹۲۹ء کو حضرت حکیم صاحب گولڈ کوسٹ (گھانا) احمدیہ مشن کا چارج حضرت مولانا علی صاحب کو دے کر قادیان روانہ ہو گئے اور پھر ایک عرصہ مرکز سلسلہ میں گزار کر آپ ۲ر فروری ۱۹۳۳ء کو دوبارہ مغربی افریقہ تشریف لے گئے اور گولڈ کوسٹ پہنچکر آپ نے وہاں بطور انچارج احمدیہ مشن کام شروع کر دیا اور حضرت مولانا علی صاحبؓ ۵ار مئی ۱۹۳۳ء کو قادیان آ گئے۔

اس کے بعد حضرت مولانا علی صاحب یکم فروری ۱۹۳۶ء کو قادیان سے دوسری مرتبہ مغربی افریقہ میں تبلیغ اسلام کے لئے روانہ ہوئے اس مرتبہ محترم الحاج مولانا نذیر احمد صاحب مبشرؔ فاضل حال ناظم قضا ربوہ بھی اس ملک میں اعلائے کلمۃ اللہ کی غرض سے آپ کے ساتھ بھیجے گئے۔ گولڈ کوسٹ پہنچ کر یکم مئی ۱۹۳۶ء کو مولانا علی صاحبؓ

نے دوبارہ اس مشن کا چارج سنبھالا اور پھر اکتوبر ۱۹۳۷ء کو حسبِ ارشاد سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس کا چارج محترم مولانا نذیر احمد صاحب مبشر فاضل کو دے کر آپ سیرالیون میں نیا احمدیہ مشن کھولنے کے لئے فری ٹاؤن روانہ ہو گئے جہاں آپ کے ذریعہ خدا کے فضل سے باقاعدہ تبلیغی مشن کھل گیا۔ سیرالیون میں حضرت مولانا علی صاحبؓ مارچ ۱۹۴۰ء تک اکیلے ہی سارے ملک میں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا فرماتے رہے حتیٰ کہ ۸ مارچ ۱۹۴۰ء کو خاکسار (محمد صدیق) لندن سے سیرالیون پہنچ کر آپ کا رفیق کار بن گیا۔ اور کئی سال وہاں ہم دونوں نے مل کر کام کیا۔ پھر حسبِ ارشاد سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ مولانا علی صاحبؓ اپریل ۱۹۴۴ء میں سیرالیون احمدیہ مشن کا چارج مجھے دے کر مئی ۱۹۴۴ء میں وہاں سے روانہ ہو گئے اور مختلف افریقی اور عرب ممالک میں فریضۂ تبلیغِ اسلام ادا کرتے ہوئے آخر ۱۲ فروری ۱۹۴۵ء کو قادیان پہنچے۔

قادیان میں سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس خادمِ احمدیت کی عزت افزائی کے لئے خود سٹیشن پر تشریف لے گئے اور از راہِ شفقت مولانا صاحبؓ سے معانقہ فرمایا۔ اس کے بعد ۲۶ نومبر ۱۹۴۵ء کو مع اہل وعیال مکرم قریشی محمد افضل صاحب فاضل مکرم مولوی محمد اسحاق صاحب صوفی فاضل اور چوہدری عبدالحق صاحب فاضل ننگلی کے ساتھ قادیان سے روانہ ہو کر براستہ صحرائے اعظم افریقہ ۲۶ فروری ۱۹۴۶ء کو سیرالیون پہنچ گئے۔ جہاں پر کچھ عرصہ بطور رئیس التبلیغ مغربی افریقہ کام کرنے کے بعد مرکز کی ہدایت کے مطابق آپ گھانا روانہ ہو گئے۔ جبکہ مکرم قریشی محمد افضل صاحب گھانا میں اور دوسرے دو مجاہدین سیرالیون میں خدمات انجام دیتے رہے۔

گھانا سے ۱۹۵۰ء میں خرابیٔ صحت کی بناء پر آپ مع اہل وعیال براستہ لندن پاکستان کے لئے روانہ ہوئے۔ اور لندن میں کچھ عرصہ زیر علاج رہنے کے بعد ۷ اپریل ۱۹۵۱ء کو بخیریت ربوہ پہنچ گئے۔ اس دفعہ مرکزِ سلسلہ ربوہ میں قیام کے دوران آپ نے کچھ عرصہ وکالت مال تحریک جدید اور ادارہ تالیف وتصنیف میں کام کیا اس کے بعد کچھ عرصہ کے لئے جامعۃ المبشرین ربوہ میں غیر ملکی طلبہ کی تعلیم وتربیت کا

کام آپ کے سپرد رہا۔ اس دوران آپ کی صحت نسبتاً اچھی ہو گئی اور آپ نے کئی مرتبہ ادارہ تبشیر سے بیرونی ممالک میں تبلیغ کے لئے جانے کی خواہش کی۔ چنانچہ آپ کی صحت کے پیش نظر صرف ایک سال کے لئے آپ کو سیرالیون احمدیہ مشن کے کام کی انسپکشن اور بعض دیگر امور کی انجام دہی کے لئے ۹ رمئی ۱۹۵۴ء کو سیرالیون روانہ کیا گیا جہاں آپ نے ۲۲ر جولائی کو مجھ سے احمدیہ مشن کا چارج لے لیا اور خرابیٔ صحت کے باوجود جماعتوں کے دورے اور دیگر کام کرنے شروع کر دیئے۔ سیرالیون کی ناموافق آب و ہوا اور محنتِ شاقہ کی وجہ سے آپ کی صحت وہاں دن بدن خراب ہوتی چلی گئی اور افسوس کہ ایک سال کی مدت گذرنے سے قبل ہی "بو" میں ۱۹ رمئی ۱۹۵۵ء کو بقضائے الٰہی وفات پا گئے اور جماعتہائے احمدیہ سیرالیون کے اصرار پر حسب حکم سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ "بو" میں دفن کئے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت مولانا علی صاحبؓ کی زندگی کے تفصیلی حالات چونکہ پہلے کتابی صورت میں چھپ چکے ہیں اور کچھ حالات واقعاتی شکل میں قارئین آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے اس لئے ان کی زندگی سے متعلق صرف دو ایمان افروز واقعات بیان کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے جو مَیں نے خود ان سے سُنے تھے اور غالباً پہلے احاطۂ تحریر میں نہیں آئے۔

(۱) دہلی ریلوے سٹیشن پر بلٹی کی گمشدگی

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے ۲۲ر فروری ۱۹۲۹ء کو پہلی مرتبہ حضرت مولانا نذیر احمد علیؓ صاحب قادیان سے مغربی افریقہ کے لئے روانہ ہوئے اور آپ پہلے مبلغ تھے جو قادیان سے بذریعہ ریل بیرونی ممالک کو روانہ ہوئے۔ اس موقعہ پر ان کو الوداع کہنے کے لئے ان کے والد بزرگوار حضرت بابو فقیر علی رضی اللہ عنہ اور محترم بابو بشیر احمد صاحب (حال امیر جماعتہائے احمدیہ ضلع جھنگ) دہلی تک ان کے ساتھ گئے تھے۔ مولانا صاحب کا سامان دہلی سے بمبئی تک بریک میں بُک کرایا گیا تھا۔ اس سامان کی بلٹی دہلی سٹیشن پر ان کے والد صاحب سے کہیں گر گئی۔ اور وہ سخت پریشان ہوئے کہ اب تو ایکسپریس آنے والی ہے آپ کو بمبئی میں شناخت کون کرے گا۔ اور سامان کس طرح وصول ہوگا۔ اس پر مولانا صاحبؓ نے اپنے والد صاحب کو تسلّی دی کہ اللہ تعالیٰ مددگار ہے۔ آپ

دُعا کریں اور معاملہ اس پر چھوڑ دیں وہ اپنے فضل سے کسی نہ کسی طرح یہ مشکل حل کر دیگا آپ فکر نہ کریں نیز کہا کہ ایسا سامان جو سفر فی سبیل اللہ میں حائل ہو مجھے اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں خواہ وہ سمندر کی نذر ہو جائے۔

بروقت بلٹی مل گئی اسی اثناء میں گاڑی آگئی اور بقیہ سامان اس میں رکھ دیا گیا لیکن جب ان کے والدصاحب اُن سے آخری ملاقات کر رہے تھے اور گاڑی چلنے والی تھی تو خدا کا کرنا ایسا ہؤا کہ عین اسی وقت ایک قُلی بلٹی ہاتھ میں لئے یہ پکارتے ہوئے ان کے پاس سے گزرا کہ ایم۔ این احمد کون ہیں ان کی بلٹی فلیٹ فارم پر گری ہوئی ملی ہے۔ چنانچہ اس قلی سے وہ بلٹی کی رسید وصول کر کے حضرت مولانا صاحب اور ان کے والدصاحب نے اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ادا کیا اور قلی کو انعام بھی دیا۔ اس کے بعد مولانا صاحبؓ نے اپنے والدصاحبؒ سے کہا کہ آپ تو بڑے پریشان تھے لیکن دیکھیں ہمارا خدا اپنے مجاہدین پر کتنا مہربان ہے کہ اس نے چند منٹوں میں پریشانی دور فرما دی حالانکہ قُلی لوگ عموماً ایسی باتوں کی پرواہ نہیں کرتے۔

(۲) ایک رؤیا کے ذریعہ مشکلات کی دُوری کی بشارت

جب مولانا نذیر احمد علی مرحومؓ جون ۱۹۵۴ء میں سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر مرکز سے تیسری مرتبہ سیرالیون تشریف لے گئے تو اس سفر کے دوران بھی انہیں گوناگوں مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ چنانچہ سیرالیون پہنچ کر انہوں نے خاکسار سے بیان کیا کہ پاکستان سے بیروت پہنچ کر انہیں ویزا وغیرہ کے سلسلہ میں کئی رکاوٹیں پیش آئیں۔ لبنان سے انہوں نے حسب پروگرام بذریعہ بحری جہاز فرانس جانا تھا اور وہاں سے آگے مغربی افریقہ روانہ ہونا تھا لیکن بیروت میں فرانسیسی سفارت خانہ نے ان کے پاسپورٹ میں کسی سقم کی وجہ سے فرانس کا ویزا دینے سے انکار کر دیا اور آگے روانہ ہونے کے لئے مولانا صاحب کی ہر کوشش ناکام ہو گئی۔ ان کے پاس ٹامس کک کمپنی کا ٹکٹ تھا اس کمپنی کے مینیجر نے بھی بڑی ہمدردی سے ان کے لئے فرانسیسی سفارت خانہ سے اجازت کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اب صرف یہی ایک صورت باقی تھی کہ مولانا صاحب بیروت سے بذریعہ ہوائی جہاز براہِ راست

مغربی افریقہ روانہ ہوجائیں۔ مگر اس کے لئے ان کے پاس مطلوبہ رقم موجود نہیں تھی۔

ایک مُبشّر رؤیا اس تگ و دَو اور کدّو کاوش میں انہیں آٹھ دس روز بیروت میں ٹھہرنا پڑ گیا۔ جس کے دَوران انہوں نے اپنے پروردگار کے حضور نہایت الحاح اور درد دل سے دعائیں کیں کہ وہ اپنے فضل سے اس مشکل کو حل فرما دے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہاں اس سلسلہ میں ایک مرتبہ بڑے ہی سوز و گداز اور درد سے دعا کرتے ہوئے ان کی آنکھ لگ گئی تو انہوں نے رؤیا دیکھا کہ سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ ایک جگہ تشریف رکھتے ہیں جہاں حضورؓ کے ارد گرد بہت سے احمدی دوست بیٹھے ہیں۔ حضورؓ نے احمدی دوستوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"مولوی نذیر احمد علی صاحب کسی گھیرے میں پھنس گئے ہیں مگر انشاءاللہ عنقریب نکل جائیں گے۔"

چنانچہ اس رؤیا کے پانچ دس روز بعد فی الواقعہ وہ مذکورہ بالا سفری مشکلات سے نکل کر بذریعہ ہوائی جہاز مغربی افریقہ روانہ ہو گئے۔ ہوُا یوں کہ مولانا صاحبؓ مرکز ربوہ کو اس صورتِ حالات سے مطلع کرکے ربوہ سے ہوائی جہاز کی منظوری کے منتظر تھے کہ اچانک ایک روز انہیں خیال آیا کہ مغربی افریقہ میں تجارت کرنے والے لبنانیوں میں سے جو جو ان کے واقف کار آجکل لبنان آئے ہوئے ہیں یا اب اپنے وطن میں مستقل طور پر کاروبار کر رہے ہیں کیوں نہ ان سے ملاقات کرکے انہیں تبلیغ کی جائے اور بیروت کے احمدی مبلغ مکرم شیخ نور احمد صاحب منیر سے ان کا تعارف کرایا جائے تاکہ وہ بعد میں شیخ صاحب کے زیرِ تبلیغ رہیں۔ چنانچہ مکرم شیخ صاحب کے تعاون اور کوشش سے چند ایک ایسے لبنانی مل گئے۔

لبنان کے سابق وزیر اقتصادیات کا تأثّر مغربی افریقہ کے انہیں تاجروں میں سے ایک شخص رفیق نجاح نامی کے پاس جب مکرم شیخ صاحب کی معیّت میں مولانا علی صاحبؓ گئے تو وہ انہیں ملکر نہایت خوش ہوئے۔ یہ لبنانی دوست مغربی افریقہ سے واپسی کے بعد کچھ عرصہ کے لئے لبنانی حکومت میں وزیرِ اقتصادیات بھی رہ چکے تھے۔ مولانا صاحبؓ کی کمزور صحت اور

پہلے کی نسبت زیادہ نحیف جسم کو دیکھکر باوجود احمدی نہ ہونے کے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ کہنے لگے اتنی کمزور صحت اور لاغر جسم کے ساتھ آپ کا اسلام کا نام بلند کرنے کے لئے افریقہ جانا احمدیت کے سچا ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ محض خدا کی خاطر ایسا ایثار اور قربانی صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو سچے ہوں اور جنہیں خدا کی تائید د نصرت کا یقین ہو نیز کہا کہ ہم عرب مسلمانوں کو آپ کا ٹھیٹھ اسلامی نمونہ دیکھکر شرم آتی ہے - اور آپ کی تقلید کر کے صحابہ کرامؓ کی مانند بستی بستی اور ملک ملک پھر کر خلقِ خدا کو اسلام کا پیغام پہنچانا چاہیئے۔

چھ صد لبنانی لیرے نذرانہ پیش کیا

وہ لبنانی دوست مولانا علی صاحبؓ کے علاوہ حضرت الحاج حکیم فضل الرحمٰن صاحب کے بھی دوستوں اور مداحوں میں سے تھے - چنانچہ ان کے گھر سے رخصت کے وقت انہوں نے حضرت مولانا علی صاحبؓ کو مبلغ چھ صد لبنانی لیرے (پونڈ) پیش کر کے کہا کہ یہ حقیر رقم آپ میری طرف سے نذرانہ قبول فرمائیں - اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے مولانا صاحبؓ کے بیروت سے سیرالیون تک کے ہوائی ٹکٹ کا انتظام فرما دیا - مولانا صاحب کی بیروت سے روانگی سے پہلے السید توفیق نجاح نے ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں دونوں مبلغین اور جماعت بیروت کے بعض احباب کی شاندار دعوت بھی کی - اور وقتِ رخصت مولانا صاحبؓ کو ایرپورٹ پر الوداع کہنے کے لئے بھی گئے۔

الفضل میں وفات کی خبر

روزنامہ الفضل ربوہ نے اپنے شمارہ نمبر ۱۲۳ بتاریخ ۲۲ مئی ۱۹۵۵ء کے پہلے صفحہ پر حضرت مولانا صاحب کی وفات پر مندرجہ ذیل نوٹ دیا۔

(احمدیت کے جانباز مجاہد الحاج مولانا نذیر احمد علی صاحب سیرالیون میں وفات پا گئے - اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ -)

"یہ خبر نہایت غم و اندوہ کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ ہمارے سلسلہ کے دیرینہ اور مخلص خادم مکرم الحاج مولوی نذیر احمد علی صاحب ۱۹ مئی کی صبح کو ایک لمبی علالت کے بعد سیرالیون (مغربی افریقہ) میں فریضۂ

تبلیغ بجا لاتے ہوئے اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔"

مرحوم ایک پُرجوش مبلّغ اسلام کا حقیقی درد رکھنے والے مجاہد، احمدیت کے فدائی اور مخلص جاں نثار خادم تھے۔۔۔ آپ پہلی مرتبہ ۲۲ر فروری ۱۹۲۹ء کو گولڈ کوسٹ (مغربی افریقہ) تبلیغ کے لئے بھجوائے گئے۔ یہاں مسلسل چار سال تک تبلیغی جہاد میں مصروف رہنے کے بعد ۱۵ر مئی ۱۹۳۳ء کو قادیان واپس تشریف لائے۔ پھر ۲ر فروری ۱۹۳۶ء کو دوسری مرتبہ گولڈ کوسٹ تشریف لے گئے تقریباً ایک سال بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے ماتحت آپ کو سیرالیون میں نئے مشن کے قیام کے لئے ۲۰ر اکتوبر ۱۹۳۷ء کو روانہ کیا گیا۔ جہاں آپ نے آٹھ سال کے طویل عرصہ میں شاندار تبلیغی مساعی کے ساتھ ساتھ متعدد سکول اور مساجد کی بنیادیں بھی رکھیں اور ۱۹۴۵ء میں کامیاب و کامران واپس تشریف لائے۔ تیسری مرتبہ آپ ۲۶ر نومبر ۱۹۴۵ء کو جملہ مشنہائے احمدیہ مغربی افریقہ (گولڈ کوسٹ۔ نائیجیریا۔ سیرالیون) کی طرف بحیثیت رئیس التبلیغ بھجوائے گئے جہاں سے ۷ر اپریل ۱۹۵۱ء کو آپ واپس تشریف لائے۔ چوتھی مرتبہ آپ ۹ر مئی ۱۹۵۴ء کو ایک سال کے لئے سیرالیون بھجوائے گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے تبلیغی میدان میں کام آنے کی عزیز خواہش اور تڑپ کو لئے ہوئے اپنے قدیم قائم کردہ مرکز میں جامِ شہادت نوش کیا۔"

"حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے خدماتِ جلیلہ کے مدّنظر ۱۹۴۵ء کی مجلسِ عرفان میں آپ کو "کامیاب جرنیل" کے خطاب سے نوازا۔ آپ سلسلہ احمدیہ کے پانچویں مبلّغ ہیں جنہوں نے فریضۂ تبلیغ بجا لاتے ہوئے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ ادارہ الفضل دیارِ غیر میں احمدیت کے اس جلیل القدر مجاہد کی وفات پر آپ کے والد حضرت بابو فقیر علی صاحب اور دیگر افرادِ خاندان سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنّت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ اور

پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق دے اور ان کا حامی و ناصر ہو۔ اللّٰھم آمین۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا دورۂ مغربی افریقہ سنہ ۱۹۷۰ء

اور

اس کے خوش کُن اثرات

(از مکرم مولوی محمد صدیق صاحب شاہد گورداسپوری سابق مبلغ انچارج سیرالیون)

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں احیاءِ دینِ اسلام اور قیامِ شریعتِ اسلامیہ کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ خود اس مقصد کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ۔ یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیشگوئی ہے۔۔۔۔۔ اس خداوند تعالیٰ نے اس احقر عباد کو اس زمانہ میں پیدا کر کے اور صدہا نشان آسمانی اور خوارقِ غیبی اور معارف و حقائق مرحمت فرما کر اور صدہا دلائل عقلیہ قطعیہ پر علم بخش کر یہ ارادہ فرمایا ہے کہ تا تعلیمات حقہ قرآنی کو ہر قوم اور ہر ملک میں شائع و رائج فرما دے اور اپنی حجّت ان پر پوری کرے۔۔۔۔۔"

(براہین احمدیہ صفحہ ۵۹۳ تا صفحہ ۵۹۶)

اس عظیم الشان مشن کی تکمیل کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد خلافت کے نظام کو جاری فرمایا اور خلفاء احمدیت نے خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ ساری دنیا میں اشاعتِ اسلام کے کام کی بنیاد ڈال دی ہے اور جماعت احمدیہ خلیفہ وقت کی زیر نگرانی غلبۂ اسلام کے دن کو قریب سے قریب تر لانے کے لئے مسلسل اور پیہم جدوجہد کر رہی ہے۔

چنانچہ یہی وہ مقصدِ وحید تھا جس کی خاطر ہمارے موجودہ امام حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کے نافلہ موعود حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۹۷۰ء میں مغربی افریقہ کے ممالک نائیجیریا۔ غانا۔ آئیوری کوسٹ لائبیریا۔ گیمبیا اور سیرالیون کا انقلاب آفرین دَورہ فرمایا۔ اور اس خطۂ زمین پر بسنے والوں کو جو صدیوں سے جسمانی اور روحانی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے رستگاری کا پیغام دیا۔ اور جن کو محض رنگ و نسل کے تفاوت پر ایک مخصوص طبقہ اپنی مطلب براری کے لئے نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا ان کے اندر شرفِ انسانیت کے جذبات کو اُجاگر کر کے انہیں اسلامی مساوات اور اخوت و محبّت سے روشناس کرایا اور اسلام کی جنگ جو ان ممالک میں گزشتہ پچاس سال سے لڑی جارہی تھی اس کو جیتنے اور اہلِ افریقہ کے قلوب کو نورِ اسلام سے منور کرنے اور ان کے اندر محبتِ الٰہی بھرنے کے لئے "نصرت جہاں سکیم" کے نام سے ایک جامع پروگرام جماعت کے سامنے رکھا۔

مغربی افریقہ کے ممالک نائیجیریا۔ غانا اور سیرالیون میں ۱۹۲۱ء سے اسلام کے تبلیغی مشن مصروفِ عمل تھے اور اوّلین مجاہدین حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیّر مرحوم رضہ حضرت مولوی حکیم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم اور حضرت مولوی نذیر احمد علی مرحوم کی سرفروشانہ کوششوں اور بے لوث خدمات کے نتیجہ میں ہزاروں سعید روحیں احمدیت کے دامن سے وابستہ ہو کر مسیحِ محمدّی کے خدام اور فدائیوں میں شامل ہو چکی تھیں مگر ان کا یہ ایمان۔ ایمان بالغیب تھا نہ تو انہیں حضرت مہدی معہود علیہ السلام کو دیکھنے کا موقعہ ملا اور نہ ہی انہیں ابھی آپ کے خلفاء میں سے کسی کی زیارت نصیب ہوئی تھی لیکن ان کی یہ خواہش ضرور تھی کہ اگر مہدی علیہ السلام کو وہ دیکھ نہیں پائے تو کم سے کم آپ کے خلفاء میں سے تو کسی کو دیکھنے کا انہیں موقع نصیب ہو جائے۔ مگر ہزارہا میل کا درمیانی فاصلہ ان کی اس خواہش کی تکمیل میں حائل تھا۔ اور سینکڑوں احمدی اپنی یہ خواہش دل ہی دل میں لئے اس جہانِ فانی سے گزر گئے۔

آخر وہ وقت آ ہی گیا جس کا انہیں مدّت سے انتظار تھا اور مرکزِ احمدیت ربوہ سے انہیں مسرور اور شاد کام کر دینے والی خبریں آنے لگیں کہ حضرت مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلیفہ برحق اور ان کا جان و دل سے عزیز آقا خود ہزاروں میل

کا سفر اختیار کر کے اپنے روحانی فرزندوں کو اپنی زیارت سے شرف بخشنے کے لئے تشریف لا رہا ہے۔ پھر کیا تھا مسرتوں اور شادیانوں سے ان کے دل معمور ہو گئے اور وہ دیدہ و دل فرش راہ بنا کر اس گھڑی کی انتظار کرنے لگے کہ کب ان کا امام ہمام آئے۔ اور انہیں دیکھ کر وہ اپنی آنکھوں کی پیاس بجھائیں۔ یہ انتظار کی گھڑیاں ان کے لئے گزارنی مشکل ہو گئیں لیکن آخر فضلِ ایزدی سے ان کی یہ آرزوئیں بر آئیں اور انہوں نے ۱۹۷۰ء کے موسمِ گرما میں خلیفۃ اللہ فی الارض حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو اپنے درمیان موجود پایا۔ انہیں دیکھا ان کی باتیں سُنیں ان کے روح پرور ارشادات و خطابات سے مستفیض ہوئے اور اپنے ایمان بالغیب کو مشاہدات کا رنگ اختیار کرتے دیکھ کر ان کے دل اور رُوح خوشی سے لبریز ہو گئے۔

نائیجیریا میں تشریف آوری حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دورہ کی پہلی منزل نائیجیریا تھی۔ حضور ۴؍اپریل ۱۹۷۰ء مطابق ۴؍شہادت ۱۳۴۹ ہش ربوہ سے اس لِلّٰہی سفر کے لئے روانہ ہوئے لاہور کراچی اور پھر لندن زیورک اور فرینکفورٹ سے ہوتے جہاں استقبال اور الوداع کے موقع پر احبابِ جماعت کی طرف سے جاں نثاری اور فدائیت اور دلی دعاؤں اور ملاقاتوں کے پُرکیف نظارے دیکھنے میں آئے بالآخر حضور ۱۱؍اپریل ۱۹۷۰ء مطابق ۱۱؍شہادت ۱۳۴۹ ہش کی شام کو مغربی افریقہ کے دَورہ کے مجوزہ ممالک میں سے پہلے ملک نائیجیریا کے دارالحکومت لیگوس پہنچے۔ لیگوس کے فضائی مستقر پر نائیجیریا مشن کے امیر اور مبلغ انچارج مکرم مولوی فضل الٰہی صاحب انوری کی قیادت میں ہزاروں احمدیوں نے اپنے پیارے آقا کا نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا ہوائی اڈہ کی فضا نعرہ ہائے تکبیر۔ اسلام زندہ باد۔ احمدیت زندہ باد اور حضرت خلیفۃ المسیح زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے گونج اُٹھی۔ پریس کانفرنس ہوئی اور حضور اپنی جائے قیام فیڈرل پیلس ہوٹل میں تشریف لے گئے۔ نائیجیریا میں حضور نے قریباً ایک ہفتہ قیام فرمایا۔ اس عرصہ میں صدر مملکت جنرل یعقوبو گوواں سے ملاقات کی۔ ملک کی ترقی اور بہبود کے لئے خاص دعا فرمائی۔ صدر موصوف نے نائیجیریا میں

جماعت احمدیہ کی عظیم کامیابیوں کو سراہا اور جماعت نے نائیجیرین باشندوں کی اخلاقی۔ رُوحانی۔ جسمانی اور ذہنی ترقی میں جو قابلِ قدر کردار ادا کیا ہے اس کی تعریف کی۔

ابادان یونیورسٹی میں دانشوروں۔ اہلِ علم حضرات اور طلباء سے معرکہ آراء خطاب فرمایا اور حصولِ علم کی جد و جہد میں اسلام نے جو طریق پیش کیا ہے اسکی نشاندہی فرمائی۔ لیگوس میں ایک اہم پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا۔ اور انسانیت کے احترام اور اقتصادی مسائل کے متعلق اسلامی تعلیم کی وضاحت کی۔ مسلم ٹیچرز ٹریننگ کالج میں پرمعارف خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور جماعت احمدیہ کے قیام کی غرض اور اس کے ذریعہ روحانی انقلاب کی وضاحت کی۔ نائیجیریا کے مشہور شہر اجیبورو ڈے میں ایک عالی شان مسجد کا افتتاح فرمایا اور نائیجیریا میں کم از کم سولہ مزید سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری سکول اور چار نئے میڈیکل سینٹر کھولنے کا فیصلہ فرمایا۔

حضور کے اعزاز میں مسلم کونسل آف نائیجیریا کی طرف سے ایک وسیع پیمانہ پر استقبالیہ کے علاوہ ۷ ار شہادت ۱۳۴۹ ہش کو نائیجیریا میں مقیم پاکستان کے ہائی کمشنر جناب ایس۔ ایم قریشی صاحب نے حضور کے اعزاز میں الوداعی عشائیہ دیا جس میں سوڈان۔ انڈونیشیا۔ نائیجیریا اور سیرالیون کے سفراء نے بھی شرکت کی۔

آخر ۱۸ اپریل ۱۹۷۰ء بمطابق ۱۸ ار شہادت ۱۳۴۹ ہش کو حضور کا یہ انقلاب انگیز دورہ ختم ہوا اور حضور نے جماعت نائیجیریا کے نام محبت و پیار کے جذبات سے لبریز الوداعی پیغام دیا اور فرمایا۔

"آپ کی محبت نے میرا دل جیت لیا ہے"۔

غانا میں تشریف آوری

۱۸ اپریل ۱۹۷۰ء بمطابق ۱۸ ار شہادت ۱۳۴۹ ہش کو حضور صبح کے وقت لیگوس سے روانہ ہو کر غانا کے دارالحکومت اکرا پہنچ گئے۔ فضائی مستقر پر مولوی عطاء اللہ صاحب کلیم امیر و مبلغ انچارج کی قیادت میں خوشیوں سے معمور دس ہزار احمدی فدائیوں نے اپنے پیارے آقا کا نہایت شاندار استقبال کیا۔ اور اللہ اکبر۔ اسلام۔ احمدیت



جماعت احمدیہ فری ٹاؤن کے سرکردہ احباب اپنے آقا و امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کے دورۂ مغربی افریقہ کے موقع پر (صفحہ ۴۲)



مغربی افریقہ میں فریضہ تبلیغ ادا کرنے والے مبلغین کرام اور مغربی افریقہ سے ربوہ آئے ہوئے بعض افریقن مخلصین سیدنا و امامنا حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں
(صفحہ ۱۴۱)

حضرت خلیفۃ المسیح زندہ باد کے فلک شگاف نعرے بلند ہوئے۔ حکومت غانا کے بعض وزراء۔ اعلیٰ حکام وافسران اور ممتاز شخصیتیں بھی استقبال کرنے والوں میں شامل تھیں۔ حضور ہوائی مستقر سے ایمبیسیڈر ہوٹل میں تشریف لائے۔ حضور کی کار پر لوائے احمدیت لہرا رہا تھا۔ غانا میں حضور نے ۱۸ شہادت سے ۲۷ شہادت تک قیام فرمایا۔ اس دوران اکرہ میں ایک عظیم الشان مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اور اسلامی معاشرہ میں مساجد کی اہمیت اور تعلیم و تربیت کے اعتبار سے ان کے نہایت اہم کردار پر ایک دلولہ انگیز تقریر فرمائی۔ جماعت کی طرف سے حضور کے اعزاز میں استقبالیہ دعوت میں شرکت فرمائی۔

غانا کے اس وقت کے سربراہِ مملکت بریگیڈیئر کے۔ اے۔ افریفا سے ملاقات کی اور ان سے گفتگو فرمائی۔ کماسی تعلیم الاسلام سیکنڈری سکول میں پُر معارف خطاب فرمایا۔ کماسی مشن ہاؤس کا افتتاح فرمایا۔ غانا کی مشہور و معروف سائنس اور ٹیکنالوجی کی یونیورسٹی میں تشریف لے جاکر دانشوروں اور اہلِ علم کے ایک عظیم اجتماع سے بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ ٹیچی مان میں ایک نئی تعمیر شدہ مسجد کا افتتاح فرمایا۔ سالٹ پانڈ میں احبابِ جماعت کے ایک جمِ غفیر میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور حضرت مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدام کے ذریعہ غانا میں جو روحانی انقلاب برپا ہو چکا ہے اس پر مسرت اور خوشی کا اظہار فرمایا اور بعد میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک نہایت بصیرت افروز اور جلال و غیرت سے پُر خطاب فرمایا۔

۲۷ شہادت کی صبح کو ایمبیسیڈر ہوٹل میں پریس کانفرس سے خطاب فرمایا۔ جس میں اسلام جو انسانیت کے لئے مساوات کا پیغام لایا ہے اس کی وضاحت کی اور فرمایا کہ انسان کو چاہیئے کہ انسان سے محبت کرنا سیکھے اور پریس کانفرنس کے بعد عہدیدارانِ جماعت غانا سے خطاب فرمایا اور غانا میں تبلیغِ اسلام کی مہم کو تیز تر کرنے کے لئے ایک ریزرو فنڈ کی ضرورت کی طرف جماعت کو توجّہ دلائی اور اس سلسلہ میں بعض تجاویز اور ان کی تفصیلات سے عہدیداران کو آگاہ کیا۔ ۲۵ و ۲۶ شہادت کو حضور نے ہزاروں مشتاقانِ دید اور خدام کو شرفِ مصافحہ بھی بخشا۔

غانا کے نوروزہ دورہ کے بعد ۲۷ شہادت کی صبح کو حضور اکرا سے آئیوری کوسٹ کے لئے روانہ ہوئے۔ اپنے محبوب آقا کو دلی دعاؤں اور خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ الوداع کرنے کے لئے ہوائی مستقر پر احباب جماعت کثیر تعداد میں موجود تھے۔

آئیوری کوسٹ میں تشریف آوری

اکرا (غانا) سے روانہ ہو کر ۲۷ شہادت کو ہی سوا گھنٹے کے سفر کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالےٰ آئیوری کوسٹ کے دارالحکومت آبی جان کے ہوائی مستقر پر پہنچے۔ مکرم قریشی محمد افضل صاحب مشنری انچارج نے دیگر اکابرینِ جماعت کے ساتھ اپنے آقا کا استقبال کیا۔ ننھے احمدی بچوں نے حضور کی خدمت میں پھولوں کے گلدستے پیش کئے۔ وی۔ آئی۔ پی لاؤنج میں تشریف لے جا کر پریس اور ٹیلیویژن نمائندوں سے خطاب کیا۔ اور آئیوری کوسٹ میں اپنی آمد کی غرض بیان کی۔ کہ اس ملک کے لوگوں تک خدائے واحد و یگانہ کا پیغام پہنچایا جائے نیز احبابِ جماعت سے ملاقات کی جائے اس روز مغرب کی نماز کے بعد مسجد احمدیہ آبی جان میں احبابِ جماعت سے روح پرور خطاب فرمایا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عظیم روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جو خدا تعالےٰ کی طرف سے قرآنی معارف کھولے گئے ان کا تذکرہ فرمایا اور اگلے روز ۲۸ شہادت کو پھر مغرب و عشاء کی نماز کے بعد احبابِ جماعت کو شرفِ ملاقات و مصافحہ بخشنے کے بعد ایک پُر معارف اور ولولہ انگیز خطاب فرمایا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ اور افاضۂ روحانی کے نتیجہ میں مشرکینِ عرب میں جو عظیم روحانی انقلاب رُونما ہوا اس کی وضاحت کی اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو روحانی تاثیر کے لحاظ سے جو ابدی حیات دی گئی ہے اس کو احباب کے ذہن نشین کرایا۔

۲۹ شہادت کی صبح کو احمدیہ عربک سکول کے بچوں کی حضور نے دعوت کی۔ انہیں زرّیں ہدایات سے نوازا اور ان کے ساتھ فوٹو کھنچوایا۔

دو روز تک اپنے وجودِ باجود سے فیضیاب کرنے کے بعد حضور ۲۹ شہادت کی دوپہر کو آئیوری کوسٹ سے لائبیریا کے لئے روانہ ہوئے۔ احبابِ جماعت نے فضائی مستقر

پر پہنچ کر اپنے پیارے امام کو دلی دعاؤں کے ساتھ الوداع کیا۔

لائبیریا میں تشریف آوری

۲۹ر شہادت کو ۳ بجے کے قریب حضور کا جہاز لائبیریا کے بین الاقوامی فضائی مستقر رابرٹس فیلڈ پر اترا جماعت احمدیہ لائبیریا کے مخلص و فدائی احباب نے مکرم مولوی امین اللہ خاں صاحب سالک، مبلغ انچارج کی سرکردگی میں اور لائبیریا کے سربرآوردہ اصحاب نے جن میں صدر مملکت کا ذاتی نمائندہ بھی شامل تھا حضور کا نہایت شاندار اور پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ پھر دی۔آئی۔پی لاؤنج میں مسلم گورنر غانانی کمارا اور اس کے نائب نے حضور کا استقبال کیا اور احمدی خواتین نے حضرت بیگم صاحبہ کو خوش آمدید کہا۔ فضائی مستقر سے حضور بذریعہ کار ڈیوکا رانٹر کنٹی نینٹل ہوٹل تشریف لے گئے

۲۹ر شہادت کی شام کو حضور سربراہِ مملکت مسٹر ولیم ٹب مین سے ملاقات کے لئے اس کی رہائش گاہ ایگزیکٹو مینشن تشریف لے گئے اور ان سے دوستانہ ماحول میں گفتگو فرمائی۔ اسی شام آٹھ بجے جماعت کی طرف سے حضور کے اعزاز میں وسیع پیمانہ پر عشائیہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس میں وزرائے مملکت، متعدد ملکوں کے سفراء، اور اعلیٰ حکام وافسران و مسلم زعماء کو حضور نے شرفِ ملاقات بخشا۔ اور تبادلہ خیالات کیا۔

۳۰ر شہادت کی صبح کو حضور نے احبابِ جماعت کو شرفِ ملاقات بخشا اور پھر شام کو ہوٹل کے کانفرنس روم میں پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا۔ اور بتایا کہ ہماری جماعت کا بحیثیت جماعت سیاست سے کوئی تعلق نہیں اور ہم محض خدمتِ خلق کے جذبہ کے ماتحت ان ممالک میں تعلیمی اور طبی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ پھر حضور نے عزت مآب صدر مملکت لائبیریا مسٹر ولیم ٹب مین کی طرف سے آپ کے اعزاز میں دی گئی سرکاری ضیافت میں شرکت فرمائی۔ جس میں صدر مملکت نے حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ اور حضرت بیگم صاحبہ (جو خواتین کے لئے مخصوص علیحدہ کمرے میں تشریف فرما تھیں) کی خدمت میں نہایت ادب کے ساتھ ایڈریس پیش کرتے ہوئے کہا۔

"آج ہماری کتنی خوش قسمتی ہے کہ اس زمانے کے روحانی بادشاہ ہمارے

درمیان تشریف فرما ہیں۔ ان کی ہمارے ملک میں تشریف آوری ہمارے لئے عزّت کا باعث ہے۔"

حضور نے جواب میں صدر مملکت اور ان کی بیگم صاحبہ کا شکریہ ادا فرمایا۔
لائبیریا میں تین یوم قیام کے بعد یکم مئی ۱۹۷۰ء مطابق یکم ہجرت ۱۳۴۹ ہش کو حضور گیمبیا کے لئے روانہ ہوئے۔ ہوائی مستقر پہ احباب جماعت اور دیگر دوستوں نے حضور کو دلی دعاؤں کے ساتھ الوداع کہا۔

گیمبیا میں تشریف آوری

یکم ہجرت کو حضور لائبیریا سے گیمبیا کے دارالحکومت باتھرسٹ کے فضائی مستقر پہ پہنچے۔ ہوائی اڈہ پہ مکرم چوہدری محمد شریف صاحب مشنری انچارج و امیر جماعتہائے احمدیہ گیمبیا کی قیادت میں دو صد احباب و بہنوں نے جن میں الحاج ایف۔ ایم سنگھاٹے (مرحوم) سابق گورنر جنرل گیمبیا بھی شامل تھے حضور کا پُرجوش اور والہانہ استقبال کیا۔ وی۔ آئی۔ پی الاؤنج میں خبر رساں ایجنسی کے انچارج نے حضور کا انٹرویو لیا۔ فضائی مستقر سے حضور سر سنگھاٹے کی کوٹھی پر تشریف لے گئے اور احباب سے مصافحہ فرمایا۔ اور اگلے روز حضور اٹلانٹک ہوٹل میں تشریف لے گئے۔

حضور نے گیمبیا کے قیام کے دوران صدر مملکت سر داؤد کے جوارا سے ملاقات کی دوستانہ ماحول میں ان سے گفتگو ہوئی۔ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ تحفۃً انہیں پیش کیا گیا۔ سابق گورنر جنرل گیمبیا الحاج ایف۔ ایم سنگھاٹے نے حضور کے اعزاز میں اٹلانٹک ہوٹل میں وسیع پیمانے پر ایک دعوتِ استقبالیہ کا اہتمام کیا۔ جس میں حکومت کے وزراء، اعلیٰ افسران اور باتھرسٹ کے میئر اور دیگر معززین شہر شریک ہوئے پھر حضور نے جماعت کے عہدیداروں سے خطاب فرمایا۔ اور ان کی مشکلات سُن کر بچوں کے لئے دینی تعلیم کے مناسب انتظام کا جائزہ لیا۔ گیمبیا گورنمنٹ سیکنڈری سکول میں احبابِ جماعت سے ایک نہایت روح پرور اور ولولہ انگیز خطاب فرمایا اور اس امر کی نشان دہی فرمائی کہ اب اسلام کی فتح کے دن کی پَو پھٹ چکی ہے اور جلد ہی تمام بنی نوع انسان کے دل محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے جیتے جائیں گے۔ پھر مضافات باتھرسٹ میں "ہنونہ کا کنڈا" مقام پر ایک مسجد اور ایک سیکنڈری سکول کا سنگِ بنیاد

رکھا۔ اور ہوٹل میں جماعت کی طرف سے دی گئی ایک دعوت میں شرکت فرمائی۔ بالآخر گیمبیا کا نہایت کامیاب چار روزہ دَورہ مکمل کرنے کے بعد ۵ ہجرت کو سیرالیون کے لئے روانہ ہوئے۔ گیمبیا میں ہی حضور کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہوا کہ اب وقت ہے۔ کہ علاوہ ایک دوسری سکیم کے جو مغربی افریقہ میں براڈ کاسٹنگ سٹیشن لگانے کی ہے تعلیمی اور طبی خدمات کے سلسلہ میں کم از کم ایک لاکھ پونڈ ان ملکوں پر خرچ کر دینا چاہئیے۔

سیرالیون میں تشریف آوری

وہ آخری ملک جس کو حضور نے اپنے دورۂ مغربی افریقہ کے وقت اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا وہ سیرالیون تھا۔ چنانچہ ۵ مئی ۱۹۷۰ء بمطابق ۵ ہجرت ۱۳۴۹ ہش کا دن۔ سیرالیون مشن کی تاریخ میں ایک انقلاب انگیز موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ وہ دن ہے جبکہ مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برحق خلیفہ حضرت امیرالمؤمنین مرزا ناصر احمد ایدہ اللہ تعالیٰ اس ملک کی تشنہ روحوں کو آبِ حیات پلانے کے لئے باتھرسٹ سے سیرالیون کے فضائی مستقر لنگی پر ورود فرما ہوئے۔ حضور کے ہمراہ حضرت سیدہ بیگم صاحبہ۔ محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل اعلیٰ و وکیل التبشیر۔ مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ پرائیویٹ سیکرٹری۔ مکرم چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے اور مکرم محمد سلیم صاحب ناصر بھی تشریف لائے۔ لنگی کا ہوائی اڈہ لنگی کے جزیرہ نما پر واقع ہے اور وہاں پہنچنے کے لئے دارالحکومت فری ٹاؤن سے تقریباً سولہ میل کا فاصلہ سمندر کے راستے کشتی پر پار کرنا پڑتا ہے۔ باوجود اس کے کہ یہ ایک مشکل امر تھا پھر بھی سینکڑوں کی تعداد میں احباب جماعت وہاں پہنچ گئے۔ خاکسار (محمد صدیق شاہد امیر و مبلغ انچارج) اور باقی مبلغین مولوی منظور احمد صاحب بشیر مولوی مقبول احمد صاحب ذبیح اور مولوی عزیز الرحمٰن صاحب خالد پریذیڈنٹ جماعتہائے احمدیہ سیرالیون پیرامونٹ چیف گامانگا اور سکولوں کے اساتذہ بھی وقت مقررہ سے قبل ہی ہوائی مستقر پر پہنچ چکے تھے۔ حضور کا جہاز اُترتے ہی احباب جماعت اس تیزی سے جہاز کی طرف لپکے کہ ایرپورٹ اتھارٹیز کو کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا اور فضا اسلام زندہ باد۔ احمدیت زندہ باد۔ حضرت امیرالمؤمنین زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی۔ حضرت بیگم صاحبہ کے استقبال کے لئے احمدی مستورات موجود تھیں۔

حضور جہاز سے وی۔ آئی۔ پی لاؤنج میں تشریف لائے وہاں آنریبل چیف جائے کالی کالی وزیر مملکت۔ آنریبل ایڈورڈ کاریو نائب وزیر دفاع اور نمائندہ خصوصی وزیر اعظم۔ آنریبل مصطفےٰ سنوسی مسٹر محمد زبیر جنرل سیکرٹری مسلم کانگرس اور دیگر مسلم ائمہ نے حضور کا استقبال کیا۔ پھر حضور نے ازراہِ نوازش باوجود سفر کی کوفت کے تمام حاضر احباب کو فرداً فرداً مصافحہ اور معانقہ کا شرف بخشا۔

فری ٹاؤن میں ورودِ مسعود

پھر یہ قافلہ جس کا سپہ سالار مسیح پاک علیہ السلام کا موعود نافلہ اور خلیفہ تھا۔ کاروں میں فری ٹاؤن کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ خشکی اور پھر سمندر سفر طے کرنے کے بعد ۳ بجے سہ پہر فری ٹاؤن وارد ہوا۔ وہاں سڑک کی دونوں جانب احمدیہ سیکنڈری سکول فری ٹاؤن اور دیگر احمدیہ سکولوں کے طلباء اپنی اپنی خوشنما وردیوں میں ملبوس کھڑے تھے اور حضور کی کار سامنے آتے ہی فضا نعرہ ہائے تکبیر۔ اسلام و احمدیت اور حضرت امیر المؤمنین زندہ باد سے گونج اٹھی اور طلباء نے اھلاً و سھلاً و مرحبا یا امیر المؤمنین کا ترانہ خوش الحانی نے گانا شروع کر دیا۔ ہجوم اتنا ہو گیا کہ حضور کی کار کو مجبوراً آہستہ آہستہ چلانا پڑا۔ وہاں مختلف جگہوں پر بڑے بڑے گیٹ بنے ہوئے تھے جن پر استقبالیہ قطعات آویزاں تھے۔ حضور کی کار کے آگے ایک کار میں لاؤڈ سپیکر پر الحاج ایم۔ کے بونگے بلند آواز سے یہ اعلان کر رہے تھے

"اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح"

پھر حضور کی کار پر لہلہانے والا لوائے احمدیت بزبانِ حال اعلان کر رہا تھا کہ آج کا دن سیرالیون میں احمدیت کا دن ہے جب کہ مسیحِ محمدی اور مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلیفہ اور موعود نافلہ بنفسِ نفیس اپنے روحانی فرزندوں کے اشتیاقِ دید کو پورا کرنے کے لئے ان میں موجود تھا۔ وہ کیا ہی عجیب سماں تھا ہر دل خدا کی حمد سے لبریز تھا۔ ہر چہرہ پر خوشی کے آثار ہویدا تھے اور ہر زبان پر احمدیت اور خلیفۃ المسیح کا نام تھا۔ قریباً دو گھنٹے کے سفر کے بعد یہ کاروں کا قافلہ اپنے پیارے اور جان و دل سے عزیز آقا کو ساتھ لئے سٹیٹ گیسٹ ہاؤس پہنچا۔ جہاں حضور اور قافلہ نے قیام فرمانا تھا۔

تمام احباب مصافحہ سے مشرف ہوئے

ریڈیو سیرالیون نے اس سارے سفر کا آنکھوں دیکھا حال نشر کیا۔ نیز ٹیلیویژن نے بھی حضور کی آمد کے نظارے دکھائے۔ احباب جماعت بھی ساتھ ہی مختلف بسوں اور کاروں میں لاج پہنچ گئے۔ حضور جب اندر تشریف لے گئے تو احباب نے خاکسار سے بہ اصرار کہا کہ گو ہم جانتے ہیں کہ خلیفۃ المسیح اس وقت سفر کی کوفت محسوس کر رہے ہیں اور ان کو آرام کی ضرورت ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ حضور اوپر سے ہی کھڑے کھڑے اپنے دیدار سے انہیں شاد کام فرمائیں پھر ہم چلے جائیںگے خاکسار نے احباب کی اس خواہش کا حضور سے اظہار کیا تو حضور نے کمال شفقت سے فرمایا۔ دوستوں کو کہو میں ان سے ملنے نیچے آرہا ہوں تیار ہو جائیں۔ قربان ایسے آقا کے کہ باوجود اس کے کہ گرمی تھی۔ دھوپ تھی طبیعت بھی سردرد کی وجہ سے علیل تھی۔ سفر کی کوفت بھی تھی۔ مگر ایک منٹ بھی آرام نہ کیا اور اپنے روحانی بچوں کے جذبات کا خیال کرتے ہوئے انہیں ملنے کے لئے باہر تشریف لے آئے۔
خاکسار نے جب احباب جماعت کو ان کی اس خوش بختی سے مطلع کیا تو سب کے چہرے مسرت سے کھل گئے اور فوراً قطاریں بننی شروع ہو گئیں۔ حضور تشریف لائے اور ہر ایک سے مصافحہ کیا۔ معانقہ کا شرف بخشا اور فرداً فرداً ان کے حالات دریافت فرمائے۔ اسی طرح حضرت بیگم صاحبہ نے بھی نیچے آکر حاضر احمدی مستورات کو شرف مصافحہ بخشا۔

پریس کانفرنس

اسی روز ساڑھے پانچ بجے شام لاج کی زیریں منزل میں پریس کانفرنس ہوئی جس میں ریڈیو۔ ٹیلی ویژن اور نیوز ایجنسیوں کے نمائندگان نے شرکت کی۔ حضور نے اپنے مغربی افریقہ خصوصاً سیرالیون کے دورہ کے اغراض و مقاصد اور مستقبل قریب میں دنیا میں جو احمدیت کے ذریعہ روحانی انقلاب برپا ہونے والا ہے اس کی وضاحت فرمائی اور اس امر کا اظہار فرمایا کہ وہ وقت قریب ہے جب دنیا سے نفرت حقارت اور ایک دوسرے سے دوئی کا نظریہ یکسر ختم ہو جائے گا۔ اور لوگ آپس میں محبت اخوت اور رواداری سے رہنے لگیں گے یہ سب کچھ اسلامی تعلیمات کو اپنانے سے معرض وجود میں آئے گا۔ اور ہم یقین رکھتے

ہیں کہ ہماری محبت ساری دنیا کی نفرت پر غالب آکر رہے گی۔ حضور نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہماری جماعت تقریباً دنیا کے ہر ملک میں قائم ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ ہماری جماعت پر سورج کبھی غروب نہیں ہوتا۔

نونہالوں کی طرف سے استقبال

پریس کانفرنس کے اختتام پر حضور رہائش گاہ کے صدر دروازہ پر تشریف لے گئے جہاں پیلیس کے قریب احمدیت کے نونہال خوبصورت وردیاں پہنے اپنے آقا کے سلام اور عقیدت کا تحفہ پیش کرنے کے لئے کھڑے تھے انہوں نے نہایت خوش الحانی کے ساتھ عربی زبان میں بعض استقبالیہ ترانے سنائے۔ آواز میں ایسا سوز تھا کہ دلوں پر اثر کئے بغیر نہ رہا حضور اس سے بہت محظوظ ہوئے۔ حضور نے بچوں سے نہایت شفقت اور پیار سے مصافحہ فرمایا اور انہیں برکت بخشی۔ پھر حضور شام کے وقت مجلس عرفان میں تشریف فرما ہو کر مخلصین کو اپنے ایمان افروز اور روح پرور ارشادات سے نوازتے رہے۔

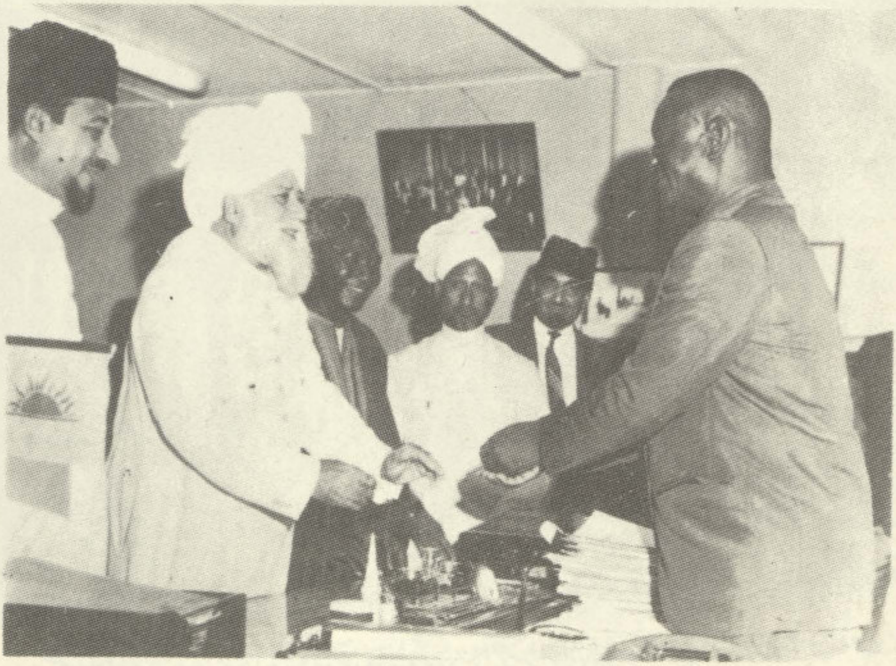
گورنر جنرل کی حضورؒ سے ملاقات

۱۶ ہجرت کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ دس بجے صبح سیرالیون کے قائم مقام گورنر جنرل عزت مآب جناب بانجا تیجان سی سے سٹیٹ ہاؤس میں ملاقات کے لئے تشریف لے گئے اور قریباً نصف گھنٹہ تک ان سے باہمی دلچسپی کے موضوع پر گفتگو ہوئی۔ جناب گورنر جنرل نے حضور کا استقبال کرتے ہوئے نہایت خوشی اور مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ آپ کی سیرالیون میں تشریف آوری برکت کا نشان ہے۔ نیز جماعت احمدیہ جو سیرالیون میں تعلیمی اور طبی خدمات سرانجام دے رہی تھی، اس کی تعریف کی۔

حضور نے گورنر جنرل کو گھریلو صنعت کا ایک خوبصورت نمونہ عطا کیا۔ اور محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے قرآن مجید انگریزی تحفہ دیا۔

وزیر اعظم کی حضورؒ سے ملاقات

جناب قائم مقام گورنر جنرل نے حضور سے ملاقات کے دوران خود ہی وزیر اعظم کو فون پر اطلاع دی کہ حضور اب ان سے ملاقات کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ چنانچہ گیارہ بجے کے قریب حضور کی ملاقات وزیر اعظم ڈاکٹر شیکا سٹیونسن سے ہوئی۔ وزیر اعظم صاحب نہایت تپاک سے ملے اور سیرالیون میں احمدیہ مشن جو تبلیغی اور تعلیمی



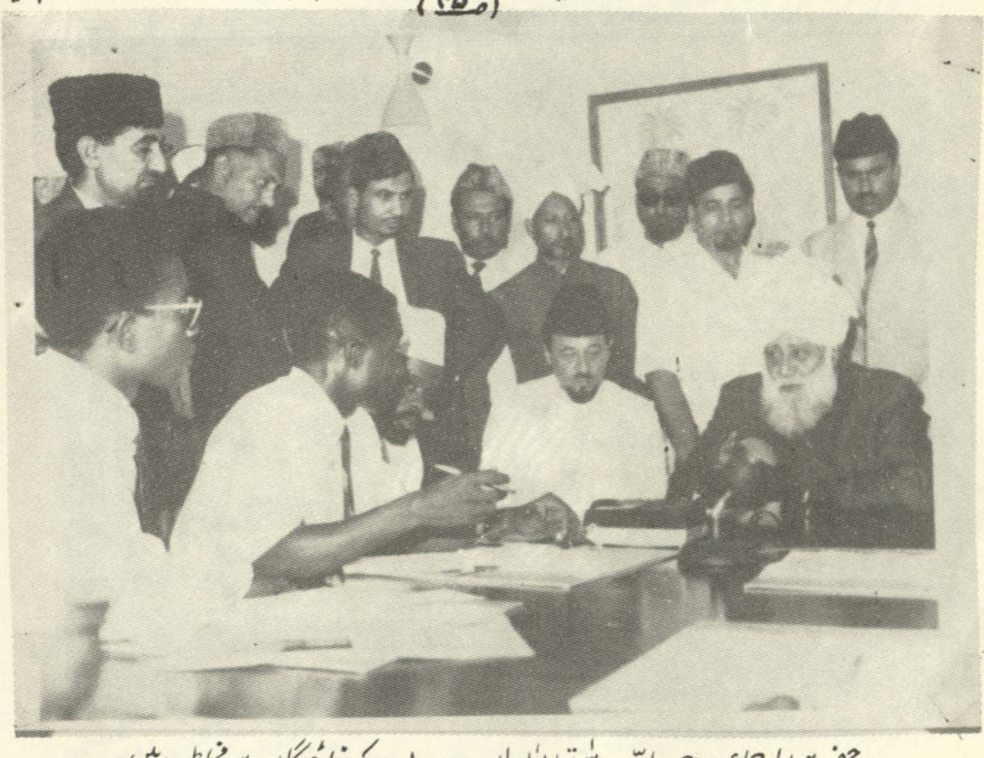
فری ٹاؤن میں حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ اور جمہوریہ سیرالیون کے صدر
آنریبل سیاکا سٹیفن سن کی ملاقات
(صفحہ ۴۴)



Huzur on the Right of the Ag. Governor General, Sierra Leone
and Sahibzada Mirza Mubarak Ahmad on his left



حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ سے گورنر جنرل سیرالیون کی ملاقات ۔ گورنر کے دائیں طرف
حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد وکیل اعلیٰ ہیں اور ان کے ساتھ آنریبل چیف این کے گابانگا مرحوم ہیں
(ص ۴۵)



حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ سیرالیون میں پریس کے نمائندگان سے مخاطب ہیں۔
(صفحہ ۴۵)

میدان میں بے لوث خدمت سرانجام دے رہا ہے اس کی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا۔ رخصت ہوتے وقت وزیراعظم صاحب کو بھی حضور نے اور صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے پاکستانی دستکاری کے دو الگ الگ خوبصورت نمونے تحفۃً دیئے۔

سربراہانِ ملک سے ملاقات کے بعد حضور جب واپس قیام گاہ پر تشریف لائے تو سید حسن محمد ابراہیم ایک لبنانی مخلص احمدی نے حضور کی اجازت سے درد و سوز اور محبت و عشق سے لبریز عربی زبان میں اپنا ایک استقبالیہ قصیدہ نہایت وجد کے ساتھ پڑھا۔

استقبالیہ دعوت اسی شام کو جماعت احمدیہ سیرالیون کی طرف سے حضور کے اعزاز میں وسیع پیمانہ پر ایک دعوتِ استقبالیہ کا اہتمام کیا گیا جس میں ملک کی ممتاز شخصیتوں نے شرکت کی۔ جن میں وزراء۔ سفراء۔ پیراماؤنٹ چیفس اور ممبران پارلیمنٹ اور مسلم ائمہ شامل تھے۔ حضور نے ان سے فرداً فرداً گفتگو فرمائی۔ اور اسلام کی محبت اور صلح و آشتی کی تعلیمات سے انہیں روشناس کرایا۔

مغرب و عشاء کی نمازوں کے بعد حضور رات گئے تک احباب جماعت کے درمیان تشریف فرما رہے۔ اور مجلس علم و عرفان میں افریقہ کے مخلصین کی قربانیوں کا ذکر فرماتے رہے۔

احمدیہ سیکنڈری سکول فری ٹاؤن کا معائنہ ۱ ہجرت کی صبح کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ احمدیہ سیکنڈری سکول فری ٹاؤن میں تشریف لے گئے۔ تمام اساتذہ اور طلباء نے یک زبان ہو کر بلند آواز سے اھلاً وَّسَھْلاً وَّ مَرْحَبًا کہہ کر استقبال کیا۔ حضور نے نئی عمارت کا معائنہ فرمایا جس میں لائبریری اور ایک کلاس روم تھا۔ سائنس لیبارٹریز کا افتتاح فرمایا۔ نیز اساتذہ اور طلباء سے ایک پر معارف خطاب بھی فرمایا۔ جس میں انہیں ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ اور فرمایا کہ مَیں آپ کے چہروں میں مستقبل کے عظیم لیڈروں کے چہرے دیکھ رہا ہوں۔ نیز فرمایا کہ میرا پیغام امید کا پیغام ہے اٹھو اور دلوں میں علم و ایمان کی شمعیں روشن کر دو۔ اس موقع پر سکول کی فائنل کلاس V کے پچیس طلباء حضور کے دست مبارک پر اجتماعی بیعت سے مشرف ہوئے۔

شام پانچ بجے دو پیرامونٹ چیفس چیف کمپا (camp a) آف مونگو اور آنریبل پیرامونٹ چیف بھائی فرباتاس آف کامبیا حضور کی ملاقات کے لئے آئے اور حضور نے انہیں ازراہِ نوازش الگ ملاقات کا شرف بخشا اور ان سے گفتگو فرمائی۔

سرکاری عشائیہ ۷ ر ہجرت کی شب کو عزت مآب قائم مقام گورنر جنرل نے حضور ایدہ اللہ تعالےٰ کے اعزاز میں سٹیٹ ہاؤس میں سرکاری عشائیہ کا اہتمام کیا جس میں رومن کیتھولک چرچ کے بشپ مسلم ائمہ اور دیگر اعلیٰ حکام بھی مدعو تھے۔ حضرت بیگم صاحبہ کے لئے الگ کمرہ میں گورنر جنرل کی بیگم کے ساتھ کھانے کا انتظام تھا۔ حضور نے وہاں گورنر جنرل صاحب اور رومن کیتھولک بشپ سے تبادلہ خیالات کیا۔ بشپ موصوف حضور ایدہ اللہ تعالےٰ کی گفتگو سے اتنے متاثر ہوئے کہ بعد میں مجھے کہنے لگے کہ یہ شخص محض ایک مذہبی رہنما نہیں بلکہ ایک بہت بڑا فلاسفر ہے اور ایسی شخصیّت سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔

لسٹر مسجد کا افتتاح ۸ ر ہجرت کو حضور نے نماز جمعہ کے لئے نئی تعمیر شدہ مسجد لسٹر میں تشریف لے جانا تھا۔ اور اس مسجد کا افتتاح بھی فرمانا تھا چنانچہ لوگ صبح سے ہی وہاں جانے شروع ہو گئے۔ باوجود اس کے کہ راستہ دشوار گزار تھا اونچی پہاڑیوں پر سے گزرنا پڑتا تھا پھر بھی احمدی اور غیر احمدی حتّٰی کہ عیسائی بھی وہاں خاص تعداد میں پہنچ گئے۔ اس مسجد کی بنیاد محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے ۱۶ر مئی ۱۹۶۵ء کو اپنے دورہ سیرالیون کے موقع پر رکھی تھی مگر اس کی تعمیر نہ ہوسکی تھی۔ ایک طرف مشن کے پاس فنڈ نہیں تھا کہ اس کو تعمیر کرسکے دوسری طرف وہاں یہ سامان لے جانا بھی ایک کارے دارد تھا کیونکہ مسجد ایک پہاڑی پر واقع تھی۔ مگر جب حضور ایدہ اللہ تعالےٰ کے دَورہ کے پیغامات ملنے لگے۔ تو لسٹر اور فری ٹاؤن کی جماعت کے احباب نے کمرِ ہمت کس لی اور تین ماہ کے عرصہ میں وقارِ عمل کرکے اس مسجد کو مکمل کر دیا تاکہ حضور اس کا افتتاح فرمائیں۔

اس مسجد کی اہمیّت اس امر سے واضح ہے کہ سیرالیون میں عیسائیت کا سب سے پہلا مشن لسٹر مقام پر ہی قائم ہوا تھا اور یہاں سے ہی اندرونِ ملک میں عیسائیت پھیلنی شروع ہوئی تھی یہی وجہ تھی کہ اس علاقہ میں ایک بھی مسجد موجود نہ تھی جبکہ

عیسائیت کے درجنوں چرچ وہاں موجود تھے گویا یہ علاقہ خالصتہً عیسائیت کی نمائندگی کرتا تھا۔ پس اس علاقہ میں پہلی مسجد تعمیر کرنے کی توفیق اگر خدا تعالیٰ نے دی تو وہ مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدام کو۔ ایسا ہونا اس لئے بھی ضروری تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہی خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں کاسرِ صلیب بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے پہلے چابی سے مسجد کا دروازہ کھول کر اس کا افتتاح فرمایا اور پھر اذان کے بعد ایک پُر معارف خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں احمدیت کے پیغام کا مقصد اور عرفانِ الٰہی کے حصول کے ذرائع بیان فرمائے۔

اس مسجد کا نام حضور نے سیرالیون میں اسلام کے مجاہدِ اوّل مولوی نذیر احمد صاحب علی مرحوم کے نام پر "مسجد نذیر احمد علی" تجویز فرمایا۔

مسلم کانگریس کی طرف سے دعوتِ استقبالیہ

اسی روز شام کو سیرالیون مسلم کانگریس نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے اعزاز میں ریلوے یونین ہال میں دعوتِ استقبالیہ کا اہتمام کیا۔ یہ کانگریس مسلمان معززین سیرالیون کی اجتماعی تنظیم ہے۔ حضور جب ہال میں تشریف لے گئے تو چاروں طرف سے اللہ اکبر کے نعرے بلند ہوئے اور پانچ صد حاضرین احتراماً کھڑے ہو گئے۔ پھر تقریب کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا جس کے بعد مسٹر ایم۔ ایس مصطفیٰ پریذیڈنٹ مسلم کانگریس اور سابق نائب وزیر اعظم سیرالیون نے حضور کی خدمت میں انگریزی زبان میں استقبالیہ ایڈریس پیش کیا۔ اور کہا کہ ہمارے لئے یہ خوشی اور شادمانی کا دن ہے کہ اسلام کا ایک عظیم فرزند آجکل ہمارے درمیان موجود ہے۔ پھر جماعت احمدیہ کی ساری دنیا میں خصوصاً سیرالیون میں تعلیمی اور تبلیغی خدمات کو سراہا۔ اور اس سلسلہ میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔

اس کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے انگریزی زبان میں ایک مبسوط مُدلّل اور ولولہ انگیز تقریر فرمائی جس میں ان تمام اعتراضات کے جوابات تھے جو کسی غیر از جماعت دوست کے ذہن میں پیدا ہو سکتے تھے۔ حضور نے واضح فرمایا کہ احمدیت اسلام کا ہی دوسرا نام ہے اور اب اسلام کا غلبہ جماعت احمدیہ کے ذریعہ ہی مقدر ہے،

حضور نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بلند اور ارفع مقام کی وضاحت بھی کی۔ اور بڑے جلال سے بلند آواز میں ایک اعلان کیا۔ حضور کی آواز بجلی کی طرح کڑکی اور جسم وجان میں سرائت کر گئی۔ حضور نے فرمایا "مَیں آپ سب کو پوری قوت سے یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اسلام کے غلبہ کا عظیم دن طلوع ہو چکا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اس حقیقت کو ٹال نہیں سکتی۔ احمدیت فتحمند ہو کر رہے گی۔ انشاء اللہ آئندہ پچیس سال کے اندر اندر اسلام کا غلبہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ مَیں بوڑھوں اور جوانوں مردوں اور عورتوں سے پکار کر کہتا ہوں کہ اسلام کے غلبہ کی خاطر قربانی کے لئے آگے آؤ۔ اسلام کی فتح کا دن اٹل ہے اگرچہ بادی النظر میں یہ چیز ناممکن نظر آتی ہے۔ لیکن خدا نے مجھے بتایا ہے کہ اسلام کے غلبے کا دن طلوع ہو چکا ہے اس کا فضل شامل حال رہا تو یہ بظاہر ناممکن ممکن ہو کر رہے گا۔

ہال میں ہر شخص ہمہ تن گوش ہو کر حضور کے اس بصیرت افروز خطاب کو سُن رہا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حضور خاص الٰہی تصرف کے ماتحت تقریر فرما رہے ہیں۔ اس تقریب کے بعد حضور واپس رہائش گاہ پر تشریف لے گئے اور شام کے بعد اپنے خدام کے درمیان رونق افروز ہو کر اپنے کلمات طیبات سے نوازتے رہے۔

بو میں ورودِ مسعود

۹ ہجرت کی صبح کو بو کے لئے روانگی تھی۔ بو فری ٹاؤن سے قریباً ۱۷۰ میل پر واقع جنوبی صوبے کا صدر مقام ہے یہ شہر مجاہدین احمدیت خصوصاً حضرت مولانا نذیر احمد صاحب علی مرحوم اور مکرم مولانا مولوی محمد صدیق صاحب امرت سری کی تبلیغی مساعی کا خصوصی مرکز رہا ہے۔ یہاں ایک احمدیہ مشن ہاؤس کے علاوہ معیاری احمدیہ سیکنڈری سکول اور نذیریہ احمدیہ پرنٹنگ پریس بھی قائم ہے۔ اور حضرت مولانا نذیر احمد صاحب علی مرحوم کی آخری آرام گاہ بھی اسی شہر میں ہے۔ چنانچہ ۹ ہجرت کو حضرت اقدس۔ حضرت بیگم صاحبہ اور دیگر افرادِ قافلہ کاروں کے ذریعہ بو کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں متعدد جماعتوں کے دوستوں اور احمدیہ سکولز کے طلباء نے سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر اپنے پیارے آقا کے دیدار سے شادکام ہونے اور مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کیا۔ پھر بو سے پانچ میل ورے چوک "ٹکونکو" پر قریباً ڈیڑھ صد سرکردہ احباب نے

اَھْلًا وَّ سَھْلًا وَّ مَرْحَبًا یا امیر المومنین کے الفاظ کے ساتھ اپنے پیارے آقا کا استقبال کیا۔
بو میں شمالی۔ جنوبی اور شرقی صوبوں سے احباب جماعت ہزاروں کی تعداد میں خلیفۃ اللہ فی الارض اور اپنے پیارے آقا کی زیارت اور ملاقات کے لئے دو یوم قبل ہی خاص بسوں۔ لاریوں اور کاروں کے ذریعہ جمع ہونے شروع ہو گئے تھے چنانچہ حضور کی آمد سے قبل شہر کے وسط سے حضور کی قیامگاہ " گورنر لاج " تک ڈیڑھ میل کے راستہ پہ سڑک کے دونوں جانب مشتاقانِ دید دھوپ میں کھڑے حضور کی آمد کے لئے چشم براہ تھے۔ سکولز کے طلباء ہاتھوں میں مختلف رنگ کی جھنڈیاں اور خیر مقدمی قطعات اٹھائے ہوئے تھے۔ حضور کی کار وہاں پہنچتے ہی فضا السلام علیکم۔ اسلام زندہ باد۔ احمدیت زندہ باد۔ خلیفۃ المسیح زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی۔ حضور نے کار سے اترتے ہی فرمایا۔ کہ میں ہر شخص سے مصافحہ کرونگا۔ چنانچہ گرمی کی شدت میں قریبًا دو گھنٹے تک حضور نے کھڑے ہو کر احباب سے مصافحہ فرمایا۔ بچوں سے پیار کیا اور حالات دریافت فرمائے۔
شدید گرمی کے باوجود مشتاقانِ دید کے ہجوم اور حضور کی شفقت اور محبت نے ایسا روحانی اور پر کیف منظر پیش کیا جو بیان سے باہر ہے۔ خود حضور اقدس کے چہرہ پہ بھی خوشی اور مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ حضرت سیدہ بیگم صاحبہ نے علیحدہ مستورات کو مصافحہ کے شرف سے نوازا۔ مجھے یاد ہے کہ جب حضور ملاقات فرما چکے اور اندر تشریف لے گئے تو مکرم چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے (جو حضور کے ہمسفر تھے) نے خاکسار کو گلے لگا لیا اور مبارکباد دی جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضور کے ہمسفر ساتھی کس رنگ میں ان روحانی مناظر سے متاثر اور لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اور مرکز سلسلہ سے ہزاروں میل دور مسیح محمدی علیہ السلام کے پروانے جس جذبہ اور شوق سے خلیفۃ المسیح پر نثار ہو رہے تھے اور اس سے ان کے ایمانوں کو کس قدر تقویت مل رہی تھی۔

مسجد بو کا سنگِ بنیاد ۱۰ ار ہجرت کو حضرت اقدس نے بو میں مرکزی مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اس تقریب میں احباب جماعت کے علاوہ کثیر تعداد میں دوسرے مسلمان زعماء مختلف اسلامی ایسوسی ایشنز کے عہدیداران حجاج ممبران پارلیمنٹ اور اعلیٰ سول حکام۔ معززین شہر نے شرکت کی۔ سنگِ بنیاد

رکھنے سے قبل حضور نے مختصر مگر بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ جس میں مسجد کی روحانی اغراض پر روشنی ڈالی۔ اس تقریب سے فارغ ہو کر حضور نے نذیر احمد پرنٹنگ پریس کا معائنہ فرمایا۔ پھر واپس گورنر لاج میں تشریف لے جا کر مختلف علاقوں سے آنے والے احمدی اور غیر از جماعت دوستوں کو شرفِ ملاقات بخشا۔

استقبالیہ تقریب

اسی روز شام کو جماعت نے حضور کے اعزاز میں ٹاؤن ہال میں وسیع پیمانے پر ایک استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا جس میں اڑھائی صد احباب نے شرکت کی جن میں پیراموئنٹ چیفس۔ ممبرانِ پارلیمنٹ۔ سول حکام، کالجوں اور سکولز کے پرنسپل اور معززین شہر شامل تھے۔ حضور اقدس نے حاضرین کے درمیان گھل مل کر ان سے گفتگو کی اور متعدد سوالات کے جوابات دیئے۔ اس موقع پر حضور نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:۔

"حضور علیہ السلام نے مخالفینِ اسلام کو جو انعامی چیلنج دیئے ہیں حضور علیہ السلام کا جانشین ہونے کی حیثیت سے ان انعامات کی ادائیگی کا ذمہ دار میں ہوں لیکن کوئی مخالف اسلام اپنے اندر ان انعامی چیلنجوں کو قبول کرنے کی جرأت نہیں پاتا۔"

احمدیہ سیکنڈری سکول بو میں تشریف آوری

۱۱ ہجرت کی صبح کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ احمدیہ سیکنڈری سکول بو میں تشریف لے گئے۔ یہ سکول جماعت کا پہلا سیکنڈری سکول ہے نیز وہاں احمدیہ سیکنڈری سکولز جورو اور بایے بو کے طلباء بھی حضور کی زیارت کے لئے پہنچ چکے تھے سیکنڈری اور پرائمری سکولز کے طلبا اپنی اپنی وردیوں میں ملبوس استقبالیہ قطعات اٹھائے ہوئے تھے۔ حضور ایدہ اللہ تعالےٰ کی کار دیکھتے ہی انہوں نے بلند آواز سے اَھْلًا وَّ سَھْلًا وَّ مَرْحَبًا کہا اور فضا مختلف نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اٹھی۔ حضور نے پہلے سکول کا معائنہ فرمایا اور طبعیات کی تجربہ گاہ کو دیکھا اور خوشنودی کا اظہار فرمایا پھر تقسیم انعامات کی تقریب منعقد ہوئی۔ پرنسپل صاحب اسکول نے حضور کی خدمت میں سکول کی رپورٹ اور استقبالیہ ایڈریس پیش کیا۔ حضور نے اپنے دستِ مبارک سے طلباء میں انعامات تقسیم کئے اور پھر مختصر خطاب میں طلباء اور اساتذہ کو زریں

نصائح سے نوازا۔ اور سکول کی لاگ بک میں تحریر فرمایا۔ "بارک اللہ فی سعیکم"
اس موقع پر ۵۶ طلباء، دو اساتذہ نے حضور کے دستِ مبارک پر بیعت بھی کی۔

جماعتہائے احمدیہ سیرالیون سے پُرشوکت خطاب

احمدیہ سیکنڈری سکول کے معائنہ کے بعد حضور تو بیں منعقد ہونے والی اہم ترین تقریب یعنی جماعتہائے احمدیہ سیرالیون کی طرف سے حضور کے اعزاز میں دی گئی استقبالیہ تقریب میں شمولیت کے لئے تشریف لے گئے۔ تقریب کی جگہ کو بہت خوبصورت قطعات اور پرچموں سے سجایا گیا تھا۔ قرآن کریم کی تلاوت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عربی قصیدہ یا عین فیض اللہ وَالعرفانِ کے بعد جماعت احمدیہ سیرالیون کے پریذیڈنٹ پیراماؤنٹ چیف گمانز گا صاحب ممبر پارلیمنٹ نے سیرالیون کے احمدیوں کی طرف سے حضور کی خدمت میں انگریزی زبان میں محبت و عشق اور اخلاص و عقیدت سے پُر الفاظ میں ایڈریس پیش کیا۔ جس کے بعد حضور انور نے انگریزی زبان میں ایک نہایت ہی روح پرور اور پُر شوکت خطاب فرمایا۔ جس کا ترجمہ سینڈے اور مینی زبانوں میں ساتھ ساتھ کیا گیا۔ حضور نے یوں آغاز فرمایا۔

"آج کا دن آپ کا دن ہے۔ احمدیت کی تاریخ میں اور اس ملک کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ مہدی معہود اور مسیح موعود علیہ السلام کا خلیفہ اس ملک میں وارد ہوا ہے۔ اس نعمت کے ملنے پر خوشی سے اُچھلو اور خدا کی حمد کے ترانے گاؤ کہ مولیٰ کریم نے آپ کو یہ دن دکھایا۔"

پھر کیا تھا جلسہ گاہ نعرۂ تکبیر اور حضرت خلیفۃ المسیح زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی نیز حضور نے فرمایا کہ آج وہ عظیم دن طلوع ہو چکا ہے جبکہ اہلِ افریقہ کے دل اسلام کے لئے جیتے جائیں گے اور جب اسلام کو ساری دنیا پر فتح حاصل ہو گی۔

حضور کے اس وجد آفریں اور پر شوکت اور پُر رعب خطاب کو سنکر ایک مسلمان دوست نے جو ابھی جماعت احمدیہ میں داخل نہیں ہوئے ہیں کہا کہ ہم نے خدا کو دیکھا تو نہیں لیکن آج حضور کی زبان سے خدا کو بولتے ضرور سُنا ہے۔

اس استقبالیہ تقریب کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز حضرت مولوی نذیر احمد علی مرحوم کے مزار پر دعا کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ سیرالیون کے ابتدائی

مبلغ تھے آپ نے ۱۹۵۵ء میں فریضہ تبلیغ بجالاتے ہوئے سیرالیون میں ہی جام شہادت نوش کیا۔ اور بو میں دفن ہوئے۔

فری ٹاؤن کو واپسی اسی روز بعد دوپہر حضور مع قافلہ بو سے روانہ ہو کر شام کے وقت واپس فری ٹاؤن پہنچ گئے۔ راستہ میں ریذیڈنٹ منسٹر پرنس ولیمز کی درخواست پر حضور ان کی وزارت کے دفاتر میں تشریف لے گئے اور ویزیٹرز بک میں دستخط فرمائے۔ ریذیڈنٹ منسٹر نے حضور کے سامنے کھڑے ہو کر مجسّم شکریہ بن کر انتہائی عقیدت اور خاکساری سے حضور کی اس ذرّہ نوازی کا شکریہ ادا کیا۔

قائم مقام گورنر جنرل سیرالیون کے اعزاز میں عشائیہ ۱۲ ہجرت کی شام کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے سیرالیون کے قائم مقام گورنر جنرل اور ان کی بیگم صاحبہ کے اعزاز میں رات کے کھانے کی دعوت دی جس میں حکومت کے بعض وزراء۔ مختلف ملکوں کے سفراء۔ رومن کیتھولک بشپ۔ آرچ بشپ آف مغربی افریقہ کے خاص نمائندہ اور میئر آف فری ٹاؤن نے شرکت کی۔ حضور نے نہ صرف انہیں مادی غذا کھلائی بلکہ انہیں روحانی غذا سے بھی سیر کیا۔ خواتین کے لئے الگ ضیافت کا اہتمام تھا جس میں حضرت سیّدہ بیگم صاحبہ نے مہمان خواتین سے ملاقات فرمائی۔

الوداعی پریس کانفرنس ۱۳ ہجرت کی صبح کو لاج کے کمیٹی روم میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک پریس کانفرنس ہوئی۔ اس میں مقامی اخبار وں نیوز ایجنسیوں اور ریڈیو کے نمائندے شامل ہوئے۔ حضور نے مختلف سوالات کے جوابات دیئے اور پرشوکت الفاظ میں فرمایا۔ ایک ہزار سال کی تاریکی کے بعد اب اسلام کا دن دوبارہ طلوع ہوا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اسلام کا سورج پچیس سال کے اندر اندر نصف النہار تک پہنچ جائے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت احمدیت کو پھیلنے سے روک نہیں سکتی۔ پھر حضور نے اہل سیرالیون کے بارہ میں فرمایا۔ کہ آپ کا مستقبل بہت شاندار ہے لیکن اس کے لئے آپ کو بہت محنت کرنی ہوگی۔ فرمایا۔

you will have to climb the tree of destiney to pluck its fruit.

آپ کو اپنی تقدیر کے شجر پر چڑھ کر اسں کا پھل اتارنا ہوگا۔ نیز حضور نے اس موقع پر سیرالیون میں بعض میڈیکل سنٹرز اور مزید سیکنڈری سکولز کھولنے کا اعلان فرمایا۔

ملاقاتیں

پریس کانفرنس کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالےٰ نے احباب جماعت سے ملاقات فرمائی۔ اسی طرح دن کے مختلف اوقات میں سیرالیون کے ہاؤس آف پارلیمنٹ میں اپوزیشن پارٹی کے لیڈر مسٹر صالحو یوسف شریف محترم تقی صاحب سابق وزیر اطلاعات و نشریات۔ آنریبل عمر باشس تقی وزیر ترقیات آنریبل ایم۔ ایس مصطفے ممبر پارلیمنٹ و سابق نائب وزیر اعظم اور ڈاکٹر سنگھ پروفیسر سیرالیون یونیورسٹی حضور کی ملاقات کے لئے آئے جن سے حضور نے نہایت دوستانہ اور محبت اور اخوت کے ماحول میں گفتگو فرمائی بعض نے دوپہر اور شام کا کھانا بھی حضور کے ساتھ تناول کیا۔

سیرالیون میں سکولز اور میڈیکل سنٹرز کے کھولنے کے بارہ میں حضور نے جو پانچ ممبروں پر مشتمل کمیٹی بنائی تھی اس کی رپورٹ سُنی اور مناسب ہدایات دیں۔ حضور نے بہت سے فوٹو بھی جماعت کے احباب کے ساتھ اُتروائے۔

مغرب و عشاء کی نماز

اس روز مغرب و عشاء کی نماز کے لئے حضور ایدہ اللہ تعالےٰ فری ٹاؤن کے مشن ہاؤس میں تشریف لے گئے اگلے روز چونکہ حضور ایدہ اللہ تعالےٰ نے سیرالیون سے رخصت ہونا تھا اس لئے نماز کے بعد تمام حاضر احباب کو حضور نے شرف مصافحہ اور معانقہ بخشا۔ یہ وقت احباب کے لئے نہایت ہی درد انگیز تھا۔ کہ چند دن قبل وہ اپنے آقا کو اسی طرح مصافحہ اور معانقہ سے سیرالیون میں خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ اور اب یہ مصافحہ اور معانقہ آقا کی جدائی کے وقت کی نشاندہی کر رہا تھا۔ بعض کی آنکھوں سے اس جدائی کے تصوّر سے آنسو رواں تھے۔ حضرت بیگم صاحبہ نے بھی حاضر مستورات کو الوداعی ملاقات کا شرف بخشا۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی روانگی

۱۴ ہجرت کو حضور کی سیرالیون سے ہالینڈ کو روانگی کا پروگرام تھا۔ اس لئے احباب جماعت پر افسردگی طاری تھی کہ ان کا محبوب آقا اپنے نور کی ایک جھلک دکھا کر اور اپنے روح پرور کلام۔ بصیرت افروز فرمودات اور شیریں بیانی سے ان کے دلوں میں

محبت کی چنگاری سلگا کر ان سے رخصت ہونے والا تھا۔ ہاں وہ مہربان و مشفق آقا جس نے اپنے آرام کو اپنے روحانی فرزندوں کی خاطر قربان کر رکھا تھا وہ نہایت درجہ خوش بھی تھے کہ "خلیفۃ المسیح" کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ حضور سے فیض حاصل کیا اور سب سے بڑھ کر اس بات پر خوش تھے کہ حضور نے اپنے مختصر دورہ میں خدمت دین کا وہ فریضہ سرانجام دیا جو سینکڑوں مبلغین کئی سالوں میں نہ کر سکتے تھے۔ دوسری طرف آقا بھی افسردہ تھا کہ وہ اپنے روحانی فرزندوں سے جن کی خاطر وہ ہزارہا میل کی مسافت طے کر کے آیا تھا پھر ان سے جدا ہو رہا تھا۔ پس یہ نہایت ہی کیف انگیز نظارہ تھا جس کو الفاظ بیان نہیں کر سکتے۔

فضائی مستقر کی طرف روانگی سے قبل حضور نے دعا فرمائی اور ہوائی اڈہ پر احباب جماعت اپنے پیارے آقا کو دلی دعاؤں کے ساتھ الوداع کہنے کے لئے دیوانہ وار جمع ہو گئے۔ آخر جب روانگی کا وقت قریب آیا تو حضور ایدہ اللہ تعالےٰ ازراہِ شفقت و نوازش ایک بار پھر وی۔ آئی۔ پی لاؤنج سے باہر تشریف لائے۔ اور اپنے روحانی فرزندوں کو آخری ملاقات کا شرف بخشا اور قطاروں میں کھڑے سب احباب کو باری باری گلے لگایا پھر ہاتھ اٹھا کر لمبی پرسوز دعا فرمائی محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے بھی سب احباب سے مصافحہ فرمایا۔ اسی طرح حضرت بیگم صاحبہ نے مستورات کو الوداعی ملاقات کا شرف بخشا۔

آخر ساڑھے بارہ بجے حضور کا جہاز فری ٹاؤن سے ہالینڈ کی طرف پرواز کر گیا اس طرح سیرالیون کا دس روزہ اور مغربی افریقہ کے چھ ممالک کا نہایت درجہ کامیاب دورہ مکمل فرمانے۔ اسلام کے غلبہ کو قریب لانے اور تشنہ روحوں کو شربتِ وصل و بقا پلانے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلیفۂ برحق اور موعود نافلہ حضرت مرزا ناصر احمد ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز بانیلِ مرام سرزمینِ بلالؓ سے رخصت ہوئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

اس سارے عرصہ میں خدا تعالےٰ کے فضل سے ریڈیو سیرالیون ٹیلی ویژن۔ اور پریس نے خاص تعاون کا ثبوت دیا۔ روزانہ ہر تقریب کی خبر تفصیل سے ریڈیو سیرالیون پر نشر ہوتی رہی۔ حضور کا مکمل خطبہ جمعہ جو حضور نے "نذیر علی مسجد" میں

فرمایا نشر کیا گیا۔ اسی طرح ٹیلی ویژن پر تمام تقریبات کے نظارے باقاعدگی سے دکھائے جاتے رہے۔ جس سے گھر بیٹھے لوگ حضور کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے نیز اخبارات نے شروع سے اخیر تک ہر روز اخبار کے کالموں میں حضور کے دورہ کی تفصیلات اور ارشادات اور تقاریر کو نمایاں طور پر شائع کرنے کا اہتمام کیا جس سے ہر شخص کی زبان پر خلیفۃ المسیح کا نام تھا کیونکہ یہی نام اخبارات میں استعمال ہوتا رہا اور ریڈیو پر بھی اسی نام سے خبریں شائع ہوتی رہیں ٭

حضرت مولانا رحمت علی صاحب رضی کا ذکرِ خیر

دو ایمان افروز واقعات

محترم جناب مولانا محمد صادق صاحب فاضل مرحوم سابق امیر جماعتہائے احمدیہ انڈونیشیا وسنگاپور بیان کرتے ہیں۔ کہ انڈونیشیا میں احمدیہ مشن کے قیام کے ابتدائی زمانہ میں ایک مرتبہ پاڈانگ شہر میں حضرت مولانا رحمت علی صاحب مرحوم رئیس التبلیغ انڈونیشیا ایک احمدی درزی مکرم محمد یوسف صاحب کی دکان پر بیٹھے تھے کہ اتفاقاً ہالینڈ کے ایک عیسائی بشپ پادری اپنے ساتھیوں سمیت تبلیغ کرتے ہوئے وہاں آنکلے اور مولانا صاحب سے ان کا اسلام اور عیسائیت پر تبادلہ خیالات شروع ہو گیا جسے سننے کے لئے لوگ بکثرت وہاں جمع ہو گئے۔ اسی اثنا میں اچانک موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ اس علاقہ میں جب بارش شروع ہو تو کئی کئی گھنٹے مسلسل برستی رہتی ہے۔

"تاہم جب کچھ وقت بحث کرنے کے بعد وہ پادری حضرت مولانا صاحب کا دلائل سے مقابلہ کرنے سے عاجز آگیا تو وہ اپنی شکست اور ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لئے مولانا صاحب کو للکارتا ہوا کہنے لگا کہ اگر واقعی عیسائیت کے مقابلہ میں تمہارا مذہب اسلام سچا اور افضل ہے تو اس وقت ذرا اپنے اسلام کے خدا سے کہیئے کہ وہ اپنی قدرت کا کرشمہ دکھائے اور اس موسلا دھار بارش کو یکدم بند کر دے چنانچہ اس کا یہ مطالبہ کرنا ہی تھا کہ مولانا صاحب نے بلا حیل وحجت اپنے زندہ خدا پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے

بڑی پُراعتماد آواز میں بارش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" اے بارش تو اس وقت خدا کے حکم سے تھم جا۔ اور اسلام کے زندہ اور سچے خدا کا ثبوت دے۔"

اسلام کے خدا پر قربان جایئے کہ اس کے بعد چند منٹ بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ بارش تھم گئی اور وہ پادری اور سب حاضرین اللہ تعالےٰ کے اس عظیم نشان پر انگشت بدنداں رہ گئے۔

دوسرا واقعہ دوسرا واقعہ مکرم جناب مولانا محمد صادق صاحب نے یہ بیان فرمایا۔ کہ اسی شہر پاڈانگ میں ایک زمانہ میں حضرت مولانا رحمت علی صاحب ایک مخلص احمدی مسمّٰی داؤد صاحب کے مکان کے ایک حصّہ میں رہتے تھے جو محلہ "پاسر مسکین" میں واقع تھا۔ اس علاقہ کے اکثر مکانات لکڑی کے اور بالکل ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے اتفاقاً ایک مرتبہ اس محلہ میں آگ لگ گئی جو ارد گرد کے تمام مکانات کو راکھ کرتی ہوئی مولانا صاحب کی رہائش گاہ کے قریب پہنچ گئی۔ حتیٰ کہ اس کے شعلے مولانا صاحب کے مکان کے چھجے کو چھُونے لگے۔

چنانچہ یہ صورتِ حال دیکھکر تمام احمدی اور غیر احمدی محلہ دار حضرت مولانا رحمت علی صاحب کو باصرار کہنے لگے کہ وہ فوری طور پر مع سامان اس عمارت سے باہر نکل آئیں مگر مولانا صاحب نے ان کی ایک نہ مانی اور دعائیں لگے رہے اور بڑے اطمینان سے انہیں تسلی دیتے رہے کہ یہ آگ انشاء اللہ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی یہ مکان سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک مرید کا ہے۔ جس کا ایک حصّہ اس وقت حضورؑ کے ایک غلام اور ادنیٰ مجاہد کی رہائش گاہ ہے اور حضرت اقدسؑ کو اللہ تعالےٰ نے الہاماً فرمایا ہے کہ "آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے"۔ پس یہ آگ اس عمارت کو بھسم کرنے میں ناکام رہے گی اور جہاں تک پہنچی ہے وہیں رُک جائے گی۔ کیونکہ آگ خدا کے حکم سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے سچے مریدوں کی غلام ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا رحمت علی صاحب ابھی یہ بات کر ہی رہے تھے کہ اچانک بادل اُمنڈ آئے اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی جس نے آناً فاناً اس آگ کو بالکل ٹھنڈا کر کے رکھ دیا۔ اور اسے اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ اجازت نہ ہوئی کہ وہ دیگر عمارتوں کی طرح اس عمارت کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکے۔ چنانچہ محلہ کی دیگر عمارتیں

جل کر راکھ ہوگئیں مگر وہ عمارت خدا کے فضل سے معجزانہ طور پر محفوظ رہی اور اب تک موجود ہے اور اس کے چھجہ پر آگ کے شعلوں کے سیاہ نشانات بھی اب تک موجود ہیں اور جب کبھی احمدی احباب وہاں جمع ہوتے ہیں تو اس خارق عادت واقعہ کی یاد تازہ ہو کر ان کے ازدیاد ایمان کا موجب ہوتی ہے۔ (الفضل ۹ ر دسمبر ۱۹۳۸ء)

قبولیتِ دُعا کا ایک ایمان افروز نشان

ملیشیا کے ایک مخلص اور معزز احمدی کا ذکرِ خیر

(از مکرم مولانا محمد صادق صاحب فاضل سابق رئیس التبلیغ جماعتہائے احمدیہ انڈونیشیا و ملائیشیا)

محترم مولانا صاحب نے ۱۹۲۸ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۱۹۳۰ء میں جامعہ احمدیہ سے مبلغین کلاس پاس کی۔ تبلیغِ اسلام کے لئے پہلی مرتبہ ۶ ر نومبر ۱۹۳۰ء کو قادیان سے انڈونیشیا تشریف لے گئے اور پانچ سال وہاں کامیابی سے خدماتِ دینیہ بجالانے کے بعد ۲۳ ر مارچ ۱۹۳۵ء کو واپس قادیان پہنچے۔

دوسری مرتبہ ۲۳ ر مارچ ۱۹۳۸ء کو مع اہل وعیال انڈونیشیا روانہ ہوئے۔ اور وہاں تقریباً آٹھ سال فریضۂ تبلیغ انجام دینے کے بعد ۲۹ ر اپریل ۱۹۴۶ء کو قادیان واپس تشریف فرما ہوئے۔

تیسری مرتبہ ۳ ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو ربوہ سے بغرضِ تبلیغِ اسلام سنگاپور بھیجے گئے جہاں پر سات سال سے زائد عرصہ تبلیغی جہاد میں مصروف رہنے کے بعد ۷ ر مارچ ۱۹۵۷ء کو ربوہ واپس تشریف لائے۔ اسکے بعد چوتھی مرتبہ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو پھر سنگاپور اور ملایا تشریف لے گئے اور وہاں کئی سال کامیابی سے دینی خدمات بجالانے کے بعد ۷ ر اگست ۱۹۶۲ء کو ربوہ لوٹ آئے۔

آخری مرتبہ ۲۴ر دسمبر ۱۹۶۹ء کو پھر بطور رئیس التبلیغ انڈونیشین مشنہائے احمدیہ انڈونیشیا روانہ ہوئے اور وہاں قریبًا پانچ سال کام کرنے کے بعد ۲۴ر اپریل ۱۹۷۴ء کو ربوہ واپس تشریف لائے۔ اور حسب ہدایت حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ ربوہ میں خدماتِ دینیہ بجالاتے رہے۔

افسوس ہے کہ حضرت مولانا صاحب ۱۹۸۰ء کے شروع میں دل کے عارضہ سے بیمار ہوکر دورہ پڑنے کے چند گھنٹے کے بعد فضل ہسپتال ربوہ میں بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ حضرت مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور جنت میں اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے۔

مکرم اونکو اسماعیل بن عبدالرحمٰن سکندر ریاست جوہور ملایا جو ۱۹۶۹ء میں وفات پا گئے تھے اپنی ریاست کے شاہی خاندان کے سپوت تھے۔ ملائی اور انگریزی کے علاوہ عربی سے بھی کافی واقفیت رکھتے تھے۔ بڑے سلیم الفطرت، منکسرالمزاج، ہمدرد وغمگسار متقی اور مخلص احمدی تھے۔ احمدیت کے لئے کبھی مخالفانہ رنگ اختیار نہیں کیا۔ بیعت کرنے سے پہلے چار سال تک احمدیت کی تحقیق کی اور آخر احمدیت سے مشرف ہوئے۔ مَیں ان کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں تاکہ بزرگ اور احباب ان کے لئے دُعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ انہیں جوارِ رحمت میں جگہ دے اور اپنی رضا سے نوازے اور ان کے اہل وعیال کا حافظ وناصر ہو۔ آمین۔

خاکسار کی دُعا

۱۹۵۱ء کے اواخر میں پاکستان کی دو مشہور شخصیتیں سنگاپور سے ہوتے ہوئے انڈونیشیا جا رہی تھیں۔ دونوں اصحاب سنگاپور پہنچے تو ایک دن احمدیہ مشن میں بھی آئے اور کہنے لگے کہ مولوی صاحب آیئے ہمارے ساتھ چلئے اور ہمیں شہر جوہور بہارو دکھایئے۔ کار تو ان کے پاس تھی ہی۔ مَیں تیار ہو کر ان کے ساتھ ہولیا۔ جب ہم جوہور پہنچے تو اور جگہوں کے علاوہ ہم نے جامع مسجد ابوبکر بھی دیکھی۔ سلطان ابوبکر موجودہ سلطان جوہور کے دادا صاحب کا نام ہے وہاں ہم اس منارہ پر چڑھے جس پر چڑھ کر مؤذن اذان دیتا ہے۔ مَیں نے شمال کی طرف منہ کیا اور دعا کی۔ اے میرے مولیٰ! اتنے بڑے اور وسیع شہر میں کیا کوئی ایک بھی نہیں جو تیرے مسیح موعودؑ کے پیغام کو سُنے اور جو در اصل رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم

کا پیغام ہے، اور اس پر ایمان لائے۔ بڑے عجز اور انکسار سے مَیں نے دُعا کی۔

ادنکو اسماعیل صاحب سے ملاقات

چونکہ ریاست جوہور کی سرحد سنگاپور سے ملتی ہے۔ اور یہ ہے بھی ملایا کی ریاستوں میں سب سے بڑی اور دولت مند ریاست اس لئے مَیں نے اسے کبھی فراموش نہیں کیا تھا۔ خصوصًا اس لئے بھی کہ ریاست جوہور کے مفتی صاحب علوی بن طاہر بن الحداد اور چیف قاضی اسماعیل بن عبدالعزیز احمدیت کے سخت مخالف تھے۔ چنانچہ ۱۹۵۲ء کے وسط میں مَیں نے مکرم عبدالحمید سالکین صاحب سے مشورہ کیا کہ کب جوہور جانا مناسب ہوگا؟ تا کہ محکمہ شرعیہ جوہور کے افسرِ اعلیٰ ادنکو اسماعیل صاحب سے ملاقات کی جا سکے۔ آخر ہم نے ایک دن مقرر کیا اور اکٹھے بذریعہ بس مغرب کے بعد سنگاپور سے جوہور روانہ ہو گئے چونکہ ہمیں ادنکو اسماعیل صاحب کے مکان کا علم نہ تھا اس لئے ہم نے پبلک لائبریری میں پہنچ کر ادنکو صاحب کے مکان کا پتہ پوچھا اور پھر وہیں سے ٹیلیفون ڈائریکٹری دیکھکر ان کے ٹیلیفون نمبر کا پتہ کیا۔

صرف پانچ منٹ

مَیں نے برادرم عبدالحمید سالکین صاحب سے کہا کہ آپ خود محترم ادنکو صاحب کو ٹیلیفون کریں تا کہ اگر وہ پوچھیں کہ تم کون ہو تو آپ اپنا نام بتا سکیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیں کہ میرے ساتھ ایک اَور آدمی بھی ہے۔ اگر مَیں انہیں ٹیلیفون کروں گا تو ممکن ہے میرا نام سُنکر وہ ملنے کا موقعہ نہ دیں۔

چنانچہ برادرم موصوف نے ٹیلیفون کیا اور کہا کہ ہم آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ محترم ادنکو صاحب نے کہا کہ بے شک آ جائیں مگر مَیں صرف پانچ منٹ دے سکوں گا۔ کیونکہ مجھے زیادہ فرصت نہیں ہے۔ عبدالحمید سالکین نے مجھے کہا کہ ہم ڈیڑھ روپیہ جانے کا اور ڈیڑھ روپیہ آنے کا کرایہ ادا کریں گے لیکن وقت صرف پانچ منٹ ملیگا بظاہر جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ مَیں نے کہا ہمیں ضرور جانا چاہیئے کم از کم محترم ادنکو صاحب سے تعارف تو حاصل ہو جائے گا۔ اس پر ہم پبلک لائبریری سے باہر نکلے۔ ٹیکسی لی اور ادنکو صاحب کے گھر پہنچے۔ مکان دو منزلہ تھا۔ ادنکو صاحب کا لڑکا نیچے دروازہ پر کھڑا ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ جب ہم اس سے ملے تو اس نے کہا ابا جان کو

مصروفیت بہت ہے اس لئے جب پانچ منٹ ختم ہوجائیں تو آپ خود بخود ہی اجازت لے کر چلے جائیں - ہم نے کہا بہت اچھا - وہ یہ کہکر اوپر چلا گیا - اور جا کر اونکو صاحب کو اطلاع دی اور ایک دو منٹ بعد ہی ہم نے دیکھا کہ ایک خوبصورت معمر بزرگ شریف طبع ہنستے ہوئے آرہے ہیں اور ان کے ساتھ ہی نوکر چائے لا رہا ہے۔

پانچ منٹ ڈیڑھ گھنٹہ بن گئے

سلام اور مصافحہ کے بعد اونکو صاحب نے ہمیں بیٹھنے کے لئے کہا - ہم بیٹھ گئے اونکو صاحب نے برادرم عبدالحمید صاحب سے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے اور کام کیا ہے جو انہوں نے بتایا - اس کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر مجھ سے دریافت کیا - میں نے کہا "میرا نام محمد صادق ہے اور مَیں احمدیہ جماعت کا مبلغ ہوں" یہ سُنکر بہت خوش ہوئے - کہنے لگے مَیں نے آپ کی کتاب کبزان (صداقت) پڑھی ہے - اور ایک دفعہ نہیں دو دفعہ پڑھی ہے بعض امور کے متعلق مَیں آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا تھا - اچھا ہوُا کہ آپ خود آ گئے" یہ سُنکر مجھے بہت خوشی ہوئی - ایک دو منٹ باقی تھے انہوں نے چائے پینے کے لئے فرمایا - اور ہم نے چائے پینا شروع کر دی - وہ دو منٹ بھی ختم ہوئے تو ہم اُٹھ کھڑے ہوئے - تاکہ اجازت لے کر واپس چلیں - مگر اونکو صاحب نے فرمایا - نہیں آپ بیٹھیں - مَیں سمجھا تھا کہ کسی اخبار کے دو نمائندے آرہے ہیں - میرے پاس عام طور پر اخباروں کے نمائندے آتے رہتے ہیں - اور کرید کرید کر ریاست کے حالات پوچھتے ہیں اور پھر جا کر اخباروں میں شائع کر دیتے ہیں - اس لئے مَیں نے یہ اصول بنایا ہوُا ہے کہ اخبار کے نمائندوں کو پانچ منٹ سے زیادہ وقت نہیں دیتا - کیونکہ میرے کام بہت اہم اور بہت زیادہ ہیں - لیکن آپ سے ملنا ان سب سے اہم ہے - اس لئے آپ بیٹھیں" — یہ سُنکر ہمیں بے حد خوشی ہوئی اور ہم اطمینان سے باتیں کرنے لگے۔

کبزان کتاب کی تعریف

قریبًا آدھ پون گھنٹہ کے بعد کہنے لگے آپ کی کتاب کبزان بہت اچھی ہے مختصر بھی ہے اور واضح بھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی وکیل نے لکھی ہے - پہلے میں سمجھتا تھا کہ آپ نے یہ کتاب اردو یا انگریزی میں لکھی ہو گی اور کسی ملایا کے باشندہ نے اس کا ملایا زبان میں ترجمہ کیا ہوگا مگر اب بات چیت کر کے معلوم ہوُا کہ یہ کتاب آپ نے خود ہی لکھی ہے - پھر احمدیت کے

عقائد اور دوسرے مسلمان بھائیوں سے ہمارے اختلاف کے متعلق وہ بعض باتیں پوچھتے رہے اور یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کے حالات دریافت فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ رات کے دس بجنے کو آئے۔

جوہور سے آخری بس سنگاپور کے لئے پورے دس بجے روانہ ہونی تھی مگر اونکو صاحب نے اپنے ڈرائیور سے کہا کہ کار نکالو تاکہ ان دونوں کو بس کے اڈے پہ چھوڑ آئیں چنانچہ اونکو صاحب نے ہمیں کار میں بیٹھنے کا ارشاد فرمایا اور خود بھی ساتھ بیٹھ گئے۔ اور دس پندرہ منٹ جو ہم کار میں اکٹھے رہے وہ مجھے بار بار تاکید فرماتے رہے کہ میرے دفتر میں کل صبح ضرور آیئے بھولنا نہیں۔ میں اور کئی باتیں جماعت کے متعلق آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

ہم بس کے اڈے پر پہنچے اور بس میں سوار ہونے کے لئے قدم رکھا ہی تھا کہ بس روانہ ہو گئی۔ چنانچہ خدا تعالےٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اور اونکو صاحب کے لئے دعائیں کرتے ہوئے تقریباً ½ ۱۱ بجے شب ہم گھر پہنچ گئے۔

دوسرا دن

جوہور میں ریاست کے دفاتر عموماً ۸ بجے کھلتے تھے۔ اس لئے خاکسار ۸ بجے سنگاپور سے روانہ ہوا اور قریباً ۱۰ بجے محترم اونکو صاحب کے دفتر میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچنے پر میں نے دو اور بزرگوں کو موجود پایا۔ ایک محترم عبداللہ بن عیسیٰ تھے جنہیں ریاست کی طرف سے عزت افزائی کا خطاب داتو (Datoh) دیا گیا تھا۔ اور ایک اور بزرگ جن کا نام عبدالرحمٰن بن لیسین تھا جو بعد میں پارلیمنٹ آف ملایا کے چیئرمین منتخب ہوئے۔ محترم اونکو صاحب نے انہیں مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے آپ دونوں کو اس وجہ سے بلایا ہے کہ آپ احمدیہ عقائد خود ان کی زبانی سُنیں اور دوسرے اس وجہ سے کہ آپ ان کی ملائی زبان بھی سُنیں کہ کیسی فصیح اور بلیغ ہے۔ پھر ہم وہاں بیٹھ گئے۔ بارہ بجے سے اوپر تک گفتگو ہوتی رہی۔ ماحول نہایت خوشگوار تھا۔ اور خاکسار کی باتوں کو نہایت غور سے سُنا جا رہا تھا۔ وہ قرآنی آیات اور احادیث سُنکر بہت حیران ہوئے اور کہا کہ ہم اس سے متعلق پوری تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ پھر محترم اونکو صاحب نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ محکمہ شرعیہ جوہور کے لئے جماعت احمدیہ کا لٹریچر خریدا جائے۔ میں نے کہا بہت اچھی بات ہے۔

اس کے بعد اونکو صاحب نے احمدیت کے متعلق مزید تحقیقات شروع کردی اور سلسلہ کے لٹریچر کا وسیع مطالعہ شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ ۱۹۵۶ء آپہنچا۔ ان پر لائف آف احمدؑ مصنفہ مولانا دردؔ صاحبؓ مرحوم) کا بہت اثر تھا۔ اس کی بڑی تعریف کرتے رہے۔

تبادلہ خیال کی خواہش

محترم اونکو صاحب نے لٹریچر کا مطالعہ برابر جاری رکھا اور آخر ۱۹۵۶ء کے ابتداء میں مجھے ایک دفعہ کہا کہ میں جب آپ کی باتیں سنتا ہوں تو مجھے یقین ہوتا ہے کہ آپ صحیح اور سچی بات کہہ رہے ہیں لیکن جب میں مفتی صاحب (علوی بن طاہر الحداد) کے پاس جاتا ہوں تو وہ کوئی نہ کوئی شبہ پیدا کر دیتے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اور ان کو اپنے سامنے بٹھا کر گفتگو کراؤں اور دو چار آدمی بھی بلائے جائیں۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا آپ گفتگو کے لئے تیار ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ میں تیار ہوں بے شک آپ مفتی صاحب موصوف سے وقت اور دن مقرر کروالیں اور مجھے اطلاع کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے مفتی صاحب سے ملکر انہیں تبادلہ خیال کے لئے تیار کر لیا۔ اور دن اور وقت مقرر کرکے دو تین دن پہلے مجھے اطلاع کر دی۔ اونکو صاحب محترم کے لئے بھی اور میرے لئے بھی یہ نازک موقع تھا۔ اس لئے میں نے اپنے مولیٰ سے دعا کرنی شروع کی۔ کہ الٰہی تُو میری مدد کرنا۔ اور میری راہنمائی فرمانا۔ تاکہ مجھ سے کوئی ایسی غلطی یا کمزوری سرزد نہ ہو جو محترم اونکو صاحب کو صحیح راستہ سے دُور لے جائے۔

میں عین ۱۱ بجے دن کے (مقررہ وقت پر) سنگاپور سے جوہور پہنچکر اونکو صاحب محترم کے دفتر میں پہنچ گیا۔ انہوں نے گھنٹی بجائی اور دفتر کا کلرک آیا اور اونکو صاحب نے اسے فرمایا کہ جاؤ اور جاکر مفتی صاحب سے کہو کہ محمد صادق احمدی مبلغ آگئے ہیں آپ بھی تشریف لے آئیں۔ اس وقت تین اور معزز آدمی بھی اس گفتگو کے سننے کے لئے وہاں پہنچ چکے تھے۔ کلرک گیا اور واپس آکر کہنے لگا کہ مفتی صاحب تو سنگاپور تشریف لے گئے ہیں اور کہہ گئے ہیں کہ آپ کی خدمت میں اطلاع کر دی جائے۔ یہ خبر سنکر محترم اونکو صاحب کو بہت رنج ہوا۔ اور بار بار کہتے رہے کہ میں ایک ہفتہ سے مفتی صاحب کو یاد دہانی کرا رہا ہوں اور وہ مجھ سے کہتے رہے کہ وعدہ مجھے یاد ہے اور آج صبح بھی میں نے بذریعہ ٹیلیفون انہیں اطلاع کی مگر انہوں نے وعدہ پورا نہ کیا۔ افسوس ہے پھر انہوں نے کہا کہ نائب مفتی

توآن عبدالجلیل حسن کو بلایا جائے۔ چنانچہ وہ آگئے اور ہم پانچ چھ آدمی اکٹھے دفتر میں بیٹھ گئے اور آپس میں بات چیت شروع ہوگئی اور کہا جا سکتا ہے کہ قریباً ۳/۴ (تین چوتھائی) وقت مَیں نے لیا۔ ۱۲½ بجے محترم اونکو صاحب کہنے لگے۔ کہ آئیں گھر چلیں کیونکہ ہم سب کے لئے کھانا تیار ہے اس پر ہم آپ کے ساتھ ہو لئے۔

اظہارِ احمدیت

گھر پہنچکر کھانا کھایا اور پھر گفتگو شروع ہوئی۔ مَیں نے نائب مفتی صاحب سے بار بار کہا کہ اگر میری کسی بات پر آپ کو کوئی اعتراض ہو تو ابھی میرے سامنے پیش کر دیں ایسا نہ ہو کہ مَیں چلا جاؤں تو اس کے بعد اونکو صاحب سے کہیں کہ یہ بات غلط ہے اور وہ بات غلط ہے۔ اونکو صاحب محترم نے میری تائید فرمائی۔ مگر نائب مفتی صاحب آخر تک خاموش رہے۔ اس پر دوسرے لوگ تو چلے گئے مگر مَیں اور اونکو صاحب رہ گئے۔ اونکو صاحب نے مجھے کہا کہ آج سے آپ مجھے احمدی سمجھیں اور خدمتِ اسلام کے لئے میں ۲۰ ڈالر یعنی -/۳۰ روپے ماہوار جماعت کو دیتا رہونگا۔ پھر مرحوم نے میری امامت میں نمازِ ظہر اور عصر ادا کی۔ مَیں نے اپنے ربّ کا شکر ادا کرتے ہوئے الحمد للہ علیٰ ذٰلک کہا اور ان کے لئے اور زیادہ دعا شروع کر دی۔

اونکو صاحب کی بیعت

گو محترم اونکو صاحب نے یہ تو کہدیا کہ مجھے احمدی سمجھا جائے مگر مجھے ڈر پیدا ہؤا کہ ممکن ہے اگر اونکو صاحب کو بیعت کے لئے کہا جائے تو وہ بیعت کرنے سے انکار کر دیں۔ اس لئے ان کے لئے خود بھی دعا کرتا رہا اور سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی دعا کی درخواست کی۔ حضور پُر نور نے خود بھی ان کے لئے دعا فرمائی اور دوسرے بزرگوں کو بھی دعا کے لئے تحریک فرمائی۔ پھر مَیں نے اونکو صاحب محترم سے کہا۔ کہ آپ استخارہ کر لیں۔ تاکہ آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی اطلاع مل جائے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام واقعی سچے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے استخارہ کیا اور ایک دن مجھے ٹیلیفون پر فرمایا کہ مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ مَیں آپ کے ساتھ نماز ادا کر رہا ہوں۔ پھر دوبارہ انہوں نے استخارہ کیا اور پھر دیکھا کہ وہ سجدے میں ہیں اور ان پر بارش کے چھینٹے پڑ رہے ہیں ان دونوں خوابوں کی وجہ سے انہیں یقین ہو گیا کہ احمدیت سچّی ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کے سچّے مامور ہیں۔ چونکہ انہیں ہر طرح اطمینان ہو

تسلّی ہو چکی تھی اور انہیں احمدیت کی سچائی کے متعلق یقین ہو چکا تھا اس لئے ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو انہوں نے فارم بیعت پُر کر دیئے۔

آپ کی قربانی کا نمونہ آپ پہلے ۱۴ برس تک مجسٹریٹ رہے۔ پھر محکمہ شرعیہ ریاست جوہور کے ہیڈ (آفیسر) رہے۔ پھر ریٹائر ہو گئے۔ اس کے بعد انہیں پبلک سروس کمیشن کا چیئرمین مقرر کیا گیا۔ اور اسی دوران انہوں نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ان کا یہ تقرر دو سال کے لئے تھا۔ جب دو سال ختم ہو گئے تو فارغ کر دیا گیا۔ مَیں نے دیکھا کہ انہیں اِس بات کی ذرہ بھر پرواہ نہ تھی۔ چونکہ وہ بڑے قابل اور معزز انسان تھے۔ اس لئے ملایا کی سینٹرل حکومت نے دیکھا کہ وہ ریاست کی طرف سے فارغ کر دیئے گئے ہیں تو انہیں سینٹرل حکومت نے لے لیا۔ اور آپ دوبارہ مرکزی حکومت کی طرف سے اسی اپنی ریاست میں مجسٹریٹ درجہ اوّل مقرر ہو گئے۔ اور کچھ عرصہ بعد اپنی کمزوری اور کام کی کثرت کی وجہ سے انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔ اور مجھے لکھا کہ مَیں چاہتا ہوں کہ زندگی کے بقیہ ایام خدا کی عبادت اور تبلیغ کے لئے وقف کر دوں۔ بعض لوگوں نے انہیں مختلف طریق سے تکلیف دینے کی کوشش کی اور احمدیت کی وجہ سے ان کی ہتک کرنے کی بھی کوشش کی مگر انہوں نے کبھی کوئی پرواہ نہ کی۔

اونکو فاطمہ کی بیعت آپ کی ایک بہن ہے جس کا نام اونکو فاطمہ ہے۔ یہ بھی بڑی شریف الطبع سلیم الفطرت۔ عبادت گزار اور متقی خاتون ہیں اونکو صاحب نے انہیں کہا کہ مَیں تو احمدی ہو چکا ہوں مَیں چاہتا ہوں کہ تم بھی استخارہ کرو اور انشراحِ صدر ہو تو بیعت کر لو۔ کیونکہ مَیں نہیں چاہتا کہ ہم دونوں مذہبًا جُدا ہوں اپنے بھائی کے کہنے پر انہوں نے بھی استخارہ کیا۔ ایک دفعہ نہیں دو دفعہ اور دونوں دفعہ انہوں نے دیکھا کہ ایک دیوار پر اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہے۔ ان الفاظ میں لفظ اللہ بڑے نمایاں حروف میں ہے اور دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس لفظ اللہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ ایسا نظارہ انہوں نے دو دفعہ دیکھا۔ چنانچہ انہیں یقین ہو گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سچے ہیں اس لئے دسمبر ۱۹۵۶ء میں انہوں نے بھی بیعت کر لی اسی طرح چند ماہ کے بعد ان کی دوسری بیوی سعدیہ صاحبہ نے بھی بیعت کر لی۔

اونکو اسمٰعیل صاحب کے متعلق عام خیال

جب آخر دسمبر ۱۹۵۶ء میں میں واپس آرہا تھا۔ تو مولانا غلام حسین صاحب ایاز مرحوم احمدیہ مشن سنگاپور مشن کا چارج لینے کے لئے سنگاپور پہنچ چکے تھے۔ سنگاپور پہنچنے پر میں نے مولانا صاحب سے کہا کہ آئیں آپ کو اونکو اسمٰعیل صاحب کے پاس لے چلوں۔ چنانچہ ہم دونوں جوہور پہنچے اور اونکو صاحب کے گھر اکٹھے بیٹھے تھے کہ دو آدمی وہاں پہنچ گئے ان میں سے ایک عرب شیخ خیرالحسن میرے واقف تھے وہ مجھ سے اور مولانا ایاز صاحب سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اونکو اسمٰعیل صاحب کیا ہیں؟ کہنے لگے۔ "اونکو اسمٰعیل صاحب ہماری ریاست جوہور میں مانے ہوئے ولی اللہ ہیں"۔ اور پھر چلے گئے۔

دنیوی لحاظ سے بھی ان کی بڑی حیثیت تھی۔ شاہی خاندان کے فرد تھے اور اپنے خاندان میں بھی بڑی عزت سے دیکھے جاتے تھے چنانچہ انہوں نے ہی سلطان جوہور کی تاجپوشی کے وقت تاج خود اپنے ہاتھ سے سلطان کے سر پر رکھا تھا۔ ہندو اور سکھ بھی ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ مجھے جوہور میں کسی آدمی نے بتایا کہ وہاں بعض یورپین میاں بیوی میں بھی جھگڑا ہوتا تو وہ اونکو صاحب سے درخواست کرتے کہ ہمارے جھگڑے کا فیصلہ کیا جائے۔ بڑے خاکسار اور منکسر المزاج تھے۔ جب احمدی ہو گئے تو میری موجودگی میں بعد نماز جمعہ دس دس بیس بیس ڈالر غرباء کو بطور امداد دے جاتے۔ کبھی کبھی مجھے دیدیتے کہ کسی غریب احمدی کو یہ رقم دیدی جائے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْہُ وَاجْعَلْہُ فِیْ اَعْلٰی عِلِّیِّیْن۔

مکرم مولانا غلام حسین ایاز مرحوم کا ذکرِ خیر

ایک واقعہ

۱۹۴۱ء کا ذکر ہے کہ ایک روز سنگاپور کی جامع مسجد میں جسے مسجد سلطان کہا جاتا ہے۔ ایک ہندوستانی عالم عبدالعلیم صدیقی صاحب کا لیکچر تھا۔ سنگاپور احمدیہ

مشن کے پہلے مبلّغ انچارج مکرم مولانا غلام حسین صاحب ایاز مرحوم کو جب اس جلسہ کا علم ہُوا تو دو تین احمدیوں کے ساتھ وہ بھی مسجد سلطان میں تشریف لے گئے۔ مولوی عبدالعلیم صدیقی صاحب نے دوران تقریر کہا کہ "مرزائیوں کا قرآن اَور ہے۔ وہ نہیں ہے جو کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اترا تھا" اس پر مکرم مولانا غلام حسین صاحب ایاز بڑی جراُت سے مجمع میں کھڑے ہو گئے۔ اور سب کے سامنے اپنے بیگ سے قرآن کریم نکال کر صدیقی صاحب کو چیلنج کیا کہ "دیکھو یہ ہے ہمارا قرآن کریم۔ آپ اپنا قرآن کریم نکال کر مقابلہ و موازنہ کر لیں۔ اگر ذرّہ بھر بھی فرق ہو تو بے شک ہمیں ملزم اور کافر قرار دیں ورنہ اس صریح غلط بیانی سے باز رہیں"۔

مولوی صدیقی صاحب نے پہلے ہی مجمع کو ہمارے خلاف مشتعل کر رکھا تھا۔ مولانا ایاز صاحب کا مطالبہ سنکر انہوں نے بجائے مطالبہ پورا کرنے کے پبلک کو ہمارے خلاف مزید اشتعال دلاتے ہوئے کہا۔ کہ "یہ شخص تو کافر اور مرتد ہے اور اسلام میں اس کی سزا قتل ہے کوئی ہے جو مسلمانوں کو اس کافر سے نجات دلائے"۔ اس پر مجمع میں سے بعض لوگوں نے مکرم مولانا ایاز صاحب کو وہیں پر مارنا شروع کر دیا اور ادھ موا کر کے گھسیٹتے ہوئے مسجد کی سیڑھیوں تک لے گئے اور پھر نیچے دھکیل دیا۔ وہ مسجد عام سطح زمین سے کوئی بارہ چودہ فٹ اونچی ہے۔ چنانچہ مولانا ایاز صاحب مرحوم کو سر اور کمر پہ شدید چوٹیں آئیں اور نیچے گرتے ہی آپ بیہوش ہو گئے۔ آپ کے ساتھی احمدیوں کو بھی شدید طور پر پیٹا گیا تاہم وہ اپنی جان بچانے کے لئے اِدھر اُدھر ہو گئے۔

کرنل ڈاکٹر تقی الدین صاحب کی اتفاقی آمد

چنانچہ مولانا صاحب اسی طرح بے ہوشی کے عالم میں سڑک کے ایک طرف پڑے رہے اور نہ کسی نے پولیس کو اطلاع دی اور نہ خود کسی نے انہیں اُٹھا کر ہسپتال پہنچایا کیونکہ مسجد کا وہ علاقہ ہمارے شدید مخالفوں کا تھا۔ وہ دوسری جنگِ عظیم کا زمانہ تھا اور ہندوستانی فوج کے ساتھ بہت سے احمدی آفیسر بھی سنگاپور میں مقیم تھے چنانچہ اس دَوران کرنل ڈاکٹر تقی الدین صاحب ابن حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ اپنی فوجی جیپ میں اپنے کسی کام کے سلسلہ میں ادھر سے گزرے تو سڑک کے کنارے کسی شخص کو مُردے کی طرح پڑا دیکھکر انہوں نے انسانی ہمدردی

کے جذبہ کے تحت وہاں اپنی جیپ کھڑی کی تاکہ اسے طبی امداد پہنچا سکیں انہوں نے مکرم مولانا ایاز کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ تو ہمارے اپنے احمدی مبلغ ہیں چنانچہ اسی وقت انہیں اُٹھا کر ہسپتال لے گئے جہاں لمبا عرصہ کے علاج کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے مولانا صاحب شفایاب ہو گئے اور یوں اللہ تعالیٰ نے غیب سے ان کی جان بچانے کا سامان فرمایا اس کے علاوہ بھی مولانا ایازؒ کو سنگاپور میں اس قسم کے بہت سے مظالم کا نشانہ بننا پڑا۔ اور کئی حادثات کا شکار ہوئے۔ مگر خدا کے فضل سے انہوں نے حوصلہ نہ ہارا۔ اور سالہا سال تک اس ملک میں تبلیغ اسلام میں مصروف رہے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں سنگاپور اور ملایا میں کئی مخلص احمدیہ جماعتیں عطا فرمادیں جو اب تک قائم اور رُوبہ ترقی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا ایاز صاحب کے درجات بلند کرے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین۔ مولانا صاحب کے مزید حالات آئندہ صفحات میں دیکھیں۔

بعض ایمان افروز واقعات

از مکرم مولانا نذیر احمد صاحب مبشر سابق امیر و مبلغ انچارج جماعتہائے احمدیہ

گھانا۔ مغربی افریقہ

محترم الحاج مولانا نذیر احمد صاحب مبشر جامعہ احمدیہ سے مولوی فاضل کا امتحان اور اس کے بعد مبلغین کلاس پاس کرنے کے بعد بسلسلہ تبلیغ قادیان سے مورخہ ۲ فروری ۱۹۳۶ء کو گولڈ کوسٹ (گھانا) کے لئے روانہ ہوئے اور ۲۳ اپریل ۱۹۳۶ء کو سالٹ پانڈ (گھانا) پہنچ گئے۔ گولڈ کوسٹ میں تقریباً سوا گیارہ سال خدمت اسلام کا فریضہ ادا کرنے کے بعد مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۴۶ء کو براستہ نائیجیریا چاڈ سوڈان حج بیت اللہ کے لئے سعودی عرب تشریف لے گئے۔ اور فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد ۷ جنوری ۱۹۴۷ء کو بخیریت واپس قادیان پہنچ گئے اس کے بعد گولڈ کوسٹ کے لئے ۱۰ جنوری ۱۹۴۹ء کو پاکستان سے گھانا کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہو کر دو چار روز بعد سالٹ پانڈ پہنچ گئے۔

وہاں سے پھر تقریباً سوا پانچ سال کے بعد ۲ مارچ ۱۹۵۴ء کو بذریعہ ہوائی جہاز

بخیریت واپس ربوہ پہنچ گئے۔ تیسری مرتبہ مولانا صاحب ربوہ سے ۲۷؍جنوری ۱۹۵۵ء کو بذریعہ بحری جہاز انگلستان سے ہوتے ہوئے گھانا (گولڈ کوسٹ) پہنچے اور پھر تقریباً سات سال کام کرنے کے بعد ۳۰؍اکتوبر ۱۹۶۱ء کو بذریعہ ہوائی جہاز واپس ربوہ (پاکستان) تشریف آئے۔ اور چار ماہ کی رخصت کے اختتام پر ۲؍فروری ۱۹۶۲ء سے ۸؍فروری ۱۹۶۹ء تک نائب وکیل التبشیر تحریک جدید کے فرائض ادا فرماتے رہے اور پھر اس وقت سے تادم تحریر ناظم دار القضاء کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

ایک عالمِ دین سے چار مطالبات

۱۹۳۷ء میں جب خاکسار گھانا کے علاقہ اشانٹی کے مرکزی شہر کماسی گیا تو مَیں نے وہاں سُنا کہ اس شہر میں معلّم عبدو نامی ایک بہت بڑے عالم ہیں جنہیں اپنے علم پر بڑا ناز ہے اور دعویٰ ہے کہ عربی صرف و نحو میں انہیں بڑی دسترس حاصل ہے۔ خاکسار اپنے دو شاگردوں کے ساتھ ان کی قیام گاہ پر گیا۔ وہ اس وقت کہیں باہر گئے ہوئے تھے لیکن میرے آنے کی اطلاع پا کر وہ لوٹ آئے۔ اور آتے ہی مجھ سے بڑے متکبرانہ انداز میں گفتگو کرنے لگے۔ مَیں نے ان کا رویّہ دیکھ کر عربی میں گفتگو شروع کر دی۔ اور کہا کہ وہ ہم سے دوستانہ طور پر متنازعہ فیہ مذہبی مسائل پر گفتگو کر لیں۔ کہنے لگے میں گفتگو نہیں کرنا چاہتا کیونکہ آپ نے کوئی نئی بات تو کہنی نہیں آپ سے پہلے مبلّغین سے سب کچھ سُنا ہُوا ہے۔

چار چیلنج

چونکہ انہیں صرف و نحو میں مہارت کا دعویٰ تھا۔ مَیں نے کہا آج آپ سے میں نئی باتیں ہی کروں گا۔ اور صرف و نحو سے متعلق ہی چند مسائل آپ کو حل کرنے ہوں گے۔ چنانچہ مَیں نے ان سے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ یا ملائکہ فاعل ہوں اور کوئی ذی روح مفعول ہو اور لفظ توفّی باب تفعّل سے ہو اور کوئی قرینہ نوم یا لیل کا وہاں نہ ہو تو اس جگہ توفّی کے معنی ہمیشہ موت کے ہی ہوتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں قرآن مجید میں لفظ توفّی آیا ہے اگر ان قیود کے ساتھ ان معنوں کے علاوہ توفّی کے کوئی اور معنی آپ کسی مثال سے ثابت کر دیں تو ہم شکست خوردہ سمجھے جائیں گے اور آپ کو انعام دیا جائے گا۔

دوسرا مطالبہ میں نے ان سے یہ کیا کہ جب اللہ تعالیٰ رافع ہو اور مرفوع ذی روح

انسان میں سے کوئی ہو تو پھر رفع کے معنی عزت اور اکرام و ترقیٔ درجات کے ہی ہوتے ہیں اس کے خلاف اگر آپ ثابت کر دیں تو بھی آپ سچے اور انعام کے مستحق سمجھے جائینگے

تیسرا مطالبہ مَیں نے یہ کیا کہ جب ظرف مقدم ہو اور فعل مضارع مستقبل مؤخر ہو تو وہ حصر کا فائدہ دیتا ہے جس طرح آیت کریمہ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ میں تمام ظروف مقدم اور فعل مضارع مؤخر ہیں۔ اس لئے یہ ظروف حصر کا فائدہ دیتے ہیں۔ پس حضرت مسیح علیہ السّلام اس قاعدہ کے خلاف آسمان پر نہیں جا سکتے تھے لہذا وہ اسی زمین پر زندہ رہے اور یہیں پر فوت ہوئے۔

چوتھا مطالبہ مَیں نے اس وقت ان سے یہ کیا کہ جب لفظ خاتَم بفتح تا کسی قوم کی طرف مضاف ہو جیسا کہ لفظ خاتَم النبیین میں ہے تو اس کے معنے ہرگز اس قوم کے بند یا ختم کرنے والے کے نہیں ہوتے۔ عربی زبان میں اس کے معنی ہمیشہ اس قوم کے اعلیٰ فرد کے ہوتے ہیں۔ جیسے ابوتمام شاعر اپنے ایک مرثیہ میں کہتے ہیں ؎

فُجع القریض بخاتَمِ الشّعراء
وغدیر روضتھا حبیب الطائیٔ

اس شعر میں شاعر نے اپنے ممدوح شاعر حبیب الطائی کو خاتَم الشّعراء کہا ہے۔ حالانکہ مرثیہ کہنے والا خود بھی عظیم شاعر تھا اور اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس کے ممدوح شاعر کے بعد اب کوئی شاعر نہیں ہوگا۔ ایسے ہی خاتمۃ المحدّثین اور خاتَم المفسرین وغیرہ کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے جس کے معنی اس زمرہ یا گروہ کے اعلیٰ فرد کے ہوتے ہیں نہ کہ ختم کرنے والے کے۔

میرے یہ چاروں مطالبات سُن کر شیخ عبدو ایسے مبہوت ہو گئے کہ ان سے اس وقت کوئی جواب نہ بن پڑا اور نہ میرے ان پیش کردہ امور کو سچا تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوئے۔ چنانچہ ان کے اس غیر معقول رویّہ کا ان کے اپنے شاگردوں پر بھی نہایت بُرا اثر ہؤا اور حقیقت حال اُن پر واضح ہو گئی۔

زلزلہ کا نشان اور احمدیت کی ترقی

جولائی ۱۹۳۹ء کا واقعہ ہے کہ گھانا کی ڈگوبہ قوم کا ایک نوجوان حج بیت اللہ اور دینی تعلیم کی تکمیل کے بعد مکّہ مکرمہ سے واپس آ کر غانا کے ایک گاؤں حراحہ نامی میں قیام پذیر ہو گیا

اور غالباً اپنی اہمیت بڑھانے کے لئے اس نے ہمارے خلاف یہ پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ مَیں مکہ سے آیا ہوں اور امام مہدی کا ظہور ابھی نہیں ہوا۔ احمدی یونہی غلط بیانی کرتے ہیں۔ جب اس کا یہ پراپیگنڈا کچھ زور پکڑ گیا تو اس علاقہ کے ایک احمدی چیف لمیّ محمد نامی میرے پاس سالٹ پانڈ پہنچے اور اس شخص کے زہریلے پراپیگنڈا کے ازالہ کے لئے مجھے وہاں جانے کے لئے کہا۔ مَیں اس وقت بعض ضروری کاموں میں مصروف تھا۔ اس لئے انہیں مشورہ دیا کہ وہ میرے شاگردوں میں سے کسی کو لے جائیں۔ لیکن انہوں نے اصرار کیا کہ مَیں خود وہاں جاؤں۔

چنانچہ مَیں خود اس گاؤں میں پہنچا اردگرد کی جماعتوں کے احباب بھی اس روز وہاں پہنچ گئے۔ مَیں نے اس مخالف نوجوان سے عربی میں گفتگو کرنی چاہی لیکن وہ آمادہ نہ ہوا اور لایعنی عذر کرنے لگا۔ اس پر گاؤں والوں نے خواہش ظاہر کی کہ مَیں علاماتِ مہدیؑ پر تقریر کروں چنانچہ مَیں نے پونے دو گھنٹہ اس موضوع پر تقریر کی۔ جس کے بعد سامعین کو سوالات اور اعتراضات کی کھلی دعوت دی مگر کسی نے کوئی معقول سوال نہ کیا۔ اور یوں خاکسار ایک رات اس گاؤں میں قیام کرکے واپس سالٹ پانڈ آگیا۔

غانا کا یہ ملکی رواج ہے کہ کسی امر میں باہمی مقابلہ ہونے کے بعد جو پارٹی فاتح ہو وہ فتح کے نشان کے طور پر سفید لٹھے کی پٹیاں اپنے سروں اور ہاتھوں پر باندھ کر اور سفید جھنڈے ہاتھوں میں لے کر شہر میں جلوس نکالتے اور ناچتے ہوئے اپنی فتح کا اعلان کرتے ہیں چنانچہ میری اس گاؤں سے واپسی پر بھی اپنی جھوٹی فتح کے اعلان کے لئے ہمارے مخالفین نے اسی طرح شہر بہ شہر اور دیہہ بہ دیہہ جلوس نکال کر ناچتے ہوئے ان الفاظ میں گانا شروع کر دیا۔ کہ "ہماری فتح ہوئی ہے مہدی ابھی نہیں آئے کیونکہ زلزلہ نہیں آیا۔ مہدی ظاہر ہو گیا ہوتا تو زلزلہ ضرور آتا۔"

جب مجھے ان کی اس حرکت کی اطلاع ملی تو مَیں نے اللہ تعالیٰ کے حضور ایک ہفتہ بڑے الحاح اور درد سے دعا کی کہ الٰہی ان مخالفوں کے مطالبہ کے مطابق اور صداقت مہدی علیہ السلام کے اظہار کے لئے زلزلے کا نشان دکھا۔ چنانچہ مجھے یقین کامل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اب اس ملک میں زلزلہ کا نشان ضرور دکھائے گا۔ اور مَیں نے

اس علاقہ کے تین مقامات پر جلسے کئے اور ہر جگہ تمام واقعات بیان کرکے اعلان کردیا کہ اب مہدی علیہ السلام کی صداقت کے اظہار کے لئے زلزلہ ضرور آئے گا۔ اور ان زلازل کا ذکر بھی کیا جو اس سلسلہ میں پہلے آچکے تھے۔ چنانچہ ابھی دو ہی مقام پر جلسہ ہؤا تھا اور تیسرے مقام کی جلسہ کا انتظام کیا جارہا تھا کہ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات کو عشاء کے وقت سارے گھانا میں شدید زلزلہ آیا۔ زلزلہ سے دوسرے روز جب میں اپنے ہیڈکوارٹر سالٹ پانڈ واپس جارہا تھا تو جہاں سے میں گزرتا لوگ مجھے دیکھکر تعجب کرتے ہوئے کہتے۔ "اس شخص نے کہا تھا زلزلہ ضرور آئے گا جو آگیا ہے"۔ اور مشرکین اور عیسائی بھی اپنے دو تارے بجا بجا کر اعلان کرنے لگے کہ مسلمانوں کا مہدیؑ آگیا ہے۔ کیونکہ زلزلہ آگیا ہے۔

اس زلزلہ کے بعد میں نے ایک ٹریکٹ اس موضوع اور ان حالات پر عربی اور انگریزی میں لکھا جس میں آمدِ امام مہدی علیہ السلام کی بشارت تھی چنانچہ اس کے بعد ایک ماہ کے اندر اس علاقہ میں ۱۸۰ افراد بعیت کرکے جماعت میں داخل ہوگئے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی۔

ایک ڈویژنل انسپکٹر تعلیم کی غلط بیانی اور اُس پر ندامت

غانا میں قیام کے دوران یہ خاکسار جماعت کا امیر اور مبلّغ انچارج ہونے کے علاوہ احمدیہ سکولز غانا کا جنرل مینجر بھی تھا۔ ایک مرتبہ ایک ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز مسٹر اسلفی کوامانٹا قصبہ میں ہمارے سکول کے معائنہ کے لئے گئے اور معائنہ کے بعد انہوں نے ایک رپورٹ ڈائریکٹر آف ایجوکیشن کو بھیجی جس میں ضمنی طور پر ہمارے خلاف یہ شکایت بھی کی کہ جماعت احمدیہ کوامانٹا نے انہیں بطور رشوت مرغیاں پیش کی تھیں تاکہ اس احمدیہ سکول کو سینئر گریڈ تک کردیا جائے اور اپنی اس رپورٹ کی نقلیں انہوں نے علاقہ کے ڈسٹرکٹ کمشنر اور لوکل اتھارٹی کو بھی بھیجیں۔

جب ڈائریکٹر آف ایجوکیشن نے اپنے خط کے ساتھ مجھے اس رپورٹ کی نقل ارسال کی تو میں نے اس معاملہ کی تحقیق کے لئے مشن کے جنرل سیکرٹری مسٹر جمال الدین صاحب جانسن کو اس قصبہ میں بھیجا انہوں نے وہاں سے واپسی پر بتایا

اور غالباً اپنی اہمیت بڑھانے کے لئے اس نے ہمارے خلاف یہ پراپیگنڈا شروع کر دیا کہ مَیں مکہ سے آیا ہوں اور امام مہدی کا ظہور ابھی نہیں ہوا ۔ احمدی یونہی غلط بیانی کرتے ہیں ۔ جب اس کا یہ پراپیگنڈا کچھ زور پکڑ گیا تو اس علاقہ کے ایک احمدی چیف امینی محمد نامی میرے پاس سالٹ پانڈ پہنچے اور اس شخص کے زہریلے پراپیگنڈا کے ازالہ کے لئے مجھے وہاں جانے کے لئے کہا ۔ مَیں اس وقت بعض ضروری کاموں میں مصروف تھا ۔ اس لئے انہیں مشورہ دیا کہ وہ میرے شاگردوں میں سے کسی کو لے جائیں ۔ لیکن انہوں نے اصرار کیا کہ مَیں خود وہاں جاؤں ۔

چنانچہ مَیں خود اس گاؤں میں پہنچا اردگرد کی جماعتوں کے احباب بھی اس روز وہاں پہنچ گئے ۔ مَیں نے اس مخالف نوجوان سے عربی میں گفتگو کرنی چاہی لیکن وہ آمادہ نہ ہوا اور لایعنی عذر کرنے لگا ۔ اس پر گاؤں والوں نے خواہش ظاہر کی کہ مَیں علاماتِ مہدیؑ پر تقریر کروں چنانچہ مَیں نے پونے دو گھنٹہ اس موضوع پر تقریر کی ۔ جس کے بعد سامعین کو سوالات اور اعتراضات کی کھلی دعوت دی مگر کسی نے کوئی معقول سوال نہ کیا ۔ اور یوں خاکسار ایک رات اس گاؤں میں قیام کرکے واپس سالٹ پانڈ آ گیا ۔

غانا کا یہ ملکی رواج ہے کہ کسی امر میں باہمی مقابلہ ہونے کے بعد جو پارٹی فاتح ہو وہ فتح کے نشان کے طور پر سفید لٹھے کی پٹیاں اپنے سروں اور ہاتھوں پر باندھ کر اور سفید جھنڈے ہاتھوں میں لے کر شہر میں جلوس نکالتے اور ناچتے ہوئے اپنی فتح کا اعلان کرتے ہیں چنانچہ میری اس گاؤں سے واپسی پر بھی اپنی جھوٹی فتح کے اعلان کے لئے ہمارے مخالفین نے اسی طرح شہر بہ شہر اور دیہہ بہ دیہہ جلوس نکال کر ناچتے ہوئے ان الفاظ میں گانا شروع کر دیا ۔ کہ "ہماری فتح ہوئی ہے مہدی ابھی نہیں آئے کیونکہ زلزلہ نہیں آیا ۔ مہدی ظاہر ہو گیا ہوتا تو زلزلہ ضرور آتا "

جب مجھے ان کی اس حرکت کی اطلاع ملی تو مَیں نے اللہ تعالےٰ کے حضور ایک ہفتہ بڑے الحاح اور درد سے دعا کی کہ الٰہی ان مخالفوں کے مطالبہ کے مطابق اور صداقت مہدی علیہ السلام کے اظہار کے لئے زلزلے کا نشان دکھا ۔ چنانچہ مجھے یقین کامل ہو گیا کہ اللہ تعالےٰ اب اس ملک میں زلزلہ کا نشان ضرور دکھائے گا ۔ اور میں نے

اس علاقہ کے تین مقامات پر جلسے کئے اور ہر جگہ تمام واقعات بیان کر کے اعلان کر دیا کہ اب مہدی علیہ السلام کی صداقت کے اظہار کے لئے زلزلہ ضرور آئے گا۔ اور ان زلازل کا ذکر بھی کیا جو اس سلسلہ میں پہلے آچکے تھے۔ چنانچہ ابھی دو ہی مقام پر جلسہ ہوا تھا اور تیسرے مقام کی جگہ کا انتظام کیا جا رہا تھا کہ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات کو عشاء کے وقت سارے گھانا میں شدید زلزلہ آیا۔ زلزلہ سے دوسرے روز جب میں اپنے ہیڈ کوارٹر سالٹ پانڈ واپس جا رہا تھا تو جہاں سے میں گزرتا لوگ مجھے دیکھ کر تعجب کرتے ہوئے کہتے۔ "اس شخص نے کہا تھا زلزلہ ضرور آئے گا جو آگیا ہے"۔ اور مشرکین اور عیسائی بھی اپنے ڈھول بجا بجا کر اعلان کرنے لگے کہ مسلمانوں کا مہدیؑ آگیا ہے۔ کیونکہ زلزلہ آگیا ہے۔

اس زلزلہ کے بعد میں نے ایک ٹریکٹ اس موضوع اور ان حالات پر عربی اور انگریزی میں لکھا جس میں آمدِ امام مہدی علیہ السلام کی بشارت تھی چنانچہ اس کے بعد ایک ماہ کے اندر اس علاقہ میں ۱۰۰۸ افراد بیعت کر کے جماعت میں داخل ہو گئے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَعَالیٰ۔

ایک ڈویژنل انسپکٹر تعلیم کی غلط بیانی اور اس پر ندامت

غانا میں قیام کے دوران یہ خاکسار جماعت کا امیر اور مبلغ انچارج ہونے کے علاوہ احمدیہ سکولز غانا کا جنرل مینیجر بھی تھا۔ ایک مرتبہ ایک ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز مسٹر اسلفی کوامانا ٹا قصبہ میں ہمارے سکول کے معائنہ کے لئے گئے اور معائنہ کے بعد انہوں نے ایک رپورٹ ڈائریکٹر آف ایجوکیشن کو بھیجی جس میں ضمنی طور پر ہمارے خلاف یہ شکایت بھی کی کہ جماعت احمدیہ کوامانا ٹا نے انہیں بطور رشوت مرغیاں پیش کی تھیں تا کہ اس احمدیہ سکول کو سینئر گریڈ تک کر دیا جائے اور اپنی اس رپورٹ کی نقلیں انہوں نے علاقہ کے ڈسٹرکٹ کمشنر اور لوکل اتھارٹی کو بھی بھیجیں۔

جب ڈائریکٹر آف ایجوکیشن نے اپنے خط کے ساتھ مجھے اس رپورٹ کی نقل ارسال کی تو میں نے اس معاملہ کی تحقیق کے لئے مشن کے جنرل سیکرٹری مسٹر جمال الدین صاحب جانسن کو اس قصبہ میں بھیجا انہوں نے وہاں سے واپسی پر بتایا

کہ انسپکٹر صاحب کی رپورٹ بالکل من گھڑت تھی۔ ہماری جماعت نے انہیں کوئی چیز بھی بطور رشوت پیش نہیں کی۔ چنانچہ میں نے ڈائریکٹر آف ایجوکیشن کو لکھا کہ ان کے انسپکٹر آف سکولز نے صریح غلط بیانی کی ہے اور محض تعصب کی بناء پر جھوٹی شکایت کردی ہے اور خواہ مخواہ اس کی نقول ڈی سی اور لوکل اتھارٹی کو بھیجی ہیں۔ جب کوامانا ٹا کے عیسائی چیف کو اس بات کا علم ہؤا تو انہوں نے انسپکٹر مذکور کو دھمکی دی کہ ان کے خلاف عدالت میں مقدمہ کیا جائے گا۔ اس پر انسپکٹر صاحب اسسٹنٹ ڈائریکٹر آف ایجوکیشن کی معیت میں ہمارے قانونی مشیر کے پاس پہنچے اور منت سماجت کرنے لگے کہ مقدمہ نہ کیا جائے۔ حالانکہ مقدمہ ہم نے نہیں بلکہ قصبہ کے چیف از خود کر رہے تھے۔ مَیں نے انہیں بلا کر بتایا کہ ہم کوئی مقدمہ نہیں کر رہے جو لوگ مقدمہ کر رہے ہیں ان سے جا کر معافی مانگیں۔ ہم اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں چنانچہ ان کے معافی مانگنے پر وہاں کے چیف صاحب مقدمہ کرنے سے رُک گئے۔ اس کے بعد وہ انسپکٹر صاحب میری بہت ہی عزت کرنے لگے۔ اور انگلینڈ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب وہ واپس آئے تو بھی ہمیشہ مجھ سے بڑی عقیدت و احترام سے پیش آتے رہے۔

ایک انذاری نشان

دوسری عالمگیر جنگ کے دَوران ۱۹۴۰ء میں جبکہ خاکسار گولڈ کوسٹ (گھانا) میں بطور مبلغ انچارج کام کر رہا تھا اور سالٹ پانڈ میں مقیم تھا۔ ایک رات مَیں نے خواب میں دیکھا کہ میرے چیمبر پاٹ میں ایک سیاہ سانپ داخل ہؤا ہے جس کا منہ پاٹ کے اندر کی طرف ہے اور دُم پاٹ کے کنارے پر ہے۔ مجھے اس وقت بیدار ہوتے ہی یہ تفہیم ہوئی کہ کوئی دشمن میرے درپئے آزار ہے۔ چنانچہ اسی روز فجر کی نماز کے بعد جب مَیں مبلّغین کلاس کے طلبہ کو قرآن کریم باترجمہ پڑھا رہا تھا مَیں نے طلبہ کو بتایا کہ گزشتہ شب میں نے ایسا خواب دیکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی دشمن مجھ کو یا جماعت کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔

ابھی مَیں یہ خواب بیان کر کے گفتگو ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ ان طلبہ میں سے ایک طالب علم مجھے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ مولوی صاحب آپ کا خواب پورا ہوگیا ہے وہ دیکھیں ہمارے دارالتبلیغ کے گرد دو درجن پولیس کے آدمی گھیرا ڈالے کھڑے ہیں۔

چنانچہ جب میں نے نظر اٹھا کر دار التبلیغ کی سمت دیکھا تو واقعی دو درجن کے قریب پولیس کے آدمی اسے گھیرے میں لے چکے تھے۔ جب مَیں کلاس کو قرآن کریم پڑھا کر فارغ ہوا تو میں نے دیکھا کہ دار التبلیغ کے صحن کے مشرقی دروازے کی طرف سے خفیہ پولیس کا ایک آدمی سادہ لباس میں میری طرف آرہا ہے جس کے ہاتھ میں کچھ کاغذات ہیں مَیں نے ہنس کر اس سے پوچھا کہ کیا آپ میرے خلاف کوئی وارنٹ لائے ہیں اس نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا کہ ہاں یہ آپ کی تلاشی کے وارنٹ ہیں۔ چنانچہ اس کے چند منٹ بعد ایک ہیڈ کانسٹیبل اور ایک سپاہی نمودار ہوئے اور کہنے لگے تلاشی کے اس وارنٹ میں لکھا ہے کہ آپ کے پاس ٹرانسمیٹر ہے جس کے ذریعہ آپ جرمنی کو خبریں پہنچا رہے ہیں اور آپ کے پاس اسلحہ بھی ہے۔ مَیں نے یہ سُنکر ہنستے ہوئے کہا کہ بے شک میری اور دار التبلیغ کی تلاشی لے لو اور جہاں اسلحہ اور ٹرانسمیٹر وغیرہ ہے اپنے قبضہ میں کر لو۔

چنانچہ انہوں نے تلاشی لینی شروع کی اور میری اور مشن کی ہر ایک چیز اور ہر رجسٹر وغیرہ کو انہوں نے کھول کر دیکھا مگر انہیں کہیں سے بھی کوئی قابلِ اعتراض چیز نہ ملی۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم احمدیہ مشن کے دفاتر کو بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ مَیں نے کہا۔ وارنٹ صرف میرے نام ہے اور از رُوئے قانون آپ جنرل سیکرٹری اور فنانشل سیکرٹری کے دفاتر کی تلاشی نہیں لے سکتے اس پر وہ رُک گئے تو مَیں نے کہا اچھا میری طرف سے اجازت ہے آپ دفاتر کی تلاشی بھی لے لیں مگر وہاں بھی آپ کو کچھ نہیں ملے گا چنانچہ دفاتر کی تلاشی پر بھی حسبِ سابق انہیں کچھ نہ ملا۔ پھر انہوں نے ہمارے سکول کے ہوسٹل کی تلاشی لینی چاہی تو مَیں نے طلبہ کے نام کے وارنٹ طلب کئے جو اُن کے پاس نہیں تھے۔ چنانچہ وہ ہوسٹل کی تلاشی سے بھی رُک گئے تو مَیں نے کہا میری طرف سے اجازت ہے ہوسٹل کی تلاشی بھی لے لو مگر وہاں بھی آپ کو کچھ نہ ملے گا چنانچہ ہوسٹل کی تلاشی پر بھی انہیں کوئی قابلِ اعتراض چیز نہ ملی۔ دار التبلیغ کے صحن میں پانی کی ایک ٹینکی خالی پڑی تھی اسے بھی انہوں نے اُلٹا پلٹا کر دیکھا۔ مگر وہاں سے بھی کچھ نہ مل سکا۔

جب انہوں نے تلاشی ختم کر لی تو انسپکٹر پولیس مسٹر بانس بھی آگئے اور یہ معلوم کر کے کہ پولیس کو کوئی قابلِ اعتراض شے نہیں مل سکی۔ وہ مجھے کہنے لگے مَیں آپ کی ذاتی

فائلیں دیکھنا چاہتا ہوں چنانچہ انہوں نے ایک ایک کر کے تمام فائلیں دیکھیں۔ مگر کوئی مشکوک کاغذ انہیں نہ مل سکا۔ اور وہ شرمندہ سے ہو کر مجھے کہنے لگے معاف فرمائیں مَیں نے آپ کو تکلیف دی ہے۔ مَیں نے کہا کوئی بات نہیں آپ نے تو اپنی ڈیوٹی ادا کی ہے۔ اتنے میں انہیں اطلاع ملی کہ وہاں سے قریب ہی ایک گاؤں میں شراب کشید کی جا رہی ہے چنانچہ وہ اسی وقت اس گاؤں کو روانہ ہو گئے وہاں انہوں نے ابھی شراب کی بوتل اپنے ہاتھ میں پکڑی ہی تھی کہ متعلقہ مجرم نے کسی طرح وہ بوتل ان کے ہاتھ میں توڑ دی جس سے ان کا ہاتھ بری طرح زخمی ہو گیا اور انہیں اسی وقت ایمبولینس میں علاج کے لئے سالٹ پانڈ کے ہسپتال میں لے جایا گیا۔ وہاں کی عیسائی پبلک نے شرمندہ کرتے ہوئے انہیں کہا کہ دراصل تم یہ مولوی مبشّر کی جو ایک شریف آدمی ہے بلاسبب تلاشی لینے کا خمیازہ بھگت رہے ہو۔ چند دن کے بعد ان کے ہاتھ کے زخم ذرا درست ہوئے تو سالٹ پانڈ سے کیپ کوسٹ جاتے ہوئے ان کی کار کی ایک بس سے ٹکر ہو گئی اور وہ کار سمیت ایک خندق میں جا گرے۔ جب انہیں سالٹ پانڈ لایا گیا تو ان کی بیوی نے بھی انہیں ملامت کرتے ہوئے کہا کہ اگر خیر چاہتے ہو تو احمدیول کے امیر مولوی مبشّر سے معافی مانگ لو۔ چنانچہ اس نے معافی مانگتے ہوئے ندامت کا اظہار کیا۔

دراصل یہ شرارت ایک متعصب اسسٹنٹ ڈپٹی کمشنر کی تھی جو رومن کیتھولک تھا چنانچہ یہ تلاشی وغیرہ کا سلسلہ ختم ہوا تو مَیں نے چیف کمشنر کے پاس پہنچکر شکایت کی کہ آپ کی پولیس نے اس طرح ہمارے خالص مذہبی اور تبلیغی مشن سے زیادتی کی ہے اس پر اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو کس پر شک ہے مَیں نے کہا میرا خیال ہے کہ اسسٹنٹ کمشنر سالٹ پانڈ نے یہ سب کچھ کروایا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد اس کی تبدیلی اشانٹی کر کے اسے ڈپٹی کمشنر بنا دیا گیا۔ اس پر مَیں نے تہجد میں دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میرے مولیٰ! وہ شخص جس نے تیرے دین کی توہین کی یا کرائی ہے اُسے یہ ترقی کیسی؟ یعنی اسے تو عبرتناک سزا ملنی چاہیئے تھی۔ چنانچہ میری اس دعا کے چند دن بعد اس متعصب دشمنِ اسلام پر بلیک واٹر فیور یعنی کالے خونی بخار کا نہایت سخت حملہ ہوا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا اور راہیٔ ملکِ عدم ہو گیا۔

صداقتِ مسیح موعودؑ کے متعلق ایک خواب

ایک رات جبکہ میں سالٹ پانڈ (غانا) کے احمدیہ مشن ہاؤس میں سویا ہُوا تھا تو مَیں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ گویا یومِ محشر [illegible] بڑے [illegible] بعض میدان میں گیلریوں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے چہرے چمک رہے ہیں اور حضرت سرورِ کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میدان میں مغرب کی طرف چہرۂ مبارک کئے ہوئے تقریر فرما رہے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دو تین قدم کے فاصلہ پر نہایت ادب سے کھڑے ہیں اور یہ خاکسار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیچھے چند قدم کے فاصلہ پر کھڑا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بڑے پُرجلال انداز میں تقریر فرما رہے ہیں۔ اور پھر تقریر کے دوران ہی حضورؐ نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف اشارہ کرکے بڑے جوش میں فرمایا۔

"یہ میرا مسیح موعود ہے یہ میرا مسیح موعود ہے"

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

ایک خطرناک جنگلی آدمی سے بچاؤ

ایک مرتبہ ۱۹۴۱ئہ میں تبلیغی دورہ کے سلسلہ میں خاکسار کو گھانا کے علاقہ گومواہ کے ایک گاؤں "اباڈکمہ" جانا پڑا۔ اس گاؤں تک پہنچنے کے لئے ایک دریا عبور کرنا پڑتا تھا۔ جاتے ہوئے تو ہمیں کشتی مل گئی مگر وہاں سے واپسی پر میری راہنمائی کے لئے جو احمدی نوجوان میرے ساتھ تھا وہ جنگل میں دریا کے اصل گھاٹ کا راستہ بھول گیا۔ اور ہم جنگل میں گھومتے ہوئے دریا پر ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں گھاٹ نہیں تھا۔ چنانچہ وہ مجھے کہنے لگا کہ آپ یہاں میرا انتظار کریں میں گھاٹ کا پتہ چلاتا ہوں اور پھر وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر جنگل میں گھاٹ کی تلاش کرنے چلا گیا۔

مَیں عین دریا کے اُوپر اپنا سوٹ کیس اور چھتری سنبھالے ہوئے بیٹھا تھا کہ اتنے میں نائیجیریا (NIGERIA) کا ایک باشندہ جنگل سے نمودار ہؤا۔ جس کے ہاتھ میں خنجر تھا وہ دریا کے شمالی جانب تھا اور مَیں اس سے پانچ دس گز کے فاصلہ پر دریا کے بہاؤ کی جانب جنوب کی طرف۔ وہ میرے سامنے کھڑا ہاتھ میں خنجر پکڑے میری طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ میرے دل میں خیال پیدا ہؤا کہ ہو سکتا ہے یہ مجھ پر حملہ کرنے کی سوچ

ملین ہو اس لئے میں یک دم کھڑا ہو گیا اور اپنی چھتری کو دفاع کے لئے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ تاکہ اس کے وار کرنے پر کم از کم اس کا پہلا وار تو مَیں اپنی چھتری کے ذریعہ روک سکوں۔ اسی اثنا میں اس شخص نے میری طرف پیٹھ پھیر لی پھر چند لمحوں کے بعد جب وہ میری طرف مڑا تو اس کی آنکھوں میں خون تھا یعنی بالکل سُرخ تھیں۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ اب وہ مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ مجھے مخاطب ہو کر انگریزی میں کہنے لگا کہ تیرے ساتھی کہاں گئے مَیں نے فوراً اسے انگریزی میں زور دار آواز میں گرج کر جواب دیا۔ کہ وہ یہیں ہیں۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جب میں نے یہ کہا تو جنگل سے میرے ساتھی نوجوان کے بھاگتے ہوئے آنے کی آواز آئی جسے سنکر وہ نائیجیرین شخص فوراً جنگل میں غائب ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کے شر سے بچا لیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد اسی علاقہ کے ایک افریقن مبلغ مسٹر یعقوب احمد صاحب سالٹ پانڈ میں مجھے ملنے آئے تو مَیں نے یہ واقعہ اور اس جنگلی آدمی کا حلیہ وغیرہ ان کے سامنے بیان کیا۔ جس پر انہوں نے مجھے بتایا کہ جس شخص کے متعلق آپ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے اس قسم کے حلیہ اور ڈھانچے کا ایک نائیجیرین شخص احمدی ہو گیا ہے ممکن ہے وہی ہو چنانچہ ایک دوسرے موقع پر جب مَیں دوبارہ "آباؤ کہہ" گاؤں گیا۔ تو واقعی مَیں نے خطبہ جمعہ میں اس شخص کو جس نے جنگل میں مجھ پر حملہ کرنے کی ٹھانی تھی۔ اپنی مسجد میں اپنے سامنے ہی خطبہ سنتے ہوئے دیکھا تاہم میں نے اسے وہ واقعہ یاد دلانا یا جتلانا مناسب نہ سمجھا اور وہ بھی شرم کے مارے مجھے نہ ملا مگر میں نے وہاں کے مذکورہ بالا لوکل معلم مسٹر یعقوب احمد صاحب کو بتا دیا کہ ہاں اسی شخص سے جنگل میں میرا سامنا ہوا تھا۔

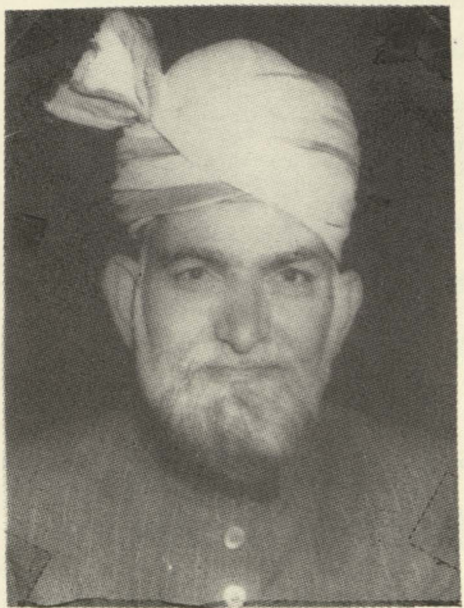
میدانِ تبلیغ میں نصرتِ الٰہی کے نظارے

(از جناب مولانا عبدالمالک خانصاحب سابق مبلغ گھانا حال ناظر اصلاح و ارشاد ربوہ)

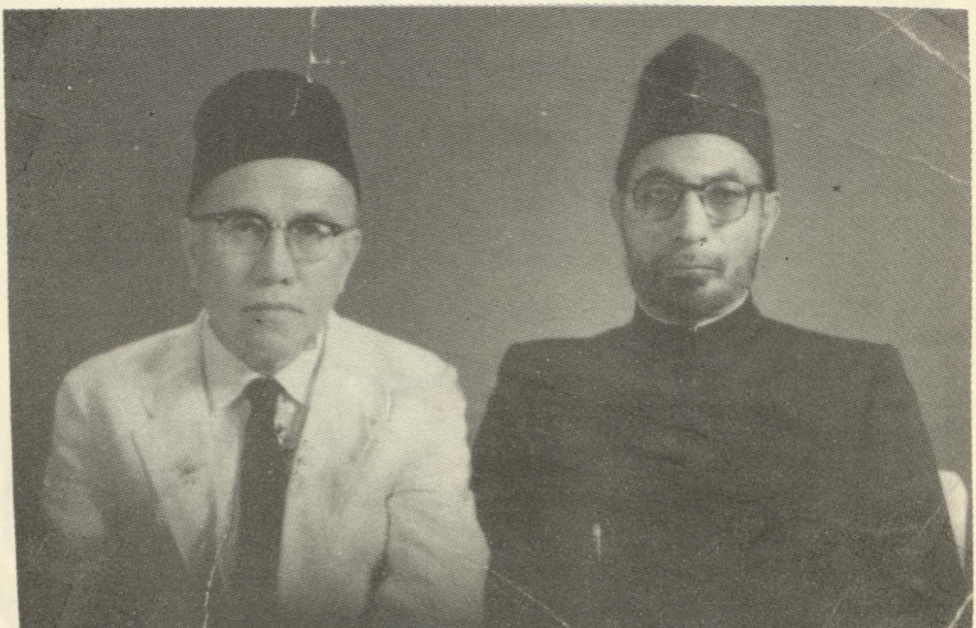
مکرم مولانا عبدالمالک خانصاحب ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت مولانا ذوالفقار علی خانصاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام و برادر علی برادران



محترم مولانا الحاج نذیر احمد مبشر سابق مبلغ انچارج
گھانا حال ناظم قضاء، ربوہ (صفحہ ۷۵

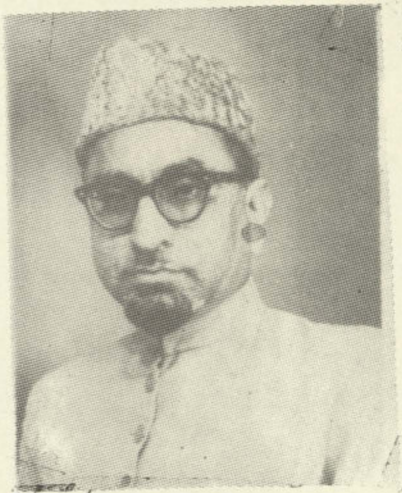


محترم مولانا عبد المالک خانصاحب سابق مبلغ گھانا
حال ناظر اصلاح و ارشاد ربوہ (صفحہ ۸۴)



محترم مولانا غلام حسین صاحب ایاز مرحوم جنہوں نے
میدانِ تبلیغ میں ہی بورنیو میں شہادت کا درجہ پایا
صفحہ ۷۳ و ۶۰۸)

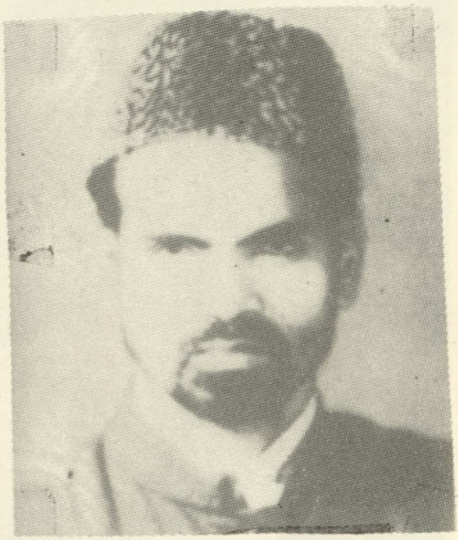
محترم انکو اسماعیل ابن عبد الرحمٰن آف ملایا مرحوم
ریاست جوہر ملایا کے رئیس اور نہایت مخلص احمدی تھے
(صفحہ ۶۵)



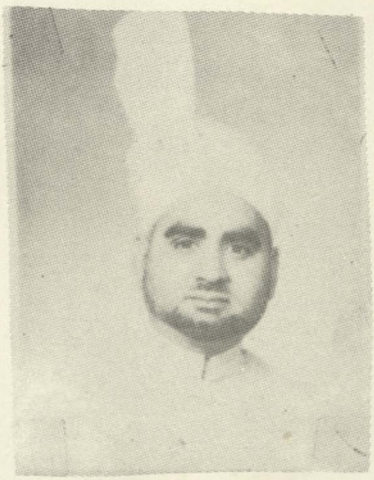
محترم مولانا بشارت احمد صاحب بشیر نائب وکیل التبشیر
صفحہ ۱۰۱



محترم مولانا محمد صدیق صاحب شاہد مبلغ انچارج
احمدیہ مشن سیرالیون (صفحہ ۱۴۱ و ۱۱۲)



محترم مولانا بشارت احمد صاحب نسیم
سابق مبلغ انچارج گھانا (صفحہ ۱۲۵)



محترم مولانا محمد اسحاق صاحب صوفی سابق مبلغ
مغربی و مشرقی افریقہ (صفحہ ۱۰۷)

کے خلف الرشید ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں تعلیم کے لئے قادیان گئے۔ ۱۹۳۲ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۶ء میں بطور مبلّغ اسلام صدر انجمن احمدیہ قادیان کے تحت کام شروع کیا اور لکھنؤ (یو۔ پی) میں تبلیغ و تربیت کے کام پر مامور ہوئے اس کے بعد آگرہ اور حیدر آباد دکن میں بھی چند سال بطور مربی سلسلہ کام کرتے رہے۔ اس کے علاوہ مالا بار مدراس اور بمبئی میں بھی خدمتِ دین کی توفیق پائی۔ اکتوبر ۱۹۴۹ء سے جون ۱۹۵۹ء تک کراچی میں دینی خدمات انجام دیں۔

آپ نے اکتوبر ۱۹۶۰ء سے اپریل ۱۹۶۴ء تک گھانا (مغربی افریقہ) میں تبلیغِ اسلام کا کام کیا اور وہاں سے واپس آکر پھر بطور مربی سلسلہ کراچی میں تعیّنات ہوئے اور جون ۱۹۶۹ء تک یہ ذمہ داری ادا کی۔ جولائی ۱۹۶۹ء سے ربوہ میں ناظر اصلاح وارشاد صدر انجمن احمدیہ مرکزیہ کے فرائض سر انجام دے رہے ہیں۔

خدا کی شان نرالی ہے کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ کا نظارہ مختلف شکلوں میں نسلِ انسانی دیکھتی چلی آتی ہے اور دیکھتی چلی جائے گی۔ اس عاجز نے اپنی زندگی میں ایک خاص بات یہ دیکھی کہ میری بے بضاعتی اور کم علمی کے باوجود میدانِ تبلیغ میں مجھ پر خدا تعالیٰ نے ہمیشہ اپنا فضل فرمایا اور جس رنگ کے حالات رونما ہوئے ان کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور اس کے ایسے اچھے نتائج نکالے کہ مجھے یقین ہوگیا کہ میدانِ تبلیغ میں واقعی خدا تعالیٰ غیر معمولی تائیدوں سے نوازتا ہے۔ اس کی بیشمار مثالیں ذہن میں ہیں۔ مَیں یہاں بطور اظہارِ تشکّر چند امور کا ذکر کرتا ہوں۔ جن کا تعلق مغربی افریقہ کے ملک گھانا سے ہے۔

جنگل میں حادثہ اور الٰہی مدد

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ یہ عاجز اپنے ہیڈ کوارٹر کماسی (KUMASI) سے (جو باغوں کا شہر کہلاتا ہے) ۹۰ میل شمال مغرب کی طرف ایک قصبہ میں گیا جہاں ہماری جماعت ہے دو دن وہاں قیام کیا۔ تیرہ چودہ افراد نے بیعت بھی کی اور صبح شام اسلام اور احمدیّت کے فضائل بیان ہوتے رہے۔ تیسرے روز شام کو اس عاجز نے اپنے ہیڈ کوارٹر واپس

جانے کا ارادہ کیا۔ مَیں کار پر آیا تھا۔ میرے ساتھ جماعت کماسی کے سیکرٹری مکرم عبدالواحد صاحب ریٹائرڈ پولیس افسر بھی تھے جو نہایت اخلاص سے لوکل زبان میں پاکستانی مبلغین کی تقاریر کا ترجمہ کیا کرتے تھے انہوں نے کماسی میں ایک ضروری کام کی بناء پر مجھے واپس چلنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ ہم دونوں مغرب کی نماز پڑھکر کار میں واپس روانہ ہو گئے۔ چاندنی رات تھی۔ راستہ اگرچہ پختہ تھا لیکن بارشوں کی وجہ سے اکثر جگہ نوکیلے پتھر نکلے ہوئے تھے اس لئے مَیں گاڑی تیز رفتار سے نہیں چلا رہا تھا۔

کوئی تیس پینتیس میل سفر کرنے کے بعد کار کا ٹائر پھٹ گیا۔ سڑک کے دونوں طرف بلند قامت درخت اور گھنا جنگل بھیانک منظر پیش کر رہا تھا تاہم گاڑی کا ٹائر ہم نے بدلا اور پھر سفر پر روانہ ہو گئے۔ قریبًا بیس پچیس میل اور چلے ہونگے کہ دوسرا ٹائر بھی پھٹ گیا جس کے یہ معنی تھے کہ ہم اب آگے جانے سے معذور ہو گئے ہیں اور یہ خیال آیا کہ صبح کو کوئی اور انتظام کر کے ہی آگے جانا ہوگا۔ ابھی یہ سوچ ہی رہے تھے۔ کہ اب کیا کیا جائے کہ مجھے عبدالواحد صاحب نے کہا کہ آپ گاڑی بند کر کے اندر لیٹ جائیں۔ مجھے کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ مَیں نے دریافت کیا کہ کیا خطرہ محسوس کرتے ہیں آپ۔ تو انہوں نے دور اشارہ کر کے بتایا۔ دیکھیں وہ دو آدمی چلے آ رہے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں خنجر ہیں اور ان کا تعلق خونخوار قبائل سے معلوم ہوتا ہے۔ مَیں نے ان سے کہا کہ میرے اندر کار میں لیٹنے سے کیا وہ مجھے کچھ نہیں کہیں گے؟ کہنے لگے میرا نہیں آپ کا وجود قیمتی ہے۔ آپ کو کچھ ہو گیا۔ تو ہم حضرت صاحب کو کیا جواب دیں گے؟ مَیں نے کہا۔ عبدالواحد صاحب! شہادت بھی نصیبوں سے ہی ملتی ہے۔ اور اگر میرے لئے مقدر ہے تو زہے نصیب! مَیں اندر چھپ کر نہیں مرنا چاہتا۔ اور میرا دل اندر سے کہتا ہے کہ مجھے کچھ نہیں ہوگا کیونکہ پاکستان سے چلتے وقت سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے دُعا دی تھی کہ "خدا آپ کے ساتھ ہو" میرا یقین ہے کہ خدا تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔ اس اثناء میں وہ دونوں شخص ہمارے قریب آ چکے تھے۔ بے شک ان کے چہروں سے وحشت ٹپکتی تھی اور ان کے خنجر چاندنی رات میں خوب

چمک رہے تھے۔ مَیں ان کی زبان نہیں جانتا تھا۔ مَیں نے عبدالواحد صاحب سے کہا کہ آپ ان کو میری طرف سے کہیں کہ ہم آپ کے ملک میں ہزاروں میل دور سے آئے ہیں اور یہاں کے باشندوں کے لئے اسلام کا محبت بھرا اور صلح کل پیغام لائے ہیں یہ مقدس پیغام پہنچا کر ہم جب واپس ہوئے تو یہاں ہمارے دونوں ٹائر پھٹ گئے ہیں اور اب ہم آگے جانے سے معذور ہیں۔ کیا آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ کہ کوئی صورت ہو اور ٹائر ٹھیک ہو سکیں۔

وہ دونوں باپ بیٹا تھے۔ باپ نے میری بات کا جواب دینے سے پہلے عبدالواحد صاحب سے افریقن زبان میں لمبی چوڑی گفتگو کی جسے مَیں نہ سمجھ سکا۔ اور عبدالواحد صاحب نے مجھے انگریزی زبان میں اس کا خلاصہ بتایا۔ کہ یہ آپ کی بات کی تصدیق چاہتا تھا اور آپ کو خوش آمدید بھی کہتا ہے۔ اس نے بتایا کہ یہاں سے چند میل کے فاصلہ پر ایک شخص کو وہ اور اس کا بیٹا جانتے ہیں جو یہ ٹائر ٹھیک کر سکتا ہے اس پر مَیں نے اپنے دونوں ٹائر اُسے دیئے اور پانچ پونڈ بھی ٹائروں کی درستی کے لئے اسے دے کر کہا کہ وہ فوری طور پر یہ ٹائر درست کرا دے۔ وہ نوجوان ٹائر اور رقم لے کر چلا گیا۔ عبدالواحد صاحب نے کہا کہ آپ نے جلدی کی۔ ممکن ہے آپ کو دھوکہ دے جائے مَیں نے انہیں کہا تم مجھے بتا رہے تھے کہ یہ خطرناک لوگ ہیں لیکن انہوں نے تو مجھے خوش آمدید کہا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ وہ مجھے مارنے نہیں آئے بلکہ خدا تعالیٰ نے انہیں ہماری مدد کے لئے بھیجا ہے۔ اس اثناء میں مَیں اس بوڑھے کو دیر تک اسلام کی تبلیغ کرتا رہا اور عبدالواحد صاحب میری ترجمانی کرتے رہے۔ اس نے کہا۔ مَیں بیمار ہوں دعا کرو اور اپنی جھولی میں سے انناس نکالا اور خنجر سے کاٹ کر خود بھی کھایا اور مجھے بھی کھلایا۔ جس محبت سے اس نے پیش کیا مَیں وہ بتا نہیں سکتا۔

آخر شب کے ۳½ بجے وہ نوجوان دونوں ٹائر مرمت کروا کے اٹھوا لایا۔ اور دو پونڈ اس نے لانے والے کو دینے کو کہا۔ مَیں نے اسے اپنے مشن ہاؤس آنے کی دعوت دی اس نے جواب میں کہا ہم لوگوں کو جنگل کے کاروبار سے شہر جانے کی فرصت نہیں ملتی کبھی شہر آیا تو ضرور آپ کو ملنے آؤنگا۔ مَیں اس ضعیف العمر آدمی کو کچھ رقم دینا چاہتا تھا لیکن اس نے ہر دفعہ یہ کہہ کر رقم لوٹا دی کہ آپ مہمان ہیں۔ اس واقعہ نے میری

طبیعت پر ہی نہیں بلکہ عبدالواحد صاحب کی طبیعت پر بھی گہرا اثر ڈالا اور انہوں نے کہا کہ واقعی اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی غیب سے مدد کرتا ہے۔

تعمیر مسجد میں مشکلات اور احباب کا ایثار و قربانی

ایک دفعہ اشانٹی (گھانا) کے کچھ دوست کماسی احمدیہ مشن ہاؤس میں تشریف لائے اور انہوں نے مجھ سے یہ خواہش کی کہ مَیں ان کی مسجد کی تعمیر کے لئے ان کے علاقہ میں پہنچکر دوستوں کو چندے کی تحریک کروں تا وہ خدا کا گھر بنا سکیں اور یہ بھی بتایا کہ کچھ رقم ان کے پاس پہلے سے موجود ہے چنانچہ خاکسار اس غرض سے بعد مشورہ ان کے علاقہ میں پہنچا جس گاؤں میں مسجد تعمیر کرنی تھی وہاں سب لوگوں کو اکٹھا کرنے کا انتظام کیا گیا۔ جو دوست وہاں جمع ہوئے ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں۔

خاکسار نے ایک مختصر سی تقریر میں دینِ اسلام میں مساجد کی اہمیت اور بنانے والوں کو کیا اجر ملتا ہے کی تفصیل بیان کی چنانچہ ۱۶۴ پونڈ مسجد کے لئے چندہ جمع ہُوا اور وہاں کے دستور کے مطابق ہر شخص نے کبھی گیت گا کر اور کبھی چھوٹی سی تقریر کر کے چندہ دیا۔ منتظمین کا ٹارگٹ ۱۹۰ پونڈ تھا یعنی اتنی رقم عمارت کی تکمیل کے لئے ضروری تھی۔ لیکن بار بار کی تحریک کے باوجود کسی شخص نے مزید ادائیگی کی طرف توجہ نہ دی۔ اس پر علاقہ کے صدر صاحب نے مجھے کہا کہ اب بس کریں جتنا ہم مسجد کے لئے اس وقت ان سے لے سکتے تھے لے لیا ہے۔ مَیں نے ان سے کہا مجھے اس سے اتفاق نہیں اور مَیں نے ان تمام مخلصین کو کہا کہ کیا مَیں حضرت صاحب کو یہ اطلاع دینے میں حق بجانب ہوں گا کہ آپ کی بہادر قوم مسجد کی تعمیر کے لئے ۲۶ پونڈ کی ادائیگی نہ کر سکی۔ اس پر ایک صاحب نے کہا کہ نہ نہ یہ رپورٹ حضور کی خدمت میں نہ کی جائے بلکہ یہ بقیہ رقم احمدیہ مشن پوری کر دے یعنی ۲۶ پونڈ ہمیں مشن کی طرف سے گرانٹ دے دی جائے۔ مَیں نے کھڑے ہو کر کہا۔ مشن کس چیز کا نام ہے۔ مشن تو تم ہی لوگوں کا نام ہے اور میں بھی اس میں شامل ہوں۔ میری جیب میں اس وقت ایک پونڈ تھا۔ وہ میں نے نکال کر پیش کر دیا اور ان سے کہا کہ باقی پچیس پونڈ بھی خدا نے چاہا تو آپ میں سے کوئی نہ کوئی مخلص ابھی پیش کر دے گا۔ اور جو پیش کرے گا مَیں اس کا نام حضرت صاحب کی خدمت میں دعا کے لئے تحریر کروں گا۔

چنانچہ فاطمہ نامی ایک احمدی بہن کھڑی ہوئی اور اس نے کہا کہ یہ بڑی شرم کی بات ہو گی کہ خلیفۂ وقت کی خدمت میں ہم اشانٹیوں کے بارے میں یہ رپورٹ جائے کہ یہ اپنی مسجد کے پروگرام کو تھوڑے سے پیسوں کی وجہ سے پورا نہیں کر سکے۔ مَیں یہ پچیس پونڈ جو مَیں نے کوکو فارم بونے کے لئے رکھے ہوئے تھے دینے کو تیار ہوں بشرطیکہ مولوی عبد المالک صاحب خود میرے کمرے میں جا کر میرے اور میرے سب خاندان کے لئے دعا کریں۔ مَیں نے اس کی یہ پیش کش اس شرط کے ساتھ منظور کر لی کہ میرے ساتھ جماعت کے سب عہدیداران اور بزرگ بھی اس کمرہ میں چلیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مَیں نے اس کے کمرہ میں جا کر اس کی خواہش کے مطابق دعا کی اور اس نے پچیس پونڈ ادا کر دیئے اور پھر وہیں سجدہ میں گر گئی۔ سجدۂ شکر سے سر اٹھا کر کہنے لگی۔ حضرت صاحب کی خدمت میں ضرور میرے لئے دعا کی درخواست کریں۔ مَیں نے کہا ہاں ضرور کرونگا۔ چنانچہ پھر وہ مسجد خدا کے فضل سے تکمیل کو پہنچی اور حضور کی خدمت میں اس خاتون اور جماعت کے لئے دعا کی درخواست بھی کی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس بہن کی قربانی کے بدلے میں اسے یہ برکت عطا کی کہ اس سال اس کی کوکو کی فصل پہلے تمام سالوں سے زیادہ ہوئی چنانچہ وہ ایک تحفہ لے کر کماسی مشن ہاؤس میں مجھے یہ خوشخبری سنانے آئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِكَ۔

یہ جماعت احمدیہ کے افراد کے اخلاص و قربانی کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔ ورنہ خدا کے فضل و کرم سے احمدیت کی تاریخ ایسے ایمان افروز واقعات سے بھری پڑی ہے

افریقن پادریوں سے دلچسپ گفتگو

۱۹۶۲ء کا واقعہ ہے کہ خاکسار اور قریشی فیروز محی الدین صاحب سابق مبلغ اکرا (گھانا) کماسی سے سالٹ پانڈ جا رہے تھے جس بس میں ہم سوار تھے اس میں کچھ عیسائی ٹیچر اور پادری بھی سفر کر رہے تھے۔ قریشی صاحب نے ان سے سلسلہ کلام شروع کیا اور قریباً ایک گھنٹہ تک مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے چونکہ وہ کئی تھے اور سب ہی باری باری بولتے تھے۔ قریشی صاحب نے مجھے کہا کہ آپ کیوں نہیں بولتے۔ مَیں نے ان سے کہا کہ مَیں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ جو گفتگو جاری ہے اس کا موضوع بدل کر کوئی اور گفتگو شروع کی جائے۔ البتہ میرا ایک سوال ہے ان سے پوچھ لیں۔

اگر یہ حل کر دیں تو ممنون ہوں گا۔ چنانچہ قریشی صاحب نے ان سے ذکر کیا۔ تو وہ آرزو مند ہوئے کہ مَیں اپنا سوال پیش کروں۔

مَیں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو خدا کا بیٹا تسلیم کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ تب مَیں نے ان سے کہا کہ انسانی عقل اور عرفِ عام میں بیٹے کے صرف چار مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک حقیقی بیٹا جو ایک ماں باپ سے ہوتا ہے ایک سوتیلا بیٹا جس کا باپ فوت ہو گیا ہو اور اس کی ماں نے دوسرے مرد سے شادی کر لی ہو۔ تیسری قسم بیٹے کی متبنّٰی ہوتی ہے یعنی بے اولاد میاں بیوی کسی کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنا لیں چوتھا تصوّر بیٹے کا یہ ہے کہ کسی کے بیٹے کو ہم بیٹا کہکر مخاطب کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں، بیٹے تم کیا کر رہے ہو؟ وہ نہ ہمارا حقیقی بیٹا نہ سوتیلا بیٹا اور نہ متبنّٰی ہوتا ہے بلکہ ہم محض محبت کی وجہ سے اسے بیٹا کہتے ہیں اب آپ لوگ مجھے بتائیں کہ آپ حضرت مسیح علیہ السلام کو ان چار قسموں میں سے خدا کا کس قسم کا بیٹا مانتے ہیں۔ وہ نہ حقیقی اور نہ سوتیلے بیٹے ہو سکتے ہیں کیونکہ اس کے لئے بیوی کا ہونا لازمی ہے اور خدا تعالےٰ کی کوئی بیوی نہیں اور نہ ہی آپ ان کو خدا کا متبنّٰی مانتے ہیں۔ اب ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ وہ محبوبِ خدا ہونے کی وجہ سے خدا کا بیٹا کہلاتے ہیں سب نے کہا ہاں۔ اس پر خاکسار نے عرض کیا صرف مسیح علیہ السلام ہی خدا کے محبوب نہیں دیگر انبیاء بھی اور اسرائیل بھی خدا کے محبوب تھے پس حضرت مسیح علیہ السلام اور دوسروں میں کیا فرق ہوا لیکن نہ وہ بیٹے کی کوئی اور قسم بتا سکے اور نہ ہی محبانِ ذاتِ باری میں اور حضرت مسیح علیہ السلام میں کوئی مابہ الامتیاز قائم کر سکے۔ تب اس عاجز نے ان کو قرآنی آیت لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ کی تفسیر بتائی۔ جو وہ غور سے سنتے رہے اور بڑے متاثر ہوئے جس کے بعد وہ سب تقریبًا لاجواب اور حیران سے ہو کر خاموش ہو گئے۔ بس سے اُترنے سے پہلے ہم نے انہیں اپنا اسلامی لٹریچر پیش کیا جو سب نے بخوشی قبول کیا۔ یہ آٹھ دس پادری اور ٹیچر سب افریقین تھے۔

بعض مبشر خوابیں اور الٰہی نشان

(از مولانا شیخ عبدالواحد صاحب فاضل پائیونیر مبلغ احمدیہ مشن جزائر فجی)

فجی کی پہلی اور مرکزی مسجد کی تعمیر کیسے عمل میں آئی

خاکسار بحکم سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ جزائر فجی میں نیا احمدیہ مشن کھولنے کے لئے شروع اکتوبر ۱۹۶۰ء کو ربوہ سے روانہ ہو کر ۱۰ اکتوبر کو فجی کے شہر ناندی (NANDI) میں پہنچا اور تبلیغ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ناندی اور لٹوکا جیسے اہم شہروں میں ہمیں جماعتیں عطا فرما دیں تو خاکسار نے فجی کے دارالحکومت سووا شہر کا رُخ کیا۔ چنانچہ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہماری تبلیغی مساعی کو نوازا۔ اور جون ۱۹۶۱ء میں ایک ہی دن میں ۱۲ افراد بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گئے اور پھر آہستہ آہستہ وہاں ایک مخلص جوشیلی اور فعّال جماعت قائم ہو گئی۔ جس کے بعد سووا کے علاقہ سامابولا میں ایک مکان کرایہ پر لے کر باقاعدہ مرکز قائم کر دیا گیا۔

وَسِّعْ مَكَانَكَ کا نشان

لیکن اگلی عید الفطر کے موقعہ پر جماعت بڑھ جانے کی وجہ سے وہ مکان اتنا ناکافی ثابت ہوا کہ نہ جماعت کے احباب وہاں سما سکے اور نہ ان کی موٹریں وغیرہ کھڑی کرنے کے لئے کوئی جگہ تھی۔ عید کے خطبہ میں خاکسار نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام وَسِّعْ مَكَانَكَ کا حوالہ دیکر تحریک کی کہ سووا (SUVA) شہر میں جماعتی مرکز کے لئے کوئی وسیع مکان تلاش کر کے خریدنے کا انتظام کیا جائے چنانچہ احباب جماعت نے مناسب جگہ کی تلاش شروع کر دی۔ اس دَوران معلوم ہوا کہ ہمارے ساتھ والا پلاٹ مع مکان قابلِ فروخت ہے جس کی بیوہ مالکہ تین ہزار پونڈ طلب کرتی ہے۔ ہماری طرف سے دو ہزار پونڈ کی پیشکش کی گئی۔ مگر وہ تین ہزار پونڈ سے کم میں فروخت کرنے پر راضی نہ ہوئی۔ چونکہ وہ قطعہ زمین جماعت کے مرکز اور مسجد کے لئے نہایت موزوں اور باموقعہ تھا اس لئے ہم نے اس عورت کے بعض رشتہ داروں کے ذریعہ اسے سمجھایا کہ اس کی زمین کسی ذاتی یا تجارتی غرض کے لئے نہیں بلکہ محض خانۂ خدا کی تعمیر اور تبلیغِ اسلام کے مرکز کے لئے لی جا رہی ہے چنانچہ آخر کار وہ دو ہزار پونڈ قیمت پر اس قطعہ زمین اور مکان کو فروخت کرنے پر رضامند

ہو گئی جس کے بعد وکیل کے ذریعہ تحریری معاہدہ کے علاوہ اسے بیعانہ بھی ادا کر دیا گیا۔

مخالفین کی ریشہ دوانیاں اور ناکامی

اس دوران جب اس عورت کے رشتہ داروں اور بعض لوکل تنظیموں کے سربراہوں اور کارندوں کو جو ہماری جماعت کے مخالفین میں سے تھے اس سودے کا پتہ چلا تو اُن سب نے ملکر اس کو ورغلایا کہ وہ اس سودا کو یہ کہہ کر فسخ کر دے کہ اس پر ناجائز دباؤ ڈال کر متعلقہ معاہدہ پر دستخط کرائے گئے ہیں حالانکہ یہ محض جھوٹ اور افترا تھا۔ تاہم اگرچہ وہ قانونی طور پر اس سودے کو کالعدم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ پھر بھی عرصہ تک اس نے ہمیں پریشان کئے رکھا۔ اور جب اُسے اپنا کوئی حربہ کارگر ہوتا نظر نہ آیا اور وکیل کی معرفت ہماری جماعت نے اُسے حسب معاہدہ تین ماہ کے اندر اندر پوری رقم بھی ادا کر دی تو مخالفین کے اکسانے پر وہ اس مکان میں بطور کرایہ دار رہنے پر اصرار کرنے لگی اور مکان خالی کرنے سے انکار کر دیا۔

اُدھر شہر میں مخالفین ہمارے خلاف یہ غلط اور جھوٹا پراپیگنڈہ کرنے لگے کہ احمدی ایک کمزور بیوہ عورت کو قانونی پیچیدگیوں میں پھنسا کر اس کی جائیداد سے اسے بے دخل کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس عورت نے ہماری جماعت سے بات شروع ہونے سے پہلے ہی اپنی وہ زمین اور مکان فروخت کرنے کا اعلان کر رکھا تھا اور ایک شراب خانے کا مالک اسے اس زمین و مکان کے لئے تین ہزار پونڈ پیش کر چکا تھا۔ مگر محلّہ کے شرفا کی مخالفت کی وجہ سے وہ زمین شراب خانہ کے لئے فروخت نہ کی گئی۔ آخر مالکہ زمین کو وکیل کے ذریعہ ہماری طرف سے ایک ماہ کے اندر اندر وہاں سے نکل جانے کا آخری نوٹس دیا گیا جس کے اختتام پر اس نے مجبور ہو کر عمارت بکلّی خالی کر دی اور اپنے بعض احمدی عزیزوں کے ہاں چلی گئی۔

مالکہ زمین کا قبولِ احمدیّت

چنانچہ پھر مزید تین صد پونڈ لگا کر اس عمارت کی مرمت کی گئی۔ ایک حصّہ کو تبدیل کر کے اور باقاعدہ محراب وغیرہ بنا کر اُسے مسجد کی شکل دے دی گئی اور اس کا مسجد فضلِ عمرؓ نام رکھا گیا۔ ایک حصّہ احمدیّہ لائبریری اور ریڈنگ روم اور آفس کے لئے استعمال ہونے لگا۔ اور باقی حصّہ میں کچھ تبدیلیاں کر کے اسے مبلّغین اور مہمانوں کیلئے استعمال

کیا جانے لگا۔ اور خالی زمین باغیچہ میں تبدیل کر دی گئی۔ اس کے تقریباً گیارہ سال بعد ۱۹۷۲ء میں اس بیوہ عورت اور اس کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری ایم۔اے سابق مبلغ انچارج احمدیہ مشن فجی کے ذریعہ باقاعدہ جماعت میں شمولیت کی توفیق دے دی۔ بیعت کے وقت ایک وجہ بیعت کرنے کی اس نے حلفیہ طور پر مولانا صاحب موصوف کو یہ بتائی کہ ۱۹۵۸ء کے لگ بھگ ایک شب اس نے خواب دیکھا تھا کہ اس کا وہی مکان (جو جماعت نے اس سے خریدا تھا) مسجد میں تبدیل ہو گیا ہے اور لوگ اس میں نمازیں پڑھنے آ رہے ہیں۔ لیکن چونکہ اس زمانہ میں اسے نماز و روزہ سے چنداں دلچسپی نہ تھی اس لئے اس نے اس خواب پر کوئی غور نہ کیا۔ اور نہ کسی سے اس خواب کا ذکر کیا اور بعد میں وہ خواب اس کے ذہن سے بھی اُتر گیا۔ مگر پھر بارہ سال بعد یاد آگیا۔ کیونکہ اب واقعات نے اسے سچا ثابت کر دیا تھا۔ اور اس کا وہ مکان مشیتِ الٰہی سے مسجد میں تبدیل ہو کر ہزاروں مومنوں کی سجدہ گاہ بن چکا تھا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی۔

فجی کو روانگی کے متعلق ایک خواب ۱۹۶۱ء میں دفتر وکالتِ تبشیر تحریک جدید کی طرف سے مجھے حکم ملا کہ جزائر فجی کے لئے میرا پرمٹ آگیا ہے مَیں فوری طور پر سفر کے لئے تیار ہو جاؤں۔ مجھے چونکہ خواب میں بتایا جا چکا تھا کہ فجی کے لئے میری ربوہ سے روانگی اکتوبر ۱۹۶۱ء میں ہی ہو گی اس سے پہلے نہیں ہو سکتی اس لئے میں نے عرض کیا کہ مَیں تو حسبِ حکم سفر کے لئے ہر طرح سے تیار ہوں تاہم مَیں نے خواب دیکھا ہے کہ میری روانگی اکتوبر سے پہلے نہیں ہو گی۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ ایئر کمپنی کی طرف سے اطلاع آچکی تھی کہ میرے لئے سیٹ کی ریزرویشن ہو چکی ہے پھر بھی ایسی روکیں پیدا ہوتی گئیں کہ میری ریزرو شدہ سیٹ کئی بار مختلف رکاوٹوں کی وجہ سے کینسل ہوتی گئی اور واقعی جس طرح مجھے خواب میں بتایا گیا تھا میری روانگی اس کے کئی ماہ بعد اکتوبر ۱۹۶۱ء ہی میں ہوئی۔

جزائر فجی کو روانگی سے قبل کامیابی کی بشارت اسی طرح اکتوبر ۱۹۶۱ء میں جزائر فجی کا سفر اختیار کرنے سے چند روز قبل مَیں نے خواب دیکھا کہ مَیں فجی کے کسی جزیرہ میں ہوائی جہاز سے

اُترا ہوں اور وہاں سے کچھ فاصلہ پر مجھے ایک ایسی جگہ لے جایا گیا ہے جہاں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس کی ٹین کی چھت چند ستونوں پر قائم ہے گویا مسجد چاروں طرف سے کھلی ہے اور پھر اسی مسجد میں چند بنگالی اور پٹھان نسل کے مسلمان بھائیوں کی طرف سے مجھے شاندار استقبالیہ دیا گیا ہے اور میری آمد پر بڑی خوشی منائی گئی ہے۔ چنانچہ یہ مبشر خواب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یوں پورا فرمایا کہ جب خاکسار پاکستان سے روانہ ہو کر جزائر فجی کی ناندی (NANDI) انٹرنیشنل ائیر پورٹ پر اُترا تو وہاں میرے استقبال کے لئے حاجی محمد رمضان خان مرحوم سابق صدر جماعت احمدیہ ناندی کی سرکردگی میں بیس پچیس پٹھان اور بنگالی نسل کے مسلمان بھائی موجود تھے۔ جو میری آمد پر بہت خوش ہوئے اور مجھے موٹر میں بٹھا کر ناندی شہر میں ایک بالکل ویسی ہی چھوٹی سی مسجد میں لے گئے جیسی کہ مَیں نے خواب میں دیکھی تھی۔ جہاں شہر کے دوسرے لوگوں کو بُلا کر ایک جلسہ کی صورت میں میرا خیر مقدم کیا گیا۔ اس کے بعد خاکسار اس مسجد میں کچھ عرصہ نماز پڑھاتا رہا۔ وہ مسجد در اصل ہمارے غیر مبائع بھائیوں کی تھی اس لئے ناندی کے نو مبائع احمدی احباب نے پھر جلد ہی دوسری جگہ اپنی مسجد کا انتظام کر لیا۔ جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جماعت کو وہاں بہت ترقی عطا فرمائی۔ یاد رہے کہ رؤیا میں مسجد سے مراد جماعت ہوتی ہے اس لحاظ سے بھی یہ رؤیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے گویا ایک بشارت تھی کہ پاکستان سے میرے ناندی پہنچتے ہی وہاں اللہ تعالیٰ ہمیں مبایعین کی ایک مخلص جماعت عطا فرما دے گا جس کے ذریعہ وہاں مرکز قائم ہوگا۔ اور احمدیہ مسجد بھی بنے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔

آگ کا ایک قہری نشان

جب ۱۹۶۸ء میں ہم نے فجی کے مشہور شہر "با" (BA) میں احمدیہ مشن کی برانچ کھولنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے ایک مناسب حال مکان بھی خرید لیا تو اس شہر میں ہماری شدید مخالفت شروع ہو گئی۔ مخالفین کوشش کرنے لگے کہ جیسے بھی ہو تبلیغِ اسلام کا یہ مشن "با" شہر میں کامیاب نہ ہونے پائے اور ہمارے قدم وہاں نہ جمیں۔ اس وقت وہاں ہمارے مخالفین کا سرغنہ وہاں کا ایک صاحب اقتدار شخص "ابوبکر کویا" نامی تھا۔ چنانچہ اس نے اور دیگر مخالفین نے شہر میں یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ وہ احمدیوں کے "با" مشن کی عمارت

کو جلادیں گے۔ تاہم ہم سے جس قدر ممکن ہو سکا ہم نے حفاظتی انتظامات کر لئے اس عمارت کے سامنے پولیس سٹیشن تھا انہیں بھی توجہ دلائی گئی۔ چنانچہ پولیس نے ہمیں ہمارے مشن ہاؤس کی حفاظت کا یقین بھی دلایا۔ پھر بھی ایک رات کسی نہ کسی طرح مخالفین کو ہمیں نقصان پہنچانے کا موقعہ مل گیا۔ اور ان میں سے کسی نے ہمارے مشن ہاؤس کے ایک حصہ پر تیل ڈال کر آگ لگا دی اور یہ یقین کر کے کہ اب آگ ہر طرف پھیل جائے گی اور ہمارے مشن ہاؤس کو خاک سیاہ کر دے گی۔ آگ لگاتے ہی آگ لگانے والا فوراً بھاگ گیا۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ہمیں پتہ لگنے سے پہلے ہی وہ آگ بغیر کوئی خاص نقصان کئے خود ہی بجھ گئی یا بجھادی گئی۔ اگلے روز سفر سے واپسی پر ہم نے دیکھا کہ عمارت کی اس طرف جہاں عمارت کا اکثر حصہ لکڑی کا تھا۔ آگ لگائی گئی تھی جس سے چند لکڑی کے تختے جل گئے مگر وہ آگ آگے بڑھنے سے قبل ہی بجھ گئی۔ چنانچہ اسی روز اس کی مرمت کرادی گئی۔ تاہم جب ہم آگ کے نقصان کا موقعہ پر جائزہ لے رہے تھے تو اس وقت کے مبلغ انچارج محترم مولانا نور الحق صاحب انور نے اس جلے ہوئے کمرے پر کھڑے ہو کر بڑے دُکھ بھرے انداز میں آہ بھر کر کہا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے دینِ اسلام کی اشاعت کا یہ مرکز جلانے کی کوشش کی ہے خدا اس کے اپنے گھر کو آگ لگا کر راکھ کر دے۔ چنانچہ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کے چند روز بعد اچانک "یا" میں ہمارے مخالفین کے سرغنہ ابوبکر کو یا کے گھر کو آگ لگ گئی اور باوجود بجھانے کی ہر کوشش کے اس کا وہ رہائشی مکان سارے کا سارا جل کر راکھ ہو گیا۔

تائیدِ ایزدی کے بعض ایمان افروز نشانات

از مکرم مولانا عطاء اللہ صاحب کلیم سابق امیر و مبلغ انچارج جماعتہائے احمدیہ گھانا (مغربی افریقہ)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سلسلہ عالیہ احمدیہ کا ہر خادم میدانِ جہاد میں ایسے متعدد

واقعات کا مشاہدہ کرتا ہے جو ایک طرف اسلام اور احمدیت کی صداقت اور تائید خداوندی کا ثبوت ہوتے ہیں تو دوسری طرف دلوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات پر یقین کامل پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ ذیل میں دو تین واقعات حصولِ ثواب کی خاطر بیان کئے جاتے ہیں

قرآن کریم کا احترام نہ کرنے کا نتیجہ

پہلا واقعہ۔ غانا مغربی افریقہ میں جہاں خاکسار کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے انیس سال خدماتِ دینیہ بجا لانے کی توفیق ملی۔ ۱۹۷۱ء میں جماعت کا ایک وفد خاکسار کی سرکردگی میں اس وقت کے وزیر اعظم غانا آنریبل ڈاکٹر کے۔ اے بوسیا DR. K. A. BUSIA کو قلعہ اوسو OSU CASTLE میں جو دار الخلافہ عکرا میں صدارتی کمیشن اور وزیر اعظم کے دفاتر کے طور پر استعمال ہوتا تھا ملا۔ خاکسار نے ایڈریس میں جماعت غانا کی طرف سے آنریبل موصوف کو گھانا کی SECOND REPUBLIC دوسری جمہوریہ کے پہلے وزیر مقرر ہونے پر مبارکباد دی۔ اور ساتھ ہی جماعت احمدیہ کی مختصر تاریخ اور اس کی تبلیغی اور تعلیمی خدمات کا ذکر کیا۔ نیز اس تقریب کی یادگار کے طور پر انگریزی ترجمہ قرآن کریم اور بعض دیگر اسلامی کتب بھی انہیں پیش کیں۔ آنریبل موصوف یونیورسٹی گھانا میں سوشیالوجی کے پروفیسر رہ چکے تھے۔ اور وزیر اعظم کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے کے باوجود عموماً ہر اتوار کو کسی نہ کسی گرجا میں خطبہ بھی پڑھا کرتے تھے۔ گویا اپنے رنگ میں وہ مکمل پادری بھی تھے۔ خاکسار جب اپنا ایڈریس پیش کرتے ہوئے اسلامی تعلیم اور قرآنِ مجید کے فضائل بیان کر رہا تھا تو آنریبل موصوف کے چہرہ کی حالت ان کے اندرونہ کو ظاہر کر رہی تھی۔ جسے ممبرانِ وفد نے بھی مشاہدہ کیا۔ مگر آنریبل موصوف کی اسلام دشمنی اس وقت کھل کر سامنے آئی۔ جب انہوں نے تمام آداب کو بالائے طاق رکھکر اسّی کروڑ انسانوں کی مقدس کتاب کو کرسی سے اُٹھکر وصول کرنے کی بجائے عمداً کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی وصول کیا۔

جب ممبرانِ وفد آنریبل موصوف کے دفتر سے باہر آئے تو ہر ایک نے ان کی اس نازیبا حرکت پر افسوس کا اظہار کیا اور جماعت گھانا کے وسطی ریجن کے ریجنل صدر مکرم عثمان بن آدم U. B. ADAM. نے تو برملا کہدیا کہ اس شخص نے خدا تعالیٰ کے کلام قرآن کریم کو عزت نہیں دی اس کا خمیازہ یہ جلد بھگت لے گا۔ چنانچہ کچھ

عرصہ بعد جب آنریبل موصوف ملک سے باہر گئے تو فوج نے ان کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔ جس کے بعد اب تک وہ مُلک بدری کی زندگی گزار رہے ہیں۔

نازک حالات میں تائیدِ الٰہی

دوسرا ایمان افروز واقعہ حضرت امیر المؤمنین حافظ مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی جاری کردہ نصرت جہاں آگے بڑھو سکیم کے ماتحت گھانا میں قائم شدہ چار ہسپتالوں میں سے ایک ہسپتال سے تعلق رکھتا ہے۔

یہ ہسپتال وسطی ریجن گھانا کے قصبہ سویڈرو AGONA SWEDRU میں قائم کیا گیا تھا۔ اس کے پہلے ڈاکٹر مکرم ڈاکٹر آفتاب احمد صاحب ایم۔ بی بی ایس تھے جنہوں نے ۱۹۷۱ء میں وہاں سب سے پہلے نہایت اخلاص سے خدمتِ خلق کا فریضہ سرانجام دینا شروع کیا۔ چونکہ ہسپتال ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں تھا اور اصل مقصد جلد از جلد علاج کی سہولتیں مہیّا کرنا تھا ڈاکٹر صاحب موصوف نے لکڑی کے ایک عام میز پر ہی اپریشن کرنا شروع کر دیئے اور اللہ تعالےٰ شافیٔ مطلق اُن کے مریضوں کو شفا عطا فرما دیتا رہا اور اپریشن کامیاب ہوتے رہے۔

اس وقت وسطی ریجن کے ریجنل میڈیکل آفیسر ایک بنگالی ہندو تھے جب وہ ہسپتال کے معائنہ کے لئے گئے تو وزارت صحت کے معیاری اپریشن میز کو نہ پا کر آگ بگولہ ہو گئے۔ مکرم ڈاکٹر صاحب نے حقیقتِ حال کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ معیاری اپریشن میز مارکیٹ میں مہیّا نہیں ہے مگر ریجنل میڈیکل آفیسر نے کسی معذرت کو قبول نہ کیا اور پہلے تو اپریشن بند کرنے کا حکم دے دیا اور بعد میں مرکزی وزارت صحت میں رپورٹ کر کے فروری ۷۲ء میں سویڈرو کا یہ احمدیہ ہسپتال ہی بند کروا دیا۔ اور اس طرح اس سارے علاقہ کے لوگوں کو جماعت کی طرف سے مہیّا کردہ طبّی سہولتوں سے محرومِ کر دیا۔

خاکسار جب مارچ ۱۹۷۲ء میں آخری مرتبہ گھانا پہنچا تو جماعت کے ہسپتال کے بند ہونے کا معلوم کر کے مجھے بہت افسوس ہوا۔ خاکسار نے ریجنل میڈیکل آفیسر۔ ریجنل کمشنر وسطی ریجن اور مرکزی وزارت صحت کے اعلیٰ افسران سے ہسپتال کے کھلوانے کے سلسلہ میں متعدد ملاقاتیں کیں مگر بے سُود ثابت ہوئیں۔

تاہم جونہی معیاری اپریشن میز مارکیٹ میں میسر ہؤا چھ ہزار چار صد روپے خرچ کر کے خرید لیا گیا۔ اور متعلقہ افسران کو اس کی اطلاع کر دی گئی مگر پھر بھی ریجن میں ہندو آفیسر اور مرکز میں کیتھولک آفیسر کے تعصّب کی وجہ سے ہسپتال کئی ماہ بند رہا۔

قصّہ کوتاہ جماعت کا ایک وفد خاکسار کی سرکردگی میں وزیر صحت سے جو فوجی حکومت کی وجہ سے کمشنر برائے وزارتِ صحت کہلاتے تھے ملنے کے لئے گیا۔ اس وفد میں میرے علاوہ الحاج ممتاز آرتھر صدر جماعت احمدیہ گھانا۔ الحاج الحسن عطا۔ ایم بی ای ریجنل صدر جماعت اشانٹی ریجن۔ بریگیڈیر (ریٹائرڈ) مکرم ڈاکٹر غلام احمد صاحب ایم۔ بی بی ایس ایف آر سی میڈیکل آفیسر احمدیہ ہسپتال کوکو اشانٹی۔ مکرم ڈاکٹر سیّد غلام مجتبیٰ شاہ صاحب ایم۔ بی بی ایس میڈیکل آفیسر احمدیہ ہسپتال سوکری اشانٹی۔ مکرم ڈاکٹر آفتاب احمد صاحب ایم۔ بی بی ایس میڈیکل آفیسر احمدیہ ہسپتال سویڈرو اور جماعت کے مشیر قانونی الحاج بشیر کوسوا نزہی بار ایٹ لاء جو ڈاکٹر نکروما کی حکومت میں اٹارنی جنرل اور وزیر انصاف بھی رہ چکے تھے اور جنہوں نے دورانِ قید جماعت کا لٹریچر پڑھ کر اسلام قبول کیا تھا۔ کمشنر برائے وزارت صحت جن کا نام غالباً ایجے ٹے ADYETE ڈینٹل سرجن تھا اور کرنل کے عہدہ پر فائز شامل تھے۔

دورانِ گفتگو مکرم ڈاکٹر سیّد غلام مجتبیٰ شاہ صاحب نے ایک بات کی وضاحت کرنی چاہی تو کمشنر صاحب جو شاید موقع کی تلاش ہی میں تھے برافروختہ ہو گئے اور شاہ صاحب کو مخاطب ہو کر کہنے لگے کیا تم اپنے ملک (پاکستان) میں اس طرح کسی وزیر سے خطاب کر سکتے ہو۔ چونکہ مکرم ڈاکٹر شاہ صاحب سندھ میں پراونشل ڈائریکٹر آف ہیلتھ رہ چکے تھے انہوں نے صاف کہا کہ ہاں میَں اپنے ملک میں اسی تہذیب طریق کے ساتھ بات چیت کرتا رہا ہوں۔ اُن کا اتنا کہنا تھا کہ کمشنر صاحب غصّہ سے لال پیلے ہو گئے اور آپے سے باہر ہو کر جوش میں کہا کہ مَیں دیکھوں گا کہ تم اس ملک میں کس طرح رہ سکتے ہو۔ یا مَیں اس کرسی (یعنی کرسی وزارت صحت) پر رہونگا یا تم اس ملک میں رہوگے۔ چونکہ کمشنر صاحب غصّہ میں جلدی جلدی انگریزی میں بول

رہے تھے اس لئے الفاظ ممکن ہے کچھ اَور ہوں تاہم مفہوم یہی تھا۔
اس چیلنج نما اور ناروا گفتگو کے بعد وہ کھڑے ہو گئے اور میٹنگ برخاست ہو گئی۔ ہمارا وفد تو گیا تھا کہ سویڈرو ہسپتال جو سات آٹھ ماہ سے بند تھا اس کو کھلوایا جائے مگر اس کے برعکس ہمارا دوسرا بہت ہی کامیاب ہسپتال واقع اسوکری بھی اپنے تجربہ کار اور ماہر ڈاکٹر سے محروم ہونے کے خطرہ میں پڑ گیا۔
تاہم خاکسار نے وزارتِ صحت کے دفتر سے نکل کر فوری طور پر ایک تار حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمتِ اقدس میں دعا کے لئے ارسال کیا۔ اور تفصیلی خط مع تار کی نقل کے رجسٹری کرتے ہوئے دعا کی مکرر درخواست کی۔ جماعت احمدیہ گھانا کو بھی دعاؤں کی تاکید کی گئی۔ نیز دعاؤں کے ساتھ جو ذرائع میسّر تھے ان کو بھی بروئے کار لایا گیا۔ کیونکہ ہمارے واقفین ڈاکٹرز صاحبان تو خدمتِ خلق کے جذبہ سے سرشار خلیفۂ وقت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنی ملازمتوں سے رخصت بلا تنخواہ لے کر ارضِ بلال کے باشندوں کو طبّی سہولتیں مہیا کرنے گئے تھے اور ہر قیمت پر اپنا یہ فریضہ جاری رکھنا چاہتے تھے۔
بہر حال معاملہ صدرِ مملکت تک بھی پہنچا اور مکرم ڈاکٹر صاحب کی تحریری معذرت پر ختم ہوا اور پھر ہمارا سویڈرو ہسپتال بھی جلد دوبارہ کھُل گیا۔
مگر وہ متعصّب کمشنر صاحب جو ڈاکٹر بھی تھے وزارتِ صحت سے فوری طور پر تبدیل کر کے وزارتِ صنعت میں بھیج دیئے گئے اور بعد میں وہاں سے بھی جلد ہی ریٹائر کر دیئے گئے۔ مگر ہمارے ڈاکٹر سیّد غلام مجتبیٰ صاحب اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسوکری ہسپتال کو مزید دو سال تک کامیابی سے چلاتے رہے بلکہ ہسپتال کی عمارت کی تعمیر و تکمیل اور جدید سامان سے اُسے آراستہ کرنے کے بعد کامیابی سے اپنی رخصت کے اختتام پر گھانا سے واپس پاکستان آئے کچھ عرصہ بعد پاکستان میں رخصت گزارنے کے بعد نصرت جہاں سکیم کے ماتحت نائیجیریا میں خدمتِ خلق پر مامور رہے اور آج کل سیرالیون میں نصرت جہاں کے ہسپتال واقع روکوپور میں خدمات بجا لا رہے ہیں فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔
تیسرا واقعہ جو ہر احمدی کے لئے ازدیادِ ایمان کا باعث ہے وہ ۱۹۷۳ء کا ہے۔ جماعت احمدیہ

گھانا کا مرکز آغاز مشن سے ہی سالٹ پانڈ کا قصبہ رہا ہے جو عکرا دارالحکومت سے ۷۰ میل کے فاصلہ پر ہے (۱۹۷۸ء سے جماعت کا مرکز عکرا میں منتقل ہو چکا ہے) وہاں ایک دن ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھانے پر معلوم ہوا کہ ٹیلیفون OSU CASTLE عکرا سے ہے جو ہیڈ آف دی سٹیٹ یعنی صدر مملکت کا دفتر ہے۔ پیغام یہ تھا کہ صدر مملکت نے خاکسار عطاء اللہ کلیم امیر جماعتہائے احمدیہ گھانا کو دوسرے دن دس بجے صبح اپنے دفتر میں بلایا ہے۔ جمہوریہ گھانا کے صدر مملکت کی طرف سے بلاوا آنے پر فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں کسی اور ہسپتال کے متعلق شکایت نہ کر دی گئی ہو یا جماعت کے خلاف کسی نے صدر مملکت کے کان نہ بھر دیئے ہوں۔ بہر حال مختلف خیالات آکر پریشانی کا باعث بنے۔ تاہم مومن کا کام چونکہ ہر مشکل مرحلہ پر اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنا اور اسی سے ردِّ بلا اور نصرت وتائید کے لئے فریاد کرنا ہے اس لئے حتی المقدور دُعا کی گئی۔

دوسرے دن OSU CASTLE پہنچا تو تمام متعلقہ افسران وغیرہ انتظار میں تھے اور خاکسار درجہ بدرجہ مراحل سے گزرتا ہوا صدر مملکت کے پرسنل سیکرٹری کے پاس جو ایک لیفٹیننٹ کرنل تھے پہنچا۔ تمام افسران بڑے تپاک سے ملتے اور خوش آمدید کہتے رہے۔ پرسنل سیکرٹری صاحب خاکسار کو صدرِ مملکت کے ملاقات کے کمرہ میں لے گئے اور وہاں بٹھا کر فوراً باہر چلے گئے۔

اب کمرہ میں صدرِ مملکت اور خاکسار کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ صدرِ مملکت بھی نہایت عزت سے پیش آئے اور گفتگو کا آغاز اس طرح کیا۔ کہ میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ میرے خلاف کچھ سازشیں اور ریشہ دوانیاں ہو رہی ہیں۔ آپ میرے لئے دعا کریں اور جماعت احمدیہ کے سپریم ہیڈ یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز امام جماعت احمدیہ کو بھی لکھیں کہ وہ میرے لئے دُعا فرمائیں۔

خاکسار نے ان کے لئے دعا کا وعدہ کیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں پہلے تار کے ذریعہ اور پھر تفصیلی خط میں دعا کی درخواست کی۔

چنانچہ حضور انور کی طرف سے جواب ملا کہ دعا کی گئی ہے۔ ماہ ڈیڑھ ماہ کے بعد

حکومت کی ایک فیکٹری کے افتتاح کی رسم کی ادائیگی کے لئے صدر مملکت H. E. COL. I. K. ACHEAM PONG سالٹ پانڈ تشریف لائے۔ اور معززین قصبہ کی ان سے ملاقات ہوئی تو خاکسار نے صدر مملکت کو بتایا کہ ان کا مفوضہ کام کردیا گیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس وقت تک ان کی جملہ پریشانیاں دور ہوچکی تھیں۔ اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی بابرکت دعاؤں کے نتیجہ میں اس صدر مملکت نے ۱۹۷۸ء تک یعنی پانچ چھ سال بڑی شان سے حکومت کی اور جولائی ۱۹۷۸ء میں بعض وجوہ کی بناء پر خود استعفےٰ دے کر حکومت سے الگ ہوگئے۔

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے قائم کردہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کو کس قدر عزت عطا فرمائی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خادموں کے ایک خادم کو گھانا جیسے اہم ملک کے صدر مملکت خود بلا کر یہ درخواست کرتے ہیں کہ ان کے لئے دعا کی جائے فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

چند دلچسپ تبلیغی واقعات

(از مولانا بشارت احمد صاحب بشیر ایم۔ اے سابق امیر و مبلغ انچارج گھانا و سیرالیون)

مولانا بشارت احمد صاحب بشیر ایم۔ اے قادیان سے ۲۳؍ اپریل ۱۹۴۶ء کو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے نائیجیریا تشریف لے گئے اور وہاں حضرت مولانا حکیم فضل الرحمٰن صاحب مرحوم امیر نائیجیریا کے ہمراہ لیگوس میں فریضۂ تبلیغ بجالاتے رہے۔ وہاں سے اکتوبر ۱۹۴۶ء میں سیرالیون کے لئے روانہ ہوکر ۲۷؍ اکتوبر کو فری ٹاؤن (سیرالیون) پہنچے اور فروری ۱۹۴۹ء تک شمالی صوبہ کے قصبہ مکالی میں بطور تاجر مبلغ مصروف کار رہے۔ فروری ۱۹۴۹ء کے آخر میں سیرالیون سے ان کا گولڈ کورٹ (گھانا) تبادلہ ہوگیا جہاں وہ بطور مبلغِ اسلام تقریباً چار سال تک کماسی اور دیگر علاقوں میں کام کرنے کے بعد ۲۵؍ دسمبر ۱۹۵۲ء کو ربوہ واپس آئے۔ واپسی پر

گھانا کے دو طالب علم مکرم عبدالوہاب بن آدم اور بشیر بن صالح جامعہ احمدیہ میں تعلیم کے لئے اپنے ساتھ لائے۔ عبدالوہاب بن آدم صاحب اب جامعہ احمدیہ کے فارغ التحصیل ہیں اور اس وقت گھانا کے امیر و مبلّغ انچارج ہیں۔

ربوہ میں قیام کے دوران مولانا بشیر صاحب تقریباً سات سال نائب وکیل التبشیر تحریک جدید کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ دوسری مرتبہ وہ ربوہ سے ۱۹ مئی ۱۹۶۲ء کو سیرالیون کے لئے روانہ ہوئے اور تقریباً پانچ سال تک وہاں امیر و مبلغ انچارج سیرالیون کے فرائض ادا کرتے رہے وہاں سے ۱۴ ستمبر ۱۹۶۶ء کو ربوہ واپس آکر پھر ۸ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو مکرم وکیل التبشیر صاحب تحریک جدید کے ہمراہ بطور سیکرٹری جاپان گئے جہاں سے ۱۶ نومبر ۱۹۶۸ء کو واپسی ہوئی۔ اس کے بعد ۲۷ مارچ ۱۹۷۰ء کو بطور امیر و مبلغ انچارج دوبارہ گھانا بھیجے گئے۔ جہاں سے تقریباً دو سال بعد ۱۴ جنوری ۱۹۷۲ء کو واپس ربوہ آنا ہوا۔ آجکل تحریک جدید میں نائب وکیل التبشیر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

قادیان دارالامان سے ۲۳ اپریل ۱۹۴۶ء کو خاکسار (بشارت احمد بشیر) کی مغربی افریقہ کو روانگی ہوئی۔ میرے ہمنام مکرم مولوی بشارت احمد صاحب امروہی بھی میرے ہمرکاب تھے روانگی سے ایک روز قبل دارالمجاہدین میں ایک الوداعی تقریب منعقد ہوئی جس میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالٰے عنہ نے بنفسِ نفیس تشریف لاکر ہمیں اپنی زرّیں نصائح سے نوازا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ناموں سے بھی فال لی جاتی ہے بشارتین کی روانگی سے مَیں نیک فال لیتا ہوں۔ یہ عجیب بات ہے کہ بمبئی سے جس جہاز سے ہم سوار ہوئے اس کا نام بھی رضوآنی تھا۔ یہ بھی ہمارے لئے خدا تعالیٰ کی رضا اور فضل کے شاملِ حال رہنے کا اچھا شگون تھا۔ مغربی افریقہ کے ممالک نائیجیریا۔ گھانا۔ اور سیرالیون میں خاکسار کو کم و بیش سولہ سال خدمتِ اسلام کا فریضہ بجالانے کی توفیق ملی۔ اس دوران جو غیر معمولی واقعات میرے مشاہدہ میں آئے اور ازدیادِ ایمان کا باعث بنے ان میں سے بعض پیشِ خدمت ہیں۔

جس وقت مَیں قادیان سے رخصت ہو رہا تھا۔ تو ایک احمدی تاجر ایک بہت بڑا کیک تیار کر کے اسٹیشن پر میرے لئے لائے۔ اس وقت ایک بزرگ میرے پاس کھڑے تھے۔ فرمانے لگے خدا تعالےٰ نے آپ کے رزق کا سامان یہاں سے ہی مہیا کر دیا ہے اس لئے گھبرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس بزرگ کی یہ بات میرے دل میں میخ کی طرح گڑ گئی۔ بمبئی سے روانگی کے بعد ہمارا جہاز عدن کی بندرگاہ پہ لنگر انداز ہوا۔ ہمارا وہاں دو روز قیام رہا۔ ان دنوں یمن کے ولی عہد احمد بن یحییٰ عدن میں سلطان کے محل میں فروکش تھے ہم جب ان کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو ہمارے اجنبی ہونے کے باوجود وہ ہمیں نہایت خندہ پیشانی سے ملے۔ اور ہم دونوں کو اپنے پہلو میں لے لیا۔ اور عربوں کی رسم کے مطابق ہمیں پیار کیا۔ مَیں نے بتایا کہ ہم ہندوستان سے آئے ہیں اور تبلیغِ اسلام کے لئے مغربی افریقہ جا رہے ہیں۔ اور ہم حضرت احمد قادیانی علیہ السلام کے پَیرو ہیں۔ جو مسیح اور مہدی ہونے کے مدعی ہیں۔ اس موقع پر حضور کی کتاب "التبلیغ" انہیں پیش کی گئی جو انہوں نے بخوشی قبول کی اور ایک اچھی خاصی رقم ہمیں عطا کی جو بعد میں ہم نے عدن مشن کو بطور اعانت پیش کر دی۔

اسی طرح سیرالیون میں جب میں مگبورکا کے مشن کا انچارج تھا۔ وہ ابتدائی ایام تھے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میرے پاس پیسے نہیں تھے اس لئے سارا دن کھانا نصیب نہ ہوا۔ دوسرے روز جمعہ کا دن تھا۔ سب دوست مسجد میں تشریف لائے۔ لیکن ہمارے ایک شامی عرب السیّد امین خلیل سکیکی جو نمازوں کی ادائیگی میں باقاعدہ تھے تشریف نہ لا سکے۔ خیال آیا شاید ان کی طبیعت علیل ہو۔ اس لئے مَیں انہیں ملنے چلا گیا۔ جب انہوں نے مجھے دور سے آتے دیکھا تو اپنی دکان چھوڑ کر سیدھے میری طرف چلے آئے اور کہنے لگے کہ مَیں شہر سے باہر اور جگہ (مکینی) گیا ہوا تھا اور باوجود کوشش کے نماز جمعہ میں شریک نہیں ہو سکا۔ جس کا ازحد افسوس ہے۔ میرے دل میں بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ آپ آئیں تو اکٹھے مل کر کھانا کھائیں۔ اور یہ کہکر جیب میں ہاتھ ڈالا اور مبلغ تین پونڈ چندہ بھی دیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد اپنی بیوی کو مخاطب ہو کر کہا یا اُمّ عبدالرؤف استاد بشیر کے لئے اچھے کپڑے کا انتخاب کرو۔ چنانچہ میرے لئے ایک عمدہ سوٹ تیار کروایا گیا۔ اس وقت مجھے حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ

کا یہ ارشاد یاد آگیا۔ کہ جو عربی علوم حاصل کرکے خدمتِ اسلام کا فریضہ سرانجام دینگے خدا تعالےٰ اُن کی ضروریات کا خود متکفل ہوتا رہے گا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

ایتھیوپیا۔ سابقہ فرانسیسی مقبوضات میں مختصر قیام اور مباحثہ

عدن سے جب پورٹ سوڈان کے لئے روانگی ہوئی تو پورٹ سوڈان میں ہم نے ایک یونانی عیسائی کے ہوٹل میں قیام کیا۔ یہاں ایک حجازی عرب ایک سوڈانی پاسپورٹ آفیسر اور ایک مصری تاجر سے ملاقات ہوئی جو اس ہوٹل میں قیام پذیر تھے۔ انہیں احمدیت سے متعارف کرایا۔ حجازی کہنے لگا کہ سوڈانی باشندے بہیمیت اور بربرّیت کے خوگر ہیں۔ اس لئے جب تک آپ اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ نہ جائیں کسی سوڈانی کو تبلیغ مت کریں۔ سوڈانی باشندوں کی اکثریت اپنی حفاظت کے لئے اکثر اپنے پاس خنجر رکھتی ہے جو ہمیشہ ان کے بازو کے اُوپر کے حصہ میں بندھا ہوتا ہے۔

ربّ العزّت کے حضور دعا اور اس کی قبولیت

۱۹۷۱ء کا ذکر ہے کہ گھانا میں خاکسار نے وسیع پیمانہ پر تبلیغِ اسلام کی مہم کا آغاز کیا جس میں ۸۰ کے قریب مبلّغین اور رضا کاروں نے حصّہ لیا اور دو ماہ تک متواتر ہم گھانا کے شمالی علاقہ میں تبلیغِ اسلام میں ہمہ تن مصروف رہے اس علاقہ میں کسی وقت مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ لیکن بعد میں یہاں کے باشندوں نے پادریوں کے زیرِ اثر جنہیں حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔ عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ ہماری اس منظم تبلیغ کا اپنوں اور غیروں میں خوب چرچا ہوا۔ آخر ہماری متواتر کوششوں کے نتیجہ میں اس علاقہ میں نو (۹) مخلص اور فعّال جماعتیں معرضِ وجود میں آئیں۔ جو خدا تعالےٰ کے فضل سے اب ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہیں۔ اس تبلیغی مہم کے دَوران سولا (SOLA) کے مقام پر بھی ایک خاندان کو اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ایک دن جو میرا اس شہر سے گزر ہُوا تو اس خاندان کے سربراہ کو مَیں نے بہت پریشان پایا۔ وجہ دریافت کرنے پر اس نے بتایا۔ کہ اس کے دو لڑکے ضربۃ الشمس (Heat Stroke) سے بیہوش پڑے ہیں اس وقت مکرم لطیف احمد صاحب مرحوم سابق پرنسپل کماسی

اور کمال دین صاحب بنگالی حال پرنسپل فومنا سیکنڈری سکول بھی میرے ہمراہ تھے۔ مَیں نے اسے تسلّی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ہم دوا بھی دیں گے اور دُعا بھی کریں گے۔ اس وقت میرے بریف کیس میں امرت دھارا کی ایک شیشی تھی۔ مَیں نے اس کے چند قطرے چینی میں ملا کر انہیں کھلائے اور ان کی شفایابی کے لئے ربّ العزت کی بارگاہ میں نہایت عاجزی اور الحاح سے دعا بھی کی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوُا کہ وہ معجزانہ طور پر شفایاب ہو گئے جس کا اس شہر کے نومسلمین اور نومبایعین پر نہایت خوشگوار اثر ہوُا۔

ایک احمدی طالب علم کی غیرتِ ایمانی

مغربی افریقہ میں عیسائی مدارس نے عیسائیت کے فروغ میں ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ مسلمان طلبہ جو اِن اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ عموماً اسلامی جذبہ اور عقیدت سے محروم ہو جاتے ہیں لیکن احمدیہ جماعت نے مسلمان بچوں کے لئے مدارس کھول کر ان کی اس شکایت کا بھی کافی حد تک ازالہ کر دیا ہے۔ ہمارا ایک احمدی طالب علم جو کسی زمانہ میں ایک عیسائی ادارے میں تعلیم حاصل کرتا تھا اپنی خداداد ذہانت اور قابلیت کے باعث ہر کلاس میں اوّل نمبر پر پاس ہوتا تھا۔ عیسائی پادریوں نے اسے اپنے دام میں پھنسانا چاہا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سکول میں تقسیم انعامات کے موقع پر اسے ایک ڈبیہ انعام میں دی گئی جونہی اس نے اس ڈبیہ کو کھولا تو اس کے اندر سے صلیب نکلی۔ اس طالب علم کی غیرتِ ایمانی نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ صلیب کی ڈبیہ انعام میں قبول کرے۔ اس نے یہ کہکر کہ مَیں مسلمان ہوں آپ کی صلیب قبول نہیں کر سکتا۔ فوراً ڈبیہ ان کی طرف پھینک دی جس کی وجہ سے مجمع پر سنّاٹا چھا گیا اور جملہ حاضرین اس احمدی طالب علم کی غیرتِ ایمانی دیکھ کر عش عش کر اُٹھے۔ یہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انفاسِ قدسیہ کی ہی تاثیرات تھیں کہ ایک احمدی طالب علم نے اپنے عقیدہ کا برملا اظہار کر کے پادریوں کی خواہشات پر پانی پھیر دیا۔

ہسپتال کھولنے کی اجازت

۱۹۷۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ

تعالیٰ بنصرہ العزیز جب مغربی افریقہ کے تاریخی دَورہ پر تشریف لائے ٹیچمان برانگ اہافو ریجن میں بھی تشریف لے گئے اس علاقہ کے انچارج مکرم مولوی عبدالوہاب بن آدم تھے۔حضور نے مجھے اس جگہ ہسپتال کھولنے کا ارشاد فرمایا۔عیسائی مشن ہرگز پسند نہیں کرتے تھے کہ جماعت احمدیہ کا ان علاقوں میں اثرورسُوخ بڑھے۔چونکہ ملک میں کلیدی اسامیوں پر عیسائی عنصر غالب تھا اس لئے جب مَیں نے ٹیچمان میں ہسپتال کھولنے کی درخواست دی تو وزارت صحت کی طرف سے یہ جواب موصول ہُوا کہ جہاں آپ ہسپتال کھولنا چاہتے ہیں وہاں پر پہلے ہی دو ہسپتال موجود ہیں اس لئے آپ کو وہاں ہسپتال کھولنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔مَیں نے جماعت کو بتایا کہ ہمارے امام کا ارشاد ہے۔ اس لئے ہمارا ہسپتال بہرحال شہر ٹیچمان میں کُھل کر رہے گا۔خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا کون احاطہ کر سکتا ہے۔چند روز کے بعد خبر ملی کہ ہسپتال کا ڈاکٹر فوت ہو گیا ہے اور دوسرا ڈاکٹر نہ ملنے کے باعث وہ ہسپتال بند پڑا ہے۔اب حکومت کے پاس ہمیں اجازت نہ دینے کا کوئی جواز باقی نہ رہا۔اس لئے ہمیں وہاں ہسپتال کھولنے کی اجازت مل گئی۔اور اس طرح حضور کا منشاء مبارک پورا ہو کر جماعت کے افراد کے لئے ازدیادِ ایمان کا باعث بنا۔

شمالی گھانا کی جماعتوں کی مالی قربانی

شمالی گھانا کے علاقہ W.A میں ہماری جماعت اچھی خاصی تعداد میں پائی جاتی ہے۔اس علاقہ کے ایک بزرگ مکرم الحاج صالح ایک جیّد عالم تھے جنہوں نے مکرم الحاج نذیر احمد صاحب علی مرحومؓ کے ذریعہ کافی بحث وتمحیص کے بعد احمدیّت قبول کی تھی۔ان کے ذریعہ شمالی گھانا میں احمدیت کا آغاز ہُوا۔ جب اہالیانِ شہر W.A کو آپ کے قبول احمدیت کا علم ہُوا تو انہوں نے منظّم طور پر آپ کی مخالفت شروع کر دی۔ایک مرتبہ تو قتل کے ارادے سے دیوار پھاند کر ان کے گھر میں داخل ہو گئے۔مگر خدا تعالیٰ نے انہیں بچا لیا۔اس وقت برطانوی حکومت کا راج تھا۔نقضِ امن کے اندیشہ کے باعث دو مرتبہ انہیں شہر بدر ہونا پڑا۔لیکن جب مَیں پہلی بار اس علاقہ میں گیا تو ایک جلسہ میں چندہ کی اپیل کی۔ اور چند منٹوں میں چار ہزار سڈی یعنی دو ہزار پونڈ سٹرلنگ جمع ہو گئے۔تھوڑی

دیر بعد ایک معمّر دوست جن کی آنکھیں اشکبار تھیں اُٹھے اور کہنے لگے کہ دوستو! وہ وقت بھی یاد کرو جب الحاج صالح کو کمشنر نے مخالفین کے اکسانے پر ۲½ پونڈ جرمانہ کیا تھا تو ہم سب مل کر بھی یہ رقم اکٹھی نہ کر سکے تھے۔ اب یہ چار ہزار تو کیا ہم دین اسلام کے لئے چالیس ہزار بھی جمع کر سکتے ہیں۔" یہ انہوں نے سچ کہا۔ کیونکہ گزشتہ سال اس علاقہ کے احباب نے پچاس ہزار سڈی یعنی ۲۵ ہزار سٹرلنگ پونڈ تبلیغ اسلام کے لئے جمع کیا تھا۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔

یہ دراصل اسی بشارت کا ظہور ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متبعین کے بارہ میں دی تھی۔ کہ مَیں ان کے نفوس و اموال میں برکت ڈالوں گا جس کی ایک مثال شمالی گھانا کے احمدی افراد کی ہے۔

میدانِ جہاد کی چند ناقابلِ فراموش یادیں

از مکرم مولانا محمد اسحٰق صاحب صوفی فاضل امیر و مبلّغ انچارج جماعتہائے احمدیہ سیرالیون ولائبیریا مغربی افریقہ وگینیا مغربی افریقہ

خاکسار کو مغربی افریقہ میں پونے گیارہ سال تبلیغ اسلام کا موقع ملا ہے۔ جس کے دَوران اللہ تعالےٰ کے فضل سے خاکسار کو بعض اہم خدماتِ اسلام بجا لانے کا شرف حاصل ہوا۔ اس عرصہ میں سے تقریبًا پونے سات سال خاکسار نے سیرالیون مشن میں کام کیا، ۹ ماہ گھانا میں اور سوا تین سال لائبیریا میں جہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے جماعت کا پہلا تبلیغی مشن قائم کرنے کی توفیق بخشی۔ اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے جو جو نظارے نظر آئے ان سب کو بیان کرنے کے لئے ایک کتاب چاہیئے لیکن گنجائش کا لحاظ رکھتے ہوئے مولانا محمد صدیق صاحب فاضل امرتسری کے ارشاد کی تعمیل میں صرف دو واقعات کا ذکر کرتا ہوں۔

روکوپر کے پرانے عیسائی مشن کی ناکامی اور اسلام کی فتح

۱۹۴۶ء میں سیرالیون مشن کے انچارج مولانا

محمد صدیق صاحب فاضل امرت سری تھے اور مغربی افریقہ کے رئیس التبلیغ مولوی نذیر احمد صاحب علی مرحوم۔ میرے سیرالیون پہنچنے پر خاکسار کا تقرر روکوپر میں ہوا۔ روکوپر شہر اندرونِ ملک میں ہمارا سب سے پرانا مرکز ہے۔ جب خاکسار نے اس علاقہ کا چارج لیا۔ اس وقت روکوپر میں ہمارا ایک پرائمری سکول تھا جو اگرچہ شہر سے تقریبًا باہر تھا تاہم چونکہ دنیوی تعلیم کے ساتھ مسلمان بچوں کو یہاں دینی تربیت بھی میسّر تھی۔ اس لئے مسلمان بچے عیسائی سکول کو (جو شہر کے وسط میں تھا) چھوڑ کر ہمارے سکول میں ہی آیا کرتے تھے۔ یہ عیسائی سکول ایک امریکن مشن (A. W. MISSION) کے ماتحت یہاں عرصہ دراز سے قائم تھا۔ ہمارے سکول کی افادیت کی وجہ سے اس کی ترقی پہلے ہی مسدود ہو رہی تھی۔ مگر اب ایک عربی دان مبلّغ کے وہاں پہنچنے سے ان کا حوصلہ اور بھی پست ہوگیا۔ اور وہ اپنے سکول کو بند کرنے کی سوچنے لگے۔ چنانچہ بالآخر میری وہاں موجودگی میں ہی انہوں نے اسے بند بھی کر دیا۔ ہماری اس کامیابی پر سیرالیون کے دارالحکومت فری ٹاؤن کے ایک اخبار RENAISSANT AFRICAN نے ایک اداریتی مقالہ لکھکر عیسائیوں کو مشورہ دیا کہ چونکہ احمدیہ مسلم مشن روکوپر کے علاقہ میں قلعہ بند ہے اور اب احمدی مبلّغین کی آمد سے اسلام اس علاقہ میں اور طاقتور ہوگیا ہے اس لئے عیسائیوں کو اس علاقہ میں اپنی مزید قوت و سرمایہ ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ اس اخبار کا تراشہ ہم نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھجوا دیا۔ جس پر حضور نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں اس امر کا ذکر کرتے ہوئے وہاں جماعت کی ترقی پر خوشی کا اظہار فرمایا۔

مندرجہ بالا کامیابی پر ابھی تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ روکوپر شہر کے ٹاؤن چیف مسمی اسانٹیکی ٹورے نے محض احمدیت سے دشمنی کے باعث اس عیسائی مشن سے رابطہ قائم کیا اور انہیں کہا کہ تم واپس آؤ۔ مَیں احمدیوں کے خلاف تمہاری مدد کرونگا اس کے اس رویہ سے ہمیں سخت تکلیف ہوئی۔ لیکن وہ چونکہ حاکم شہر تھا اس لئے ہم خاموشی پر مجبور تھے۔ بہرحال اس عیسائی مشن نے دوبارہ اپنا سکول وہاں کھول دیا۔ تاہم اللہ تعالےٰ کے فضل سے اس مشن کے کارندے احمدیہ مشن سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ پھر ان کے پاؤں وہاں نہ جم سکے اور ایسے اُکھڑے کہ انہوں نے نہ صرف اس

شہر میں اپنا سکول دوبارہ بند کر دیا بلکہ اس علاقہ میں مزید چار پانچ جگہوں میں انہیں اپنے سکول بند کرنے پڑے اور پھر نہایت ہی قلیل عرصہ میں ان سب عیسائی سکولوں کی جگہوں پر ہمارے اسلامی سکول کھل گئے جو اب کامیابی سے چل رہے ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تعالیٰ۔

مذکورہ بالا چیف جس نے عیسائیوں کو دوبارہ ہمارے مقابل پر آنے کی دعوت دی تھی اس کو بھی خدا تعالیٰ نے جلد ہی عبرتناک سزا دی اور وہ اس طرح کہ ایک روز وہ مع اپنے خدام وحشم کے ایک شادی میں شرکت کے لئے روکوپر سے کسی دوسرے گاؤں کے لئے روانہ ہوا۔ تو کشتی میں سوار ہونے کے لئے وہ اس دریا کے کنارے پہنچا جو اس شہر کے سامنے بہتا ہے۔ یہ دریا سمندر سے اس طرح ملحق ہے کہ صرف چند میل کا فاصلہ طے کر کے یہ سمندر میں جا گرتا ہے اس لئے جب سمندر میں جوار بھاٹا آتا ہے تو سمندر کا پانی اس دریا میں اوپر کی طرف چڑھ آتا ہے اور پانی کی گہرائی ۱۰ فٹ کے قریب ہو جاتی ہے۔ بصورت دیگر دریا کی گہرائی صرف ۴ فٹ کے قریب رہ جاتی ہے۔ جب یہ چیف سفر کے لئے دریا پر پہنچا تو دریا لبالب بھرا ہوا تھا اور جلد ہی پانی سمندر کو واپس جانیوالا تھا کشتی پلیٹ فارم کے ساتھ کھڑی تھی اور صرف اس چیف کا انتظار تھا۔ آخر جب چیف کشتی میں سوار ہونے لگا تو اس کے لاؤ لشکر میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ چیف کے ساتھ بیٹھے اس لئے جونہی چیف نے کشتی میں پاؤں رکھا تو اسی وقت اس کے متعدد ساتھیوں نے بھی قدم رکھ دیئے۔ جس کے نتیجہ میں کشتی یک لخت اُلٹ گئی اور چیف کئی آدمیوں سمیت پانی میں گر گیا اور چونکہ تیرنا نہ جانتا تھا اس لئے جلد ہی اپنے بھاری بھر کم جسم اور جبّہ کی وجہ سے پانی کے نیچے چلا گیا اور نکل نہ سکا۔ آخر بڑی مشکل سے تلاش بسیار کے بعد صرف اس کی لاش مل سکی اور اس طرح وہ شخص اسلام سے غدّاری کی سزا پا کر لوگوں کے لئے موجبِ عبرت بنا۔

ایک نئے مشن کا آغاز سنہ ۱۹۵۶ء کے پہلے ہفتہ میں خاکسار سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق جماعت کا پہلا مشن کھولنے کے لئے وارد لائبیریا ہوں جو افریقہ میں سب سے پہلا آزاد ملک

شمار ہوتا ہے۔ خاکسار نے انفرادی اور اجتماعی تبلیغ کا کام شروع کر دیا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے جلد ہی کچھ لوگ شاملِ جماعت ہو گئے لیکن ترقی کی رفتار بہت آہستہ تھی جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس ملک میں افریقین نسل کے ان لوگوں کی حکمرانی تھی۔ جن کے آباؤ اجداد کو غلام بنا کر امریکہ لے جایا گیا تھا۔ اور پھر جب امریکہ میں غلامی کے خلاف تحریک چلی تو امریکن حکومت نے ان میں سے سینکڑوں کو واپس افریقہ لا کر لائبیریا میں آباد کر دیا۔ وہ لوگ بوجہ اپنی تعلیم اور مال و دولت کے یہاں کی حکومت پر قابض ہو گئے اور آج تک وہی قابض ہیں۔ یہ طبقہ بوجہ اپنی حکمرانی، اپنی تعلیم اور دولت کے مسلمانوں کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اور مسلمان ان کی نسبت تھے بھی بہت پسماندہ۔ خاکسار نے اس طبقہ کے کئی بڑے بڑے لوگوں کو تبلیغ کرنے کی کوشش کی لیکن ان کے کبر و غرور کو دیکھ کر خود میری اپنی عزتِ نفس کو بہت ٹھیس پہنچی اور میں نے اپنے مولیٰ کے حضور عرض کی کہ الٰہی کیا میں اسی طرح ان کے پیچھے بھاگتا رہوں گا اور یہ اسلام کے پیغام کو اسی طرح حقارت سے دیکھتے رہیں گے؟ کیا کوئی ایسی صورت نہیں ہو سکتی کہ یہ از خود ہمارے تبلیغی مرکز میں آنے پر مجبور ہوں۔ تا کہ میں عزت کے ساتھ ان کو تبلیغِ اسلام کر سکوں؟ میں قربان جاؤں اس رحیم و کریم مولیٰ کے جس نے میری تضرعات کو سنا اور مجھے وہ راہ دکھا دی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کو میرے پاس آنے پر مجبور کر دیا۔ اور اسی ذریعہ سے مجھے مشن کو مالی لحاظ سے خود کفیل بنانے کی توفیق بھی دے دی۔

ہوا یوں کہ میں نے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس اور انگلستان کے بعض دیگر مشہور ناشروں سے رابطہ قائم کر کے ان سے درسی اور علمی کتب درآمد کیں اور سکولوں کے چند طلبہ کو کمیشن دے کر ان کے ذریعہ سے ان کتب کو فروخت کروانا شروع کر دیا۔ ہر کتاب پر یہ مہر لگی ہوتی تھی کہ اس قسم کی کتب احمدیہ مشن سے ملتی ہیں۔ اس طرح احمدیت کی شہرت ہو گئی اور مشن کو معقول آمد بھی شروع ہو گئی اور تعلیم یافتہ طبقہ کا رجوع بھی ہمارے مشن کی طرف ہو گیا۔ میں نے جلد ہی اپنے اسی مکان میں ایک اور کمرہ کرایہ پر لیکر اس میں ایک اسلامی بک شاپ کھول دی۔ جس میں جماعتی لٹریچر کے علاوہ عربی انگریزی جرمن۔ فرنچ، اطالوی ولندیزی اور لاطینی زبانوں کی کتب دستیاب تھیں۔ ان متفرق

زبانوں کی کتب کے لئے خاکسار نے ان زبانوں کے جاننے والے دوستوں سے امداد لے کر ان ممالک سے یہ کتب درآمد کرلیں اور چونکہ اس قسم کی بُک شاپ سارے مُلک میں صرف احمدیہ مشن ہی کی تھی اس لئے ہمارا مشن ان سب بڑے بڑے لوگوں کا مرجع بن گیا جو پہلے مجھے خاطر میں نہ لاتے تھے اور اب مَیں اُن کو بڑی عزت کے ساتھ پیغامِ اسلام پہنچانے لگا۔ اور مالی منفعت اس کے علاوہ تھی۔ اس طریق سے خاکسار نے مرکزِ پاکستان سے امداد لئے بغیر نہایت ہی قلیل عرصہ میں اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے کم و بیش ۳۰ ہزار روپیہ کا سرمایہ نقد و کتب کی صورت میں جمع کر لیا۔ اور میری مصروفیت بہت بڑھ گئی اور وہی لوگ جنہیں پہلے مجھ سے ملنا بھی گوارا نہ تھا۔ اب نہایت احترام سے مجھ سے ملتے۔ میری باتوں کو توجہ سے سنتے۔ ہمارا لٹریچر خریدتے اور تبلیغی پمفلٹ وغیرہ بھی لیکر جاتے۔

مَیں نے تقریباً سوا تین سال لائبیریا میں گزارے اور اس قلیل عرصہ میں محض اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے مالی لحاظ سے مشن جلد ہی اپنا خود کفیل ہو گیا اور علمی طبقہ کا مرجع بھی بن گیا۔ میری وہاں سے واپسی کے بعد مکرم الحاج مولانا محمد صدیق صاحب ایم۔اے امرتسری نے اس مشن کا چارج لیا اور انہوں نے بھی جماعتی اور تبلیغی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس بُک شاپ کو چلانے اور ترقی دینے کی حتی المقدور کوشش کی۔ یہ بُک شاپ بفضلہٖ تعالےٰ اب بھی قائم ہے۔ اور مشن کے مالی استحکام کا باعث ہے۔

آجکل احمدیہ مشن لائبیریا کے امیر اور انچارج مکرم مولانا عطاء الکریم صاحب شاہد ابن حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور وہاں کی جماعت خدا کے فضل سے جلد جلد کامیابی اور ترقی کی منازل طے کر رہی ہے خصوصاً سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ کے اس مُلک میں کامیاب دورے کے بعد اس کے باشندوں کے ہر طبقہ اور حکام میں ہماری جماعت کی اہمیت اور اسلام اور احمدیت کا وقار بڑھ گیا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالیٰ۔

تائیداتِ الٰہیہ کی چند جھلکیاں

(از مکرم مولانا محمد صدیق صاحب شاہد گورداسپوری سابق مبلغ انچارج احمدیہ مشن سیرالیون و امریکہ)

محترم مولانا محمد صدیق صاحب شاہد گورداسپوری جامعہ احمدیہ ربوہ کے فارغ التحصیل واقفِ زندگی مبلّغ ہیں۔ تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں وہ ربوہ سے پہلی مرتبہ ۱۸؍اکتوبر ۱۹۵۲ء کو روانہ ہوئے اور ۱۳؍دسمبر ۱۹۵۲ء کو سیرالیون (مغربی افریقہ) پہنچکر تبلیغی فرائض ادا کرنے لگے۔ وہاں پر چار سال فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کے بعد ۱۹؍اکتوبر ۱۹۵۶ء کو واپس پاکستان روانہ ہوئے اور ۲۲؍دسمبر ۱۹۵۶ء کو بخیریت ربوہ پہنچ گئے۔

مرکز میں تین سال تک مختلف فرائض ادا کرنے کے بعد ۹؍دسمبر ۱۹۵۹ء کو دوبارہ سیرالیون کے لئے روانہ ہوئے۔ اور ۱۵؍دسمبر ۱۹۵۹ء کو فری ٹاؤن پہنچکر ۷؍دسمبر ۱۹۶۲ء تک بطور امیر و مبلغ انچارج سیرالیون احمدیہ مشن کام کرتے رہے اس کے بعد مولانا بشارت احمد صاحب بشیر کو سیرالیون مشن کا چارج دے کر ۲۲؍دسمبر ۱۹۶۲ء کو ربوہ واپس آگئے۔

تیسری مرتبہ ۱۵؍جنوری ۱۹۶۶ء کو اکرا پہنچے اور سالٹ پانڈ میں تقریباً دو سال تک پرنسپل احمدیہ مشنری ٹریننگ کالج کے فرائض انجام دیتے رہے۔ وہاں سے ۲۴؍جولائی ۱۹۶۸ء کو تیسری مرتبہ سیرالیون میں متعین ہوئے اور ۲۴؍مئی ۱۹۷۲ء تک امیر و مبلّغ انچارج احمدیہ مشن سیرالیون کے فرائض ادا کرتے رہے جس کے بعد ۲۹؍مئی ۱۹۷۲ء کو ربوہ تشریف لے آئے۔ ربوہ سے چوتھی مرتبہ بطور مبلغ اسلام وہ ۳۱؍جولائی ۱۹۷۳ء کو امریکہ کے لئے روانہ ہو کر ۱۲؍اگست ۱۹۷۳ء کو بخیریت واشنگٹن پہنچ گئے اور ایک سال حلقہ نیویارک میں فریضۂ تبلیغ ادا کرتے رہے۔ ۱۸؍جولائی ۱۹۷۴ء کو وہاں سے مکرم چوہدری

شریف احمد صاحب باجوہ کی مرکز واپسی پر امریکہ احمدیہ مشن کے امیر و مبلّغ انچارج کے فرائض ان کے سپرد کئے گئے۔

امریکہ سے حسبِ ارشاد مرکز ۶؍ستمبر ۱۹۷۷ء کو پاکستان کے لئے روانہ ہو کر ۹؍ستمبر ۱۹۷۷ء کو ربوہ پہنچ گئے۔ آجکل سیرالیون میں بطور امیر و مبلّغ انچارج احمدیہ مشن سیرالیون مصروفِ کار ہیں۔ (مرتب)

خاکسار کو سیرالیون مغربی افریقہ میں مختلف اوقات میں ۱۹۵۲ء سے ۱۹۷۲ء تک تقریباً چودہ سال اشاعتِ اسلام کا مقدس فریضہ سرانجام دینے کی توفیق ملی۔ الحمدللہ تعالیٰ سیرالیون میں مجھے وہ وقت بھی دیکھنے کا موقع ملا جو اگرچہ مکرم مولوی نذیر احمد علی مرحوم اور مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرت سری کے ابتدائی زمانہ سے تو کسی حد تک بہتر تھا۔ لیکن مشن کی بعد کی غیر معمولی ترقیات کے مقابل وہ وقت بھی اس مشن کے لئے نہایت تنگدستی اور مشکلات کا تھا۔ مبلّغین احمدیّت کو اس وقت نو پونڈ ماہوار الاؤنس ملتا تھا مگر وہ بھی کبھی کبھی بروقت میسّر نہ آتا تھا اور کئی قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔

۱۹۵۵ء میں احمدیّہ مشن "بو" کے احاطہ میں فولانی قبیلہ کا ایک شخص رہتا تھا مشن نے احسان کے طور پر اسے رہائش کے لئے کچھ جگہ دے رکھی تھی۔ مگر بعد میں جب سکول کی ضرورت کے پیشِ نظر اسے وہ جگہ خالی کرنے کے لئے کہا گیا تو اس نے جھگڑا کھڑا کر دیا۔ اور اپنے قبیلہ کے لوگوں اور عیسائیوں کے اُکسانے پر مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرت سری کے خلاف جو اس وقت جماعت کے امیر و مبلّغ انچارج تھے۔ عدالتِ عالیہ میں اقدامِ قتل کا بالکل جھوٹا مقدمہ دائر کر دیا۔ مشن کے پاس اس وقت اتنی رقم بھی نہ تھی کہ کوئی وکیل کیا جا سکے۔ لیکن اس کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ لہٰذا مولوی صاحب اور خاکسار ایک وکیل کے پاس گئے وہ اس وقت ایک ہوٹل میں اپنے ہمجولیوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ مولوی صاحب نے انہیں باہر بلا کر ان سے مقدمہ کے بارے میں بات چیت کی اور بطور فیس دس پونڈ کی رقم پیش کی۔ وہ اس پر مولوی صاحب کے چہرہ کی طرف دیکھنے لگے اور کہنے لگے کیا آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔ دس پونڈ تو میں ایک ہی مجلس میں شراب پر خرچ

کر دیتا ہوں یہ آپ مجھے کیا دے رہے ہیں۔ پھر اس قسم کے اہم مقدمہ میں پیروی کے لئے۔ اس پر مولوی صاحب نے اُسے کہا کہ مَیں تو آپ کو اپنے ماہوار الاؤنس سے ایک پونڈ زائد پیش کر رہا ہوں اس پر وُہ کھلکھلا کر ہنس پڑے اور کہنے لگے مَیں مان ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص آجکل ۹ پونڈ میں مہینہ بھر گزارہ کر سکتا ہے۔ بعد میں گو انہیں مزید رقم ادا کی گئی۔ لیکن اس وقت مشن کی مالی حالت حد درجہ کمزور تھی۔ مبلغین کرام کو عام ٹرکوں میں سفر کرنا پڑتا جن میں بسا اوقات چاولوں کی بوریاں یا جانور لدے ہوتے جبکہ دوسری طرف عیسائی منادا اور مبلّغ کاروں پر ادھر اُدھر دندناتے پھرتے۔ مشن کے صرف چند سکول تھے اور وہ بھی پرائمری حد تک جبکہ عیسائیوں کے سینکڑوں پرائمری اور سیکنڈری سکول قائم تھے۔ ہمارے مشن کا کوئی ہسپتال نہیں تھا۔ جبکہ درجنوں اعلیٰ درجہ کے عیسائی ہسپتال ملک کے مختلف حصّوں میں کامیابی کے ساتھ چل رہے تھے۔ یہ وہ ابتدائی حالات تھے۔ جن میں خاکسار دسمبر ۱۹۵۲ء میں پہلی بار بغرض اعلائے کلمۃ اللہ سیرالیون پہنچا۔

ایک ظاہر بین انسان اس وقت احمدیہ مشن کی حالت کو دیکھ کر یہ قطعاً تصوّر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ وقت عنقریب آنے والا ہے جبکہ یہ ظاہری ساز و سامان سے عاری جماعت اس ملک کے طول و عرض میں پھیل جائے گی۔ عیسائی مشنوں کی طرح اس کے پرائمری سکولوں کے علاوہ کئی سیکنڈری سکول بھی ہوں گے۔ جن کے دروازے ہر مذہب و ملّت اور ہر رنگ و نسل کے بچوں کے لئے کھلے ہوں گے اس کے بھی کئی اپنے ہسپتال ہوں گے جن میں بنی نوع انسان کے جسمانی دکھوں کا علاج کیا جائے گا۔ اس کے مبلّغین اور اساتذہ کے پاس بھی کاریں ہوں گی جن میں وہ ملک کے کونہ کونہ میں پہنچ کر اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں گے۔ اس کے بھی مشن ہاؤس اور کثیر التعداد مساجد ہوں گی۔ جن سے اللہ اکبر کی صدا پانچ وقت روزانہ بلند ہوا کرے گی۔

اللہ تعالیٰ جو سچے وعدوں والا ہے اس نے اپنے پیارے مسیح موعودؑ سے کئے ہوئے وعدے پورے کئے کہ "مَیں تیرے خاص محبّوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا او ان کے نفوس و اموال میں برکت دُوں گا اور ان میں کثرت بخشوں گا۔" ان سچے وعدوں

کو ہم نے سیرالیون میں نہایت شان کے ساتھ پورا ہوتے دیکھ لیا۔ چنانچہ جب خاکسار جولائی ۱۹۶۸ء میں گھانا سے تبدیل ہو کر بطور امیر و مبلغ انچارج تیسری مرتبہ سیرالیون پہنچا تو میرا دل ان سب ترقیات کو بچشم خود دیکھکر اللہ تعالیٰ کی حمد سے لبریز ہو گیا اور اس وقت میرے کانوں میں پندرہ سال قبل کے وہ الفاظ گونجنے لگے جو ایک غیر تعلیم یافتہ دیہاتی کے منہ سے نکلے تھے۔ "کہ عنقریب سیرالیون میں احمدیہ مشن اور احمدیہ فرقہ سارے سیرالیون میں ایسے ہی چھا جائے گا۔ جیسے کہ آج عیسائی مشن چھائے ہوئے ہیں اور ہر طرف اسلام کا چرچا اور غلبہ ہوگا۔"

تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ ۱۹۵۴ء میں خاکسار ایک تبلیغی دَورے کے دَوران اپنے ایک معلّم پاسوری یاہ بنگورا مرحوم کی معیّت میں ایک جماعت بالاہون سے واپس آ رہا تھا اور راستہ میں ہم کو مانو کوٹوہون کی احمدیہ جماعت میں بھی جانا تھا یہ گاؤں بڑی سڑک سے کوئی چھ سات میل ہٹ کر جنگل میں اندر کی طرف واقعہ تھا۔ خاکسار اور پاسوری یاہ بنگورا جب اس طرف پیدل جانے کے لئے ٹرک سے اُترے تو ہمارے کپڑے اور سر منہ گرد و غبار سے اٹے ہوئے تھے اور ہماری عجیب حالت تھی ہم اس حالت میں سڑک کے کنارے ایک چھوٹی سی دکان میں گئے اور پینے کا پانی مانگا۔ دکاندار نے ہمیں دیکھتے ہی ہمارے لباس وغیرہ سے پہچان لیا کہ ہم احمدی ہیں چنانچہ وہ کہنے لگا مَیں جانتا ہوں آپ احمدی مسلمان ہیں کیونکہ اکثر احمدی لوگ ہی لاری سے یہاں اُتر کر مانو کوٹوہون جاتے ہیں۔ گو اس وقت تو آپ کی حالت قابلِ رحم ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اب اس ملک میں آپ ہی غالب آئیں گے اور عیسائیت آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گی اور آپ ایسے ہی مُلک پر چھا جائیں گے جیسے اب عیسائی چھائے ہوئے ہیں اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔"

بہرحال اللہ تعالیٰ کے وعدے پورے ہو کر رہتے ہیں اور ان کا اثر انسانوں پر بھی ضرور پڑتا ہے۔ اور اس امر کے آثار اب خدا کے فضل و کرم سے نمایاں تر ہو رہے ہیں کہ سیرالیون میں احمدیت کے ذریعہ بہت جلد اسلام کو فتح اور غلبہ نصیب ہوگا ؎

جس بات کو کہے کہ کروں گا مَیں یہ ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

اب ذیل میں دو تبلیغی واقعات پیش ہیں جو مجھے قیام سیرالیون کے دوران پیش آئے۔

ایک مباحثہ اپریل ۱۹۵۵ء میں خاکسار مگبورکا احمدیہ مشن کا انچارج تھا۔ ان دنوں مگبورکا سے قریباً تیس میل دور ایک قصبہ یونی بانا (Yonibana) سے ایک پیراماؤنٹ چیف اور اس کے چند سرکردہ اصحاب مگبورکا آئے اور ایک احمدی دوست پاسیکا سیسے کے ہاں قیام کیا۔ احمدیہ مسجد میں مغرب کی نماز کے بعد پاسیکا سیسے (Pa saika sisay) مجھے مسجد سے اپنے گھر لے گئے اور ان مہمانوں سے ملاقات کرائی۔ خاکسار نے انہیں جماعت احمدیہ کے عقائد اور تبلیغی مساعی سے آگاہ کیا۔ سیرالیون میں ان دنوں (اور غالباً اب بھی) احمدیوں اور دوسرے مسلمانوں میں زیادہ تر یہی مسئلہ زیر بحث رہتا تھا کہ آیا نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے چاہئیں یا پہلوؤں پر چھوڑنے چاہئیں۔ وہ لوگ چونکہ سب مالکی فقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں وہ نماز ہاتھ چھوڑ کر ادا کرتے ہیں گو حضرت امام مالکؒ نے بامرِ مجبوری ایسا کیا تھا۔

چنانچہ ان مہمانوں سے بھی زیادہ تر اس مسئلہ پر ہی گفتگو ہوئی۔ کہنے لگے آپ ہمارے گاؤں آکر ہمارے عالم سے گفتگو کریں۔ اگر وہاں آپ نے ثابت کر دیا کہ واقعی نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھنے ہی سنّتِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہے تو ہم آپ کی دوسری بات یعنی آمد امام الزمان بھی قبول کر کے آپ کی جماعت میں داخل ہو جائیں گے۔

غرض ان کی دعوت پر جمعہ کے روز خاکسار وہاں گیا میرے ساتھ ہمارے ایک سکول ماسٹر مکرم مجید صاحب بھی تھے۔ پیراماؤنٹ چیف نے اپنے احاطہ میں اس عالم کو بلا لیا۔ اور گفتگو شروع ہوئی۔ خاکسار نے حدیث بخاریؒ اور مؤطا امام مالکؒ سے احادیث پیش کر کے یہ ثابت کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں کو نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ مگر دوسری طرف مالکی امام صاحب نے اس بات پر اصرار کیا کہ ہاتھ چھوڑ کر نماز ادا کرنی ضروری ہے لیکن ان کے پاس کسی حدیث یا فقہ کی کتاب کا حوالہ نہیں تھا۔ محض زبانی جمع خرچ تھا۔ آخر پیراماؤنٹ چیف صاحب نے اپنے عالم سے کہا کہ ہم اس وقت تک آپ کی بات تسلیم نہیں کر سکتے جب تک کسی کتاب کے حوالہ سے آپ اپنی بات کو ثابت نہ کریں۔ آخر وہ امام صاحب

لاچار ہو کر کہنے لگے کہ اچھا نماز جمعہ کے بعد مَیں کتاب لے کر آؤنگا اور پھر اس مسئلہ پر بحث کی جائے گی۔

ہم نے نماز جمعہ پیرامؤنٹ چیف کے احاطہ میں ہی ادا کی۔ حقیقت تو بحث کے دوران ہی کسی حد تک حاضرین پر واضح ہو چکی تھی لیکن پھر بھی اس عالم کو موقع دیا گیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد پیرامؤنٹ چیف صاحب نے اس کی طرف پیغام بھیجا کہ حسبِ وعدہ کتاب لیکر آجائیں مگر اس کی طرف سے جواب ملا کہ مَیں ہرگز آنے کے لئے تیار نہیں اور نہ اب ان امور پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ ان کا یہ جواب سُنکر سب پر واضح ہو گیا کہ درحقیقت ان کے پاس کوئی صحیح جواب تھا ہی نہیں۔ چنانچہ پھر میں نے حاضرین کو حضرت امامِ وقت کی آمد سے متعلق سب امور سمجھائے اور خدا تعالےٰ کے فضل سے اس موقعہ پر تیئیس ۲۳ افراد بعیت کر کے جماعت میں شامل ہو گئے۔

اس واقعہ کی اطلاع مَیں نے مکرم وکیل التبشیر صاحب کی خدمت میں تحریر کی۔ ان دنوں حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ علاج کی غرض سے یورپ تشریف لے گئے تھے۔ مکرم وکیل التبشیر صاحب نے خاکسار کی وہ رپورٹ حضورؓ کی خدمت میں یورپ بھجوا دی۔ چنانچہ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ نے جو ان دنوں حضور کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے حضور کی طرف سے اس رپورٹ پر جو ریمارکس مکرم وکیل التبشیر صاحب کو تحریر کئے ان کی نقل خاکسار کو سیرالیون بھجوائی گئی جو ذیل میں درج ہے۔

$\frac{۲۲۵۴}{۱۹/۵/۵۵}$ زیورک — مکرم وکیل التبشیر صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کی رپورٹ $\frac{۱۲۲۱}{۷/۵/۵۵}$ حضور ایدہ اللہ تعالےٰ کی خدمت میں پیش کی گئی حضور نے مولوی محمد صدیق صاحب شاہد کی اس رپورٹ پر مسرت کا اظہار فرمایا کہ ۳۰۔ اشخاص نے نماز کے وقت سینہ پر ہاتھ باندھنے کے مسئلہ میں شکست پر بعیت کر لی۔ حضور نے فرمایا اس مسئلہ کی تحقیق کی جائے مولوی نذیر احمد علی صاحب نے حوالہ نکالا ہے کہ گو امام مالکؒ کا مذہب بھی یہی ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھے جائیں لیکن وہ بازو کے ٹوٹے ہونے کے باعث ایسا کرنے سے قاصر تھے۔ پہلے بھی اس مسئلہ پر احمدی مبلغین کی کامیابی

پر جماعتیں قائم ہوئی ہیں اس لئے اس طرف خاص توجہ دی جائے۔ ہم تو خواہش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ جلد از جلد سارا سیرالیون احمدی ہو جائے۔ دستخط مشتاق احمد باجوہ۔ پرائیویٹ سیکرٹری

خدا کرے سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی یہ خواہش جلد از جلد پوری ہو اور سارا سیرالیون حلقہ بگوشِ احمدیت ہو کر حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے حقیقی غلاموں اور اسلام کے شیدائیوں میں شامل ہو جائے۔

ایک اشتعال انگیز کتاب کے خلاف احتجاج

فروری ۱۹۶۲ء کا ذکر ہے کہ فری ٹاؤن کے ایک عیسائی بُک شاپ میں ایک کتاب "عائشہ" نامی میری نظر سے گزری جو ایک جرمن مستشرق کی تصنیف تھی۔ اور انگریزی میں ترجمہ ہو کر لنڈن میں شائع ہوئی تھی۔ مَیں نے اس کے پیش لفظ کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک نہایت ہی گندی قسم کا ناول ہے۔ جس میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی دیگر ازواجِ مطہراتؓ اور بعض صحابہ کرام کا نہایت گندے اور دلآزار طریق سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور نہایت درجہ دلخراش اور اشتعال انگیز باتیں اس میں لکھی ہیں۔

خاکسار نے اس بارے میں مکرم وکیل التبشیر صاحب اور مکرم رئیس التبلیغ صاحب مغربی افریقہ کو مطلع کیا۔ نیز مُلک کے مسلمان نائب وزیر اعظم جناب مصطفےٰ اسنوسی اور سیرالیون مسلم کانگرس کے جنرل سیکرٹری الحاج جبریل سیسے کو بھی اس امر سے آگاہ کیا۔ چنانچہ مکرم رئیس التبلیغ مغربی افریقہ نے اس سلسلہ میں ایک احتجاجی خط سیرالیون کے وزیر اعظم کو تحریر کیا جس کی نقول مسلم ممالک کے بعض سربراہوں کو ارسال کر کے اس کتاب کے خلاف نوٹس لینے کی طرف توجہ دلائی گئی۔

خاکسار نے بھی وزیر اعظم سیرالیون کو خط لکھکر اس کتاب کے خلاف جماعت احمدیہ سیرالیون کی طرف سے احتجاج کیا اور پھر اس معاملہ کو سیرالیون مسلم کانگریس کے ایک اجلاس میں پیش کر کے کتاب کے خلاف احتجاج کرنے کی اپیل کی۔ الحاج جبریل سیسے جنرل سیکرٹری مسلم کانگریس چونکہ ہماری جماعت کے مخالف تھے وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ کسی احمدی مبلغ کی طرف سے اُٹھائے گئے معاملہ کی

مسلم کانگریس تائید کرے خواہ وہ معاملہ اسلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی ازواجِ مطہرات کی عزّت وناموس کی حفاظت کا ہی کیوں نہ ہو۔ انہوں نے میری وہاں سخت مخالفت کی اور کہنے لگے کہ مَیں نے اس کتاب کے بعض حصّے پڑھے ہیں مجھے تو ان میں کوئی قابلِ اعتراض بات نظر نہیں آئی۔ لیکن جب خاکسار نے اس کتاب کے بعض حصّے پڑھ کر سُنائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزّت وناموس کا واسطہ دے کر حاضرین کو غیرت دلائی تو ساری مجلس میں شور پڑ گیا اور ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ ہم احمدی مبلّغ کی تائید کرتے ہیں۔ مسلم کانگریس کی طرف سے اس کتاب کے خلاف ضرور فوری طور پر ایک ریزولیوشن وزیراعظم کو بھیجا جائے۔

چنانچہ اسی وقت چار ممبروں پر مشتمل ایک کمیٹی اس غرض کے لئے بنائی گئی جس کا خاکسار بھی ممبر تھا۔ اس کمیٹی نے فوری طور پر ایک ریزولیوشن تیار کر کے ملک کے وزیراعظم کو پیش کرنے کے لئے نائب وزیراعظم آنریبل سنوسی مصطفٰے کے سپرد کر دیا۔ اور خاکسار اور جماعت کے دوست اس بارے میں دعاؤں میں لگ گئے کہ اللہ تعالےٰ ہمارے احتجاج کا بہتر نتیجہ پیدا فرمائے۔ چنانچہ انہی دنوں خاکسار نے خواب میں دیکھا کہ مَیں وزیراعظم سے ملا ہوں اور ان سے پوچھ رہا ہوں کہ مَیں نے "عائشہ" نامی کتاب کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں لکھا تھا۔ اس بارے میں کیا کارروائی کی گئی ہے وزیراعظم نے مجھے جواب دیا کہ آپ کا خط تو ملا ہے لیکن ابھی اس پر غور ہو رہا ہے۔ پھر خواب ہی میں مَیں نے ان سے پوچھا کہ کیا سیرالیون مسلم کانگریس کی طرف سے اس کتاب کے خلاف کوئی ریزولیوشن بھی ملا ہے انہوں نے کہا۔ نہیں ابھی تک تو نہیں ملا۔

اس خواب کے بعد مَیں متفکر ہوا کہ مسلم کانگریس کی مقرر کردہ کمیٹی کی طرف سے پاس کردہ ریزولیوشن وزیراعظم کو کیوں نہیں ملا۔ حالانکہ اسے بھجوائے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ مَیں نے فوراً آنریبل سنوسی مصطفٰے نائب وزیراعظم سے رابطہ قائم کر کے پتہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ افسوس ہے کہ وہ ریزولیوشن ان کی میز سے کسی نے غائب کر لیا تھا۔ اور باوجود تلاش کے نہیں مل سکا۔ لیکن اب میں نے دوبارہ

ٹائپ کروا کے مع متعلقہ کتاب کے وزیرِ اعظم کو بھجوا دیا ہے۔ گویا ایک طرح سے میرا خواب پورا ہو گیا۔ یہ واقعہ سُنکر مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ضرور ہماری مدد فرمائیگا اور اس کتاب کے خلاف نوٹس لیا جائے گا۔

اس کے چند روز بعد مَیں کسی کام کے لئے پھر اسی بُک شاپ میں گیا۔ تو مینیجر بُک شاپ مجھے دیکھکر میرے پاس آئے اور کہنے لگے آپ سے ایک بات کرنی ہے ذرا میرے دفتر میں تشریف لائیں۔ چنانچہ مَیں وہاں گیا تو وہ معذرت کرتے ہوئے مجھے کہنے لگے افسوس ہے کہ اس قسم کی کتاب ہمارے بُک شاپ میں آپ کو نظر آئی۔ مگر آپ بجائے حکومت سے اس کے خلاف احتجاج کرنے کے مجھے براہِ راست مل کر اس کتاب کے قابلِ اعتراض حصّوں سے مطلع کرتے تو مَیں فوراً اس کی فروخت بند کر دیتا۔ اب مجھے وزیرِ اعظم کی طرف سے نوٹس ملا ہے کہ اس کتاب کی فروخت بند کی جائے اور تمام کاپیاں تلف کر دی جائیں کیونکہ اس سے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے وزیرِ اعظم کے نام بُک شاپ کے مینیجر کی طرف سے جوابی خط کی نقل مجھے بھیجی گئی جس میں مینیجر صاحب نے نہ صرف وزیرِ اعظم سے معافی مانگی تھی بلکہ یہ بھی لکھا تھا کہ متعلقہ کتاب کی تمام کاپیاں تلف کر دی گئی ہیں اور احمدیہ مشن کے مبلّغ انچارج صاحب سے مل کر ان سے بھی اس بارے میں معذرت کی گئی ہے۔ اور اس طرح باوجود سیرالیون کی حکومت میں اس وقت عیسائی اثر و نفوذ ہونے کے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس دل آزار کتاب کی ضبطی کے سلسلہ میں ہماری مدد فرمائی اور سیرالیون میں اس کی خرید و فروخت اور اشاعت بند کر دی گئی اور تمام کاپیاں تلف کر دی گئیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

دُعاء کا معجزانہ اثر

میدانِ جہاد میں پیش آمدہ دلچسپ واقعات

(از مکرم جناب بشیر احمد خان صاحب رفیق سابق امام مسجد فضل لندن)

۱۹۶۰ء میں خاکسار ایک ماہ کی رخصت پر انگلستان سے پاکستان آیا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

حضورؓ نے دورانِ گفتگو فرمایا۔ کہ تم واپس جا کر انگلستان کے شہر برائٹن میں تبلیغ کا کام شروع کرو۔ اللہ تعالیٰ اس شہر میں احمدیت کے لئے راستہ کھول دے گا۔ حضور نے اپنا یہ ارشاد دو تین مرتبہ دُہرایا۔ اور فرمایا کہ ملکہ الزبتھ اوّل کے زمانے میں جب انگلستان کو ہسپانوی بیڑے کے انگلستان پر حملہ آور ہونے کا خدشہ پیدا ہوا تو ملکہ الزبتھ نے ترکی کے مسلمان سلطان سے مدد کی درخواست کی۔ سلطان ترکی نے اپنے چند جرنیلوں کو حالات کا جائزہ لینے کے لئے انگلستان بھجوایا۔ ملکۂ انگلستان نے ان مسلمان جرنیلوں کو برائٹن شہر میں ٹھہرایا۔ جس مکان میں یہ لوگ ٹھہرائے گئے اس کے ایک کمرہ کو مسلمان جرنیلوں نے مسجد میں تبدیل کر کے اس کی دیواروں پر بعض قرآنی آیات لکھ دی تھیں۔

حضورؓ نے فرمایا کہ جب حضورؓ ۱۹۲۴ء میں دورۂ انگلستان پر تشریف لے گئے تھے تو حضور برائٹن بھی تشریف لے گئے اور اس کمرہ کو جا کر دیکھا اور وہاں دُعا بھی کی۔ حضورؓ نے مزید فرمایا۔ کہ اب جبکہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا دور شروع ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ برائٹن میں اسلام اور احمدیت کے لئے دروازے کھولے گا۔

برائٹن میں تبلیغ کے خوشکن نتائج

چنانچہ انگلستان پہنچنے پر خاکسار نے حضرت مصلح موعودؓ کے اس ارشاد کی تعمیل میں برائٹن میں تبلیغ کا پروگرام بنایا۔ برائٹن میں ایک نہایت خوبصورت شاہی محل ہے۔ جس کی طرزِ تعمیر ہندوستانی طرزِ تعمیر کے مطابق ہے۔ اس محل کے خوبصورت اور منقش گنبد اور مینار دور سے نظر آتے ہیں۔ اس محل کے ایک کمرہ کو ہم نے کرایہ پر حاصل کر لیا اور لوکل اخبارات میں اس بات کا اشتہار دیا کہ خاکسار (امام مسجد فضل لندن) ہفتہ کے روز اس کمرہ میں اسلام پر تقریر کرے گا۔ دستی اشتہارات پانچ ہزار کے قریب گھروں میں تقسیم کئے گئے۔ ہفتہ کے روز مقررہ وقت پر لندن سے خاکسار کے ہمراہ آٹھ دس اور افراد مکرم مولوی عبدالکریم صاحب کی کار میں برائٹن پہنچے۔ ہم نے کمرہ کو لیکچر کے لئے تیار کیا۔ اس جلسہ کی صدارت مکرم عبدالعزیز دین صاحب نے کرنی تھی جو عرصہ ۶۰ سال سے برطانیہ میں مقیم ہیں اور نہایت مخلص اور سلسلہ کے فدائی بزرگ ہیں۔ تاہم جوں جوں لیکچر کا وقت قریب آتا گیا ہماری پریشانی میں اضافہ ہوتا رہا۔ کیونکہ لیکچر کے شروع ہونے سے پندرہ منٹ قبل تک ایک شخص بھی ہال میں نہ آیا۔ جب تقریر میں

صرف دس منٹ رہ گئے تو خاکسار نے وہاں موجود احمدی احباب کو تحریک کی کہ چونکہ ہم اس شہر میں تبلیغ کا آغاز سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کے خاص ارشاد کے ماتحت کر رہے ہیں۔ اور چونکہ حضورؓ کو اس شہر میں تبلیغ کی طرف خاص توجہ ہے اس لئے آیئے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ غیب سے ہمارے لئے سامعین مہیا کر کے حضورؓ کی خواہش کو پورا کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرماوے۔ ہم سب کمرہ کے ایک کونے میں اجتماعی دعا میں لگ گئے اور اشکبار آنکھوں سے آستانۂ الٰہی پر گڑگڑانے لگے۔ ہم نے غالباً پندرہ بیس منٹ دعا میں صرف کئے ہوں گے۔ جب دعا ختم ہوئی اور ہم نے کمرہ کی طرف نگاہ کی تو ہمارے دل اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء سے بھر گئے۔ ہم نے ایک عظیم اعجاز دعا کی فوری قبولیت کا یہ دیکھا کہ کمرہ سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

خود ہی چیلنج دیکر ایک پادری صاحب کا فرار

خاکسار نے مکرم عبدالعزیز دین صاحب کی صدارت میں اسلام کی حقانیت پر تقریر کی۔ تقریر کے بعد سامعین کو سوال وجواب کی دعوت بھی دی گئی۔ تقریر کی کامیابی کو دیکھکر ایک پادری صاحب جو کمرہ میں موجود تھے۔ بہت جز بز ہوئے۔ اور تقریر کا اثر ختم کرنے کے لئے انہوں نے خاکسار کو دعوتِ مناظرہ دے دی۔ جو خاکسار نے اسی وقت قبول کر لی۔ پادری صاحب سے یہ طے ہوا کہ اگلے ہفتہ کے روز اسی کمرہ میں ان کا خاکسار سے اسلام اور عیسائیت پر مناظرہ ہوگا۔

ایک انگریز خاتون کا قبولِ اسلام

لیکن دوسرے ہفتہ جب کمرہ کھچا کھچ سامعین سے بھرا ہوا تھا۔ پادری صاحب نہ آئے اور یوں عیسائی سامعین کے قلوب پر اسلام کی حقانیت کو ثبت کر گئے۔ خیر جب سوال وجواب کا سلسلہ ختم ہوا تو لوگ ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ ایک خاتون جن کا نام مس Creme تھا۔ بیٹھی رہیں۔ جب سب لوگ جا چکے تو اس خاتون نے خاکسار کو کہا۔ کہ وہ مسلمان ہونا چاہتی ہیں۔ اس وقت جو خوشی ہم سب کو ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ خاکسار نے اس خاتون سے دریافت کیا کہ وہ کیوں مسلمان ہونا چاہتی ہیں تو وہ کہنے لگیں کہ وہ بچپن سے ہی عیسائیت سے متنفر تھیں۔ لیکن ان کو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر پورا یقین تھا۔ کہنے لگیں کہ میں عیسائیت

سے بیزاری کے بعد بڑی تضرع سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں شروع کیں کہ مولیٰ کریم میری رہنمائی سچے دین کی طرف کردے۔ اس عرصہ میں مَیں بہائیوں۔ بدھ مت اور ہندوؤں کے جلسوں میں بھی شامل ہوتی رہی لیکن کہیں بھی مجھے روشنی کی کرن نظر نہ آئی۔ اب کچھ عرصہ سے مجھ پر مایوسی مسلط ہوتی جارہی تھی۔ اور قریب تھا کہ مَیں اللہ تعالیٰ کی ہستی سے بھی منکر ہوجاتی کہ آپ لوگوں کا اشتہار اخبار میں پڑھا۔ اور نہ جانے کیوں مَیں اس یقین پر قائم ہوگئی کہ یہاں مجھے ضرور روشنی نظر آجائے گی۔ مَیں نے پچھلی رات بہت دعا کی تو میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ گوہرِ مقصود کل کی میٹنگ میں مل جائے گا۔ چنانچہ آج مَیں نے آپ کی تقریر سُنی تو دل نے بے اختیار صداقت کو قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ واقعہ بیان کرتے وقت اس پر رقت طاری ہوگئی اور کہنے لگی کہ مَیں تو سمجھتی ہوں آپ کو اللہ تعالیٰ میری ہدایت کے لئے کھینچ کر لایا ہے۔ خاکسار نے اس کا فارم بیعت اسی وقت حضورؓ کی خدمت میں بھجوایا۔ حضورؓ نے ان کا اسلامی نام سلیمہ کریں رکھا۔ یہ خاتون اسلام کی اعلیٰ تعلیم پر اس سختی سے عامل ہوئیں کہ جب دوسرے ہفتہ خاکسار کی تقریر سننے آئیں تو کہنے لگیں کہ یہ ہفتہ میرا بہت ذہنی کشمکش میں گزرا ہے۔ خاکسار کے دریافت کرنے پر کہ کس قسم کی کشمکش سے ان کو دوچار ہونا پڑا۔ وہ کہنے لگیں کہ آپ نے فارم بیعت پُر کروانے کے بعد یہ کہا تھا کہ اسلام میں سؤر کا گوشت کھانے۔ شراب پینے اور مخلوط محفلوں میں بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ مَیں جب گھر گئی تو شام کے کھانے پر سؤر کا گوشت میری والدہ نے میرے سامنے لاکر رکھا میں اس کشمکش و پنج میں پھنس گئی کہ کبھی کبھار تھوڑا سا سؤر کا گوشت کھانا بھی منع ہے یا کبھی کبھار کی استثناء ہوسکتی ہے۔ آخر میرے دل نے یہ فیصلہ کیا کہ سؤر کے گوشت کو ہاتھ نہ لگایا جائے اور اگلے ہفتہ امام صاحب سے جاکر پوچھ لیا جائے۔ اگر انہوں نے کہا کہ سؤر بالکل نہیں کھانا تو مَیں گناہ سے بچ جاؤں گی۔ اور کہا کہ کبھی کبھی اجازت ہے تو پھر کبھی کھالوں گی۔

اس کے بعد برائٹن میں حضورؓ کی توجّہ اور دعاؤں کی برکت سے دس بارہ افراد کی اچھی خاصی جماعت بن گئی۔ جو بعد میں کچھ تو ترکی جاکر اور کچھ ملک کے دوسرے حصّوں میں منتشر ہوگئے لیکن انہوں نے اپنا رابطہ مشن سے قائم رکھا فالحمد للہ تعالیٰ۔

الٰہی بشارت کے مطابق عمر بڑھا دی گئی

قیام انگلستان کے دوران خاکسار کو اپنے گاؤں سے یہ اندوہناک اطلاع ملی کہ میرے والد مرحوم حضرت دانشمند خان صاحب پر کسی ظالم نے فائر کرکے ان کو شدید زخمی کر دیا ہے۔ خاکسار کو علم تھا کہ گاؤں میں ہماری کسی سے دشمنی نہ تھی۔ اور ہمارے والد صاحب اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے گاؤں میں بیحد ہر دلعزیز اور مقبول شخصیت تھے۔ اور سوائے احمدیت کے ان کے اقدام قتل کی اور کوئی وجہ نہ ہوسکتی تھی۔ خیر جب اطلاع ملی۔ تو طبعاً بہت پریشانی اور اضطراب کی کیفیت طاری ہوئی اور دعا کی طرف طبیعت مائل ہوئی۔ میں نے مسجد فضل لندن میں جاکر مسجد کے دروازے بند کر کے بڑی ہی رقت اور تضرع سے دعا شروع کی۔ کہ مولیٰ کریم میں اپنے باپ کا بڑا بیٹا ہوں اور اس وقت جبکہ مجھے ان کے قریب ہونا چاہیئے تھا بوجہ میدانِ جہاد میں ہونے کے ان سے دور ہوں۔ تو محض اپنے فضل سے ان کو شفا دے۔ اور عمرِ دراز عطا فرما۔ نہ معلوم وہ کیسا مبارک وقت تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری دعا قبول ہو رہی ہے اور دل میں تسکین اور طمانیت کے آثار پیدا ہو گئے۔

رات کو سویا تو خواب میں ایک بزرگ صورت شخص کو دیکھا جنہوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ "فکر نہ کرو تمہارے والد صاحب کی عمر اسّی سال ہوگی"۔ اگلے دن صبح مجھے اپنے چھوٹے بھائی کرنل نذیر احمد کا خط ملا۔ جس میں انہوں نے لکھا کہ جب یہ خط آپ کو ملے گا تو والد صاحب اس جہان سے رخصت ہو چکے ہونگے میں نے اسی وقت ان کو خط لکھا اور اپنے خواب سے ان کو اطلاع دے کر ان کو تسلی دی۔ میرے والد صاحب مرحوم کا ایک ہاتھ کاٹنا پڑا۔ اور بظاہر مایوس کن حالات میں ہونے کے باوجود مولیٰ کریم نے ان کو صحت عطا فرمائی۔ اور گویا مردہ زندہ ہو جانے کا معجزہ ظاہر ہوا۔

پانچ سال اور عمر بڑھ گئی

عجیب بات ہے کہ جب حضرت والد صاحب کی عمر اسّی سال کو پہنچنے لگی تو خاکسار ابھی انگلستان میں ہی تبلیغ کے جہاد میں مشغول تھا ان دنوں میری طبیعت میں بہت رقت پیدا ہوئی

اور میں نے دُعا شروع کی۔ کہ مولیٰ کریم میرے والد صاحب کو مزید مہلت دے دے تا میں جلسہ سالانہ پر وطن جا کر ان سے ملاقات کر سکوں۔ عجیب بات ہے کہ اسی رات وہی بزرگ صورت شخص مجھے خواب میں ملے۔ اور کہا کہ تمہاری دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا ہے اور تمہارے والد صاحب کی عمر میں ۵ سال کی توسیع کر دی ہے۔ مَیں نے اپنے والد صاحب مرحوم کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ انہوں نے ان واقعات کو الفرقان میں بھی شائع کرا دیا۔ چنانچہ میرے والد صاحب مرحوم کی وفات عین اس خواب کے مطابق ۱۹۷۶ء میں بعمر پچاسی سال ہوئی ؟

سچائی پر قائم رہنے کا نتیجہ

ایک واقعہ

(از مکرم مولانا بشارت احمد صاحب نسیم امروہی سابق مبلغ غانا مغربی افریقہ)

۱۹۴۶ء میں خاکسار مغربی افریقہ کے ملک غانا کے شہر "وا" میں بسلسلہ اعلائے کلمۂ حق مقیم تھا اس وقت گو وہاں انگریز حکمران تھے۔ مگر مقامی لوگوں کو بھی کچھ اختیارات حاصل تھے چنانچہ عام ملکی معاملات اور تنازعات کے تصفیہ کی ذمہ داری قبائلی حکام ہی کے سپرد تھی۔ اور عملاً یہی ان کی آمدنی کا ذریعہ تھا۔ اس زمانہ میں "وا" اور اس کے گردو نواح میں ہماری مخالفت زوروں پر تھی۔ اور قبائلی سربراہوں کی طرف سے نہ صرف احمدیت کی مخالفت کی جاتی تھی بلکہ ہماری تبلیغ پر بھی قدغن لگا دی گئی تھی۔

ایک روز قصبہ کے بازار میں ایک مقامی مسلمان حاجی مصطفےٰ نامی سے میری ملاقات ہوئی وہ پیشہ کے خیاط تھے اور قلیل آمدنی پر گزارہ تھا۔ لیکن نہایت شریف اور سعید الفطرت انسان تھے۔ علیک سلیک کے بعد مَیں نے انہیں اپنی جماعت کے مرکز میں آنے کی دعوت دی۔ کہنے لگے دن کے وقت آپ کے پاس آنا تو مشکل ہے رات کو آؤں گا۔ چنانچہ وہ آئے اور مَیں نے انہیں کچھ وقت تبلیغ کی۔ اور ان کے شبہات کا ازالہ بھی کیا۔ جس کے بعد وہ چلے گئے اور پھر ایک عرصہ تک ان سے ملاقات نہ ہو سکی

اس وقت وہاں یہ رواج تھا کہ متوفی کا صرف پہلا بچہ ہی اس کی جائیداد کا وارث ہو سکتا تھا خواہ وہ لڑکا ہوتا یا لڑکی۔ باقی اولاد اس کے رحم و کرم پر زندگی گذارتی یا اپنی ذاتی آمدنی پیدا کرتی۔ مذکورہ بالا شخص کے والد بھی فوت ہو چکے تھے۔ اور وہ اپنے والد کے متروکہ مکان میں اپنے بڑے بھائی کی کفالت میں رہتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ایک روز میں نماز جمعہ کے لئے احمدیہ مسجد گیا تو مَیں نے دیکھا مصطفےٰ ابھی وہاں موجود ہے۔ بعد نماز جمعہ مجھے کہنے لگا۔ "مَیں نے بیعت کرنی ہے"۔ مَیں نے اپنی تسلّی کے لئے اُسے آنیوالی مشکلات سے قبل از وقت آگاہ کیا اور نصیحت کی کہ جب تک شرح صدر نہ ہو بیعت نہ کرے اور اچھی طرح سوچ سمجھ لے کہ وہ مخالفین کی طرف سے دی جانے والی تکالیف کو صبر سے برداشت کریگا یا نہیں۔ کیونکہ مجھے احساس تھا کہ وہ غریب ہے بال بچے دار ہے آمد بہت کم ہے رہائش کے لئے مخالف بھائی کا محتاج ہے۔ ریاست کا چیف اور علماء ہماری جماعت کے سخت مخالف ہیں اس لئے اس کا بیعت کرنا یقیناً اسے کئی قسم کے ابتلاؤں میں ڈال دے گا۔ تاہم اس نے بڑی جرأت اور دلیری سے مجھے جواب دیا کہ مجھے شرح صدر ہے اور میں انشاء اللہ ہر خطرے کا مقابلہ کروں گا۔ چنانچہ اس نے بیعت فارم پُر کر دیا اور دُعا کے بعد رخصت ہو گیا۔

اس دَوران معلوم نہیں اس کے بڑے بھائی کو کیسے پتہ چل گیا کہ وہ احمدی ہونے کے لئے ہماری مسجد آیا ہے۔ کیونکہ جب وہ ہم سے رخصت ہو کر اپنے گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کا سامان گھر کے باہر پھینک کر مکان مقفل کر دیا گیا ہے اور اس کے بیوی بچوں کو اس کے خسر صاحب اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ اپنے سامان سمیت ریاست کے مخالف چیف کے پاس چلا گیا۔ چیف کے دریافت کرنے پر اس نے صاف صاف کہدیا کہ چونکہ شہر کا حاکم ہر شہری کا باپ ہوتا ہے اس لئے بیٹا اپنے باپ کے پاس آیا ہے۔ جب کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ہو تو بیٹے نے بہرحال باپ ہی کے پاس آنا ہوتا ہے۔ رہا عقیدے اور مذہب کا سوال تو یہ ہر ایک کا ذاتی معاملہ ہے۔ جس میں حکومت نے سب کو آزادی دے رکھی ہے۔ چنانچہ شہر کے چیف نے اُسے چار و ناچار رہنے کے لئے جگہ دے دی۔

جب مجھے اس کی اس ناگفتہ بہ حالت کا علم ہوا۔ تو مَیں ضلع کے انگریز حاکم کے پاس گیا اور اس احمدی بھائی کے حالات اور مشکلات بیان کر کے ان کے ازالہ کی درخواست کی۔ مگر اس نے مجھے ٹالتے ہوئے کہدیا کہ مذہبی عقیدہ اس کی وجہ نہیں۔

محض بھائی بھائی کے درمیان جھگڑا اور قانونی معاملہ ہے۔ چنانچہ انگریز حاکم کا یہ ناروا رویہ دیکھ کر میں نے وہاں کی جماعت کو بالعموم اور اس نو مبائع بھائی کو بالخصوص صبر و تحمل سے کام لینے کی تلقین کی اور ہم سب یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے دعاؤں میں لگ گئے۔ اس دوران ہمارے اس بھائی کو مختلف قسم کی ترہیب و ترغیب سے مرتد کرنے کی کوشش کی جاتی رہی مگر وہ ثابت قدم نکلا اور صبر و شکر اور استقامت اور دعاؤں میں اپنا وقت گزارنا شروع کر دیا۔ جماعت نے حسب حالات اس کی کچھ مالی امداد بھی کی۔

الغرض اس واقعہ پر ابھی چند ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ مصطفےٰ کا وہ بڑا بھائی اچانک فوت ہو گیا جس نے باپ کی جائیداد پر قبضہ کر رکھا تھا اور قانونی طور پر اس تمام جائیداد کا واحد وارث ہمارا نو مبائع بھائی مصطفےٰ قرار دے دیا گیا اور اس کے بعد اس کے بیوی بچے بھی اس کے پاس واپس آ گئے۔ خدا کی قدرت کہ اس کے بھائی کو فوت ہوئے ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ ریاست "وا" کا وہ متعصب عیسائی چیف بھی فوت ہو گیا۔ اور نئے چیف کے انتخاب کے وقت اللہ تعالیٰ نے ایک مخلص احمدی دوست کو کامیاب کر دیا۔ ان کے چیف بن جانے کے بعد وہاں نہ صرف مخالفت ختم ہو گئی بلکہ تبلیغ اسلام بھی آزادی سے ہونے لگی اسی دوران اس انگریز حاکم کا بھی وہاں سے تبادلہ ہو گیا جس نے غیر منصفانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے ایک مظلوم کی داد رسی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور اس طرح غیر معمولی حالات میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ حق کی تائید و نصرت فرمائی۔

"نصرت جہاں آگے بڑھو" پروگرام کے شاندار نتائج

(از مکرم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر فاضل بی۔اے سیکرٹری مجلس نصرت جہاں ربوہ)

مکرم مولوی محمد اسماعیل صاحب منیر فاضل واقف زندگی نے ۱۹۴۸ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اور ۱۹۵۰ء میں مبلغین کلاس پاس کرنے کے بعد سری لنکا میں تحریک جدید کا نیا مشن قائم کرنے کے لئے ۲ / اگست ۱۹۵۱ء کو وہاں بھیجے گئے سری لنکا میں آپ نے ایک ماہانہ رسالہ THE MESSAGE

تین زبانوں میں جاری کیا اور سات سال مسلسل خدمتِ اسلام کا فریضہ انجام دے کر ۱۹۵۸ء میں ربوہ واپس آئے۔

اس کے بعد ۱۹۵۹ء ماہِ مئی میں بطور مبلغ اسلام مشرقی افریقہ تشریف لے گئے جہاں سے انہیں ۸ر دسمبر ۱۹۶۰ء کو ماریشس تبدیل کر دیا گیا۔ ماریشس سے ستمبر ۱۹۶۲ء میں ربوہ واپس آکر جامعہ احمدیہ میں بطور لیکچرار خدمات بجالانے لگے اور مرکزی مہتمم اطفال الاحمدیہ کی ذمہ داری بھی ادا کرتے رہے۔ اسی زمانہ میں آپ نے بچوں کے لئے کتاب "کامیابی کی راہیں" (چار حصص) تیار کر کے شائع کی۔ ۱۴ر اپریل ۱۹۶۶ء کو دوسری مرتبہ ماریشس روانہ کئے گئے جہاں آپ نے فرانسیسی زبان میں ایک ماہانہ رسالہ Le Message جاری کرنے کے علاوہ فرنچ زبان میں اسلامی لٹریچر کی بھی بکثرت اشاعت کی۔ وہاں سے اپریل ۱۹۷۰ء میں ربوہ واپس آنے پر "مجلس نصرت جہاں" کے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ فروری ۱۹۷۴ء میں بطور مبلغ انچارج سیرالیون مشن مغربی افریقہ روانہ کئے گئے۔ ستمبر ۱۹۷۶ء میں وہاں سے واپس آکر کچھ عرصہ کے لئے پھر جامعہ احمدیہ میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ آجکل "بطور سیکرٹری مجلس نصرت جہاں" مصروفِ کار ہیں۔

خلیفے خدا ہی بناتا ہے اور پھر ان کے منہ سے نکلی ہوئی باتوں کو پورا کرنے کے سامان بھی خود ہی فرماتا اور غیر معمولی برکتوں سے ان کے پروگراموں کو نوازتا ہے۔ جن کی شاندار کامیابی کو دیکھکر دنیا دنگ رہ جاتی ہے۔ اور انہیں بزورِ مٹانے کی کوششوں میں دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں بھی عاجز آجاتی ہیں۔

اس حقیقت کے ثبوت میں تین واقعات عرض کرتا ہوں جن کا میں عینی شاہد ہوں۔

(۱) مئی ۱۹۷۰ء میں حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مغربی افریقہ کا تاریخی دورہ فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ کے منشاء سے نصرت جہاں ریزرو فنڈ کے لئے ایک لاکھ پونڈ جمع کرنے کا اعلان فرمایا۔ تا اس کی مدد سے افریقہ کے ضرورتمندوں کے لئے احمدیہ کلینک اور احمدیہ سیکنڈری سکول کھولے جائیں اور اس طرح انہیں عیسائیت کے چنگل سے بچانے کا خاطر خواہ انتظام کیا جائے اللہ تعالیٰ

کے فرشتوں نے احمدیوں کے دلوں میں وحی فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مطلوبہ فنڈ میں تین لاکھ پونڈ سے بھی زیادہ رقم جمع ہوگئی۔ بڑے بڑے قابل ڈاکٹروں نے حصولِ ثواب کی خاطر وقف کیا اور میدانِ عمل میں جا ڈیرے ڈالے۔ انہی جانبازوں میں سے ایک ڈاکٹر امتیاز احمد صاحب ایم۔ بی بی ایس۔ ایف آر سی۔ ایس بھی تھے جن کو حضور نے دعاؤں کے بعد سیرالیون کے ایک قصبہ باجے بو میں متعین فرمایا۔ جو کچی سڑک پر قریبی شہر سے ۲۴ میل دور واقع ہے۔ جہاں بجلی اور پانی کا انتظام بھی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بسم اللہ کر کے ۵ جولائی ۱۹۷۱ء کو تیوں کی ایک جھونپڑی میں کام شروع کر دیا۔ دعاؤں نے رنگ لانا شروع کیا۔ اسی عارضی انتظام کے ماتحت اپریشن پر اپریشن کئے اور مریضوں کو اللہ تعالیٰ صحتیاب فرماتا گیا۔ ابھی سال ڈیڑھ ہی گزرا تھا کہ ہسپتال میں مریضوں کا تانتا بندھ گیا۔ چنانچہ ہسپتال کی نئی عمارت کی منظوری مرکز سے چلی گئی اور کام کی ابتدا کرنے کے لئے جو ۵۰۰ پونڈ ڈاکٹر صاحب کو دیئے گئے تھے۔ ان میں غیر معمولی برکت کا اس عاجز نے خود مشاہدہ کیا خاکسار جب فروری ۱۹۷۴ء میں باجے بو پہنچا تو دیکھا کہ ایک وسیع ہسپتال کی بنیادیں زمین سے بلند ہو رہی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف دوپہر تک مریضوں کو دیکھتے دوائی دیتے۔ اور دوپہر کے کھانے کے بعد اپریشن کرتے۔ اسی دوران بار بار نئی عمارت کی نگرانی اور راہنمائی کے لئے بھی جاتے اور سامان تعمیر کی فراہمی کا انتظام کرتے جس کے لئے انہیں اکثر کینما شہر جانا پڑتا۔ اور کچی سڑک پر ۷۰ میل سفر کر کے رات گئے واپس آتے اور نمازِ فجر ادا کرتے ہی پھر کام پر جُت جاتے۔ عمارت کے سب اخراجات ہسپتال کی آمد سے ہی کرتے گئے یہانتک کہ دسمبر ۱۹۷۴ء میں ہسپتال مع ساز و سامان کے مکمل طور پر تیار ہو گیا۔ لوہے کے ۴۰ عدد بہترین بیڈز خرید کر بچھائے گئے۔ اپریشن تھیٹر اور لیبارٹری کے لئے چین سے سامان درآمد کیا گیا۔ ایکسرے پلانٹ بھی پہنچ گیا تھا۔ اس کے رسمی افتتاح کے لئے تیاریاں ہو رہی تھیں جس سے قبل ضروری تھا کہ وزارت صحت کے افسرانِ اعلیٰ عمارت اور سامان کے معائنہ کے بعد رپورٹ دیں۔ چنانچہ ملک کے چیف میڈیکل آفیسر مع چیف پتھالوجسٹ اور صوبائی میڈیکل آفیسر وہاں پہنچ گئے۔ تفصیلی معائنہ شروع ہوا۔ ہماری جماعت کے جنرل پریذیڈنٹ پیرامونٹ چیف ناصر الدین گامانگا مرحوم بھی میرے ساتھ تھے ایک ایک وارڈ۔ دوائی خانہ۔ لیبارٹری وغیرہ کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد جب اپریشن تھیٹر

میں پہنچے تو حیران رہ گئے اور بیساختہ پکار اُٹھے کہ یہ ہمارے ملک کا ماڈرن قسم کا بہترین اپریشن تھیٹر بن گیا ہے اور باوجود ہر چیز کا بغور معائنہ کرنے کے کوئی خامی نہ نکال سکے اور معائنہ ختم کرکے کھانے کی میز پر آگئے جس کو سجانے کے لئے محترم ڈاکٹر صاحب کی بیگم صاحبہ نے خوب محنت کی تھی۔

غیر معمولی نصرتِ الٰہی کھانے کے بعد چیف پیتھالوجسٹ مجھے ایک طرف لے گئے اور پوچھنے لگے کہ اتنے بڑے ہسپتال کے لئے آپ کو کس گورنمنٹ نے مدد دی ہے کیا پاکستان یا سعودی عرب سرپرستی کر رہے ہیں۔ مَیں نے عرض کی کہ نہیں بلکہ یہ صرف غریب احمدیوں کے حقیر عطیہ جات کا نتیجہ ہے جو انہوں نے نصرت جہاں ریزرو فنڈ کے لئے بڑے اخلاص اور ایثار سے اپنے پیٹ کاٹ کر دیئے ہیں۔ مگر وہ کہنے لگے کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اتنی چھوٹی سی غریب جماعت اتنے مختصر سے وقت میں ایسا بڑا ہسپتال بنا لے اتنا بڑا ہسپتال تو ہماری گورنمنٹ بھی اتنے مختصر وقت میں نہیں بنا سکی۔ جوں جوں میں مزید تفصیل بتاتا گیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہاتھ ابتداء سے ہی جماعت احمدیہ کی خاص مدد کرتا رہا ہے ان کے چہرے سے حیرت کے آثار زیادہ نمایاں ہوتے چلے گئے۔

بالآخر انہوں نے اعتراف کیا کہ جماعت احمدیہ کی ترقی کا راز ان کی سمجھ سے بالا ہے کہ کس طرح ایک بے یار و مددگار جماعت مادی وسائل کے فقدان کے باوجود خدمتِ خلق کے اتنے بڑے بڑے منصوبے ایسی کامیابی سے مختلف ممالک میں چلا رہی ہے کہ عیسائیوں کے پرانے ہسپتال بھی ان کے آگے ماند پڑ گئے ہیں۔ بلکہ اب وہ اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آئے ہیں اور جماعت کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔ اس معائنہ سے چند دن قبل سیرالیون کی جماعتوں کا جلسہ سالانہ ۱۹۷۶ء بھی "باجے بو" میں منعقد ہوا تھا تا سب حاضرین نصرت جہاں کے اس شاندار ہسپتال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس منصوبہ کی کشش نے سیرالیون کے چاروں کونوں سے احمدیوں اور غیر احمدیوں کو مقناطیسی قوت کے ذریعہ اتنی کثرت سے کھینچا کہ ہمارے سارے انتظامات ناکافی ثابت ہوئے کیونکہ ہماری انتظامیہ کا خیال تھا کہ باجے بو جہاں جلسہ ہو رہا ہے مُلک کے وسطی علاقہ سے ہٹ کر ایک ذیلی سڑک پر واقع ہے اور وہاں کیلئے ٹرانسپورٹ ملنی بھی مشکل ہوتی ہے اس لئے گزشتہ سال کی نسبت حاضری کم رہے گی مگر ہماری

خوشی کی انتہا نہ رہی جبکہ دوسرے دن جلسہ کی حاضری گزشتہ سال کی نسبت ۵۰ فیصد زیادہ ہو گئی اور ۱۹۷۴ء کے جلسہ سے تین گنا ہو گئی اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ سچ ہے کہ احمدیت کی ترقی خدا کی تقدیروں میں سے ایک ہے جس کے راستے میں کوئی روک حائل نہیں ہو سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

جس بات کو کہے کہ کروں گا میں یہ ضرور

ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

(۲) ''اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ'' ستمبر ۱۹۷۵ء میں سیرالیون کے شمالی صوبہ کے دارالحکومت کبالہ میں مجھے اللہ تعالیٰ نے احمدیہ مسلم سیکنڈری سکول کھولنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس سکول کی ابتداء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جو معجزانہ تائیدات وابستہ ہیں وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل شدہ الہام اِنِّیْ مُعِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِعَانَتَکَ وَاِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ کی صداقت کا زبردست نشان ہیں۔ یعنی جو تیری مدد کرنے کا ارادہ کریگا مَیں اس کی مدد کروں گا۔ اور جو تیری ذلت چاہے گا مَیں اسے ذلیل کروں گا۔

اس ضلع میں اکثریت مسلمانوں کی ہے مگر پرائمری سکول قریباً سارے کے سارے کیتھولک عیسائیوں نے سرکاری افسران کے زیرسایہ گورنمنٹ گرانٹ سے قائم کر رکھے ہیں۔ ضلع کا واحد سیکنڈری سکول بھی انہیں کا تھا اور ان سکولوں کے ذریعہ علاقہ کی نئی نسل کو جبری بپتسمہ دینا یعنی عیسائی بنانا کھلم کھلا جاری تھا بلکہ جو طالب علم اپنے مذہب پر قائم رہنے کی کوشش کرتا اس پر مختلف قسم کے دباؤ اور جبر روا رکھے جاتے۔ صلیبیوں کے اس جبری غلبہ کو اور صلیبیوں کو پاش پاش کرنے کا موقعہ حضرت کاسرِ صلیب علیہ السلام کے خدام کو ۱۹۷۴ء میں ملا۔ جب خاکسار مع اپنے نائب مولوی نظام الدین صاحب مہمان کے اس ضلع کے تفصیلی دورہ پر گیا اور کبالہ کی مختصر سی احمدیہ جماعت نے اپنے خوش آمدید ایڈریس میں اس ضلع میں احمدیہ مسلم سیکنڈری سکول کھولنے کی ہمیں درخواست کی جس کی تائید بعض مقامی مسلمانوں نے بھی کی۔ ہم نے علاقہ کا سروے کرنے کے بعد اس سکیم کو عملی جامہ پہنانے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ اگلے سال ۱۹۷۵ء میں اس غرض کے لئے دوسرا تفصیلی دورہ کیا گیا اور جب میدان کو

تیار پایا تو وہاں کے مسلمان پیرا مونٹ چیف حاجی بالا کی طرف سے محکمہ تعلیم کو کبالہ میں احمدیہ مسلم ایگریکلچر سیکنڈری سکول کھولنے کی باقاعدہ درخواست بھیجی گئی۔ حالات کی نزاکت اور علاقہ کی ضرورت کے پیش نظر وہاں کے عیسائی انسپکٹر آف سکولز نے بھی اس کی سفارش کر دی اور اس علاقہ کے ایک مسلمان وزیر معدنیات مسٹر کونٹے نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے اس مجوزہ سکول کے اجراء کی منظوری حاصل کر لی۔ اور ریڈیو کے ذریعہ یہ خوشخبری لوگوں تک پہنچائی گئی۔

چنانچہ اس سکول کے اجراء کے لئے ہم نے مکرمی مولوی خلیل احمد صاحب مبشر اور عزیزم مبشر احمد صاحب پال بی ایس سی (دی اینڈ) نامزد پرنسپل کو دو ماہ قبل ہی کبالہ بھجوا دیا۔ تاکہ مکان کی فراہمی اور مرمت اور فرنیچر کی تیاری بر وقت ہو سکے۔ جب وہ میدان عمل میں پہنچے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں کے عیسائی لیڈروں نے اس شہر کے دوسرے حصہ کے عیسائی پیرا مونٹ چیف سے مل کر ہمارے مجوزہ سکول کے مقابل پر اپنا ایک اور سیکنڈری سکول کھول دیا ہے اور طلبہ کو بھی داخل کر لیا ہے یہ وہاں کے کیتھولک مشن والوں کی چال تھی تاکہ وہ کسی طرح ہمارے مجوزہ سکول کو فیل کر سکیں۔ ہمارے دوست گھبرائے اور ایک خاص آدمی بھجوا کر مجھے اطلاع دی۔ میں نے حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بذریعہ تار دعا کی درخواست کی اور تفصیلی خط بھی لکھا جس کا تسلی بخش جواب ملا اور ہم نے اپنی کارروائی جاری رکھی۔

سکول کی افتتاحی تقریب

چنانچہ ۱۰ ستمبر ۱۹۷۵ء کو ہمارے سکول کی افتتاحی تقریب عمل میں آئی۔ بہت سے مقامی احباب موجود تھے۔ اس عاجز نے سکول کی غرض وغایت بیان کی کہ ہم اس کے ذریعہ اس علاقہ کے مسلمانوں کی خدمت کرنا چاہتے ہیں انہیں عیسائیت کے چنگل اور مغربی تمدن کے تمام بد اثرات سے محفوظ رکھنا ہمارا مقصد ہے۔ نیز بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دے کر اپنے زیر تربیت انہیں عملی اور پکے مسلمان بنانا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

اس کے بعد سکول کے سامنے صبح کی اسمبلی حاضرین کو ملاحظہ کرائی جس میں طلبہ اور طالبات نے مکمل نماز سنائی اور بعض نے تلاوت کی۔ اس کا اثر مقامی لوگوں پر اتنا اچھا ہؤا کہ انہوں نے اپنے بچے اس نئے عیسائی سکول سے اٹھا کر آہستہ آہستہ

ہمارے سکول میں داخل کرانے شروع کر دیئے ہمارے اساتذہ نے ایسے شاندار طریق سے بچوں کو سنبھالا اور عام تعلیم کے علاوہ دینیات کے اسباق دینے شروع کئے کہ ہمارا سکول ابتداء سے ہی ایک کامیاب معیاری سکول کہلانے لگا اور اس شہرت کا یہ نتیجہ نکلا کہ ابھی پہلا سمسٹر بھی ختم نہ ہوا تھا کہ دسمبر سے پہلے پہلے دوسرے سکول کے اکثر طلبہ ہمارے سکول میں داخل ہو چکے تھے یہ صورت حال دیکھکر اس سکول کے پرنسپل اور مینیجر طلباء کو بے سہارا چھوڑ کر قصبہ سے غائب ہو گئے اور وہ سکول بند ہو گیا باقیماندہ طلبہ کو ڈسچارج سرٹیفکیٹ دینے والا بھی کوئی نہ رہا بلکہ مقامی لوگوں کے مشورہ سے یہ کام بھی ہمارے سکول کے پرنسپل صاحب کو خود ہی کروانا پڑا۔

گرانٹ بھی ملنی شروع ہو گئی

ادھر ہمارے سکول میں پہلے ہی طلبہ کی تعداد ۱۵۰ سے زائد ہو گئی۔ اتنی تعداد ہمارے پہلے کسی سکول کی ابتدا میں نہ ہوئی تھی عوام بھی اسے پسند کرنے لگے اور حکام بھی۔ محکمہ تعلیم کے پرنسپل ایجوکیشن آفیسر ڈاکٹر بامر کسی اور کام کے لئے کبالہ آئے تو سکول کی شہرت سُن کر وہاں بھی تشریف لے آئے اور سکول کی ترقی کی رفتار دیکھ کر وعدہ کر گئے کہ وہ سکول کے لئے سرکاری گرانٹ کی سفارش کریں گے۔ چند ماہ بعد وزیر تعلیم کا بھی اُدھر سے گزر ہوا تو انہیں بھی سکول دیکھنے کا موقعہ مل گیا اور اس کے حالات سے متاثر ہو کر انہوں نے ایک عوامی جلسہ میں ہمارے سکول کی کارکردگی پر خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ اس وقت سکول کی پختہ عمارت ایک وسیع و عریض قطعہ زمین میں جو وہاں کے چیف نے سکول کے لئے عطا کیا تھا شروع کی جا چکی تھی۔

اب اللہ تعالٰے کے فضل سے نصرت جہاں سکیم کے مطابق کھولے گئے باقی سکولوں کی طرح ہمارے اس سکول کو بھی سرکاری گرانٹ مل چکی ہے اور دن دُونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ اب ۸۵۰ طلبہ و طالبات اس سکول میں تعلیم پا رہے ہیں۔ اور وہ وزیر جس نے گرانٹ کے بارے میں بعد میں ہمارے اس سکول کی شدید مخالفت کی تھی حکومت کے زیرِ عتاب آکر سزا پا گیا۔ اور اس طرح وہاں کے عوام نے اللہ تعالٰے کی تائید و نصرت کا نشان احمدیت کے حق میں بچشم خود ملاحظہ کیا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام بار بار پورا ہوتا سب نے دیکھ لیا کہ اِنِّیْ مُعِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِعَانَتَکَ

دَاِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ۔ یعنی جو تیری مدد کرنے کا ارادہ کرے گا میں اس کی مدد کروں گا۔ اور جو تجھے ذلیل کرنے کا ارادہ کرے گا میں اُسے ذلیل کر دوں گا۔

(۳) نصرتِ الٰہی کا ایک اور نشان

سیرالیون کے علاوہ گھانا۔ نائیجیریا۔ لائبیریا اور گیمبیا میں بھی" نصرت جہاں آگے بڑھو" پروگرام کے تحت احمدیہ ہسپتال اور احمدیہ سیکنڈری سکول قائم کئے گئے ہیں اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل سے اس عاجز کو ان میں سے اکثر کو دیکھنے کا موقعہ عطا فرمایا انہیں میں سے فروری ۱۹۷۴ء میں گھانا کے ایک چھوٹے سے گاؤں اسکورے میں قائم کردہ احمدیہ ہسپتال اس عاجز نے دیکھا تو بے اختیار منہ سے سبحان اللہ الحمدللہ اور اللہ اکبر کے الفاظ نکلے۔ اور ساتھ ہی ۱۹۷۱ء سے یعنی اس کی ابتداء سے سارے واقعات فلم کی طرح میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔ مثلاً پاکستان کے ایک بہت بڑے تجربہ کار ماہر سرجن ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ صاحب چھٹی لے کر اسکورے پہنچتے ہیں جو ایک چھوٹا سا دور افتادہ گاؤں ہے۔ جہاں نہ بجلی اور نہ پانی کا انتظام ہے قریب ترین شہر کماسی کچی سڑک پر وہاں سے ۲۹ میل دُور ہے ہسپتال کا سُن کر وہاں کے چیف نے کئی ایکڑ زمین دینے کا اعلان تو کر دیا تھا مگر فوری طور پر کوئی ایسی عمارت میسر نہ تھی جو ہسپتال کے لئے موزوں ہوتی۔ ڈاکٹر صاحب وہاں پہنچتے ہی اپنے آقا حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ کی خدمتِ اقدس میں سارے حالات لکھتے ہیں کہ اسکورے میں ہسپتال کے قیام کے فیصلہ پر نظرِ ثانی فرمائی جائے۔ کیونکہ یہاں مریضوں کے علاج کے لئے کوئی سہولت بھی تو میسر نہیں۔ ڈاکٹر صاحب اس مضمون کا ایک کے بعد دوسرا پھر تیسرا اور چوتھا خط لکھتے چلے جاتے ہیں تاہم ماہر ڈاکٹر تھے بغیر کام کے کیسے رہ سکتے تھے۔ ادھر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے پریشان کن خطوط پاکر فکرمند ہوجاتے ہیں۔ اور دعاؤں میں لگ جاتے ہیں۔ گرمیوں کے دن تھے ایک دن نمازِ عصر سے فارغ ہوکر مسجد سے گھر کو جارہے تھے کہ عاجز (سیکرٹری نصرت جہاں) کو یاد فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ ڈاکٹر غلام مجتبیٰ صاحب کو تار دے دو۔ کہ ہم نے بہت دعا کی ہے اللہ تعالےٰ اسکورے میں ہی برکت ڈالے گا۔ اسکورے کو چھوڑنا نہیں۔ آپ جم کر وہاں ہی کام کریں۔

خدا کے خلیفہ کی دعاؤں کو خدا تعالیٰ نے کیسے مقبولیت بخشی یہ ایک طویل داستان ہے۔ جس کی تفصیل ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ صاحب کے بعد کے خطوط پیش کرتے ہیں۔ کہ جب وہاں ہی لکڑی کے میز پر انہوں نے اپریشن شروع کر دیئے تو مریضوں کا تانتا بندھ گیا۔ اپنی باری لینے کے لئے مریضوں کو کئی دن کا انتظار کرنا پڑتا۔ اگر ڈاکٹر صاحب نماز عید میں شمولیت کے لئے احمدیہ مرکزی مشن سالٹ پانڈ ایک دو دن کے لئے جاتے ہیں تو مریض ڈاکٹر صاحب کی غیر حاضری میں ہی اپریشن کی فیس پیشگی جمع کروا جاتے تاکہ باری آنے میں دیر نہ لگے۔ ایک افریقن بچہ آپ کے پاس لایا گیا جس کو اپریشن کے لئے گھانا کے ماہر ڈاکٹر خود بے بس ہو کر لندن بھجوا رہے تھے۔ مگر آپ نے اس کے معائنہ اور دعا کے بعد فیصلہ کیا کہ آپ گھانا ہی میں اس کا اپریشن کامیابی کے ساتھ کر سکیں گے۔ چنانچہ اس کامیاب اپریشن کے بعد وہاں کے اخباروں میں خوب اس کا چرچا ہوا کہ ایک پاکستانی ڈاکٹر نے گھانا کے ایک معمولی گاؤں میں اس بچہ کا کامیابی سے اپریشن کر لیا۔ وہاں جب اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب کے کام میں غیر معمولی برکت ڈالی تو اس کامیابی کو دیکھکر وہاں کے عیسائی مشن کے لیڈر کی حاسدانہ رگ پھڑک اٹھی۔ اس وقت وہاں ملٹری کی حکومت تھی۔ ہمارے ہسپتال کی بے سرو سامانی کی آڑ لے کر ہمارے خلاف کمشنر برائے صحت کے کان بھرے جانے لگے۔ جو خود بھی ایک کٹر عیسائی تھے۔ آخر انہوں نے ایک دن اپنے دفتر میں ڈاکٹر صاحب کو بلایا اور دھمکی دی کہ میں تمہیں اس ملک سے باہر نکال کے رہونگا۔ کیونکہ تم بغیر ماڈرن سازو سامان کے ہسپتال چلا رہے ہو اگر میں تمہارا ہسپتال بند نہ کر سکوں تو پھر میری کمشنری بے سود اور بے اثر ہے وغیرہ وغیرہ تاہم اس واقعہ پر بھی ڈاکٹر صاحب نے کمال صبر دکھایا اور کام کے ساتھ ساتھ دعاؤں میں لگے رہے کہ تھوڑے عرصہ میں ہی لوگوں نے یہ خبر سن لی کہ اس کمشنر برائے صحت کی نااہلی کی وجہ سے اسے کام سے فارغ کر دیا گیا ہے لیکن ادھر ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے کئی سال وہاں کام کرنے کی توفیق دی۔ اور ان کے کام میں مالی برکت بھی ایسے غیر معمولی طور پر ڈالی کہ آپ نے وہاں نئی مجلس نصرت جہاں کا سب سے بڑا ہسپتال بنوا دیا اور ہر قسم کے ماڈرن سامان اور ضروریات سے لیس کر دیا۔ جسے ۱۹۷۲ء میں اس عاجز نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حکومت نے پانی بجلی کا انتظام بھی کروا دیا۔

کماسی تک سڑک پکی بنوادی اور مریضوں کی سہولت کے لئے سرکاری بس بھی ہسپتال تک چلادی۔

چنانچہ اسی سال اس کا افتتاح وہاں کے نئے کمشنر برائے صحت نے کیا۔ اس افتتاحی تقریب میں شمولیت کے لئے عکرا سے سرکاری حکام اور پاکستانی سفیر محترم بھی ڈیڑھ دو سو میل کا سفر کر کے اس دورافتادہ گاؤں میں تشریف فرما ہوئے۔ گویا احمدیت کی بدولت اس جنگل میں منگل کا سا سماں پیدا ہو گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

آجکل اس ہسپتال کے انچارج ڈاکٹر حمید احمد صاحب اور آپ کی اہلیہ محترمہ ڈاکٹر قیصر جہاں صاحبہ ہیں۔ اب وہاں نہ صرف گھانا کے بلکہ اردگرد کے ممالک کے مریض بھی کثرت سے آتے ہیں۔ کہ ان کے لئے ہسپتال میں توسیع کے سات سالہ پروگرام پر عمل شروع ہو چکا ہے جس پر ۱۴ لاکھ سڈیز خرچ کرنے کی منظوری دی گئی ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالیٰ۔

جماعت احمدیہ فجی کے بعض مخلصین کی خوابیں

اور

قبولِ احمدیت کے حالات

(از مکرم مولوی سجاد احمد صاحب خالد مبلغ انچارج احمدیہ مشن جزائر فجی)

خاکسار حسب حکم سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ ۱۰ مئی ۱۹۷۷ء کو تبلیغِ اسلام کی غرض سے جزائر فجی پہنچا۔ اس ملک میں تبلیغ کے دوران اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے بے شمار جلوے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ۱۹۷۷ء کے آخر میں ایک مرتبہ اس ملک کے جزیرہ ممباسہ کے تبلیغی دورہ پر گیا۔ جس کے دوران قصبہ نصروانگا کے ایک مخلص احمدی بھائی نور شاہ صاحب نے پروگرام بنایا کہ وہاں سے ۴۰ میل دور اُن کے خسر مکرم عبدالغفور صاحب کے گھر پہنچکر ان کو تبلیغ کی جائے۔ وہ عرصہ سے زیرِ تبلیغ تھے اور احمدیت کی سچائی کا اقرار کرنے کے باوجود جماعت میں شمولیت سے گریز کر رہے تھے۔

ایک خاندان کے قبولِ احمدیت کی دلچسپ رُوداد

چنانچہ نور شاہ صاحب مکرم حامد حسین صاحب مکرم شاہ محمد صاحب۔ مکرم محمود شاہ صاحب اور خاکسار پر مشتمل تبلیغی وفد ایک روز عبدالغفور صاحب کے گھر پہنچا۔ ان کی بیگم صاحبہ کو ہمارا اس غرض کے لئے ان کے گھر آنا سخت ناگوار گزرا۔ اور انہوں نے ہمیں دیکھتے ہی کچن سے نکل کر ہمیں ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی اور کہنے لگیں کہ ان کے گھر میں احمدیت کے بارہ میں کوئی بات نہ کی جائے۔ اور کچن میں واپس چلی گئیں۔ ہم مکرم عبدالغفور صاحب کو تقریباً ایک گھنٹہ تبلیغ کرتے رہے۔ چنانچہ انہوں نے شرحِ صدر ہونے پر بخوشی بیعت فارم پُر کر دیا۔ دُعا کے بعد جب ان کی بیگم کو پتہ لگا کہ ان کے خاوند نے بیعت کر لی ہے تو بہت جُزبُز ہوئیں۔ اور کمرے میں آتے ہی شور ڈال دیا۔ کہ آپ نے ہمارے گھر میں فتنہ ڈال دیا ہے میری بیٹی اور داماد پہلے ہی احمدی ہیں۔ اب آپ لوگوں نے میرے خاوند کو بھی احمدی بنا لیا ہے۔ آپ ابھی فوراً یہاں سے چلے جائیں۔ اس پر خاکسار نے ان کو بڑی نرمی اور عاجزی سے سمجھایا کہ ہم نے کوئی بُرا کام تو نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ خلیفہ اور امامِ وقت کی بیعت ہی کرائی ہے۔ اور اب باقاعدہ الٰہی جماعت میں شمولیت سے ان کے اسلام کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ اس پر وُہ کچھ سنجیدہ ہو کر سوالات کرنے لگیں جن کے مَیں جواب دیتا رہا حتیٰ کہ ان کے شکوک و شبہات بھی سب دُور ہو گئے اور انہوں نے بھی اسی وقت بیعت کر لی۔ اس وقت کا ماحول روحانی لحاظ سے اتنا پیارا اور خوشگوار ہو گیا کہ بیگم عبدالغفور صاحبہ خود ہی کہنے لگیں کہ اگر بیعت کرنا اور امامِ وقت کی جماعت میں شامل ہونا نیکی کا کام ہے تو پھر آپ ہمارے بیٹے محمد تقی کو بھی ضرور اس میں شامل کریں تاکہ ہمارے کنبے میں کوئی اختلاف نہ رہے۔ اس پر ہم سب ان کے بیٹے محمد تقی صاحب کے گھر گئے۔ مَیں نے انہیں کہا ہم آپ کے لئے ایک تحفہ لے کر آئے ہیں وہ ہم اس شرط پر آپ کو پیش کریں گے کہ آپ اسے ردّ نہ کریں۔ چنانچہ دو گھنٹہ کی بحث کے بعد ان کی تسلی ہو گئی اور انہوں نے بھی بیعت کر لی اور یوں اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ سارا خاندان ہدایت پا گیا۔

ایک خطرناک حادثہ اور حفاظتِ الٰہی

آخر مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد تقریباً ۹ بجے شب ہم بذریعہ ویگن ان کے گاؤں سے واپس نصرو انگار روانہ ہوئے۔ ویگن خاکسار خود چلا رہا تھا۔ چونکہ اس کی ہینڈ بریک خراب تھی۔

اور راستہ بھی کچا تھا اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے گزرتا تھا اس لئے راستے میں بعض دفعہ سخت مشکل پیش آتی رہی۔ خصوصاً جب چڑھائی ہوتی۔ چنانچہ دس پندرہ میل طے کرنے کے بعد ایک اڑھائی تین سو فٹ اونچی پہاڑی آ گئی۔ ہم اس کے اوپر چڑھ رہے تھے لیکن چونکہ مجھے اس راستے کا تجربہ نہیں تھا۔ میں یہ اندازہ نہ کر سکا کہ گیئر تبدیل کرنا ضروری ہے۔ جب گاڑی کھڑی ہوتی نظر آئی تو میں نے فوراً تیسرا گیئر لگایا لیکن پھر بھی ویگن آگے نہ چل سکی۔ فوراً سیکنڈ گیئر تبدیل کیا۔ لیکن اب ویگن بالکل کھڑی ہو گئی۔ لائٹ بجھ گئی اور بریک بھی فیل ہو گئی۔ ہمارے پیچھے تقریباً دو فرلانگ کی اترائی تھی۔ جو ہم چڑھ چکے تھے اور سڑک کے دونوں طرف ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو فٹ گہرائی اور گڑھے اور جھاڑیاں تھیں۔ اب ویگن بڑی تیزی سے پیچھے کی طرف روانہ ہونا شروع ہو گیا۔ پیچھے بیٹھے ہوئے تینوں دوستوں نے زمین پر چھلانگ لگا دی کیونکہ ویگن کنٹرول سے باہر ہو چکی تھی اور سامنے موت نظر آ رہی تھی۔ میں نے آخری حربہ کے طور پر اللہ تعالےٰ کے حضور اضطراری التجائیں اور مسنون دعا رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُکَ رَبِّ فَاحْفَظْنَا وَانْصُرْنَا وَارْحَمْنَا اونچی آواز سے پڑھنی شروع کر دی۔ بھائی حامد حسین صاحب آگے میرے ساتھ بیٹھے تھے انہوں نے اس گھبراہٹ کے عالم میں یکدم تیزی سے فرمایا۔ مولانا! دائیں طرف جھاڑیاں ہیں۔ ویگن فوراً دائیں طرف گھمائیں۔ شاید جھاڑیوں سے ٹکرا کر ویگن رک جائے دراصل وہاں کوئی جھاڑی نہیں تھی بلکہ تقریباً چھ سات فٹ گہرا گڑھا تھا اندھیرے میں ہمیں یونہی جھاڑیوں کا گمان ہو رہا تھا۔ میں نے تیزی سے ویگن کو گھمایا اور پھر ہم ایک دھماکے کے ساتھ گڑھے میں جا گرے لیکن ویگن گڑھے سے اُچھلا اور آگے ایک چھوٹے سے درخت کے ساتھ ٹکرا کر رک گیا۔ اور اس طرح مزید نیچے کی طرف رول ہونے سے بچ گیا۔ اس حادثہ کی دہشت اور صدمہ کی وجہ سے اس وقت ہم سمجھے کہ اگر ہم مر نہیں گئے تو بھی ویگن کے اندر سخت زخمی حالت میں پڑے ہیں۔ اور ویگن سے کودنے والے دوست بھی یہی سمجھے تاہم وہ بھاگ کر زور زور سے ہمیں آوازیں دیتے ہوئے ہمارے پاس پہنچے اور ہمیں ویگن سے باہر نکالا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم بالکل محفوظ رہے صرف بعض معمولی زخم اور خراشیں آئیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہماری اضطراری دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور ہمیں بچا لیا ورنہ اتنے بڑے حادثے

سے بچ نکلنا ناممکنات میں سے تھا۔

ایک سکھ دوست کا بروقت تعاون

اب رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ بیس بیس میل پر وہاں کوئی گاؤں نہ تھا۔ اور ویگن کو اس جگہ سے نکالنا اور سڑک پر لانا ہمارے بس کی بات نہیں تھی۔ ہم میں سے ایک دوست کو یاد آیا کہ وہاں سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر ایک سکھ زمیندار جنگل میں اپنی زمینوں پر رہتے ہیں۔ چنانچہ ہم میں سے دو بھائی پیدل ان کے پاس گئے وہ سکھ دوست اپنی کار اور ٹریکٹر لے کر ہماری مدد کو پہنچ گئے اس جگہ تک راستہ بناتے بناتے رات کے دو بج گئے آخر ہم نے ٹریکٹر کے ذریعہ ویگن کو کھینچ کر باہر نکالا۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ اتنے شدید حادثے کے باوجود ہماری ویگن بھی اس حد تک محفوظ رہی کہ سٹارٹ کرنے پر فوراً سٹارٹ ہوگئی اور پھر ہم سب اسی میں سوار ہو کر اس سکھ دوست کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہو کر بخیر و عافیت نصروا نگا پہنچ گئے۔ اور یوں اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے ہمارا یہ دورہ نہ صرف تبلیغی لحاظ سے کامیاب رہا بلکہ اس حادثے کے باوجود جانی اور مالی لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر طرح سے محفوظ رکھا فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی دعا سے بارانِ رحمت

جب ۱۹۷۷ء میں خاکسار فجی پہنچا تو مجھے معلوم ہوا۔ کہ فجی ملک کے باشندے اس سال بارش کی بڑی شدت سے کمی محسوس کر رہے ہیں اور وہ خشک سالی سے سخت پریشان ہیں۔ ملک کے مولوی صاحبان بارش کے لئے دعائیں کر چکے تھے۔ اور ہندو پنڈت کھلے میدانوں میں آگ جلا جلا کر بارش برسانے والے دیوتاؤں سے بارش کے لئے التجائیں کر چکے تھے۔ اس ملک کے ہندوؤں میں یہ رسم ہے کہ اگر حسبِ ضرورت بارش نہ ہو اور قحط سالی کا خطرہ ہو تو میدانوں میں نکل کر آگ جلاتے اور ڈھول بجا بجا کر اپنے دیوتاؤں کو بارش کی کمی کا احساس دلاتے ہیں۔ تاہم اس وقت ان کی سب رسمیں اور دیوتا بیکار اور بے جان ثابت ہوئے اور بارش نہ ہوئی۔ جس سے حکومتی حلقوں میں بھی تشویش کا اظہار کیا جا رہا تھا کیونکہ یہ خشک سالی تقریباً سال بھر لمبی ہو گئی تھی۔ جو ملک کے لئے سخت نقصان دِہ تھی۔

اس دَوران ایک روز قصبہ بارہ میں خاکسار برادرم مکرم ماسٹر محمد یونس خانصاحب

کے مکان پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں خط لکھ رہا تھا مکرم ماسٹر یونس صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو کہنے لگے کہ ابھی ابھی اسی وقت حضور کی خدمت میں خصوصی طور پر لکھیں کہ سال بھر سے سارے ملک فجی میں بارش کا فقدان اور خشک سالی تباہی کا موجب ہو رہی ہے اور ملک کے لوگوں کی اور ہماری دعائیں اور دیگر رسوم بھی سب بے کار ثابت ہو چکی ہیں۔ حضور اس ملک کے باشندوں پر رحم فرماتے ہوئے متواتر خاص دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ جلد از جلد اس سرزمین کو حسبِ ضرورت بارش سے سیراب فرمائے نیز میری طرف سے یہ بھی خاص التجا کریں کہ اپنے ایک ادنیٰ مرید ماسٹر محمد یونس خان کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ہائی بلڈ پریشر کی تکلیف سے شفا عطا فرمائے۔

خاکسار نے اسی وقت ان دونوں اہم امور کے لئے حضور کی خدمت میں خاص دعا کی درخواست لکھکر روانہ کر دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس سلسلہ میں حضور کی دعاؤں کو قبول فرمایا اور خط کا جواب آنے سے پہلے پہلے سارے ملک میں اتنی شدید بارشیں ہوئیں کہ ہر طرف ہریالا اور سبزی ہی سبزی ہو گئی اور ہر شخص کی زبان پر بلکہ لوکل اخباروں میں اس رائے کا اظہار کیا گیا کہ کئی سالوں کے بعد ملک میں اتنی اچھی اور وسیع پیمانے پر بارشیں ہوتی ہیں۔ لیکن یہ بہت کم لوگوں کو معلوم تھا کہ پاکستان کے دریائے چناب کے کنارے بسنے والے ایک مردِ باخدا حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اور دردمندانہ دعائیں فجی میں اس بارانِ رحمت کے نزول کا موجب ہوئی ہیں۔ مکرم ماسٹر محمد یونس خانصاحب کی صحت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے حضور کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشا وہ خدا کے فضل سے اب صحت یاب ہیں اور جماعتی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے مخلص جوان ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالیٰ۔

خوابوں کے ذریعہ رہنمائی اور قبولِ احمدیّت

دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح جزائر فجی میں بھی بہت سے ایسے مخلص احمدی دوست موجود ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کے نتیجہ میں بذریعہ خواب احمدیت کی صداقت کا انکشاف فرما کر انہیں جماعت احمدیہ میں

داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔

مکرم مولانا محمد صدیق صاحب ایم ۔اے امرتسری سابق مبلغ انچارج احمدیہ مشن جزائر فجیؔ کے ارشاد پر خاکسار نے اس سلسلہ میں بعض احبابِ جماعت سے ان کی ایسی خوابیں تحریر کروائی ہیں جو قارئین کے ازدیادِ ایمان کے لئے یہاں درج کی جاتی ہیں :۔

(۱) مکرم جناب ماسٹر محمد حسین صاحب ہیڈ ماسٹر احمدیہ سکول لٹوکا تحریر فرماتے ہیں :۔

"۱۹۶۳ء سے قبل جب خاکسار ابھی لاہوری احمدیہ جماعت کے ساتھ منسلک تھا۔ اور قصبہ مارو (MARO) کے پرائمری سکول کے ہیڈ ماسٹر کے طور پر مارو میں مقیم تھا ایک روز سکول کی ایک طالبہ اپنے گھر سے دس پونڈ سٹرلنگ چوری اُٹھا کر لے آئی اور سکول کی دوسری بچیوں کے ساتھ مل کر اس نے سکول میں ایک پونڈ خرچ بھی کر لیا اس پر اُن بچیوں کے والدین کے درمیان جھگڑا اچل پڑا جس میں بعض والدین نے ہیڈ ماسٹر کو یعنی مجھے بھی ملوّث کر دیا اور مجھ پر بھی ناراض ہوئے کہ میں نے اس معاملے میں کیوں دخل دیا۔ یہانتک کہ معاملہ پولیس تک پہنچ گیا"۔

"مَیں اس واقعہ سے سخت پریشان ہوا۔ کیونکہ مَیں نے والدین میں محض باہمی مصالحت کی غرض سے اور نیک نیتی سے اس معاملے میں دخل دیا تھا اور کسی کی بے جا طرف داری نہیں کی تھی۔ اس پریشانی کے عالم میں خاکسار نے اللہ تعالےٰ کے حضور بھی دعا کی کہ وہ مجھے اس تنازعہ کے بد اثرات سے محفوظ رکھے چنانچہ اس دوران جزائر فجی کے پہلے مبلغ مکرم مولانا شیخ عبدالواحد صاحب فاضل مجھے خواب میں ایک فرشتہ سیرت بزرگ کی شکل میں ملے اور مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔" انشاء اللہ آپ کی پریشانی دور ہو جائے گی"۔ جب یہ خواب مَیں نے ناندی جا کر مکرم شیخ عبدالواحد صاحب فاضل سے بیان کیا۔ تو انہوں نے یہ تعبیر کی کہ آپ کی پریشانی انشاء اللہ واقعی دور ہو جائے گی۔ لیکن خواب میں آپ کا مجھے دیکھنا یہ ثابت کرتا ہے کہ اب اللہ تعالےٰ کا منشاء یہ ہے کہ آپ بیعت کر کے جماعت مبائعین میں شامل ہو جائیں اور کہ آپ کی سب مشکلات کا حل احمدیت میں ہے چنانچہ اس کے بعد میں شرح صدر سے بیعت کر کے جماعت احمدیہ مبائعین میں شامل ہو گیا جس کے نتیجہ میں واقعی اللہ تعالےٰ نے میری تمام پریشانیاں دور فرما دیں اور وہ سکول والا معاملہ بھی باحسن صورت طے ہو گیا"۔

(۲۲) مارو کے مکرم محمد بشیر خاں صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

"جزائر فجیؔ میں احمدیت کے چرچا اور احمدیہ مشن کے قیام سے پہلے وہاں عیسائیت کا بہت زور تھا۔ اور حضرت عیسٰےؑ کی آسمان سے آمد کے عیسائی بھی مسلمانوں کی طرح ہی منتظر تھے جس کی وجہ سے یہ خیال میرے دل میں گھر کرنے لگا۔ کہ عیسائیت سچی ہے اور عیسائی ہوجانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے تاہم اللہ تعالےٰ نے فضل فرمایا۔ مَیں ابھی عیسائی نہیں ہؤا تھا بلکہ سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے خواب میں ایک نہایت بزرگ انسان ملے۔ انہوں نے بڑے جلال سے مجھے فرمایا" محمد بشیر ہوش کرو۔ جس شخص کی تمہیں تلاش ہے وہ عیسٰے یا مسیح ناصریؑ نہیں ہے بلکہ وہ کوئی اَور ہے اور دنیا میں ظاہر ہوچکا ہے۔"

اس وقت جزائر فجی کے پہلے مبلّغ جناب شیخ عبدالواحد صاحب فاضل فجی میں آچکے تھے اور میرے والد محترم مولوی محمد قاسم صاحب بھی بیعت کرکے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شمولیّت اختیار کرچکے تھے۔ لیکن میرا اس طرف رجحان نہیں تھا۔ تاہم مذکورہ بالا خواب دیکھنے کے بعد میرا رجحان احمدیت کی مبایع جماعت کی طرف ہوگیا اور مَیں نے بھی اپنے والد صاحب کی طرح شرحِ صدر سے بیعت کرلی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلینے کے بعد مجھے اسلام سے ایسی محبّت اور لگاؤ پیدا ہوگیا اور ایسے فہم و فراست سے اللہ تعالےٰ نے سرفراز فرمایا کہ میں عیسائیوں کے سامنے نہایت جرأت اور یقین سے اسلام کی حقانیت اور عیسائیت کے موجودہ عقائد کا بطلان ثابت کرنے لگ گیا اور مَیں نے اللہ کا تہہِ دل سے شکر ادا کیا کہ صداقت مجھ پر کھُل گئی اور مَیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے اور حقیقی غلاموں میں شامل ہوگیا ہوں۔"

(۲۳) مکرم سردار حبیب خانصاحب آف مارو (جزائر فجیؔ) بیان کرتے ہیں کہ:۔

"چند سالوں کی بات ہے میرے ایک بچے کو جسم میں نمک کی زیادتی اور عدم توازن کی شدید تکلیف ہوگئی اس کا جسم دن بدن پھولتا جاتا تھا اور تکلیف اس حد تک بڑھ گئی کہ بچے کا بچنا مشکل ہوگیا بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں کا علاج کیا گیا لیکن آخرکار سب نے جواب دے دیا اور یہی رائے ظاہر کی کہ اب اس بچے کا بچنا ایک محال امر ہے مجھے مارو کے برادرم ماسٹر محمد یونس خانصاحب نے توجہ دلائی کہ پاکستان میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں دعا کے لئے تحریر کیا جائے

چنانچہ مَیں نے حضور کی خدمت میں بذریعہ خطوط بار بار دُعا کی درخواست کی اور بچے کی شفایابی کے لئے خاص دعائیں فرمانے کے لئے عرض کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ حضور کی طرف سے میرے خطوط کا جواب آنے سے پہلے ہی حضور کی دُعا سے بچہ رُوبصحت ہونے لگا۔ اور اس کے چند ہفتے بعد اللہ تعالےٰ کے فضل سے مکمل طور پر صحت یاب ہوگیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی۔"

کچھ اپنے متعلق

(از مؤلف کتاب ہٰذا)

یہ عاجز موضع بھڈیار تحصیل اٹاری ضلع امرتسر میں ۱۵ر جون ۱۹۱۵ء کو پیدا ہوا اور چھ سات سال کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ مستقل طور پر امرتسر چلا گیا۔ ۱۹۲۲ء میں میرے داداجان حضرت میاں گلاب دین صاحبؓ نے مجھے دینی تعلیم کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک صحابی محترم حکیم جان محمد صاحبؓ کے سپرد کردیا۔ حکیم صاحب ضلع سیالکوٹ کے ایک کشمیری خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور امرتسر میں ہمارے مکان کے قریب ہی حکمت اور عطاری کی دکان کیا کرتے تھے۔ انہوں نے بڑی توجہ سے میری دینی تربیت فرمائی۔ ان سے مَیں نے ناظرہ قرآن کریم اور نماز اور کتابت وغیرہ سیکھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد انہیں حکیم صاحب کی ایک بھانجی محترمہ امۃ القیوم صاحبہ سے ربوہ میں جون ۱۹۵۰ء میں میری شادی ہوگئی اور اس طرح میرے یہ مشفق اور بزرگ استاد رشتہ میں میرے ماموں بن گئے۔ چند سال ہوئے انہوں نے لاہور میں وفات پائی اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہوئے۔ اللہ تعالےٰ ان کی مغفرت فرمائے اور بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین۔

قادیان میں ۹ سال زیرِ تعلیم

دس سال کی عمر میں خاکسار نے کٹڑا کنھیاں امرتسر میں ایک پرائمری سکول کی تیسری جماعت میں داخلہ لے لیا۔ جہاں سے ۱۹۲۷ء میں فراغت کے بعد میرے والد صاحبؒ نے مجھے قادیان لے جا کر احمدیہ سکول میں داخل کرادیا۔ قادیان میں یہ عاجز پہلے بورڈنگ مدرسہ احمدیہ میں اور بعد میں ہوسٹل جامعہ احمدیہ میں تقریباً ۹ سال مقیم رہا اور

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مَیں نے سال بسال کامیاب ہو کر ۱۹۳۶ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کر لیا۔

اساتذۂ کرام کا ذکرِ خیر

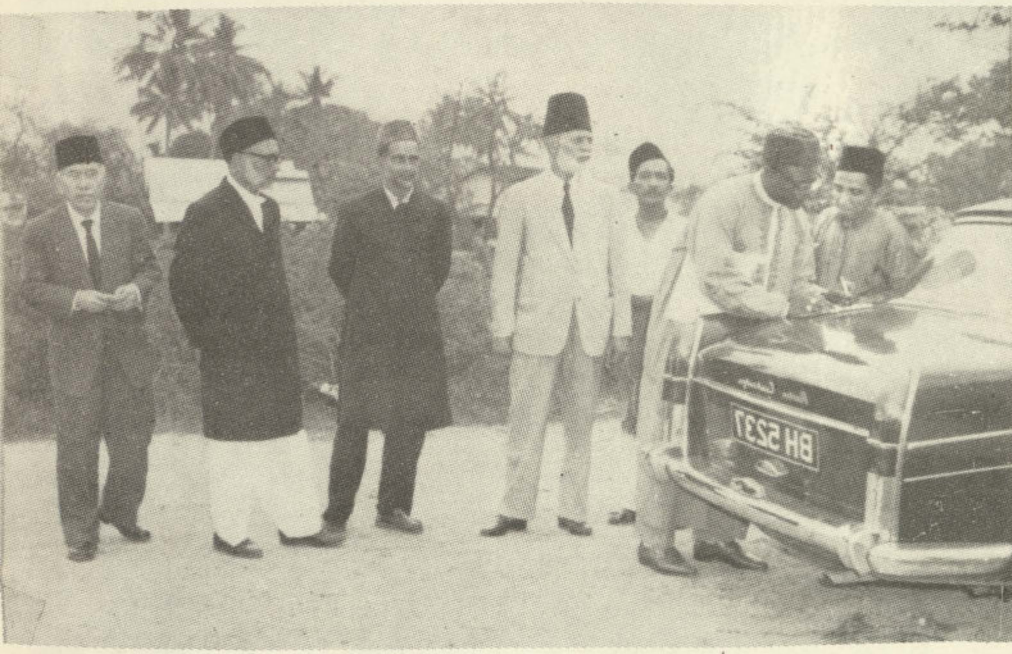
دورانِ تعلیم مجھے جن بزرگ اور مشفق اساتذہ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ ان میں سے اکثر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جلیل القدر صحابی اور حقیقی معنوں میں طالب علموں کے مربی و محسن اور نہایت بلند اخلاق اور اعلیٰ علمی قابلیت کے مالک تھے۔ ان میں سے حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؓ فاضل حلال پوری۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحبؓ بی اے (سابق مہر سنگھ)، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؓ جٹ مرحوم سابق امیر جماعت احمدیہ قادیان حضرت مولانا غلام نبی صاحبؓ مصری۔ حضرت مولانا ارجمند خانصاحبؓ حضرت مولانا تاج الدین صاحب فاضل سابق ناظم قضا۔ مکرم جناب ماسٹر غلام حیدر صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی۔ مکرم جناب چوہدری عبدالواحد صاحب بی۔اے سابق ایڈیٹر "اصلاح" کشمیر رضوان اللہ علیہم کی پدرانہ شفقتیں اور نوازشیں مَیں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ سب کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین۔

جلسہ سالانہ ۱۹۲۸ء کے موقعہ پر ایک تاریخی واقعہ

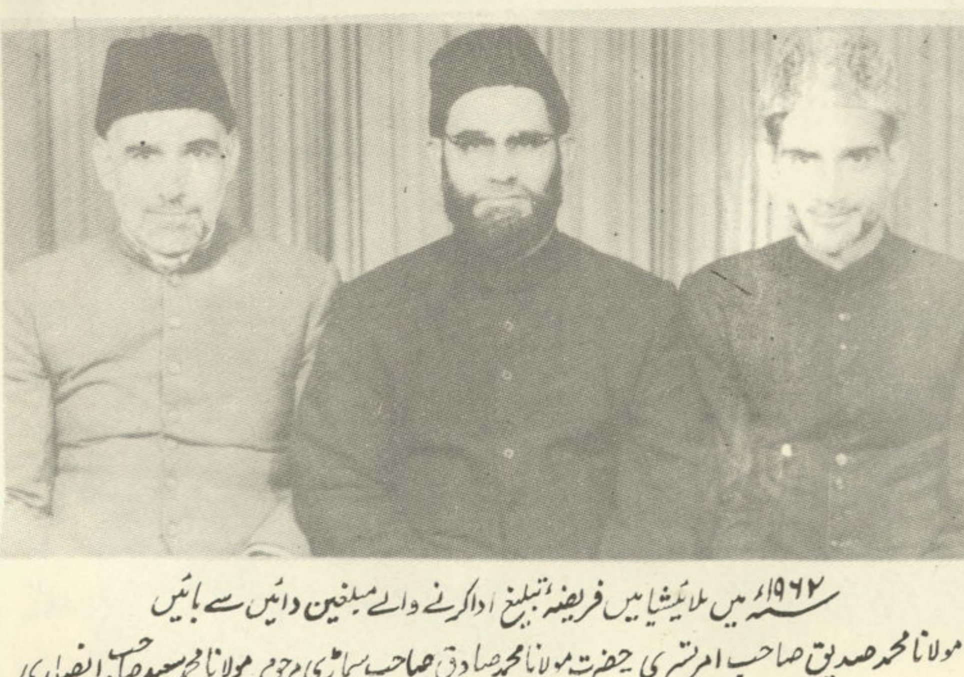
جناب چوہدری عبدالواحد صاحب ٹیوٹر بورڈنگ مدرسہ احمدیہ کی زیرِ قیادت سالہا سال تک ہر جمعرات کو بعد دوپہر ہمارا قادیان کے اردگرد کے دیہات میں تبلیغ اسلام کے لئے پیدل جانا اور پھر رات گئے تھکن سے چُور مگر خوش خوش واپس آنا۔ اور ہفتہ میں تین چار مرتبہ ان کا ہمیں حکماً بیدار کر کے نمازِ تہجد پڑھانا اور دعاؤں کی ترغیب دینا بلاشک ایک ناقابلِ فراموش احسان ہے جس نے چوہدری صاحب کے اکثر شاگردوں کی زندگیاں سنوار دیں۔ اسی زمانہ کا ایک اہم واقعہ مجھے اب بھی یاد ہے۔ ۱۹۲۸ء کے جلسہ سالانہ کے پہلے روز سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے احبابِ جماعت کا غیر معمولی ہجوم دیکھکر حکم فرمایا کہ اگلے روز اجلاس شروع ہونے سے پہلے پہلے تمام جلسہ گاہ حسبِ ضرورت وسیع کر دی جائے۔ چنانچہ افسر جلسہ سالانہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی زیرِ نگرانی احمدیہ سکول کے جملہ سکاؤٹ طالب علموں نے



مرکز سے چوتھی مرتبہ مؤلف کتاب ہذا کی بغرضِ تبلیغ بیرونی ممالک کو روانگی۔ محترم جناب وکیل التبشیر صاحب الوداع اور دعا کے لئے ربوہ ریلوے سٹیشن پر تشریف فرما ہیں۔
(صفحہ ۱۴۳-۱۴۴)



حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اور آنریبل مصطفیٰ سنوسی نائب وزیر اعظم سیرالیون کی
جماعت احمدیہ کوالالمپور (ملائیشیا) کے مرکز میں آمد
(صفحہ ۶۰۶)



سنہ ۱۹۶۲ء میں ملائیشیا میں فریضہ تبلیغ ادا کرنے والے مبلغین دائیں سے بائیں
مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری حضرت مولانا محمد صادق صاحب سماٹری مرحوم مولانا محمد سعید صاحب انصاری
(صفحہ ۵۷۱)

جس میں یہ عاجز بھی شامل تھا۔ محترم چوہدری عبدالواحد صاحب سکاؤٹ ماسٹر کی زیرِ قیادت ساری رات نہایت محنت اور جانفشانی سے کام کیا اور صبح ہونے تک جلسہ گاہ کو تین طرف سے حسبِ ضرورت وسیع کر کے دوبارہ تعمیر کر دیا۔ جہانتک مجھے یاد ہے۔ اس عظیم کام میں نمایاں کردار ادا کرنے والوں میں ہمارے موجودہ امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ بھی شامل تھے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اگلے روز صبح جلسہ گاہ ملاحظہ فرمانے پر بڑی خوشنودی کا اظہار فرمایا اور یہ کارنامہ کامیابی سے انجام دینے والوں کے لئے خاص دعا فرمائی۔ نیز حضورؓ کے ارشاد پر افسر جلسہ سالانہ کی طرف سے اس رات کام کرنے والے تمام سکاؤٹوں، کارکنوں اور طالب علموں کو بطور انعام چاندی کے خاص تمغے عطا کئے گئے۔

شعر و ادب سے دلچسپی کیسے ہوئی

مجھے ادب اور شعر و شاعری سے کیسے دلچسپی پیدا ہوئی اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب مَیں قادیان میں مدرسہ احمدیہ کی چھٹی جماعت کا طالب علم تھا تو ایک روز مَیں بورڈنگ کی عمارت کے پچھلی طرف ڈھاب کے کنارے کھڑا تھا کہ حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکملؔ رضی اللہ عنہ نے بہشتی مقبرہ کی سمت جاتے ہوئے مجھے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ کر لیا اور چلتے چلتے میرا نام اور خاندانی حالات دریافت کرتے رہے۔ وہاں سے واپسی پر کہنے لگے پنڈت لیکھرام کے متعلق پیشگوئی کے بارے میں تم جو کچھ جانتے ہو لکھ کر لاؤ۔ چنانچہ میری وہ ٹوٹی پھوٹی تحریر انہوں نے بعد تصحیح ریویو آف ریلیجنز اردو یا مصباح جن کے وہ ایڈیٹر تھے میں شائع کر دی۔

مسیح پاکؑ کی ایک نادر تصویر

اس کے بعد ۱۹۳۲ء میں ایک روز جب مَیں حضرت قاضی صاحب کے دفتر کے آگے سے گزر رہا تھا تو انہوں نے مجھے بلا کر اپنے پاس بٹھا لیا اور اپنے اشعار کا مجموعہ "نغمۂ اکمل" مجھے مطالعہ کے لئے دیا۔ دفتر میں لکڑی کے جس تخت پر وہ بیٹھا کرتے تھے اس کی پچھلی دیوار پر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک بڑے سائز کی تصویر آویزاں تھی اس میں حضورؑ کی نیم وا آنکھیں اور نورانی چہرہ مجھے اس قدر اچھا لگا کہ بار بار دیکھنے کے باوجود طبیعت سیر نہ ہوئی اور مَیں اس تصویر کو دیکھتا

ہی چلا گیا۔ اس تصویر کے نیچے غالباً حضرت قاضی صاحبؓ ہی کا ایک شعر کچھ اس طرح لکھا تھا ؎

یہ لب کھلیں تو تڑپ جائیں سینکڑوں نغمے
یہ آنکھ اُٹھے تو چھلک جائے کیفِ میخانہ

مَیں نے تصویر دیکھتے ہوئے یہ شعر بار بار پڑھا تو حضرت قاضی صاحب نے فرمایا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں شعروں سے بہت دلچسپی ہے"۔ مَیں نے عرض کیا۔ "ہاں ہے تو سہی"۔ کہنے لگے کچھ شعر لکھ کر لاؤ مَیں بعد درستی شائع کر دُوں گا۔ چنانچہ میں نے لیکھرام پر ہی ایک نظم کہی جس کا پہلا شعر یہ تھا ؎

مرا کیوں لیکھرام آنا بھلا کس کو نہیں معلوم
ہوئے مرعوب جس کی موت سے سب حاکم و محکوم

اور مکرم حافظ سلیم احمد صاحب اٹاوی مرحوم سے اصلاح کروا کر حضرت قاضی صاحبؓ کی خدمت میں پیش کر دی۔ جو بعد میں انہوں نے "مصباح" میں شائع فرما دی۔ اس حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مَیں نے وقتاً فوقتاً شعر کہنے شروع کر دیئے جن میں سے بعض شائع بھی ہوتے رہے۔ ایک دو سال بعد ایک کہنہ مشق شاعر طالب دہلوی صاحب قادیان آئے جنہیں حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ ناظر تالیف و اشاعت نے شاہنامہ احمدیت لکھنے کا ارشاد فرمایا۔ ان سے میری راہ و رسم بڑھی تو مَیں نے اپنی پچیس تیس غزلوں اور چند نظموں پر مشتمل ایک نوٹ بک بغرضِ اصلاح انہیں پیش کی لیکن چند روز بعد معلوم ہُوا کہ وہ بغیر اطلاع دیئے قادیان سے کہیں چلے گئے ہیں اور پھر کبھی ان کا حال معلوم نہ ہو سکا اور نہ میری نوٹ بک کا۔

دوبارہ شعر و سخن کی طرف میلان

اپنے مجموعۂ کلام کے اس طرح ضائع ہو جانے کے صدمہ سے میری طبیعت ایک عرصہ تک شعر کہنے کی طرف مائل نہ ہوئی۔ لیکن چونکہ میرے قلب و ذہن میں شعر گوئی کا میلان موجود تھا جو مَیں سمجھتا ہوں مجھے اپنے والد ماجدؒ سے ورثہ میں ملا تھا۔ اس لئے ۱۹۶۲ء میں جب یہ عاجز تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں ملائیشیا بھیجا گیا تو مجھے اپنے عزیزوں کی جُدائی معمول سے کچھ زیادہ محسوس ہونے لگی جس کے نتیجہ میں طبیعت پھر شعر و سخن

کی طرف مائل ہوگئی۔ چنانچہ اس وقت تک نجی قسم کے اشعار کے علاوہ مذہبی اور جماعتی نوعیت کے ہزاروں اشعار کہہ چکا ہوں جو تقریباً سب کے سب سلسلہ کے اخبارات و رسائل میں چھپ چکے ہیں۔

ادارہ الفضل میں شمولیت

حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل رضی اللہ عنہ سے ادبی تعلق کے بعد میں نے باقاعدہ مضامین بھی لکھنے شروع کر دیئے جو مختلف اوقات میں ریویو آف ریلیجنز اردو، مصباح اور روزنامہ الفضل میں شائع ہوتے رہے۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں مولوی فاضل کا امتحان دینے کے بعد مکرم و محترم خواجہ غلام نبی صاحب مرحوم سابق ایڈیٹر روزنامہ الفضل کی سفارش پر مجھے ادارۂ الفضل میں بطور ایک نائب کے لگا لیا گیا۔ جہاں مجھے آٹھ نو ماہ کام کرنے کا موقع ملا۔ اور اس طرح اللہ تعالےٰ کے فضل سے ابتدائی عمر میں ہی مجھے مضامین لکھنے کا کسی قدر تجربہ ہوگیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی۔

اسی زمانہ میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے بعد نماز عصر مسجد اقصیٰ قادیان میں قرآن کریم کے دوسرے پارہ کا درس شروع فرمایا۔ جس کے نوٹس روزانہ الفضل میں اشاعت کے لئے تیار کرنے کا شرف مجھے حاصل رہا۔

بلادِ عربیہ کو روانگی

سنہ ۱۹۳۶-۳۷ء میں ادارۂ الفضل میں کام کرنے کے دوران خاکسار بار بار حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمتِ عالیہ میں درخواست کرتا رہا کہ حضور دعا فرمائیں اللہ تعالےٰ مجھے بیرونی ممالک میں خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ میرے والد صاحب نے مجھے اسی غرض کے لئے دینی تعلیم دلائی ہے چنانچہ حضورؓ کی توجہ اور دعاؤں کی برکت سے جلد ہی اللہ تعالیٰ نے میرے لئے بیرونِ ملک جانے کا انتظام فرما دیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ فلسطین سے محترم مولانا محمد سلیم صاحب فاضل سابق مبلغ بلاد عربیہ نے مجھے لکھا کہ وہاں جماعت کے مرکز کبابیر میں جماعت کو وہاں کا احمدیہ سکول چلانے کے لئے ایک فارغ التحصیل نوجوان کی فوری ضرورت ہے اگر میں پسند کروں تو فلسطین آجاؤں۔ چنانچہ میں نے اس غرض کے لئے پاسپورٹ بنوا کر انہیں اطلاع دے دی۔ انہوں نے خود ہی حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر مجھے فلسطین منگوانے کے لئے ابتدائی ویزا بھجوا دیا۔

مَیں نے بھی حضورؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ مَیں تحریک جدید کے مطالبہ کے مطابق اپنے طور پر کسبِ معاش اور تبلیغِ دین کے لئے بلادِ عربیہ میں جانا چاہتا ہوں۔ حضورؓ نے خوشنودی کا اظہار فرمایا اور بوقتِ الوداعی ملاقات ازراہِ شفقت سفر خرچ میں امداد کے طور پر اپنی طرف سے یکصد روپیہ عطا فرمایا۔ باقی سفر خرچ مَیں نے اپنے والد صاحب کی اجازت سے قادیان میں ان کی کچھ زمین فروخت کر کے مہیا کر لیا۔ اور آخر کار ۶ رمئی ۱۹۳۶ء کو قادیان سے فلسطین کے لئے روانہ ہو گیا۔

ایک مجاہد تحریک جدید کی فلسطین کو روانگی

قادیان میں خاکسار کی الوداعی تقریب اور روانگی کی خبر روزنامہ الفضل ۶ رمئی ۱۹۳۶ء میں بدیں الفاظ شائع ہوئی۔

”آج مولانا ابوالعطاء اللہ دتا صاحب جالندھری صدر جمعیۃ النّاطقین بالعربیہ کے زیر اہتمام مکرم مولوی محمد صدیق صاحب فاضل امرتسری کے اعزاز میں ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں ان کے تحریک جدید کے ماتحت فلسطین کو روانہ ہونے پر عربی زبان میں ایڈریس دیا گیا۔ جواب میں مولوی صاحب موصوف نے مختصر تقریر کی جو شکریہ اور دعا پر مشتمل تھی۔ اس کے بعد دعا پر یہ مجلس برخاست ہوئی جو حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب نے کرائی۔ احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو اور انہیں اشاعتِ اسلام میں کامیابی عطا فرمائے۔“ (الفضل ۶ رمئی ۱۹۳۶ء)

ایک روحانی نسخہ

مسیح پاک علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی مقدس بستی قادیان سے رخصت ہو کر خاکسار نے چھ اور سات مئی کی درمیانی رات امرت سر میں اپنے خاندان کے پاس گزاری اور اگلے روز بذریعہ ٹرین بمبئی کے لئے روانہ ہو گیا۔ امرتسر سے مجھے الوداع کہنے کے لئے میرے خاندان کے کئی بزرگ اور عزیز و اقارب دور و نزدیک سے آ گئے تھے۔ جماعت احمدیہ امرت سر کے احباب نے بھی سٹیشن پر تشریف لا کر اس عاجز کو دلی دعاؤں سے رخصت فرمایا فجزاھم اللّٰہ تعالیٰ۔ صحابی بزرگوں میں سے میرے داداجان مرحومؓ کے سگے بھائی حضرت بابا حاجی رحیم بخشؓ صدر جماعت احمدیہ بھڈیار ضلع امرتسر اور میرے پھوپھا حضرت مولوی حکیم جلال دینؓ

مرحوم صدر جماعت احمدیہ حلقہ مغلپورہ لاہور نے امرتسر سٹیشن پر مجھے اپنی کار آمد نصائح اور پُر درد دعاؤں سے نوازا۔ حضرت مولوی جلال دین صاحب نے درود شریف اور استغفار کا کثرت سے وِرد کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔ "بیٹیا ایک اور مفید روحانی نسخہ تمھیں بتاتا ہوں اس کا سفر و حضر میں استعمال تمھیں مشکل اوقات میں فائدہ دے گا وہ یہ کہ کوئی بھی مشکل یا پریشانی پیش آجانے پر اس کے تدارک کے لئے ظاہری اسباب اور مسنون دعاؤں کے علاوہ اگر سُورۃ توبہ کی آخری دو آیتوں کو بار بار سمجھ کر درد و سوز سے پڑھا جائے اور ساتھ ہی کثرت سے درود شریف کا ورد کیا جائے تو اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے اور اپنے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کے صدقے پیش آمدہ مشکل حل فرما دیتا ہے۔ چنانچہ میرا گزشتہ چالیس سال کا تجربہ ہے کہ یہ بھی واقعی ایک کیمیائی نسخہ ہے۔ ؎

"اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما"

سُورۂ توبہ کی ان دو آیات کا ترجمہ یہ ہے:۔

"اے مومنو! تمہارے پاس تمہاری ہی قوم کا ایک فرد رسول ہو کر آیا ہے تمہارا تکلیف میں پڑنا اس پر شاق گزرتا ہے اور وہ تمھارے لئے خیر کا بھوکا ہے اور مومنوں کے ساتھ محبت کرنے والا اور بہت کرم کرنیوالا ہے۔ پس اگر وہ پھر جائیں تو تُو کہہ دے کہ اللہ میرے لئے کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں مَیں اسی پر توکل کرتا ہوں اور وہ عرشِ عظیم کا رب ہے۔"

بمبئی میں تبلیغ اور قائدِ اعظم سے ملاقات

بمبئی پہنچکر جہاز جلد نہ مل سکنے کی وجہ سے مجھے وہاں تین چار ہفتے ٹھہرنا پڑا۔ چنانچہ قیامِ بمبئی کے دَوران حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب رضی اللہ عنہ امیر جماعت احمدیہ بمبئی کی معیّت میں بمبئی کے کئی سرکردہ لیڈروں اور تاجروں کو تبلیغ کا موقعہ ملا۔ اور حضرت سیٹھ صاحب رضؓ کے ارشاد پر اس عاجز نے بعض تبلیغی مضامین بھی "احمدیت کے متعلق شبہات کا ازالہ" کے عنوان سے لکھے جو بمبئی کے لوکل اخبارات میں شائع ہوتے رہے۔ اُنہیں دنوں وہاں کے بڑے بڑے تاجروں کی طرف سے منعقدہ ایک سیاسی تقریب میں حضرت سیٹھ صاحب مرحومؓ کے ساتھ مجھے قائدِ اعظم محمد علی جناح

صاحب سے ملاقات اور پہلی مرتبہ ان کی تقریر سننے کا بھی موقعہ ملا۔ بہر کیف مئی کے آخری ہفتہ میں بمبئی سے پورٹ سعید کے لئے ایک جہاز مل گیا۔ اور پھر یہ عاجز مصر میں چند روز قاہرہ کے احباب جماعت کے ساتھ گزار کر بخیریت فلسطین کی جماعت کے مرکز کبابیر (حیفا) پہنچ گیا۔ اور بطور انچارج احمدیہ سکول کام کرنے لگا۔

فلسطین میں مشکلات اور قاہرہ اور بغداد کا دورہ

فلسطین میں فسادات کی وجہ سے مجھے وہاں بمشکل ستمبر ۱۹۳۷ء تک قیام کی اجازت مل سکی۔ اس کے بعد مجبوراً بذریعہ بحری جہاز اسکندریہ اور وہاں سے قاہرہ کا سفر اختیار کرنا پڑا جہاں مجھے بطور زائر چند ماہ کا ویزا مل گیا اور بالآخر وہاں سے بھی فروری ۱۹۳۸ء میں نکلنا پڑا۔ چنانچہ بڑی تگ و دو کے بعد قاہرہ سے فلسطین میں دوبارہ داخلہ کے لئے تین ماہ کا ویزا مل گیا۔ جس پر یہ عاجز بذریعہ ٹرین دوسری مرتبہ فلسطین آگیا۔ تین ماہ یہاں گزار کر اپریل ۱۹۳۸ء میں بیروت سے ہوتا ہوا دمشق پہنچا اور وہاں تقریباً ایک ماہ قیام کیا۔

اس کے بعد خاکسار دمشق سے صحرائے شام کے راستہ بغداد چلا گیا۔ بغداد میں ڈیڑھ دو ماہ مکرم حاجی عبداللطیف نور محمد صاحب مرحوم امیر جماعت احمدیہ بغداد کے ہاں قیام رہا۔ کچھ عرصہ ہبانیہ برٹش ہوائی مرکز میں احمدی احباب کے ساتھ گزارا جس کے دوران تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے وہاں ہماری مخالفت شدت اختیار کر گئی اور اس عاجز کو پھر بغداد سے دمشق لوٹ آنا پڑا۔ جہاں سے بذریعہ ریل گاڑی بطور زائر تیسری مرتبہ کبابیر (فلسطین) آگیا۔ یہاں پر زیارتی ویزا کے اختتام کی وجہ سے پھر حکومتِ فلسطین کے مجبور کرنے پر دمشق سے ہوتا ہوا دوسری مرتبہ بغداد پہنچا۔ بغداد میں قیام کے دوران یہ عاجز بار بار حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی مشکلات تحریر کر کے دعا کے لئے عرض کرتا رہا۔

حضرت مصلح موعودؓ کی ذرہ نوازی

انہی ایام میں لندن احمدیہ مشن میں حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ مرحوم سابق امام مسجد فضل لندن کے ساتھ کام کرنے کے لئے ایک نائب امام کی فوری ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ حضورؓ کی نظرِ انتخاب اس ناچیز پر پڑی اور حضورؓ نے ازراہِ کرم و

شفقت مجھے بلادِ عربیہ سے فوری طور پر لندن بھجوانے کا ارشاد فرمایا اور پھر یہ عاجز اکتوبر ۱۹۳۸ء میں ایک فرنچ جہاز کے ذریعہ حیفا سے مارسیلز اور وہاں سے بذریعہ ٹرین لندن پہنچ گیا۔

لندن سے سیرالیون روانگی لندن میں یہ عاجز فروری ۱۹۴۰ء تک نائب امام مسجد فضل لندن کے فرائض ادا کرتا رہا اس کے بعد وہاں سے مجھے سیرالیون تبدیل کر دیا گیا۔ چنانچہ ۲۶ر فروری ۱۹۴۰ء کو لورپول سے بذریعہ بحری جہاز روانہ ہو کر ۸ر مارچ ۱۹۴۰ء کو خاکسار سیرالیون پہنچ گیا جہاں اس عاجز نے سالہا سال تک ملک کے طول و عرض میں فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کی توفیق پائی۔

اس عاجز کی وصیّت اور حصۂ جائیداد کی ادائیگی میرے قیامِ سیرالیون کے دَوران ۱۹۴۸ء میں مرکز سلسلہ کی طرف سے یہ تحریک کی گئی کہ تمام مبلغین اور واقفین زندگی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رسالہ الوصیّۃ میں مذکورہ ارشادات کے مطابق وصیّت کرنی چاہیئے۔ چنانچہ اس عاجز نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے "بو" سیرالیون سے ۳۰ر جون ۱۹۴۸ء کو حسبِ شرائط وصیّت فارم پُر کر کے مرکز کو ارسال کر دیا۔ اور بعد منظوری خاکسار کی وصیّت دفتر وصیّت کے ۱۱۱۱۷ کے تحت روزنامہ الفضل یکم دسمبر ۱۹۵۱ء اور ماہنامہ مصباح فروری ۱۹۵۲ء میں شائع کی گئی۔

۱۹۷۷ء میں میری ریٹائرمنٹ کے بعد جب مجھے پراویڈنٹ فنڈ کی رقم ملی تو خاکسار نے بتوفیقہٖ تعالیٰ بعد تشخیص جائیداد اسی سال حسب مطالبہ دفتر وصیّت -/۵,۵۰۰ روپیہ حصّہ جائیداد نقد ادا کر دیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی۔

بارہ سال بعد وطن کو واپسی سیرالیون سے خاکسار ۲۰ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو پہلی مرتبہ پاکستان واپسی کے لئے بذریعہ بحری جہاز روانہ ہو کر ۳ر اکتوبر کو بخیریت لندن پہنچ گیا جہاں پر میری مزمن اعصابی تکلیف شدّت اختیار کر گئی اور مجھے علاج کے لئے کئی ماہ لندن میں قیام کرنا پڑا۔ آخر کار ۱۴ر مئی ۱۹۴۹ء کو لندن سے بذریعہ بحری جہاز بیروت کے لئے روانہ ہو کر ۲۲ر مئی کو دمشق پہنچا۔ دمشق کی جماعت سے چونکہ مَیں پہلے بھی اچھی طرح متعارف تھا۔ اس لئے

جماعت کی خواہش پر حضورؓ نے مجھے یہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ دورانِ قیام دمشق شام کے امیر جماعت محترم استاذ منیر الحصنی صاحب اور مبلغ سلسلہ محترم شیخ نور احمد صاحب فاضل اور جماعت دمشق کے احباب کی نوازشوں اور مہمان نوازی کی یادیں اب تک تازہ ہیں فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

دمشق کے اخبارات میں جماعتی خدمات کا اعتراف

میرے دمشق پہنچنے پر محترم شیخ نور احمد صاحب منیر نے مجھے وہاں کے اکثر بڑے بڑے اخبارات کے ایڈیٹروں بعض سیاسی لیڈروں وزیروں اور اہم شخصیات سے ملایا جو مغربی افریقہ میں احمدی مبلغین کی اسلام کی اشاعت و غلبہ کے لئے کامیاب تبلیغی مہمات کی روداد سُنکر بہت متاثر ہوئے چنانچہ ڈیلی اخبارات میں سے اَلْعَلَم ۔ الانقلاب ۔ الغَبا ۔ اور اَلْقَبَس میں میری آمد کی خبر اور کئی انٹرویو شائع ہوئے۔ اخبار القبس نے اپنی ۲۳ مئی کی اشاعت میں میری دمشق میں آمد کی خبر دے کر آخر میں لکھا۔

" وَمِنَ الْجَدِيرِ بِالذِّكْرِ اَنَّ رُسُلَ هٰذِهِ الْجَمَاعَةِ يُبَشِّرُوْنَ بِالْاِسْلَامِ فِي اَيِّ مَكَانٍ وُجِدُوا وَيُدَافِعُونَ عَنْ قَضِيَّةِ فلسطين وَقضايا الْعَرب بِكُلِّ قُوَّةٍ ونشاطٍ ۔ فنحنُ نرحّبُ بالقادم المبشّر الاحمدى الاستاذ محمّد صدّيق وَنرجُوا لهٗ طيب الاقامة فِى دمشق "

" یعنی یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اس جماعت کے نمائندے جس ملک میں بھی جائیں دینِ اسلام کی تبلیغ کرتے اور مسئلہ فلسطین اور عربوں کے دیگر مسائل میں ان کی طرف سے پوری قوت اور عزم و جوش کے ساتھ دفاع کرتے ہیں ...... پس ہم معزز نو وارد احمدی مبلغ محترم الاستاذ محمد صدیق صاحب کا خیر مقدم کرتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ دمشق میں ان کا قیام خوشگوار ہوگا "

پہلی مرتبہ مرکز واپسی

دمشق سے خاکسار بذریعہ بس بغداد پہنچا اور دوسرے روز بصرہ سے بحری جہاز پر کراچی کے لئے روانہ ہو کر ۲ جون ۱۹۴۹ء

کو اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے بخیریت لاہور پہنچ گیا۔ روزنامہ الفضل (لاہور) نے اس عاجز کی آمد پر مندرجہ ذیل خبر شائع کی:۔

"لاہور۔ ۴ر جون۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ مکرم و محترم مولانا محمد صدیق صاحب فاضل امرتسری بارہ سال بلاد عربیہ، انگلستان اور مغربی افریقہ میں نہایت کامیابی کے ساتھ تبلیغ اسلام کا مقدس فریضہ سرانجام دینے کے بعد آج شام کو ساڑھے سات بجے پاکستان میل کے ذریعہ بخیر و عافیت لاہور تشریف لے آئے۔ تنگ وقت میں اطلاع ملنے کے باوجود بہت سے احباب مکرم جناب شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت لاہور کی سرکردگی میں اپنے مجاہد بھائی کا خیر مقدم کرنے کے لئے سٹیشن پر موجود تھے۔ مکرم مولوی صاحب موصوف سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ کی ہدایت کے مطابق ۱۹۳۷ء کے شروع میں تبلیغ اسلام کے لئے بلادِ عربیہ میں تشریف لے گئے اور ایک عرصہ تک فلسطین شام عراق مصر وغیرہ میں کامیابی سے فریضہ تبلیغ انجام دینے کے بعد آپ لندن تشریف لے گئے۔ اور ڈیڑھ سال بطور نائب امام مسجد فضل لندن کام کیا۔ بعد ازاں سیرالیون (مغربی افریقہ) تشریف لے گئے اور انچارج مبلغ کے طور پر سالہا سال تک کام کرتے رہے۔ اس ملک میں آپ سے پہلے ۱۲ جماعتیں تھیں اب خدا کے فضل سے ۲۶ مخلص جماعتیں قائم ہو چکی ہیں۔ اور سیرالیون مشن اپنے تمام اخراجات خود برداشت کر رہا ہے۔

آپ کے ہمراہ آپ کی اہلیہ بھی تشریف لائی ہیں جو سیرالیون کی باشندہ ہیں اور وہاں کی جماعت کے پریذیڈنٹ صاحب کی صاحبزادی ہیں۔

ہم جناب مولانا صاحب کی کامیاب مراجعت پر جماعت کی طرف سے انہیں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔" (الفضل ۶ر جولائی ۱۹۴۹ء)

ممالک بیرون سے ربوہ واپس آنیوالا پہلا مبلّغ

پاکستان پہنچتے ہی سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی ملاقات سے مشرف ہونے کے لئے سب سے پہلے یہ عاجز کوئٹہ پہنچا جہاں ان دنوں حضور رضی اللہ عنہ

تشریف فرما تھے۔ اور ایک ہفتہ حضورؓ کے قدموں میں گزارا۔ اس کے بعد لاہور میں کچھ عرصہ اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ گزار کر مورخہ ۷ اگست ۱۹۴۹ء کو خاکسار پہلی بار زیارتِ ربوہ سے مشرف ہُوا۔ ربوہ میں بذریعہ ریل گاڑی پہنچنے والا خاکسار سب سے پہلا مبلّغ اسلام تھا جس کا ربوہ کے قدوسیوں اور اہالیانِ ربوہ نے قادیان کی طرح ریلوے سٹیشن پر تشریف لا کر پُرخلوص نعرہ ہائے تکبیر سے استقبال کیا۔ چنانچہ اس وقت کے سیکرٹری اشاعت ربوہ مکرم جناب منشی محمد دین صاحب مرحومؓ الفضل مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۴۹ء میں "ربوہ کی خبریں" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:۔

"مکرم مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری فاضل مبلّغ سیرالیون ۷ اگست کو ایک بجے کی ٹرین سے ربوہ میں تشریف لائے۔ اہالیانِ ربوہ نے آپ کا پرجوش و پُرخلوص استقبال کیا۔ مکرم جناب مرزا عزیز احمد صاحب ناظر اعلیٰ مکرم جناب مولانا عبد المغنی خانصاحب وکیل التبشیر مکرم جناب سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب امیر مقامی نے آپ کو پھولوں کے ہار پہنائے اور آپ جناب امیر صاحب کے ہاں فروکش ہوئے۔ بعد نماز ظہر مسجد محمود ربوہ میں آپ کے اعزاز میں جلسہ منعقد کیا گیا۔ جس میں اوّلاً مکرم وکیل التبشیر نے آپ کو خوش آمدید کہا اور آپ کے کام کو سراہا اور سیرالیون مشن اور جماعت کی تعریف کی۔ اس کے بعد جناب امیر صاحب مقامی نے آپ کو اہالیانِ ربوہ کی طرف سے اَھْلًا وَّسَھْلًا وَّ مَرْحَبًا کہا اور بچوں اور نوجوانوں کو مؤثر پیرایہ میں خدمتِ سلسلہ کی تحریک کی۔ اس کے بعد مکرم مولوی محمد صدیق صاحب نے اپنے مشن کے چیدہ چیدہ واقعات اور مختصر حالات بیان کئے۔

آخر میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں تقریر فرمائی اور دعا پر یہ جلسہ برخاست ہُوا۔

بارہ سال بعد زیارتِ قادیان

دسمبر ۱۹۴۹ء میں اس عاجز کو تقریباً بارہ سال بعد زیارتِ قادیان کا شرف حاصل ہُوا۔ قادیان کے جلسہ سالانہ ۱۹۴۹ء میں مغربی افریقہ کے احمدیہ مشنوں کے حالات پر خاکسار

کو تقریر کرنے کا موقعہ بھی ملا نیز دارِ مسیحؑ میں چند روزہ قیام اور قادیان کے متبرک مقامات کی زیارت اور وہاں دعائیں کرنے کی توفیق ملی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالیٰ۔

شادی اور اولاد پاکستان میں تین ماہ کی رخصتیں گزارنے کے بعد خاکسار جامعہ احمدیہ احمد نگر میں درس و تدریس کے فریضہ کی ادائیگی پر مقرر ہوا۔ اس دوران جون ۱۹۵۰ء میں سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی اجازت سے محترم جناب میاں عبدالعزیز صاحب ساکن ربوہ کی دختر محترمہ امۃ القیوم صاحبہ سے خاکسار کی شادی عمل میں آئی۔ حضورؓ نے نکاح پڑھنے کے علاوہ ازراہِ کرم و شفقت رخصتی کے موقعہ پر بھی خود تشریف لا کر دعا فرمائی۔ محترمہ امۃ القیوم صاحبہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اس عاجز کو مندرجہ ذیل اولاد عطا فرمائی جو اس کے فضل سے سب بقید حیات ہیں اور کامیاب زندگی بسر کر رہے ہیں۔

(۱) طاہر احمد صدیق (۲) امۃ الرفیق صدیق (۳) امۃ الرقیب صدیق (۴) امۃ الوحید صدیق (۵) امۃ الحی صدیق (۶) امۃ القدوس صدیق (۷) امۃ المجیب صدیق۔

دوبارہ اور سہ بارہ سیرالیون کو روانگی ربوہ سے ۱۸ر اکتوبر ۱۹۵۰ء کو یہ عاجز دوبارہ سیرالیون کے لئے روانہ ہوا۔ اسی روز محترم مولوی نور محمد صاحب نسیم سیفی بی۔ اے۔ محترم مولوی عبدالکریم صاحب فاضل ابن حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل حلال پوری اور محترم مولوی عطاء اللہ صاحب کلیم فاضل بھی بغرض تبلیغ اسلام مغربی افریقہ تشریف لے جا رہے تھے۔ چنانچہ اس موقعہ پر وکالتِ تبشیر تحریک جدید کی طرف سے ۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ہمیں الوداعی پارٹی دی گئی جس میں ازراہِ کرم و شفقت سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے خود شرکت فرما کر ہمیں اپنی بیش قیمت نصائح اور مفید ہدایات سے نوازا۔ اور دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا۔

سیرالیون میں کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد بوجہ دردِ گردہ اور طویل اعصابی کمزوری تقریباً ڈیڑھ سال بعد ہی سیرالیون سے ستمبر ۱۹۵۲ء میں مجھے پاکستان واپس آنا پڑا۔ یہاں سے پھر بحالی صحت کے بعد اکتوبر ۱۹۵۳ء کو تیسری مرتبہ سیرالیون روانہ ہوا اور وہاں کئی سال بطور مبلغ انچارج کام کرنے کی توفیق پائی۔ ۱۹۵۷ء میں سیدنا

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے از راہِ کرم و شفقت میری بیوی اور دو بچوں کو بھی پاکستان سے میرے پاس سیرالیون بھجوا دیا۔ چنانچہ میری بیوی کی جد و جہد اور توجہ سے سیرالیون میں لجنہ اماء اللہ کا قیام عمل میں آیا۔ اور احمدی خواتین منظم ہو کر مردوں کے دوش بدوش جماعتی امور میں باقاعدہ حصہ لینے لگیں۔ اور اپنی دینی اور معاشرتی بہتری کے لیے منظم طور پر کام کرنے لگیں۔

حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ نبوی ؐ

اس اثناء میں مئی ۱۹۵۸ء میں سیرالیون کے محترم الحاج علی روجرز اور محترم الحاج چیف قاسم کمانڈا آف وانڈو چیفڈم کی معیت میں خاکسار نے حج بیت اللہ کے لئے فری ٹاؤن سے بذریعہ ہوائی جہاز ارضِ حرم کا سفر اختیار کیا۔ جہاں ہم حج بیت اللہ کے علاوہ مدینہ منورہ میں زیارتِ روضۂ نبوی ؐ سے بھی مشرف ہوئے اور اللہ تعالےٰ کے فضل سے چند ہفتے ارضِ حرم میں گزار کر ہمارا یہ قافلہ بخیریت اور بانیلِ مرام سیرالیون لوٹ آیا۔

سیرالیون سے لائبیریا تبدیلی

سیرالیون سے ۲۳ر اپریل ۱۹۵۹ء کو مجھے معہ اہل و عیال لائبیریا تبدیل کر دیا گیا جہاں اس عاجز نے بطور مبلغ انچارج احمدیہ مشن لائبیریا تقریبًا پونے دو سال کام کرنے کی توفیق پائی۔ اس کے بعد حسبِ ارشاد مرکز دسمبر ۱۹۶۰ء میں خاکسار کی پاکستان واپسی ہوئی۔ اس دَوران خاکسار نے تقریبًا ڈیڑھ سال جامعہ احمدیہ اور دفتر تبشیر میں کام کیا۔ پاکستان میں کچھ عرصہ قیام کے بعد مئی ۱۹۶۲ء میں اس عاجز کو سنگاپور احمدیہ مشن کا چارج لینے کے لئے ملائیشیا بھیجا گیا جہاں تقریبًا پونے پانچ سال بطور مبلغ انچارج احمدیہ مشن کام کر کے ستمبر ۱۹۶۶ء میں پاکستان واپس آیا۔ پھر چند سال پاکستان میں مختلف خدماتِ سلسلہ انجام دینے کے بعد جولائی ۱۹۷۰ء میں یہ عاجز بغرض تبلیغ اسلام جزائر فجی بھیجا گیا۔ جہاں سے نومبر ۱۹۷۳ء میں پاکستان واپس آکر ربوہ میں نظارت تصنیف و اشاعت لٹریچر اور بعض دیگر اداروں میں کام کرتا رہا۔ نیز کچھ عرصہ بطور مربی جماعت احمدیہ پشاور اور لاہور بھی کام کرنے کی توفیق پائی۔ ۱۹۷۶ء میں ۶۰ سال کی عمر ہو جانے کی وجہ سے مجھے ریٹائر کر کے حسبِ قواعد دوبارہ

کام پر بحال کر دیا گیا۔ لیکن ۱۹۷۷ء و ۱۹۷۸ء میں کئی مرتبہ مثانہ کے اپریشن اور اعصابی کمزوری کی وجہ سے اس عاجز کی صحت بہت گر گئی اور مجھے مستقل طور پر ریٹائر ہو جانا پڑا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا۔

یہاں خاکسار اس امر کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس عاجز کو ۱۹۳۷ء سے ۱۹۷۷ء تک مختلف بیرونی ممالک میں اور پاکستان میں جو دینی خدمات بجالانے کا شرف عطا ہُوا وہ محض اللہ تعالےٰ کا کرم اس کے مقدس خلفائے عظام کی رہنمائی اور برکت اور میرے والدین اور بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے ورنہ ؎ من آنم کہ من دانم۔ پس اگر کوئی اچھا کام مجھ سے بن آیا تو وہ محض میرے پروردگار کا مجھ پر فضل و احسان ہے اور جو اس عرصہ میں مجھ سے کوتاہیاں سرزد ہوئیں وہ میری اپنی نالائقیوں کی وجہ سے تھیں جن سے مَیں توقع رکھتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے درگزر فرمائیگا

گزشتہ نصف صدی کے عرصہ میں مختلف ممالک میں دین کی خاطر جو جو مبلغین اور دوست احباب مجھ سے تعاون اور حسن سلوک فرماتے رہے ہیں یہ عاجز سب کے لئے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ انہیں اس کی بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے خوش رکھے اور دین اسلام اور احمدیت پر قائم رکھے اور ہم سب کا انجام بخیر فرمائے۔ بالآخر قارئین سے میری درخواست ہے کہ وہ اس عاجز کے لئے دعا فرمانے کے علاوہ میرے والدین کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لئے بھی دعا فرما کر مجھ پر احسان فرمائیں کہ انہیں کی بدولت مجھے احمدیت کے نور سے حصّہ پانے اور دین کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے کا شرف عطا ہُوا۔ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيْرًا۔ آمین۔

اس مضمون سے آگے اب وہ واقعات شروع ہوتے ہیں جو اس ناچیز کو تبلیغی میدان میں پیش آتے رہے۔

بہائی مذہب کے سربراہ کا ملاقات سے گریز

۱۹۳۷ء میں بہائیوں کا عالمی مرکز حیفا سے کوئی میل ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر جبل الکرمل نامی پہاڑ پر تھا۔ اور اس وقت بہائی مذہب کے عالمی سربراہ بہاء اللہ ہی کے خاندان کے ایک فرد مسٹر شوقی آفندی تھے۔ فلسطین میں ہماری جماعت کا مرکز بھی جبل الکرمل

پر ہی سمندر کے قریب ایک احمدی بستی کبابیر نامی میں تھا۔ اور اب بھی وہیں ہے۔
۱۰ ستمبر ۱۹۳۷ء کا ذکر ہے کہ خاکسار اور جماعت کبابیر کے دو احمدی دوست مکرم محمود صالح العودہ اور مکرم حامد صالح العودہ حیفا سے واپس کبابیر آرہے تھے۔
مجھے مدت سے بہائیوں کے عالمی مذہبی لیڈر جناب شوقی آفندی سے ملنے کی خواہش تھی اس لئے مَیں نے اپنے دونوں ہمسفر عزیزوں سے کہا۔ آئیے آج جناب شوقی آفندی سے ملاقات کرکے ان کی اپنی زبانی ان کے مذہب کی حقیقت معلوم کریں۔

چنانچہ ہم ان کے وسیع اور نہایت خوبصورت باغیچہ سے ہوتے ہوئے ان کی کوٹھی پر پہنچے اور دربان کے ذریعہ انہیں پیغام بھیجا کہ ہم چند منٹ کے لئے انہیں ملنا چاہتے ہیں۔ لیکن وہی دربان جس نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ اندر ہیں وہ یہاں آکر ہمیں کہنے لگا کہ شوقی آفندی صاحب کہیں گئے ہوئے ہیں۔ ہم نے کہا کہ ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ وہ اندر ہی ہیں۔ ۔نے لگا ہیں تو اندر ہی مگر ملنا پسند نہیں کرتے۔ اس لئے مجھے کہا ہے کہ ان کو کہدو اندر نہیں ہیں۔ کیونکہ آپ لوگ مذہبی سوالات اٹھاتے اور بحث کرتے ہیں اور انہیں یہ ناپسند ہے۔ اس پر ہم افسوس کرتے ہوئے وہاں سے چل پڑے لیکن ابھی ہم ان کے مرکز کی حدود سے باہر بھی نہ نکلے تھے۔ کہ شوقی آفندی صاحب اپنی رہائش گاہ سے نکل کر ٹیوب ویل کی جانب جاتے ہوئے نظر آئے جبکہ دو شخص ان کے پیچھے پیچھے گردنیں جھکائے اور ہاتھ سینے پر باندھے چل رہے تھے۔

یہ دیکھ کر ہمیں بہت افسوس ہوا کہ اپنے مرکز میں ہوتے ہوئے بھی انہوں نے کہہ دیا ہے کہ اندر نہیں ہیں۔ اگر وہ ہم سے ملنا نہیں چاہتے تھے تو کہہ دیتے کہ مَیں اس وقت نہیں مل سکتا۔ یا تم سے نہیں ملنا چاہتا۔ یہ کہنا ضروری تو نہیں تھا کہ وہ کہیں گئے ہوئے ہیں۔ اور گھر میں نہیں ہیں۔ عزیز حامد صالح العودہ کہنے لگے چلیں وہاں چشمے پر جاکر ان سے مل لیں۔ مگر میں نے مناسب نہ سمجھا کیونکہ جب انہوں نے ہمیں ملنا پسند نہیں کیا۔ تو اسلامی اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ ہم خاموشی سے لوٹ جائیں۔ قرآن کریم ہمیں یہی سکھاتا ہے۔

عکّہ میں تبلیغ اور بہاء اللہ کے مزار پر مذہبی گفتگو

۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء احمدیہ جماعت فلسطین کا یومِ تبلیغ تھا۔ اس روز خاکسار جماعت کے دو احباب کی معیت میں بغرضِ تبلیغ فلسطین کے قدیم شہر عکّہ گیا۔ وہاں پر ہم نے شہر کے مختلف حصوں میں عرب معززین کو تبلیغ کی۔ قہوہ خانوں میں ٹریکٹ تقسیم کئے اور حسبِ موقعہ زبانی بھی پیغامِ حق پہنچاتے رہے۔ شام کے قریب عکّہ شہر سے کچھ فاصلہ پر بہائی مذہب کے بانی جناب بہاء اللہ کا مزار دیکھنے بھی گئے۔ مزار ایک گنبد نما عمارت میں ہے جس کے کئی طرف دروازے ہیں اور مزار کے اردگرد بہائیوں نے بَهْجَة نامی ایک چھوٹی سی بستی آباد کر رکھی ہے۔ وہاں موجود مجاوروں سے ہم نے پوچھا کہ آپ لوگ بہاء اللہ آفندی کو کیا مانتے ہیں۔ کہنے لگے ہم اُنہیں اللہ تعالیٰ کا مظہر مانتے ہیں ایک ان میں سے ذرا ہوشیار تھا کہنے لگا۔ درحقیقت ہم مسلمان ہی ہیں اور بہاء اللہ بھی مسلمان اولیاء میں سے تھے۔ اسی وقت میری نظر مقبرے کے خوبصورت دروازے پر پڑی جس کے اوپر ایک سنگِ مرمر کی سِل نصب تھی جس پر لکھا تھا۔ یَا بَهَاءَ الْاَبْهٰی وہ پڑھ کر مَیں نے انہیں کہا ان الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگ انہیں خدا سمجھتے ہیں۔ اور اپنا معبود خیال کر کے ہی انہیں پکارتے ہیں۔ اس پر وہ کہنے لگا خدا تعالےٰ اپنے بعض بندوں کو بعض خاص خدائی صفات سے نواز دیتا ہے مَیں نے کہا آپ کے نزدیک ان میں خدائی کی کونسی علامت تھی وہ تو اپنے آپ کو بندوق کی چھوٹی سی گولی سے بھی بچا نہ سکے اور قتل ہو گئے۔

اتنے میں ان کے بڑے عالم یا امام آ گئے اور کہنے لگے اس مزار میں داخل ہونے کے لیئے احتراماً سر کی ٹوپی یا پگڑی وغیرہ اتارنا ضروری ہے آپ نے کیوں نہیں اتاری۔ مَیں نے عرض کیا ہمیں یہ علم نہ تھا۔ تاہم اب تو ہم جا رہے ہیں۔ چنانچہ پھر ہم وہاں سے واپس آ گئے۔

زیارتِ بیت المقدس اور شہرِ خلیل میں تبلیغ

جون ۱۹۳۷ء میں فلسطین پہنچنے کے چند روز بعد خاکسار نے کبابیر میں بطور انچارج

احمدیہ سکول اور احمدیہ پریس کام شروع کر دیا۔ اور بہت مشغول رہنے لگا تاہم اس دوران دل کو انبیائے بنی اسرائیل کے مقدس مرکز اور مسلمانوں کے قبلۂ اوّل کی زیارت کا شوق گدگداتا رہا کہ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں ایک روز قاہرہ کے ایک احمدی بھائی مکرم احمد حلمی صاحب مرحوم قادیان کی زیارت سے واپسی پر بیت المقدس کی زیارت کے لئے اچانک ہمارے پاس کبابیر تشریف لے آئے۔ اور مجھے بھی اپنے ساتھ بیت المقدس چلنے کی دعوت دی۔ چنانچہ اسی روز عصر کے وقت ہم بیت المقدس پہنچ گئے۔ اُن دنوں عرب اور یہود کے درمیان شدید فسادات کی وجہ سے قانونی طور پر یہ ضروری تھا کہ قدس پہنچنے پر سب سے پہلے کسی پاسپورٹ آفیسر سے مطلوبہ عرصہ قدس میں گزارنے کی پاسپورٹ پر مہر لگوائی جائے۔ لیکن ہمارے وہاں پہنچنے تک تمام دفتری کاروبار بند ہو چکے تھے اس لئے ہم شہر کے اصل اور پُرانے حصّہ میں داخل نہ ہو سکے۔ اور احمد حلمی صاحب کی خواہش پر ہم وہاں سے بذریعہ بس وہاں کی دوسری قریبی اور مقدس بستی "خلیل" چلے گئے۔ جہاں حضرت ابراہیم خلیلؑ۔ حضرت اسحاقؑ۔ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسف علیہم السلام ایک ہی چار دیواری میں قریب قریب مدفون ہیں۔ اور آبادی کا نام بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نام کی مناسبت سے خلیل ہی ہے۔

ایک عرب کی طرف سے مہمان نوازی

مغرب کے بعد ہم وہاں پہنچے اور بسوں کے اڈہ پر ہی ایک عرب زمیندار شیخ عبدالفتاح نامی سے ہم نے مزار حضرت خلیل علیہ السلام کا پتہ پوچھا۔ ان نے بتایا کہ اس وقت آپ اس کی زیارت نہیں کر سکتے۔ اگر اجازت مل بھی جائے تو بھی زیارت کا لطف دن کے وقت ہی ہوتا ہے۔ ہمارا حال معلوم کرنے کے بعد "خلیل" سے کوئی آدھ میل دور ہمیں اپنے ڈیرے یا باغیچہ میں رات بسر کرنے کی دعوت دی۔ پہلے تو ہم ڈرے لیکن پھر ان کے شریفانہ رویّہ نے ہمیں ان پر اعتماد کرنے پر مجبور کر دیا۔ اور ہم لوکل بس میں ان کے ساتھ ہو لئے اور بس سے اُتر کر چند منٹوں میں ہم ان کے خوبصورت باغیچہ میں پہنچ گئے جو مختلف قسم کے انگوروں کی بیلوں اور دیگر پھلوں کے درختوں سے اٹا پڑا تھا۔ ایک چشمے پر ٹیوب ویل لگا تھا جس کے قریب نہانے کا ایک صاف پانی

سے بھرا ہوا خوبصورت مرمری سا حوض نہایت جاذب منظر پیش کر رہا تھا جس کے قریب ہی ایک صاف ستھرا رہائشی مکان بھی تھا۔ چنانچہ ان کی پر تکلف مہمان نوازی سے ہم بہت محظوظ ہوئے۔ گرمیوں کا موسم ہونے کے باوجود ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا کہ گویا ہم کشمیر کی خوبصورت وادی میں قیام پذیر ہیں۔

وفات مسیحؑ پر بحث اور مسکت جواب

رات گئے تک ان سے دینی گفتگو ہوتی رہی۔ بحث و تمحیص کے بعد آخر وہ مان گئے کہ مسیح ناصری بھی دیگر انبیاء کی طرح وفات پا گئے ہیں۔ ایک مرحلہ پر انہوں نے یہ اعتراض بھی اٹھایا کہ مسیحؑ کے زمانہ میں تو ابھی کوئی سفری سہولت مہیّا تھی ہی نہیں وہ اس ارضِ مقدس سے کشمیر تک کا ہزاروں میل لمبا سفر کیسے طے کر سکے۔ جس پر خاکسار نے اُنہیں وہی مشہور جواب دیا جو ہمارے ایک مخلص ناخواندہ فلسطینی بزرگ الحاج علی القزق مرحوم نے حیفا کے ایک مخالف عالم کو دے کر انہیں ساکت و مبہوت کر دیا تھا کہ کیا کشمیر آسمان سے زیادہ دُور ہے۔ اگر آپ کے نزدیک وہ آسمان کا سفر بغیر سواری کے کر سکتے ہیں تو کشمیر کا سفر ان کے لئے کیوں ناممکن تھا۔ چنانچہ ہمارے اس جواب سے وہ تسلّی پا گئے۔ اور محظوظ بھی ہوئے۔

خلیل میں ایک لطیفہ

دوسرے روز صبح سویرے ہی ہمارے وہ میزبان ہمیں "حرم خلیل" میں لے گئے۔ جہاں ہم نے ان مقدس انبیاء کے مزاروں پر دُعا کی۔ اور ملحقہ مسجد اور دیگر پرانی عمارات دیکھیں اس دوران ایک لطیفہ یہ ہوا کہ ہمارے منع کرنے کے باوجود وہاں کے دو تین مجاور ہمارے ساتھ ہو لئے۔ جنہیں ہم نے کچھ رقم دے کر بھی رخصت کرنا چاہا مگر وہ زیادہ طلب کرنے پر مصر رہے اور ہمیں ہندوستان کا کوئی نواب خیال کر کے ہمارے ساتھ ساتھ پھرتے رہے۔ ایک موقعہ پر مزار ابراہیم خلیلؑ کے متعلق کوئی بات دریافت کرنے کے لئے میں نے ان میں سے ایک سے پوچھا هَلْ تَعْرِفُ الْاُرْدِيَّةَ۔ یعنی کیا آپ اُردو زبان سمجھتے ہیں تو وہ جھٹ کہنے لگا نَعَمْ اَعْرِفُ الرُّوبِيَّةَ۔ ہاں میں (ہندوستانی) روپیہ کو پہچانتا ہوں۔ گویا بلّی کو چھیچھڑوں کے خواب والا معاملہ تھا۔

خلیل کی بستی دیکھنے کے بعد ہم قدسِ قدیم میں آئے۔ اور امیگریشن آفس میں حاضری دے کر سیدھے بیت المقدس کی زیارت کے لئے چلے گئے اور وہاں مسجد سیّدنا عمرؓ ابن الخطابؓ اور قبۃ الصخرۃ جہاں اسراء میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کے ساتھ نماز باجماعت ادا فرمائی تھی اور دیگر قابلِ دید مقدس مقامات دیکھے اور مسجد میں نفل ادا کر کے کچھ دیر دُعائیں کیں۔

اس کے علاوہ وہاں ہم نے عیسائیوں کا مشہور و معروف چرچ کنیسۃ القیامۃ بھی دیکھا جسے وہ بزعمِ خود حضرت مسیحؑ کے جی اٹھنے کا گرجا کہتے ہیں۔ نیز وہ جگہ بھی دیکھی جہاں حضرت مسیحؑ کو صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ اس کے بعد مصری سفارتخانہ سے خاکسار نے مصر کے لئے تین ماہ کا ویزا حاصل کیا۔ کیونکہ میرا فلسطین کا تین ماہ کا ویزا ختم ہونے کو تھا۔ اور سیاسی کشمکش اور فسادات کی وجہ سے مجھے فلسطین کا مستقل ویزا نہیں مل رہا تھا۔ مکرم احمد حلمی صاحب نے بھی اپنے پاسپورٹ پر اپنے سفارت خانے کی مہر لگوائی۔ جس کے بعد ہم حیفا کے لئے واپس روانہ ہو گئے راستے میں حضرت مسیحؑ کی بستی ناصرہ اور وہاں سے ایک دوسرے شہر بیت لحم میں وہ گرجا اور خاص کر وہ غار نما مقام بھی دیکھا جہاں حضرت مسیح کی ولادت ہوئی تھی ــــ اور بوقتِ شام بخیریت اپنے مرکز کبابیر پہنچ کر اگلے روز حیفا سے بذریعہ بحری جہاز اسکندریہ روانہ ہو گئے۔ (الفضل ۹ دسمبر ۱۹۳۷ء)

"جمعیتہ اخوان المسلمین" کے صدر صاحب سے تبلیغی گفتگو

نومبر ۱۹۳۷ء کا ذکر ہے مصر کے دار الحکومت قاہرہ کے ایک ریسٹورنٹ میں جامعہ ازہر کے ایک عالم الاستاذ احمد حسن صاحب سے خاکسار کی ملاقات ہوئی باہمی تعارف کے بعد جب انہیں علم ہوا کہ خاکسار عربی ادب سے بھی کچھ دلچسپی رکھتا ہے، تو عرب کے شعراء کے تذکرہ کے ضمن میں مشہور نابینا شاعر ابو العلا المعرّی کے فلسفہ اور شاعری پر بات چل نکلی۔ استاذ احمد حسن کہنے لگے۔ ابو العلا المعرّی اپنے وقت کے نابغہ اور عظیم شاعر تو ضرور تھے لیکن افسوس کہ وہ لا مذہب تھے اور اسلامی نظریات کو نظرِ استخفاف سے دیکھتے تھے۔ اور اس کے ثبوت میں انہوں نے اس شاعر اور فلسفی کے مندرجہ ذیل دو شعر پڑھے۔

وَمَا اٰدمُ فی مذهبِ العَقلِ وَاحِدًا
وَلٰکِنَّہٗ عِندَ القیاسِ اٰوادِمُ

یعنی اگر عقلی لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی کہ اس دنیا میں نسلِ انسانی محض ایک آدم سے شروع ہوئی ہے بلکہ یہ قیاس درست معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ایک نہیں کئی آدم ہوئے ہیں۔ اور دوسرا شعر جو ابُو العَلا کی وصیت کے مطابق اس کی قبر پر بھی لکھا ہوا ہے انہوں نے یوں پڑھا۔

هٰذَا جنٰی اَبِی عَـلَیَّ ؛ وَمَا جَنَیْتُ عَلیٰ اَحَدْ

گویا یہ زیادتی مجھ پر میرے باپ نے کی ہے مگر مَیں نے ایسی زیادتی کسی پر نہیں کی یعنی شادی نہیں کی اور میرے ہاں کوئی اولاد نہیں۔

ابُو العَلا المعرّی بچپن میں چیچک کے حملہ سے نابینا اور بدشکل ہوگئے تھے اور ان کی ساری زندگی ہی پریشانیوں میں گزری تھی۔ اس شعر سے ان کا مطلب یہ تھا کہ میرے باپ نے مجھے اس دکھ بھری دنیا میں لا کر مجھ پر ظلم کیا ہے لیکن شکر ہے یہ ظلم مَیں نے کسی پر نہیں کیا۔ بے شک ابو العلا کا یہ نظریہ اسلامی تعلیم کے صریح خلاف ہے۔ لیکن مَیں نے ابُو العَلا کے پہلے شعر کے متعلق استاذ احمد حسن صاحب

سے پوچھا کہ اس میں کونسی بات خلافِ اسلام ہے۔ کہنے لگے۔ قرآن کریم میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اس کرۂ ارض پر نسلِ انسانی صرف ایک جوڑے آدم اور حوّا سے پھیلی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے ثبوت میں آیت قرآنی وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً پڑھ کر اپنے خیال کے مطابق اس کی تشریح یہ کی کہ آدم کا بُت بنا کر اس میں اللہ تعالیٰ نے نفخ رُوح کیا تھا۔

مَیں نے عرض کیا کہ ہمارے نزدیک تو ابو العلا المعرّی کے اس شعر میں قرآن کریم کے نظریہ کی تائید کی گئی ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے پتہ نہیں کہاں کہاں اور کتنے آدم پیدا کئے اور معلوم نہیں اس کرۂ ارض پر کتنے ادوار آئے اور گزر گئے۔ نبی اللہ آدم تو صرف ہمارے اس متمدّن دَور سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ ابو العلاء نے اپنے ایک دو اَور شعروں میں بھی قرآن کریم کی بیان کردہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:-

جائزٌ ان یکونَ اٰدمُ ھٰذا قبلَہ اٰدمُ علیٰ اثرِ اٰدم

یعنی ہو سکتا ہے کہ ہمارے اس دَور کے آدم سے قبل بھی آدموں کے یکے بعد دیگرے آنے کا یہ سلسلہ جاری رہا ہو۔ ایک اور نظم میں کہتے ہیں:-

تقولُ الھندُ اٰدمُ کان قِنًّا لنا فسریٰ الیہِ مجبّوہ

یعنی ارضِ ہند کے باشندوں کا دعویٰ ہے کہ آدم جب ہند میں اُترا تو ہم نے اُسے اپنا غلام بنا لیا اور فریب کار لوگوں نے اس پر اپنا اثر ڈالنا چاہا۔ گویا اللہ تعالےٰ کے نبی آدم علیہ السّلام کے زمانہ میں بلکہ اس سے پہلے بھی ہندوستان میں لوگ پائے جاتے تھے۔ حدیث میں بھی آتا ہے ھَبَطَ ابُونا اٰدمُ بارضِ الھندِ کہ آدم علیہ السلام ہندوستان میں اُترے تھے (الفتاوی الحدیثیہ)

پھر مَیں نے استاذ احمد حسن صاحب کو بتایا کہ خلیفہ عربی میں حاکم اور قائم مقام کو کہتے ہیں خواہ روحانی ہو یا دنیاوی۔ جیسے کہ قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بھی یہ لفظ استعمال ہُوا ہے۔ اگر حضرت آدم سے پہلے کوئی انسان تھا ہی نہیں تو وہ کس پر خلیفہ اور حاکم مقرر کئے گئے تھے۔ نیز قرآن کریم میں انسان کی

پیدائش کے متعلق صاف لکھا ہے کہ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کئی دوروں میں سے گزار کر موجودہ صورت دی ہے۔ (سورۃ نوح) وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسی طرح زمین سے پیدا کیا ہے جس طرح زمین کی نباتات کو۔ پھر اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ۔ کہ ہم نے پہلے تم کو پیدا کیا پھر تم سب کی مناسب و موزوں صورتیں بنائیں اور پھر اس کے بعد تیسرے مرحلہ پر جب ہم نے دیکھا کہ تم میں عقل و شعور اور نیک و بد میں تمیز کا ملکہ پیدا ہوگیا ہے تو پھر ہم نے تم میں ایک روحانی وجود آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اس کی اطاعت کریں یعنی اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں اس کا ساتھ دیں اور مدد کریں۔

حضرت محی الدین ابن عربیؒ کا کشف

پس قرآن کریم سے تو ابوالعلا المعرّی کے بیان کردہ نظریہ کی تائید ہوتی ہے میں نے اس سلسلہ میں انہیں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ کشف بھی بتایا جس میں وہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے کشف میں خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ایسی مخلوق بھی دیکھی جو ہم سے بہت پہلے کے کسی آدم کی نسل معلوم ہوتی تھی۔ ابن عربیؒ اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں:۔

"میں نے رؤیا میں دیکھا۔ کہ مَیں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں اس وقت کچھ اور لوگ بھی طواف کر رہے تھے اور طواف کے دوران یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

لَقَدْ طُفْنَا كَمَا طُفْتُمْ سِنِيْنًا ... بِهٰذَا الْبَيْتِ طُرًّا اَجْمَعِيْنَا

یعنی ہم سب نے بھی اسی طرح اس گھر کا سالوں طواف کیا ہے جس طرح تم نے اس گھر کا طواف کیا ہے۔ اس پر ابن عربیؒ کہتے ہیں۔ مَیں نے ان لوگوں میں سے ایک شخص سے بات کی۔ اس نے جواب میں کہا۔ کہ کیا آپ مجھ کو نہیں جانتے۔ مَیں تمہارے پہلے دادوں میں سے ایک ہوں۔ فرماتے ہیں مَیں نے ان سے پوچھا آپ کو کتنا عرصہ گزرا ہے اس نے

جواب دیا۔ چالیس ہزار سال سے زیادہ گذرے ہیں۔ ابنِ عربی کہتے ہیں اس پر میں نے کہا کہ اتنا عرصہ تو آدمؑ پر نہیں گزرا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ تم کونسے آدم کے متعلق سوال کرتے ہو جو سب سے زیادہ تم سے قریب ہے یا کسی اور کے متعلق یہ سُنکر وہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد آگئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ آدم پیدا کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس پر میں نے اپنے دل میں کہا کہ وہ جدِّ اکبر جس نے مجھے اپنی طرف منسوب کیا ہے ان میں سے ایک ہوں گے۔" (فتوحاتِ مکیہ جلد ثالث)

اس کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آدم جس کی طرف اس زمانہ کے لوگ منسوب ہوتے ہیں پہلا آدم نہیں بلکہ آخری آدم ہے اور یہ بھی کہ آدم کا لفظ کبھی بطور صفت کے استعمال ہوتا ہے یعنی جدِّ اکبر کے معنوں میں۔ [1] (تفسیر کبیر سورۃ بقرہ ص۳۰۱)

---

[1] سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"ہم اس مسئلہ میں توریت کی پیروی نہیں کرتے کہ چھ سات ہزار سال سے ہی جب کہ آدمؑ پیدا ہُوا ہے اس دنیا کا آغاز ہُوا ہے اور اس سے پہلے کچھ نہیں تھا اور گویا خدا معطّل تھا۔ اور نہ ہم اس بات کے مدعی ہیں کہ یہ تمام نسل جو اس وقت دنیا کے مختلف حصّوں میں موجود ہے یہ اُسی آخری آدم کی نسل ہے۔ ہم تو اس آدمؑ سے پہلے بھی نسلِ انسانی کے قائل ہیں جیسا کہ قرآن شریف کے الفاظ سے پتہ لگتا ہے کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں جس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ آدم سے پہلے بھی دنیا میں مخلوق موجود تھی۔ پس امریکہ اور آسٹریلیا وغیرہ کے لوگوں کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ اس آخری آدم کی اولاد میں سے ہیں یا کسی دوسرے آدم کی اولاد میں سے۔"

(الحکم مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء)

حضرت آدم علیہ السلام کے ہندوستان میں نزول یا وُرود کے بعد وہاں کے باشندوں کے درمیان لمبا عرصہ تک اُن کے رہائش پذیر ہونے کے متعلق مندرجہ ذیل حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

اُستاذ حسن البنّا مرحوم سے ایک سوال

میرے یہ دلائل سُنکر استاذ احمد حسن صاحب متعجب بھی ہوئے اور محظوظ بھی اور کہنے لگے کہ احمدیوں نے واقعی کسی کامل استاد سے قرآن کا علم سیکھا ہے۔ پھر کہنے لگے کہ مَیں جمعیۃ اخوان المسلمین کا ممبر ہوں اور چاہتا ہوں کہ اپنی اس مجلس کے صدر الاستاذ حسن البنّاء سے آپ کو ملاؤں چنانچہ اسی روز شام کو وہ مجھے جمعیۃ اخوان المسلمین کے مرکز میں لے گئے جہاں ان دنوں ہر روز استاذ حسن البنّاء قرآن کریم کا درس دیا کرتے تھے۔ درس کے اختتام پر استاذ احمد حسن نے میرا ان سے تعارف کرایا۔ رسمی گفتگو کے بعد مَیں نے استاذ حسن البنّاء سے عرض کیا کہ "کیا آپ بھی حضرت عیسٰے کو آسمان پر بجسدِ عنصری زندہ مانتے ہیں؟ میرے خیال میں آپ کو علم ہوگا۔ کہ شیخ الازہر جناب مصطفٰے المراغی اپنی تفسیر میں اسے وفات یافتہ مانتے ہیں۔"

شیخ حسن البنّاء کو حیات مسیحؑ کے عقیدہ کی کمزوری کا اچھی طرح احساس تھا مگر اس بارے میں حقیقت کا اظہار وہ مناسب بھی نہ سمجھتے تھے کیونکہ اس سے ان کی ہر دلعزیزی میں فرق آتا تھا۔ اس لئے میرے سوال کا کوئی معقول جواب دینے کی بجائے وہ سرِ مجلس مجھے کہنے لگے۔ آپ احمدی لوگ حیات و وفاتِ مسیحؑ کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۶:- (۱) "مَكَثَ آدَمُ بِالْهِنْدِ مِائَةَ عَامٍ۔ (تفسیر درمنثور جلد ۱ صفحہ ۶) کہ آدم علیہ السلام ہندوستان میں سو سال تک رہے۔"

(۲) حَجَّ آدَمُ الْبَيْتَ مِنَ الْهِنْدِ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً۔ تفسیر کبیر امام رازی جزو ۱ صفحہ ۴۴۳) یعنی آدمؑ نے ہندوستان میں رہتے ہوئے چالیس حج کئے۔

(۳) ایک روایت میں آتا ہے کہ آدمؑ نے خدا کے حکم سے مکّہ مکرمہ کا سفر اختیار کرکے وہاں پر بیت اللہ تعمیر کیا اور حج کرکے پھر ہندوستان واپس لوٹ گئے۔

(تفسیر کبیر امام رازی)

ان حوالہ جات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے برِّ صغیر ہند میں آنے سے قبل وہاں انسانی آبادی موجود تھی جن کے درمیان انھوں نے اپنی عمر کا لمبا عرصہ گذارا اور وہیں سے حج کے لئے ارضِ حرم میں آتے جاتے رہے۔

مسئلہ کی آڑ لے کر مرزا غلام احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی مسیحیت کی تبلیغ کرتے ہیں"

میں نے عرض کیا آپ کا یہ اخذ کردہ نتیجہ درست نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک مسیح ناصریؑ کو ایک وفات یافتہ رسول ثابت نہ کیا جائے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اسلام کی حقانیت ثابت کرنی مشکل ہے اور آپ کے بعض بڑے بڑے مصری ادیب اور دانشور بھی مانتے ہیں کہ احمدیہ جماعت کا حضرت مسیح ناصریؑ کو وفات یافتہ ثابت کر دینا اسلام کی ایک ناقابلِ فراموش خدمت ہے اور موجودہ عیسائیت کے استیصال کے لئے ایک کاری حربہ ہے۔

استاذ محمود العقاد کا جماعت احمدیہ کو خراجِ تحسین

اس پر استاذ حسن البنّاء کہنے لگے ہمارے کانوں نے تو کسی ایسے مصری دانشور کا نام نہیں سُنا جو اس مسئلہ میں آپ کی تائید کرتا یا اسے آپ لوگوں کا دینی کارنامہ قرار دیتا ہو۔ اس زمانہ میں استاذ محمود العقاد بڑے مشہور مصری ادیب اور دانشور سمجھے جاتے تھے اور اس واقعہ سے کچھ عرصہ پہلے مکرم مولانا محمد سلیم صاحب سابق مبلغ بلادِ عربیہ اور خاکسار قاہرہ کے ایک معزز احمدی استاذ احمد ذہنی مرحوم کی معیّت میں استاذ محمود العقاد مرحوم سے مل چکے تھے۔ اور دورانِ گفتگو انہوں نے ہمیں بتایا تھا کہ ان کے نزدیک حضرت مسیحؑ کی وفات ثابت کر دینا اور ان کے سفرِ کشمیر کا تاریخی ثبوت مہیا کر کے وہاں ان کا مقبرہ دریافت کر لینا جماعت احمدیہ کا ایسا عظیم کارنامہ ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اگر اسلام کے حق میں ان سے کوئی اور خدمت صادر نہ بھی ہوتی تو ان کی یہ خدمت ہی کافی تھی کیونکہ حضرت مسیح ناصریؑ کی وفات سے موجودہ عیسائیت جو اسلام کی سب سے بڑی حریف ہے کا کچھ باقی نہیں رہتا" اس کے بعد انہوں نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ کی عربی کتاب "حیاۃ المسیح ووفاتہ" بڑے غور سے پڑھی ہے اور کہ وہ ایسی کتاب ہے کہ اس کی کثرت سے اشاعت کی جانی چاہیئے۔

مفتی محمد عبدہٗ اور استاذ مصطفےٰ المراغی کی رائے

چنانچہ استاذ محمود العقّاد سے اپنی مذکورہ بالا ملاقات

کا حوالہ دے کر میں نے شیخ حسن البناءؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ استاذ محمود العقّاد کو مصری قوم کی اکثریت ایک عظیم ادیب اور دینی عالم مانتی ہے۔ اگر آپ کو میرے اس بیان پر کچھ شک ہو تو استاذ عقّاد سے مل کر یا انہیں ابھی فون کر کے تصدیق کر ڈالیں نیز یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مصر کے سابق عظیم مفتی محمد عبدہٗ مرحوم اور شیخ الازہر الاستاذ احمد مصطفٰے المراغی دونوں نے اپنی تفسیروں میں حضرت مسیح ناصریؑ کو وفات یافتہ لکھا ہے۔ چنانچہ فضیلۃ الاستاذ المراغی سورۃ آل عمران کی آیت یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

وَفِیْ ھٰذَا بِشَارَۃٌ بِنَجَاتِہٖ مِنْ مَکْرِھِمْ وَاسْتِیْفَاءِ اَجَلِہٖ وَاَنَّھُمْ لَا یَنَالُوْنَ مِنْہُ مَا کَانُوْا یُرِیْدُوْنَ بِمَکْرِھِمْ وَخُبْثِھِمْ وَاَنَّ التَّوَفِّیْ ھُوَ الْاِمَاتَۃُ الْعَادِیَۃُ وَاَنَّ الرَّفْعَ بَعْدَہٗ لِلرُّوْحِ وَالْمَعْنٰی اِنِّیْ مُمِیْتُکَ وَجَاعِلُکَ بَعْدَ الْمَوْتِ فِیْ مَکَانٍ رَفِیْعٍ عِنْدِیْ کَمَا قَالَ فِیْ اِدْرِیْسَ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَرَفَعْنَاہُ مَکَانًا عَلِیًّا۔

(تفسیر المراغی الجزء الثالث ص۱۶۵)

یعنی اس آیت میں یہود کی سازش سے عیسٰےؑ کے بچ نکلنے کی اور اپنی عمر پوری کر کے وفات پانے کی بشارت دی گئی ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہود اپنی سازش اور خباثت سے جو مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں اُسے وہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اور توفّی کے معنی یہاں عام موت کے ہیں اور اس کے بعد رفع سے مراد رفع روح ہے اور آیت کے یہ معنی ہیں کہ اے عیسٰی مَیں تجھے وفات دوں گا۔ اور وفات کے بعد تجھے اپنے پاس بلند مقام عطا کروں گا جیسے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَرَفَعْنَاہُ مَکَانًا عَلِیًّا۔

اسی طرح علّامہ الشیخ محمد عبدہٗ مفتی الدیار المصریّہ بھی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:-

اَلتَّوَفِّیْ ھُوَ الْاِمَاتَۃُ کَمَا ھُوَ الظَّاھِرُ الْمُتَبَادِرُ۔ کہ یہاں توفّی سے مراد موت ہے اور ظاہر اور متبادر الفہم یہی معنی ہیں۔ (تفسیر المنار زیر آیت مذکورہ)

اس دوران میں نے استاذ حسن البنّاءؒ سے ضمنی طور پر یہ بھی دریافت کیا۔ کہ بخاری شریف میں لکھا ہے کہ مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ یُوْلَدُ اِلَّا وَالشَّیْطَانُ یَمَسُّہٗ فَیَسْتَھِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّیْطَانِ اِیَّاہُ اِلَّا مَرْیَمَ وَابْنَھَا۔ کہ سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اسے مسِّ شیطان ہوتا ہے جس سے وہ دنیا میں آنے کے بعد پہلی مرتبہ چیختا ہے۔ آپ کے نزدیک اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔ کیونکہ سیدالمعصومین حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو تو مسِّ شیطان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن بعض عیسائی اس حدیث کے ذریعہ حضرت عیسیٰؑ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل ظاہر کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔

علامہ زمخشریؒ کے بیان کردہ معنی

کہنے لگے میرے خیال میں صرف دفاعی رنگ میں حضرت عیسےٰؑ پر سے بعض الزام دُور کرنے کے لئے ان کا استثنا کیا گیا ہے۔ کیونکہ بائیبل میں لکھا ہے کہ شیطان حضرت عیسیٰؑ کو ورغلا کر چالیس روز تک جنگلوں اور پہاڑوں میں لئے پھرتا رہا۔ میں نے کہا۔ حدیث میں تو حضرت مریمؑ کا بھی استثنا کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حدیث کے الفاظ بھی آپ کی اس تاویل کے متحمّل نہیں ہو سکتے۔ اگر آیت وَمَا کَفَرَ سُلَیْمَانُ کی طرح صرف یہ ہوتا کہ حضرت عیسےٰؑ کو مسِّ شیطان نہیں ہُوا تو بات بن جاتی مگر حدیث میں تو یہ ہے کہ سوائے مریمؑ اور اس کے بیٹے کے ہر ابن آدم کو پیدائش کے وقت مسِّ شیطان ہوتا ہے۔ کہنے لگے پھر بھی یہ عیسےٰ کی افضلیت کی دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ مسِّ شیطان سے پاک ہونے کے باوجود حضرت عیسےٰ بائیبل کی رُو سے اپنے مشن میں ناکام رہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے زیادہ کامیاب ثابت ہوئے۔ میں نے کہا بہرحال پاک و ناپاک اور معصوم اور غیر معصوم کا فرق تو بموجب الفاظِ حدیث پھر بھی قائم رہا۔ کہنے لگے ہو سکتا ہے حدیث ہی ضعیف ہو۔ میں نے کہا ضعیف ہونے کا ثبوت ہونا چاہیئے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ یہ انبیاءِ کرام کے متعلق قرآنی بیانات کے خلاف ہے اس لئے مردود ہے قرآن کریم میں آپ نے بھی کئی بار پڑھا ہوگا۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ۔

یعنی اے شیطان تو میرے (یعنی خدا کے) بندوں پر مسلّط نہیں ہو سکتا۔ پس ثابت ہوُا کہ انبیاء و اولیاء اور خدا کے نیک و پاک بندوں کو مسِ شیطان نہیں ہو سکتا اور شیطان ان پر کسی عمر میں بھی غلبہ نہیں پا سکتا۔ نیز کیوں نہ اس حدیث کی وہی تاویل صحیح اور درست سمجھ لی جائے جو علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشّاف میں لکھی ہے یعنی وَكُلُّ مَنْ عَلٰى صِفَتِهِمَا کہ نہ صرف مریمؑ اور اس کا بیٹا مسِّ شیطان سے پاک ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ہر وہ شخص بھی جس میں اُن جیسے خواص اور صفات پائی جاتی ہوں۔

اتنے میں جامعہ مصریّہ کا ایک مخالف شخص یوسف آفندی بھی وہاں آگیا جو ان دنوں جگہ جگہ ہماری جماعت کے خلاف افترا پردازی کیا کرتا تھا۔ اس نے مجھے وہاں دیکھتے ہی شور مچا دیا کہ اس احمدی کو جمعیۃ اخوان المسلمین میں ہرگز نہ آنے دیا جائے ورنہ یہ اپنی ہوشیاری اور چکنی چپڑی باتوں سے جمعیۃ کے ممبروں کو بھی اپنی جماعت کے ساتھ ملانا شروع کر دے گا۔ اس پر میں تو خاموش رہا۔ مگر شیخ حسن البنّاء صدرِ جمعیت نے غالبًا اس میں اپنی جمعیّت کی کچھ خفّت محسوس کر کے اسے جواباً کہا کہ ہماری جمعیت کے ممبران کی ایمانی قوّت اور فراست ایسی نہیں کہ کسی کی باتیں سُنکر وہ اندھا دُھند اس کے پیچھے لگ جائیں۔

چونکہ اس شخص کا اندازِ گفتگو کسی قدر اشتعال انگیز اور ہتک آمیز تھا اس لئے میں نے فتنہ سے بچنے کے لئے محترم استاذ حسن البنّاء کو کہا کہ آپ سے شرفِ ملاقات حاصل ہو گیا ہے اور آپ کا درس بھی سُن لیا ہے۔ اب اجازت چاہتا ہوں اور پھر میں وہاں سے واپس آگیا۔

دو مصری علماء سے دلچسپ گفتگو

دسمبر ۱۹۳۷ء میں مصر کے دار الحکومت قاہرہ میں ہماری جماعت کا مرکز وہاں کی مشہور شارع الموسکی میں امیر جماعت احمدیہ مصر جناب سیّد محی الدین الحُصنی مرحوم کی کلاتھ مارکیٹ کے قریب ایک گلی میں تھا جہاں جماعتی اجتماعات ہؤا کرتے اور باجماعت نمازیں بالالتزام ادا کی جاتی تھیں۔

قاہرہ میں قیام کے دَوران جماعت کی تعلیم و تربیت کے علاوہ خاکسار کو تبلیغ کے بھی بکثرت مواقع میسّر آتے رہتے تھے۔ اس عرصہ میں برادرم مولانا محمد سلیم صاحب سابق مبلّغ انچارج بلادِ عربیہ بھی فلسطین سے مصر تشریف لے آئے۔ اور تبلیغی اور جماعتی مصروفیات زیادہ ہوگئیں۔ ایک روز ہم دونوں یونیورسٹی جامعۂ ازہر کے قریب ایک مشہور باربر شاپ میں حجامت بنوانے کی غرض سے گئے۔ ہم اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے کہ جامعہ ازہر کے دو ادھیڑ عمر کے پروفیسر حجامت بنوانے کے لئے وہاں تشریف لے آئے۔ ان میں سے ایک نے سلام و تعارف کے بعد ہمارا حال واحوال پوچھنا شروع کر دیا۔ مولانا محمد سلیم صاحب نے انہیں بتایا کہ ہم مبلّغینِ اسلام ہیں۔ اور ہندوستان سے بلادِ عربیہ میں ہماری آمد کی غرض تبلیغ اسلام اور عرب عوام کو علومِ قرآن اور اس کے جدید حقائق و معارف سے متعارف کرانا ہے۔

عربی ہماری مادری زبان ہے

اس پر وہ دونوں بزرگ قہقہہ لگا کر اتنے زور سے ہنسے کہ سب حاضرین ہماری طرف متوجہ ہو گئے پھر کہنے لگے قرآن کریم تو ہماری مادری زبان عربی میں ہے اور ہم عرب لوگ ہی اسے پوری طرح سمجھ سکتے ہیں۔ ہمیں آپ کیا سکھائیں گے۔ مولانا محمد سلیم صاحب نے انہیں بتایا کہ بے شک عربی زبان کے آپ ماہر ہیں! اور یہ چونکہ آپ کی مادری زبان بھی ہے اس لئے آپ بہرحال اس زبان پر ہم سے زیادہ حاوی ہوں گے لیکن قرآن کریم کے علوم اور اس کے روحانی حقائق و معارف کے خزانے اللہ تعالیٰ کی دین ہے وہ ہر زمانہ میں جسے چاہتا ہے سِکھا

دتیا ہے۔اور اس زمانہ میں اللہ تعالےٰ نے حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السلام کو ہندوستان میں مبعوث فرما کر ضرورتِ زمانہ کے مطابق قرآن کریم کے علوم اور اس کے روحانی خزائن سے انہیں آگاہ فرمایا اور ان کی وساطت سے حصّہ رسدی کے طور پر ہمیں بھی خدا کے فضل سے ان علوم سے وافر حصّہ ملا ہے۔

گائے کے پجاری ہندی لڑکے

یہ سُنکر وہ کچھ طنزیہ انداز اختیار کرتے ہوئے دکان میں موجود لوگوں سے کہنے لگے۔ دیکھیں یہ دونوں ہندی لڑکے ہم مصریوں کو قرآنی علوم سکھانے آئے ہیں (خاکسار کی عمر اس وقت بائیس سال کی تھی اور مولانا سلیم صاحب تقریباً ستائیس سال کے تھے)، بھلا یہ عبادین لبقر (گائے کے پجاری) قرآن کریم کی حقیقت کو کیا جانیں بیچارے یونہی غلطی خوردہ ہیں۔علوم قرآن اور قرآن فہمی کے گُر تو ہمارے ذریعہ ہی دنیا کو معلوم ہوئے ہیں یہ ہندی لوگ اسرارِ شریعت کو کیا جانیں بہتر ہے کہ یہاں وقت ضائع کرنے کی بجائے یہ لوگ واپس جا کر اپنے ملک کے مشرکوں کو اسلام سکھائیں۔

حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کی صحیح تفسیر

اس پر محترم مولانا صاحب نے نہایت جرأت سے فصیح و بلیغ عربی میں عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے واجب الاحترام ہیں اور آپ سے علمی مقابلہ کرنا ہماری اس ملک میں آمد کا مقصد نہیں ہے اور نہ ہماری یہ خواہش ہے بلکہ اگر آپ پسند فرمائیں تو ہم آپ کی شاگردی بھی کرنے کو تیار ہیں۔ہم آپ سے آج یہاں قرآن کریم کی ایک دو آیات کی تفسیر سمجھنا چاہتے ہیں۔آپ ذرا وضاحت سے سمجھا دیں تو ہم آپ کے ممنون ہوں گے۔چنانچہ جب وہ اس پر بخوشی رضامند ہو گئے تو مکرم مولانا صاحب نے اسی وقت سورۂ انعام کی ۷۶ سے ۷۹ تک آیات تلاوت کر کے اس واقعہ کا صحیح مطلب اور تفسیر ان سے دریافت کی کہ "جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے ایک ستارہ دیکھا جسے دیکھتے ہی وہ پکار اُٹھے ھٰذَا رَبِّیْ یہ میرا ربّ ہے لیکن جب ڈوب گیا۔تو کہا نہیں مَیں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔پھر جب چمکتا ہؤا چاند دیکھا تو انہوں نے کہا یہ میرا ربّ ہے لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو آپ نے کہا نہیں اگر میرا ربّ مجھے ہدایت نہ دیتا تو مَیں گمراہوں میں سے ہو جاتا۔

مگر اس کے بعد جب سورج کو چمکتے ہوئے دیکھا تو پکار اُٹھے ھٰذَا رَبِّیْ۔ یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو اپنی قوم سے کہا۔ اے قوم میں تمہارے ان خداؤں سے بیزار ہوں۔ میں نے ان تمام کج راہیوں سے بچتے ہوئے اپنی توجہ کو واحد خدا کی طرف پھیر دیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔"

مکرم مولانا صاحب نے ان سے عرض کیا کہ ان آیات کے الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی عمر کے کسی حصہ میں ایک وقت تک شرک میں مبتلا رہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نبی تو شرک کے قریب بھی نہیں جاتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے خود شرک نہیں کیا بلکہ صرف مشرکین کو سمجھانے کے لئے فرضی طور پر یہ مشرکانہ فقرے استعمال کئے تھے تو بظاہر ان آیات کے الفاظ اس مفہوم کے متحمل نہیں سوائے اس کے کہ اس مفہوم کی تائید میں قرآن وحدیث اور لغتِ عرب سے مثالیں اور اسناد پیش کر کے سیاق وسباق کی روشنی میں کوئی قابلِ قبول تاویل کی جائے۔

علمائے کرام کا جواب

مکرم مولانا صاحب نے جب نہایت رسیلی آواز سے ان آیات کی تلاوت کی تو کام میں مشغول حجام بھی ہماری طرف متوجہ ہو گئے اور مولانا کی پوری بات غور سے سنتے رہے۔ مولانا صاحب کا بیان سُنکر دونوں علمائے کرام پر حیرت سی طاری ہو گئی تاہم جلد ہی سنجیدہ ہو کر ان میں سے ایک صاحب کہنے لگے۔

"دیکھو بات تو صاف ہے درحقیقت یہ سب سوالیہ فقرے ہیں جو دراصل استفہام انکاری پر دلالت کرتے ہیں۔ یہاں کوئی بات قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ ابراہیم علیہ السلام مشرکین کو سمجھا رہے ہیں کہ یہ غروب ہو جانے والی چیزیں ہمارا خدا کیسے ہو سکتی ہیں۔ خدا تو وہی ہے جس کے حکم سے یہ اپنے اپنے کام پر مامور ہیں۔"

مولانا صاحب نے عرض کیا آپ بالکل درست فرماتے ہیں کہ یہ آیات استفہام انکاری پر مشتمل ہیں ہم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا کا برگزیدہ اور شرک سے کلی طور پر

پاک اور معصوم یقین کرتے ہیں لیکن استفہام انکاری کی تائید میں وہ لفظی اور معنوی قرینے بھی تو بیان فرما دیں جن سے اس کا استفہام انکاری ہونا واضح قرائن سے ثابت ہو جائے

مولانا صاحب کا یہ بیان سننے کے بعد بھی انہوں نے اس مسئلہ کی کوئی مزید وضاحت نہ کی اور یہی کہتے رہے کہ تفسیروں میں تو ہم نے یہی پڑھا ہے جو ہم نے بیان کر دیا ہے، قرآنی آیات کے بارے میں اس سے زیادہ بحث معیوب ہے۔ اس پر حاضرین میں سے دو تین نوجوان ان کے پیچھے پڑ گئے اور کہنے لگے۔ ابھی ابھی تو آپ فرما رہے تھے کہ قرآن فہمی میں آپ کا اور ان ہندوستانی عجمیوں کا کوئی مقابلہ ہی نہیں آپ زیادہ جانتے ہیں۔ اب یا تو آپ اپنا یہ استفہام انکاری قرائن اور دلائل سے ثابت کریں تاکہ مذکورہ بالا اعتراض کی گنجائش ہی نہ رہے یا ان لوگوں کو متعلقہ آیات کی تفسیر بیان کرنے کا موقع دیں۔

اس مرحلے پر مولانا سلیم صاحب نے دوبارہ ان علماء سے عرض کیا کہ ہم آپ کو پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ ہمارا آپ سے مقابلہ کرنے کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں ہے آپ ابنائے عرب ہیں جن کے ساتھ ہمیں حضرت سرورِ کائنات کی ذاتِ اقدس کی وجہ سے دلی محبّت ہے۔ پس جیسے بعض دفعہ ایک مشفق اور دانشمند استاد اپنے کسی شاگردِ رشید کے منہ سے کوئی دل پسند سچائی سُنکر محظوظ ہوتا ہے آپ بھی اسی جذبہ سے ہماری باتیں سُنیں اگر قابلِ قبول ہوں تو مان لیں ورنہ بے شک رد کر دیں۔ چنانچہ یہ سُنکر ان میں سے ایک عالم بولے۔ طیّب طیّب آحسَنتَ یا ابنی آحسَنتَ الاٰن هاتِ ماعِندكَ من تفسير هذه الاٰيات نحنُ نسمعُ ونَصغِي لكَ اَنتَ شَابٌ مُشفقٌ وعَالِمٌ بلَا شكٍّ " ہاں ہاں بیٹا تم نے بہت اچھی تجویز پیش کی ہے۔ اب ان آیات کی تفسیر میں جو کچھ تم جانتے ہو سناؤ ہم پوری توجہ سے تمہاری بات سنیں گے۔ تم واقعی ایک عالمِ دین سمجھدار اور مہذّب نوجوان لگتے ہو۔

استفہامِ انکاری کے قرائن

چنانچہ اس کے بعد مولانا سلیم صاحب نے تقریباً آدھ گھنٹہ مذکورہ بالا آیات کی ایسی

واضح اور بیّن تفسیر کی کہ سب حاضرین تسلّی پا گئے۔ آپ نے بتایا کہ القرآن یُفَسِّرُ بَعۡضُہٗ بَعۡضًا کے مطابق ہمیں اس سلسلہ میں قرآن کریم کی دوسری تفسیری آیات کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا اور کسی آیت کی ایسی تفسیر یا مفہوم بیان نہیں کیا جا سکتا جو کسی دوسری آیت کے خلاف پڑتا ہو۔ اس کے بعد قرآن کریم میں جہاں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اور خصوصًا ابراہیمی مباحثات اور طرزِ استدلال کا ذکر آیا ہے وہ بیان کر کے بتایا کہ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق اللہ تعالےٰ کے بیان فرمودہ واضح ارشادات اور واقعات ثابت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی کے کسی حصّہ میں بھی شرک نہیں کیا اور آپ کی تمام زندگی دیگر انبیاء کی طرح گناہ اور شرک سے پاک تھی اس لئے ہم زیرِ بحث آیت کے ایسے معنی یا مفہوم نہیں لے سکتے جو ان کی عمر کے کسی حصّہ میں ان کے شرک کرنے پر دلالت کرے۔ چنانچہ اسی ضمن میں آپ نے وہ واقعہ بھی بیان کیا جبکہ اوائل جوانی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا آذر انہیں بُت فروشی کی دکان پر بٹھا کر کسی کام کو گئے تھے اور اسی دَوران ایک بوڑھے مشرک نے جب ان سے کوئی بُت خریدنا چاہا تو آپ نے شرک کے خلاف اسے تبلیغ کر کے اور غیرت دلا کر بُت خریدنے سے باز رکھا۔ پھر آپ نے اس واقعہ کو محض ایک اسرائیلی افسانہ ثابت کیا جس کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیدائش کے بعد جوانی تک دشمنوں سے حفاظت کے لئے کسی غار میں چھپایا گیا تھا اور پھر جب جوان ہو کر باہر نکلے یا نکالے گئے تو پہلے ستارہ پھر چاند اور پھر سُورج دیکھ کر غلطی سے انہیں خدا سمجھا اور آخر میں وہ سچے اور واحد خدا کو پہچان کر موحّد ہو گئے۔ اور توحید کا پرچار کرنے لگے۔

اس کے بعد آپ نے حضرت ابراہیمؑ کا بُت خانہ میں جا کر سوائے سب سے بڑے بُت کے سب کو توڑنا اور بَلْ فَعَلَہٗ ۖ کَبِیۡرُھُمۡ ھٰذَا فَسۡـَٔلُوۡھُمۡ اِنۡ کَانُوۡا یَنۡطِقُوۡنَ کی تفسیر کر کے ثابت کیا کہ یہ فقرہ انہوں نے تعریضًا اور طنز کے طور پر کہا اور بتایا کہ انہوں نے یہاں جھوٹ نہیں بولا تھا بلکہ شرک سے بیزاری اور مشرکوں کو لاجواب کرنا مقصود تھا چنانچہ وہ لاجواب ہو گئے۔ اور انہوں نے کہدیا کہ یہ تو بول ہی نہیں سکتے ہم ان سے کیا پوچھیں۔ اس پر حضرت

ابراہیمؑ کو موقعہ مل گیا۔ کہ وہ ان کی ضعیف الاعتقادی کو ظاہر کر سکیں چنانچہ اُن سے اعتراف کرالیا کہ ان کی عبادت میں وہ خود ہی بے انصافی کر رہے ہیں اور شرک میں مبتلا ہیں۔

پھر آپ نے بتایا کہ یہ بھی حضرت ابراہیمؑ پر بہتان اور صریح جھوٹا الزام ہے کہ انہوں نے تین جھوٹ بولے وہ یقیناً سچے تھے اور اصدق الصادقین میں سے تھے نیز بتایا کہ ان کی زندگی کے مذکورہ بالا تمام واقعات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور زیر بحث آیات کے سیاق و سباق کا خیال کرتے ہوئے یہ کسی صورت میں بھی گمان نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے ھٰذَا رَبِّیْ کہکر ستارے چاند اور سورج کو پوجا تھا۔ آپ نے بتایا کہ قرآن کریم کی ان آیات سے پہلے کی دو آیات میں تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام واضح طور پر اپنے چچا آذر کو شرک سے باز رکھنے کی تلقین فرماتے ہیں اِنِّیْٓ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ کہ میں تجھے اور تیری قوم کو شرک کی کھُلی کھُلی گمراہی میں پاتا ہوں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے معًابعد وہ خود اسی گمراہی میں پڑ جاتے۔ اسی طرح متعلقہ آیات سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ كَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ کہ اس طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں پر اپنی بادشاہت کے کرشمے دکھاتے رہے ہیں تاکہ وہ علم کامل اور یقینِ محکم رکھنے والوں میں سے ہو جائے۔ گویا اس سے پہلے وہ ملکوت السماوات والارض سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور توحید کا مسئلہ سمجھ چکے تھے اور بُت پرستی سے ان کی بیزاری کا ذکر کیا جا چکا تھا پھر وہ کیسے ستارے چاند اور سورج کو اپنا معبود قرار دے سکتے تھے۔ پس یہ قرائن اس کلام کا استفہام انکاری بصورت تعریض ہونا صاف ظاہر کر رہے ہیں۔ اس پر ایک اور بڑا قرینہ یہ بھی ہے کہ ان آیات کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ کہ یہ باتیں قوم سے بحث میں ہوئی ہیں جبکہ وہ اس سے پہلے اپنے آپ کو حنیف اور شرک سے بیزار قرار دے چکے تھے۔ پھر آگے چل کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ۔ کہ یہ ہماری طرف سے ابراہیمؑ

کو اس کی قوم کے خلاف ایک دلیل سکھائی گئی ہے۔ پس اس کلام کا بدیں وجہ بھی استفہام انکاری ہونا اظہر من الشمس ہے اور ھٰذَا اَکْبَر کا فقرہ اس کلام کے تعریض اور طنز ہونے پر روشن دلیل ہے۔

استفہام کی صورت میں بعض اوقات یہ امر ابلغ ہوتا ہے کہ حرف استفہام حذف کر دیا جائے کیونکہ فقرے کا لہجہ اس صورت میں استفہام ہونے پر دلیل ہوتا ہے اور یہ طرزِ تکلّم یعنی حرفِ استفہام کا حذف ہونا ہر زبان میں پایا جاتا ہے جبکہ لہجہ استفہام پر دلالت کر رہا ہو۔

ابراہیمی طرزِ استدلال

پس مندرجہ بالا قرائن اس بات کا یقینی ثبوت ہیں کہ متعلقہ آیات سے اللہ تعالےٰ کی مراد یہ ہرگز نہیں ہے کہ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام سورج چاند اور ستاروں کو کچھ عرصہ خدا تسلیم کرنے کے بعد توحید کی طرف پلٹے تھے۔ ایک عام مومن کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے۔ چہ جائیکہ حضرت ابراہیمؑ جیسے عظیم نبی سے یہ گناہ سرزد ہو۔ صرف مشرکین کو ساکت کرنے اور انہیں لاجواب کرنے کے لئے یہ ان کا مخصوص طرزِ استدلال تھا ورنہ کیا ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اپنی قوم سے اتنی دانشمندی اور ہوشیاری سے بحث کرنے اور مشرکین کو مبہوت کر دینے والے عظیم نبی کو اتنا بھی علم نہیں تھا۔ کہ یہ سب اجرام فلکی غروب ہو جانے والی چیزیں تھیں۔ گویا انہوں نے پہلے کبھی سورج چاند اور ستاروں کو غروب ہوتے دیکھا ہی نہیں تھا۔ کیا وہ دنیا میں نہیں رہتے تھے کہ وہ ان نظاروں سے اس مخصوص دن تک محروم رہے اور پہلی دفعہ یہ چیزیں ان کے سامنے غروب ہوئیں۔ پس ھٰذَا اَکْبَرُ کا فقرہ بھی انہوں نے مشرکین کو شرمندہ کرنے کے لئے تجاہل عارفانہ کے طور پر ہی استعمال کیا ہے۔ تاکہ اپنی قوم کی جہالت اور بیوقوفی کو ان کے سامنے مزید اجاگر کر سکیں۔ اس قسم کے طرزِ استدلال کو انگریزی میں IRONICAL یا SARACASTIC IRONY یعنی تجاہل عارفانہ یا سقراطی طنز کہا جاتا ہے جس کی قرآنِ کریم میں کئی مثالیں ملتی ہیں مثلاً اللہ تعالےٰ جہنمی انسان کو آگ میں ڈالنے کے بعد فرمائے گا ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ کہ تو اپنے اعمال کے نتیجہ میں اب یہ عذاب چکھ تو غالب طاقتور اور عزت والا ہے۔

یعنی تو اپنے آپ کو ایسا سمجھتا تھا اب کیا ہوا تجھے کہاں گئی وہ طاقت اور عزت۔

قرآن کریم کا اسلوبِ بیان

قرآن کریم کا اسلوبِ بیان جاننے والے جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہر بات اور ہر واقعہ نہایت بچے تُلے الفاظ میں بیان ہوا ہے اور قرآن کریم ہمیشہ مطلب کی بات بیان کرتا ہے بلکہ اس میں بعض جگہ اختصار اور ایجاز کے لئے بعض ایسے حروف اور الفاظ حذف بھی کر دیئے گئے ہیں جن کے بغیر اصل مطلب اور مفہوم بآسانی سمجھ میں آسکتا ہو اور قدیم وجدید اور جاہلیت کے اور اسلام کے زمانہ کی نظم و نثر میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جیسے قُلتُ لَهَا قِفِي فقالت قاف وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح یہاں ان آیات میں بھی استفہام انکاری کو زیادہ مفید اور مؤثر اور طنزیہ بنانے کے لئے هٰذَا رَبِّي سے پہلے ہمزۂ استفہامیہ محذوف کر دیا گیا ہے۔ اصل میں أَهٰذَا رَبِّي ہے کیا یہ میرا رب ہو سکتا ہے اس کی مثال قرآن کریم میں دوسری جگہوں پر بھی ملتی ہے۔ مثلاً سورۂ یوسفؑ میں حضرت یوسفؑ کے ملازم ان کے بھائیوں کو پوچھتے ہیں۔ کہ اے قافلہ والو اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ کیا تم چور ہو۔ یعنی کیا تم نے وہ گم شدہ برتن چرایا ہے۔ بعض مفسّرین کے نزدیک یہاں ہمزہ محذوف ہے اصل میں أَ اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ ہے۔ یعنی کیا تم نے چوری کی ہے ورنہ جرم ثابت ہونے سے پہلے ہی کسی کو مجرم قرار دے دینا نہ صرف انصاف کے خلاف ہے بلکہ خدا کے ایک نبی کی صحبت میں رہنے والے اور اس کے زیرِ تربیت ملازموں کی شان کے منافی ہے۔

دیگر مسائل پر گفتگو

غرض قرآن کریم کی زیرِ بحث آیاتِ کریمہ کی یہ سیر حاصل تفسیر سُنکر حاضرین کے علاوہ وُہ دونوں عالم بھی بہت محظوظ ہوئے اس کے بعد گفتگو نے دوسرا رُخ اختیار کر لیا۔ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کی آمد پر بحث چل نکلی۔ اور رات گئے تک بڑی کامیابی سے جاری رہی۔ دکان کے مالک ہماری باتیں خوب توجہ سے سنتے رہے اور کافی سے حاضرین کی تواضع بھی کرتے رہے۔ بعض نوجوان اس مجلس مذاکرہ سے اتنے متأثر ہوئے کہ انہوں نے دوسرے روز اپنے

علاقہ عباسیہ میں جو وہاں سے ڈیڑھ میل دُور تھا۔ ہمیں آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ہم اگلے روز وہاں گئے اور عباسیہ کے ایک قہوہ خانہ میں ان نوجوانوں سے اختلافی مسائل پر نصف شب تک باتیں ہوتی رہیں۔ انہوں نے اور بھی کئی دوستوں کو بُلا رکھا تھا۔ یہ مجلس مذاکرہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اتنی کامیاب رہی کہ اس کے بعد چند دنوں کے اندر ان میں سے دو نوجوان بعیت کرکے جماعت میں شامل ہوگئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِكَ۔

اسلام کی روایتی مہمان نوازی کی مثال

اس موقعہ پر نصف شب گزر جانے پر وہاں سے واپسی کے لئے بس یا ٹرام ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا اس لئے اس قہوہ خانہ سے نکل کر ہم نے ایک نوجوان مصری کلرک کی دعوت پر اس کی جائے رہائش پر رات گزاری۔ جو ایک عمارت میں تیسری منزل پر صرف ایک بیڈ روم اور باورچی خانہ پر مشتمل تھی انہوں نے ہمیں کھانا بھی پیش کیا اور اپنا وہ ایک ہی کمرہ ہمارے لئے خالی کر دیا اور خود مع بیوی اور ایک بچہ کے باورچیخانہ میں زمین پر بستر بچھا کر سو رہے۔ اگلے روز صبح اُٹھنے کے بعد اس مخلص نوجوان نے باصرار ہمیں ناشتہ کرایا۔ اور پھر خود ہمارے ساتھ آکر بڑے اہتمام سے ہمیں ٹرام پر سوار کرکے واپس ہوا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ بعد میں یہ نوجوان بھی ہمارے مرکز آتے رہے اور میرے قاہرہ سے فلسطین جانے کے کچھ عرصہ بعد باقاعدہ جماعت میں شامل ہوگئے تھے۔

ایک مصری خاندان کو احمدیت کا پیغام

جنوری ۱۹۳۸ء میں قاہرہ میں قیام کے دوران ایک روز خاکسار دریائے نیل کے کنارے علاقہ قصر النّیل کے ایک باغ میں بیٹھا خوبصورت کشتیوں سے لطیف اندوز ہو رہا تھا کہ میرے ہندی لباس سے متاثر ہو کر یونیورسٹی کا ایک طالب علم میرے پاس آ کر بینچ پر بیٹھ گیا۔

باہمی تعارف کے بعد یہ معلوم ہونے پر کہ مَیں احمدی مبلّغ ہوں اس نے مجھ سے پوچھا کہ احمدیّت کیا ہے اور اسلام اور احمدیت میں کیا فرق ہے۔ مَیں نے بتایا کہ احمدیت اور حقیقی اسلام میں کوئی بنیادی فرق نہیں اسلام ہی کا دوسرا نام احمدیت ہے۔ فروعی فرق صرف اتنا ہے۔ کہ احمدیوں کے نزدیک حضرت بانیٔ جماعت احمدیّہ مرزا غلام احمد علیہ السلام وہ موعود مہدیؑ اور مسیح محمدی ہیں جن کے آخری زمانہ میں امّتِ محمدیہ میں ظہور کی پیشگوئی حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ اس کے بعد کچھ وقت تک وفاتِ مسیح ناصری اور ختم نبوّت وغیرہ مسائل پر اس سے گفتگو ہوتی رہی۔ جس سے وہ بہت متأثر ہوا۔ پھر کہنے لگا مَیں حافظِ قرآن ہوں اور مجھے تلاوتِ قرآن کریم سے بہت دلچسپی ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ ہندی لہجہ میں تلاوت کر کے مجھے سُنائیں۔ مَیں نے کہا مجھے تو مصری طریق تلاوت پسند ہے پہلے آپ سُنائیں۔ چنانچہ اس نے خوش الحانی سے سورۂ یوسف کی چند آیات مصری انداز میں تلاوت کیں۔ جس کے بعد خاکسار نے اپنے ٹھیٹھ پنجابی انداز میں سُورۃ جمعہ کی تلاوت کی اور پھر آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ کی تفسیر کے ضمن میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رجلِ فارس والی حدیث بیان کر کے بعثتِ ثانیہ کی وضاحت کی اور حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے دعویٰ مہدویت کی صداقت اس پر ثابت کی۔

وہ میری باتوں سے اتنا متأثر ہوا کہ مجھ سے میرا ایڈریس لے کر کہنے لگا کہ وہ جمعہ کے روز جماعت کے مرکز میں آئے گا لیکن پھر جمعہ آنے سے قبل ہی آ کر مجھے ملا۔ اور

کہنے لگا ئیں نے آپ سے ملاقات کی تفصیل اپنی والدہ سے بیان کی تھی۔ وہ بڑی دیندار خاتون ہیں۔ وہ بھی آپ سے مل کر آپ کی باتیں سُننا چاہتی ہیں۔ دورانِ گفتگو مجھے اس سے معلوم ہوا کہ اس کے والد کئی سال ہوئے بہت سی جائیداد چھوڑ کر وفات پا چکے ہیں اور اب وہ اور اس کی چھوٹی بہن اپنی والدہ کی سرپرستی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

چنانچہ اس کی خواہش پر خاکسار اسی وقت اس کے ساتھ ہو لیا۔ ان کا مکان مصر کے متوسط طبقہ کے بعض گھروں کی طرح ایک پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے خولصبورت باغیچہ میں بنگلے کی طرز کی ایک عمارت تھی۔ تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹہ خاکسار وہاں ان کے ساتھ ٹھہرا اور بڑی دلچسپ گفتگو ہوتی رہی۔ اس کی والدہ بھی دین کا خاصا علم رکھتی تھیں۔ کہنے لگیں امام مہدیؑ کا بنی فاطمہ میں سے ہونا ضروری ہے۔ مَیں نے کہا کوئی صحیح حدیث اس کی تائید نہیں کرتی۔ علاوہ ازیں بعض احادیث میں اس کا غیر فاطمی ہونا بھی مروی ہے۔ ویسے حضرت امام الزّمان علیہ السلام والدہ کی طرف سے فاطمی بھی ہیں۔

آخر طویل گفتگو کے بعد کہنے لگیں کچھ بھی ہو ہم تو اسی وقت اس مہدی کو مانیں گے جب مصر کے اکابر مان لیں گے۔ مَیں نے کہا۔ مصر کے اکابر نے تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خلافتِ ثانیہ کے زمانہ میں مانا تھا لیکن افضل اور قابلِ ثواب و ستائش تو سابقون الاوّلون والا ایمان ہوتا ہے اور بڑائی تقویٰ سے ہوتی ہے علم و دولت یا طاقت سے نہیں ہوتی۔ کہنے لگیں مَیں بیوہ اور بے سہارا ہوں۔ یہ بچے ابھی چھوٹے ہیں ان کی ذمہ داری ختم ہو گی تو پھر فارغ البال ہو کر دین کی طرف متوجہ ہوں گی۔ مَیں نے عرض کیا یہ ضروری نہیں آپ کا لڑکا بالغ اور سمجھدار ہے۔ زندگی اور موت کا کوئی اعتبار نہیں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دس گیارہ سال کی عمر میں سچائی کو بید حضرتک قبول کر لیا تھا۔

اس کے بعد خاکسار نے ان کی خواہش پر چند منٹ تلاوت قرآن کریم کی جسے سُنکر وہ کہنے لگیں میرے لڑکے نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ آپ کی آواز میں بڑی تاثیر ہے۔ مَیں نے کہا ایسی تاثیر جھوٹوں کی آواز میں تو نہیں ہو سکتی اس لئے سمجھ لیں کہ

حضرت امام مہدی پر ایمان لانے والے سچے ہیں کہنے لگیں ہم اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں گے۔ مَیں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ سے متواتر دعائیں بھی کریں کہ وہ آپ کی رہنمائی فرمائے کیونکہ احادیث شریفہ کے مطابق امامِ وقت کی بیعت کے بغیر انسان جاہلیت کی موت مرتا ہے۔

مغرب کا وقت ہونے پر انہوں نے خاکسار کی امامت میں مغرب کی نماز ادا کی نیز ان کے اصرار پر خاکسار نے ان کے ساتھ مل کر کھانا کھایا اور پھر انہوں نے سیرت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعض پہلوؤں پر اپنے متوفی خاوند کی تصنیف کردہ ایک کتاب مجھے تحفۃً پیش کی۔ جس کے بعد خاکسار نے ان کی ہدایت اور بہتری کے لئے اجتماعی دعا کرائی اور ان کا شکریہ ادا کر کے رات گئے احمدیہ دار التبلیغ واپس آگیا۔

بغداد کا تبلیغی دورہ اور والی بال کا کھیل

اپریل ۱۹۳۶ء میں مجھے تبلیغی سلسلہ میں کچھ عرصہ کے لئے فلسطین سے براستہ صحرائے شام بغداد بھی جانا پڑا۔ اس وقت جماعت احمدیہ بغداد کے صدر ہندوستان کی میمن قوم کے ایک نہایت مخلص اور مخیّر احمدی تاجر جناب حاجی عبداللطیف نور محمد صاحب مرحوم تھے۔ خاکسار نے انہیں کے پاس قیام کیا۔ اور ان کے تعاون اور اثر ورسوخ سے بغداد کے مختلف طبقوں کے لوگوں میں تبلیغی کام شروع کر دیا۔ عربی لٹریچر وہاں پر ہمارے پاس کافی تھا جو تقریباً روزانہ تقسیم کیا جاتا رہا۔ کربلا۔ بصرہ کوفہ اور دیگر شہروں میں جانے کا موقعہ بھی ملا۔ تاریخی مقامات بھی دیکھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت سیّد عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر بزرگوں کے مزاروں پر دعا بھی کی۔

مزاروں پر مشرکانہ رسوم

حضرت سیّد عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مَیں دو مرتبہ دعا کے لئے حاضر ہوا۔ دونوں مرتبہ

دیکھا کہ بعض مرد اور عورتیں مزار کی طرف منہ کر کے سجدے میں گر جاتے ہیں۔ اور بآوازِ بلند آہ و بکا کرتے ہوئے صاحبِ مزار سے مرادیں مانگتے ہیں اور بعض لوگ مزار کی جالی سے چمٹ کر "یا سیّد عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" اور اس قسم کے کئی اور مشرکانہ فقرے دہراتے ہیں لیکن لوکل منتظمین میں سے کوئی انہیں اس سے منع نہیں کرتا نہ کوئی شخص بُرا مناتا ہے۔ ایک مجاور سے جب خاکسار نے اس طریق کے خلاف احتجاج کیا تو اس نے یہ کہکر مجھے ٹال دیا کہ آپ نہیں جانتے یہ ویسے ہی تعظیمی سجدہ ہے جیسے کہ فرشتوں نے آدمؑ کو کیا تھا۔ حالانکہ کسی انسان کے لئے ایسے نام نہاد تعظیمی سجدے کا اسلام میں کوئی جواز نہیں۔

یونیورسٹی کی ٹیموں سے والی بال

میرے وہاں قیام کے دوران برٹش ملٹری کیمپ "ہبّانیہ" سے ہندوستانی مسلمانوں کی ایک والی بال ٹیم جس میں اکثریت احمدیوں کی تھی بغداد یونیورسٹی کی ٹیم سے میچ کھیلنے کے لئے بھی آئی۔ اس کے مینیجر ہمارے احمدی بھائی ملک معراج الدین صاحب آف بھاٹی گیٹ لاہور تھے جو آجکل لاہور میں ہی رہتے ہیں۔ گو خاکسار والی بال کا کوئی اچھا کھلاڑی تو نہ تھا تاہم قادیان میں سالہا سال کھیلنے کی وجہ سے کسی قدر تجربہ ضرور تھا۔ جس کا ملک صاحب موصوف کو بھی علم تھا۔ چنانچہ ان کے اصرار پر مجھے بھی ان کی ٹیم میں شامل ہونا پڑا۔ اتفاق سے دونوں ٹیموں میں سے کسی کو بھی نٹ پر کھیلنے اور سخت والیاں لگانے کی مشق نہ تھی اگرچہ کھیل کا طریق وہی والیاں لگانے والا ہی تھا۔ چونکہ بغداد میں والی بال کے نٹ کی بلندی بھی ہندوستان سے کسی قدر کم تھی۔ اس لئے دونوں میچوں میں مجھے کبھی نٹ پر سے اور کبھی سیکنڈ لائن پر سے براہِ راست زوردار والیاں لگانے کا موقعہ مل گیا۔ اور اس طرح بغداد کی دونوں مخالف ٹیمیں ہم سے جیت نہ سکیں اور ہم نے دو دو گیموں پر دونوں میچ جیت لئے۔

استقبالیوں کا عربی میں جواب

کھیل کے اختتام پر جو ٹی پارٹی اور خیر مقدم ایڈریس ہمارے اعزاز میں دیئے گئے اس میں بھی مینیجر صاحب کے ارشاد پر خاکسار نے ہی عربی زبان میں ان کا جواب دیا۔ اور

اپنی جوابی تقریروں کو دینی رنگ دے کر عراقی نوجوانوں کو کچھ نصائح بھی کیں جس سے انہیں اور بھی تعجب ہوا کہ یہ شخص بیک وقت کھلاڑی بھی ہے اور عالمِ دین بھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنے کسی عالمِ دین کو کبھی کھیلتے نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ یہ صورتِ حال بعد میں بغداد کے کئی تعلیم یافتہ معززین کو احمدیّت کی تبلیغ اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے دعاوی سے متعارف کرانے کا ذریعہ بن گئی اور نتیجۃً تبلیغ کی بعض ایسی راہیں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے لئے کھل گئیں جو اس وقت وہاں قانونی طور پر بند تھیں ؛

قبولیتِ دُعا اور حضرت مصلح موعودؓ کی ذرّہ نوازی

جون ۱۹۳۷ء میں فلسطین پہنچنے پر خاکسار نے چند ماہ بطور انچارج احمدیہ سکول وہاں کی احمدیہ بستی کبابیر میں کام کیا اس کے بعد وہاں عربوں اور یہودیوں کے درمیان فسادات شدّت اختیار کر گئے اور مجھے فلسطین میں مزید قیام کی اجازت نہ ملی۔ مولانا محمد سلیم صاحب مبلغ بلادِ عربیہ ہندوستان واپس بلا لئے گئے۔ اور خاکسار طویل عرصہ مختلف عرب ممالک میں محض سیاحت کے ویزوں پر گھوم پھر کر فریضۂ تبلیغ ادا کرتا رہا۔

اس اثنا میں ستمبر ۱۹۳۸ء میں خاکسار تیسری مرتبہ تین ماہ کے ویزا پر فلسطین سے دمشق پہنچا۔ جہاں تقریباً روزانہ ہی مختلف مجالس میں وہاں کے علماء اور اہم شخصیات اور دیگر زیرِ تبلیغ دوستوں سے مذہبی گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا۔ مگر افسوس کہ اس مرتبہ میرے وہاں قیام پر ابھی تین ہفتے بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ بعض مخالفین کی انگیخت پر وزارتِ خارجہ کی طرف سے مجھے ایک ہفتہ کے اندر اندر حدودِ شام سے نکل جانے کا حکم مل گیا اور جماعتی کوششوں کے باوجود فلسطین یا لبنان واپس جانے کا پرمٹ بھی نہ مل سکا اور عراقی سفارت خانہ نے بھی شاید مجھ پر کوئی سیاسی ایجنٹ ہونے کا شبہ کر کے بطور ٹورسٹ عراق جانے کا ویزا نہ دیا۔

حضورؓ کی خدمت میں دُعا کا خط

تاہم اس ناکامی کے باوجود خاکسار سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

مشورہ اور دعا کے لئے ایک فوری خط پوسٹ کرنے کے بعد اسی روز شام کو ایک احمدی نوجوان کے ساتھ عراقی سفیر صاحب کی ذاتی قیام گاہ پر گیا تاکہ اگر کوئی غلط فہمی ہے تو دور کی جاسکے اور انہیں بتاؤں کہ مَیں تو صرف ایک دینی منّاد اور مبلّغِ اسلام ہوں میرا سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں اور بغداد میں اس مرتبہ بھی میرا قیام محض عارضی ہوگا لیکن اُن کی کوٹھی پر پہنچتے ہی ان کے دو کتّے اس بُری طرح ہمارے پیچھے پڑ گئے کہ ہم نے بڑی مشکل سے اپنا بچاؤ کیا۔ بیرونی گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی کتّوں کی مزاحمت پر میرے ساتھی نے ازراہِ تفنّن یہ فال لی کہ یہاں ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ عراقی سفیر صاحب نے ہماری باتیں سُنتے ہی فیصلہ فرما دیا۔ کہ آپ کو صرف ایک روز کا ٹرانسٹ ویزا ہی مل سکتا ہے تاکہ آپ اپنے وطن ہندوستان واپس جاسکیں"۔

اگرچہ خاکسار کا مصمّم ارادہ تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو اب ہندوستان واپس نہیں جاؤں گا لیکن جب مجھ پر بظاہر ان ملکوں نے اپنے سب دروازے بند کر دیئے تو پریشانی کے عالم میں یوں محسوس ہونے لگا جیسے زمین باوجود اپنی فراخی کے مجھ پر تنگ ہوگئی ہے۔ اور اب سوائے اپنے وطن کے کوئی زمین مجھے پناہ دینے کو تیار نہیں ہوگی۔ ان دنوں خاکسار مکرم استاذ منیر الحصنی صاحب کے چھوٹے بھائی جناب الحاج عبدالرؤف الحُصنی مرحوم کے ایک وسیع مکان کی بالائی منزل پر اکیلا ہی قیام پذیر تھا کیونکہ وہ مع اہل وعیال مصر گئے ہوئے تھے۔

بے بسی کے عالم میں ایک گنہگار کی دُعا

غرض اس سراسیمگی کے عالم میں خاکسار اپنی قیام گاہ پر واپس آیا اور رات کا کھانا کھائے بغیر جلدی جلدی نماز کا فریضہ ادا کر کے تھکا ٹوٹا چارپائی پر دراز ہوگیا۔ مگر اس ناگفتہ بہ حالت میں نیند کیسے آسکتی تھی۔ یہ خیالات میری حساس طبیعت کی وجہ سے دل میں شدید گھبراہٹ پیدا کر رہے تھے کہ اب کیا ہوگا۔ کیا انڈین سفارتخانہ مجھے زبردستی ہندوستان بھیج دے گا۔ مَیں نے تو محض خدمتِ دین کی نیّت سے خلیفۂ وقت کے منشاء و رضا سے وطن چھوڑا تھا۔ کیا میری نیّت میں فتور ہے؟ شاید میرے کسی گناہ کی وجہ سے میری یہ پیشکش بارگاہِ الٰہی

ہیں مقبول نہیں ہوئی ...... یہاں تک کہ باہر دیوار پر لگے ہوئے کلاک پر رات کے بارہ بجتے ہوئے سنائی دیئے ..... پھر ساڑھے بارہ کا ٹن بجا ..... مگر میری آنکھ نہ لگ سکی۔ پھر یکدم درد وغم کا ایک طوفان میرے سینے سے اُٹھا اور مَیں ایک ننھے بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے یوں اپنے خالق ومالک کے آگے گِڑگڑایا۔ کہ الہٰی میں چنگا ہوں یا مَندا۔ اچھا ہوں یا بُرا۔ اگر تیرا ہی بندہ ہوں تو پھر کیا تو اس گنہگار اور بے یار و مددگار مہاجر اور اپنے مسیح موعودؑ کے ادنیٰ مرید کو اس قابلِ رحم حال میں تنہا چھوڑ دے گا۔ اے مسبّب الاسباب اور مجیب الدعوات خدا! اس وقت تیرے سوا میری یہ مشکل کوئی حل نہیں کر سکتا۔ غرض یوں بُڑبُڑاتے دعا کرتے اور تڑپتے اور بلکتے ہوئے مَیں غیر ارادی طور پر چارپائی سے نیچے بچھے ہُوئے قالین پر گر گیا اور وہیں اپنے ربّ غفور کے حضور التجائیں کرتا کرتا اپنے دل کا سارا غبار نکال کر ساکت ہو گیا حتیٰ کہ اس کیفیت میں پھر مجھے معلوم نہیں کب میری آنکھ لگ گئی۔

حاجی عبد اللطیف صاحب مرحوم کا اخلاص و ایثار

صبح کے وقت آنکھ کھلتے ہی اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ تجویز سُجھائی کہ صرف ایک یوم کا ٹرانسٹ ویزا جو ملتا ہے سرِ دست اسی پر ہی دمشق سے بغداد روانہ ہو جاؤں اور بغداد میں مکرم حاجی عبد اللطیف نور محمد صاحب مرحوم کو تار دے دوں کہ وہ میرے بغداد میں قیام کی کوشش فرمائیں اور مجھے فلاں وقت حدودِ عراق پر آ کر اپنی ضمانت پر عراق میں ٹھہرالیں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور دمشق سے بذریعہ بس بغداد روانہ ہو گیا۔ دوسرے روز جب بغداد کی سرحد پر پہنچا تو حاجی صاحب موصوف وہاں موجود تھے۔ چنانچہ وہ اپنی ضمانت پر مجھے سیدھے ہندوستانی سفارتخانہ میں لے گئے جہاں ان کے ایک شیعہ دوست حاجی علی حسن صاحب آفس سیکرٹری تھے ان کی کوشش سے بغداد میں مجھے تیسری مرتبہ بطور ٹورسٹ چند ہفتے گزارنے کی اجازت مل گئی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس عاجز گنہگار نابکار کی اضطراری التجاؤں کو قبول فرماتے ہوئے یہ مشکل ایک حد تک حل فرما دی۔

حضورؓ کا خاص کرم و شفقت چونکہ خاکسار اپنی یہ پریشانیاں اور مشکلات سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر کے دعا کے لئے درخواست کرتا رہتا تھا۔ اور دمشق سے بھی مذکورہ بالا حالات حضورؓ کو لکھ چکا تھا اس لئے اس حلیم و کریم اور مہربان آقا کے ارشاد پر بغداد میں مجھے مرکز کی طرف سے وقف کا فارم دوبارہ پُر کرنے کے لئے بھیجا گیا جس کے بعد حضورؓ عالی نے از راہِ کرم و شفقت مجھے مرکزِ سلسلہ کی خاص ضمانت پر بغداد سے واپس فلسطین بھجوا دیا جہاں سے چند ہفتے بعد مجھے بلادِ عربیہ سے بطور مبلّغ اسلام کام کرنے کے لئے انگلستان بھجوا دیا گیا۔ اور یوں محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس ناچیز اور نالائق خادم سلسلہ کے حالات نے معجزانہ طور پر یکدم پلٹا کھایا اور سب مشکلات دور ہو گئیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی۔

شاہ فیصل کی مسجد احمدیہ لندن میں آمد

ماہ فروری ۱۹۳۹ء میں برطانوی حکومت نے قضیہ فلسطین کے کسی مناسب حل کی تلاش کے لئے لندن میں عرب ممالک کی ایک کانفرنس منعقد کی۔ جس میں فلسطین، عراق، یمن، سعودی عرب، مصر، شام، اُردن وغیرہ کے نمائندوں نے شرکت کی۔ جماعت احمدیہ یہودیوں کے مقابل پر ہمیشہ عربوں کا ساتھ دیتی رہی ہے اور ہر مرحلہ پر مسلمانانِ فلسطین کی تائید میں ہی آواز بلند کرتی رہی ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس مرحوم امام مسجد فضل لندن نے اس موقعہ پر انہی دنوں مسجد فضل عمر لندن میں عرب ممالک کے تمام نمائندوں کے اعزاز میں ایک پارٹی دی جس میں ولیعہد امیر فیصل (بعد میں شاہ فیصل) اور حکومتِ سعودی عرب کے دوسرے نمائندہ الشیخ ابراہیم سلیمان رئیس النیابۃ العامۃ اور شیخ حافظ وہبہ سفیر سعودی عرب اور فلسطین کے نمائندگان عونی بک الہادی، القاضی علی العمری اور القاضی محمد الشامی وغیرہ مندوبین کے علاوہ مختلف ممالک کے



برٹش احمدی مسٹر بلال نٹل مرحوم
(صفحہ ۲۰۰)



کرنل ایم ولیم ڈگلس آف انگلینڈ جنہوں نے حضرت بانی جماعت احمدیہ
کے خلاف ایک مقدمہ قتل کے بارے میں انصاف اور جرأت کا
ثبوت دیا (صفحہ ۱۹۴)



۱۹۳۹ء میں شاہ فیصل آف سعودی عرب کی احمدیہ مسجد لندن میں تشریف آوری (صفحہ ۱۸۸)



خان بشیر احمد رفیق سابق امام مسجد فضل لندن تنزانیہ کے سفیر کو اسلامی کتب پیش کر رہے ہیں۔
بائیں طرف محترم مولانا عطاء المجیب صاحب کھڑے ہیں (صفحہ ۷۰)



مسٹر ایم کے بونگے جنرل سیکرٹری سیرالیون
احمدیہ مشن (صفحہ ۳۰۲)



مسٹر موسیٰ سووا لوکل معلّم جماعت احمدیہ
سیرالیون (صفحہ ۲۹۳)

سفراء، لندن شہر کے اکابر، ممبران پارلیمنٹ اور کئی ایک سرنائٹ جرنیل اور دوصد کے قریب دیگر بڑے بڑے اہلِ منصب انگریز نیز شامل ہوئے۔ نیز ہائی کمشنر فار انڈیا سردار بہادر موہن سنگھ آف راولپنڈی ممبر کونسل فار انڈیا اور لندن میں مقیم دیگر سرکردہ ہندوستانیوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔

یہ خاکسار اس زمانہ میں حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کے ساتھ بطور نائب امام مسجد متعیّن تھا۔ اس تقریب کے موقعہ پر محترم کرنل عطاء اللہ صاحب مرحوم آف لاہور، محترم میر عبدالسلام صاحب مرحوم آف سیالکوٹ اور خاکسار احمدیہ دارالتبلیغ سے باہر گیٹ پر معزز مہمانوں کے استقبال کے لئے مامور تھے شاہ فیصل اور ان کے ساتھیوں کی آمد پر مولانا شمسؓ صاحب خود بھی ان کے خیر مقدم کے لئے آگئے اور دیگر مہمانوں کے تشریف لے آنے تک انہیں کچھ دیر کے لئے احمدیہ دارالتبلیغ کے ڈرائنگ روم میں ہی بٹھایا گیا۔ چونکہ مولانا شمس صاحب اور خاکسار کے علاوہ ان کے ساتھ عربی میں گفتگو کرنے والا اس وقت وہاں اور کوئی نہیں تھا اس لئے تا افتتاح کانفرنس خاکسار ان کے ساتھ رہا اور حضرت مولانا صاحب دیگر امور میں مصروف رہے۔ چند منٹ کے بعد شاہ فیصل نے اپنے سعودی لہجہ میں اپنے وزیر شیخ حافظ وہبہ سے ٹائیلیٹ جانے کی حاجت کا ذکر کیا۔ اس پر میں نے عرض کیا۔ چلئے میں لے چلتا ہوں۔ تعجّب سے کہنے لگے آپ ہماری روزمرّہ کی زبان بھی خوب سمجھتے ہیں معلوم ہوتا ہے آپ عربوں میں بھی رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں میں نے تقریباً دو سال عرب ممالک میں گزارے ہیں۔ کانفرنس کے افتتاح سے پہلے حضرت شمسؓ صاحب نے انہیں مسجد دیکھنے کی دعوت دی۔ چنانچہ مع تمام مہمانان شاہ فیصل نے مسجد فضل دیکھی اور اندر محراب کے قریب چند منٹ کھڑے رہ کر حضرت شمسؓ صاحب سے مسجد کے حالات سنتے رہے اور کہنے لگے "میں تو سمجھا تھا کہ چھوٹی سی مسجد ہوگی یہ تو خاصی بڑی مسجد ہے غالباً آپ نے بعد میں اس کی توسیع کی ہے"۔

مولانا شمسؓ صاحب نے بتایا کہ نہیں یہ اللہ تعالےٰ کے فضل سے ابتدا ہی سے بڑی بنائی گئی ہے دیگر نمائندگان اور مہمان بھی مسجد اور دارالتبلیغ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

اس موقعہ پر حضرت مولانا شمس صاحبؓ نے شاہ فیصل کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے مطلع کرتے ہوئے حضورؑ کی کتاب منن الرحمٰن اور التبلیغ اور بعض دیگر عربی کتب خوبصورت جلدوں میں بطور ہدیہ پیش کیں جو انہوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کیں اور فرمایا۔ بَارَکَ اللّٰہُ فِی مَسَاعِیْکُمْ۔

کانفرنس کے افتتاح کے موقع پر دو انگریز نومسلموں مسٹر بلال نٹل اور مسٹر عبدالرحمٰن ہارڈی نے تلاوت کی جس کے بعد حضرت مولانا صاحب نے عربی میں خیر مقدم ایڈریس پیش کیا۔ ایڈریس کی ابتداء میں سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا عرب مندوبین کے نام مندرجہ ذیل پیغام بھی پڑھ کر سنایا گیا:۔

"میری طرف سے ہز رائل ہائینس امیر فیصل اور فلسطین کانفرنس کے دیگر نمائندگان کو خوش آمدید کہیں اور یقین دلائیں کہ جماعت احمدیہ پوری طرح ان کے ساتھ ہے اور دعا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی عطا کرے اور تمام عرب ممالک کو کامیابی کی راہ پر چلائے اور ان کو عالمِ اسلامی کی لیڈرشپ عطا کرے وہ لیڈرشپ جو ان کو اسلام کی پہلی صدیوں میں حاصل تھی۔"

اس کے علاوہ حضرت مولانا شمس صاحب نے جماعت کی نمائندگی کرتے ہوئے برطانوی مدبرین کو کھلے الفاظ میں بتایا کہ عربوں کے مطالبات انصاف پر مبنی ہیں اس لئے امن اور حق و انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے مطالبات پورے کئے جائیں۔ نیز آپ نے عربوں کی کامیابی اور امتِ مسلمہ کی بہتری اور بہبودی کے لئے مزید دُعائیں کیں۔ اور عربوں کے لئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔

اس کے بعد سعودی عرب کے وزیر حافظ وہبہ نے شاہ فیصل کی طرف سے جوابی تقریر کی جس میں شکریہ کے علاوہ پورے عالمِ اسلامی کی یگانگت اور اتحاد پر زور دیا۔ رخصت ہونے سے پہلے شاہ فیصل اور دیگر عرب نمائندگان سے تمام انگریز نومسلمں کا تعارف کرایا گیا۔ اور ایک نومسلم مسٹر عبدالرحمٰن ہارڈی کی ساڑھے تین سالہ بچی نے انہیں کلمہ شریف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اپنے مخصوص اور معصومانہ لہجہ میں کئی بار سُنایا اور بعض مہمانوں سے انعام حاصل کیا۔ شاہ فیصل نے ذاتی

سے قبل احمدیہ دارالتبلیغ لندن کی وزیٹنگ بُک پر جو اَب تک لندن مشن میں موجود ہے اپنے قلم سے ذیل کے الفاظ لکھے:-

"لاثباتِ عندیّتی وشکری لِحضرۃ الامام واعجابی بذکائہ" (فیصل)

ہائی گیٹ لندن کے پادریوں کا بحث سے گریز

انگلستان میں قیام کے دَوران ۱۹۳۹ء میں مجھے لوکل زبان سیکھنے کے لئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ مَیں چند ماہ کے لئے مرکزی دارالتبلیغ سے دُور کسی انگریز فیملی میں اپنی رہائش کا انتظام کروں اور اپنی رہائش گاہ کے قریب ہی کسی سکول میں داخلہ لے لوں چنانچہ حضور کے ارشاد کے مطابق خاکسار نے لندن کے علاقہ ہائی گیٹ میں ایک کیتھولک فیملی میں اپنی رہائش کا انتظام کر کے قریب ہی مختلف زبانیں سکھانے والے ایک سکول میں چند ماہ کے لئے داخلہ لے لیا۔ وہاں انگریزی سیکھنے کے علاوہ خاکسار کا یہ بھی معمول تھا کہ عیسائی فرقوں کے مختلف چرچوں میں عبادت کا طریق اور مذہبی رسم ورواج معلوم کرنے کے لئے مَیں اتوار کے روز ضرور کسی نہ کسی گرجے میں چلا جاتا جہاں مجھے تبلیغ کا موقعہ بھی مل جاتا تھا۔

ایک مرتبہ خاکسار اپنی رہائش گاہ کے قریب ہی "چرچ آف انگلینڈ" فرقہ کے ایک قدیم گرجے میں چلا گیا۔ منتظمین نے سب سے پہلی لائن میں مجھے بٹھا دیا۔ میرا مشرقی لباس پگڑی اور طرّہ وغیرہ دیکھ کر شاید یہ سمجھا گیا کہ مَیں ہندوستان کی کوئی مالدار مذہبی شخصیت ہوں اور سچے مذہب کی تلاش میں سرگرداں ہوں چنانچہ پادری صاحب نے اس روز اپنے خطبہ اور تبلیغ کا مخاطب مجھے بنائے رکھا اور مجھے یُوں محسوس ہونے لگا کہ گویا وہ اپنے بعض جذباتی فقرات خاص طور پر مجھے ہی سُنا رہے ہیں تا کہ مَیں بھی کسی طرح وہاں کھڑا ہو کر یہ اعلان کر دوں کہ میں یسوع مسیح کو اپنا

نجات دہندہ تسلیم کرتا ہوں۔ چنانچہ مجھے متاثر کرنے کے لئے پادری صاحب بار بار بڑے محبت آمیز جذباتی جملے دُہراتے رہے اور ہر دو تین منٹ کے بعد میری طرف متوجّہ ہو جاتے۔ مگر جب دیکھا کہ مَیں ٹس سے مس نہیں ہوا تو انہوں نے اپنا خطبہ دعا پر ختم کر دیا۔

اپنی جملہ عبادات ختم کرنے کے بعد گرجے کے کارکن اور پادری صاحبان میرے گرد جمع ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ امید ہے کہ آپ کا شرح صدر ہو چکا ہوگا۔ آپ بپتسمہ لے کر یسوع مسیح کے ہو جائیں۔ کچھ دیر خموشی سے ان کی باتیں سننے کے بعد مَیں نے عرض کیا کہ مَیں بھی ایک آسمانی کتاب کو مانتا ہوں اور آپ بھی۔ جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ قرآنِ کریم کے مقابل پر آپ کی کتاب بائیبل زیادہ مکمل ہے اور قرآنِ کریم سے زیادہ اچھی تعلیم دیتی ہے۔ مَیں عیسائیوں میں کس طرح شامل ہو سکتا ہوں؟ کہنے لگے بائیبل یقیناً قرآن سے بہتر اور افضل ہے کیونکہ یہ خدا کا کلام ہے۔ مَیں نے کہا۔ یہی بات قرآن کے حق میں مسلمان بھی کہتے ہیں۔ فیصلہ کیسے ہو؟ کہ کون سچّا ہے۔ کیا آپ میں سے کسی نے قرآن پڑھا ہے؟ سب کہنے لگے نہیں ہم نے نہیں پڑھا۔ مَیں نے کہا جب آپ نے قرآن پڑھا ہی نہیں تو پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ بائیبل قرآن سے افضل ہے۔ ایک بوڑھا انگریز عبادت کے بعد ابھی تک میرے قریب ہی بیٹھا تھا۔ وہ ان پادریوں سے کہنے لگا۔ بات تو اس کی سچّی ہے قرآن پڑھے بغیر تو یہ موازنہ درست نہیں ہو سکتا۔

پھر مَیں نے عرض کیا مَیں آپ کو اپنی کتابیں دیتا ہوں۔ آپ پہلے انہیں دیکھیں پڑھیں اور غور کریں اور اگر آپ خرید سکتے ہوں تو قرآن کریم بھی مہیّا کر دوں گا۔ پہلے آپ اسے باقاعدہ پڑھ کر حقیقت معلوم کریں۔ اور پھر مجھے تبلیغ کریں۔ اگر میرے مذہب کے مقابل آپ کا مذہب بہتر ہُوا تو مَیں اسے قبول کر لوں گا۔ اس پر مَیں نے اپنے دو کتابچے "A call to All The Nations of The Globe" اور "Jesus has come" اور چند اور پمفلٹ انہیں پڑھنے کے لئے پیش کیے۔ اور انہوں نے ایک پاکٹ سائز نئی بائیبل مجھے دے کر کہا۔ کہ آپ اسے پڑھیں۔ مَیں نے عرض کیا۔ مَیں اسے کئی بار پڑھ چکا ہوں بلکہ بعض حصّے

اس کے زبانی بھی سُنا سکتا ہوں کہنے لگے آپ نے پہلی مرتبہ ہمارا خطبہ سُنا ہے اب آپ کے دل میں خاص روشنی آگئی ہوگی اس روشنی سے مدد لے کر اسے غور اور انصاف سے پڑھیں آپ کے لئے پھر عیسائی ہونے کے بغیر کوئی چارہ نہ رہے گا۔

مسیحؑ صرف بنی اسرائیل کیلئے آئے تھے

چنانچہ خاکسار نے وہ بائیبل ان سے بشکریہ وصول کر لی اور اگلے اتوار کو آنے کا وعدہ کر کے ان سے رخصت ہو گیا اس کے بعد مَیں نے پندرہ بیس جگہ اس بائیبل میں نشان کر لئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یسوع مسیح کا پیغام عالمگیر نہیں بلکہ صرف بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ اور غیر قوموں کے لئے اسے قبول کرنا ضروری نہیں ہے چنانچہ اگلے اتوار کے روز ان کی چرچ سروس کے بعد خاکسار نے وہ تمام حوالے پادری صاحب اور ان کے حواریوں کے سامنے پڑھ دیئے جو ثابت کرتے ہیں کہ یسوع مسیح صرف یہودیوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے۔ پادری صاحب ان کا انکار تو کر نہیں سکتے تھے۔ کہنے لگے۔ یسوع مسیح نے یہ بھی فرمایا ہے:۔

"مَیں اس دنیا کا نور ہوں"۔ (یوحنا باب ۸۔ آیت ۱۲)

اور یہ ایک ہی فقرہ ان سب حوالوں کو منسوخ کر دیتا ہے۔ مَیں نے عرض کیا اس سے منسوخی ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ تناقض اور اختلاف ثابت ہوتا ہے کیونکہ مسیح نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ مَیں اپنی پہلی تعلیم منسوخ کرتا ہوں وہ اب قابلِ عمل نہیں ہے نیز آپ نے یہ بھی ثابت نہیں کیا کہ مسیح کا یہ قول میرے پیش کردہ حوالوں سے بعد کا ہے۔ اور مسیحؑ نے حواریوں کو بھی تو کہا تھا کہ "تم دنیا کے نور ہو (متی ۵/۱۴) گویا آپ کے استدلال کے مطابق حواری مسیحؑ کی طرح ہی دنیا کے نجات دہندہ ہیں۔ پس مسیح کی کوئی خصوصیت نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ آپ کے پیش کردہ فقرہ کے ساتھ ہی مسیح نے یہ بھی فرمایا ہے۔"جب تک میں دنیا میں ہوں"۔ (یوحنا باب ۹ آیت ۵) جسے آپ نے پڑھنا مناسب نہیں سمجھا۔ پس چونکہ وہ اب اس دنیا میں نہیں اس لئے وہ دنیا کے لوگوں کے لئے نور اور ہادی بھی نہیں ہو سکتے۔ گویا اب نہ آپ ان سے نور و ہدایت حاصل کر سکتے ہیں اور نہ مَیں۔

گفتگو کرنے سے گریز

اس کے بعد کفارہ اور مسیح کی صلیبی موت پر اُن سے

طویل بحث ہوئی جس کے دوران انہیں معلوم ہو گیا کہ مَیں بھی ایک مبلّغِ اسلام ہوں اور بائیبل پر مجھے پورا عبور ہے جبکہ وہ قرآن کریم کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ چنانچہ انہوں نے یہ معذرت کرتے ہوئے بحث بند کر دی کہ ہم آپ کے مذہب اسلام اور قرآن کریم کے متعلق کچھ نہیں جانتے اس لئے فی الحال بحث نہیں کر سکتے۔

ان کی پیش کردہ خوبصورت بائیبل اب بھی میرے پاس ہے جو عیسائی پادریوں سے بحث مباحثہ میں گزشتہ تیس چالیس سال سے مجھے کام دے رہی ہے۔

کرنل مانٹیگو ولیم ڈگلس پیلاطوس ثانی سے ایک ملاقات

۳۰ر جولائی ۱۹۳۹ء کو انگلستان میں جماعت احمدیہ کا یوم تبلیغ تھا۔ اسی مناسبت سے حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس رضی اللہ عنہ امام مسجد فضل لندن نے دیگر تبلیغی پروگراموں کے علاوہ مسجد میں ایک تبلیغی جلسہ کا بھی انتظام کیا۔ جس کی صدارت کے لئے جناب کرنل مانٹیگو ولیم ڈگلس پیلاطوس ثانی سے درخواست کی گئی جو انہوں نے بخوشی قبول فرمالی۔ جلسہ کا انتظام احاطہ مسجد کے باغ میں کیا گیا تھا۔ جس کے بعد چائے وغیرہ سے حاضرین کی تواضع کرنے کا پروگرام تھا۔

پروگرام کے مطابق کرنل ڈگلس جلسہ سے کوئی ایک گھنٹہ پہلے ہی تشریف لے آئے حضرت مولانا شمس رضؓ صاحب اور خاکسار نے گیٹ پر ان کا خیر مقدم کیا اور مشن ہاؤس میں بٹھایا۔ کچھ دیر کے بعد حضرت مولانا صاحب خاکسار اور مکرم مسٹر بلال نٹل مرحوم اور مکرم جناب شیخ احمد اللہ صاحب مرحومؒ کو کرنل صاحب کے ساتھ بیٹھنے کا ارشاد فرما کر خود جلسہ کے دیگر انتظامات کے لئے وہاں سے تشریف لے گئے اور ہم تینوں اور بعض دیگر مہمان کرنل صاحب موصوف سے مصروف گفتگو رہے۔

اس دوران خاکسار نے کرنل ڈگلس صاحب سے عرض کیا کہ یہ تو آپ پر واضح ہو گا کہ احمدیت کی تاریخ میں آپ کو ایک اہم مقام حاصل ہے اور ہر احمدی آپ کو بڑی

قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کے ساتھ احمدیوں کے لگاؤ اور دلچسپی سے آپ کیا تاثر لیتے ہیں۔ اور کیا ان کی اس دلچسپی اور آپ سے اُنس کے اسباب سے آپ پوری طرح آشنا ہیں۔

عادل اور حقیقت شناس جج

جواب میں کرنل ڈگلس صاحب نے فرمایا کہ میرے لئے یہ باعثِ مسرت ہے کہ احمدیت سے وابستہ بعض تاریخی حقائق کی وجہ سے جن کا میرے ساتھ تعلق ہے احمدی میرے لئے اپنے دلوں میں عزت و احترام کے جذبات رکھتے ہیں۔ اور مجھے وہ ایسا انصاف پسند اور حقیقت شناس جج سمجھتے ہیں جس کی عدالت میں جماعت کے بانی (علیہ السلام) کے خلاف ایک جعلی مقدمہ دائر ہوا مگر صریح جھوٹا ہونے کی وجہ سے خارج کر دیا گیا میں احمدیوں کے نیک جذبات اور حسنِ سلوک کی قدر کرتا ہوں۔ میرے نزدیک (حضرت) مرزا غلام احمد (علیہ السّلام) ایک نیک فطرت اور راستباز انسان تھے گو میں عیسائی ہونے کی وجہ سے اُن کے دعویٰ مسیحیت کو تسلیم کرنا ضروری نہیں سمجھتا تاہم میرے نزدیک وہ ایک ایسے باعمل اور با اخلاق مسلمان تھے جن کی نیکی اور اخلاق سے انسان متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

اس کے بعد برٹش احمدی نومسلم مسٹر بلال نٹل مرحوم نے کرنل صاحب موصوف سے پوچھا کہ مذہبی لحاظ سے حضرت مرزا غلام احمد علیہ السّلام کی شخصیت کے متعلق آپ کا کیا تأثر ہے اور اُن میں کونسی خاص بات دیکھکر آپ نے محسوس کیا تھا کہ آپ کی عدالت میں ان کے خلاف دائر کئے گئے مقدمہ میں وہ بے قصور اور معصوم ہیں۔

مجرموں کے چہرے ایسے نہیں ہوتے

اس کے جواب میں کرنل ڈگلس صاحب نے ہمیں تفصیل سے بتایا۔ کہ جب مرزا صاحبؑ کے خلاف ڈاکٹر مارٹن کلارک کا دائر کردہ مقدمہ میرے پاس آیا۔ تو عدالت میں مرزا صاحب کے چہرے کو دیکھتے ہی میرے دل نے کہا کہ یہ شخص تو کوئی شریف انسان معلوم ہوتا ہے یہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ کسی کو قتل کرنے کرانے والے مجرموں کے چہرے ایسے نہیں ہوا کرتے۔ چنانچہ اس تأثر کی بناء پر میں نے

اس مقدمہ کی ذرا گہری تحقیق کرنا شروع کر دی جس کے دوران مجھے ظنّ غالب ہونے لگا کہ یہ مقدمہ جھوٹا ہے۔ چنانچہ بعد کی تحقیق سے میرا یہ خیال سو فی صدی درست نکلا اور پھر واقعاتی طور پر یہ حقیقت کھُل کر سامنے آجانے پر مَیں نے مرزا صاحب کو بَری قرار دے دیا بلکہ انہیں اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو ڈاکٹر مارٹن کلارک کے خلاف مقدمہ دائر کر سکتے مگر مرزا صاحبؑ نے پسند نہ کیا۔"

"اس وقت مجھے یہ خیال بھی نہیں تھا کہ مرزا صاحب بعد میں ایک عظیم مذہبی شخصیت کے طور پر اُبھریں گے۔ اور دنیا میں اتنی شہرت حاصل کر جائیں گے۔ بلکہ اس وقت مَیں انہیں قادیان کا ایک رئیس اور ایک چھوٹے سے ہندوستانی مذہبی فرقہ کا سربراہ خیال کرتا تھا۔"

ذہنی یادداشت سے تصویر بنائی

اس کے بعد کرنل صاحب نے فرمایا:۔
"ڈاکٹر مارٹن کلارک کی شکل تو اب میرے ذہن سے اُتر چکی ہے۔ لیکن مرزا صاحب کی شکل اب تک اچھی طرح یاد ہے۔ جو تقریباً ایسی ہی تھی جیسی کہ ان کی یہ تصویر ہمارے سامنے آویزاں ہے (اس وقت لندن مشن کے ڈرائنگ روم میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی ایک تصویر موجود تھی) عرصہ ہوا۔ مَیں نے ایک مرتبہ محض اپنی یادداشت سے کام لیکر پنسل سے مرزا صاحبؑ کی تصویر کھینچی تھی۔ بعد میں جب مَیں نے ان کی اصل تصویر دیکھی تو مَیں نے اپنے ذہن والی پنسل کی بنائی ہوئی تصویر کو بالکل ان کی اصل تصویر کے مطابق پایا تھا۔"

پھر کہنے لگے:۔

"مسیح موعود تو مَیں مرزا صاحبؑ کو نہیں مانتا۔ لیکن ان کے نیک فطرت اور راستباز انسان ہونے کا جو تأثر میں نے اس وقت لیا تھا وہ اب بھی میرے دل پر نقش ہے۔ اور جیسا کہ آپ سمجھتے ہیں ہو سکتا ہے ان کی اچھائی اور مذہبی مقام کی وجہ سے خدا نے مجھ سے اس مقدمہ کا منصفانہ فیصلہ کرایا ہو۔ اس بارے میں مَیں یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا۔"

ڈاکٹر مارٹن کلارک کے متعلق سوال

اس کے بعد خاکسار نے کرنل صاحب موصوف سے پوچھا کہ

"ڈاکٹر مارٹن کلارک آپ کی انگریز قوم کے ایک معزز شخص اور پادری تھے۔ حضرت مرزا صاحبؑ پر ان کے دائر کردہ مقدمہ کے جعلی اور صریح طور پر جھوٹا ثابت ہو جانے کے بعد ان کے متعلق آپ کا کیا تأثر تھا۔ کیونکہ وہ اپنے اس بُرے کردار کی وجہ سے اپنا وہ اعلیٰ معیار اور نمونہ قائم رکھنے سے قاصر رہے۔ جو حضرت مسیح ناصریؑ کے ایک سچے اور مذہبی رہنما کے لئے ضروری ہے"۔

جواباً انہوں نے فرمایا کہ

"یہ درست ہے کہ اس مقدمہ کی وجہ سے ڈاکٹر مارٹن کلارک کی مذہبی شخصیت پر ایک بدنما دھبہ لگ گیا۔ لیکن اس وقت گورنمنٹ آف انڈیا کا ایک نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اس طرف توجہ کرنا میری ذمہ داری میں داخل نہیں تھا۔ اور نہ میرے پاس اتنا وقت تھا البتہ مقدمہ کے فیصلہ میں اس ناجائز اور ناروا حرکت کا تفصیلی ذکر کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ میرا اس سے کوئی سروکار نہیں تھا"۔

دونوں پیلاطوسوں میں مشابہتیں

اس کے بعد برادرم مسٹر بلال نٹل مرحوم نے پھر سوال کیا کہ ہم احمدی چونکہ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کو وہ مسیح موعود مانتے ہیں جس کے وجود اور ظہور سے حضرت مسیح ناصریؑ کی آمد ثانی کی پیشگوئی پوری ہوئی ہے۔ اس لئے اس مقدمہ کی وجہ سے آپ ہمارے نزدیک پیلاطوس ثانی ہیں۔ کیونکہ جس طرح حضرت مسیح ناصریؑ کے خلاف رومن پیلاطوس اوّل کی عدالت میں ایک صریح جھوٹا مقدمہ دائر کیا گیا تھا اور پیلاطوس نے انہیں بے قصور پایا تھا۔ اسی طرح آپ نے بھی حضرت مرزا صاحبؑ کو قطعی طور پر بے قصور پا کر بَری قرار دے دیا۔ البتہ پہلے پیلاطوس میں اتنی جرأت اور منصفانہ قابلیت نہ تھی کہ وہ مسیح ناصریؑ کو سزا سے بچا لیتا۔ مگر آپ نے انصاف کو قائم رکھتے ہوئے حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کو مکمل طور پر بَری قرار دے کر اپنی عدالت سے باعزت رخصت کیا۔ نیز جس طرح

پیلا طوس اوّل فلسطین میں رومن گورنمنٹ کا نمائندہ تھا اسی طرح آپ بھی ہندوستان کے ایک ضلع میں برٹش گورنمنٹ کے نمائندہ تھے اور جس طرح مسیح ناصریؑ کو پکڑوانے کے لئے یہودیوں نے ایک شخص یہودا اسکریوطی جو حضرت مسیح کا مرید تھا کو مالی طمع دے کر آمادہ کیا تھا۔ اسی طرح اس مقدمہ میں بھی ڈاکٹر مارٹن کلارک اور اس کے ساتھیوں نے عبدالحمید نامی ایک نوجوان کو حضرت مرزا صاحب علیہ السّلام کا ایک مرید ظاہر کر کے اور اسے مالی طمع وغیرہ دے کر اس کی جھوٹی گواہی سے حضور علیہ السلام کو پکڑوانے کا منصوبہ بنایا۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟"

اس پر کرنل ڈگلس صاحب نے کسی حد تک ٹالتے ہوئے جواب دیا۔ کہ یہ باتیں اسی شخص کے لئے دلچسپ اور قابلِ اعتناء ہو سکتی ہیں جو مرزا صاحبؑ کو مسیح ناصری کا مثیل اور قائم مقام مانتا ہو۔ البتہ جو مماثلتیں آپ نے مجھ میں اور رومن پیلا طوس میں بیان کی ہیں وہ واقعی حیران کن اور بڑی غور طلب ہیں۔ اور آپ کے عقیدہ سے مطابقت رکھتی ہیں۔

یوم التبلیغ کے جلسہ کی صدارت

اس کے بعد کرنل صاحب موصوف نے ہمارے یوم تبلیغ کے جلسہ کی صدارت فرمائی۔ جس میں جماعت احمدیہ کے افراد کے علاوہ لندن کے بعض انگریز معززین اور سکھ ہندو اور مسلمان بھائی بھی مدعو تھے۔ جلسہ میں حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس مرحوم رضی اللہ عنہ امام مسجد لندن نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے اس عظیم نشان یعنی مقدمہ مارٹن کلارک کے متعلق ایک نہایت مدلل اور پُر از معلومات تقریر فرمائی۔ جس میں اس سلسلہ میں وحی الٰہی اور حضور علیہ السّلام کی اپنی تشریحات اور تاریخی شواہد بیان کرنے کے علاوہ کئی تاریخی اور واقعاتی مماثلتیں بیان کر کے ثابت کیا کہ مسیح ناصریؑ اور مسیح محمدیؑ پر دائر کردہ دونوں مقدمے حیرت انگیز طور پر باہم مشابہ ہیں اور پیلا طوس ثانی یعنی کرنل ڈگلس پیلا طوس اوّل سے زیادہ انصاف پسند اور زیادہ زیرک جری اور عادل ہیں حضرت مولاناؓ کی یہ تقریر غالباً ریویو آف ریلیجنز اردو میں شائع ہوئی تھی۔

کرنل صاحب کی صدارتی تقریر

آخر میں صاحبِ صدر کرنل ڈگلس نے

اپنی یادداشت سے کام لے کر خود بھی بڑے سلیس انداز میں ڈاکٹر مارٹن کلارک والے اس مقدمہ کی تفصیل بیان فرمائی اور بوڑھے ہونے کے باوجود آپ نے ۱۸۹۷ء میں پیش آنے والے واقعات وحالات من وعن صحیح طور پر نہایت سادگی سے حاضرین کو بتاتے ہوئے فرمایا کہ

"وہ نظارہ اب بھی کبھی کبھی میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے جبکہ مرزا صاحبؑ میری عدالت میں پیش ہوئے اور پہلی پیشی میں ہی میں نے انہیں دیکھکر بھانپ لیا کہ یہ شخص جھوٹ نہیں بول سکتا۔"

احمدیّت کا مقصد کیا ہے؟

اپنے آخری صدارتی ریمارکس میں آپ نے فرمایا۔ "مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ آپکے نزدیک احمدیت کا مقصد کیا ہے۔ اس کا صحیح اور تفصیلی جواب دینا تو آپ لوگوں کا کام ہے تاہم میں اپنی دانست کے مطابق ہمیشہ یہی جواب دیا کرتا ہوں۔ کہ احمدیت کا مقصد اسلام کو موجودہ زمانہ کی زندگی کے مطابق پیش کرنا اور مسلمانوں میں روحانیت کی رُوح پھونکنا ہے۔ میں نے جب ۱۸۹۷ء میں بانیٔ جماعت احمدیہ کے خلاف مقدمہ کی سماعت کی تھی تو اس وقت جماعت کی تعداد چند سو سے زیادہ نہ تھی (ان کے نزدیک) لیکن آج دس لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ پچاس سال کے عرصہ میں یہ نہایت شاندار کامیابی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ موجودہ نسل کے نوجوان اس کی طرف زیادہ توجّہ دیں گے اور آئندہ پچاس سال کے عرصہ میں جماعت کی تعداد بہت بڑھ جائے گی۔"

(ریویو آف ریلیجنز اردو ستمبر ۱۹۳۹ء)

اپنی قوم کی عظیم شخصیّت

انگریز قوم کی یہ عظیم شخصیّت یعنی کرنل مانٹیگو ولیم ڈگلس پیلا طوس ثانی بقضائے الٰہی ۲۵ر جنوری ۱۹۵۷ء کو انگلستان میں انتقال کر گئے تھے۔ گو اب وہ ہمیشہ کے لئے اس دنیا کو خیرباد کہہ چکے ہیں تاہم ان کا یہ بے لوث کارنامہ اور مثالی انصاف دنیا میں تاقیامت ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا اور ان کی یاد دلوں میں تازہ رہے گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی رُوح پر رحم کرے اور اپنے مامور اور اسلام کے بطلِ جلیل سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صدقے ان سے عفو و درگزر سے کام لے کر ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین ۞

انگریز نومسلم مسٹر بلال نٹل مرحوم کا ذکرِ خیر

لندن میں ہمارے ایک نومسلم انگریز احمدی بھائی مسٹر بلال نٹل مرحوم ہُوا کرتے تھے جو حضرت مولانا فرزند علی خانصاحب کے ذریعہ مسلمان ہوئے تھے۔ جب میں بطور مبلغ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۰ء تک لندن مشن میں متعین تھا تو مسٹر بلال نٹل مرحوم مسجد میں اکثر آجایا کرتے اور ان کے اخلاص اور سادگی اور جذبۂ اخوت سے مَیں بہت متاثر تھا۔ ایک دفعہ ان کے کسی ضمن میں یہ لکھنے پر کہ لندن احمدیہ مشن میں صرف انڈین ماحول رہتا ہے۔ اور مبلغین باہم پنجابی میں ہی گفتگو کرتے ہیں۔ سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے خاکسار کو چند ماہ کے لئے لندن سے باہر ایک خالص انگریز فیملی میں بھجوا دیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مَیں عرب ممالک سے انگلینڈ تبدیل ہو کر آیا تھا اور انگریزی زبان سے تقریبًا نابلد تھا۔ اور حضورؓ کا منشاء تھا کہ خاکسار جلد سے جلد انگریزی زبان میں کام کرنے کے قابل ہو جائے

چنانچہ خاکسار حضور کے حکم کے تحت ایک انگریز فیملی میں جا ٹھہرا اور وہاں سے قریب ہی ایک انگریزی سکول میں داخلہ لے لیا۔ لیکن تین ماہ بعد جب جنگ چھڑ گئی تو مجھے فورًا وہاں سے واپس دارالتبلیغ آنا پڑا۔ یہاں پر برادرم مسٹر نٹل مرحوم انگلش زبان کے سلسلہ میں میری مدد کرتے رہے اور انہیں کی تجویز سے خاکسار نے انگریزی میں تقریر اور بحث مباحثہ کی مشق کے لئے ہفتہ میں ۲ دو تین مرتبہ ہائیڈ پارک لندن میں عام سٹیج لگا کر تقریر کا سلسلہ شروع کر دیا جس کے لئے کرسی میز وغیرہ کا انتظام مکرم میر عبدالسلام مرحوم آف سیالکوٹ کیا کرتے تھے کیونکہ ان کی رہائش ہائیڈ پارک کے بالکل قریب تھی۔ اس پروگرام میں برادرم

مسٹر نٹل مرحوم بھی مجھ سے پورا تعاون کرتے رہے۔ اکثر میرے ساتھ ہائیڈ پارک تبلیغ کے لئے جاتے اور اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ اور صداقتِ اسلام کے دلائل سامعین کے سامنے بڑے مؤثر رنگ میں پیش کرتے اس تقریر اور سوال و جواب کا سلسلہ اکثر آدھی رات تک جاری رہتا اور وہ اس تبلیغی جہاد میں حصہ لیکر بہت خوشی محسوس کرتے۔

حفاظتِ مرکز کیلئے پیشکش

برادرم نٹل مرحوم کے جماعت اور مبلّغین سلسلہ سے ہمدردی کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوجانے کے بعد وہ اکثر مسجد فضل لندن میں فون کرکے احبابِ جماعت کی خیریت معلوم کیا کرتے۔ اس وقت حالات کی مجبوری کی وجہ سے لندن مشن میں کوئی باورچی۔ باغبان یا خادم نہیں تھا اور نہ ہی مالی لحاظ سے اس کی گنجائش تھی۔ بلکہ ان ہنگامی حالات میں ایسا آدمی ملنا بھی دشوار تھا۔ اس لئے زائرین کی مہمان نوازی اور گھریلو اور باغ وغیرہ کا کام مبلّغین کو خود کرنا پڑتا تھا۔ البتہ جب جنگ اتنی شدید نہ تھی تو عام صفائی اور باغ کا کام وقارِ عمل کے ذریعہ جماعت کے احباب بھی کرجاتے تھے۔ چونکہ اس وقت برطانیہ اور خصوصًا لندن شہر جنگ کی لپیٹ میں ہونے کی وجہ سے ہر لمحہ خطرات سے دوچار تھا اور اکثر احباب جماعت بھی جنگی کاموں یا اپنی حفاظت کے لئے لندن سے باہر جاچکے تھے اس لئے محترم بلال نٹل صاحب لندن مشن میں اس طرح ہمارے اکیلے رہنے پر کچھ مطمئن نہیں تھے۔ اگرچہ ہم بفضلِ خدا بالکل مطمئن تھے۔ چنانچہ جنگ کے کسی قدر شدّت اختیار کرجانے پر انہوں نے ہمارے بارے میں ایک روز بڑے فکر کا اظہار کرتے ہوئے فون پر حضرت مولانا شمسؔ صاحبؓ کو یہ تجویز پیش کی۔ کہ ان ہنگامی حالات میں تا اختتامِ جنگ وہ انہیں بطور ایک مددگار بھائی کے مشن میں آکر رہنے کی اجازت دیں۔ وہ محض لِلّٰہ جماعت اور مبلّغین کی ہر خدمت بجالائیں گے۔

حضرت مولانا شمس صاحبؓ نے اس کا مجھ سے ذکر کیا اور اس وقت کی جماعت کے سرکردہ ممبر محترم میر عبدالسلام صاحب مرحوم آف سیالکوٹ اور مکرم بابو عبدالعزیز دین

صاحب سے بھی مشورہ کر کے دوسرے روز نٹل صاحب کو جواب دیا کہ ہم ان کی خدمات اس شرط پر قبول کریں گے کہ وہ مشن کی طرف سے (خواہ تبرک کے طور پر ہی سہی) کچھ نہ کچھ رقم ضرور قبول کریں۔ مکرم نٹل صاحب نے پہلے تو اس سے انکار کیا۔ بلکہ شکوہ کیا کہ مجھے ثواب سے کیوں محروم کیا جا رہا ہے۔ میرے لئے میری پنشن ہی کافی ہے مجھے کسی مالی مدد کی ضرورت نہیں۔ مگر بعد میں حضرت مولانا صاحبؓ کے سمجھانے اور اصرار کرنے پر وہ اس شرط پر مشن میں رہنے کے لئے رضامند ہو گئے اور لندن آکر ہمارے ساتھ رہنے لگے۔ گو ان کی عیسائی بہن جنگ کے خطرات کے پیش نظر اُن کے لندن آکر رہنے پر رضامند نہ تھیں۔

ایک سبق آموز واقعہ

اس دَوران مجھے مکرم بلال نٹل صاحب کے ساتھ ایک نہ بھولنے والا واقعہ پیش آیا۔ جو ان کی صاف دلی اور مبلّغین سلسلہ سے ان کے تعلّقِ اُخوّت اور دلی لگاؤ کو ظاہر کرتا ہے۔ خاکسار کی عمر اس وقت ۲۲-۲۳ سال تھی۔ مگر مسٹر بلال نٹل مرحوم عمر میں مجھ سے ۲۰ سال بلکہ اس سے بھی بڑے تھے۔ اور جسمانی لحاظ سے خوب مضبوط و توانا اور جفاکش انسان تھے۔ چونکہ لندن شہر میں میرے ساتھ ایک دو مرتبہ نسلی امتیاز کے لحاظ سے بعض انگریزوں کی طرف سے متعصّبانہ سلوک ہو چکا تھا اس لئے میری طبیعت میں نہ چاہتے ہوئے بھی بعض دفعہ ان کے خلاف ایک قسم کا جذبہ اُبھر آتا تھا۔ چنانچہ ایک روز خاکسار اور مسٹر نٹل مرحوم مسجد فضل اور احمدیہ دارالتبلیغ کے درمیانی راستہ سے برف کی جمی ہوئی تہیں اُکھاڑ اُکھاڑ کر صفائی کر رہے تھے وہ دن شدید سردی اور برفباری کے تھے۔ اور اس دن نہایت سرد اور تیز ہوا چل رہی تھی۔ میرے ہاتھ شدید سردی کی وجہ سے سُن ہو رہے تھے اور بیلچہ پکڑنا بھی مشکل تھا۔ اس وجہ سے مَیں اس روز زیادہ کام نہ کر سکا۔ مگر بلال نٹل مرحوم تمام راستہ بآسانی صاف کر کے ازراہِ مذاق مجھے کہنے لگے "جب تک ہندوستانی جفاکش اور مشقّت کے عادی نہ ہوں گے اور سردی گرمی سے گھبرانا نہ چھوڑیں گے۔ ہندوستان آزاد نہیں ہوگا۔"

اِس پر ایک لمبی بحث چل پڑی۔ جس کے دَوران ایک مرحلے پر یونہی جذبات

کی رَو میں خاکسار کے مُنہ سے برٹش رائل فیملی کے متعلق ایک نامناسب فقرہ نکل گیا اس پر باوجود بے تکلفی اور اچھے مذاقانہ مُوڈ اور برادرانہ ماحول کے مسٹر نٹل یکدم خاموش ہو گئے اور شام تک خاموش ہی رہے۔ بعد نماز مغرب حضرت مولانا شمس صاحبؓ کے پاس شکوہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا "ہم لوگ رائل فیملی کے سوا ہر بڑی سے بڑی شخصیت کے خلاف سخت سے سخت بات بھی سُن سکتے ہیں" مَیں نے اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے گفتگو کا ماحول اور تفصیل بتائی اور عرض کیا کہ مجھے احساس ہے کہ اس فقرے سے ان کے قومی احساسات مجروح ہوئے ہیں۔ وہ جس طرح چاہیں مَیں اس کی تلافی کرنے کو تیار ہوں۔ وہ زمانہ بھی اَور تھا آجکل تو خود انگریز اور ان کا پریس رائل فیملی پر بُری طرح تنقید کرتا رہتا ہے۔ مولانا شمس صاحبؓ نے فرمایا کہ مَیں انہیں ہر قیمت پر راضی کروں اور ان سے معذرت کروں۔ چنانچہ مَیں نے اسی وقت مسٹر نٹل مرحوم کے نام رقعہ لکھا کہ "یہ محض ایک slip of the tongue تھی جس کا مجھے بہت افسوس ہے۔ مَیں نے آپ کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے اور مَیں اس کے لئے تہِ دل سے معذرت کرتا ہوں۔" مَیں یہ رُقعہ ان کے کمرے میں پہنچا کر سردی کی وجہ سے پاس ہی سنٹرل ہیٹر کے قریب کھڑا تھا کہ اچانک وہ روتے ہوئے کمرے سے نمودار ہوئے اور ایک چیخ مار کر بڑے پیار سے مجھ سے بغلگیر ہو گئے اور دیر تک مجھ سے جدا نہ ہوئے۔ پھر اپنی طرف سے معذرت کر کے کہنے لگے۔ "مسٹر صدیق! مجھے عمر بھر کسی کی محبت نہیں ملی نہ کسی نے مجھے چاہا۔ اس لئے میں بڑا جذباتی سا ہو گیا ہوں۔ مگر جو بھی کوئی تھوڑا سا میری طرف جھکے۔ اور اُنس کا اظہار کرے تو میرا دل چاہتا ہے کہ مَیں اس پر جان دیدوں۔ مَیں نے آپ کی بات کچھ زیادہ ہی محسوس کر لی۔ اور آپ کو پریشان کیا۔ ورنہ مجھے یقین ہے، کہ آپ کی نیّت مجھے تکلیف پہنچانا نہیں تھی!!"

اس طرح برادرم نٹل مرحوم نے بڑی حکمت سے معاملہ ختم کر دیا۔ اور میری عزّت بھی رکھ لی اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ اس طرح یہ شکر رنجی ختم ہو گئی۔ اور ہم پھر باہم جذبۂ اخوت میں ایک دوسرے سے شیر و شکر ہو کر تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى پر عمل کرنے لگے۔ کسی نے کہا ہے کہ

"پرندے اپنے پنجوں کے ذریعہ پکڑے جاتے ہیں یعنی جال میں پھنستے ہیں اور انسان اپنی زبان کے ذریعہ پکڑے جاتے ہیں۔"

ہزاروں ہزار درود و سلام ہوں اس سیّدِ وُلدِ آدم سیدالابرار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے فرمایا کہ "جو شخص اپنی زبان اور دونوں ٹانگوں کے درمیانی حصّے کی مجھے ضمانت دے گا۔ مَیں اُس کو جنّت دلانے کا ذمہ لیتا ہوں۔"

مَیں نے اس وقت بھی سربسجود ہو کر بہت استغفار کیا تھا اور اب بھی جب یہ واقعہ یاد آتا ہے تو جوانی کی اس حماقت پر نادم ہوتا اور استغفار کرتا ہوں۔

سیرالیون احمدیہ مشن کب اور کیسے قائم ہُوا

مولانا نذیر احمد صاحب مبشر کا ایک خواب

سیرالیون (مغربی افریقہ) میں ہمارے تبلیغی مشن اور جماعتی مرکز کا قیام کیسے عمل میں آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۳۷ء کے شروع میں مکرم مولانا نذیر احمد صاحب مُبشّر سابق امیر جماعتہائے احمدیہ غانا نے رؤیا دیکھا کہ غانا جماعت کے مرکز سالٹ پانڈ کی مشن لائبریری کی کتب سے ایک سانپ نکل کر احمدیہ سکول سالٹ پانڈ کی لائبریری کی کتب میں جا گھسا ہے۔ مولانا مبشر صاحب کا بیان ہے کہ یہ خواب دیکھتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ یہ انذاری خواب ہے۔ چنانچہ اس کے بعد مَیں جماعتی معاملات میں چوکس ہو گیا اور ہر قسم کے حالات کا بغور جائزہ لینا شروع کر دیا۔

لاہور سے شمس الدین صاحب کی آمد

مولانا مبشر صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے پتہ چلا کہ ہمارے سکول کے ایک احمدی استاد کی لاہوری جماعت سے کچھ سازباز ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد لاہوری جماعت کے ایک سرکردہ کارکن شمس الدین صاحب مغربی افریقہ میں ہمارے خلاف اپنی جماعت کا انگریزی لٹریچر پھیلاتے ہوئے چند دنوں کے لئے سالٹ پانڈ میں

ہمارے پاس آکر ٹھہرے ہم نے اسلام کی روایتی مہمان نوازی کے مطابق انہیں اپنے ہاں ٹھہرا لیا اور ہر طرح مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ تاہم مجھے اپنے مذکورہ بالا خواب کی بناء پر شک تھا کہ شمس الدین صاحب کی سالٹ پانڈ آمد میں ضرور کوئی مخفی منصوبہ مضمر ہے۔

چنانچہ اس دَوران ہمیں شمس الدین صاحب سے ہی کسی نہ کسی طرح معلوم ہو گیا کہ سیرالیون میں پیغامی مشن کے اجراء کے لئے عنقریب لاہور سے مولوی غلام نبی صاحب مسلم بی۔اے فری ٹاؤن (سیرالیون) پہنچ رہے ہیں۔ یاد رہے کہ اس سے قبل یہ معلوم کرنے پر کہ سیرالیون کے مسلم باشندے جماعت مبایعین کی طرف مائل ہیں اور بعض نے بیعت خلافت بھی کر لی ہے۔ لاہوری جماعت کی طرف سے مولوی محمد علی صاحب مرحوم کی تصنیف "اختلافات کی حقیقت" کا انگریزی ترجمہ THE SPLIT ہزاروں کی تعداد میں وہاں مفت تقسیم کروایا گیا تھا۔ نیز فری ٹاؤن کے انگریزی اخبارات میں لاہوری جماعت کی طرف سے جماعت مبایعین کے خلاف مضامین بھی لاہور سے بھجوا کر شائع کرائے جاتے تھے۔

بازار کی بجائے سکول

ایک روز شمس الدین صاحب مذکور مجھے کہنے لگے میں آپ کا یہاں کا مرکزی سکول دیکھنا چاہتا ہوں چنانچہ مَیں نے انہیں اپنے ساتھ لے جا کر اپنا سکول دکھایا۔ وہاں سے واپس آنے کے چند منٹ بعد شمس الدین صاحب مجھے کہنے لگے۔ میں ذرا بازار جا رہا ہوں لیکن مجھے شبہ ہُوا کہ وہ بازار کی جانب نہیں بلکہ دوبارہ سکول کی طرف جائیں گے چنانچہ مَیں نے دور سے دیکھ لیا کہ وہ بازار کی بجائے سکول کی طرف ہی جا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں بھی ایک دوسرے اور نسبتاً چھوٹے راستے سے سکول کی عمارت میں پہنچ گیا اور مَیں نے دیکھا کہ شمس الدین صاحب ایک خط ہمارے اسی ٹیچر کو دے رہے ہیں جس پر ہمیں شبہ تھا کہ اس کا خفیہ تعلق لاہوری جماعت سے ہے۔ یہ دیکھتے ہی مَیں نے اپنے اس ٹیچر سے اجازت لے کر وہ خط پڑھا تو معلوم ہوُا کہ وہ لاہوری جماعت میں اس کی شمولیت کی منظوری کا خط ہے۔ اِس پر مَیں نے اسی وقت وہاں سب کے سامنے ہی شمس الدین صاحب کو ذرا خفگی کے انداز میں جتایا کہ افسوس ہے

کہ آپ ہمارے مہمان ہو کر اس طرح خفیہ طور پر ہمارے مشن کے کارکنوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ وہ سوائے شرمندگی اور سر نیچا کرنے کے اپنی اس حرکت کا کوئی معقول جواب یا عذر پیش نہ کر سکے مگر ہمارے اس ٹیچر نے اسی روز مشن میں آکر اپنی حرکت پر ندامت کا اظہار کیا اور کہا کہ شیطان نے انہیں صحیح راستہ سے گمراہ کر دیا تھا اب وہ سچی توبہ کر کے جماعت کے ساتھ اپنی وابستگی کو ہمیشہ کے لئے قائم رکھیں گے۔

مولانا مبشّر صاحب نے بتایا کہ اس کے بعد باہم مشورہ سے یہ فیصلہ ہوا کہ مَیں سیرالیون میں احمدیہ مشن قائم کرنے کے لئے اور مولوی غلام نبی صاحب مسلم کے رویّہ کا جائزہ لینے کے لئے جاؤں۔ تاہم جب یہ سارے حالات اور تجویز قادیان میں مکرم ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ کی خدمت میں پیش کی گئی تو انہوں نے سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق جواباً ہمیں لکھا کہ مَیں نہیں بلکہ مولانا نذیر احمد علی صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ سیرالیون جائیں اور مَیں ان سے غانا مشن کا چارج لے لوں۔ چنانچہ ان احکامات کی فوری تعمیل کی گئی اور مَیں نے اپنی ذاتی رقم میں سے مکرم مولانا علی صاحب رضی اللہ عنہ کو ۶۰ پونڈ سکیورٹی بانڈ کی ادائیگی کے لئے اور پانچ پونڈ جہاز کے کرایہ کے لئے پیش کر دیئے۔ چنانچہ مولانا علی صاحب رضی اللہ عنہ مجھے غانا مشن کا چارج دے کر مورخہ ۱۳؍ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو غانا سے سیرالیون پہنچ گئے اور مولوی غلام نبی صاحب مسلم لاہوری کے سیرالیون پہنچنے سے پہلے ہی وہاں باقاعدہ کام شروع کر دیا۔ اور خدا کے فضل و کرم سے جلد ہی وہاں مضبوط مشن قائم ہو گیا جو آب بفضلہ تعالیٰ تیزی سے ترقی کے مدارج طے کر رہا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالیٰ۔

روکوپر کی جماعت کیسے قائم ہوئی؟

روکوپر (سیرالیون) کے ایک مخلص احمدی دوست الفا احمدو کمارا نے اپنی قبول احمدیت کے متعلق انگریزی میں یوں حلفیہ بیان دیا کہ "۱۹۳۶ء میں جبکہ میں روکوپر سے منتقل ہو کر رونو بنو نامی گاؤں میں رہائش رکھتا تھا۔ ایک رات نماز تہجد کے بعد لیٹ گیا۔ اس حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ دو شخص سفید ریش لمبے لمبے چوغوں میں ملبوس جن کے سروں پر عمامے ہیں میرے پاس آ کر کہتے ہیں کہ ہم مشرق سے آئے ہیں اور تمھیں یہ بشارت دیتے ہیں کہ جس امام وقت کا دیر سے انتظار تھا وہ ظاہر ہو چکا ہے۔ سو اُٹھ اور اپنے اصل گاؤں میں جا کر لوگوں کو خوشخبری سُنا اور انہیں نماز کی پابندی کی تلقین کر۔ اگر لوگوں نے اس بات پر کان نہ دھرا تو وہ خدائی سزا کے مستوجب ہوں گے۔ اس پر میری آنکھ کھُل گئی۔ . . ."

" مندرجہ بالا واقعہ کے دو سال بعد الحاج مولوی نذیر احمد علی صاحب مرحوم روکوپر تشریف لائے جنہیں دیکھتے ہی ہمارے امام مسجد الفا شیخنا نے مجھے کہا۔ کہ الفا احمدو آپ کا دو سال پرانا خواب پورا ہو گیا۔ کیونکہ الحاج نذیر صاحب مرحوم کا لباس و پیغام بعینہٖ وہی ہے جو آپ کو خواب میں بتایا گیا تھا۔ چنانچہ اُن سے حضرت امام الزمان علیہ السلام کی آمد کی بشارت اور دین اسلام کی حقیقت سُنکر اس موقعہ پر روکوپر میں نہ صرف مجھے اور امام الفا شیخنا کو بلکہ بے شمار دوسرے لوگوں کو بھی حضرت امام الزمان کی جماعت میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی اور روکوپر کے مسلمانوں میں رُوحانی زندگی کی ایک نئی رَو چل پڑی۔ وہی مسجد جو بے آباد رہتی تھی نمازیوں سے بھر جانے لگی یہ اللہ تعالےٰ کا ایک بہت بڑا احسان تھا جو اس نے مجھ پر اور میرے گاؤں کے لوگوں پر کیا۔"

ہمارے یہ بھائی الفا احمدو کمارا ابھی تک بقیدِ حیات ہیں اور روکوپر کے علاقہ میں خدا کے فضل سے احمدیت کے قدیم اور سرکردہ بزرگوں میں شمار

ہوتے ہیں اور تبلیغ کا خاص جذبہ رکھنے والے ایک تقویٰ شعار اور عبادت گزار احمدی ہیں۔ الحمدلِلّٰہ۔ (الفضل ۱۱ر جولائی ۱۹۵۶ء و تاریخ احمدیت جلد ۷، صفحہ ۱۷۱)

گزشتہ جنگِ عظیم کے دَوران مالی مشکلات کا سامنا

دوسری جنگ عظیم کے دَوران مرکزِ سلسلہ قادیان سے بیرونی ممالک کو روپیہ اور خطوط وغیرہ بھجوانے میں بہت دشواریاں تھیں اور جماعت کو مالی مشکلات بھی لاحق تھیں۔ اس لئے امیر مقامی مولانا نذیر احمد علی صاحب رضی اللہ عنہ نے میری سیرالیون میں آمد سے صرف دو تین ماہ قبل مرکز کی مالی مشکلات کے پیش نظر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھدیا کہ انہیں اب دس پونڈ ماہوار کی بجائے صرف پانچ پونڈ ماہوار بھیجے جایا کریں۔ دس پونڈ سٹرلنگ اس وقت سیرالیون میں کلرک درجہ سوم کی ماہوار تنخواہ تھی۔

مشکل حالات میں قربانیاں

خاکسار انگلستان سے تبدیل ہو کر سیرالیون آیا تو کچھ دنوں کے بعد مَیں نے حضرت مولانا علی صاحب رضی اللہ عنہ سے اپنے ماہوار الاؤنس کی ادائیگی کا ذکر کیا۔ آپ نے بڑے پیار سے مجھ پر واضح کیا کہ ان نازک ایام میں مرکز کو مبلغین کی مالی قربانی کی اشد ضرورت ہے اس لئے الاؤنس کی کمی کے متعلق جو کچھ مَیں حضورؓ کی خدمت میں لکھ چکا ہوں مجھے اب یہ گوارا نہیں کہ مَیں اپنی اس پیشکش کو آپ کی خاطر واپس لے لوں ہمیں قربانی کرنی چاہیئے اور اس پانچ پونڈ کی قلیل آمدنی میں گزارہ کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ اس کے عوض ہمیں بے شمار نعمتوں اور برکتوں سے نوازے گا۔ اور خلیفۂ وقت کے دل سے ہمارے لئے خاص دُعائیں نکلیں گی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس مشن کو زیادہ مالی قربانیاں کرنے والے احباب عطا کرے گا۔

چنانچہ جب خاکسار نے ان کی اس تجویز کو سمعًا و طاعۃً کہکر قبول کر لیا تو انہوں نے فرطِ انبساط سے الحمدلِلّٰہ کہکر مجھے گلے سے لگا لیا۔ پھر ہم نے دُعا کر کے

مرکز کو اس امر کی اطلاع دے دی۔ خنگ کی ہوشربا گرانی کے باوجود بحمد اللہ ہم دونوں اڑھائی اڑھائی پونڈ یعنی ۳۳-۳۳ روپے ماہوار میں کئی سال تک گزارہ کرتے رہے جو صرف اس طرح ممکن تھا کہ ہم مقامی افریقن طرزِ رہائش اختیار کرتے اور افریقن دیہاتی کھانوں پر اکتفا کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہم نے ایسا ہی کیا بلکہ بعد میں آنے والے مبلغین مثلاً مکرم مولوی محمد اسحاق صاحب صوفی مکرم مولوی بشارت احمد صاحب بشیر، مکرم چوہدری نذیر احمد صاحب رائے ونڈی۔ مکرم چوہدری احسان الٰہی صاحب جنجوعہ وغیرہم نے بھی مشن کی مالی حالت کی کمزوری کے پیش نظر قربانی کرتے ہوئے کچھ عرصہ تک صرف تین تین پونڈ ماہوار پر گزارہ کیا اور بڑے اخلاص اور محنت سے خدمتِ اسلام بجالاتے رہے حالانکہ اس وقت سرکار کی طرف سے قانونی طور پر معمولی ہاؤس بوائے کا ماہانہ الاؤنس پانچ پونڈ مقرر تھا۔

بعد میں اللہ تعالےٰ نے اس مشن کے لئے آمد کے دروازے کھول دیئے۔ اور ترقیات کا ایسا زمانہ آیا کہ بیک وقت پانچ پانچ سو پونڈ چندہ پیش کرنے والے احباب اللہ تعالےٰ نے سیرالیون مشن کو عطا فرمائے۔ اور آجکل تو خدا کے فضل سے اس مشن کا بجٹ لاکھوں تک پہنچ گیا ہے۔ اور وہاں خدا کے فضل سے جماعت ہر لحاظ سے ترقی کی راہوں پر بڑی تیزی سے گامزن ہے۔ الحمدللہ تعالیٰ۔

لُوبی میں جماعت کا قیام

اور

الفا سعید و کمارا مرحوم کا ذکرِ خیر

سیرالیون کے دارالحکومت فری ٹاؤن میں احمدیہ جماعت کے قیام کے بعد قصبہ روکوپُر کو یہ شرف حاصل ہے کہ اندرُونی علاقہ میں سب سے پہلی احمدیہ جماعت وہاں قائم ہوئی۔ اور مُلک بھر میں پہلا احمدیہ سکول بھی وہیں پر ۱۹۳۹ء میں کھولا گیا۔ اس قصبہ کے ابتدائی احمدیوں میں سے ایک نہایت مخلص احمدی بھائی

الفا سعید وکمارا تھے جو اپنی خاندانی وجاہت اور اپنی شرافت و دینداری کی وجہ سے اس علاقہ میں بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ ابتدائی مبلّغین اسلام کے لئے وہ گویا فرشتہ، رحمت تھے کیونکہ انہیں تبلیغ اسلام و احمدیت کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ نیز وہ مبلّغین کے ذاتی آرام و آسائش اور ضروریات کا بڑے اہتمام سے خیال رکھتے تھے۔ روکوپر میں مسجد اور سکول بننے سے پہلے ان کا ایک بہت بڑا ذاتی مکان سالہا سال تک ہم اپنی رہائش اور نماز با جماعت کے لئے استعمال کرتے رہے مسجد کے لئے زمین بھی انہوں نے محض خطیہ کے طور پر دی تھی۔ گو بعد میں ہم بوجوہ اس قطعہ زمین پر مسجد تعمیر نہ کر سکے۔

۱۹۳۹ء میں احمدی ہونے کے بعد متواتر تبلیغ و دعا سے انہوں نے اپنے خاندان کے سب افراد کو احمدیت میں داخل کرنے کے علاوہ اپنے کئی دوستوں اور زیر اثر لوگوں کو بھی احمدیت کی سچائی کا قائل کر لیا تھا۔ روکوپر کی ریاست میں اس وقت ان کی وجاہت اور رعب کی وجہ سے احمدیت کے مخالف علماء اور بڑے بڑے عیسائیوں کو بھی ہماری علانیہ مخالفت کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ احمدی ہونے کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے روکوپر کے علاوہ وہاں سے کچھ فاصلہ پر ایک گاؤں "لوٹی" میں بھی اپنے کاروبار کی ایک برانچ کھول لی تھی جو تھوڑے ہی عرصہ میں بہت فروغ پا گئی۔

نہایت چھوٹی سی کشتی میں سفر

اپریل ۱۹۴۰ء میں "لوٹی" میں تبلیغ اسلام کی غرض سے برادرم الفا سعید وکمارا مرحوم نے بڑے اصرار سے ہمیں وہاں بلایا۔ چنانچہ ایک روز حضرت مولانا علی صاحبؓ اور خاکسار روکوپر سے بذریعہ کشتی اس گاؤں کی سمت روانہ ہوئے۔ اس وقت مجھے سیرالیون آئے ہوئے ابھی ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تھا۔ اور روکوپر کے خطرناک دریا میں سفر تو علیحدہ رہا وہ چھوٹی سی کشتی بھی جو درخت کے تنے کو کھوکھلا کر کے بنائی گئی تھی میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی۔ روانگی سے پہلے دریا کے کنارے کھڑے میں نے حضرت مولانا صاحب مرحوم سے دریافت کیا۔ کہ وہ کشتی کب آئے گی جس میں ہم نے سفر کرنا ہے۔ حالانکہ وہ

چھوٹی سی کشتی میرے سامنے ہی دریا میں اس وقت موجود تھی اور چپّو کے ساتھ اس کو چلانے والا مالک لڑکا بھی اپنی لنگوٹی باندھے پانی میں کھڑا چلنے کی تیاری کر رہا تھا۔ چنانچہ یہ معلوم ہونے پر کہ ہم نے اسی ناؤ میں سفر کرنا ہے مَیں نے بڑی گھبراہٹ سے مولانا صاحبؓ سے عرض کیا کہ اتنے بڑے دریا میں اتنی چھوٹی سی کشتی میں سفر کرنا تو اپنے لئے خود ہی خطرہ مول لینے کے مترادف ہے اس سے تو بہتر ہے کہ ہم جنگل کے راستے چلیں خواہ سارا دن پیدل چلنا پڑے۔

خدا کے فرشتے ہمارے محافظ ہیں

مولانا صاحبؓ مجھے حوصلہ دلاتے ہوئے کہنے لگے۔ "فکر نہ کریں ہماری حفاظت کے لئے خدا کے فرشتے ہر دم ہمارے ساتھ ہیں۔ یہاں کے اکثر لوگ بلکہ مَیں خود بھی اس قسم کی کشتیوں میں سفر کرتا رہا ہوں اور حادثات سے تو بڑی بڑی کشتیاں بلکہ جہاز بھی محفوظ نہیں۔ ہم اس زمانہ کے نوح علیہ السّلام کے مجاہد ہیں ہمارے ذریعہ اللہ تعالیٰ دوسروں کو بچانا چاہتا ہے۔ اس لئے ہمیں کیا ڈر ہے ہمیں تو نہ صرف اس ساکن سے دریا سے بلکہ طوفانوں سے بھی خوف نہیں کھانا چاہیئے"۔ چنانچہ ہم اس وقت سوار ہو کر چل پڑے۔ ہم دونوں کے علاوہ صرف ایک سواری آ کر بیٹھ سکی اور چوتھا خود ملّاح تھا۔ ہم صرف چار افراد کے بوجھ سے ہی کشتی کے کنارے دریا کے پانی سے صرف تین چار انچ اوپر رہ گئے تھے۔ بعض دفعہ فری ٹاؤن آنے جانے والی تیز رفتار موٹر لانچ ہمارے پاس سے گزرتی تو پانی میں گڑ بڑ سے لہریں ہماری کشتی کو یوں ایک طرف لڑھکا دیتیں کہ محسوس ہوتا کہ بس اب ہم ڈوبے کہ ڈوبے۔ بلکہ کچھ پانی بھی اندر آجاتا۔ جسے ہمیں ناریل کے خالی کھوپرے سے فوراً باہر نکالنا پڑتا۔ آخر کوئی ڈیڑھ گھنٹے بعد ہم بخیریت لُونٹی پہنچ گئے اور ہماری جان میں جان آئی۔ ہمارے بھائی الفاسعید وکمارا دریا کے کنارے کھڑے تھے وہ ہمارا استقبال کر کے اتنے خوش ہوئے کہ جیسے انہیں کوئی لعلِ بے بہا مل گیا ہو۔

نماز میں مچھروں کی یلغار

اسی شام انہوں نے اپنے مکان پر ہماری تقریریں کرائیں گاؤں کی اکثریت مشرک اور بد مذہب لوگوں کی تھی۔ اس لئے ہم نے عام فہم انداز میں توحید و رسالت پر روشنی ڈالی اور اسلام کی

خوبیاں بیان کیں - دوسرے روز بھی دوپہر سے پہلے گاؤں کی عدالت بیرک میں ہمارا وعظ ہوا - تقریبًا سارا گاؤں اُمڈ آیا تھا - سوال وجواب بھی ہوئے - اور لوگوں نے بہت اچھا اثر لیا - گاؤں کے چیف اور کچھ اَور لوگوں نے بیعت کر لی اور خود ہی کہا کہ آپ آج شام ہم سب آپ لوگوں کے ساتھ اپنی مسجد میں باجماعت نماز ادا کریں گے - آپ ہمیں بتائیں صحیح نماز کیسے ادا کی جاتی ہے - گاؤں میں گھاس پھوس کی ایک نہایت بوسیدہ سی مسجد تھی - جس کی چھت نیچی ہونے کی وجہ سے ہَوا اور روشنی بھی پوری طرح اندر نہیں پہنچتی تھی - سوائے رمضان شریف کے مہینہ کے وہاں کبھی نماز باجماعت نہ ہوتی تھی - برادرم الفا سعید وکمارا مرحوم نے خود بڑی توجہ سے اس روز مسجد کو صاف کرایا اور شام کو ہماری وجہ سے مسجد اندر باہر نمازیوں سے کھچا کھچ بھر گئی - مغرب اور عشاء کی نمازیں خاکسار نے پڑھائیں - وہاں پہلی مرتبہ مجھے سیرالیون کے زہریلے مچھروں سے جس بُری طرح واسطہ پڑا - وہ مَیں آجتک نہیں بھولا - محراب میں مکھیوں کی طرح کے بڑے بڑے مچھروں نے جرابوں کے اُوپر سے میرے پاؤں اور شلوار کے اندر سے ٹانگوں پر اتنا شدید حملہ کر دیا کہ میں نے نمازیں نہایت مشکل سے پڑھائیں - مغرب وعشاء کی نمازوں کے درمیانی وقفہ میں مولانا صاحبؓ نے نماز کی اہمیّت پر دلچسپ لیکچر دیا - اور دیگر مسائل بھی ذہن نشین کرائے -

شدید ملیریا کا حملہ

دوسرے روز بھی سارا دن ہم نے گاؤں میں تبلیغ کی - شام کو پھر نمازیں خاکسار نے ہی پڑھائیں جس کے دوران پھر خطرناک مچھر پے در پے مجھے کاٹتے رہے - اور نتیجہ یہ ہوا - کہ اسی روز رات گئے مجھے نہایت تیز بخار ہو گیا جو اگلے روز ۱۰۵ درجہ تک پہنچ گیا - مولانا صاحبؓ کو بہت فکر ہوا کیونکہ ان کی کونین اور اسپرین اور دیگر دوائیاں سب بے کار ثابت ہوئیں - اور میرے ٹمپریچر اور گھبراہٹ میں زیادتی ہوتی گئی - چنانچہ پھر مجبورًا تیسرے یا چوتھے روز صبح ہی مولانا صاحبؓ ایک خاص کشتی کرایہ پر لیکر اور اس میں مجھے لٹا کر ردکوٹپہ لے آئے - جہاں ایک انگریز ڈاکٹر موجود تھے انہوں نے بڑی توجہ سے علاج کیا - کونین کے ٹیکے بھی لگائے اور خاکسار خدا کے فضل سے چند دن میں صحت یاب ہو گیا -

نئی جماعت قائم ہوگئی

بہرکیف ان تکالیف اور بیماری کے باوجود ہمارا یہ یادگاری سفر تبلیغی لحاظ سے بہت بابرکت ثابت ہوا اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے لُوَنٹی میں ہمیں ایک نئی اور مخلص جماعت عطا فرمادی جو اَب تک قائم ہے۔ لُوَنٹی کے کئی مشرکوں نے اسلام قبول کیا اور کئی نام کے مسلمانوں کو اسلام کی حقیقی روح اور حقائیت سے آشنائی حاصل ہوئی اور انہیں امامِ وقت علیہ السلام کو قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ہمارے اس سفر کی کامیابی اور اس نئی جماعت کے قیام کا سہرا دراصل برادرم الفاسعید و کمارا کے سر ہے کیونکہ انہوں نے ہی اہالیانِ لُونٹی" کو احمدیت سے روشناس کرایا۔ متواتر تبلیغ کرتے رہے اور ہمیں وہاں تبلیغ کے لئے بلایا۔ اور جماعت قائم ہوجانے کے بعد بھی اپنی وفات تک آنریری طور پر وہاں بطور امام اور معلّم کام کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

ایک مخلص احمدی خاتون کا ذکرِ خیر

یہاں ذکرِ خیر کے طور پر یہ لکھتے ہوئے بھی مَیں خوشی محسوس کرتا ہوں کہ الفاسعید و کمارا مرحوم کی والدہ صاحبہ بھی نہایت مخلص اور خدمتگزار قسم کی احمدی خاتون تھیں اور روکوپُر کی احمدی مستورات کی گویا روحِ رواں تھیں وہ جب تک زندہ رہیں ہمیشہ باصرار مبلّغین کرام کو اپنے گھر ٹھہراتیں اور ان کی خدمت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتیں۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ مَیں روکوپُر کی سب سے زیادہ خوش قسمت عورت ہوں اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی یہ خوشی میری روح کے ساتھ ہی مجھے خوش کرتی ہوئی اگلے جہان جائے گی کہ حضرت امام الزمان علیہ السّلام کو قبول کرنے کی سعادت نہ صرف مَیں نے ہی پائی بلکہ میرے تمام بیٹے بیٹیاں پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں میری زندگی میں ان کی جماعت میں شامل ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

حال ہی میں مبلّغ سیرالیون عزیزم مکرم حمید اللہ خانصاحب فاضل نے میرے نام ایک خط میں ذکر کیا ہے کہ روکوپُر کے برادرم محترم الحاج الفایحیٰی صاحب برادرِ اصغر الفاسعید و مرحوم اور جماعت کے دیگر دوست مجھے بہت یاد کرنے اور

پرانے زمانہ کے ایمان افزا واقعات بڑی دلچسپی سے سناتے رہتے ہیں۔ اس پر مجھے بھی "لوبی" کا مندرجہ بالا روح پرور واقعہ یاد آگیا جو اپنی ڈائری کی یادداشتوں سے کام لے کر میں نے یہاں بطور یادگار تفصیل سے لکھ دیا ہے :

ایک رؤیاء صالحہ

جو پورا ہو کر بہتوں کی ہدایت کا موجب ہوا

سیرالیون کے ایک ابتدائی احمدی دوست پاہ سانفا تولا (SANFATULA) پر عجیب رنگ میں اللہ تعالیٰ نے رؤیاء کے ذریعہ احمدیت کی صداقت کا انکشاف فرمایا۔ چنانچہ ان کا بیان ہے کہ

"سنہ ۱۹۳۹ء کے دوران ایک موقعہ پر جبکہ میں لونیاں ریاست کے ایک گاؤں باڈماہون نامی میں رہائش رکھتا تھا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں وہاں کی مالکیہ مسجد کے اردگرد سے گھاس صاف کر رہا ہوں۔ جب کچھ دیر کام کر کے میں نے کچھ تھکان محسوس کی تو مسجد کے قریب ہی ایک پام کے درخت کے نیچے ذرا سستانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اسی اثنا میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے کی جانب سے ایک سفید رنگ کے اجنبی دوست ہاتھ میں قرآن کریم اور بائیبل پکڑے میری طرف آرہے ہیں۔ میرے قریب پہنچ کر انہوں نے السّلام علیکم کہا۔ اور پھر مجھ سے دریافت کیا کہ اس مسجد کے امام کون ہیں میں انہیں ملنا چاہتا ہوں اس پر میں ان سے رخصت لے کر امام مسجد صاحب کو بلانے چلا گیا۔ جن کا نام اَلفاَ (ALPHA) تھا۔ ہم واپس آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مسجد میں ایک سایہ دار کھڑکی سی تیار ہو چکی ہے اور وہ اجنبی شخص ہماری مسجد میں خود امام کی جگہ پر محراب میں کھڑے ہیں۔

ہمیں دیکھتے ہی انہوں نے ہم دونوں کو حکم دیا کہ اس سایہ دار جگہ میں بیٹھ کر ہم انہیں قرآن سنائیں۔ ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ وہ اجنبی شخص

مسجد سے نکل کر ہمارے پاس آئے اور ہمارے امام سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں تمہیں نماز کا صحیح طریق سکھانے کے لئے آیا ہوں۔ اس پر میری آنکھ کھل گئی اور صبح ہوتے ہی میں نے اس کا ذکر اپنے تمام مسلمان دوستوں سے کر دیا (یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے۔ کہ سیرالیون میں مالکی مذہب کے لوگ مالکی فقہ کے مطابق ہاتھ چھوڑ کر نماز ادا کرتے ہیں۔ جیسے ہمارے ملک میں شیعہ حضرات)

وہ آگے بیان کرتے ہیں کہ

"اس خواب کے قریباً ایک ہفتہ بعد صبح کے وقت میں نے اپنا کدال لیا اور اپنی اسی مالکیہ مسجد کے صحن سے گھاس صاف کرنے لگا۔ قریباً نصف گھنٹہ کے کام کے بعد میں نے کچھ تھکان محسوس کی اور قریب ہی ایک پام کے درخت کے نیچے آرام کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ ابھی چند ہی منٹ گزرے تھے کہ کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے سے الحاج مولانا نذیر احمد علی صاحبؓ تشریف لا رہے ہیں۔ آپ نے قریب آکر مجھے السلام علیکم کہا اور رہائش کے لئے جگہ وغیرہ دریافت کی۔ میرے لئے یہ ایک نہایت تعجب انگیز بات تھی کہ جو خواب میں ابھی چند یوم پہلے دیکھ چکا تھا بعینہٖ وہ آج اسی طرح پوری ہو رہی تھی۔ یعنی الحاج مولوی نذیر مرحومؓ ہی وہ بزرگ دوست تھے جو مجھے خواب میں دکھائے گئے تھے لباس بھی تقریباً وہی تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ سو میرے لئے ایسے مہمان کی خدمت ایک خوش قسمتی تھی لہٰذا میں نے آپ کو کسی اور جگہ ٹھہرانے کی کوشش نہ کی بلکہ اپنا گھر خالی کر کے رہائش کے لئے پیش کر دیا۔ اس کے بعد میں اپنے مسلمان دوستوں کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا وہ پورا ہو گیا ہے۔ یعنی وہ بزرگ سچ مچ تشریف لے آئے ہیں اور اب میرے گھر میں رہائش پذیر ہیں۔"

کچھ دنوں کے بعد میں احمدی ہو گیا اور پھر اس کے بعد میری اور الحاج مولوی نذیر احمد علی رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے اس گاؤں کے اکثر مسلمان حلقہ احمدیت میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ میں اس وقت سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدی ہوں۔ میرا سارا خاندان بھی احمدی ہو چکا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی سچی جماعت میں مجھے وفات دے اور انجام نیک کرے۔ آمین۔"

ہمارے یہ بزرگ بھائی سانفا تو لا کئی سال ہوئے وفات پا چکے ہیں میرے ذاتی مشاہدہ کے مطابق نہایت مخلص دعاگو اور تقویٰ شعار احمدی تھے انہوں نے بھی سیرالیون میں احمدیت کے ابتدائی زمانہ میں بڑی تکلیفیں اُٹھائیں مگر ثابت قدم رہے اور انجام بھی خدا کے فضل سے نیک ہوا۔

(الفضل ۱۱ر جولائی ۱۹۵۶ء وتاریخ احمدیت جلد ۷ صفحہ ۴۱۹)

ایک اور مبشّر خواب اسی گاؤں باؤ ماہون کے ایک تعلیم یافتہ نوجوان مسمّی عیسیٰ احمد و فولانی نے خاکسار محمد صدیق امرتسری سے وہاں اپنا ایک مبشّر خواب یوں بیان کیا تھا کہ مَیں ۱۹۴۱ء کے دَوران احمدیت کے متعلق تحقیق اور استخارہ کر رہا تھا۔ جبکہ میرے قبیلہ کے لوگ احمدیت کی سخت مخالفت کر رہے تھے۔ مَیں نے ایک شب خواب دیکھا کہ سخت اندھیری رات ہے مگر آسمان پر ستارے جھلملا رہے ہیں جن کے درمیان سنہری حروف سے یہ انگریزی عبارت لکھی ہے:۔

The Ahmadiyya Muslims are the
last boat to save the world
from Noah's flood (deluge)

یعنی احمدی مسلمانوں کی جماعت دنیا کی قوموں کو ضلالت و گمراہی کے عالمگیر طوفان سے بچانے اور اسلام سے بہرہ ور کرنے کے لئے آخری کشتی ہے۔

چنانچہ اس کے بعد اسے جماعت میں شمولیّت کی توفیق مل گئی۔ (الفضل ۱۰ مئی ۱۹۴۷ء)

ایک فولانی عالم کے قبولِ احمدیت کی داستان

سیرالیون کے ایک قصبہ متوتوکا (MATOTOKA) کے ایک دوست الفا احمرو ڈورے جو فولانی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور عرصہ تک مقامی احمدی معلّم بھی رہے ہیں بیان کرتے ہیں کہ

سیرالیون میں احمدیت کے داخلہ سے قبل "مانس" نامی ایک گاؤں میں ایک مالکی فولانی عالم چرنو ابوبکر صاحب سے مَیں عربی اور دینیات پڑھا کرتا تھا۔ ایک دن دورانِ درس انہوں نے کہا کہ آج مَیں تمہیں ایک ضروری بات بتانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ امام الزمان علیہ السلام کے متعلق قرآن وحدیث میں بیان کردہ سب علامات پوری ہوچکی ہیں اور مَیں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ وہ ظاہر ہوچکے ہیں لیکن کسی اَور ملک میں ہوئے ہیں اور ان کے ظہور کی اطلاع عنقریب اس مُلک میں بھی پہنچنے والی ہے مگر افسوس ہے کہ اس وقت مَیں زندہ نہیں ہوں گا۔ چنانچہ چند ماہ بعد وہ بزرگ عالم وفات پا گئے اور اس کے بعد مَیں وہ گاؤں چھوڑ کر ملک کے دارالحکومت فری ٹاؤن چلا گیا۔

فری ٹاؤن میں احمدیّت کی مخالفت

وہاں پر میرے قیام پر آٹھ سال گزرے تھے کہ الحاج مولانا نذیر احمد علی رضی اللہ عنہ قادیان سے تشریف لے آئے اور کئی پبلک تقریروں میں آپ نے ظہورِ امام علیہ السلام پر سیر حاصل بحث کی اور ثابت کیا کہ امام الزمان علیہ السلام ظاہر ہوچکے ہیں اور وہ ان کے نمائندہ ہیں۔ فری ٹاؤن کے مسلمانوں نے یہ سنتے ہی مخالفت شروع کر دی خصوصًا میرے قبیلہ فولانی اور مِنٹی قبیلہ والوں نے مخالفت میں سب سے بڑھ کر حصّہ لیا گو بعض لوگوں نے بیعت بھی کر لی۔ مگر علماء نے ہر جگہ شور مچا دیا۔ کہ الحاج نذیر احمد جھوٹا آدمی ہے اور جدید دین کی اشاعت کر رہا ہے۔ مجھے اپنے استاد چرنو ابوبکر مرحوم کی بات یاد تھی۔ مَیں نے بعض افراد کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ اس مخالفت کو دیکھ کر مجھے

بھی قبولِ احمدیت کی جرأت نہ ہوئی۔

اس بارے میں ایک اور بزرگ کا بیان

اس کے کچھ عرصہ بعد مَیں مغربی افریقہ کے فرانسیسی علاقہ میں گیا تا کہ بعض علماء سے مل کر مزید تحقیق کر سکوں۔ وہاں پر ایک بہت بڑے عالم اور بزرگ جیرنو عمر سے میری ملاقات ہوئی۔ مَیں نے ان سے الحاج نذیر احمد صاحب کا ذکر کر کے آمدِ امام الزمانؑ کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ علامات تو سب پوری ہو چکی ہیں لیکن مجھے معلوم نہیں کہ ان کا ظہور کہاں ہوگا۔ البتہ ایک بات کتب احادیث سے واضح ہے کہ وہ مکّہ مکرمہ میں نہیں بلکہ کسی اور مُلک میں ظاہر ہونگے لیکن اس ملک کی تعیین میرے ذہن میں نہیں ہے۔ چنانچہ جیرنو عمر صاحب کی باتوں سے مَیں سمجھ گیا کہ الحاج نذیر احمد صاحب جو پیغامِ اسلام ہندوستان سے لے کر آئے ہیں وہ مبنی بر صداقت ہے اس پر مَیں وہاں سے سیدھا رو کو پر پہنچا کیونکہ اس وقت الحاج نذیر احمد صاحب فری ٹاؤن سے رو کو پر آ گئے تھے۔ یہاں پہنچتے ہی مَیں نے نہایت شرح صدر سے بیعت کر لی۔ اور جماعت احمدیہ میں داخل ہو گیا۔

ایک مبشّر خواب

وہ بیان کرتے ہیں کہ احمدیت قبول کرنے کے کئی سال بعد مَیں نے دسمبر ۱۹۵۵ء میں ایک نہایت مبشّر خواب دیکھا جس سے مجھے مکمل طور پر شرح صدر ہو گیا کہ احمدیت واقعی ایک سچی اور الٰہی جماعت ہے اور یہ وہی ناجی اور جنّتی فرقہ ہے۔ جس کا ذکر احادیث میں آتا ہے اور یہ دنیا میں پھیل کر رہے گا۔ مَیں نے دیکھا کہ رات کا تقریباً آخری حصّہ ہے اور مَیں ایک جگہ کھڑا ہوں کہ اچانک اوپر سے مجھے ایک فائر کی آواز سنائی دی جس پر مَیں نے یکدم نظر اوپر کو اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ مشرق سے ایک بہت بڑی روشنی نکلی ہے جو آہستہ آہستہ مغرب میں پھیل گئی ہے اس پر ایک شخص جو مجھے نظر نہیں آتا مجھے کہتا ہے کہ احمد و جانتے ہو یہ کیا ہے پھر خود ہی وہ جواب دیتا ہے۔ کہ یہ احمدیت کی روشنی ہے جو عنقریب دُنیا پر چھانے والی ہے۔ (الفضل ۱۱؍ جولائی ۱۹۵۶ء)

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی دُعا کا معجزانہ اثر

ایک عیسائی چیف کی مزمن بیماری سے شفایابی اور اسکا قبولِ اسلام

سیرالیون کے اندرونی علاقہ کے ضلع کینما (KENEMA) میں ایک چھوٹی سی ریاست گوراما (GORAMA) نامی ہے۔ یہ ریاست اب سے تیس سال پہلے تک موٹر کی سڑک سے تیس میل دور اور ڈاکخانہ سے پچاس میل دُور تھی لیکن اس کے مشرک اور نیم عیسائی پیرامونٹ چیف بائیو (BAIO) کی نیک نامی اور کشادہ دستی کی وجہ سے یہاں لوگوں کی بہت آمدورفت رہتی تھی اور مختلف عامل اور طبیب ان کی مزمن بیماری کے علاج کے بہانے جو انہیں عرصہ بیس سال سے لاحق تھی ان سے روپیہ اینٹھتے رہتے تھے۔

چیف کی لاعلاج بیماری اور عیسائیوں کی ناکامی جب حضرت مولانا نذیر احمد علی مرحوم ۱۹۳۹ء میں پہلی مرتبہ اس ریاست کے قریب ایک قصبہ باؤ ماہون میں بغرض تبلیغ تشریف لائے اور وہاں خدا تعالیٰ نے انہیں ایک نہایت مخلص اور مضبوط جماعت عطا فرمادی تو اس جماعت کے دوستوں نے انہیں ریاست گوراما کے صدر مقام ٹونگے (TONGAY) میں مذکورہ بالا چیف بائیو کو تبلیغ اسلام کرنے کی تحریک کی۔ چنانچہ مولانا صاحب موصوف ستمبر ۱۹۳۹ء میں جماعت کے چند مخلصین کے ساتھ ۲۰ میل کا دشوار گزار راستہ پیدل طے کر کے ٹونگے پہنچے اور چیف بائیو اور وہاں کے باشندوں کو پبلک لیکچروں اور پرائیویٹ ملاقاتوں کے ذریعہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس قصبہ میں امریکہ کے یو۔بی۔سی (U.B.C.) عیسائی مشن کے سفید فام عیسائی پادری دس سال سے چیف بائیو کی سرپرستی میں عیسائیت کے پرچار میں مصروف تھے۔ تاہم ان کی مزمن بیماری کا علاج کرنے میں وہ انتہائی کوششوں کے باوجود بالکل ناکام رہے تھے۔

امریکن پادریوں سے مناظرے اور اسلام کی فتح اگرچہ عیسائی پادریوں کو

وہاں حضرت مولانا علی صاحب مرحوم کی یہ تبلیغی مہم سخت ناگوار تھی مگر چیف اور پبلک کے اصرار پر انہیں مولانا صاحب سے دو پبلک مناظرے کرنے پڑے جن میں ان کے ضلعی امریکن ہیڈ پادری ریورنڈ لیڈر (LEADER) کو بری طرح شکست ہوئی اور چیف بائیو اسلام کی طرف مائل ہو گئے۔ آخر چیف نے حضرت مولانا صاحب مرحوم سے اس شرط پر اپنے قبیلہ اور ریاست کے سرکردہ لوگوں سمیت اسلام قبول کر لینا منظور کیا کہ ان کی صحت یابی کی ذمہ داری لی جائے۔ حضرت مولانا صاحب مرحوم نے اسلام کے زندہ اور شافی خدا پر توکل اور اعتماد کرتے ہوئے ان کی یہ شرط منظور کر لی اور سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تمام حالات عرض کر کے چیف مذکور کے لئے خاص دعا کی درخواست کی اور خود بھی اور سیرالیون کے تمام احمدی بھی دعاؤں میں مصروف ہو گئے۔

معمولی دوا سے خدا نے شفا دیدی

یہ چیف اس وقت چلنے پھرنے کے قابل بھی نہ تھے۔ اور مناظرے سننے کے لئے انہیں ہیمک میں اُٹھا کر لایا گیا تھا۔ حضرت مولانا صاحب مرحوم کے پاس لاہور کے ایک ہندو ویدک حکیم کی ایک مشہور دوائی "اُمرت دھارا" کی چند شیشیاں موجود تھیں انہوں نے چیف کو پہلے ایک جلاب دیا۔ اور پیٹ صاف ہو جانے کے بعد انہیں امرت دھارا پانی میں ملا کر اور اس پر آیات قرآنیہ کا دم کر کے پلانا شروع کر دیا۔ نیز خوراک اور صفائی وغیرہ کے بارے میں اپنی نگرانی میں ان سے خاص احتیاطیں کرانی شروع کر دیں۔ ان کے پینے کے لئے خود پانی اُبال کر اور فلٹر کر کے ان کے لئے روزانہ مہیا کرتے رہے اور سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس دوران دعا کے لئے بار بار خط بھی لکھتے رہے۔ چنانچہ حضورؓ کی دعاؤں کی برکت سے انہیں چند دنوں میں اتنا افاقہ ہو گیا کہ وہ چل کر مولانا صاحب مرحوم کے ساتھ باجماعت نماز کے لئے آنے لگے۔ کھانے پینے کے لئے مولانا صاحب نے ان کے لئے کویکر اوٹس، اوولٹین، ہارلکس اور سینی ٹوجن وغیرہ قسم کے ولایتی ڈبے منگائے۔ نیز انڈے ہاف بوائل کر کے انہیں دیتے رہے۔ اور یوں خدا کے فضل سے چند دنوں میں ان کی صحت

بہت ترقی کر گئی - جس کے بعد مولانا صاحب نے اس شرط پر ان کی بیعت بھی بغرضِ منظوری حضور کی خدمت میں ارسال کر دی کہ وہ شراب کبھی نہیں پئیں گے - اور چار سے زائد بیویوں سے ازدواجی تعلق نہیں رکھیں گے - کیونکہ باقی ایک سو سے زائد سب بیویوں کو فوری طور پر چھوڑ دینا ملکی اور سیاسی لحاظ سے ان کے لئے سخت نقصان دہ تھا۔ بعض ان میں سے صاحبِ اولاد بھی تھیں - اس کے بعد قصبہ کے باشندوں میں سے بھی کثیر تعداد میں لوگ بیعت کر کے اسلام میں شامل ہو گئے - اور چیف نے وہاں مسجد بنانے کا حکم دے دیا - جو اس مشرک قصبہ میں اسلام کی پہلی مسجد تھی - حضور رضی اللہ عنہ نے تمام نو مسلموں کی بیعتیں قبول فرماتے ہوئے چیف کا اسلامی نام صلاح الدین بائیو رکھا۔

پادریوں کے شکوے اور ناکامی

اس دوران امریکن پادریوں نے پہلے تو چیف سے ربقول ان کے، اس غداری کا شکوہ کیا اور اپنے احسان ان کو جتائے لیکن چیف نے انہیں صاف صاف جواب دے دیا۔ کہ ریاست کی بہبودی کے لئے آپ کی مساعی اور تعلیمی جد وجہد کے ہم شکر گزار ہیں لیکن مذہب کا معاملہ ہر ایک کے دل سے تعلّق رکھتا ہے اس میں کسی پر جبر نہیں۔ البتہ جو ریاستی سہولتیں عیسائی مشنوں کو حاصل تھیں وہ برقرار رہیں گی - اور میں تمہارے سکولوں کی سرپرستی بھی کرتا رہوں گا - لیکن چونکہ میں اب عیسائیت کو خیرباد کہہ کر مسلمان ہو چکا ہوں اس لئے آپ کے چرچ سے وابستگی اب میرے لئے ممکن نہیں ہو گی تاہم آپ کو عیسائیت کی تبلیغ وغیرہ کی ہر طرح آزادی ہے۔

پادریوں کی گورنر سے ہماری شکایت

اس کے باوجود امریکن پادریوں نے ضلع کے انگریز ڈی سی اور ڈویژنل کمشنر حتیٰ کہ گورنر سیرالیون کے پاس بھی شکایت کی کہ دس! پندرہ سال سے ہم جس ریاست کی تعلیمی اور مذہبی بہتری کے لئے ہزاروں ڈالر سالانہ خرچ کر کے انتھک کوششیں کرتے چلے آرہے تھے اور سکول اور چرچ اور مشن کی عمارتیں بھی اپنے خرچ پر بنوائی تھیں اب اس ریاست کے چیف نے اسلام قبول کر کے ہماری ساری کوششوں پر پانی پھیر دیا ہے نیز تحریری درخواست میں ڈی سی کو لکھا کہ اس

ریاست میں احمدی مبلّغین کی تبلیغ اسلام بند کرائی جائے۔کیونکہ ہم عیسائی وہاں ان سے سالہا سال پہلے سے کام کر رہے ہیں۔لیکن خدا کے فضل و کرم سے کہیں بھی ہمارے خلاف ان امریکن مشنریوں کے واویلا کی شنوائی نہ ہوئی۔

تمام بُت اور تعویز نذرِ آتش کر دیئے

پیرا مونٹ چیف بائیو نے اسلام قبول کرنے کے بعد مولانا علی صاحب مرحوم کی تحریک پر اپنے تمام بُت اور بے شمار تعویز اور جادو ٹونے کے سامان اکٹھے کر کے بعیت کرنے کے دوسرے روز ہی ان کے حوالے کر دیئے تاکہ وہ جلا دیئے جائیں۔ چنانچہ ایک جلسہ کر کے سرِعام ان کو جلا دیا گیا اور اس طرح اللہ تعالےٰ کے فضل سے اس مشرک ریاست کا ہیڈ کوارٹر احمدیت کے ذریعہ اسلام کا نور پھیلانے کا مرکز بن گیا اور سیّدنا حضرت محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا روحانی جھنڈا عیسائیت کے دشمن پندرہ سالہ پُرانے جھنڈے کی جگہ لہرانے لگا۔اور عیسائیوں کے گرجے کے مقابل چند روز میں وہاں شاندار مسجد بھی تیار ہوگئی جہاں سے پانچ وقت کلمہ شریف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ فضاؤں میں گونجنے لگا بلکہ چیف بائیو نے خواہش ظاہر کی کہ اب ان کی ریاست کے سب دیہات میں تبلیغ اسلام کا انتظام کیا جائے۔

پانچ صد افراد کا قبولِ اسلام

چنانچہ ان کی اس خواہش کی بناء پر مولانا علی صاحب نے سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کو قادیان تار دیا کہ تقریبًا پانچ صد افراد کی معیّت میں ایک عیسائی پیرا مونٹ چیف نے اسلام قبول کیا ہے اس لئے کام کی وسعت کے پیشِ نظر فوری طور پر ایک اَور مبلّغِ اسلام سیرالیون روانہ کیا جائے چنانچہ اس ضرورت کو فوری طور پر پورا کرنے کے لئے حضور رضی اللہ عنہ نے حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ امام مسجد فضل لندن کو تار دلوایا کہ محمد صدیق امرتسری کو لندن سے فورًا سیرالیون تبدیل کر دیا جائے۔چنانچہ حضورؓ کے اس حکم کے مطابق خاکسار مارچ ۱۹۴۰ء کو لندن سے بذریعہ بحری جہاز سیرالیون پہنچ گیا ؎

حق کی مخالفت کا عبرتناک انجام

مارچ ۱۹۴۲ء میں جبکہ مجھے سیرالیون (مغربی افریقہ) آئے ہوئے ابھی چند روز ہی ہوئے تھے اور خاکسار مولانا نذیر احمد علی صاحب امیر سیرالیون کے ساتھ ملک کے دارالحکومت فری ٹاؤن میں مقیم تھا۔ کہ ایک روز مولوی صاحب نے فرمایا۔ آیئے آج آپ کو مَیں ایک ایسا شخص دکھاؤں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا زندہ نشان ہے۔

چنانچہ ہم فری ٹاؤن کے علاقہ فولا ٹاؤن میں پہاڑی کے دامن میں اُوپر کی طرف چلتے ہوئے چند منٹوں میں ایک دو منزلہ مکان پر پہنچ گئے جہاں ایک کمرے میں ایک ادھیڑ عمر باوقار سا شخص چارپائی پر بیٹھا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ ہمارے قریب آ کر کہنے لگا۔ "اچھا تم مجھے آزاد کرانے آئے ہو۔ حاجی نذیر دیکھو! مَیں اچھا بھلا ہوں۔ میرے لڑکے نے یونہی مجھے پاگل قرار دے کر مجھے یہاں بند کر رکھا ہے کیا تم لوگ میری مدد نہیں کرو گے"؟ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے۔ پھر وہ بگڑ کر کچھ بڑبڑانے لگا تو ہم خاموشی سے واپس لوٹ آئے۔

واپسی پہ مولانا صاحبؓ نے بتایا کہ اس شخص کا نام شیخ حیدرالدین ہے۔ یہ دینی اور علمی لحاظ سے سیرالیون کی چند چوٹی کی شخصیات میں سے تھے گورنمنٹ کی طرف سے پہلے انہیں J. P. یعنی جسٹس آف پیس کا خطاب ملا پھر ممبر آف دی برٹش ایمپائر بھی بنا دیئے گئے۔ ملک کا ہر طبقہ ان کا لوہا مانتا تھا۔ انہیں کی کوشش سے لاہوری جماعت کی طرف سے ان کے مبلّغ مولوی غلام نبی صاحب مسلم فری ٹاؤن پہنچے۔ مگر بعد میں مولوی صاحب موصوف اور ان میں اَن بن ہو گئی اور مولوی صاحب کو واپس جانا پڑا۔ پھر مولانا علی صاحبؓ نے بتایا کہ ۱۹۳۸ء میں پبلک کے اصرار پہ سیرالیون مسلم کانگریس نے ایک جلسہ عام میں میرا لیکچر کرایا جس کی صدارت انہیں شیخ حیدرالدین صاحب نے کی۔ چونکہ میری تقریر سے سامعین بہت متاثر تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی صدارتی ریمارکس میں کوئی علمی بات

کئے بغیر صرف یہ کہا کہ "سامعین! مَیں آپ سب سے زیادہ عالم ہوں۔ دنیوی علوم میں بھی یدِ طولیٰ رکھتا ہوں۔ میرے نزدیک اس انڈین حاجی کی باتیں اور دلائل محض ملمع سازی اور جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ مَیں تو اس کے جھوٹے مسیح کو ماننے کی نسبت یہ پسند کروں گا کہ میرا دماغ کام کرنا چھوڑ دے۔ تا کہ اس انڈین مشنری کی باتوں پر غور ہی نہ کر سکوں اور اس فتنہ سے بچا رہوں۔ پس آپ لوگ مجھ پر اعتماد کریں اور کوئی شخص ان کی جماعت میں داخل نہ ہو خدا کے آگے آپ کی طرف سے میں جوابدہ ہوں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔ اسی لئے تو مَیں نے غلام نبی کو واپس کر دیا ہے۔ کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں اور اب اس حاجی کے پاؤں بھی یہاں جمنے نہ دوں گا اور آپ دیکھیں گے کہ اسے بھی یہاں سے قادیان بھاگنا پڑے گا۔" پھر کچھ ناواجب کلمات حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف استعمال کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "مسیح ابن مریمؑ دمشق سے ظاہر ہونگے ان کے ساتھ لشکر ہوں گے جو مغربی قوموں کو تباہ کر دیں گے اور وہ مہدی حسینی ہونگے قادیانی نہیں ہونگے۔" اس کے بعد مجھے جواب دینے کا موقع دیئے بغیر انہوں نے مسلم کانگریس سیرالیون کا وہ جلسہ برخاست کر دیا۔

مولوی علی صاحبؓ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ "اس کے بعد سے ہمیں تو خدا تعالیٰ سیرالیون میں کامیابی پر کامیابی عطا فرما رہا ہے اور جا بجا جماعتیں قائم ہو رہی ہیں ایک اسلامیہ سکول بھی ہم نے کھول دیا ہے (اس وقت ایک ہی سکول تھا اب خدا کے فضل سے بیسیوں ہیں) مسجدیں بھی بنا رہے ہیں اور خود مَیں بھی بفضلِ تعالیٰ ملک میں موجود اور جماعت کی تربیت میں مصروف ہوں اب آپ بھی میرے ساتھ آ شامل ہوئے ہیں۔ لیکن یہ شیخ حیدرالدین جے۔ پی۔ ایم بی۔ ای خود اپنی خواہش کے مطابق واقعی دماغی توازن کھو بیٹھے اور ۱۹۳۹ء سے دماغی عارضہ میں مبتلا ہیں حتیٰ کہ اب بیماری کی شدت کی وجہ سے انہیں گھر کے اندر بند کر کے رکھا جا رہا ہے۔ ان کے قبیلہ کے لوگ اعلانیہ معترف ہیں کہ حیدرالدین نے ایک خدا رسیدہ انسان اور سچی جماعت کے خلاف زبان کھولنے کا خمیازہ اس دنیا میں بھگت لیا ہے۔ بعض ان میں سے بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور اور امام وقتؑ کے الہام اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ

اِھَانَتَکَ کی صداقت کا ایک اور واضح اور زندہ ثبوت مہیا فرمایا۔"
خاکسار محمد صدیق عرض کرتا ہے کہ افسوس سیرالیون کا یہ سرکردہ باشندہ اس دماغی عارضہ سے جانبر نہ ہو سکا۔ اور تقریباً اڑھائی سال تک لَا یَمُوْتُ فِیْھَا وَ لَا یَحْییٰ والی عبرتناک حالت میں رہ کر آخر اس جہان سے چل بسا۔ ان کی وفات کے کئی سال بعد ۱۹۴۷ء میں ایک روز ان کے اکلوتے صاحبزادے عمر حیدرالدین اپنے چودہ سالہ بیٹے یعنی حیدرالدین صاحب کے پوتے کو جس کا نام اپنے دادا کی طرح حیدرالدین ہی تھا میرے پاس "بو" لے کر آئے اور بصد منت اصرار کیا کہ اسے احمدیہ سکول "بو" میں داخل کر کے بورڈنگ ہاؤس میں رکھ لیا جائے۔ کیونکہ فری ٹاؤن میں آوارگی کے سوا اس کا کوئی کام نہیں۔ نیز کہنے لگے کہ آپ یقین کریں میں اپنے والد شیخ حیدرالدین کی طرح آپ کا مخالف نہیں ہوں بلکہ دل سے آپ کی جماعت کو سچا سمجھتا ہوں اور اسلام کی اشاعت کے لئے آپ کی تبلیغی مساعی کا مداح ہوں۔

میں نے اس خیال سے شیخ حیدرالدین صاحب کے اس پوتے کو سکول اور بورڈنگ میں داخل کر کے اپنے ہی پاس رکھ لیا کہ شاید وہ خصوصی نگرانی کے بعد اپنے خاندان کے لئے بہتر ثابت ہو۔ بہرکیف چند ماہ تو وہ لڑکا اچھی طرح پڑھتا رہا۔ سکول کے استاد بھی مطمئن رہے لیکن پھر اس کے خلاف لڑکوں کی چیزیں چرانے اور دیگر مختلف قسم کی شکایات ہونے لگیں۔ سکول سے بھی غائب رہنے لگا۔ پھر بھی میں نے اس کی اصلاح کی کوشش جاری رکھی۔

آخر ایک دن سکول میں ایک سنگین جرم کرنے پر اس کو ہیڈ ماسٹر نے میرے فیصلے کے مطابق سرِعام سخت بدنی سزا دی۔ سزا کے بعد اس نے لڑکوں سے کہنا شروع کر دیا کہ "میں اس کا بدلہ ضرور لوں گا۔" مگر یہ بات مجھ تک کسی نے نہ پہنچائی۔ چنانچہ اس سزا کے ایک ہفتہ بعد حیدرالدین نے انتقامی جذبہ کے ماتحت اس مُلک کی ایک زہریلی بوٹی پسے ہوئے شیشے میں ملا کر میرے بستر پر بکھیر دی۔ گرمیوں کا موسم تھا رات کو مجھے شدید خارش شروع ہو گئی۔ اور صبح تک میرے بدن کی تمام جلد سُوج گئی۔ جماعت کے ایک بزرگ حاجی علی روجرز صاحب نے فوراً پتہ کر لیا کہ کیا ہوا ہے اور کس کی شرارت ہے۔ غرض پھر مجھے کئی روز تک "بو" گورنمنٹ ہسپتال میں

زیرِ علاج رہنا پڑا - روزانہ انجکشن لگتے رہے اور آخر خدا کے فضل سے تکلیف بالکل رفع ہو گئی۔ تاہم وہ لڑکا حیدر الدین اپنے اس نئے جرم کا افشا ہوتے ہی غائب ہو کر فری ٹاؤن بھاگ گیا۔ پھر چند ماہ بعد سُنا کہ اس کا باپ عمر حیدر الدین ٹی بی میں مبتلا رہ کر فوت ہو گیا ہے اور پھر ڈیڑھ دو سال بعد اس کا وہ لڑکا بھی فری ٹاؤن میں اسی مرض کا شکار ہو کر دنیا سے چل بسا۔ گویا خدا کے مامور کا انکار و تذلیل کرنے والے آنریبل شیخ حیدر الدین جے۔پی۔ایم۔بی۔ای فری ٹاؤن کی نسل ہی ختم ہو گئی ؎

میدانِ تبلیغ کی ایک ناقابلِ فراموش رات

جنگِ عظیم دوم کے دَوران اپریل ۱۹۴۰ء میں ایک روز حضرت مولانا نذیر احمد علی رضی اللہ عنہ اور خاکسار سیرالیون (مغربی افریقہ) کے کاسری نامی ایک تجارتی قصبہ میں تبلیغ کے لئے گئے جو فری ٹاؤن سے تقریباً چالیس میل دُور ایک وسیع و عریض دریا کے کنارے واقعہ ہے۔ وہاں پر پہلے بھی ایک مرتبہ حضرت مولانا مرحوم پیغامِ حق پہنچا چکے تھے جس کے بعد وہاں مخالفت بڑھ گئی تھی اب یہ ہمارا وہاں دوسرا دَورہ تھا۔ اس علاقہ کے لوگوں کی اکثریت ایسے فولانی قبائل کی ہے جنہیں اپنے اسلام پر بہت ناز ہے اور جو اپنا تعلق عرب نسل سے بیان کرتے ہیں گو عملاً سیرالیون کی مشہور برائیاں بھی زیادہ تر انہیں میں پائی جاتی ہیں تاہم سیرالیون کے علماء کی اکثریت بھی اُنہیں میں سے ہے۔

لوکل اکابر کا تعصّب اگرچہ ہمیں وہاں جانے سے قبل ہی معلوم ہو گیا تھا کہ قصبہ کے بعض لوکل اکابر نے ہمارے خلاف جھوٹی باتیں گھڑ کر عوام کو ہم سے متنفر کر دیا ہے اور لوگوں سے یہ عہد لے رکھا ہے کہ ہمیں وہاں ٹھہرنے کے لئے کوئی جگہ نہ دے تاہم چونکہ ہمارے تبلیغی دَورے کا مقصد محض اسلام کا بول بالا کرنا مسلمانوں کو اسلام کی تعلیم کی حقیقی رُوح سے آگاہ

کرنا اور غیر مسلموں اور عیسائیوں کو اسلام کا پیغام پہنچانا ہی تھا اس لئے ہم نے وہاں جا کر اپنے متعلق پھیلی ہوئی غلط فہمیاں دور کرنا ضروری سمجھا اور خیال کیا کہ کہیں نہ کہیں تو ہمیں وہاں دو چار روز رہنے کے لئے جگہ مل ہی جائے گی۔

بستی والوں کا مہمان نوازی سے انکار چنانچہ ۱۳ اپریل ۱۹۴۰ء کو ہم "روکوپر" سے بذریعہ کشتی روانہ ہو کر مغرب کی نماز کے وقت کاسری پہنچے۔ ہمارا پروگرام وہاں پر تین چار روز ٹھہر کر گھر گھر تبلیغ کرنا اور لیکچروں کا انتظام کرنا تھا۔ کشتی سے اتر کر ہم سیدھے وہاں کے مشرک چیف کے بنگلے پر پہنچے۔ کیونکہ وہاں کے رواج کے مطابق ہر آنے والے مہمان کی مہمان نوازی چیف کی ذمہ داری ہوتی ہے جس کے لئے اسے کچھ گرانٹ بھی ملتی ہے۔ لیکن ہمیں معلوم ہوا یا شائد غلط طور پر ہمیں بتایا گیا کہ چیف صاحب اپنے فارم سے ابھی واپس نہیں آئے۔ اور اس طرح کم و بیش تمام ذمہ دار لوگوں کی طرف سے خاموش مخالفت اور بے رخی کی وجہ سے ہم خاصے پریشان ہوئے۔ ہماری کشتی وہاں سے آگے فری ٹاؤن بھی روانہ نہ ہو سکتی تھی۔ کیونکہ پانی کا بہاؤ صبح چار بجے تک کشتی کے موافق نہ تھا اور کشتی کا مالک اسے کنارے سے دور دریا کے اندر لنگر انداز کر کے محوِ خواب ہو چکا تھا۔ بستی میں ہمارے بعض واقف کار اور ہمدرد اشخاص بھی ہمارے مخالفوں سے بری طرح مرعوب تھے۔ ہمارے ساتھ روکوپر (ROKOPUR) احمدیہ سکول کے ایک استاد اور چار طالب علم تھے جنہیں اونقین ہونے کی وجہ سے کہیں جگہ مل گئی اور وہ ہمارا سامان بھی حفاظت کے لئے اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں بعض لبنانی تاجروں کی دکانیں بھی تھیں جو دریا پر نہایت چھوٹی چھوٹی لکڑی اور ٹین کی عارضی عمارتوں میں رہتے تھے۔ جن کا اکثر حصّہ دریا کے اندر بنایا گیا تھا۔

لبنانی عرب تاجروں کی خوش خلقی بہر کیف ہم اس سراسیمگی اور پریشانی کے عالم میں رات کو اس بستی کے بڑے بازار میں پھر رہے تھے کہ ایک لبنانی مسلمان نوجوان ہمارے ساتھ ہندوستان کے سیاسی حالات پر گفتگو کرنے لگا اور ہماری عربی دانی اور عام معلومات سے

بتا متأثر ہو کر ہمیں اپنے مکان پر لے گیا جہاں اس کے کئی ہمسایہ عرب دوست بھی آ گئے اور تقریباً دس بجے شب تک اسلام اور احمدیہ عقائد پر دلچسپ گفتگو ہوتی رہی انہوں نے باصرار ہمیں کھانا بھی پیش کیا۔ وہ خدا کے فضل سے ہماری باتوں سے اتنے متأثر ہوئے کہ ہم سے سلسلہ کا عربی لٹریچر بھی باصرار طلب کیا جو صبح ہونے پر ہم نے انہیں پیش کر دیا۔ تاہم رات کو ان سے رخصت ہوتے وقت ہم نے ان پر اشارۃً بھی یہ ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا کہ شب باشی کے لئے ہمیں جگہ نہیں ملی۔ اور وہ بھی یہ سمجھتے تھے کہ لوکل چیف نے ہماری میزبانی کا فرض ادا کیا ہو گا۔

دریا کی رات کا سہانا منظر

ان عرب تاجروں سے رخصت ہو کر ہم بستی سے باہر ایک میدان میں ایک چھوٹے سے چشمہ کے قریب بیٹھ گئے۔ سمندر نما دریا کے کنارے پر تقریباً آدھ میل میں پھیلی ہوئی وہ تاجروں اور ملاحوں اور مچھیروں کی بستی چاندنی رات میں بڑا سہانا اور جاذب نظر منظر پیش کر رہی تھی۔ آسمان پر چھوٹی چھوٹی سفید بدلیوں کے ٹکڑوں کے درمیان چاند یوں بھاگتا پھرتا تھا جیسے وہ اُن سے آنکھ مچولی کھیل رہا ہو جبکہ زمین پر بہتا ہوا وسیع دریا لمحہ بہ لمحہ فلم کی طرح ان کے اس کھیل کا عکس لینے میں مصروف تھا اگرچہ وہ سارا علاقہ زہریلے سانپوں اور جنگلی جانوروں وغیرہ کے لئے مشہور ہے اور مگرمچھ کے حملوں کی وارداتیں تو وہاں بہت ہی عام ہیں۔ مگر ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس رات ہر شر سے محفوظ رکھا۔ رات بھر نہایت خوشگوار ہوا چلتی رہی جس سے ہم محظوظ ہوتے رہے۔

بستی والوں کیلئے خاص دعائیں

کچھ دیر ہم نے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد بستی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلنا شروع کر دیا جبکہ ساری آبادی شہر خموشاں کا منظر پیش کر رہی تھی۔ نصف شب کے بعد ہم دریا کے کنارے ایک جگہ ریت پر بیٹھ گئے اور قرآن کریم کے جو حصے ہمیں زبانی یاد تھے خوش الحانی سے ایک دوسرے کو سناتے رہے۔ پھر بعض اہم آیات کی تفسیر کے بارے میں کچھ تبادلہ خیالات کیا اور پھر دعا کی طرف طبیعت راغب ہوئی تو حضرت مولانا علی رضی اللہ عنہ نے لمبی دعا کرائی۔ مسنون دعائیں بالجہر پڑھنے

کے بعد بڑی رقّت سے اسی بستی والوں کی ہدایت اور بہتری کے لئے اور اسلام اور احمدیّت کی ترقی اور اپنے نیک مقاصد کے لئے ہم نے جی بھر کے دعائیں کیں۔

بستی کی مسجد کی قابلِ افسوس حالت

اس کے بعد خاکسار نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض اُردو اور عربی اشعار حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا منظوم کلام "نونہالانِ جماعت" اور پھر اپنی بعض نظمیں خوش الحانی سے سُنائیں اور اُٹھ کر پھر ٹہلنا شروع کر دیا کہ اتنے میں صبح کے تین بج گئے ہم وضو کر کے بستی کے اندر داخل ہوئے اور مسجد تلاش کی مسجد کے اندر جب ٹارچ سے روشنی ڈالی تو یکدم بھگدڑ مچ گئی اور اندر بھیڑ بکریوں نے بدک بدک کر باہر نکلنا شروع کر دیا۔ جنہوں نے مسجد کو خوب گندا کیا ہوا تھا۔ ایک دو چٹائیاں ایک کونے میں پڑی تھیں ہم نے وہ صاف کر کے بچھائیں اور تہجّد کی نماز ادا کی۔

اذانوں کے ذریعہ پیغامِ حق پہنچایا

اس کے بعد صبح ہونے پر یہ خیال کر کے کہ نہ اس بستی کے لوگوں نے ہمیں تبلیغ کرنے دی ہے، اور نہ ہماری مہمان نوازی کی ہے تاہم ان کے کانوں تک کسی نہ کسی طرح پیغامِ حق پہنچا دینا چاہیئے۔ ہم دونوں نے اپنے مخصوص انداز میں بآوازِ بلند باری باری نمازِ فجر کی اذان دی۔ اس مسجد میں کبھی کبھار ہی نماز باجماعت ہوتی تھی لیکن اس صبح کچھ اجنبی اور بلند آواز سے دی گئی اذانیں سُنکر بعض مشرک لوگ بھی گھروں سے نکل کر ہمیں دیکھنے کے لئے وہاں آ گئے۔ نیز بعض لوکل اکابر جو اپنے اپنے گھروں کے باہر تھڑوں پر ہی نماز پڑھنے کے عادی تھے اس خیال سے ہاتھوں میں لمبی لمبی تسبیحیں پکڑے مسجد میں آ گئے کہ شاید بستی کے کچھ لوگ ان ہندی نووارد دین کے ساتھ مل گئے ہیں اور انہوں نے قصبہ کی مسجد پر قبضہ کر لیا ہے۔ چنانچہ وہ ہمارے سامنے ہی مشورے کرنے لگے کہ آئندہ مسجد کو تالا لگا کر رکھا جائے۔ تاہم اُنہیں میں سے دو تین شریف الطبع افراد اُن کی مخالفت کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ لوگ بہرحال کلمہ گو ہیں اور خدا کا نام بلند کرنا ہی ان کا کام ہے ان کی اذان بھی وہی ہے جو ہماری ہے خدا کا گھر ہر کلمہ گو کے لئے کھلا رہنا چاہیئے۔ ہم نے کہا چلو ہمارے آنے کا اتنا فائدہ ہی سہی کہ رات کو مسجد اب بند کر دی جایا کرے گی اور بکریوں کا

باڑا بننے سے بچی رہے گی اور صاف ستھری رہے گی۔

ہماری نماز سے غلط فہمیاں دُور ہوگئیں

اُن کی نماز کے بعد ہم دونوں نے بھی باجماعت نماز ادا کی ان میں سے اکثر لوگ بڑی توجہ اور دلچسپی سے ہماری حرکات اور ارکان نماز دیکھتے رہے بلکہ ہماری نماز کے دَوران ہی اپنے امام کو کہنے لگے کہ ہماری اور ان احمدی مسلمانوں کی نمازیں تو صرف اتنا ہی فرق نظر آتا ہے کہ یہ لوگ سینہ پر ہاتھ باندھ کر پڑھتے ہیں اور ہم ہاتھ چھوڑ کر پڑھتے ہیں۔ بہرحال اس طرح ان پر یہ جھوٹ کھُل گیا کہ احمدیوں کی نماز احمدیوں کا قبلہ اور کلمہ عام مسلمانوں سے الگ ہے۔ چنانچہ بعض کے ساتھ وہیں مسجد کے باہر کھڑے نماز اور عقائد کے بارے میں ہماری تفصیلی اور کامیاب گفتگو بھی ہوئی جس سے ان کی غلط فہمیاں دُور ہوگئیں لیکن اپنے اکابر کے خوف کی وجہ سے انہیں جرأت نہ ہوئی کہ ہمیں وہاں ٹھہرنے کی دعوت دیتے۔ وہاں اُن سے باتیں کرتے کرتے ہی سورج طلوع ہونے پر ہماری کشتی روانگی کے لئے تیار ہوگئی۔ اور پھر ہم چند گھنٹوں میں بخیریت فری ٹاؤن پہنچ گئے ؟

ڈانمبارا میں جماعت احمدیہ کا قیام اور خدائی حفاظت

اپریل ۱۹۴۰ء کے آخر میں حضرت مولانا نذیر احمد علی رضی اللہ عنہ اور خاکسار سیرالیون کے شہر "بو" سے بارہ میل کے فاصلہ پر ریاست سلینگا کے مرکزی قصبہ ڈانمبارا (DAMBARA) میں تبلیغ کے لئے گئے۔ اس قصبہ کا ناخواندہ پیرا مونٹ چیف محض اس لئے عیسائی تھا کہ اس کے لڑکے عیسائی سکولوں میں پڑھ کر عیسائی ہو گئے تھے۔ اور ڈانمبارا میں کیتھولک عیسائی چرچ کی سرپرستی کر رہے تھے۔ ورنہ درحقیقت اس کے آباؤ اجداد مسلمان تھے۔ تاہم عیسائیت کے زور اور ظاہری دبدبہ کی وجہ سے وہاں کی مسجد بھی غیر آباد پڑی تھی۔ مسلمانوں کے پندرہ بیس گھر تھے لیکن وہ لوگ عیسائیوں سے اتنے مرعوب تھے۔ کہ نمازیں بھی صرف اپنے اپنے گھروں میں چھپ کر

ادا کرتے تھے۔ ہم نے ایک ہفتہ وہاں ٹھہر کر چیف کی عدالت میں چار پانچ مرتبہ اسلام کی صداقت پر پبلک لیکچر دیئے جن میں پیرا مونٹ چیف خود بھی شامل ہوتا رہا عیسائی پادری صاحب سے پہلے روز ہماری پبلک گفتگو ایسی کامیاب رہی کہ اس کے بعد جب تک ہم وہاں رہے وہ شرم کے مارے گھر سے باہر نہ نکل سکے۔ ہم نے پیرا مونٹ چیف کی اجازت سے اس کے مکان کے صحن میں باجماعت نمازیں بھی ادا کرنی شروع کر دیں۔ جن میں مسلمانوں اور مشرکوں کے علاوہ کبھی کبھی چیف خود بھی ہمارے ساتھ شریک ہو جاتا۔

اس دوران ایک روز حضرت مولانا علی صاحب رضؓ نے قصبہ کے مسلمانوں کی میٹنگ بلائی اور انہیں آمد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خبر دے کر احمدیت سے تفصیلی طور پر متعارف کرایا۔ نیز انہیں آمادہ کیا کہ وہ اپنی مسجد درست کر کے اس میں نمازیں ادا کیا کریں۔ انہوں نے یہ عذر کیا کہ ہم غریب لوگ ہیں ہمارا عیسائی چیف اور اس کا خاندان برا منائے گا۔ لیکن مولانا صاحب رضؓ نے انہیں جرأت دلائی اور چیف سے خود بات کرنے کے علاوہ احمدیہ مشن کی طرف سے ہمیشہ ان کی مدد اور سرپرستی کرنے کی انہیں پیش کش بھی کی۔ چنانچہ وہاں آخری دو روز ہم نے ان غریب اور بے نوا مسلمان بھائیوں کے ساتھ قصبہ کی اسی ٹوٹی پھوٹی مسجد میں نمازیں ادا کیں اور اس دوران اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان میں سے بیس افراد مع امام مسجد بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔

جب پہلی مرتبہ ہم نے اس مسجد میں نماز مغرب ادا کی تو مسجد میں صرف دو نہایت بوسیدہ چٹائیاں تھیں اور گھاس کی چھت بھی جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی فرش بھی کچا اور نہایت گندہ تھا۔ چھت نیچی تھی اس لئے تین طرف دروازے ہونے کے باوجود مسجد کے اندر اندھیرا سا لگتا تھا۔ تاہم اس وقت مٹی کے تیل کے ایک دیئے کا انتظام کر لیا گیا تھا۔ محراب میں کوئی چٹائی نہ تھی۔ حضرت مولانا صاحب رضؓ نے اپنا کپڑے کا جائے نماز بچھا لیا۔ اور نماز مغرب پڑھانی شروع کر دی اتنے میں بارش شروع ہو گئی اور نماز کی دوسری رکعت میں ایک شخص نے دیکھا کہ ایک نہایت ہی زہریلا سانپ مسجد کے ایک دروازے سے داخل ہو کر دیوار کے ساتھ ساتھ چٹائیوں کی اوٹ سے رینگتا ہوا محراب میں جو عام

فرش سے کچھ اُونچا تھا۔ داخل ہو گیا ہے لیکن اس شخص کو دین کا علم اتنا نہیں تھا کہ ایسے وقت میں نماز کو توڑ کر سانپ کو مارنا ضروری ہوتا ہے اور نہ اسے اس کی جرأت ہوئی۔ وہ نماز ختم ہونے تک خاموش رہا۔ اتنے میں سانپ دیوار کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا صاحبؓ کے آگے پہنچ کر ان کے گدیلا نما جائے نماز کے نیچے چھپ گیا۔ چونکہ محراب میں اندھیرا تھا اس لئے مولانا صاحبؓ کو یا مجھے یا کسی اور کو وہ سانپ نظر نہ آیا۔

نماز ختم ہونے پر اسی شخص نے ہمیں بتایا کہ مولانا صاحبؓ کے جائے نماز کے نیچے سانپ چھپا ہے بلکہ ایک دو اور دوستوں نے بھی کہا کہ ہمیں بھی نماز میں ایسا ہی شبہ ہوا تھا۔ اس پر مسجد میں بھگدڑ سی مچ گئی اور اکثر لوگ باہر نکل آئے۔ مولانا صاحبؓ بھی محراب چھوڑ کر فوراً پیچھے ہٹ آئے۔ اور اس کے بعد وہ سانپ مار دیا گیا۔ دیکھنے والوں نے بتایا کہ وہ نہایت زہریلا ہونے کے علاوہ ایسا سانپ ہے جو ضرور ڈستا ہے۔ تاہم اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے حضرت مسیح محمدی علیہ السلام کے ایک فدائی مجاہد اور اس کے ساتھیوں کو اس موذی سانپ سے محفوظ رکھا۔ الحمد للہ۔

ایک مخلص سکول ماسٹر اور لوکل معلّم کا ذکرِ خیر

عیسائیت چھوڑ کر قبولیت اسلام

سیرالیون میں روکوپر (ROKOPUR) اور پورٹ لوکو (PORTLOCO) کے درمیان بنتی (BINTI) نامی ایک قصبہ ہے جہاں کسی وقت بڑا مضبوط عیسائی مشن قائم تھا۔ حالانکہ اس قصبہ کی اکثریت فولانی قوم کے مسلمان قبائل پر مشتمل ہے۔

اگست ۱۹۳۸ء کے آخر میں اس قصبہ میں امریکن عیسائی مشنری عورتوں سے مکرم مولانا نذیر احمد علی صاحب رضی اللہ عنہ کی کامیاب پبلک گفتگو ہوئی ان دنوں وہاں ان مشنری

عورتوں کے پاس ایک فولانی نوجوان مسٹر عمر جاہ عیسائی مذہب قبول کر کے ان کے زیر تربیت رہتا تھا جو بچپن میں ہی ان کے ہتھے چڑھ جانے کی وجہ سے عیسائی ہو گیا تھا وہ یہ مذکورہ بالا مباحثہ بڑی توجہ سے سنتا رہا اور اتنا متأثر ہوا کہ اس نے اسی وقت ہمارے مولانا صاحبؓ کے ذریعہ اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو اسلام اور احمدیت کی خدمت کے لئے وقف کر دیا اور مزید تربیت کے لئے مولانا صاحب کے ہمراہ جانے کو تیار ہو گیا۔

چنانچہ مولانا علی صاحبؓ نے اسے چند ماہ اپنے زیر تربیت رکھکر بطور ایک سکول ٹیچر اور لوکل معلّم کے ملازم رکھ لیا۔ چنانچہ بعد میں وہ خدا کے فضل سے بڑا مخلص اور کامیاب لوکل مبلّغ ثابت ہوا اور ۱۹۴۷ء تک بڑی محنت اور تندہی سے جماعت کے سکولوں میں بطور ہیڈ ٹیچر کام کرتا رہا۔ لیکن افسوس وہ بتقضائے الٰہی چھوٹی عمر میں ہی ۱۹۴۸ء میں بیمار ہو کر فری ٹاؤن میں وفات پا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے۔ آمین۔

ایک بدعت کی اصلاح

جب مارچ ۱۹۴۰ء میں خاکسار انگلینڈ سے تبدیل ہو کر سیرالیون آیا تو اس وقت عزیز عمر جاہ ماؤ ماہون احمدیہ سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے اور لوکل احمدیہ مسجد کے امام کا عہدہ بھی سنبھالے ہوئے تھے اور بڑے جذبے اور اخلاص سے وہ ہماری اس دوران اس مرکزی جماعت کی خدمت میں مصروف تھے۔ ماہ اپریل میں جب میں "بو" سے پہلی مرتبہ باؤ ماہون پہنچ کر نماز کی ادائیگی کے لئے احمدیہ مسجد میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ مسٹر عمر جاہ اللہ اکبر سے السلام علیکم تک پوری کی پوری نماز بلند آواز سے پڑھا رہے ہیں۔ بعد میں علیحدگی میں میرے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ چونکہ نمازیوں میں سے اکثر نومسلم ہونے کی وجہ سے نماز کے عربی الفاظ اور تلفّظ سے ابھی ناآشنا ہیں اس لئے محض انہیں سکھانے کے لئے وہ چند روز سے ساری نماز بالجہر پڑھاتے ہیں تاکہ سیکھنے میں انہیں آسانی ہو۔

مَیں نے انہیں بہت سمجھایا کہ یہ طریق شرعی لحاظ سے نادرست ہے اور فرض نماز کی اس طرح ادائیگی جائز نہیں ہے ایسی تبدیلیاں دین میں خدا اور اس کے

رسول کے کے سوا کوئی نہیں کر سکتا مگر وہ سمجھ نہ سکے اور اس بحث میں پڑے رہے کہ قرآن کریم میں تو اس کی ممانعت کہیں نہیں لکھی اور حدیث اور سنّت قرآن کریم کے مقابل پر غیر یقینی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اس پر مَیں نے بڑی تفصیل سے انہیں بتایا کہ سنّت و حدیث بھی دین کا بنیادی حصّہ ہیں اور انہیں کسی صورت میں ردّ یا ترک نہیں کیا جا سکتا نیز یہ بھی نادرست ہے کہ وہ غیر یقینی ہیں۔ قرآن کریم بے شک یقینی طور پر خدائے عزّ وجل کا کلام ہے اور سنّت اور حدیث خدا کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل ہیں جنہیں کسی طرح اور کسی وجہ سے بھی ردّ نہیں کیا جا سکتا۔ سوائے اس کے کہ کوئی بات قرآن کریم کے صریح خلاف نظر آئے۔ پس نماز میں اس قسم کی بدعت پیدا کرنے سے خواہ عارضی اور محض سکھانے کی غرض سے ہی ہو یہ خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ کہیں یہ طریق بھی کسی وقت دین کا حصّہ نہ بن جائے۔ نومسلموں اور بچوں کو نماز سکھانے کے کئی اور معقول اور مفید طریق ہیں جنہیں اختیار کرنا چاہیئے۔ نیز قرآن کریم میں ہمیں واضح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ ہم خدا کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور نمونہ سے اِدھر اُدھر نہ ہٹیں اور دین کے معاملات میں احکام و سنّت کو مِن وعَن بجا لائیں۔

آخر کار طویل بحث و تمحیص کے بعد وہ سمجھ گئے اور انہوں نے نماز پڑھانے کا وہ صریح غلط طریق ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا۔

معلّم محمد ابراہیم ذکی کا قبولِ احمدیت

عزیز محمد ابراہیم ذکی ہماری جماعت میں شمولیت سے قبل دین اسلام کا محض سطحی سا علم رکھتے تھے۔ کچھ عرصہ انہوں نے ہمارے سلسلہ کی مخالفت بھی کی تھی لیکن الحمد للہ کہ مئی ۱۹۴۰ء میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بیعت کرنے اور باقاعدہ جماعت میں داخل ہونے کی توفیق دی۔ جس کے بعد وہ عربی زبان سیکھنے اور دینی تعلیم و تربیت کے لئے دو سال تک میرے ساتھ رہے۔ اور بطور ترجمان ملک کے مختلف علاقوں میں میرے ہمراہ تبلیغی سلسلہ میں گھومتے رہے۔ مجھ سے انہوں نے عربی کی درسی کتب کے علاوہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی کتب "حمامۃ البشریٰ"۔ "استفتاء" اور "قصائد احمدیہ" بڑی توجہ سے سبقاً سبقاً پڑھے جس کے بعد وہ مستقل طور پر لوکل احمدی منّاد اور معلّم بنا دیئے گئے لیکن پھر چند سال کام کرنے کے بعد وہ اپنے گھریلو حالات کی بناء پر تجارتی کاروبار کرنے پر مجبور ہو گئے۔

مخالفین کی طرف سے تشدّد

جماعت کے معلّم کی حیثیت سے کام کرنے کے دوران کئی مرتبہ معلّم ذکی پر مخالفین احمدیت کی طرف سے تشدّد بھی کیا گیا۔ لیکن انہوں نے خدا کے فضل سے ہر ابتلاء ثابت قدمی سے برداشت کیا۔ نومبر ۱۹۴۳ء میں جبکہ وہ جماعت کی طرف سے ریاست کویا (KOYA) کا دورہ کر رہے تھے انہیں وہاں کے پیرامونٹ چیف نے محض احمدیت کی تبلیغ کرنے کی پاداش میں تین پونڈ جرمانہ کر دیا جبکہ ان کا ماہوار الاؤنس ڈیڑھ پونڈ تھا جب وہ ادا نہ کر سکے تو چیف نے انہیں نیم برہنہ حالت میں تین ہفتہ کے لئے لوکل جیل میں ڈال کر ڈی سی کو رپورٹ کر دی کہ معلّم ذکی بغیر اجازت ان کی ریاست میں تبلیغ کر رہے تھے تاہم خاکسار نے ڈی سی سے ملاقات کر کے وضاحت کر دی کہ اس سزا کا واحد موجب چیف کا تعصّب اور عداوت ہے۔ چنانچہ آٹھ دس روز کے بعد انہیں ڈی سی کے حکم سے رہا کر دیا گیا اور جرمانہ بھی نہ لیا گیا۔

احمدیّت میں شمولیت سے قبل کی حالت

احمدیت میں شمولیت سے پہلے وہ دو بیویوں کے خاوند ہونے کے باوجود اولاد کی نعمت سے محروم تھے یہ صورتِ حال دیکھ کر خاکسار نے بیلا ہون احمدیہ جماعت کے صدر برادرم مصطفےٰ کوجے کی ایک لڑکی سے ان کی شادی کرادی جس سے ان کے ہاں بہت اولاد ہوئی بلکہ اس کے بعد ایک پہلی بیوی سے بھی اولاد ہوگئی۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شامل ہونے سے قبل ان کا ذریعہ معاش زیادہ تر تعویذ وغیرہ لکھکر بیچنا تھا لیکن احمدی ہونے کے بعد وہ اس غیر اسلامی کاروبار سے تائب ہو کر سچے مسلمان بن گئے۔ اس زمانۂ جاہلیّت کے دلچسپ واقعات وہ ہمیں اکثر سُنایا کرتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے بیان کیا کہ

"خود بے اولاد ہونے کے باوجود مَیں بے اولادوں کو مؤثر تعویذ دینے میں مشہور تھا اور میری کمائی کا بڑا ذریعہ بھی یہی تھا۔ تاہم اب احمدی مسلمان ہونے کے بعد مجھے یہ سوچ کر بھی شرم محسوس ہوتی ہے کہ پہلے مَیں کس طرح خلقِ خدا کو بیوقوف بنایا کرتا تھا۔ اس لئے اب مَیں بہت استغفار کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ مجھے معاف کرے مثال کے طور پر ایک مرتبہ مُٹنی قبیلہ کا ایک شخص نہایت افسردگی کی حالت میں میرے پاس آیا اور اس نے کئی شادیاں کرنے کے باوجود اپنے بے اولاد ہونے کا ذکر کر کے اولاد کے حصول کے لئے مجھ سے تعویذ طلب کیا اور میری مطلوبہ رقم پندرہ پونڈ بھی مجھے پیش کردی۔ مَیں نے اسے کہا کہ کہیں سے ایک نہایت سفید مرغی حاصل کرے اور دو روز تک بھوکا رکھنے کے بعد اسے میرے پاس لائے۔ مَیں اس پر دم کردوں گا جس کے بعد اسے ذبح کرنے پر اس کے اندر سے جو تعویذ نکلے گا وہ اسے اپنی بیوی کے دائیں بازو پر باندھ دے انشاءاللہ وہ حاملہ ہو جائے گی۔ اس دوران میں نے ایک تعویذ لکھکر آٹے کے چھوٹے سے گولے میں چھپا دیا۔ جب وہ دو روز بھوکی سفید مرغی کو لے کر میرے پاس آیا تو میں نے اُسے اندر لے جا کر وہ آٹے کا گولا

اس کے سامنے رکھا جسے وہ فوراً نگل گئی۔ پھر وہ مُرغی اسے واپس کرتے ہوئے مَیں نے اسے کہا کہ میرے دم کرنے کے نتیجہ میں اب اس کے پوٹے سے ایک تعویز قدرتِ الٰہی سے برآمد ہوگا اسے احتیاط سے نکال کر حسب ہدایت وہ اپنی بیوی کے دائیں بازو پر باندھ دے وہ ضرور حاملہ ہو جائے گی۔"

اس شخص کے ہاں پھر اولاد ہوئی یا نہ ہوئی یہ مجھے علم نہیں کیونکہ پھر میں وہ علاقہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلا گیا تھا اور اُدھر کبھی واپس نہ گیا۔ مجھے افسوس ہے کہ احمدیت قبول کرنے سے قبل مَیں اسی قسم کے ہتھکنڈوں سے روپیہ کمایا کرتا تھا جس کا تصوّر کر کے بھی اب شرم محسوس ہوتی ہے اللہ تعالےٰ معاف فرمائے۔

بیماری میں چوری کی واردات

۱۹۴۰ء میں جب خاکسار تبلیغی سلسلہ میں سیرالیون کے قصبہ باؤ ماہون میں مقیم تھا مجھ پر ملیریا کا شدید حملہ ہوا۔ مئی کے مہینہ میں بیماری لمبی ہو کر ٹمپریچر ۱۰۴ تک ہونے لگا اور ساتھ ہی شدید تشنج بھی ہو گئی۔ چونکہ لوکل طور پر کوئی صحیح علاج میسّر نہیں تھا اس لئے حضرت مولانا نذیر احمد علی صاحبؓ مبلغ انچارج مجھے بغرض علاج "بو" لے گئے۔ بارہ میل کا سفر ڈولی میں اور پچیس میل ٹرک میں طے کرنے سے تکلیف اور بڑھ گئی۔ تاہم بو گورنمنٹ ہسپتال میں دو ہفتے زیرِ علاج رہنے سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحت ہو گئی اور مورخہ ۵ / جون ۱۹۴۰ء کو مجھے ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا۔

اس وقت "بو" میں ہماری مخالفت عیسائی مشنوں کی طرف سے زوروں پر تھی ہمارا اپنا وہاں ابھی کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ "بو" کے متعصب اور مخالفِ اسلام پیراماونٹ چیف کی ناراضگی کے خوف سے ہمارے ہمدرد بھی ہمیں اپنے ہاں ٹھہرانے سے گریز کرتے تھے۔ ہوٹل کے خرچ کی ادائیگی بھی مشکل تھی۔ آخر ہسپتال سے بالکل قریب ایک عیسائی کلرک نے ہمیں دو چار روز کے لئے اپنے مکان میں ٹھہرا لیا حضرت

مولانا علی صاحبؓ کو اس روز دَمہ کے دَورے کے علاوہ بخار بھی ہو گیا۔ خاکسار بھی ابھی بہت کمزور تھا۔ رات کو کمرے میں اُن کا دم گھٹنے لگا۔ تو مَیں نے ان کے کہنے پر کمرے کی کھڑکی کھول دی انہوں نے کہا کہ وہ بعد میں خود ہی بند کر دیں گے۔ لیکن پھر بخار سے غنودگی اس قدر بڑھ گئی کہ وہ کھڑکی بند نہ کر سکے اور میری بھی آنکھ لگ گئی۔

صبح اُٹھ کر دیکھا تو ہم دونوں کے ٹرنک غائب تھے گویا تن کے لباس کے سوا سب قیمتی کپڑے اور سامان اور کتب وغیرہ چوری ہو گئیں۔ اسی سامان میں قادیان سے آمدہ ہمارے ذاتی اخراجات کے لئے آٹھ ماہ کی رقم چالیس پونڈ کے پوسٹل آرڈرز بھی تھے جو چوروں کے ہاتھ لگ گئے۔ اس وقت سیرالیون میں ابھی جماعت کی کوئی لوکل آمد نہ تھی۔ اور بظاہر مرکز سے آمدہ پانچ پونڈ ماہوار پر ہی ہم دونوں کا انحصار تھا! س لئے آٹھ ماہ کی ساری رقم ضائع ہو جانے پر ہمیں آئندہ شدید مالی مشکلات پیدا ہونے کا احساس ہونے لگا اور فکر پیدا ہوا۔ کیونکہ بیماری کی وجہ سے ہم پر قرض بھی ہو گیا تھا۔

الٰہی مدد اور احسان تاہم چوروں کے حادثہ کے متعلق کسی کو بتائے بغیر سب سے پہلے ہم دونوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور بڑے کرب اور سوز سے لمبی دعا اور استغفار کیا۔ جس سے ہماری گھبراہٹ دور ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے ہم نے چوری کا سراغ لگانے کی کوشش کی مگر کچھ پتہ نہ لگا البتہ قریب ہی ایک باغ میں ٹوٹے ہوئے ٹرنک اور ہماری اچکنیں ملیں ہم نے وہ بھی غنیمت سمجھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد ہم نے انگریز ڈویژنل کمشنر کے پاس جا کر تحریری طور پر اس چوری کی رپورٹ پیش کی جس میں چالیس پونڈ کے پوسٹل آرڈروں کے نمبر بھی درج کر دیئے۔ خوش قسمتی سے مولانا علی صاحب نے دُور اندیشی سے کام لیتے ہوئے قادیان سے اس رقم کی رجسٹری وصول کرنے کے بعد پوسٹل آرڈرز کے نمبر اپنی جیبی ڈائری میں نوٹ کر لئے تھے جو ان کی جیب میں ہی موجود تھی۔

کمشنر کا ہمدردانہ سلوک ڈویژنل کمشنر صاحب بڑی ہمدردی سے پیش آئے اور انہوں نے چوری کے متعلق دیگر کارروائی کے علاوہ ہماری درخواست پر سیرالیون کے تمام ڈاکخانوں کو بذریعہ سرکولر ہمارے

گم شدہ پی آرڈرز کے نمبروں کی اطلاع دے کر انہیں ہدایت کی کہ جو شخص بھی انہیں کیش کرانے کے لئے آئے اُسے گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ دو ماہ بعد کابالا (KABALA) کے ڈاکخانہ میں ہمارے پوسٹل آرڈرز کیش کراتے ہوئے دو چور پکڑے گئے۔ جنہیں بعد میں ایک ایک سال قید بامشقت کی سزا ملی۔ اور اس طرح گو ہمارا سامان تو نہ مل سکا۔ لیکن خدائے رحیم وکریم کے فضل واحسان سے ہمیں ہماری قوتِ لایموت کے لئے آٹھ ماہ کا الاؤنس صحیح وسلامت مل گیا۔ اور ہم نے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے ہماری دعا سُنی اور ہمارے حال پر رحم کرتے ہوئے ہمارے آقا اور امامؑ کی طرف سے عطا کردہ خرچ کی رقم غیر معمولی حالات میں چوروں سے اگلوا کر پوری کی پوری ہم تک پہنچا دی۔

امریکن پادریوں کا مباحثہ سے فرار

میری بیماری اور اس کے بعد چوری کی واردات کی وجہ سے ہمارے تقریباً پندرہ بیس روز ”بو“ میں صرف ہو گئے اس دوران یو۔ بی۔ سی (U.B.C) عیسائی مشن کے پادری ریورنڈ لیڈر Leader اور ان کے ساتھی ریاست گوراما (GORAMA) سے ہماری غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر دو تین مرتبہ ریاست کے مرکز ٹونگے آئے۔ اور وہاں کے نومسلم احمدی پیراماونٹ چیف اور ان کے ساتھ احمدی ہونے والے کئی صد نومسلموں کو اسلام سے بدظن کر کے پھر عیسائیت میں واپس لوٹانے کی کوششیں کرنے لگے۔ انہوں نے پیراماونٹ چیف بائیو (BAYO) کو یہ لالچ بھی دیا کہ اس کی ریاست کے باشندوں کے لئے اب وہاں بہت بڑا ہسپتال کھولا جائے گا اور بچوں کے لئے مشن کی طرف سے کئی سکول کھولے جائیں گے۔

چیف بائیو نے چونکہ سوچ سمجھ کر اسلام قبول کیا تھا۔ اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اور جماعت کی دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں سالہا سال

کی لمبی بیماری سے اس حد تک شفا عطا فرما دی تھی کہ وہ بستر سے اُٹھکر چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تھے اور اپنے قصبہ میں احمدیہ مسجد بنوا کر انہوں نے پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرنی شروع کر دی تھیں اس لئے انہوں نے ان یورپین پادریوں کو کہا کہ وہ ان کی موجودگی میں احمدی مبلغین سے اسلام اور عیسائیت کے عقائد پر ایک مرتبہ پھر بحث کریں۔ اگر احمدی جھوٹے ثابت ہوئے تو وہ مع دیگر نومسلموں کے دوبارہ عیسائیت قبول کر لیں گے۔ چنانچہ پادریوں کی رضامندی پر چیف نے اپنے خاص باڈی گارڈ سپاہی کو ہمارے نام ایک خط دے کر فوری طور پر باؤ ماہون بھیجا جہاں ہم "بو" سے واپس آکر آرام کر رہے تھے کیونکہ میری صحت ابھی پوری طرح بحال نہیں ہوئی تھی اور مکرم مولانا علی صاحب بھی دمہ کے دوروں سے نڈھال تھے۔

ٹونگے کو پیدل روانگی

چنانچہ اس نازک صورتِ حالات کا علم پا کر خرابی صحت کے باوجود ہم اپنے دو شاگردوں کو ساتھ لے کر مورخہ ۲۰ر جون ۱۹۴۰ء کو باؤ ماہون سے ٹونگے کے لئے پیدل چل پڑے۔ ٹونگے کی بستی باؤ ماہون سے تقریبًا بیس میل کے فاصلے پر تھی۔ اور راستہ نہایت دشوار گزار تھا جو بلند پہاڑیوں اور جنگلات سے اٹا ہوا تھا۔ پہلے دس میل چڑھائی ہی چڑھائی تھی اور پھر دس میل اُترائی تھی۔ پہلے پانچ میل کا سفر ہم نے نسبتًا آسانی سے طے کر لیا اور آرام کرنے کی غرض سے قریب ہی جنگل میں ایک چھوٹے سے گاؤں موضع بکایا میں ایک نہایت مخلص اور غریب احمدی بھائی کی جھونپڑی میں رات گزاری جس نے اپنی حیثیت سے بڑھکر ہماری مہمان نوازی کی اور اگلے روز منع کرنے کے باوجود ہمیں رخصت کرنے کی غرض سے ازخود دو میل تک ہمارے ہمراہ چل کر آیا۔ فَجَزَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ ہمارے دونوں ساتھی لڑکے ہمارے سامان کے ساتھ بہت آگے جا چکے تھے۔ اور اب ہم دونوں اکیلے ہی اس گھنے جنگل میں ایک تنگ سی پگڈنڈی پر جا رہے تھے کہ اچانک مجھے پیٹ میں شدید درد اور پیچش شروع ہو گئی جس کی وجہ غالبًا غیر موزوں خوراک اور جنگلی نالوں کے گندے پانی کا استعمال تھا۔

مولانا علی صاحبؓ کا ایثار

چنانچہ اس تکلیف کی وجہ سے دو تین میل چلنے کے بعد میں تھک ہار کر بیٹھ گیا جبکہ اگلا گاؤں یا

پڑاؤ ابھی مزید تین میل دُور تھا۔ جہاں ہمارے ساتھی لڑکے سامان کے ساتھ ہمارے منتظر تھے۔ آخر کچھ وقت گھاس پر لیٹے رہنے اور پوٹاشیم پرمنگنیٹ پانی میں ملا کر پینے سے پیچش کچھ کم ہو گئی اتنے میں ایک افریقن نوجوان اسی راستہ پر ہماری طرف آتا نظر آیا۔ حضرت مولانا علی صاحب رضی اللہ عنہ نے اس کی منّت کی کہ وہ تھوڑا سا راستہ خاکسار کو اپنے کندھوں پر اٹھالے چنانچہ اس کے کندھے پر میں نے کوئی ایک میل سفر کیا۔ پھر اس کا راستہ ہم سے مختلف ہو گیا اور وہ اپنے گاؤں کی طرف چل دیا۔ اور ہم پھر اکیلے رہ گئے۔ اس کے بعد کے دو میل ہم دونوں نے اس طرح طے کئے کہ حضرت مولانا صاحبؓ مجھے اپنی پیٹھ پر اٹھا کر کوئی ایک فرلانگ چلتے اور پھر تھوڑا سا عرصہ میں خود چلنے کی کوشش کرتا۔ اگر کوئی ندی نالہ آتا تو وہ مجھے کندھوں پر اٹھا کر پار کراتے۔ غرضیکہ اس طرح کوئی میل ڈیڑھ میل کا فاصلہ میں نے احمدیت کے اس "کامیاب جرنیل" رضی اللہ عنہ کی مدد سے طے کیا اور باقی فاصلہ جوں توں کر کے خود ہی پیدل چل کر۔ اور یوں خدا کے فضل و رحم سے ہم اپنے دوسرے پڑاؤ یعنی جاگورا (JAGORA) گاؤں میں پہنچ گئے۔ لڑکوں نے پانی گرم کر کے ہمیں غسل کرایا پھر ہم نے جو کچھ کھایا جا سکتا تھا کھایا اور ہماری جان میں جان آئی۔ اس کے بعد مولانا صاحب مرحوم نے میرا علاج شروع کیا نیز میری تسلی اور ہمت افزائی کے لئے راستے میں بھی اور گاؤں میں بھی مجھے بار بار فرماتے رہے کہ

"مولوی صاحب فکر نہ کریں اور گھبرائیں نہیں آپ مریں گے نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ ضرور ٹونگے پہنچیں گے۔ کیونکہ آپ بوزرِ کثیر خرچ کر کے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے آپ کو خدمتِ دین کے لئے یہاں بھیجا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ اس کی تائید و نصرت سے ٹونگے کی نئی جماعت کے ارتداد کی کوشش کرنے والے ہم سے شکست کھا کر فرار اختیار کریں۔"

چنانچہ اس گاؤں میں آرام کرنے اور مناسب علاج سے اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور میری طبیعت اچھی ہو گئی۔ لوکل مشرک چیف ہمارا دوست تھا اس نے بھی

ہماری مہمان نوازی اور ہمیں آرام پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ تاہم مچھروں کی کثرت کی وجہ سے مولانا صاحبؓ کو شدید ملیریا اور ساتھ ہی دمے کی تکلیف ہوگئی۔ دو چار روز انتظار کے بعد جب ان کی طبیعت بحال نہ ہوئی۔ تو مجھے فرمایا کہ میں فوراً آگے ٹونگے روانہ ہو جاؤں پتہ نہیں وہ اسلام کے دشمن پادری کس کس طرح ہمارے نومسلم بھائیوں کو مرتد کرنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ میں نے عرض کیا کہ میں آپ کو اس نازک حالت میں اکیلے چھوڑ کر کیسے آگے جا سکتا ہوں۔ فرمانے لگے میں امیر ہوں اور امیر کی اطاعت آپ کا فرض ہے۔ میرا حکم ہے کہ آپ فوراً ٹونگے پہنچ کر ان پادریوں کا مقابلہ کریں۔ میں بھی طبیعت بحال ہونے پر جلد سے جلد آپ کے پاس پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ اور اگر میری بیماری خدانخواستہ بڑھ بھی گئی تو کوئی بات نہیں شہادت کی موت سے مشرف ہونا میری خوش قسمتی ہوگی۔

اس وقت انہیں ۱۰۲ درجہ کا بخار تھا۔ اور دمہ کے دورے سے بھی نڈھال تھے۔ لیکن میں ان کے حکم کے مطابق اگلے روز بوقتِ صبح ایک لڑکے کو ساتھ لے کر آگے روانہ ہو گیا اور خدا کے فضل سے اسی روز بخیریت ٹونگے پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر پیرامونٹ چیف بائیو سے پتہ چلا کہ وہ پادری پانچ چھ روز سے یہ وعدہ کر کے واپس اپنے مرکز تیامہ (TAYAMA) جا چکے ہیں کہ احمدی مبلغین کی آمد پر وہ ان سے مذہبی بات چیت کے لئے ضرور واپس آئیں گے۔ چنانچہ چیف نے اپنے سپاہی کے ذریعہ انہیں اطلاع بھیجی کہ احمدی مبلغ آ گئے ہیں۔ اس لئے اب وہ حسبِ وعدہ اُن سے گفتگو کے لئے فوراً ٹونگے پہنچیں۔ مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ انہیں پھر مسیح محمدی علیہ السلام کے ادنیٰ مجاہدین کے مقابل پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ تین چار روز بعد حضرت مولانا علی صاحبؓ بھی ٹونگے پہنچ گئے۔ چنانچہ خود ہم نے بھی پادری صاحبان کو دوستانہ بحث کے لئے تحریری دعوت دی مگر وہ ٹونگے نہ آئے بلکہ اس کے بعد ہمیشہ ہمارے ساتھ بحث کرنے سے کتراتے رہے۔ اور اپنے لوکل سکول ماسٹروں اور منادوں کو بھی منع کرتے رہے کہ وہ ہماری باتیں نہ سُنیں اور نہ ہمارا لٹریچر لے کر پڑھیں۔

بہر حال مولانا صاحبؓ وہاں ایک ہفتہ ٹھہرے اور جماعت کی تربیت کی طرف

توجہ دلانے کے علاوہ ان پادریوں کے پیدا کردہ شبہات کا بھی ازالہ کیا اس کے بعد آپ واپس "بو" تشریف لے گئے اور خاکسار وہیں قیام پذیر ہو کر اس علاقہ میں تبلیغ کرتا اور ٹونگے کے لوکل احمدی امام مسجد کو تعلیم دیتا رہا۔
(الفضل مورخہ ۱۰ راگست ۱۹۴۰ء و ۱۳ ر اکتوبر ۱۹۴۰ء)

ایک عیسائی خاتون کی اسلام دشمنی اور حفاظت الٰہی

جون ۱۹۴۱ء کا ذکر ہے ٹونگے TONGAY سیرالیون میں خاکسار سے چند نوجوان طالب علم قرآن کریم اور عربی پڑھا کرتے تھے اور میری نگرانی میں ہی ایک علیحدہ عمارت میں مقیم تھے ان میں موسیٰ فولا نامی ایک نوجوان اکثر دوسروں سے کوئی نہ کوئی جھگڑے کی صورت پیدا کئے رکھتا تھا تاہم اس کے خاندان کے لوگوں کی شرافت اور احمدیت سے تعلق کی وجہ سے میں اسے اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور تھا۔

چونکہ میری قیام گاہ لوکل احمدی پیراماونٹ چیف بائیو (BAYO) کے بنگلے کے ہی ایک حصّہ میں تھی۔ ایک روز اس لڑکے نے موقع پا کر چیف بائیو کی ایک متعصب عیسائی بیوی کی مدد سے جس کے ساتھ اس کا پوشیدہ تعلق تھا چیف کی ایک بیش قیمت گھڑی چرالی۔ چیف بائیو نے لڑکے سے گھڑی برآمد کرالینے کے بعد مجھے پیغام بھیجا کہ وہ مجرم کو اپنی پولیس کے حوالہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے اس میں کچھ تردد کیا اور لڑکے کو محض وعظ و نصیحت اور تنبیہہ کرنے پر اکتفا کی۔ کیونکہ میرے نزدیک اس لڑکے میں بعض خوبیاں بھی اُبھر رہی تھیں۔ اور وہ بڑا ذہین اور ہوشیار تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ ضائع ہو جائے۔

تاہم دوسرے روز چیف بائیو نے احمدیہ مسجد میں کسی قدر ناراضگی کے رنگ میں بعض احمدیوں سے کہا کہ ریاست کا حاکم تو میں ہوں مگر الحاجی صدیق نے نہ مجھے اس چور لڑکے کو سزا دینے دی ہے اور نہ خود اُسے سزا دی ہے میں صرف ان کے احترام کی وجہ سے اب تک خاموش ہوں۔ اس کے بعد چیف نے مجھے پیغام بھیجا کہ یا میں سرِ عام

اُسے کم از کم دس بید لگاؤں یا فوراً ان کی ریاست سے باہر بھیج دوں۔ چنانچہ میں نے چیف کی پولیس کے ایک کانسٹیبل اور دوسرے طالب علموں کی موجودگی میں اس لڑکے کو سزا دلوادی اور بعد میں اُسے اچھی طرح سمجھایا کہ اُسے مجبوراً محض اس کی بہتری کے لیئے سزا دی گئی ہے۔ جرم کے بعد سزا تو بہر حال بھگتنی ہی پڑتی ہے اب وہ اپنی اصلاح کر کے گزشتہ بدنامی کا داغ دھوڈالے۔ اور اس طرح بات آئی گئی ہوگئی اور چیف بائیو صاحب بھی خوش ہو گئے۔ لیکن اُن کی اسی عیسائی نوجوان بیوی نے موقعہ پاکر از راہِ شرارت اس لڑکے کو میرے خلاف اُکساتے ہوئے کہا۔ کہ تمہیں بید لگانے میں میرے خاوند چیف بائیو کا ہرگز کوئی دخل نہیں تھا در اصل تمہارے استاد خود در پردہ تمہارے دشمن ہیں انہوں نے محض چیف کو خوش کرنے کے لئے از خود تمھیں سرِ عام سزا دے کر تکلیف پہنچائی اور بدنام کیا ہے۔ آؤ ہم دونوں مل کر کسی طریق سے اس احمدی مبلّغ کو ختم کر کے اپنے راستے سے ہٹا دیں۔ یہ عورت اسی امریکن عیسائی مشن کی تعلیم یافتہ تھی۔ جو اس ریاست میں احمدیت کے فروغ کی وجہ سے پندرہ سال چلنے کے بعد اسی سال مجبوراً بند کر دیا گیا تھا اور جس کے عیسائی ممبر اب ہر قیمت پر ہمیں دُکھ دینے پر اور نقصان پہنچانے پر تُلے ہوئے تھے۔ اس لئے اسے اس قصبہ میں اسلام اور احمدیت کا فروغ سخت ناگوار تھا۔

ان ایام میں میرا کھانا بھی طالب علم ہی پکایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز جبکہ ایک طالب علم عزیز عقیل تیجان میرے لئے کھانا تیار کر رہا تھا اس لڑکے موسیٰ فولا نے چیف کی اسی بیوی کی مدد اور مشورہ سے ایک نہایت زہریلی بُوٹی کا تیل ہنڈیا میں ڈال دیا جس سے پیٹ پھول جاتا اور مریض پھر پانی پی پی کر ایک ماہ کے اندر اندر مر جاتا ہے۔ وہاں مردوں کی نسبت عورتیں اس قسم کے جرائم میں زیادہ ماہر تھیں۔ اور ایسی خطرناک جنگلی بوٹیوں کا زیادہ علم رکھتی تھیں۔ بہر کیف عزیز عقیل تیجان نے اچانک موسیٰ فولا کو یہ حرکت کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ اور فوراً آکر مجھے رپورٹ کر دی کہ موسیٰ نے کوئی مشکوک چیز ہنڈیا میں ڈال دی ہے۔ چنانچہ تحقیق کرنے پر بات صحیح ثابت ہوئی اور موسیٰ نے سارا راز کھول کر اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ کہ میں نے چیف

کی اسی عیسائی بیوی کے اُکسانے پر ایسا کیا تھا جس کو یہ شکایت ہے کہ احمدی مبلّغین نے آکر اس کے خاوند چیف بائیو کو عیسائیت سے ہٹا کر ایک نئی مذہبی ڈگر (یعنی اسلام) پر ڈال دیا ہے۔

تاہم مَیں نے اس نامناسب واقعہ کو پیراماونٹ چیف بائیو سے مخفی رکھنا ہی مناسب خیال کیا اور اس کے بعد خاموشی سے دو لڑکوں کے ساتھ موسیٰ فولا کو ہمسایہ ریاست میں اس کے خاندان کے پاس بھیج دیا۔ عقیل تیجان جس نے مجھے اس خطرناک منصوبے سے قبل از وقت آگاہ کر کے اپنے اخلاص اور وفاداری کا ثبوت دیا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں نوازا کہ اس نے مجھ سے دو تین سال باقاعدہ دینیات، عربی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ اور پھر خاکسار کی سفارش پر گورنمنٹ ٹیچرز ٹریننگ کالج مگبورکا میں داخل کر لیا گیا۔ جہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ میری زیر نگرانی کئی احمدیہ پرائمری سکولوں میں بطور ہیڈ ماسٹر کام کرتا رہا۔ اور آجکل بھی ریاست ٹونگیا میں ایک احمدیہ سکول کا ہیڈ ماسٹر ہے اور احمدیہ مشن سیرالیون کے کارکنوں اور اچھے احمدیوں میں شمار ہوتا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالیٰ۔

ایک کومینڈے عالمِ دین کا ایمان افروز خواب اور قبولِ احمدیت

جماعت احمدیہ بلاما (BLAMA) کے ایک لوکل احمدی عالم دین الفا فوڈے موسیٰ کروما تھے۔ جو اب وفات پا چکے ہیں انہوں نے ۱۹۴۰ء میں اپنے احمدیت قبول کرنے کا واقعہ مجھے حلفیہ طور پر تحریر کر کے دیا تھا جس کا ترجمہ مَیں نے انہیں ایام میں مختصر طور پر شائع کرا دیا تھا۔ انہوں نے بیان کیا کہ

"سیرالیون میں احمدیت کا چرچا ہونے سے بہت پہلے مَیں پنڈمبو (PANDEMBU) نامی قصبہ میں قیام پذیر تھا۔ ایک روز خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت وجیہہ شکل اور فرشتہ خصلت انسان میرے پاس آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ مَیں ہی وہ امام الزمان ہوں جس کی فی زمانہ مسلمانوں کو انتظار ہے اس پر مَیں نے اُن سے

سوال کیا کہ کیا فی الواقعہ آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ کہ آپ ہی وہ موعود امام ہیں انہوں نے جواباً بتایا کہ ہاں مَیں سچ کہتا ہوں کہ مَیں ہی امام موعود ہوں۔ اس پر مَیں نے کہا کہ ہم نے علماء سے سُنا ہُوا ہے کہ مہدیؑ کے زمانہ میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان جنگ ہوگی اس لئے آج سے مَیں آپ کے سپاہیوں میں شامل ہوتا ہوں اور اس راستہ میں اگر میرا باپ بھی حائل ہُوا تو اس کی پروا نہیں کروں گا۔"

"میرے اس اقرار پر حضرت امام الزمان علیہ السّلام نے سوال کیا کہ کیا تم نے یہ اقرار واقعی صدق دل سے کیا ہے جس کا مَیں نے اثبات میں جواب دیا اور اس کے بعد میری آنکھ کھُل گئی۔ میری اس رؤیا پر ایک لمبا عرصہ گزر گیا۔ مگر مجھے امام وقت کے ظہور کے متعلق کوئی خبر کسی طرف سے نہ ملی حتّٰی کہ یہ بات میرے ذہن سے محو ہوگئی۔ کچھ مدّت کے بعد مَیں پنڈمبو سے بلاما منتقل ہوگیا۔ اور وہاں پیرامونٹ چیف کے کمپاؤنڈ میں رہائش اختیار کرلی۔ مجھے بلاما آئے ہوئے ابھی چند سال گزرے تھے کہ ۱۹۴۰ء میں الحاج مولانا نذیر احمد علی صاحب اور الحاج مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری بلاما تشریف لائے اور کئی لیکچر دیئے جن میں انہوں نے لوگوں کو حضرت امام الزمان علیہ السّلام کی آمد کی بشارتیں سُنائیں۔ مَیں اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ بلکہ چند یوم کے لئے "بو" کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں گیا ہُوا تھا۔ جب یہ مبلّغین بلاما تشریف لائے تو میرے بھائی موسیٰ کمارا نے مبلّغین کی آمد اور امام مہدیؑ کے ظہور کی اطلاع دینے کے لئے میری بیوی کو میرے پاس بھیجا۔ چنانچہ جب اس نے تفصیل سے سب حال سُنایا تو مَیں نے بلاما آنے سے پہلے وہاں ہی اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کرنی شروع کردی کہ اے خداوند تعالیٰ تیری ذات عالم الغیب ہے اگر ان ہندوستانی مبلّغینِ اسلام کا یہ پیغام واقعی حقیقت پر مبنی ہے اور امام مہدیؑ ظہور فرما چکے ہیں تو تُو خود اپنے کرم سے میری رہنمائی فرما۔ تیرے علم میں ہے کہ یہ لوگ سچے ہیں یا جھوٹے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ مَیں اس سعادت سے محروم رہ جاؤں یا جھوٹے مدّعی کو قبول کرکے گمراہ ہوجاؤں۔ اس طرح چند یوم ہی مَیں نے دعا کی تھی کہ شب کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ شخص جن کے ہاتھ لمبے لمبے ہیں اور نسواری رنگ کا چوغہ پہنے ہوئے ہیں میرے پاس آئے ہیں اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہتے ہیں کہ مَیں امام الزمان

ہوں اور تم اپنا پہلا خواب یاد کرو جبکہ تم نے صدق دل سے میرے ساتھ عہد کیا تھا۔ کہ آج سے تم میرے سپاہیوں میں داخل ہو رہے ہو اپنے اس وعدے کو نہ بھولو اس کے بعد ان کے ہاتھ لمبے ہوتے چلے گئے۔ اور میں ان سے دور ہوتا چلا گیا۔ اور ان میں اور مجھ میں کافی فاصلہ ہو گیا مگر ان کا ہاتھ ابھی تک میرے ہاتھ میں ہی تھا۔ کہ میری آنکھ کھُل گئی۔

اس دوسرے خواب کے بعد پھر مجھے پہلا خواب یاد آ گیا۔ اور اس بارے میں اتنا انشراح صدر ہو گیا کہ کسی مزید علمی تحقیق کی مَیں نے ضرورت نہ سمجھی اور اگلے روز اس گاؤں سے مستقل طور پر بلاما آ گیا۔ یہاں پر الحاج مولانا نذیر احمد علی صاحب اور الحاج مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری جو ابھی تک بلاما میں مقیم تھے سے ملاقات ہوئی اور مَیں نے اپنے خواب ان سے بیان کر کے حضرت امام الزمان علیہ السلام کی جماعت میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کر لی۔ اور اپنے آپ کو احمدیت کی تبلیغ کے لئے وقف کر دیا۔"

الحمدللہ کہ ہمارے یہ لوکل معلّم فوڈے موسیٰ کروما اور ان کے اہل و عیال اور بھائی شدید مخالفت کے باوجود احمدیت پر قائم رہے اور فوڈے موسیٰ کروما اپنی وفات تک آنریری طور پر بڑے اخلاص سے بطور لوکل معلّم سلسلہ کی خدمت سرانجام دیتے رہے اور ایک لمبا عرصہ جماعت احمدیہ بلاما کے صدر بھی رہے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے۔ آمین۔

(الفضل یکم نومبر ۱۹۵۶ء و تاریخ احمدیت جلد ہشتم ص ۴۱۹)

یاجوج و ماجوج کی کتّے سے محبت

ایک واقعہ

سیرالیون میں ایک مذہبی قسم کے انگریز ڈاکٹر جانسن (JHONSON) لمبا عرصہ میڈیکل ڈیپارٹمنٹ میں میڈیکل آفیسر رہے ہیں۔ ۱۹۴۰ء میں جب مجھے پیچش اور انتڑیوں میں سوزش کی تکلیف ہوئی تو "بو" ہسپتال میں مجھے انہیں ڈاکٹر صاحب کے زیر علاج رہنا پڑا۔ ان سے ہسپتال میں اکثر مذہبی گفتگو ہوتی رہتی ان کی بیوی کٹر عیسائی تھیں بلکہ مجھے ان کے یہودی ہونے کا شبہ تھا۔ کیونکہ وہ مدینہ شریف کے یہودیوں پر مسلمانوں کے مزعومہ مظالم کا بہت تذکرہ کرتی تھیں۔ اور اپنے تعصب کی وجہ سے ہماری طرف سے جواب اور حقیقتِ حال کے بیان سے بھی تسلّی نہ پاتی تھیں۔ انتڑیوں کی بیماری سے صحتیابی کے کئی ماہ بعد جبکہ مَیں کینیما کے شہر بلاما (BLAMA) میں مقیم تھا۔ ایک مرتبہ وہی ڈاکٹر جانسن اپنی بیوی سمیت ۵ ر اکتوبر ۱۹۴۰ء کو ایک ہفتہ کے لئے وہاں آئے اور کچھ روز بلاما گورنمنٹ ریسٹ ہاؤس میں قیام کیا جو اس وقت شہر کے قریب ایک پہاڑی کی خوشنما چوٹی پر واقع تھا۔

ایک روز خاکسار ان سے ملاقات اور تبلیغ کی غرض سے ان کے پاس ریسٹ ہاؤس میں گیا۔ اور لمبی تبلیغی گفتگو کے بعد مَیں نے انہیں "ٹیچنگ آف اسلام" اور بعض اور کتب تحفۃً پیش کیں۔ اُس کے بعد وہ اپنے کسی کام کے لئے اپنی کار میں نیچے شہر کی طرف آنے کے لئے تیّار ہو گئے۔ مَیں ان سے الوداع ہو کر پیدل ہی روانہ ہو گیا لیکن ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ انہوں نے میرے قریب آکر کار کھڑی کر دی اور مجھے ساتھ بیٹھنے کی دعوت دی۔ کار کے اندر ان کا چھوٹا سا خوبصورت کتّا بھی ان کے ساتھ ہی اگلی سیٹ پر براجمان تھا۔ اور پچھلی سیٹ بالکل خالی تھی۔

مجھے دیکھکر کتّے نے زور زور سے بھونکنا شروع کر دیا۔ تاہم ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ "آپ پچھلی سیٹ پر بیٹھ جائیں اور کتّے سے خائف نہ ہوں"۔ مَیں ابھی بیٹھنے

کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ ان کی بیوی اُن سے کہنے لگی "نہیں نہیں۔ہمارے پیارے کتے کی بھونک بھونک کر حالت غیر ہو جائے گی یہ ان کی پگڑی سے ڈرتا ہے انہیں نہ بٹھائیں"۔ اس پر مَیں خود ہی ان سے معذرت اور شکریہ ادا کر کے آگے بڑھ گیا۔ اور ان کے ساتھ سوار نہ ہوا۔ تاہم سارا راستہ مَیں یہی سوچتا رہا۔ کہ یہ یاجوج ماجوج کی قوم کتے کی کتنی گرویدہ ہے اور کس طرح یہ بعض دفعہ کتے کی محبت اور اس کے آرام کی خاطر اشرف المخلوقات، انسان کو بھی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور سورۃ کہف کی پیشگوئیاں اور علامتیں کیسے مثبت اور واضح انداز میں ان پر صادق آتی ہیں۔

کینیما ڈویژن (سیرالیون) میں احمدیت کا فروغ

نومبر ۱۹۷۰ء میں سیرالیون کے کینیما (KENEMA) ڈویژن کے تمام پیرامونٹ چیفوں کا کینیما شہر میں ایک اہم قومی اجتماع ہوا جس کے مختلف پروگراموں کی صدارت کے لئے ملک کے انگریز گورنر بھی کئی روز کینیما میں مقیم رہے اس عظیم تقریب کی وجہ سے حسبِ دستور آٹھ دس روز تک خوب گہما گہمی رہی اور اس ڈویژن کی جملہ ریاستوں کے ہزاروں باشندوں کا کینیما میں قیام رہا۔ تین ریاستوں کے احمدی احباب بھی کثیر تعداد میں اپنے چیفوں کے ہمراہ اس اجتماع میں شریک ہوئے۔ ریاستہائے گوراما اور سمبارو کے احمدی پیرامونٹ چیف خلیلو گا مانگا اور پیرامونٹ چیف صلاح الدین بائیو (BAIO) بھی اپنے سرکردہ لوگوں کے ساتھ وہاں موجود رہے۔

اس اہم ملکی اور قبائلی اجتماع کو تبلیغی لحاظ سے غنیمت جان کر خاکسار بھی ۲۰ نومبر ۱۹۷۰ء کو بلاما (BALAMA) سے کینیما پہنچ گیا۔ اور شہر میں قیام پذیر چیفوں اور رؤساء کی قیام گاہوں پر جا جا کر انہیں تبلیغ کرتا رہا اور احمدیہ جماعت کے قیام کی غرض و غایت سے انہیں آگاہ کیا۔ اکثر چیفوں اور

قبائلی سرداروں نے بڑی دلچسپی سے پیغامِ اسلام سُنا اور اپنی اپنی ریاستوں میں مجھے آنے کی دعوت دی۔ کثیر تعداد میں اسلامی لٹریچر بھی ان میں تقسیم کیا گیا اس دَوران ہمارے احمدی بھائی پیراماونٹ چیف صلاح الدین بائیو اور چیف خلیلو گاما نگا نے خواہش ظاہر کی کہ ان ایام میں کینیما میں موجود تمام احمدی مہمان وہاں کی لوکل مسجد میں باجماعت نماز ادا کیا کریں۔ مَیں نے کہا کہ مَیں اس شرط پر اس مسجد میں نماز پڑھاؤں گا کہ کینیما کے پیراماونٹ چیف اور مسجد کے لوکل امام کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ چنانچہ جب ان سے اجازت طلب کی گئی تو غالباً چیف بائیو اور بعض دیگر احمدی شخصیتوں سے مرعوب ہو کر انھوں نے بادلِ ناخواستہ ہمیں اپنی مسجد میں علیحدہ باجماعت نماز ادا کرنے کی اجازت دے دی۔ مگر حقیقتِ حال سے بے خبر ہونے کی وجہ سے مَیں سمجھا کہ ہمیں بخوشی اجازت دی گئی ہے۔

چنانچہ اس کے بعد مختلف ریاستوں سے آئے ہوئے تمام احمدی مہمان لوکل مسجد میں میرے ساتھ روزانہ باجماعت نماز ادا کرنے لگے اور ہر نماز کے بعد اُن کی خواہش کے مطابق درس القرآن اور سوال وجواب کا سلسلہ بھی کچھ دیر جاری رہتا۔ جس سے فائدہ اٹھانے کے لئے کثیر تعداد میں دوسرے دوست بھی ہمارے ساتھ نمازیں ادا کرنے لگے۔ اور اس دوران دو تین روز میں خدا کے فضل سے بیس پچیس افراد بیعت کر کے جماعت میں داخل ہو گئے۔

تیسرے چوتھے روز خاکسار ملکی دستور کے مطابق کچھ تحائف لے کر لوکل مالکی امام کی خدمت میں حاضر ہؤا۔ تو معلوم ہؤا کہ وہ سخت ناراض ہیں کیونکہ انہوں نے نہ صرف میرے تحائف واپس لوٹا دیئے بلکہ مجھ سے ملاقات سے بھی انکار کر دیا۔ مَیں نے اس وقت جماعت کے افریقن لیڈر پیراماونٹ چیف بائیو کو اس صورتِ حال سے مطلع کر کے انہیں کہا کہ ہمیں اب نماز کے لئے کسی اور جگہ انتظام کر لینا چاہیئے تاکہ لوکل مسلمان بھائیوں سے کوئی جھگڑے کی صورت پیدا نہ ہو۔ مگر چیف بائیو صاحب نہ مانے اور کہنے لگے کہ بے شک آپ ہمارے امیر ہیں۔ مگر لوکل مُلکی حالات ہم بہتر سمجھتے ہیں جب تک امام مسجد صاحب اور کینیما شہر کے چیف جو ہمارے میزبان ہیں ہمیں اپنی دی ہوئی اجازت کھلے طور پر منسوخ نہ کریں ہم خدا کے گھر میں ہی اپنی نمازیں ادا کرینگے

کیونکہ اس مرکزی مسجد کی تعمیر میں ضلع کی سب ریاستوں نے حصّہ لیا ہے اور اس وقت ہم اس شہر والوں کے مہمان بھی ہیں اور حسب معمول ہماری عزّت افزائی اور ضروریات پوری کرنا ان لوگوں کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ نیز اس ضلعی شہر کی بہتری کے لئے سارے ضلع کے لوگ مالی مدد کرتے ہیں اس لئے یہاں کی ہر چیز پر ہمارا حق ہے۔

اتفاق سے ایک جمعہ بھی ہمیں کینیما شہر میں ہی پڑھنا پڑا۔ جمعہ کے روز گورنر سیرالیون کا دوسرا پبلک لیکچر تھا۔ لیکچر ختم ہوتے ہی سب احمدی مسلمان نماز جمعہ کے لئے سیدھے مسجد میں آ جمع ہوئے اور ہم نے لوکل مسلمان بھائیوں کی نمازِ جمعہ کے بعد اپنی نمازِ جمعہ ادا کی۔ میرے خطبہ کے دوران امام مسجد اور ان کے چند شاگرد مسجد سے باہر احتجاجی طور پر کچھ شور کر کے چلے گئے۔ جس کی اطلاع ہمارے پیرا مونٹ چیف صلاح الدین صاحب باٹیو نے خود شہر کے چیف تک پہنچا کر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے تجویز کیا کہ اگر ہمارا کینیما کی مرکزی مسجد میں نماز ادا کرنا انہیں اور امام مسجد صاحب کو ناپسند ہے تو وہ کوئی اور جگہ ہماری نماز کے لئے تجویز کریں۔ مگر لوکل چیف نے کمال دورنگی سے کام لیتے ہوئے یہی ظاہر کیا کہ گویا ان کی خوشی اسی میں ہے کہ سب مسلمان جس طرح چاہیں اس مسجد میں نماز ادا کریں۔

سوءِ اتفاق سے اس روز مغرب کی نماز میں چیف صلاح الدین باٹیو ناسازیٔ طبع کی وجہ سے مسجد نہ آ سکے۔ ہم نے دوسرے فریق کی نماز کے بعد مسجد کے ایک کونے میں حسبِ معمول اپنی جماعت کرائی۔ لیکن سنتوں کی ادائیگی کے بعد جب مَیں درس دینے لگا تو امام صاحب اور ان کے دس پندرہ نوجوان شاگرد لاٹھیوں اور خنجروں سے مسلّح ہو کر اچانک مسجد میں ہی ہم پر حملہ آور ہو گئے جس کے نتیجہ میں بعض احمدی اور غیر احمدی دوستوں کو معمولی زخم آئے۔ دو نوجوانوں نے مجھ پر بھی ناگہاں حملہ کر دیا اور ان میں سے ایک کے خنجر سے مجھے دائیں ہاتھ اور پیٹ پر معمولی زخم آئے تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مَیں اپنی گرم اچکن اور اس کے اندر سویٹر کی وجہ سے نسبتاً محفوظ رہا۔ ورنہ اُن کا ارادہ مجھے زیادہ نقصان پہنچانے کا تھا جب وہ دونوں نوجوان مجھ سے گتھم گتھا تھے تو ریاست بلاما کے ایک نہایت

قوی ہیکل احمدی نوجوان مسمّی ابو بکر کالون نے ان دونوں کو فرش پر پٹخ کر ان سے ان کے ہتھیار چھین لئے اور اگر میں اسے نہ روکتا تو وہ انہیں شدید زخمی کر دیتا۔

اتنے میں انگریز ڈسٹرکٹ کمشنر کی طرف سے پولیس آگئی اور معاملہ دوسرے روز ان کی عدالت میں پیش ہُوا۔ کمشنر صاحب کے سامنے لوکل پیرامونٹ چیف اور امام مسجد نے تسلیم کیا کہ انہوں نے خود ہمیں اپنی مسجد میں باجماعت نماز کی اجازت دی تھی اور یُوں بلا وجہ حملہ کرنا اُن آدمیوں کی زیادتی تھی۔ چنانچہ پھر ڈی سی کے حکم سے کئی چیفوں کی موجودگی میں احمدی پیرامونٹ چیف صلاح الدین بائیو صاحب سے معافی مانگی اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ تاہم یہ جھگڑا ایک لحاظ سے بہتر ثابت ہُوا کیونکہ ڈی سی نے عارضی طور پر شہر کی مارکیٹ کے قریب ایک خالی جگہ ہمارے لئے برائے نماز مخصوص کر دی اور ہم وہاں نماز ادا کرنے لگے۔

اس ہنگامہ کا علم پاکر الحاج مولانا نذیر احمد علی امیر جماعتہائے احمدیہ سیرالیون بھی "بو" سے کینیما تشریف لے آئے اور احمدی پیرامونٹ چیفوں کی تجویز اور اثر ورسُوخ کی وجہ سے چیفوں کے آخری اجلاس کے بعد انہیں بھی تمام حاضرین کو اسلام اور احمدیت کا پیغام پہنچانے کا موقعہ مل گیا۔ اور پھر جب تک ڈویژن کے چیف صاحبان کینیما میں مقیم رہے ہم روزانہ اس میدان میں نمازوں کی ادائیگی کے علاوہ جلسہ بھی کرتے رہے۔ اور چھ سات روز میں خدا کے فضل سے مختلف ریاستوں کے پچاس ساٹھ افراد اور کئی سر کردہ لوگ بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہو گئے۔ جن کی فرمائش پر بعد میں ہم نے ان کی ریاستوں میں بھی تبلیغی دَورے کئے اور کئی ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ انہیں تبلیغی دَوروں کے نتیجہ میں اس ڈویژن میں اللہ تعالےٰ نے کئی مخلص اور بڑی بڑی جماعتیں بانڈو۔ سرابو۔ پوٹے ہون۔ ہانگا۔ اور مانو کوٹوہون وغیرہ میں قائم فرما دیں جو اَب احمدیت کی وجہ سے بفضلہ تعالےٰ دین و دنیا کی نعمتوں سے مالا مال ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالیٰ۔

(الفضل ۱۴ار دسمبر ۱۹۶۰ء)

ایک عرب عالمِ دین پر صداقت کا انکشاف

سیرالیون میں ایک عرب عالمِ دین اور عربی زبان کے ماہر مکرم استاذ عباس ریفان صاحب تھے۔ اُن کے شاگرد اب بھی اس ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں انہوں نے احمدی ہونے کے بعد بڑے اخلاص سے تبلیغ کا فریضہ ادا کیا اور عرب خاندانوں کی طرف سے مخالفت کے طوفانوں کے باوجود اُن کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی وہ اپنی قبولِ احمدیّت کی داستان الفضل میں یُوں بیان کرتے ہیں:۔

باندا جما میں نئی جماعت کا قیام

فروری ۱۹۴۱ء میں الحاج نذیر احمد علی صاحب رض اور الحاج محمد صدیق صاحب امرتسری تبلیغِ اسلام اور حضرت امام الزمان علیہ السّلام کی آمد کی خوشخبری سُنانے کے لئے ہمارے گاؤں باندا جما سوا (BANDAJUMA SOWA) آئے۔ ہماری ریاست کے پیرامونٹ چیف الحاج لحلئے سُوا نے اپنی عدالت میں لوگوں کو اکٹھا کر کے ان دونوں کو کئی مرتبہ تقاریر کا موقع دیا۔ چونکہ مَیں ان کی ریاست میں مُلک کا سب سے بڑا سکول چلا رہا تھا اور مسجد کا امام بھی تھا اس لئے پیرامونٹ چیف نے بحث و تمحیص کے بعد آخر کار مولوی صاحبان کو یہ جواب دیا کہ ہمیں تو دین کا اتنا علم نہیں ہے کہ ہم علمی لحاظ سے کسی صحیح نتیجہ پہ پہنچ سکیں۔ ہمارے ریاست میں استاذ عباس ہی ہمارے دینی رہنما اور عالم ہیں اگر ان پر احمدیت کی سچائی ظاہر ہوگئی تو ہم بھی مان لیں گے۔

ایک ایمان افروز خواب

چنانچہ اس کے بعد تین روز تک ان مولوی صاحبان سے میری بحث ہوتی رہی جس سے گو میری تسلّی تو نہ ہوئی مگر مَیں تذبذب میں ضرور پڑ گیا۔ اور اس وسوسہ نے مجھے بڑا پریشان کیا۔ کہ شائد حضرت امام الزمان ظاہر ہو گئے ہوں کیونکہ علامات تو سب پوری ہو گئی ہیں کبھی یہ خیال زور پکڑ جاتا کہ اگر وہ جھوٹے ہیں اور مَیں نے انہیں سچّا مان لیا تو اس ریاست کے لوگوں کا گناہ بھی میرے سر ہوگا۔ آخر کار مکرم الحاج نذیر احمد صاحب علی کی خاص باصرار تحریک پر اُن کے بتائے ہوئے طریق پر مَیں نے مخلّی بالطبع

ہو کر نہایت نیک نیتی اور عجز وانکسار سے دعائے استخارہ پڑھ کر روزانہ دعا کرنی شروع کی کہ اے میرے خالق و مالک اور عالم الغیب خدا تو میرے حال پر رحم کر اور میری رہنمائی فرما۔ خدا تعالےٰ نے ایسا فضل فرمایا کہ ابھی میرے اس استخارہ کو ایک ہفتہ بھی نہ ہوُا تھا اور دونوں مولوی صاحبان ابھی ہمارے پاس ہی مقیم تھے کہ ایک رات مَیں نے پچھلے پہر خواب دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت گائے میرے سامنے کھڑی ہے اور قبلہ رُخ ہو کر مُنہ کھولے ہوئے ہماری لوکل مینڈے زبان میں پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اے لوگو! امام آخرالزمان جس کے تم منتظر ہو وہ آگئے ہیں۔ مَیں یہ نظارہ دیکھکر بڑا حیران ہوُا کہ ایک گائے کیسے بول رہی ہے اور کون اسے بلوا رہا ہے۔ چنانچہ مَیں نے اس کے نزدیک ہو کر اُسے کہا۔ کہ میرا تو خیال ہے تم جھوٹ بول رہی ہو۔ مہدی تو ابھی ظاہر نہیں ہوئے اگر واقعی تم سچی ہو تو جس خدا نے تمھیں بنایا ہے اس کی قسم کھا کر بتاؤ کہ تم سچ کہہ رہی ہو چنانچہ اس نے اسی وقت قبلہ رُخ ہو کر اور مُنہ کھول کر مینڈے MENDE زبان میں باآواز بلند کہا کہ مَیں اپنے خالق کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ حضرت امام آخرالزمان ظاہر ہو گئے ہیں اور جو اُن کی جماعت میں شامل ہوتا ہے اس پر اللہ تعالےٰ بڑی رحمت اور برکت نازل کرتا ہے۔ پھر اس نے اپنے سر سے مشرق کی طرف اشارہ کر کے اشارۃً بتایا کہ امام مہدی علیہ السلام اس طرف آئے ہیں۔ اس کے بعد میری آنکھ کھُل گئی۔ اس خواب سے مجھے اس بارے میں اس قدر اطمینانِ قلب اور ذہنی سکون حاصل ہوُا کہ مَیں صبح ہوتے ہی بعیت کر کے جماعت مہدی علیہ السلام میں داخل ہو گیا۔ اور پھر میرے ساتھ ہی اس ریاست کے چیف اور بہت سے لوگوں نے بھی بعیت کر لی جس کے بعد میرے اور پیرامونٹ چیف بلکہ ساری ریاست کے خلاف مخالفت شروع ہو گئی۔ کئی عرب اور غیر عرب عالم میرے ساتھ بحث کرنے اور مجھے مرتد کرنے کی کوشش کرتے رہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم حق پر قائم رہے بلکہ پھر میرے ذریعہ میرے اکثر شاگرد بھی احمدی ہو گئے۔ مَیں خدائے واحد و قہّار کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں نے مذکورہ بالا بیان میں کسی غلط بیانی یا مبالغہ آمیزی سے کام نہیں لیا۔ اور حقیقت بیان کی ہے۔ وَاللّٰہُ مَا اَقُوْلُ شَہِیْد۔"

(روزنامہ الفضل ۲۰ فروری ۱۹۵۴ء)

خاکسار محمد صدیق عرض کرتا ہے کہ مِن وعَن یہی خواب اور واقعات مکرم استاذ عباس رَیفان صاحب مرحوم نے کئی مرتبہ میری موجودگی میں حلفیہ طور پر سلسلہ کی بعض مسجدوں میں بیان کئے تھے۔ مَیں خود اس امر کا گواہ ہوں۔ اب وہ فوت ہو چکے ہیں اللہ تعالےٰ ان کی مغفرت کرے اور درجات بلند کرے۔ وہ احمدیت کے ایک نڈر اور جری پہلوان تھے۔ ان کے شاگردوں میں سے بھی کئی ایک نے سیرالیون میں احمدیت کی خاطر بڑی تکلیفیں اُٹھائیں اور مجاہدے کئے۔ اور ہر حال میں ثابت قدم رہے۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا۔

مونگیری کے چیف کی طرف سے ایذا رسانی

اور

احمدیوں کا صبر

"بو" ڈسٹرکٹ کا قصبہ باؤماہون ایک عرصہ تک احمدیہ مشن سیرالیون کا مرکز رہا ہے۔ وہاں ۱۹۴۰ء میں مُلک میں دوسرا احمدیہ پرائمری سکول کھولا گیا تھا جس کے لئے لوکل پَیراموٹ چیف عبدالرحمٰن سے زمین تو حاصل کر لی گئی تھی مگر بعد میں عیسائی مخالفین کی انگیخت پر وہ اس کے کاغذات قانونی طور پر مکمل کرنے پر راضی نہ ہُوا بلکہ اس دَوران باوجود مسلمان ہونے کے باؤماہون کے احمدی بھائیوں کو مختلف بہانوں سے طرح طرح کی اذیّتیں بھی پہنچاتا رہا۔

چنانچہ اپریل ۱۹۴۱ء میں اس پَیراموںٹ چیف نے وہاں کے احمدیوں اور وہاں پر مقیم ہمارے معلّم کو محض احمدیت کی بناء پر نہ صرف جرمانے کئے بلکہ اُنہیں ناحق دق کرنے اور تکلیفیں دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ خاکسار ان دنوں باؤماہون سے ۱۸ میل دُور ٹونگے کی احمدیہ جماعت میں مقیم تھا۔ اور حضرت مولانا نذیر احمد علی صاحب ضلع پوجے ہون (PUJEHUN) میں مصروفِ تبلیغ تھے ان کا مجھے

خط ملا کہ ضلع "بو" کے انگریز ڈی سی ٹونگے سے ۱۶ میل دُور ایک گاؤں جالہ (NJALA) میں لوکل ٹیکس کی وصولی کے لئے گئے ہوئے ہیں میں فوراً وہاں پہنچ کر ان سے ریاست ٹونیاں (Tonyahuna) کے چیف کے خلاف شکایت کروں کہ وہ بلاوجہ باؤ ماہون کے احمدیوں کو تکالیف دے رہا ہے اور ان کے خلاف خود ہی دوسروں سے جھوٹے مقدمے کروا کے انہیں جرمانے کر رہا ہے۔ مولانا علی صاحب رضؓ نے یہ بھی مجھے اطلاع دی کہ ڈی سی صاحب جالہ میں صرف ایک دو روز ٹھہر کر حسبِ پروگرام جالہ سے بھی آگے اندرونی علاقہ چلے جائیں گے جہاں پیدل پہنچ کر ان سے ملاقات کرنا اور بھی دشوار ہو جائے گا۔ اس لئے مَیں خط ملتے ہی بلا توقف ٹونگے سے جالہ روانہ ہو جاؤں۔

رات کے وقت جنگل میں ۱۶ میل پیدل سفر

حضرت مولوی صاحب رضؓ کا یہ خط مجھے ٹونگے میں مغرب کے قریب موصول ہوُا۔ ٹونگے کی جماعت کے احباب نے مشورہ دیا کہ جنگلی علاقہ میں رات کے وقت سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لئے مَیں یہ پروگرام اگلے روز تک ملتوی کر دوں۔ اس پر پہلے تو مَیں قدرے آمادہ ہو گیا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ خلیفۂ وقت کے نائب اور امیر مقامی کا حکم ہے کہ خط ملتے ہی "بلا توقف" جالہ کے لئے روانہ ہو جاؤں اس لئے اب توقف کرنا اطاعت کی روح کے خلاف ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس تاخیر سے جالہ میں مقیم ڈی سی سے ملاقات نہ ہو سکے۔

اس وقت میرے تین شاگرد مسمّیٰ ابوبکر سانو۔ تیجان کیلا اور مصطفیٰ کمارا مجھ سے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ چنانچہ خاکسار ان میں سے تیجان کیلا اور ابوبکر کو ساتھ لے کر مغرب سے پہلے جالہ کے لئے چل پڑا۔ راستہ واقعی گھنے درختوں اور جھاڑیوں سے اٹا ہوُا اور دشوار گزار تھا تاہم اندھیرا گہرا ہونے سے قبل ہم نے تین چار میل کی مسافت طے کر لی۔ اس کے بعد لالٹین جلا کر مَیں نے اپنے ہاتھ میں پکڑ لی۔ اور دونوں نوجوان جن کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں میرے آگے پیچھے ہو گئے۔ اور اس طرح اس چھوٹی سی پگڈنڈی پر ہم چوکس ہو کر چلتے چلے گئے۔ جہاں کوئی پانی یا دلدل آجاتی وہ مجھے اپنی پیٹھ پر اٹھا کر پار کرا دیتے حتی کہ چلتے چلتے ہم ایک ایسی

جگہ پہنچے جہاں وہ پگڈنڈی آگے دو راستوں میں بٹ جاتی تھی لاعلمی کی وجہ سے ہمیں بڑی پریشانی ہوئی اور ہم معلوم نہ کر سکے کہ کونسا راستہ ہماری منزلِ مقصود کی طرف جاتا ہے اس جگہ سے کوئی دو فرلانگ ورے ہم ایک چھوٹے سے گاؤں سے گزرے تھے میں نے لڑکوں سے کہا کہ ان میں سے کوئی ایک یا دونوں واپس جاکر گاؤں والوں سے جالہ کے راستے کا پتہ کر کے آئے مگر رات کے وقت اس طرح اس گاؤں میں واپس جانے اور کسی کو جگا کر بات کرنے سے وہ دونوں خائف تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ آپ خود بھی ساتھ چلیں۔ غیر ملکی ہونے کی وجہ سے لوگ آپ کا لحاظ کریں گے ورنہ ہو سکتا ہے ہمیں چور سمجھ کر پکڑ لیا جائے یا کسی خفیہ سوسائٹی کا ممبر سمجھ کر لوگ سہم جائیں۔ اور جواب ہی نہ دیں بلکہ یہ بھی غالب امکان ہے کہ وہ لوگ ہمیں کوئی بدرُوح یا جن بھوت سمجھ لیں۔ چنانچہ میں بھی ان کے ساتھ چل پڑا اور ہم نے اس گاؤں میں آکر دو تین گھروں کے دروازے کھٹکھٹائے۔ مگر کسی نے ہمارا اعتبار نہ کیا اور دروازہ نہ کھولا۔ آخر ایک شخص نے اندر سے ہی ہماری بات سُنکر لڑکوں کو لوکل زبان میں سمجھا دیا کہ کونسا راستہ جالہ کو جاتا ہے۔ لیکن اس تگ و دو میں ہمارا کوئی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ضائع ہو گیا۔

بہر کیف راستہ معلوم ہو جانے پر ہم آگے روانہ ہو گئے اور آخر محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم نے یہ مہم سر کر لی۔ اور رات کے پچھلے پہر دو اڑھائی بجے بخیریت جالہ پہنچ گئے۔ اس وقت ابھی وہاں ہماری جماعت قائم نہیں ہوئی تھی۔ اور نہ ہمارا وہاں کوئی واقف کار تھا۔ ویسے بھی رات گئے کسی کو بیدار کر کے بے آرام کرنا معیوب تھا اس لئے ہم نے مسجد کی تلاش شروع کر دی جو جلد ہی مل گئی۔ اور ہم نے صبح ہونے تک مسجد کی چٹائیوں پر آرام کیا۔ فجر کے وقت ہم نے اذان دی۔ میری اجنبی آواز سُنکر معمول سے زیادہ لوگ مسجد میں آگئے۔ جن میں ہمارے لوکل معلّم الفاموسیٰ سُووا آف بلاما بھی تھے جو اس زمانہ میں ہمارے شدید مخالف تھے اور اس گاؤں میں غالباً کوئی کاروبار کرتے تھے۔

جالہ میں معلّم موسیٰ سُووا کا قبولِ احمدیّت

نماز کے بعد ہمیں تبلیغ کا موقع مل گیا۔ اور الفاموسیٰ سووا مذکور نے ہماری

شدید مخالفت کی اور لوگوں کو ہماری باتیں سُننے سے روکنے لگے۔ تاہم قریبًا ایک گھنٹہ بحث و مباحثہ کے بعد الفاموسی صاحب کا جوش بہت حد تک ٹھنڈا پڑ گیا۔ مَیں نے انہیں نماز کی انگریزی کتاب "مسلم پریئربک" اور چند اور پمفلٹ تحفۃً پیش کیے جو بعد میں خدا کے فضل سے ان کی ہدایت کا موجب ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے بیعت کر کے اپنے آپ کو مشن کے لئے بطور معلّم وقف کر دیا۔ اور خدا کے فضل سے وہ اب تک احمدیہ مشن کی سرپرستی میں خدمتِ دین کا فریضہ بجا لا رہے ہیں۔ گویا یہ ہمارے اس شبانہ سفر کا پہلا ثمر تھا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہ۔

اس کے بعد جب ہم نے ڈسٹرکٹ کمشنر صاحب کا پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ گزشتہ روز بو جا چکے ہیں۔ اس زمانہ میں پیدل چلنے والے علاقوں میں گورنمنٹ کے افسران جہازی (Hammock) میں سفر کیا کرتے تھے جنہیں عمومًا دو یا چار مزدور اٹھایا کرتے تھے۔ مجھے چونکہ ڈی سی صاحب سے فوری اور ضروری طور پر ملنا تھا۔ اس لئے ہم اسی وقت بغیر ناشتہ کئے جالہ سے ۱۵ میل دور مانڈو کے لئے پیدل چل پڑے جہاں سے "بو" کے لئے لاری مل سکتی تھی۔ اور کوئی دو اڑھائی بجے بعد دوپہر مانڈو پہنچکر اسی وقت بذریعہ لاری "بو" پہنچ گئے۔

ڈی سی کا ہمارے حق میں فیصلہ

دوسرے روز ڈسٹرکٹ کمشنر صاحب سے مل کر چیف مذکور کے خلاف جو ہمیں شکایات تھیں وہ زبانی بیان کیں اور ایک تحریری درخواست بھی پیش کی کہ ان شکایات کا فوری ازالہ کیا جائے۔ ڈسٹرکٹ کمشنر صاحب کا پہلے ہی اس ریاست میں جانے کا پروگرام تھا۔ چنانچہ چند روز بعد وہ ریاست لُونیاں کے ہیڈ کوارٹر مونگیری پہنچ گئے۔ سب سے پہلے انہوں نے ہماری شکایات کی ہی تحقیق فرمائی اور احمدیوں پر کئے گئے جرمانے انہیں واپس دلائے نیز چیف عبدالرحمٰن کو قانون کا حوالہ دے کر سرِ عام یہ ہدایت کی کہ کسی بھی مذہب کے پیرو پر محض مذہبی عقائد یا عبادات کی بناء پر کسی قسم کی سختی نہ کی جائے بلکہ ان کے لئے آزادی سے اپنے مذہب پر عمل کرنے کے لئے سہولتیں مہیّا کی جائیں۔ نیز مجھے باڈ ماہون احمدیہ سکول کی زمین کی لیز قانونی طور پر مکمل کروانے کے بارے میں ہدایت کی کہ اگر ہمارا سکول ڈائریکٹر تعلیم کی اجازت سے کھولا گیا ہے تو میں

ڈائریکٹر صاحب کو تحریر کروں کہ وہ چیف کو زمین کی لیز کی قانونی تکمیل کے لئے آمادہ کریں۔

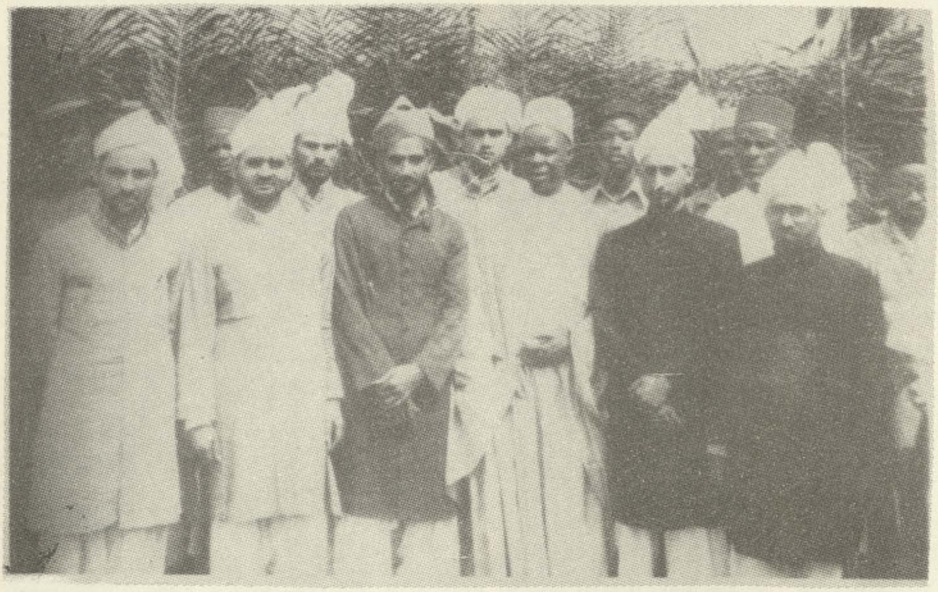
چنانچہ خاکسار کی درخواست پر ڈائریکٹر تعلیم صاحب نے اس چیف کو تحریری طور پر توجہ دلائی کہ چونکہ زمین کی لیز مکمل کئے بغیر کسی بیرونی مشن کو سکول چلانے کی اجازت نہیں اس لئے جس قدر جلد ہو سکے احمدیہ مشن کے سکول واقعہ باڈ ماہون کی لیز کے قانونی کاغذات پر وہ دستخط کر دیں کیونکہ زمین تو عملاً وہ پہلے ہی دے چکے ہیں لیکن وہ چیف پھر بھی لمبا عرصہ لیت ولعل ہی کرتے رہے۔

آخر یکم مئی ۱۹۴۱ء کو ڈسٹرکٹ کمشنر کی موجودگی میں حضرت مولانا نذیر احمد علی ؓ اور چیف عبد الرحمٰن کمارا کے درمیان باڈ ماہون کے احمدیہ سکول کیلئے ۲۰۰×۴۰۰ فٹ لمبی چوڑی زمین کی لیز قانونی طور پر پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور آئے دن کی یہ مصیبت ختم ہوئی گو اس کے بعد بھی ۱۹۴۶ء تک اس چیف اور اس کے ساتھیوں کا رویہ شدید طور پر ہمارے خلاف ہی رہا۔

ایک مخلص احمدی استاد پر مظالم اور احمدیوں کو جرمانے

چنانچہ ۳ جنوری ۱۹۴۶ء کو ہمارے باڈ ماہون احمدیہ سکول کے ہیڈ ماسٹر مسٹر آدم بن محمد کو چکن پاکس CHIKEN POX کا شدید حملہ ہو گیا تو جماعت نے احتیاطاً انہیں باڈ ماہون سے باہر ایک جھونپڑی میں رکھ کر ان کا علاج شروع کیا۔ لیکن ہمارے عیسائی مخالفین نے چیف عبد الرحمٰن کمارا کو غلط رپورٹ کر دی کہ مسٹر آدم بن محمد کو چیچک ہو گئی ہے اور ان کے ذریعہ باڈ ماہون میں مزید چیچک پھیل رہی ہے۔ اس پر چیف کے سپاہی فوراً باڈ ماہون آئے اور آدم بن محمد صاحب کو بیماری کی حالت میں رات کے وقت ۱۲ میل پیدل چلا کر چیف کے پاس مونگیری لے گئے اور آٹھ دس سرکردہ احمدیوں کو بھی وہاں پہنچنے کا حکم دے گئے۔ چیف نے بغیر کسی تحقیق کے یہ معاملہ سنتے ہی ہماری جماعت کے عہدہ داروں کو اس بہانے ۲/۷/۱/۲ پونڈ جرمانہ کر کے جبری وصولی کر لی کہ انہوں نے چیچک کے کیس کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ وہ چیچک کا کیس تھا ہی نہیں۔ مونگیری میں ہمارے اس مخلص نوجوان کو کئی روز جنگل کی ایک علیحدہ جگہ رکھا گیا جہاں

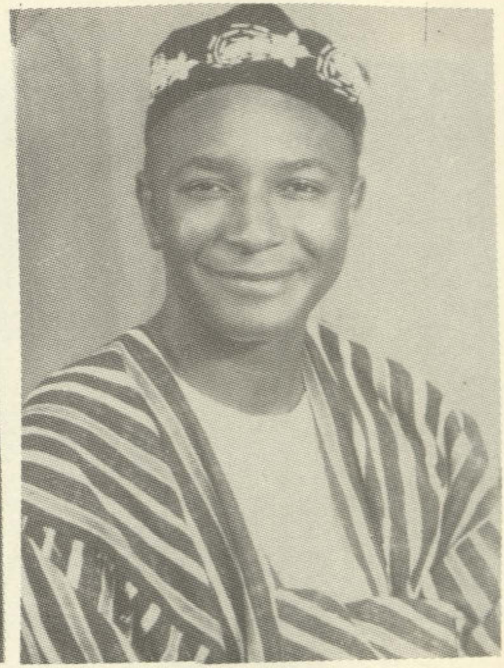
کسی احمدی کو ان سے ملنے کی اجازت نہ دی جاتی۔ اور نہ ان کا کوئی علاج کیا جاتا چنانچہ دیکھ بھال نہ کی جانے کی وجہ سے ان کی بیماری شدّت اختیار کر گئی۔ آخر بعض احمدی بزرگوں نے چیف کے لواحقین کو مختلف تحائف اور نقدی دے کر اس نوجوان کی جاں بخشی کروائی اور پھر ایک لوکل ڈاکٹر کے علاج معالجہ سے وہ جلد ہی اچھے ہو کر اپنی ڈیوٹی پر واپس باؤماہون چلے گئے۔ اس مخلص نوجوان کو میری درخواست پر محترم مولانا نذیر احمد صاحب مبشّر سیالکوٹی مبلّغ انچارج گھانا نے غانا سے سیرالیون مشن میں خدمتِ دین کے لئے بھجوایا تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں ہمیں احمدی بلکہ عام مسلمان استاد بھی اپنے سکولوں کے لئے نہیں ملتے تھے۔ اور ہمیں عیسائی ٹیچرز کو ملازم رکھنا پڑتا تھا جو بعض دفعہ درپردہ ہمیں نقصان بھی پہنچاتے تھے۔ ٹیچر آدم بن محمد صاحب بڑے اخلاص سے سیرالیون مشن میں کام کرتے رہے۔ بلکہ ان کے علاوہ بھی خاکسار کی تحریک پر تین چار احمدی نوجوان خدمت دین کے جذبہ کے ماتحت گھانا سے سیرالیون آئے۔ اور بڑی محنت اور اخلاص سے مشن کا کام کرتے رہے۔ ان میں ایک نوجوان عزیز ابراہیم بن محمود اب بھی بطور ہیڈ ماسٹر رد کو پہ احمدیہ پرائمری سکول سیرالیون میں سالہا سال سے کام کر رہے ہیں اور بڑے مخلص اور محنتی استاد ہیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ۔



مبلغینِ سیرالیون آنریبل پیراماؤنٹ فوڈے کائے پریزیڈنٹ ڈسٹرکٹ کونسل کے ساتھ
دائیں طرف مولانا نسیم سیفی سابق رئیس التبلیغ مغربی افریقہ کھڑے ہیں

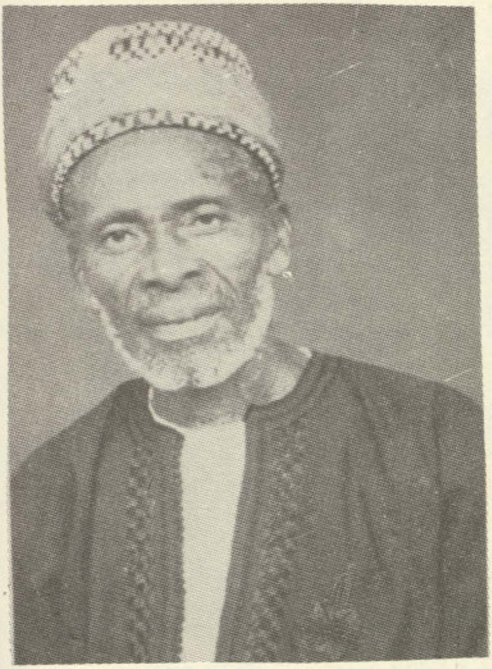


جماعت احمدیہ "بو" سیرالیون ۱۹۴۵ء میں ۔ درمیان میں مبلغ انچارج مؤلف کتاب ہذا کے دائیں طرف
متوتوکا کے نہایت ہی مخلص احمدی چیف محمد تقی مرحوم بیٹھے ہیں (صفحہ ۳۸۰)



آنریبل چیف این کے گا بانگا مرحوم آف سیرالیون

(صفحہ ۲۶۱)



محترم الحاج علی روجرز آف سیرالیون

(صفحہ ۳۱۷)



ایک مخلص لبنانی احمدی سید حسن محمد ابراہیم مرحوم اپنے بچّوں کے ساتھ جو سیرالیون میں احمدیت کے فروغ کا موجب ہوئے

(صفحہ ۵۲۰)



محترم الفا شریف صاحب آف سیرالیون

(صفحہ ۲۷۳)

حضرت مصلح موعودؓ کی دعائے مستجاب

اور

گامانگا کی غیر معمولی کامیابی

خاکسار جون ۱۹۴۱ء میں تبلیغی سلسلہ میں سیرالیون (مغربی افریقہ) کے شہر بلاما (BLAMA) میں اس ریاست کے احمدی پیراماونٹ چیف لحائے بن یامین مرحوم کے بنگلے میں مقیم تھا۔ ایک روز شدید بارش کے دوران ایک صحت مند چھریرے بدن کے خوبرو نوجوان گھٹنوں تک لمبے لمبے ربڑ کے بوٹ پہنے میرے پاس آئے اور کہنے لگے مَیں آپ کے پاس ایک نہایت ہی اہم معاملہ لے کر آیا ہوں۔ ہمارے روحانی باپ اور مقدس آقا خلیفۃ المسیح کے نمائندہ ہونے کی وجہ سے آپ بھی ہمارے باپ ہیں اس لئے کسی مشکل مرحلے پر ہمارا آپ کے پاس آنا ایک طبعی امر ہے۔ آپ کو علم ہے کہ میرے احمدی چچا آنریبل پیراماونٹ چیف خلیلو گامانگا آف سمبارو سٹیٹ لاولد فوت ہو گئے ہیں۔ ان کے بعد خاندانی طور پر ریاست کی سربراہی کا حق میرا بھی بنتا ہے۔ کیونکہ چچا خلیلو سے پہلے میرے والد پیراماونٹ چیف تھے ایک ڈیڑھ ماہ تک انتخاب ہونے والا ہے۔ میرے مقابل پہ دوسرے نوابی خاندانوں کے سات امیدوار کھڑے ہو رہے ہیں۔ جو سب مالدار اور با اثر لوگ ہیں اور عمر میں بھی سب مجھ سے بڑے ہیں۔ کئی انگریز اعلیٰ افسر اُن کے مداح ہیں ادھر میں اکیلا بے یار و مددگار ہوں اور مالی لحاظ سے بھی تہی دست ہوں۔ محض اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ وہ لوگ موٹروں اور ٹرکوں میں پھر پھر کر اپنا پراپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ جبکہ میرے پاس ایک سائیکل بھی نہیں ہے۔ تاہم جملہ امیدواروں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ صرف مَیں ہی ہوں شاید میری تعلیم کی وجہ سے ریاست کے لوگ میرے حق میں ہو جائیں۔ گو بظاہر میری کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ تاہم میری والدہ نے میری ہمت بڑھا کر مجھے قسمت آزمائی پر مجبور کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ تم چونکہ دینِ اسلام کی سچی راہوں پر گامزن ہو اللہ تعالیٰ

ضرور تمہاری مدد فرمائے گا۔

اس کے بعد کہنے لگے کہ آپ چند دنوں کے لئے اپنا سائیکل مجھے دیدیں مَیں نے اپنے محکمہ سے ایک ماہ کی رخصت لے لی ہے۔ تاکہ اپنی ریاست میں گاؤں گاؤں پھر کر لوگوں کو اپنا حق یاد دلاؤں اور اپنے والد چیف عثمان مرحوم کی خدمات اور حسنِ سلوک یاد دلا کر انہیں ووٹ دینے پر آمادہ کروں۔

ٹینی گامانگا سے آنریبل گامانگا

یہ مخلص احمدی نوجوان اس وقت صرف کینوا گا مانگا کہلاتے تھے اور ضلعی ہیڈ آفس کینماد (KANEMA) میں محکمہ زراعت کے ایک معمولی کلرک تھے۔ کینوا مینڈے زبان میں اس بچے کو کہتے ہیں جس کا قد یا جسم نشوونما پانا چھوڑ دے۔ پیدائش کے بعد ان کا جسم بڑھتا نہیں تھا۔ اس لئے خاندان والوں نے ان کا یہ نام رکھ دیا تھا جو بعد میں مستقل نام ہو گیا۔ اگرچہ بعد میں گا مانگا صاحب کا جسم خوب بڑھا۔

آنریبل گا مانگا کٹر کیتھولک عیسائی تھے۔ مگر ۱۹۳۹ء میں مولانا نذیر احمد علی صاحب کے ذریعہ عیسائیت سے تائب ہو گئے اور مسلمان ہو کر پابند صوم وصلوٰۃ اور اسلامی زندگی کا نمونہ بنے۔

بہرحال مَیں نے اپنا سائیکل ان کی فرمائش پر ان کے سپرد کرنے کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور متواتر پر زور دعائیں کرنے اور سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں فوری طور پر دعا کی درخواست کرنے کی تحریک کی۔ پھر میں نے انہیں کہا کہ اگر آپ وعدہ کریں کہ ریاست کے سربراہ بننے کے بعد آپ اپنی ساری ریاست کو مسلمان بنانے کی کوشش کریں گے اور ریاست کے مرکز میں ایک شاندار مسجد اور سکول تعمیر کرائیں گے۔ اور دوسری ریاستوں کے سربراہوں کی طرح چار سے زیادہ عورتیں اپنے حرم میں نہیں رکھیں گے بلکہ اپنی ریاست سے لونڈیوں کا تصور ہی ختم کرنے کی کوشش کریں گے تو مَیں بھی سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آپ کی کامیابی کے لئے خاص دُعا کی درخواست کروں گا۔

کامیابی کی قبل از وقت بشارت

چنانچہ کینوا گا مانگا صاحب نے مسجد احمدیہ بلاما میں بعد نماز ظہر احباب جماعت کے

سامنے یہ سب وعدے پورے کرنے کی قسم کھائی اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی کامیابی کے لئے بذریعہ تار اور خط خاص دعا کی درخواست بھی کردی۔ اور پھر خاکسار نے ساری جماعت سمیت دلی دعاؤں کے ساتھ انتخابی مہم پر انہیں روانہ کیا۔ خاکسار نے بھی حضور کی خدمت میں ان کے حالات تفصیل سے لکھ کر دعا کے لئے عرض کیا نیز اس وقت کے امیر جماعتہائے احمدیہ سیرالیون مولانا نذیر احمد علی صاحب رضی اللہ عنہ کی طرف سے جماعتوں میں گامانگا صاحب کی کامیابی کے لئے دعا کی تحریک ہوئی۔ چنانچہ اگرچہ مقابلہ بڑا کٹھن تھا اور کسی کو بھی کینوا گامانگا صاحب کی کامیابی کی امید نہ تھی۔ خصوصاً جبکہ وہ مالی لحاظ سے ووٹروں کی خدمت کرنے کے قابل بھی نہ تھے اور ان کے خاندان کے لوگ متواتر یکے بعد دیگرے لمبا لمبا عرصہ پیرامونٹ چیف بن کر اپنا حق لے بھی چکے تھے۔ اور اس مرتبہ سات بڑے اہم امیدوار ان کے مقابل پر تھے۔ تاہم اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی دعاؤں کو قبول فرمایا اور انتخابات سے عین ایک ہفتہ قبل مجھے حضور کی طرف سے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے مرسلہ خط کے ذریعہ سے بشارت ملی کہ "ہم نے گامانگا کے لئے دعا کی ہے اللہ تعالےٰ انہیں کامیاب کریگا۔ انہیں اطلاع دے دیں"۔

اس وقت میں قصبہ "بو" میں تھا۔ میں نے یہ مبشر خط "بو" کی جماعت کے مخلص احمدی حاجی عبدالرحمٰن ماساکوئے گولڈ سمتھ اور ان کے بھائی ابوبکر صاحبان کو (جو خدا تعالےٰ کے فضل سے اب تک زندہ ہیں) باجے بو بھیج کر گامانگا صاحب اور ان کی احمدی والدہ کو انتخابات سے چند روز قبل پہنچا دیا۔ جس پر وہ بہت خوش ہوئے اور لوگوں میں اعلان کر دیا کہ خلیفۂ وقت کو دی گئی بشارتِ ربّانی کے مطابق انشاء اللہ تعالےٰ ہم ہی کامیاب ہوں گے۔

انتخاب میں غیر معمولی کامیابی

چنانچہ مشیّتِ الٰہی سے ایسا ہوا کہ گورنمنٹ آف سیرالیون نے جس انگریز افسرِ اعلیٰ کو شاہِ انگلستان کا نمائندہ بنا کر اس ریاست میں انتخاب کرانے کے لئے باجے بو روانہ کیا وہ اس امر کے حق میں تھے کہ ریاستوں کے سربراہ اور چیف تعلیم یافتہ اور موجودہ

تہذیب وتمدّن سے بہرہ ور اور جہاندیدہ اشخاص ہونے چاہئیں۔ چنانچہ اس طرف انہوں نے بڑے مؤثر انداز میں ووٹروں کو مخاطب کرتے ہوئے توجّہ دلائی جس سے ریاست کے اکثر سرکردہ ووٹر کینوا گا مانگا کے طرفدار ہو گئے۔ کیونکہ باقی سب امیدوار ناخواندہ تھے۔ اور آخر کار گا مانگا صاحب خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے بڑی بھاری اکثریت سے اپنی ریاست کے لائف پیرامونٹ چیف منتخب ہو کر آنریبل پیرامونٹ چیف ناصرالدین کینوا گا مانگا کہلانے لگے۔ ناصرالدین نام ان کو حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عطا فرمایا تھا۔ جن کی دعا کے معجزانہ اثر سے وہ نہ صرف کامیاب ہوئے بلکہ قبل از وقت حضور کو بشارت دی گئی کہ گا مانگا صاحب کامیاب ہونگے۔

الحمدللہ کہ اس کے بعد چیف گا مانگا صاحب نے اپنے سب حلفیہ وعدے پورے کرنے کی کوشش کی اور اپنی بساط وحالات کے مطابق جماعتی مفاد کے لئے کوشاں رہے۔ وہ وفات سے قبل بفضلہٖ تعالےٰ سیرالیون کی تمام جماعتوں کے پریذیڈنٹ تھے۔ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز سے کئی بار شرف ملاقات حاصل کر چکے تھے اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بڑے مخلص اور سرکردہ خواص میں شمار ہوتے تھے دو مرتبہ قادیان اور ربوہ کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنے قرب میں بلند مقام عطا فرمائے۔ اور جماعت سیرالیون میں جو خلاء پیدا ہو گیا ہے اللہ تعالےٰ اپنے خاص فضل سے اس کو پُر کرے۔ آمین۔

سیرالیون میں پیرامونٹ چیف گا مانگا کے علاوہ اور بھی کئی پیرامونٹ چیف ایسے تھے اور بعض ان میں سے اب تک موجود ہیں۔ جنہیں اپنے انتخاب میں سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی دعا سے کامیابی ہوئی۔ مثلاً پیرامونٹ چیف الحاج ابراہیم لحائے سُووا آف بانڈا جُما سُووا اسٹیٹ۔ پیرامونٹ چیف ابوبکر صدیق آف کاکوا اسٹیٹ۔ پیرامونٹ چیف کھوکھر آف جمی باگبو اسٹیٹ۔ اور بعض اور بھی ⁂

سیرالیون کے بعض خطرناک جلدی کیڑے

ستمبر ۱۹۴۱ء میں باڈ ماہون احمدیہ پرائمری سکول کی نئی عمارت کے لئے لکڑیوں کی ضرورت پڑی تو ایک روز باڈ ماہون کے سب احمدی احباب گروپوں کی صورت میں قصبہ سے کوئی ڈیڑھ دو میل باہر جنگل سے لکڑیاں کاٹنے روانہ ہوئے۔ اور صبح سے تقریباً شام تک کاٹتے رہے کھانے کا انتظام بھی جماعت کی طرف سے وہیں پر کیا گیا تھا۔ خاکسار بھی سارا دن احباب کے ساتھ اس وقارِ عمل میں شریک رہا۔

اس دَوران اتفاقی طور پر مَیں نے ایک ایسے درخت سے کچھ کار آمد لکڑیاں کاٹیں جس کی ٹہنیوں سے سفید سے مادہ کے قطرے گر کر میرے بازوؤں اور جسم کے کئی دوسرے حصّوں پر معمولی سی خارش کا موجب ہوتے رہے بظاہر وہ قطرے اتنے چھوٹے تھے کہ جسم پر گرتے ہوئے مجھے محسوس بھی نہ ہوئے۔ مَیں چونکہ وہاں برہنہ پا اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ اس لئے میرے پاؤں کی انگلیوں میں بھی عجیب سی خارش شروع ہوگئی۔ تاہم مَیں نے کسی سے ذکر نہ کیا اور شام کو ہم لکڑیاں کندھوں پر اٹھائے باڈ ماہون واپس آگئے۔ خاکسار نے احتیاطاً پانی گرم کر کے کار بالک صابن سے غسل کیا اور طبیعت اچھی ہوگئی۔

جِلد کے نیچے کیڑوں کی نشوونما

لیکن دوسرے روز مَیں نے دیکھا کہ میرے بازوؤں اور جسم کے ان حصّوں پر جہاں وہ قطرے گرے تھے۔ چھوٹی پھنسیاں نمودار ہوچکی ہیں اور پاؤں کی انگلیوں کے ناخنوں کے اندر بھی خارش زیادہ ہونے لگی ہے۔ تین چار روز کے اندر میرے بازوؤں وغیرہ پر چنے کے دانے کے برابر سخت گلٹیاں سی بن کر شدید درد ہونے لگا اور ہر ایک گلٹی یا پھنسی کے اندر چیونٹی کے سر کی قسم کا ایک کیڑا ہلتا ہوا نظر آنے لگا۔ مجھے بہت بے چینی اور فکر ہوئی۔ سکول کے استادوں سے مَیں نے ذکر کیا مگر وہ کچھ نہ بتا سکے۔ ایک مرہم لگائی مگر بے سُود ثابت ہوئی کیونکہ وہاں دوائی یا ہاتھ لگانے سے وہ کیڑے اندر چھپ جاتے۔ اس صورتِ حال سے مجھے یہ شبہ بلکہ

یقین ہو گیا کہ میرے جسم میں کوئی گندی قسم کی کیڑوں والی بیماری پیدا ہو گئی ہے۔ جس کا فوری علاج نہایت ضروری ہے۔ گورنمنٹ ہسپتال وہاں سے ۳۵ میل دور "بو" میں تھا۔ جس میں سے بارہ میل کا راستہ پیدل تھا۔

دو مخلص بزرگوں کی ہمدردی

اس پریشانی کے عالم میں ایک طالب علم کو ساتھ لے کر میں فوری طور پر بغیر کسی کو بتائے "بو" کو چل پڑا۔ ابھی ہم "بو" کی سمت چند فرلانگ ہی چلے تھے کہ آگے سے جماعت کے دو بزرگ الحاج علی روجرز اور الحاج سعید وبنگورا جو دو تین روز سے باؤماہون سے باہر گئے ہوئے تھے۔ آتے ہوئے ہمیں مل گئے۔ ان کے دریافت کرنے پر میں نے وہ زخم اور گلٹیاں دکھا کر انہیں سارا ماجرا سنایا۔ وہ ہنس کر کہنے لگے یہ تو معمولی تکلیف ہے اور جنگل میں کام کرنے والوں کو اس ملک میں اکثر ہو جایا کرتی ہے۔ ہم ابھی اس کا علاج کر دیتے ہیں۔ آپ کو ذرا صبر سے کام لینا پڑے گا۔ اور کچھ تکلیف برداشت کرنی پڑے گی۔

مجھے چونکہ تکلیف زیادہ تھی۔ اور میں اسے خطرناک بیماری سمجھتا تھا۔ اس لئے میں ان سے متفق نہ ہوتے ہوئے ذرا خفگی کا انداز اختیار کر کے آگے چل پڑا۔ مگر وہ میرا راستہ روک کر اصرار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ آپ ہم پر اعتماد کریں ہم سچ کہہ رہے ہیں۔ اور ہم افریقن اس تکلیف کا علاج سفید فام ماہر ڈاکٹروں سے بہتر کر سکتے ہیں اگر ابھی ابھی ہم آپ کا علاج کر کے آپ کی یہ سب تکلیف دور نہ کر سکے تو آپ بیشک ہمیں جھوٹا قرار دیں اور "بو" ہسپتال علاج کے لئے تشریف لے جائیں بلکہ ہم خود آپ کو وہاں لے جائیں گے۔

کارگر لوکل علاج

چنانچہ انہوں نے وہیں پگڈنڈی پر ہی مجھے بٹھا کر میری سب گلٹیوں کو ایک ایک کر کے اپنے ہاتھوں سے نہایت زور سے دبایا جس سے مجھے شدید درد محسوس ہوا مگر ہر گلٹی میں سے تقریباً آدھ انچ لمبا بھورے سے منہ والا سفید کیڑا پھدک کر باہر نکلتا رہا اور اس کے ساتھ ہی مجھے سکون محسوس ہونے لگتا۔ اس کے بعد انہوں نے جنگل کی ایک جھاڑی سے ایک باریک سا کانٹا تلاش کیا۔ میرے پاؤں کی تین چار انگلیاں متورم اور سوجی ہوئی تھیں میں ان کے

کہنے پر ان کے سامنے پاؤں پسار کر بیٹھ گیا۔ اور انہوں نے کانٹے سے میرے پاؤں کے ناخنوں کے نیچے کریدنا شروع کر دیا جس سے مجھے شدید تکلیف ہوئی اور پاؤں سے خون بھی بہنے لگا۔ لیکن جب ایک انگلی سے انہوں نے ایک سیاہ سر اور چنے کے دانے کے برابر گول دھڑ والا کیڑا جسے "جگر" کہتے ہیں نکال کر مجھے دکھایا تو مجھے درد برداشت کرنے کا حوصلہ ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے اس طرح میرے ناخنوں کا اپریشن کر کے انگلیوں سے یکے بعد دیگرے اس قسم کے سب "جگر" نکال دیئے اور باوجود انگلیوں میں ان جگہوں پر گڑھے پڑ جانے کے مجھے سکون اور آرام محسوس ہونے لگا۔ پھر اسی وقت انہوں نے اِدھر اُدھر سے کسی خاص بُوٹی کے پتّے تلاش کئے جن کو ہاتھوں سے مل کر اس کا پانی میرے ان سب زخموں پر لگا دیا۔ جس سے درد بھی جاتا رہا۔ اور خون بھی بند ہو گیا۔

بعض دیہاتیوں کے پاؤں کی ناگفتہ بہ حالت

اس کے بعد انہوں نے مجھے بتایا کہ جنگل کے بعض خاص درختوں کے پتّوں پر اس قسم کے کیڑوں کے انڈے ہوتے ہیں جو درخت سے نکلنے والے پانی یا شبنم سے مِل کر انسانی جسم کی جلد میں داخل ہو جاتے اور دو چار روز میں نمو اختیار کر کے جسم کو کھانا شروع کر دیتے ہیں۔ جن کو اگر فوری طور پر نہ نکالا جائے تو خطرناک صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن پاؤں کے ناخنوں میں چھپ کر بڑھنے والے کیڑے اکثر زمین کی گرد میں ہوتے ہیں جو زمین سے پھلانگ کر ناخنوں کے نیچے چھپ جاتے اور پھر جلد میں داخل ہو کر گول شکل میں بڑھتے اور گڑھے کی طرح اپنا وہاں گھر بنا لیتے ہیں۔ جو افریقن انہیں نکالنے کی پرواہ نہیں کرتے ان کے پاؤں کی انگلیاں کچھ عرصہ کے بعد ختم ہو جاتی ہیں یا کم از کم ناخن جھڑ جاتے ہیں اور زخم بعض دفعہ کوڑھ کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ چنانچہ غریب طبقہ کے اکثر دیہاتی افریقنوں کے پاؤں کی یہی کیفیت ہوتی ہے البتہ شہری لوگ عموماً ان کیڑوں سے بچے رہتے ہیں کیونکہ وہ جرابیں اور جوتے استعمال کرتے اور صفائی کا خیال رکھتے ہیں۔

سیرالیون میں تعویزوں اور ٹونے ٹوٹکوں کا کاروبار

ایک واقعہ

ایک زمانہ میں موریطانیہ سنٹرل افریقہ کے عرب عالم کثرت سے سیرالیون آیا کرتے اور اکثر اپنے آپ کو آلِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم ظاہر کرکے ہر گاؤں گاؤں پھر کر مختلف قسم کے تعویز گنڈے اور ٹونے ٹوٹکے فروخت کیا کرتے تھے۔ ملک کے بڑے بڑے رؤساء اور تاجروں کے پاس یہ لوگ بطور مہمان قیام کرکے انہیں برکت دینے کے لئے چلّے بھی کیا کرتے تھے۔ غرضیکہ اس طرح مالی منفعت کی خاطر سادہ لوح عوام میں اپنی روحانی طاقتوں کا پرچار کرنا ان کا روز کا معمول تھا۔ اور یوں سال ڈیڑھ سال کے عرصہ میں خاصا روپیہ جمع کرکے اپنے وطن لوٹ جایا کرتے تھے۔ ہماری جماعت کے ساتھ ان کا رویّہ اکثر معاندانہ ہی رہتا تھا اور ہم سے بالمشافہ گفتگو اور بحث و تمحیص سے گریز کرتے تھے۔

سیّد حسن صاحب کا برجستہ جواب اکتوبر ۱۹۴۱ء کا ذکر ہے کہ سیرالیون کے شمالی صوبہ میں تبلیغی مہمات کے دوران ایک روز یہ عاجز متوتو کا سے "بو" آ رہا تھا کہ راستے میں ایک مٹی گاؤں مویا پو پہنچ کر میں کچھ آرام کرنے کے لئے اپنے ایک مخلص لبنانی احمدی بھائی سیّد حسن محمد ابراہیم کی دکان پر ٹھہر گیا۔ سیّد حسن صاحب نے میرے لئے چائے اور کچھ پھل وغیرہ منگوائے جو ہم دونوں دکان کے پیچھے صحن میں بیٹھ کر کھا رہے تھے کہ ان کے ایک عرب عالم دوست دو تین لوکل افریقنوں کے ساتھ اتفاقاً وہاں آ گئے۔ انہوں نے آتے ہی مجھے دیکھ کر مذاق کے رنگ میں سیّد حسن صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَخَا الْعَرَبْ! کیف انت والـدَّ ہُوۃ القادیانیۃ۔ یعنی اے عرب بھائی! السّلام علیکم۔ قادیانی جماعت کے ساتھ تیری کیسے گزر رہی ہے۔ اس پر سیّد حسن صاحب نے وعلیکم السّلام کہتے

ہی اسی بے تکلفی سے ہنستے ہوئے انہیں جواب دیا۔ اَلْقَادِیَانِیَۃُ لَیْسَتْ دَعْوَۃً وَلَا جَمَاعَۃً اَیُّھَا الْاَعْرَابِیُّ وَاَنَا لَسْتُ قَادِیَانِیًّا کَمَا تَزْعَمُ وَاِنَّمَا اَنَا مُسْلِمٌ اَحْمَدِیٌّ لُبْنَانِیٌّ رَغْمَ اَنْفِكَ وَرَغْمِ کُلِّ مَنْ یَلُفُّ لَفَّتَكَ وَیُنْکِرُ الْحَقَّ فَعَلَی الْاَحْمَدِیَّۃِ اَحْیٰی وَاَمُوْتُ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ۔ کہ اے اعرابی قادیانیت دنیا میں کوئی مذہب یا جماعت نہیں ہے جیسا کہ تم سمجھتے ہو مَیں قادیانی نہیں ہوں بلکہ تمہاری اور تمہارے جیسے دیگر منکرین حق کی ناپسندیدگی کے باوجود مجھے اپنے احمدی مسلمان ہونے پر فخر ہے۔ مَیں احمدیہ عقائد پہ زندہ ہوں اور انہیں پر مروں گا انشاء اللہ۔

تلوار اور گولی مجھ پر اثر نہیں کرتی؟

اس کے بعد وہ عرب عالم ہماری دعوت پر ہمارے ساتھ ہی بیٹھ کر چائے پینے لگے اس وقت ان کے بازوؤں پر اور گلے میں نہایت چمکدار چمڑے میں جڑے ہوئے بہت سے چھوٹے چھوٹے تعویز لٹک رہے تھے مَیں نے ان کے تعویزوں کو اپنے ہاتھ سے ٹٹولتے ہوئے ان سے پوچھا کہ یہ کس مقصد کے لئے ہیں اور ان سے آپ کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ کہنے لگے یہ مجھے میرے ہر قسم کے دشمن اور ہر مصیبت اور بیماری سے بچاتے ہیں۔ اور ہر بری چیز کا مجھے احساس دلا دیتے ہیں۔ یہ سنکر ان کے ساتھ آنے والے افریقن نوجوانوں میں سے ایک نے ہمیں بتایا کہ یہ عرب یہ بھی کہتے ہیں کہ ان تعویزوں کی وجہ سے کوئی خنجر یا تلوار وغیرہ تو علیحدہ رہی بندوق کی گولی بھی ان کے جسم پہ اثر انداز نہیں ہوتی۔ اس پر میں نے اس عرب عالم سے پوچھا کہ کیا یہ لمٹنی نوجوان درست کہہ رہا ہے؟ اس نے جواب دیا نَعَمْ بِحَوْلِ اللّٰہِ وَقُوَّتِہٖ۔ کہ ہاں خدائی طاقت اور قدرت سے ایسے ہی ہے۔

محض چھری سے ڈر کر اچھل پڑے

اس زمانہ میں میری جوانی کی عمر تھی اور جوانی کی ترنگ میں انسان کیا کچھ نہیں کر گزرتا۔ میرے ہاتھ میں اس وقت ایک چھوٹی سی چھری تھی جس سے آم کاٹ کر کھا رہا تھا میں نے ان کے پیٹ میں اس چھری کی نوک ذرا چبھو کر مسکراتے ہوئے زوردار آواز میں کہا۔ ایسے دعوے ثبوت کے بغیر تسلیم نہیں کئے جا سکتے۔

اس لئے اب آپ ذرا اپنے تعویذوں کو ہوشیار کرلیں - اور ان سے کہیں - کہ آپ کا بچاؤ کرلیں - ورنہ یہ تیز چھری ابھی آپ کا پیٹ چاک کر دے گی - میرے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی وہ یکدم اچھل کر دو قدم پرے جا کھڑے ہوئے اور خوفزدہ ہو کر کہنے لگے "دراصل میرے یہ تعویذ صرف دشمنوں کے حملہ سے مجھے بچاتے ہیں آپ تو دشمن نہیں بلکہ میرے مسلمان بھائی ہیں اور ان طلسمات کے ذریعہ میری حفاظت کرنے والے جنوں کو علم ہے کہ آپ میرا برا نہیں چاہ سکتے - بلکہ چونکہ آپ خدا کے نیک بندے ہیں اس لئے وہ آپ کی مجھ پہ زیادتی پر حرکت میں نہیں آئیں گے -

اس پر میں نے انہیں ذرا خفگی سے کہا - "ان غریب اور جاہل افریقنوں کو بیوقوف بنا کر ان سے روپیہ اینٹھنے کا آپ نے خوب ڈھنگ نکالا ہے - آپ نے ذرا اتنا ہی سوچا ہوتا کہ روزِ محشر آپ نے بھی خدا اور اس کے رسولؐ کے حضور پیش ہونا ہے اس وقت آپ کیا کریں گے - کیونکہ آپ کا یہ طریق کار صریحاً غیر اسلامی اور شرک پر مبنی ہے اور پھر اس قسم کی دھوکہ دہی کے باوجود آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ آپ کا اسلام سچا اور حقیقی ہے اور احمدیوں کا اسلام جھوٹا ہے - تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ -

اس پر وہ عرب شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئے -

ایک نئی جماعت کیسے قائم ہوئی؟

نومبر ۱۹۴۱ء کی بات ہے خاکسار کے ایک شاگرد سیّد علی عباس کوکیانے اپنے گاؤں والیھون (بو ڈسٹرکٹ سیرالیون) جا کر اپنے خاندان اور گاؤں کے لوگوں کو تبلیغ کی تو گاؤں کے اکثر لوگ سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہونے پر آمادہ ہو گئے خاکسار ان دنوں باؤ یاہون میں مقیم تھا۔ عزیز علی عباس نے واپس آکر وہاں کے حالات بتائے تو خاکسار اس کی معیّت میں والیھون گیا اور دو ہفتہ وہاں ٹھہر کر سب گاؤں والوں پر دینِ اسلام اور احمدیّت کی حقیقت واضح کی اور انہیں حضرت امام مہدی علیہ السّلام کی جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دی۔

پسماندہ دیہاتیوں میں سادگی اور اخلاص

آخر جمعہ کے روز میری تجویز پر لوکل چیف کے زیرِ انتظام گاؤں کی عدالتی بیرک میں حسبِ دستور ڈھول بجا کر سب لوگوں کو جمع کیا گیا۔ جہاں مَیں نے ایک گھنٹہ توبہ کا مفہوم اور شرائطِ بیعت واضح کئے اور نماز روزہ کی پابندی کی اہمیّت بتانے کے بعد اعلان کیا کہ اب جسے شرحِ صدر ہو وہ بیعت کرے۔ اس زمانہ میں وہ علاقہ اس قدر غریب اور پسماندہ تھا کہ لوگوں کو تن ڈھانکنے کے لئے کپڑا بھی مشکل سے میسّر آتا تھا۔ چنانچہ پہلے مَردوں نے بیعت کے لئے اپنے نام اور چندہ کی مقدار لکھوائی۔ ان کے بعد بیس پچیس عورتیں بڑے اخلاص سے تھوڑی بہت رقم ہاتھوں میں بطور چندہ لئے اپنے نام لکھوانے کے لئے آگے آئیں۔ ان میں سے بعض صرف ایک چادر میں ملبوس تھیں چونکہ وہ اکثر مشرک یا بدمذہب خاندانوں میں سے تھیں۔ اس لئے مَیں نے دو تین مرتبہ سورۃ ممتحنہ کی آیت نمبر ۱۳ کا ترجمہ اور مفہوم انہیں سمجھایا جس میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ اسلام قبول کرنیوالی خواتین یہ عہد کریں کہ وہ شرک، چوری، زنا، قتلِ اولاد، جھوٹ، بہتان اور نافرمانی سے باز رہیں گی اور اللہ تعالےٰ کے حضور توبہ اور استغفار کرتی رہینگی اس کے بعد باری باری سب نے اپنے نام اور چندے کی رقم لکھوائی۔ پھر سب

نومبایعین کے لئے اجتماعی دُعا کی گئی۔

ایک عورت کی حیران کُن صاف گوئی

دعا سے پہلے ایک نوجوان عورت آگے آئی جو قریب ہی کھڑی بڑی دیر سے کچھ سوچ رہی تھی اور چھ پنس کا سِکہ میرے ہاتھ میں تھما کر کہنے لگی کہ مَیں بھی مسلمان ہونا چاہتی ہوں اور یہ چھ پنس میری طرف سے صدقہ ہے چونکہ اس کے جسم پر صرف ایک چھوٹا سا تولیہ تھا۔ مَیں نے اسے سمجھایا کہ اگر اس کے پاس کپڑے نہیں تو کسی سے عاریتہً لے لے اس موقع پر بہر حال کوئی چادر وغیرہ ضرور ہونی چاہیئے۔ پہلے تو وہ کہنے لگی کہ مَیں کسی کی مرہونِ منت نہیں ہونا چاہتی۔ پھر چلی گئی اور ایک چادر اوڑھ کر واپس آگئی اور وہی چھ پنس پیش کر کے اس نے مجھے اپنا نام بتایا۔ اس کی باتوں اور انداز سے مجھے کچھ شبہ ہوا۔ اس لئے مَیں نے پھر وہی بیعت والی آیت دہرا کر اس سے پوچھا کہ کیا تمھیں اللہ تعالےٰ کی عائد کردہ یہ شرائط شرح صدر سے منظور ہیں۔ اور اس پر عمل کی کوشش کرو گی؟ اس سوال کے جواب میں اس کی بے باکانہ صاف گوئی سے مَیں بھی حیران رہ گیا۔ کہنے لگی مَیں خدا سے جھوٹا وعدہ نہیں کر سکتی مجھ سے ان شرائط پر عمل نہ ہوگا۔ جب تک میرا خاوند اپنی بداخلاقی نہیں چھوڑیگا مَیں بھی وہی کروں گی جو کچھ وہ کرتا ہے۔ مَیں نے کہا اپنے خاوند کی کسی برائی کی وجہ سے تم اپنے آپ کو اسلام کی رحمتوں سے اور برکتوں سے محروم نہ کرو۔ مگر وہ کہنے لگی۔ نہیں۔ ابھی نہیں۔ مَیں خدا کو دھوکا دے کر مزید بُرا نہیں بننا چاہتی۔ جب مجھے توفیق ہو گی توبہ کر لوں گی۔ چنانچہ وہ اسی طرح بڑ بڑاتی ہی خود ہی میز پر پڑے ہوئے اپنے چھ پنس اُٹھا کر مجمع میں واپس جا بیٹھی۔

پسماندہ لوگوں میں نیکی کی رُوح

میرے لئے یہ اپنی نوعیت کا ایسا انوکھا اور عجیب واقعہ تھا جو مَیں اب تک فراموش نہیں کر سکا۔ اور مَیں دیر تک اِس سوچ اور حیرانی میں گم رہا کہ ان جنگلوں کی پسماندہ آبادیوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو حیوانی زندگی بسر کرنے کے باوجود گناہوں کا احساس رکھتے ہیں۔ اور ان کا اعتراف کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے اور خدا کو دھوکا دینے اور اس سے جھوٹا عہد کرنے کو ناجائز خیال کرتے ہیں گویا

ان کی فطرت میں نیکی کی روح پھر بھی زندہ ہے جو کسی دن ضرور رنگ لائے گی۔ مجھے یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ اس عورت کو بعد میں اسلام قبول کر کے جماعت میں شامل ہونے کی توفیق ملی یا نہیں تاہم اس گاؤں یعنی والیھون (WALLIHUN) کی جماعت نے بعد میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے خوب ترقی کی اور نہ صرف وہ سارا گاؤں احمدی ہو گیا بلکہ اس کے ذریعہ ارد گرد کے علاقہ میں بھی کئی جماعتیں قائم ہو گئیں۔ فالحمدُ للہِ تعالیٰ۔

احمدیت کے خلاف ایک منظم منصوبہ اور اُس کی ناکامی

۱۹۳۹ء میں احمدیہ مشن انگلستان کی طرف سے حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس نے "قبرِ مسیح ہندوستان میں" کے عنوان سے ایک اشتہار کثیر تعداد میں چھپوایا تھا۔ جسے وہاں بکثرت تقسیم کیا گیا اور مارچ ۱۹۴۰ء میں لندن سے مغربی افریقہ تبدیل ہونے پر خاکسار کئی ہزار کی تعداد میں وہ اشتہار اپنے ساتھ سیرالیون بھی لے آیا۔ اس اشتہار میں صرف یہ بتایا گیا تھا۔ کہ خدا کے رسول حضرت مسیح علیہ السلام نے صلیبی موت سے بچ کر اپنی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں کشمیر کا سفر اختیار کیا اور آخر کار وہیں پر ۱۲۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ سیرالیون میں اس کی تقسیم سے عیسائی حلقوں میں کھلبلی مچ گئی اور مختلف عیسائی بشپوں نے حکومت سے اس کی ضبطی کا مطالبہ کیا۔ لیکن مذہبی آزادی کی بناء پر حکومت نے ان کے احتجاج کو قابلِ اعتناء نہ سمجھا۔ تاہم عیسائی حلقوں میں ہمارے خلاف ایک شور پڑ گیا۔

چنانچہ اپریل ۱۹۴۲ء میں جبکہ الحاج مولانا نذیر احمد علی مرحوم رضی اور خاکسار "بو" میں برادرم علی مصطفےٰ بونگے کے مکان پر مقیم تھے۔ ایک روز ریاست کا کوا (KAKWA) کے دفتر کا عیسائی ہیڈ کلرک مسٹر یانمباسو (YAMBASU) اپنے تین چار کارکنوں کے ساتھ اچانک آیا اور زبردستی ہماری قیام گاہ میں داخل ہو کر ہمیں زدو کوب کرنے لگا۔ اور قبرِ مسیح کے اشتہار انہیں جس قدر

وہاں نظر آئے اُٹھا کر پھاڑ دیئے۔

حضرت مولانا علی صاحبؓ نے بڑی نرمی سے انہیں سمجھایا کہ اس طرح غیر قانونی دست درازی کی بجائے انہیں چاہیئے کہ وہ سوچ سمجھ کر ہمارے خلاف قانونی چارہ جوئی کریں۔ مگر ان لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ایک اشتہار ہم نے اپنی رہائش گاہ کے بیرونی دروازہ پر گوند سے چسپاں کر رکھا تھا۔ جب وہ لوگ اسے چاقو سے کھرچ کھرچ کر پھاڑنے لگے تو مولانا علی صاحبؓ نے انہیں ہاتھ سے روکا اس پر مسٹر یانمیا سُو نے پورے زور سے مولانا صاحب کے منہ پر تھپڑ مارا لیکن انہوں نے نہایت پھرتی سے اپنا سر پیچھے کر لیا۔ اور اس کا ہاتھ مولانا صاحبؓ کی ناک کو چھُو سکا۔ ایک احمدی نوجوان برادرم الفا شریف اچانک موقعہ پر آ گئے اور یہ ظلم ہوتا دیکھ کر ان سے نہ رہا گیا چنانچہ انہوں نے کلرک مذکور کی کلائی مضبوطی سے پکڑ کر مروڑی اور اسے مارنا چاہا۔ مگر مولانا علی صاحبؓ نے فوراً انہیں منع کر دیا اس پر وہ لوگ یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ اب ہم تم لوگوں کو اس شہر سے نکلوا کر چھوڑیں گے۔ ہم نے اس واقعہ اور ان عیسائی کارکنوں کی زیادتی کی شکایت لوکل انگریز ڈی سی کے پاس کی جس نے معاملہ ریاست کے عیسائی پیرامونٹ چیف بوئیما (BOIMA) کے سپرد کر دیا۔ جو اسلام کا سخت مخالف تھا۔ انہیں دنوں ہم اس چیف سے احمدیہ مشن کے لئے "بو" میں زمین حاصل کرنے کی کوشش بھی کر رہے تھے اور ریاست کا کوا کے سب عیسائی مشنوں کے لیڈر اور بعض مسلمان عالم چیف کو ہمیں زمین دینے سے ہر قیمت پر باز رکھنے پر تُلے ہوئے تھے۔ قبرِ مسیحؑ کے اشتہار کے معاملہ میں بھی عیسائی لیڈروں نے اس چیف کو ہمارے خلاف خوب اکسایا کہ یہ اشتہار عیسائی اور مسلمان دونوں کے عقائد کے خلاف ہے۔ اور احمدی مبلّغ ان کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچا رہے ہیں۔

انہیں ایام میں ان سب مذہبی لیڈروں نے متفقہ طور پر چیف کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ احمدی مبلّغ ملک کے عیسائی اور مسلمان لیڈروں سے اختلافی مسائل پر پبلک مناظرہ کر لیں اور احمدیوں کی شکست کی صورت میں نہ صرف یہ کہ انہیں "بو" شہر میں مرکز کے لئے زمین نہ دی جائے۔ بلکہ انہیں اور دیگر افریقن

احمدیوں کو بھی ریاست سے نکال دیا جائے۔ اور اگر احمدی چیلنج قبول نہ کریں تو بھی انہیں اور ان کے سب پیروؤں کو ریاست بدر کر دیا جائے۔

یہ ایک سکیم تھی جو اسلام اور احمدیت کے خلاف علاقہ کے بڑے بڑے پادریوں نے بعض مسلمان علماء کو اپنے ساتھ ملا کر باہم مشورہ سے بنائی لیکن مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ کے مطابق یہ سکیم آخر کار مخالفین احمدیت ہی کے خلاف پڑی اور اسلام کی فتح ہوئی۔ جب مباحثہ کا دن آیا تو "بو" کے اس پیرامونٹ چیف نے ایک روز پہلے اپنا آدمی بھیجکر ہمیں صاف طور پر جتلا دیا کہ اگر تم یہ مباحثہ عیسائی اور مسلمان لیڈروں سے جیت گئے تو تمھیں جگہ دوں گا ورنہ نہیں دوں گا۔ اور پھر تم اس شہر سے نکال دیئے جاؤ گے۔ چنانچہ ہم نے بہت دعائیں کیں اور جماعت کے وہ چند دوست بھی دعاؤں میں لگ گئے اور ہم نے تیاری شروع کر دی۔ اور سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی دُعا کے لئے پہلے تار اور پھر عریضہ لکھ دیا۔

جس جگہ یہ مباحثہ ہونا تھا وہ چیف کی لوکل عدالت کی وسیع بیرک تھی۔ جب یہ یومِ موعود آپہنچا تو ہمارے دو تین شاگردوں نے وقتِ مقررہ سے بہت پہلے پہنچکر تمام عربی اور انگریزی کتب اور بڑی بڑی تفسیریں جو ہمارے پاس موجود تھیں اور بائیبل کے عربی اردو انگریزی کے نئے اور پرانے نسخے اور ان کی تفسیریں اور بعض کتبِ حدیث ایک لمبی سی میز پر قرینے سے رکھ دیں اور ہم نے ضروری حوالے وغیرہ بھی تیار کر کے ان کتب میں اچھی طرح ان کی نشاندہی کر لی۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے اور عدالت کا ہال حاضرین سے کھچا کھچ بھر گیا تو "بو" کے سب بڑے بڑے ہمارے مخالف پادری اپنے مخصوص عیسائی چوغوں میں نہایت پُروقار انداز سے آکر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ دراصل اس وقت تک وہ سب لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم احمدی مبلغ بھی شاید بعض دوسرے عرب علماء کی طرح صرف تعویذ گنڈے اور ٹونوں کا کام کرنے یہاں آئے ہیں۔ اور کچھ عرصہ کے بعد روپیہ اکٹھا کر کے ہم اپنے ملک کو لوٹ جائیں گے۔ ہمیں دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت سے کوئی غرض نہیں۔ لیکن اس روز وہ ہمیں وہاں مقابلہ کے لئے تیار اور چاق و چوبند

پاکر اور ہماری بڑی بڑی کتب دیکھ کر گھبرا گئے۔ کیونکہ وہ لوگ سوائے ایک بائیبل کے اور کوئی کتاب اپنے ساتھ نہ لائے تھے۔ اور مناظرہ شروع ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں میں ہماری علمیت اور سچائی کا ایسا رعب ڈالا کہ ان کے چہروں پر پریشانی کے آثار نمایاں ہو گئے۔

اتنے میں عیسائی پیرا مونٹ چیف اپنے زرق برق لباس میں ایک بہت بڑے چھاتے اور حاشیہ برداروں کے ساتھ آکر کرسئ صدارت پر بیٹھ گئے جس کے بعد انہوں نے ایک ایک کر کے ان مذہبی لیڈروں سے پوچھنا شروع کیا کہ ان کو احمدیوں کے خلاف کیا کیا شکایات ہیں اور وہ کیوں چاہتے ہیں کہ احمدیوں کو "بو" میں اپنے تبلیغی مرکز کے لئے زمین نہ دی جائے۔ اور ان کے کن عقائد کی احمدی لوگ ہتک کرتے ہیں ان میں سے ہر ایک اس امید پر خاموش رہا کہ کوئی دوسرا بولے گا اور اس کے سر سے یہ مصیبت ٹل جائے گی۔ جب ان مذہبی لیڈروں میں سے کوئی نہ بولا تو چیف نے دوبارہ پوچھا کہ تم میں سے کون کون احمدیوں سے بحث کریں گے۔ جب دوسری مرتبہ بھی وہ سب خاموش رہے تو حضرت مولانا نذیر احمد علی صاحب نے اُٹھ کر بڑے رعب اور جذبہ سے کہا۔ کہ ایک وقت میں صرف ایک لیڈر مجھ سے بحث کرے گا۔ جس کے دوران فریقین میں سے کسی کو دخل کی اجازت نہیں ہوگی البتہ ایک کے تھک جانے پر دوسرا کھڑا ہو سکتا ہے۔ اور احمدیوں کی طرف سے اسلام کے حق میں مَیں بحث کروں گا۔

اس پر پہلے تو وہ سب مخالف لیڈر سناٹے میں آ گئے اور کچھ لمحے ہر طرف خاموشی چھائی رہی پھر انہوں نے یکے بعد دیگرے اُٹھ کر کہنا شروع کر دیا۔ کہ ہمیں احمدیت کے خلاف کوئی شکایت نہیں یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں اور دوست ہیں اور ہمارے مہمان بھی ہیں۔ سب سے پہلے "بو" کے سب سے بڑے عیسائی بشپ صاحب نے اور ان کے بعد چیف کے اپنے امریکن چرچ (ایس ڈی اے) کے سربراہ ریورنڈ ولسن (WILSON) نے اُٹھ کر کہا کہ مجھے حاجی نذیر احمد کے خلاف کوئی شکایت نہیں وہ تو میرے ذاتی دوست ہیں۔ حالانکہ یہ امریکن بشپ اسلام کے اشد ترین مخالف اور حضور ہمارے خلاف بھڑکانے میں پیش پیش تھے اور ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔

کہ کسی طرح ہمارے قدم "بو" میں جمنے نہ پائیں۔ اُن کے بعد بو کے سب سے بڑے مذہبی لیڈر اور جامع مسجد کے امام سیّد ابراہیم نے اُٹھ کر کہا کہ ہم تو مسلمان ہیں اور یہ احمدی بھی مسلمان ہیں بلکہ یہ تو یہاں ہر طبقہ کو اسلام کی تبلیغ کر کے اسلام کی اشاعت کر رہے ہیں۔ ہمیں ان کے خلاف کیسے شکایت ہو سکتی ہے۔ اور میں تو ان کا میزبان بھی ہوں "بو" آتے ہی کئی روز تک یہ دونوں میرے مہمان رہے ہیں۔ اگر میں ان کو بُرا سمجھتا تو کبھی انہیں رہائش کے لئے جگہ نہ دیتا۔ حالانکہ اس زمانہ میں وہ بھی ہمارے مخالف تھے گو بعد میں احمدیت کے مدّاح ہو گئے تھے۔ اور اپنے دو عربی دان شاگرد ہمیں دے دیئے تھے کہ ہم ان کو تبلیغ کے کام میں لگائیں۔

ان مذہبی لیڈروں کے یہ جوابات سُن کر پیرامونٹ چیف بو غصّہ سے بھڑک اُٹھا اور اس نے اُٹھ کر سرِ عام انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا کہ تم لوگوں نے مجھے احمدیوں کے خلاف اُکسایا اور تم روزانہ میرے کان بھرتے رہے کہ یہ احمدی ایسے ہیں ویسے ہیں انہیں اس شہر میں جگہ نہ دی جائے اور تمہارے ہی اصرار پر میں نے آج مباحثہ کا موقعہ پیدا کیا تا کہ احمدیوں کا جھوٹ کھُل جائے اور احمدیوں کو شکست ملنے پر انہیں جگہ نہ دینے کے لئے مجھے ایک معقول عذر مل جائے۔ میں آج یہ تہیّہ کر کے آیا تھا کہ ان احمدیوں کو اب "بو" شہر سے نکال دیا جائے گا کیونکہ آج تو وہ ضرور شکست کھا جائیں گے۔ لیکن جب وقت آیا تو تم سب کو سانپ سونگھ گیا تم نے مجھے آج اس قدر شرمندہ کیا ہے کہ میں اب انگریز ڈویژنل کمشنر کے سامنے بھی مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ جس کو میں نے اس اجتماع اور مذہبی مناظرے کی اطلاع دی تھی۔ اس لئے آج اسی مقام پہ کھڑے ہو کر میں اعلان کرتا ہوں کہ میں ان انڈین احمدی مسلمانوں کو خود اپنی زمین میں سے اس شہر میں ان کے مشن اور سکول کے لئے جگہ دوں گا۔ اب کوئی بات مجھے اس سے باز نہیں رکھ سکتی اور میری طرف سے انہیں اسلام کی تبلیغ کی بھی اب کھُلی اجازت ہو گی۔

چنانچہ اس واقعہ کے چند دن بعد چیف نے ہمیں ایک ٹکڑا زمین دے دیا لیکن اس کے باوجود وہ ایک لمبا عرصہ تک قانونی طور پہ زمین کے اجارہ نامہ پر دستخط کرنے کے لئے تیار نہ ہوا اور کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ٹال دیتا رہا۔

چنانچہ پانچ چھ مرتبہ یہ معاملہ ڈسٹرکٹ کمشنر کی عدالت میں بھی پیش ہوا۔ بعض دفعہ انگریز ڈی سی کی طرف سے چیف کو سرزنش بھی ہوتی رہی۔ آخر مئی ۱۹۴۳ء کو بڑی رکاوٹوں کے بعد ڈویژنل کمشنر اے ایم سمتھ (A. M. SMITH) کے زور دینے پر چیف نے ہمیں دی گئی زمین کی لیز کے کاغذات پر دستخط کر دیئے اور یہ معاملہ مکمل طور پر طے ہو گیا۔ چنانچہ اب اسی زمین پر احمدیہ دار التبلیغ کی عمارتیں اور سیکنڈری اور پرائمری سکول اور دیگر عمارتیں قائم ہیں۔ اس روز سے خدا تعالیٰ کے فضل سے "بو" شہر میں ہمارے مبلغین کی علمیت اور ایمانی قوت کا ایسا رعب طاری ہوا ہے کہ کبھی کسی مخالف کو وہاں میری امارت کے طویل زمانہ میں اور اب تک ہمارے مبلغین کے مقابل پر آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

ریاست کاکوا (KAKWA) کا وہ پانمباشو نامی عیسائی ہیڈ کلرک جس نے ہماری رہائش گاہ میں داخل ہو کر ہم پر زیادتی کی تھی اور "قبرِ مسیح" کے اشتہار پھاڑے تھے وہ بھی خدا تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہ سکا۔ ہمارے سامنے اس کے خلاف ریاست کے جمع شدہ ٹیکس میں سے کئی سو پونڈ غبن کرنے کا مقدمہ چلا اور جیل کی سزا کے علاوہ اسے ملازمت سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔ جیل کاٹنے کے بعد اس کی کسمپرسی کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ پھٹے پرانے کپڑوں میں ننگے پاؤں احمدیہ مسلم مشن ہاؤس کے پاس سے گزرا کرتا کیونکہ اس کا گاؤں اسی طرف "بو" سے کوئی ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ اور بعض دفعہ ہمارے مشن کے افریقن کارکن اس پر رحم کھا کر صدقہ کے طور پر اسے کھانے کے لئے کچھ نہ کچھ دے دیا کرتے تھے۔ اور مجھے یاد ہے کہ "بو" احمدیہ جماعت کے وہی مخلص نوجوان برادرم الفا شریف جو اس کلرک کی حضرت مولانا علی صاحبؓ پر زیادتی کی وجہ سے اُسے کلائی سے پکڑ کر اسے مارنے لگے تھے۔ اسے کسمپرسی اور ناگفتہ بہ حالت میں پھرتا ہوا دیکھ کر ہی مجھے کہا کرتے تھے وہ دیکھیں صداقت احمدیت کا چلتا پھرتا نشان جا رہا ہے۔

ناشکری ہو گی اگر میں مذکورہ بالا انگریز ڈویژنل کمشنر مسٹر اے ایم سمتھ (A. M. SMITH) کا یہاں ذکرِ خیر نہ کروں۔ یہ انگریز بلا شبہ ایک بے حد

شریف النفس اور منصف مزاج افسر تھے۔ مجھے یاد ہے جب "بو" کے پیراماؤنٹ چیف بوئیما نے ان کی عدالت میں دو تین مرتبہ احمدیہ مشن کے لئے دی گئی زمین کی لیز پر دستخط کرنے سے بلا وجہ انکار کیا تو آخر کمشنر سمتھ نے تنگ آکر سب کے سامنے چیف کو کہا۔

"چیف آپ ہر مرتبہ بلا معقول عذر کے دستخط کرنے میں تردد کر کے ہمارا وقت ضائع کرتے ہیں اگر کوئی معقول وجہ ہے تو بیان کریں ورنہ میں تنگ آچکا ہوں بصورتِ دیگر میں اس معاملہ کو گورنر جنرل کے پاس پیش کر دوں گا"

اس پر چیف نے مجبور ہو کر دوسرے روز خود ہی کمشنر کے پاس آکر نہ صرف اجارہ نامہ کے کاغذات پر دستخط کر دیئے بلکہ ہماری موجودگی میں کمشنر کے سامنے اعتراف کیا کہ "بو" کے سب مشنوں کے پادری ان پر دباؤ ڈالتے رہے کہ احمدیت عیسائیت کا رد کرتی ہے اس لئے انہیں زمین نہ دو۔

اس کے بعد جب حضرت مولانا علی صاحبؓ اور خاکسار کمشنر سمتھ کا ہماری طرف سے شکریہ ادا کرنے ان کے دفتر میں گئے تو دورانِ گفتگو وہ کہنے لگے "ہمارا کام تو بلا رعایت انصاف کرنا ہے ویسے میں نے آپ کی بعض کتب پڑھی ہیں۔ اور آپ کے بارے میں میرا تاثر اچھا ہے۔ آپ اسلام کو قابل فہم اور ماڈرن انداز میں پیش کرتے ہیں جبکہ عام مذہبی لیڈر اکثر غیر معقول باتیں کرتے ہیں آپ کے مشن کے ممبروں کی دیانت اور شرافت نے بھی مجھے متاثر کیا ہے۔ میرے گھر کا ایک ملازم آپ کی جماعت کا ممبر ہے وہ بالکل ناخواندہ ہے۔ مگر میں نے اسے نہایت ہی دیانتدار اور وفادار پایا ہے۔ کمشنر سمتھ صاحب کے متعلق یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ انہوں نے ہماری درخواست پر کیتھولک پادریوں کی طرح ہمیں دو تین مرتبہ پول ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ کروایا تھا۔ بعد میں گورنر جنرل سیرالیون نے خود احمدی مبلغین کو مستقل طور پر پول ٹیکس معاف کر دیا تھا۔ کمشنر سمتھ کے ملازم قصبہ پورٹ لوکو کے ایک غریب مگر بڑے مخلص اور خدمت گذار قسم کے مسلمان نوجوان عزیز محمد عثمان تھے جو بقضائے الٰہی جوانی میں ہی جون ۱۹۴۵ء میں وفات پا گئے وہ جتنا عرصہ "بو" میں کمشنر سمتھ صاحب کے ساتھ رہے ان کے بنگلہ پر

اپنی ڈیوٹی ادا کرنے کے بعد بعض دفعہ ہمارے پاس آکر ہمارا گھریلو کام بھی کرجاتے تھے اور اکثر گھر میں مربّے اور کیک وغیرہ بنا کر بڑے اخلاص اور محبت سے جمعہ کے روز ہمیں پیش کیا کرتے تھے۔ عزیز محمد عثمان مرحوم کے بیان کے مطابق ۱۹۴۲ء میں (جنگ عظیم کے دوران) جب کمشنر سِمتھ اور ان کی بیوی رخصت پر انگلینڈ جانے لگے تو وہ جرمن آبدوزوں کی دہشت کی وجہ سے وہ دونوں بہت خوفزدہ تھے۔ لیکن ہمارے بھائی محمد عثمان مرحوم محض توکّل بر خدا ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انہیں کہا کہ وہ بے فکر ہو کر انگلینڈ جائیں۔ ان کا سفر انشاء اللہ خیروعافیت سے کٹے گا۔ اور وہ بخیریت واپس آئیں گے۔ کیونکہ دنیا کے واحد سچّے مذہب اسلام کے نمائندگان یعنی سیرالیون احمدیہ مشن کے ممبر اور مبلّغ ان کی سلامتی کے لئے دعا کر رہے ہیں چنانچہ جب وہ رخصت گزار کر انگلینڈ سے اسی سال بخیریت واپس سیرالیون آگئے تو ایک روز گھر کے باغ میں مسز سمتھ (S I M) صاحب کی بیوی نے باتوں باتوں میں محمد عثمان سے کہا میں تو ڈرتی تھی کہ اس مرتبہ کہیں سفر میں ہم سمندر کی مچھلیوں کا شکار نہ بن جائیں لیکن شکر ہے کہ ہم صحیح وسلامت واپس لوٹ آئے ہیں۔ جبکہ فلاں فلاں یورپین افسر سمندری حادثات کا شکار ہو گئے ہیں اس پر محمد عثمان نے انہیں بتایا کہ یہ محض ہماری جماعت اور اس کے مبلّغین کی مخلصانہ دعاؤں کا کرشمہ ہے کیونکہ میں مسجد میں اکثر نماز کے اوقات میں انہیں آپ کی بخیریت واپسی کے لئے دعا کی یاد دہانی کرایا کرتا تھا۔ اس پر مسز سِمتھ کہنے لگیں "تو کیا واقعی تم لوگ اتنا عرصہ ہماری سلامتی کے لئے دعائیں کرتے رہے ہو" محمد عثمان نے کہا۔ جی ہاں اور خصوصاً میں خود آپ کی بخیریت واپسی کے لئے اپنی نمازِ تہجد میں روزانہ دعا کیا کرتا تھا"۔ مرحوم سفر و حضر میں باقاعدگی سے تہجد پڑھا کرتے تھے۔

مسز سِمتھ ایک نوعمر ہنس مکھ اور شوخ سی خاتون تھیں۔ محمد عثمان کے منہ سے یہ بات سنتے ہی وہ خوشی سے پاگل ہو گئیں اور اسی دم بھاگی بھاگی اپنے خاوند کے کمرے میں گئیں اور انہیں ساری بات کہہ سنائی چنانچہ بقول عزیز محمد عثمان کمشنر سِمتھ بھی اپنی بیوی سے یہ باتیں سُنکر اتنے محظوظ ہوئے کہ اسی وقت دونوں نے

پھر باغ میں محمد عثمان کے پاس آکر جہاں وہ کام کر رہے تھے اس سے ساری بات دوبارہ سُنی جسے سنکر کمشنر سٹم بڑی حیرانی سے کہنے لگے۔
"بڑی عجیب بات ہے ہم کو تو ابھی یہ بھی پورا پتہ نہیں کہ خدا ہے بھی کہ نہیں ۔ کیا واقعی خدا تعالےٰ بندوں کی دعائیں سُنتا اور قبول کرتا ہے اور کیا مسلمان واقعی اپنے خدا سے ہمکلام بھی ہوتے ہیں ہم تو اسلام کو صرف محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا تجویز کردہ مذہب سمجھتے تھے"۔
جواب میں محمد عثمان مرحوم نے عرض کیا۔ "جی ہاں ضرور سنتا ہے بلکہ میرے جیسے ناچیز گنہگار کی دعائیں بھی اس نے کئی بار سُنکر قبول فرمائی ہیں۔ اگر آپ خدا سے ہمکلام ہونے کا حظ اٹھانا چاہتے ہیں تو دینِ محمدؐ کو دل سے قبول کرلیں پھر دیکھیں آپ میں کتنی روحانی تبدیلیاں آتی ہیں"۔ غرض محمد عثمان صاحب کے نیک نمونہ اور دیانت کی وجہ سے کمشنر سٹم (۱۹۱۶ء) اور ان کی بیوی اسلام سے حسن ظن رکھتے تھے۔ اور اس کی وفات تک اس سے حسنِ سلوک کرتے رہے بلکہ اس کی وفات کے بعد بھی اس کی بیوی بچوں پر احسان کرتے رہے اور عرصہ تک انہیں اپنے بنگلے میں ہی رہنے دیا۔ اور غالباً اسی وجہ سے انہوں نے "بو" کے عیسائی پیراماونٹ چیف کے مقابل پر ہماری حمایت کی تھی فجزاہ اللہ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ عزیز محمد عثمان مرحوم کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے آمین۔ وہ ۱۹۲۱ء میں حضرت مولانا نذیر احمد علی صاحبؓ کے فری ٹاؤن سے پہلے پورٹ لوکو کے پہلے دورہ کے وقت وہاں سب سے پہلے بیعت کرکے احمدی ہوئے تھے۔ اور یوں بھی نمونہ کے لحاظ سے اس علاقہ کے نمبر اول احمدی تھے۔

(الفضل مورخہ ۲۰ر جولائی ۱۹۴۵ء)

ایک پہاڑی سفر اور ہاتھیوں کی لڑائی

باڈ ماہون اور ٹونگے "بو" ڈسٹرکٹ میں دو اہم گاؤں ہیں جہاں ہماری مخلص جماعتیں موجود ہیں دونوں گاؤں کے درمیان بیس میل کا فاصلہ ہے اور یہ گھنے جنگلات سے پُر ایک ہی طویل پہاڑی سلسلہ ہے جس میں انسانوں کی نسبت جنگلی جانور زیادہ ہیں خصوصًا ہاتھیوں کے شکار کے لئے وہ علاقہ مشہور ہے تاہم ان پہاڑیوں میں چونکہ سونا بہت ملتا ہے۔ اس لئے ان میں کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی آبادیاں بھی موجود ہیں۔

یہ دشوار گزار راستہ جماعت کے ابتدائی مبلغینِ اسلام کو پیدل طے کرنا پڑتا تھا۔ پہلے دس میل چڑھائی اور دوسرے دس میل اترائی ہے۔ راستہ میں عمومًا ایک رات ضرور کہیں نہ کہیں ٹھہرنا پڑتا تھا۔ جون ۱۹۴۱ء میں ایک روز خاکسار کو باڈ ماہون سے فوری طور پر ٹونگے جانا پڑا۔ عزیز محمد کمانڈا بونگے (BONGAY) اور دو اور احمدی نوجوان میرا سامان اٹھائے ہوئے میرے ہمراہ تھے (مسٹر محمد کمانڈا بونگے آجکل سیرالیون احمدیہ مشن کے جنرل سیکرٹری ہیں)

ابھی ہم نے باڈ ماہون سے تین چار میل ہی طے کئے تھے کہ اچانک اپنے آگے ہمیں بے پناہ شور وغوغا سنائی دیا۔ جیسے درخت ٹوٹتے گرتے اور گھسیٹے جاتے ہیں۔ پھر ایک شخص ہمیں ملا جس نے بتایا کہ آگے تین چار بڑے بڑے ہاتھی گزشتہ روز سے آپس میں لڑ رہے ہیں اور راستہ خطرے سے خالی نہیں میں نے محمد بونگے سے کہا کہ اگر راستہ سے ہٹ کر اور جنگل کے ذرا اندر سے ہو کر ہم آگے نکل جائیں تو کیا حرج ہے ہاتھی ہمیں کہاں دیکھ سکتے ہیں۔ وہ تو آپس میں لڑ رہے ہیں۔ مگر لڑکے ہاتھیوں کی دہشت کی وجہ سے آگے چلنے پر رضامند نہ ہوئے۔

گھر گھر ہاتھی کا گوشت ابھی ہم یہ مشورہ کر ہی رہے تھے کہ ایک احمدی بھائی مصطفیٰ طولا نامی باڈ ماہون سے بھاگے بھاگے آئے

اور مجھے بتایا کہ باڑ ماہون کے احباب جماعت کہتے ہیں کہ ابھی آپ آگے نہ جائیں اور واپس آجائیں۔ چنانچہ ہم پھر واپس باڑ ماہون آگئے۔ اگلے روز عصر کے وقت میں اپنی رہائش گاہ سے باہر نکلا تو گاؤں میں ہر طرف عجیب قسم کی بُو پھیلی ہوئی تھی دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کل ان لڑاکے ہاتھیوں میں سے ایک مارا گیا تھا۔ جس کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے گاؤں کے مشرکین کھانے کے لئے لے آئے ہیں اور گوشت گھر گھر تقسیم کر دیا گیا ہے اور یہ اسی کی بُو ہے۔ چونکہ مشرکین میں سے بھی ایک خاصی تعداد اسلام قبول کرکے ہماری جماعت میں شامل ہو چکی تھی اس لئے اگلے دو تین روز باڑ ماہون احمدیہ مسجد میں اس مسئلہ پر سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ کہ مردہ جانور کھانا اسلام میں کیوں حرام ہے اور ہاتھی سانپ اور بندر وغیرہ شکار کرکے کھانا حلال ہے یا حرام؟

ہاتھی کے گوشت کی بُو سے پرندوں کی ہلاکت

مشہور پادری اور سائنسدان ڈاکٹر لونگسٹن (Dr. LIVINGSTONE) نے ہاتھی کے گوشت کے متعلق اپنی ایک ڈائری میں مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنا ذاتی مشاہدہ لکھا ہے کہ

"افریقہ کے اندرونی علاقوں میں بعض افریقن قبائل ہاتھی کا بدبودار گوشت سٹور کرکے کئی کئی دن تک کھاتے رہتے ہیں حالانکہ اس کی ناقابل برداشت بدبو سے گھریلو طوطے اور اس قسم کے دیگر پرندے چند گھنٹوں کے اندر مر جاتے ہیں۔"

ظاہر ہے کہ اس قسم کے جانوروں کا گوشت انسان کے لئے شرعی لحاظ سے نہ صرف غیر طیب ہے بلکہ میرے خیال میں اسے حلال کہنا بھی درست نہیں۔

یاد رہے کہ اس ملک میں گوشت کی شدید قلت کے باعث اندرونی علاقہ کے عیسائی اور مشرک ہاتھی، لومڑ، بندر، سؤر، سانپ، جنگلی بلے وغیرہ عموماً کھا جاتے تھے۔ بلکہ بعض علاقوں میں آدم خوری کی وارداتیں بھی ہوتی رہتی تھیں میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ ضلع مویامبا میں مقیم بعض کیتھولک یورپین پادری بندر وغیرہ کھا لیتے تھے اور اس کے مرغوب یا معیوب ہونے پر ہم سے بحث کیا کرتے تھے۔

سیرالیون میں ایک خاص قسم کی مکھی پائی جاتی تھی جو چوپائیوں مثلاً گائے بکری وغیرہ کے لئے سخت مہلک تھی۔ اس وجہ سے ملک میں گوشت وغیرہ کی سخت قلت رہتی تھی۔ مگر اب اس مکھی کو ختم کر دیا گیا یا غالباً بیماری پر کنٹرول کر لیا گیا ہے ؛

استاذ موسیٰ الزین شرارہ لبنانی کا قصیدہ

اور اس کا جواب

مغربی افریقہ میں ہزاروں کی تعداد میں لبنانی اور شامی نسل کے عرب بستے ہیں جن کی اکثریت اسلام کے شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ گو ایک اچھی خاصی تعداد ان میں سُنّی مسلمانوں اور عیسائی عربوں کی بھی ہے تاہم پیشہ کے لحاظ سے سب تاجر ہیں۔

۱۹۴۲ء کا ذکر ہے لبنان کے ایک مسلمان سیاسی لیڈر مسمّی استاذ موسیٰ الزین شرارہ بطور سیاسی پناہ گزین سیرالیون میں اپنے بعض عزیزوں کے پاس مقیم تھے۔ وہ باوجود عالمِ دین ہونے کے بڑے آزاد طبع اور عیّار قسم کے آدمی تھے۔ سیرالیون میں ان کی آمد کا مقصد غالباً اپنے ہم وطنوں کو اس وقت کی فرانس نواز لبنانی حکومت کے خلاف ابھارنا اور وطن کے نام پر ان سے روپیہ حاصل کرنا تھا وہ ایک عالمِ بے عمل ہونے کے باوجود اپنے آپ کو فخریہ انداز میں سیّد ظاہر کرتے تھے جس کی وجہ سے عام لبنانی تاجروں میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ گو بہرِ عام شراب استعمال کرنا ان کا روزہ کا معمول تھا۔

گاندھی کے متعلق غلط خیال

سیرالیون میں ان کے قیام کے دوران میرے ساتھ بھی ایک دو مرتبہ احمدیت پر ان کی گفتگو ہوئی تاہم دورانِ گفتگو وہ اپنی سیاسی شخصیت کو ہی اُجاگر کرنے

میں مصروف رہے اور برّصغیر ہندوستان کے مسلمانوں کو الزام دیتے رہے کہ وہ گاندھی جیسے مخلص اور محبّ وطن لیڈر کا ساتھ دے کر انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے سے گریز کر رہے ہیں۔ اور میرے سمجھانے پر بھی نہ سمجھے۔ کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے محبوب اور مخلص سیاسی لیڈر صرف قائدِ اعظم محمد علی جناح ہیں۔ بلکہ مجھے مذہبی جنونی کہہ کر پکارنے لگے۔ جس پر میں نے پھر انہیں منہ لگانا پسند نہ کیا۔ لیکن اس کے بعد انہوں نے اپنی مجالس میں احمدیت کی مخالفت شروع کر دی۔ اور لبنانی عربوں کو ہمارے خلاف اُکسانے لگے۔ تاہم انہوں نے خود ہی اپنے کئے کی سزا پالی۔ یعنی ایک سال کے اندر اندر ہی سیرالیون گورنمنٹ نے انہیں وہ مُلک چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا۔

جماعت احمدیّہ کے خلاف قصیدہ

سیرالیون میں قیام کے دوران ایک عرب سیاسی مجلس میں انہوں نے اپنا ایک طویل عربی قصیدہ پڑھا جس میں انہوں نے جماعت احمدیّہ کے خلاف بھی زہر اُگلا۔ اور اسے یہود نواز اور انگریزوں کے ایجنٹ وغیرہ کہا۔ یہ قصیدہ ایک لبنانی احمدی دوست کے ذریعہ استاذ شرارہ نے مجھے بھی ارسال کیا۔ خاکسار نے انہیں دنوں عربی قصیدہ میں ہی اس کا جواب تحریر کر کے انہیں بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک ارسال کر دیا۔ جس کے بعد وہ خاموش ہو گئے۔ ذیل میں ان کے طویل قصیدے کا وہ حصّہ جو ہمارے خلاف تھا اور ہماری طرف سے اس کے جواب میں تفصیلی قصیدہ مع اردو ترجمہ قارئین کے لئے پیش ہے۔

استاذ شرارہ کے قصیدہ کے متعلقہ اشعار

اِربأ بنفسِكَ انْ تقودكَ عُصْبَةٌ

تُو اپنے آپ کو ایک ایسی جماعت کے زیرِ قیادت ہونے سے بچا

تُخفِي وَراءَ الخيْرِ اَسْوَأَ مقْصَدِ

جو بظاہر بھلائی کے پیچھے بدترین مقصد چھپائے ہوتے ہے

اِنْ لَمْ تكُنْ هِيَ لِلْيَهُوْد فَاِنَّهَا

اگر یہ جماعت (نعوذ باللہ) یہودیوں کی قائم کردہ نہیں۔

مأجُورَةٌ لَا شَكَّ لِلْمُتَهَوِّدِ

توپھر بلاشبہ یہ یہود نواز قوموں کی پروردہ ہے

اِنْ لَمْ يَقُدْنَا السَّابِقُوْنَ لِخَيْرِنَا

اگر ہمارے بزرگانِ سلف ہمیں نیکی پر نہیں چلا سکے

أَيَقُودُنَا لِلْخَيرِ هٰذَا الْأَحْمَدِي

تو یہ احمدی مبلّغ ہمیں نیکی پر کیا چلا سکے گا

العُرْبُ أَهلِي قُلْ وكُلُّهُم أَخِي

عرب اچھے ہوں یا بُرے متقی ہوں یا مُلحد

لَا فَرْقَ بَيْنَ تَقِيِّهِمْ وَالْمُلْحِدِ

انہیں کو بلا امتیاز تو اپنا بھائی سمجھ

الدِّين حَوِّلْهُ إِلَى دَيَّانِهِ

مذہب کو حوالہ بخدا کر دے

هُوَ مِنْكَ أَولَى فِي صِلَاحِ الْمُفْسِدِ

وہ مفسد کی اصلاح تجھ سے بہتر کرنے کا اہل ہے

أَوطَانُنَا دَارُ النَّعِيمِ غَدَتْ لَنَا

ہمارے پُرنعمت وطن ہمارے لئے دوزخ ہو کر رہ گئے ہیں

سَقَرًا وَخُلْدًا لِلدَّخِيلِ الْمُعْتَدِي

جبکہ مکّار غاصب کے لئے جنّت بن گئے ہیں

لَوْأَنَّ سُورِيَّه الجميلة حُرَّةٌ

اگر سوریا کا حسین ملک آزاد ہوتا

مَا كُنْتُ مُلْتَجِأً لِأَرْضِ الْأَسْوَدِ

تو مَیں کبھی سیاہ فام لوگوں کی زمین میں پناہ نہ لیتا

وطني لَهُ روحي لَهُ جسمي لَهُ

میری جان وجسم اور میرا دل اور عزیز واقارب

قلبي لَهُ أهلِي وَمَاملكتْ يَدِي

اور سب کچھ میرے وطن پر قربان ہے۔

اَدنیہِ حُرّاً مُستَقِلاًّ ھَادِئاً

مَیں اپنے وطن کو غلام بنانیوالوں کے طوقِ غلامی سے

مُتَفَلّتاً مِنْ رِبْقَۃِ الْمُسْتَعْبِدِ

آزاد اور پُر امن دیکھنا چاہتا ہُوں۔

وَانْسَبِحْ عَلیٰ منوالِ غَانْدِی وَالْتَمِسْ

تجھے چاہیئے کہ تو غاندی کے طریقِ کار کو اختیار کرے

خطواتِہِ ولَہُ دَوَاماً مَجِّدِ

اور اسی کے نقشِ قدم پر چلے اور ہمیشہ اسی کی تعظیم کرے

ھٰذَا نَبیٌّ مُرْسَلٌ فِی مَذھبی

میرے نزدیک تو غاندی بھی مسیحؑ اور

مِثل المَسِیْحِ لِقَوْمِہِ ومحمّدٍ

محمّدؐ کی طرح اپنی قوم کے لئے نبی اور رسُول ہے

فَلْیَسْقُطِ الْغَرْبُ الدّنِیُّ بِعِزِّہٖ

کمینی مغربی قوموں کی عزّت خاک میں مل جائے

مِنْ بَعْدِ ذَاکَ نَخُذْ بِعُنُقِی اَوْ یَدِی

اسکے بعد بیشک تو مجھے گردن یا ہاتھ سے پکڑ کر گرفتار کر لے

——اما الجواب——

یَا مَنْ یُعَادِینی وَ یَرْجُوا زَلّتی

اے مجھ سے دشمنی رکھنے والے اور

وَیَظُنُّ اَنَّ اللہ لَیْسَ بِنَاصِرِی

جو سمجھتا ہے کہ خدا میری مدد نہیں کرے گا

اِعْلَمْ بِاَنَّ الْفَضْلَ بِالتَّقْوٰی وَلَا

تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ اصل فضیلت تقویٰ میں ہے

بِتَکَاثُرٍ وتَبَاغُضٍ وَتَفَاخُرٍ

نہ کہ کثرت پر فخر کرنے اور بُغض کا اظہار کرنے میں

اَلْخَلْقُ اَهْلِی قُلْ وَ لا الْعُرْبَ فقط

صرف عربوں کو ہی نہیں بلکہ چھوٹے بڑے کی تمیز کے بغیر

لَا فَرْقَ بَیْنَ صِغَارِهِمْ وَاَکَابِرِ

تمام مخلوق کو اپنا اہل سمجھ

سَیَّانِ عِنْدَ اللّٰہِ رَبِّ مُحَمَّدٍ

خدائے محمدؐ کے نزدیک اہل شام ہوں کہ

سُکَّانُ سُورِیَہ وَاَهْلُ جَزَائِرِ

اہل جزائر۔ سب برابر ہیں۔

اَتْقَی الاَنَامِ یَکُونُ اَکْرَمَ عِنْدَهُ

خدا کے نزدیک سب سے متقی ہی زیادہ قابل عزت ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُ مِنْ صُلْبِ عَبْدٍ صَاغِرٍ

خواہ کسی حقیر غلام کی اولاد ہی ہو۔

یَا اَهْلَ سُورِیَہ الجمیلۃَ قَارِنُوا

اے حسین ملک شام کے رہنے والو!

بَیْنَ الحَدِیْثِ وَقَوْلِ هٰذَا الشَّاعِرِ

ذرا حدیث نبوی اور اس شاعر کے کلام کا موازنہ کرو

لَا تَطْلُبَنْ تَحْرِیْرَ سُورِیَ وَحْدَهَا

زبردستی غلام بنانے والوں کی غلامی سے

مِنْ رِبْقَةِ الْمُسْتَعْبِدِ الْمُتَظَاهِرِ

صرف شام ہی کی آزادی کا مطالبہ نہ کر

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلخَلَائِقِ کُلِّهَا

بلکہ تمام مخلوق کے لئے اپنی شفقت کو وسیع کر

وَانْهَجْ مَنَاهِجَ اَهْلَ خَیْرٍ وَافِرٍ

اور عام بھلائی کرنے والوں کا طریق اختیار کر

اُوصِیكَ لَا تَنْسِجْ عَلٰی مِنْوَالِ مَنْ

میری یہ نصیحت ہے کہ ان لوگوں کا طریق اختیار نہ کر

هُوَ يَعبُدُ البقرَاتِ مِثلَ السَّامِری
جو سامری کی طرح گوسالہ پرست ہیں۔
لَاخیر فی غاندی وفی اتباعہ اذ
غاندی اور اس کے پیروکاروں سے جو نبی پاکؐ کے
هُندوسِ اَعدَاءِ النّبیِّ الطّاهِرِ
دشمن ہیں کسی بھلائی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔
دع ذکر غاندی والتمس خطواتِ مَنْ
غاندی کی تعریف کو چھوڑ اور اس ہستیؐ کے
هُوَ جَاءَ فِی اُمِّ القُرٰی بِبَشَائِرِ
نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کر جو امّ القریٰ میں بشارت کے ساتھ ظاہر ہوا تھا۔
هُوَ اُسْوَةٌ لِلعَالَمِینَ وَرَحْمَةٌ
وہ سب دنیا کے لئے اسوہ اور رحمت ہے
هُوَ جَنَّتِی وَهُوَ السَّوَادُ لِنَاظِرِی
اور وہ میرا بہشت اور میری آنکھ کی پتلی ہے
رُوحِی لَهٗ جِسْمِی لَهٗ قَلْبِی لَهٗ
میرا جسم وجان اور دل سب اسی کی نذر ہے
وَلَهٗ اُجَاهِدُ فِی الوَرٰی کَمُهَاجِرِ
اور اسی کی خاطر میں دنیا میں بے وطن بنکر جہاد کر رہا ہوں
ثَکِلَتْكَ اُمُّكَ قَدْ ضَلَلْتَ عَنِ الهُدٰی
تجھ پر افسوس ہے کہ تو ہدایت سے بھٹک گیا ہے
وَعَمِیْتَ عَنْ نُورِ النَّبِیِّ البَاهِرِ
اور اس پُر نور نبیؐ کے نور سے بے بہرہ ہو گیا ہے
اَعطیتَ غاندیًا مَقَامَ رِسَالَةٍ
تو نے غاندی کو رسالت کا مقام دیا ہے
اِخسَأْ فَاِنَّكَ قَدْ هَذَیْتَ کَهَاجِرِ
تُف ہے تجھ پر کہ تو نے یاوہ گوئی کی ہے۔

اَوکُنْتَ اِبْنَ رَسُولِنَا لَفَدَیتَہٗ

اگر تُو رسُول کی نسل سے ہوتا تو اس پر قربان ہوتا

لَاکِنْ وَجَدْتُکَ مِثْلَ خَلْفٍ جَابِرٍ

لیکن مجھے تو تُو ناخلف معلوم ہوتا ہے

اوطانکم دار النّعیم غدت لکم

درست کہ تمہارے پُر نعمت وطن تمہارے لئے دوزخ ہوکر رہ گئے ہیں

سَقَرًا وَخُلْدًا لِلدَّخِیلِ الْمَاکِرِ

اور مکّار غاصب کے لئے جنّت بن گئے ہیں

وَاللّٰہ لیس بظالمٍ لِعبادہٖ

لیکن اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا

ھُوَ لَا یُعَذِّبُ دونِ جرمٍ ظَاھِرٍ

اور نہ واضح جرم کے بغیر کسی کو سزا دیتا ہے۔

فَالذَّنبُ کُلُّ الذَّنْبِ مِن سُکّانِھا

پس سارا قصور (تیرے) اہلِ وطن کا ہے۔

بَاعُوْا دِیَانَتَھُمْ بِدُنْیَا الکافِرِ

جنہوں نے کافر کی دنیا کے بدلے اپنا دین بیچ دیا ہے

ترکوا الشّریعۃ جلّھا اوکلّھا

انہوں نے شریعتِ اسلامیہ کو تقریبًا بلکہ کلّیتہً چھوڑ دیا ہے،

وَتَفَرْنَجُوا واسْتَھْزؤُا بِشَعَائِرِ

اور فرنگی بن کر شعائرِ اسلامی پر استہزا کرنے لگے ہیں۔

وتفرّقوا شیعًا وصاروا عبرۃً

وہ فرقوں میں بٹ کر عبرت کا سامان بن گئے

وَغَدَوا وَسِیمَاھم کسِیمَا الفَاجِر

اور انکی حالت یہ ہو گئی کہ انکے چہرے بدعملوں جیسے ہوگئے

الدِّینَ لَا تَتْرُکْ اِلیٰ دَیّانِہٖ

دین کو حوالہ بخدا نہ کرو بلکہ اسکی

وَانْشُرْ حَقَائِقَهٗ بِکُلِّ تَجَاسُرٍ
تعلیمِ حقّہ کی دلیری کے ساتھ اشاعت کرو

لَاتَعْجَلَنْ فِی طَعْنِ دِیْنِ جَمَاعَۃٍ
تو ایسی جماعت پر زبانِ طعن دراز کرنے میں جلدی نہ کر

لَیْسَتْ سَرِیْرَتُہَا خِلَافَ الظَّاہِرِ
جس کے ظاہر و باطن یکساں ہیں

مَا الْاَحْمَدِیَّۃُ غَیْرَ دِیْنِ مُحَمَّدٍ
اگر تو منکروں کی طرح متعصب نہ ہو تو تجھے

لَوْ لَمْ تَکُنْ مُتَعَصِّبًا کَالْکَافِرِ
احمدیت دینِ محمدی کے خلاف معلوم نہ ہو

ظَہَرَتْ لَنَا اَنْوَارُہَا فِی اللَّیْلَۃِ
ہمیں تو احمدیت کے انوار تاریک رات میں

لَیْلَاءَ کَالْبَدْرِ الْمُنِیْرِ الزَّاہِرِ
بدرِ منیر کی طرح روشن نظر آتے ہیں۔

وَلَسَوْفَ یَسْعٰی نَحْوَہَا کُلُّ الْوَرٰی
اور ظالم دشمنِ اسلام کے علی الرغم ایک نہ ایک دن

یَوْمًا عَلٰی رَغْمِ الْعَدُوِّ الْجَائِرِ
تمام دنیا ان کے نوروں کی طرف دوڑی چلی آئیگی

یَا مَنْ ظَنَنْتَ جَمَاعَتِیْ مَاْجُوْرَۃً
اے ہماری جماعت کو کسی کا ایجنٹ سمجھنے والے

لَاتَنْسَ سُوْءَ الظَّنِّ دَاْبَ الْکَافِرِ
یہ نہ بھول کہ بدظنی کرنا کافروں کی عادت ہوتی ہے

لَاتَعْتَدِی فَالْاِعْتِدَاءُ جَرِیْمَۃٌ
ایسی زیادتی نہ کر کیونکہ زیادتی کرنا گناہ ہے

وَاحْذَرْ اِلٰہَ الْعَالَمِیْنَ الْقَادِرِ
اور دنیا کے معبود خدائے قادر سے ڈر۔

أُتْرُكْ رِجَالَ الْأَحْمَدِيَّةِ وَاسْتَقِمْ

احمدی لوگوں سے تعرض نہ کر اور اپنی استقامت کی فکر کر

هُمْ مِنْكَ أَوْلٰى فِي صِلَاحِ الْكَافِرِ

وہ لوگ کافروں کی اصلاح کے لئے تجھ سے بہتر نمونہ ہیں۔

دَفِي الْبَرِيِّ سَفَاهَةٌ مَذْمُوْمَةٌ

بگیناہ پہ الزام لگانا قابلِ نفرت سفاہت ہے۔

فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ الَّذِي هُوَ نَاصِرِي

پس تو خدا سے استغفار کر جو میرا مددگار ہے

فَالظُّلْمُ مَرْتَعُهُ وَخِيْمٌ يَا أُخَيَّ

برادر! ظلم کا انجام بُرا ہوتا ہے

فَحِذَارِ ثُمَّ حِذَارِ أَخْذَ الْقَاهِرِ

پس تو خدائے قاہر کی گرفت سے ڈر

هٰذِي يَدِي إِنِّي إِلَيْكَ أَمُدُّهَا

مَیں اپنا دستِ اخوت تیری طرف بڑھاتا ہوں

فَتَعَالَ صَافِحْنِي بِقَلْبٍ طَاهِرِ

تو بھی پاک دل کے ساتھ آکر مجھ سے مصافحہ کر

اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ

ہمارا مددگار اللہ تعالیٰ ہے اور ہمارے مقابل پر تمہارا

هُوَ بُغْيَتِي هُوَ جَنَّتِي هُوَ حَاشِرِي

کوئی مددگار نہیں وہی میرا مقصود میری جنت اور بعد الموت مجھے زندہ کرنے والا ہے۔

هٰذِي الْقَصِيْدَةُ قُلْتُهَا نُصْحًا لِمَنْ

فِي صَدْرِهِ قَلْبٌ وَلَسْتُ بِشَاعِرِ

گو مَیں شاعر نہیں ہوں تاہم میں نے یہ قصیدہ ہر اس شخص کے لئے کہا ہے۔ جس کے سینے میں دل ہے۔

ایک اور چیف کی طرف سے مخالفت اور احمدیوں کے صبر کا نمونہ

چالیس سال قبل کا ایک تاریخی واقعہ

جماعتہائے سیرالیون کے لئے ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۷ء تک کا عرصہ جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترقیات اور کامیابیوں کا زمانہ تھا وہاں اس عرصہ میں جماعت کی مخالفت بھی بہت زوروں پر تھی۔ ریاست لونیان Lunyan کے چیف عبدالرحمٰن کمارا اور ان کے وزراء باڈو ماہون کے احمدیوں کو نہایت سخت اور انسانیت سوز تکالیف پہنچاتے رہے۔ اکثر اوقات بیگار کے لئے خلاف قاعدہ احمدیوں کو لے جاتے۔ نیز جھوٹے الزامات اور جھوٹی گواہیوں پر انہیں آئے دن جرمانے کرتے رہتے۔ ان اذیتوں کا زیادہ تر نشانہ وہاں کے الحاج سعید دبنگورا الحاج علی روجرز اور ان کے لواحقین اور دیگر مخلص ساتھی بنتے رہے۔

پکنک پر مخالفوں کی شرارت

جولائی ۱۹۴۲ء میں احمدیہ سکول باڈوماہون کے طلبہ اور سٹاف نے خاکسار منیجر سکول سے ایک روز کے لئے دریا پر پکنک (Picnic) منانے کی خواہش کی۔ چنانچہ اس غرض کے لئے سکول فنڈ سے ایک بکرا خریدا گیا اور ایک بکرا محترم الحاج علی روجرز صاحب پریذیڈنٹ جماعت نے اپنے ذاتی ریوڑ میں سے پیش کر دیا۔ اور اگلے روز تمام سکول اور بعض احباب جماعت نے باڈوماہون کے قریب دریا پر پکنک منائی دریا کے عین وسط میں ساٹھ ستر فٹ لمبی ایک خشک چٹان تھی۔ اس جزیرہ پر بکرے ذبح کر کے کھانا پکایا گیا۔ ظہر و عصر کی نمازیں وہاں اتفاق سے اس حال میں پڑھی گئیں کہ کھانے کے بڑے برتن ہمارے آگے پڑے تھے۔ اس چٹان کے ساتھ کوئی مشرکانہ پرانی رسوم و روایات منسوب تھیں جن کا کم از کم مجھے کوئی علم نہیں تھا۔ اور نہ احباب جماعت کا خیال اس طرف گیا۔ حالانکہ ان میں سے کئی احباب مشرکوں میں سے ہی نکل کر مسلمان ہوئے تھے۔ باڈوماہون میں ہمارے

مخالفین خصوصاً عیسائی مشن کے ممبران اور عیسائی سکول کے ہیڈ ماسٹر نے ہمارے خلاف یہ سازش کی کہ وہاں سے بارہ میل کے فاصلہ پر ریاست کے دارالحکومت میں فوراً پہنچکر پیراماؤنٹ چیف کو ہمارے خلاف یہ کہکر بھڑکایا کہ آج احمدیوں نے اپنے انڈین مشنری سے مل کر آپ کی زندگی ختم کرنے کا منصوبہ بنایا ہے اور دریا کے درمیان فلاں روایتی چٹان پر جا کر سب نے آپ کے خلاف بد دعائیں کی ہیں اور دو بکرے ذبح کر کے ان کے خون سے بھرے ہوئے برتنوں کو اپنے آگے رکھا اور آپ کے خلاف تعویذ بنا بنا کر دریا میں بہائے ہیں۔

پیراماؤنٹ چیف نے یہ سنتے ہی طیش میں آکر ہمیں گالیاں دیتے ہوئے اپنی پولیس کے آدمی باؤماہون بھیج دیئے ہمیں پہلے ہی خبر مل چکی تھی۔ اور احباب کچھ پریشان تھے کہ شام کے وقت پولیس کے آدمی آ گئے اور مجھے اور جماعت کے ۱۲ سرکردہ احمدی احباب کو اسی روز مغرب سے کچھ بعد ۱۲ میل پیدل چلا کر چیف کے پاس لے گئے۔ خاکسار پر تو غیر ملکی ہونے کی وجہ سے سختی نہ کی گئی لیکن الحاج سعید و مرحوم اور ان کے گیارہ ساتھیوں کو حوالات میں ڈال دیا گیا۔ دوسرے روز عصر کے وقت ہم سب چیف کے محل میں ان کے سامنے پیش ہوئے۔ میں نے سارا واقعہ صحیح صحیح سنا کر کہا کہ ہم تو کسی کے دشمن نہیں بلکہ ان کے خیر خواہ ہیں۔ اور ان کے حق میں ہمیشہ دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ تا وہ بھی حق قبول کر کے حق کے پیارے بنجائیں یہ محض ایک سازش ہے جو عیسائیوں نے ہمارے سکول کی ترقی سے جل کر ہمارے خلاف کی ہے۔ چیف خود نہ عیسائی تھے نہ مسلمان بلکہ چرچ اور مسجد دونوں کا اپنے آپ کو ممبر سمجھتے تھے اور ویسے اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ بہر حال انہوں نے میرے سوا سب احمدی احباب کو اڑھائی اڑھائی پونڈ جرمانہ کر دیا۔ اور گالیاں دیتے ہوئے انہیں یہ طعنے بھی دیئے کہ ریاست کا مالک تو میں ہوں۔ مجھ سے اجازت لئے بغیر تم لوگوں نے ان ہندوستانی جادوگروں کے پیچھے چلنا شروع کر دیا ہے۔ اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق بھی نازیبا الفاظ استعمال کیئے تاہم ہمارے افریقی احباب نے بغیر کسی گھبراہٹ کے سب کچھ ثابت قدمی اور بشاشت سے برداشت کیا۔ اور جرمانے ادا کر دیئے۔

چیف کمشنر کے پاس شکایت

محترم الحاج نذیر احمد صاحب علی مرحوم مبلغ انچارج اس وقت ملک کے کٹی علاقہ میں دورہ پر تھے خاکسار مشورہ کے لئے ان کے پاس پہنچا اس وقت انگریز چیف کمشنر کا آفس "بو" شہر میں تھا۔ جو گورنر جنرل کے نمائندہ کے طور پر سیرالیون کی ساری ریاستوں کے نگران اعلیٰ تھے ہم دونوں مبلغ "بو" آکر چیف کمشنر صاحب سے ملے اور سارا واقعہ ان سے بیان کر کے انصاف کی درخواست کی۔ اور یہ بھی بتایا کہ باڈ ماہون کا احمدیہ مسلم سکول سیرالیون کے ڈائریکٹر تعلیم کی اجازت اور تعاون سے کھولا گیا ہے جو دوسرے سکولوں کی نسبت زیادہ کامیابی سے چل رہا ہے۔ لیکن ریاست کے چیف محض ہمارے بعض عیسائی دشمنوں کے اکسانے پر اسے بند کرنے کے درپے ہیں اور احمدی مسلمانوں کو ہر طرح کی اذیتوں اور بیگاروں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

ایک بوسیدہ مکان میں قیام اور بادو باراں

اس پر کمشنر صاحب نے ڈسٹرکٹ کمشنر صاحب کو بلا کر یہ معاملہ طے کرنے کی ہدایت فرمائی کیونکہ وہ اگلے روز اسی ریاست میں ٹیکس وصول کرنے جا رہے تھے اس کے بعد حضرت مولوی صاحب مرحومؓ نے حضرت مصلح موعودؓ کے حضور اس بارے میں دعا کے لئے تار اور خط لکھا اور پھر ہم "بو" سے موٹر پر مونگیری روانہ ہو گئے۔

وہاں پہنچ کر چیف عبدالرحمٰن سے ملے اور ان کی غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں علم ہو چکا تھا کہ ہم چیف کمشنر سے مل چکے ہیں۔ وہ غصّہ سے بھرے رہے ہم نے وہاں کے رواج کے مطابق ان کو کچھ تحائف پیش کر کے عرض کیا کہ آج ہم آپ کے مہمان ہیں کیونکہ ہمیں علم تھا کہ ان کے خوف کی وجہ سے قصبہ میں ہمیں رات گزارنے کے لئے کوئی شخص جگہ نہ دے گا۔ چنانچہ چیف عبدالرحمٰن نے ہمیں اپنے سپیکر (وزیر) کے سپرد کر دیا جو ہمارا شدید مخالف تھا۔ اس نے عمداً ہمیں مونگیری دریا کے کنارے ایک ایسے گھاس پھوس کے پرانے مکان کے ایک چھوٹے سے کمرہ میں جگہ دی جہاں لکڑی کے ایک بوسیدہ سے تخت پوش کے سوا اور کچھ نہ تھا اور مکان کا باقی سارا حصّہ بارشوں کی وجہ سے خاویۃً علیٰ عروشہا کا منظر پیش کر رہا تھا اور جس میں رات کو اس سپیکر کی بکریاں بطخیں اور مرغیاں بند کی جاتی تھیں۔

کھانے کا سامان ہمارے پاس موجود تھا مگر پکانے کا انتظام مشکل تھا۔ حضرت مولوی علی صاحبؓ کی طبیعت بہت کمزور تھی۔ ان کو وہاں داخل ہوتے ہی دمہ اور بخار ہوگیا۔ اس پریشانی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے محترم الحاج سعید دبنگورا مرحوم کو ہماری مدد کے لئے بھیج دیا۔ وہ اگرچہ ابھی تک لوکل پولیس کی زیر نگرانی تھے تاہم کسی طرح وہ ہمارے پاس پہنچ گئے۔ ان کے قبیلہ کے کچھ مُشنی لوگ وہاں آباد تھے۔ جن میں ان کی رشتہ میں ایک بہن بھی تھی وہ اس سے ہمارے لئے بستر کا سامان اور کچھ کیلے اور چائے وغیرہ بنوا کر لے آئے اور بعد میں وہ عورت ہمارے لئے خود کھانا بھی لے کر آگئی۔ حضرت مولوی علی صاحب کا دمہ تو کچھ دیر کے بعد ٹھیک ہوگیا لیکن بخار میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ ہم دونوں اس ایک ہی لکڑی کے تخت پر دراز تھے کہ نصف شب کے قریب ہمیں شدید باد وباراں نے آلیا۔ چونکہ اس کمرے کا دروازہ بھی بند ہونے کے قابل نہ تھا۔ اس لئے بادلوں کی گرج اور بارش سے اس مکان کے دوسرے مکینوں یعنی بکریوں اور مرغیوں وغیرہ میں ہل چل مچ گئی اور کچھ ہمارے کمرے میں بھی آگئیں۔ چھت ٹپکنے کی وجہ سے ہمارے کمرے میں بھی پانی بھر گیا اور ہمیں اپنا سامان اُٹھا کر تخت پوش کے اُوپر رکھنا پڑا اور اس طرح ہم نے تمام رات بے چینی میں کبھی زبان سے اور کبھی زبانِ حال سے دعائیں کرتے ہوئے گزاری۔ سحری کے وقت پھر الحاج سعید مرحوم اپنے بڑے بیٹے ٹیچر عبدالکریم بنگورا کے ساتھ ہماری احوال پُرسی اور نماز ادا کرنے کے لئے آگئے۔ انہوں نے اپنا اور دوسرے احمدی بھائیوں کا قابلِ رحم حال بھی ہمیں سُنایا۔ کچھ دیر بعد دن چڑھنے پر ٹیچر عبدالکریم بنگورا صاحب اپنی خالہ کے ہاں سے ناشتہ لے آئے۔ جب دوسرے احمدی بھائی بھی آگئے تو مولوی صاحبؓ مرحوم نے نہایت پُرجوش تقریر کی اور سب کو ہر دم دعاؤں اور استغفار میں لگے رہنے کی تلقین فرمائی نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام "اِنِّیْ مُهِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِهَانَتَكَ" کی تشریح کرکے انہیں تسلّی دی کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سچوں اور تقویٰ شعار بندوں کی مدد کرتا چلا آیا ہے اور ہماری بھی مدد فرمائے گا اور احمدیت کے دشمنوں کو ناکام اور ذلیل کرے گا۔

آخر دن کے دس گیارہ بجے ڈسٹرکٹ کمشنر اور ان کے نائب اپنی کاروں پر

"بو" سے اپنے جملہ سٹاف کے ساتھ آگئے اور ریاست کے ریسٹ ہاؤس میں عدالت لگنے کا انتظام ہوگیا۔ "بو" سے مونگیری قصبہ صرف ۲۵ میل ہے ریاست کے اکثر باشندے جو پہلے ہی قصبہ میں آئے ہوئے تھے عدالت گاہ میں جوق در جوق جمع ہونے شروع ہو گئے کیونکہ ریاست کے سالانہ پول ٹیکس کی وصولی کے علاوہ وُہ دن سال بھر کے شکوے شکایات طے کرنے کے لئے بھی مخصوص تھا۔ کارروائی شروع ہونے والی تھی دونوں ڈی سی بیٹھے تھے حضرت مسیح محمدی علیہ السّلام کے دو ادنیٰ ترین خادم حضرت مولوی علی صاحب رضی اللہ عنہ مرحوم اور خاکسار بھی ایک طرف عام پبلک میں ہی خاموشی سے کھڑے تھے کہ کمشنر کے ترجمان نے غالباً ڈی سی کی ہدایت پر ہمیں بلایا اور کرسیاں پیش کیں۔ اسی دوران ریاست کے چیف بھی اپنے رنگین زرق برق لباس پر گولڈن تمغے لگائے اور سر پر نہایت چمکدار سلمے ستارے سے مزیّن پھندنے دار ٹوپی پہنے اور اعلیٰ درجہ کا بڑا سا چھاتہ لگائے اپنے وزراء اور خدّام کے ساتھ عدالت میں آکر ہمارے قریب ہی ڈی سی کے پاس بیٹھ گئے۔

چیفوں کے چہروں پر انسانی چربی کی کریم

سیرالیون میں یہ بات اکثر سُنی جاتی تھی کہ وہاں کے مشرکین کا یہ خیال ہے کہ عدالت میں پیش ہوتے وقت چہرہ اور جسم پر انسانی جسم کی چربی خوشبوئیں ملا کر اگر مَل لی جائے تو حاکم مرعوب ہوجاتا ہے۔ چنانچہ چیف عبدالرحمٰن اور ان کے سپیکروں کے روغنی چہرے (...) دیکھ کر الحاج سعید و مرحوم نے اشارہ سے بتایا کہ ان لوگوں نے اپنے چہروں پر انسانی چربی مَلی ہوئی ہے۔ تبھی ان کے چہرے چمک رہے ہیں۔ (یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ وہ ریاست آدم خوری میں مشہور رہی ہے۔ اور آئے دن وہاں ایسے واقعات ہوتے رہتے تھے بلکہ اسی شبہ پر وہاں کے ایک سابق پیرامونٹ چیف کو معزول کر دیا گیا تھا۔ گو اب وہ سارا علاقہ متمدّن ہوگیا ہے) وہ کمشنر غالباً ایک ریٹائرڈ فوجی تھے اس لئے ان کا رویّہ بھی فوجی قسم کا تھا اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت تھی۔ کہ یہ جاننے کے باوجود کہ سیرالیون گورنمنٹ کا

لوکل ریاستوں کے چیفوں سے قدیمی معاہدہ ہے۔ کہ ریاست کے داخلی معاملات میں ہر چیف ایک حد تک آزاد ہے اور ان کی قبائلی روایات اور اندرونی انتظامات میں دخل نہیں دیا جائے گا۔ کمشنر صاحب نے خلافِ معمول ہم غیر ملکیوں کی اس ملکی چیف کے خلاف شکایت سُنی۔ اور سب سے پہلے ہمارا ہی معاملہ پیش ہوا اس وقت ایک صورت فریق مخالف کی ذلت کی یہ ہوئی کہ عدالتی کارروائی شروع کرنے سے پہلے کمشنر صاحب نے ترجمان کے ذریعہ چیف اور ان کے سپیکروں کو اپنی اپنی ٹوپیاں اتار کر بیٹھنے کی ہدایت کی۔ حالانکہ قانوناً ان کے لیئے یہ ضروری نہ تھا۔ درآنحالیکہ حضرت مولوی علی صاحبؓ اور خاکسار اپنی پگڑیاں پہنے ان کے قریب ہی باعزت طور پر بیٹھے تھے۔ ہمارے ان تمام لوکل احمدیوں کو بلا کر آگے کھڑا کیا گیا اور پھر چیف عبد الرحمٰن سے دریافت کیا گیا کہ "انکے خلاف آپ کو کیا شکایت ہے۔ انہوں نے ہمارے خلاف اپنے طول طویل لیکن بے بنیاد شبہات بیان کیئے اور دریا پر پکنک والے واقعہ کو رنگ دے کر بطور شہادت پیش کیا۔ نیز کہا کہ یہ ہندوستانی مبلّغ میری اجازت کے بغیر میری ریاست میں آگھسے ہیں اور اپنا سکول کھول کر انہوں نے باؤ ماہون کے قدیم سکول کو ناکام بنا دیا ہے اور اس سکول کے بچوں کو ورغلا کر زبردستی مسلمان بنا لیا ہے درا صل عیسائی سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب پاس ہی کھڑے چیف عبد الرحمٰن کو یہ لقمے دے رہے تھے۔ بہر حال چونکہ ہم اپنا مفصّل بیان پہلے ہی تحریری طور پر ڈی سی کو پیش کر چکے تھے جو اس وقت ان کے سامنے تھا۔ اس لئے ہم سے دریافت کیئے بغیر انہوں نے خود ہی پہلے چیف سے پوچھا کہ ریاست میں کتنے عیسائی اور کتنے مسلم سکول اور کتنے چرچ اور مسجدیں ہیں اور مشرکوں عیسائیوں اور مسلمانوں کی علیحدہ علیحدہ تعداد کا اندازہ کیا ہے۔ چیف نے جواب دیا۔ کہ اکثریت بدمذہب یا مشرکوں کی ہے اور دوسرے درجہ پر مسلمانوں کی تعداد ہے اور تیسرے پر عیسائی ہیں۔ نیز بتایا کہ ریاست میں کئی چرچ اور عیسائی سکول اور مسجدیں بھی ہیں۔ مگر مسلمانوں کا سکول سوائے باؤ ماہون احمدیہ سکول کے اور کوئی نہیں۔ اس پر ان سے پوچھا گیا کہ مسلمان بچوں کی تعلیم کا کیا انتظام ہے

تو انہوں نے کہا کہ وہ مسیحیوں میں تعلیم پاتے ہیں اور اب احمدیہ سکول سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اس پر کمشنر صاحب نے ان سے کہا کہ پھر تو آپ کو چاہیئے کہ ان مسلم مشنریوں سے تعاون کریں تاکہ یہ ماڈرن قسم کے مزید مسلم سکول کھول سکیں۔

پیراماؤنٹ چیف کو کمشنر کی سرزنش

پھر انہوں نے چیف سے پوچھا کہ کیا یہ احمدی مشنری ریاست پر کوئی غیر معمولی مالی بوجھ ڈالتے یا روپیہ مانگتے ہیں یا ریاست کے خلاف لوگوں کو اُکساتے ہیں چونکہ ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا اس لئے جواب نفی میں دیا گیا۔ کمشنر صاحب نے اس کے بعد ذرا ڈانٹ کر چیف کو کہا کہ آپ "بو" کالج کے اعلیٰ تعلیم یافتہ افریقن ہیں آپ سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ جو لوگ ہزاروں پونڈ خرچ کر کے ہندوستان (اس وقت ابھی پاکستان نہیں بنا تھا) سے آپ کے ملک میں محض خلقِ خدا کی بے لوث خدمت کرنے انہیں مہذّب اور مذہبی بنانے اور تعلیم دینے آئے ہیں آپ ان پر ایسی بدظنیاں اور سختیاں کریں۔ خصوصاً جبکہ سیرالیون گورنمنٹ نے انہیں پُرامن طور پر تبلیغ کرنے اور مسجدیں اور سکول قائم کرنے کی اسی طرح آزادی دے رکھی ہے۔ جس طرح عیسائی مشنریوں کو ہے۔

مخالف چیف کا اپنا دعوت نامہ

اس موقع پر حضرت مولانا نذیر احمد علی صاحبؓ نے چیف عبدالرحمٰن کا ایک خط کمشنر صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ جو کہ چیف نے ان کو اس وقت لکھا جبکہ مولوی صاحب ابھی فری ٹاؤن یا غالباً رد کو پیر میں مقیم تھے۔ اپنے اس خط میں چیف نے حضرت مولانا صاحب کو لکھا تھا کہ بعض لبنانی عربوں نے میرے پاس آ کر آپ کی بڑی تعریف کی ہے آپ میری ریاست کو بھی ضرور اپنے علاقہ تبلیغ میں شامل کر کے میری رعایا کو دینِ اسلام سے روشناس کرائیں۔ اور مسلمانوں کے لئے سکول کھولیں میں آپ کی ہر طرح سے مدد اور تعاون کروں گا۔ کمشنر صاحب نے اس خط کے بعض حصے عدالت میں پڑھ کر سُنائے۔ چیف صاحب نے دبی زبان سے تصدیق کی کہ وہ خط ان کا ہی ہے اس پر کمشنر صاحب نے ان کو شرمندہ کیا اور کہا کہ آپ نے پہلے غلط بیانی کیوں کی کہ یہ ہندوستانی مشنری آپ کی اجازت کے بغیر ریاست میں

آ گئے ہیں؟ اور جبکہ آپ نے باؤماہون میں خود انہیں سکول کی عمارت کے لئے جگہ دے دی تھی تو ثابت ہوا کہ ان کا مسلم سکول بھی آپ کی اجازت سے کھولا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان احمدی مبلّغین کے خلاف عیسائیوں کی طرف سے محض تعصّب کی بناء پر اکسائے گئے ہیں۔ پس آپ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ دوسروں کی انگیخت پر بے انصافی کی راہ اختیار کریں۔ اور اپنی رعایا میں سے کسی پر زیادتی ہونے دیں۔ آپ کو مذہبی معاملات میں ہر مذہب اور ہر فرقہ کے لوگوں کو مکمل آزادی دینی چاہیئے یہی گورنمنٹ کی پالیسی ہے سب سے ایک جیسا سلوک کریں۔ اور اگر ان غریب احمدیوں کے خلاف آپ کو معاشرتی اور قبائلی لحاظ سے کوئی شکایت نہیں تو ان سے وصول کئے ہوئے جرمانے بھی انہیں واپس کر دیں اور اگر آئندہ ہم نے بلا وجہ کسی مذہب یا فرقہ کے لوگوں پر زیادتی ہوتی دیکھی تو ہم گورنر صاحب بہادر تک آپ کا معاملہ پہنچانے پر مجبور ہوں گے۔

چیف کی طرف سے معذرت چیف عبدالرحمٰن صاحب کمشنر کی یہ تقریر سُنکر کانپنے لگے اور اٹھ کر معذرت کی اور وعدہ کیا کہ آئندہ وہ جملہ ہدایات پر عمل پیرا ہوں گے۔ اور مذہبی لحاظ سے سب کو آزادی ہوگی اور احمدی جس طرح چاہیں اپنے مذہب کی پیروی کریں۔ بلکہ کہا کہ مَیں انہیں اپنے مرکز مونگیری میں بھی سکول اور مشن کے لئے جگہ دوں گا۔ اور پسند کروں گا کہ وہ باؤماہون چھوڑ کر اس قصبہ میں آجائیں۔ بعد میں خود الحاج سعید ونگورا مرحوم اور بعض غیر از جماعت لوگوں نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے چیف عبدالرحمٰن کو راستے میں یہ کہتے سُنا کہ آج جو ہماری ذلّت اس عدالت میں ہوئی ہے وہ تادمِ مرگ ہمیں نہیں بھول سکتی۔ چیف صاحب یہ کہتے ہوئے اپنے وزراء اور سپیکروں کو ڈانٹ رہے تھے جنہوں نے ان کو ہمارے خلاف اکسایا تھا۔ پس اس طرح اللہ تعالےٰ نے اپنے مقدس کلام اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ کی صداقت کا ایک واضح نشان دکھایا۔

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ریاست لونیاں (Lunyan) کے اس چیف نے بعد میں اپنا رویّہ بالکل بدل لیا تھا اور کچھ عرصہ کے بعد جبکہ "بو" شہر میں

ہمارا مرکزی مشن اور سکول مضبوط ہو گیا اور سونے کی کانوں کا کام ختم ہو جانے کی وجہ سے "باؤ ماہون" بے آباد ہو گیا۔ تو انہوں نے ہمارے مرکز "بو" میں خود تشریف لا کر اپنے سابقہ کردار کی معذرت کی اور اپنے دو لڑکے "بو" احمدیہ سکول میں تعلیم کے لئے میرے سپرد کئے جو کئی سال تک ہوسٹل میں ہمارے زیر تربیت رہ کر اور کامیاب ہو کر کالج کے لئے فری ٹاؤن گئے۔

چونکہ عورتیں اور شراب نوشی کی کثرت چیف عبدالرحمٰن کی دو بڑی کمزوریاں تھیں اس لئے وہ بڑھاپے سے قبل ہی بوڑھے ہو گئے اور ۱۹۵۸ء میں شدید بیمار ہو کر "بو" سنٹرل ہسپتال کے یورپین وارڈ میں لمبا عرصہ داخل رہے۔ انہیں دنوں خاکسار بھی بواسیر اور پرانے ملیریا کی وجہ سے ان کے پاس ہی ایک کمرے میں زیر علاج تھا چیف عبدالرحمٰن تقریباً روزانہ مجھے بلا کر کہا کرتے تھے کہ آؤ میں اپنے گناہوں کو آپ کے سامنے Confess کرتا ہوں مجھے خدا سے معاف کرا دو۔ میں ان کے پاس بیٹھکر انہیں اسلامی طریق سے توبہ اور دعا کی تلقین کرتا اور اُن کے لئے دعا کر دیتا اس وقت ان کے دماغ پر بھی اثر تھا۔ آخر وہ ایک روز میرے سامنے میرے دیکھتے دیکھتے ہی وہاں اس حال میں راہئ ملکِ عدم ہو گئے کہ سوائے ان کی ایک بوڑھی سی بیوی کے ان کے پاس اور کوئی نہ تھا اور ان کی اولاد اور رشتہ دار سب ان کی جائیدادوں پر قبضہ اور چھینا جھپٹی میں مصروف تھے۔ فَاعْتَبِرُوْا یَآ اُولِی الْاَبْصَارِ۔ (الفضل ۱۹ اگست ۱۹۷۵ء)

ایک خطرناک تبلیغی سفر

مانو کوٹوہون کی جماعت کا اخلاص وصبر اور نئی مسجد کی تعمیر

سیرالیون کے کینیما (KENEMA) شہر سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر نگووا (NANGOWA) ریاست میں ایک اہم گاؤں مانو کوٹوہون (MANOKOTOHUN) ہے، جہاں ہمارے ایک افریقن معلّم پا ہارون کے ذریعہ ۱۹۴۲ء کے اواخر میں احمدیہ جماعت قائم ہوئی۔ اسی زمانہ میں سیرالیون گورنمنٹ نے اس ریاست کے مشرک پیرامونٹ چیف کو آدم خوری کے ایک کیس میں ملوّث ہونے کی وجہ سے معزول کرکے ریاست بدر کردیا تھا اور اس کی جگہ ایک تعلیم یافتہ عیسائی چیف مسمّی کائے سامبا (KAI SAMBA) بطور پیرامونٹ منتخب ہوا۔ جو اسلام اور مسلمانوں اور خصوصاً ہماری جماعت کا شدید مخالف تھا۔ چنانچہ اس نے اس ریاست کا حاکم بنتے ہی محض اسلام اور احمدیّت کے خلاف تعصّب کی وجہ سے مانو کوٹوہون کے نومبایعین کو سخت ایذائیں دینا اور جرمانے کرنا شروع کردیا۔ کبھی بیگار کے لئے انہیں کئی کئی دن تک ان کے گاؤں سے میلوں دُور بھیج دیتا۔ کبھی ریاست کے مرکز کینیما بُلاکر ان سے مزدوروں کا سا کام لیتا حالانکہ وہ لوگ اپنے گاؤں کے معزز مالکانِ اراضی تھے اور کبھی محض جھوٹے الزام قائم کرکے انہیں جرمانے کردیتا۔

مسجد کو تالا لگوادیا آخر جب اس نے دیکھا کہ کئی ماہ تک احمدیوں کو مظالم کا شکار بنانے کے باوجود وہ ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہیں کرسکا تو اس نے اپنے سپاہی مانو کوٹوہون بھیجکر گاؤں کی واحد مسجد کو تالا لگوادیا تاکہ وہاں احمدی احباب نماز نہ پڑھ سکیں۔ چونکہ مانو کوٹوہون کے نمازی مسلمان سب کے سب احمدی ہوچکے تھے۔ اور احمدیوں کے سوا اب وہاں کوئی نماز پڑھنے والا ہی نہیں تھا اس لئے وہ مسجد بند ہی پڑی رہی۔ اور بارشوں کی کثرت سے اس کی گھاس پھوس کی چھت بھی گر گئی۔ اور پھر چند

ماہ بعد اس کی دیواریں بھی منہدم ہوگئیں۔ البتہ مسجد کا دروازہ اور اس پر چیف کا لگوایا ہوا تالا جوں کا توں رہا۔

بلاوجہ قید اور جرمانے اس عرصہ میں احمدی احباب اپنے مکانوں میں کبھی علیحدہ علیحدہ اور کبھی باجماعت نمازیں ادا کرتے رہے کیونکہ ان کی بار بار درخواستوں کے باوجود ان کے اس عیسائی پیرامونٹ چیف نے انہیں اپنی مسجد بنانے کی اجازت نہ دی۔ آخر جب اس چیف کا کوئی حربہ بھی احمدی مسلمانوں کو مرتد کرنے میں کارگر نہ ہو سکا۔ تو اس نے یہ بہانہ تراش کے کہ احمدی انتظامی امور میں میری اتھارٹی تسلیم نہیں کرتے وہاں کے سرکردہ احمدیوں کو تین روز کے لئے قید کر دیا۔ کیونکہ قانوناً اسے تین چار روز سے زیادہ کسی کو lock up کرنے کا اختیار ہی نہ تھا۔ اور پھر اس نے ان سے مختلف قسم کے حیلوں بہانوں سے آئے دن جرمانے وصول کرنے شروع کر دیئے نیز انگریز ڈسٹرکٹ کمشنر کو بھی از خود یہ جھوٹی اطلاع دے دی کہ مانوکوٹوہون کے احمدیوں کو لوکل نظام کی خلاف ورزی کرنے پر قید کیا گیا تھا۔ اُدھر احمدیوں کو پیرامونٹ چیف اور اپنے گاؤں کے ٹاؤن چیف یا نمبردار کے خوف کی وجہ سے براہِ راست ڈسٹرکٹ کمشنر کے پاس شکایت کرنے کی جرأت نہ تھی۔ آخر کار جب ان پر مظالم کی انتہا ہو گئی تو انہوں نے حضرت مولانا نذیر احمد علی صاحب مرحوم مبلغ انچارج سیرالیون احمدیہ مشن کو تمام حالات سے مطلع کر کے ان مظالم کے تدارک کے لئے مناسب قدم اٹھانے کی درخواست کی۔

بلاما سے مانوکوٹوہون کو روانگی حضرت مولانا صاحبؓ ان دنوں دمہ کی شدید تکلیف کی وجہ سے صاحب فراش تھے اس لئے انہوں نے "بو" سے بذریعہ تار مجھے ارشاد فرمایا کہ میں تار ملتے ہی فوری طور پر موقعہ پر پہنچکر تمام حالات معلوم کروں۔ چنانچہ خاکسار اپنے ایک شاگرد عزیز محمد کمانڈا بونگے (M.K. BONGAY) کو ساتھ لے کر بلاما (BLAMA) سے مانوکوٹوہون کے لئے روانہ ہو گیا۔ محمد کمانڈا بونگے آج کل فری ٹاؤن کے ایک احمدیہ سکول کے ہیڈ ماسٹر اور سیرالیون احمدیہ مشن کے جنرل

سیکرٹری کے عہدہ پر خدمات بجالا رہے ہیں اور حج بیت اللہ کے فریضہ کی ادائیگی کے علاوہ دو مرتبہ ربوہ اور قادیان کی زیارت سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔

آدم خوری کی وارداتوں سے عام دہشت

اس زمانہ میں وہ علاقہ آدم خوری کے سلسلہ میں بہت بدنام تھا اور ایسی ایسی وارداتیں وہاں آئے دن ہوتی رہتی تھیں۔ خصوصاً ریاست ننگووا کے بعض قبائل اور سوسائٹیاں اس جرم میں واضح طور پر ملوث یقین کی جاتی تھیں اور شریف اور امن پسند عوام وہاں کی بعض خفیہ سوسائٹیوں کے ممبران کی انسانیت سوز حرکات سے بڑے خائف تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے اس ریاست کے سابق حکمران معزول کر دیئے گئے تھے۔ ایسے جرائم پیشہ لوگ اگرچہ بہت کم تھے لیکن ان کے اکا دکا جرائم کی وجہ سے سارے علاقہ میں دہشت اور بے چینی پھیلی رہتی تھی۔ ایسے افراد گھنے جنگلوں میں بعض دفعہ بن مانس یا بڑے سائز کے بندر کی کھال پہنکر اور بعض دفعہ چیتوں کی کھال پہنکر بھی انسانوں کا شکار کر لیا کرتے تھے۔ تاہم یہ مشہور تھا کہ یہ لوگ سفید نسل کے افراد کو پکڑنے سے کلّی احتراز کرتے ہیں کیونکہ اوّل ایسا قتل عموماً چھپ نہ سکتا تھا اور گورنمنٹ متعلقہ لوکل چیفوں کو ذمہ دار ٹھہرا کر انہیں پکڑ لیا کرتی تھی۔ دوم اس زمانہ میں افریقن لوگ یورپین قوموں کے ان پر سابقہ مظالم کی وجہ سے سخت مرعوب تھے۔ سوم۔ سیرالیون میں دانستہ یا نادانستہ ہر مذہب وخیال کے لوگ اس زمانہ میں مسلمان علماء کے لئے اپنے دل میں احترام اور عقیدت کے جذبات رکھتے تھے اس لئے اس خاکسار نے تو اس وقت ریاست ننگووا کے اندرونی اور جنگلی علاقہ میں سفر کرنے پر چنداں خوف محسوس نہ کیا لیکن عزیز محمد بونگے آدم خوروں کی دہشت کی وجہ سے میرے ساتھ یہ سفر کرنے پر خوش نہ تھا گو میرے احترام کی وجہ سے وہ انکار بھی نہ کر سکا۔

لڑکے کی سراسیمگی

الغرض بلاما (BLAMA) سے ہانگا (HAGHA) تک ہم دونوں نے ریل گاڑی میں سفر کیا اور آگے پیدل روانہ ہوئے سات آٹھ میل طے کرنے کے بعد ہم نے ایک احمدی گاؤں پوتے ہون (PUTEHUN) پہنچکر کچھ وقت آرام کیا اور پھر آگے چل پڑے۔ عصر کے وقت

ایک دوسرے گاؤں میں پہنچے جو اس روز کسی ریاستی بیگار کی وجہ سے مردوں سے خالی تھا۔ وہاں کی عورتوں نے میرے ساتھی محمد بونگے سے ہمدردی جتاتے ہوئے اُسے بہت ڈرایا اور ان جنگلوں میں آدم خوری کی بعض واردات کو مبالغہ آمیز انداز میں بیان کرکے اسے مشورہ دیا کہ ہم بقیہ سفر اکیلے نہ کریں۔ حتیٰ کہ بعض نے اُسے اُکسایا کہ وہ میرا ساتھ چھوڑ دے۔ اگرچہ اس نے میرا ساتھ تو نہ چھوڑا لیکن ان کی باتوں سے وہ اس قدر بددل اور خوفزدہ ہو گیا کہ وہاں سے آگے جاتے ہوئے وہ راستے میں قدم قدم پر مجھے بھی خوفزدہ کرنے لگا۔ اور اس پچھلے گاؤں میں ٹھہر کر مانو کو ٹوہون کے احمدیوں کو اپنی آمد سے مطلع کرنے کے مشورے دیتا رہا۔ تاہم یہ عاجز اس کی ہمت بڑھاتے ہوئے آگے چلتا چلا گیا۔

جنگل میں تُند ہوا اور بارش سیرالیون میں موسم تقریبًا بارہ مہینے ہی غیر یقینی رہتا ہے۔ صرف دو تین مہینے نسبتًا ذرا خشک آتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت ہمارے چلتے چلتے پہلے اچانک معمولی سے بادل آئے پھر بڑی تند ہوا چلی اور پھر بادلوں کی گھن گرج شروع ہو گئی اور اس کے بعد بارش نے ہمیں آلیا۔ ابھی ہمارا سفر تقریبًا چار پانچ میل باقی تھا۔ صرف ڈیڑھ دو فٹ پگڈنڈی کے سوا ہمارے دونوں طرف جھاڑیاں ہی جھاڑیاں اور ان کے درمیان اونچے اونچے درخت سائیں سائیں کر رہے تھے۔ بارش کی وجہ سے ہمارا سامان بھی زیادہ بوجھل ہو گیا تھا۔ محمد بونگے پہلے ہی بادلِ ناخواستہ میرا شریکِ سفر تھا۔ بارش کی ناگہانی مصیبت نے اُسے اور بھی بددل کر دیا۔ اور سامان کے زیادہ بوجھل ہو جانے سے وہ مزید کبیدہ خاطر ہو گیا اور اس کے دل پر آگے کی بجائے اس پچھلے گاؤں کو واپسی کا خیال ہی غالب رہا۔ مَیں نے اس کی حوصلہ افزائی کے لئے اپنا بستر اور کپڑے وغیرہ اس سے لے کر اپنے کندھے پر اُٹھا لئے جبکہ صرف کتب وغیرہ کا بکس اس کے پاس رہا۔ غرض اس وقت کا ماحول اتنا بھیانک تھا کہ ہم کبھی تیز قدمی سے اور کبھی دوڑ دوڑ کر فاصلہ طے کرنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ رات کے اندھیرے سے پہلے پہلے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکیں۔ اور اس وقت دوڑنا

بھی ہمیں آسان ہو رہا تھا۔

لڑکا اچانک غائب ہو گیا

محمد بونگے میرے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ اور میں اس کے آگے رَبِّ کُلِّ شَیْءٍ خَادِمُك .... پڑھتا ہوا اس خیال میں تیزی سے جا رہا تھا کہ وہ میرے ساتھ ہی قدم بقدم پیچھے آ رہا ہے کہ کچھ وقفہ کے بعد جب یونہی میں نے اسے کسی بات کے لئے مخاطب کیا اور کوئی جواب نہ ملتے ہی پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے غائب پا کر میرے ہوش اُڑ گئے۔ کیونکہ اس کی حفاظت کرنا میری ذمہ داری تھی۔ مجھے اس وسوسے نے گھیر لیا۔ کہ کسی خفیہ سوسائٹی کا کوئی آدم خور اسے دبوچ کر جنگل کے اندر لے گیا ہے۔ چنانچہ میں سراسیمہ اور بدحواس سا ہو کر وہیں کھڑا ہو کر اس فکر میں کھو گیا کہ اب کیا کروں اور بارش کہہ رہی تھی کہ میں نے آج ہی برسنا ہے میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ میں آگے بڑھوں یا پیچھے مڑ کر لڑکے کو تلاش کروں آخر اسے زور زور سے آوازیں دیتے ہوئے میں تقریباً ایک فرلانگ تک پیچھے کی طرف گیا مگر میری آوازیں ہوا کی سنسناہٹ اور بارش کے شور میں گم ہو کر رہ گئیں۔ اور لڑکے کا مجھے کوئی سراغ نہ مل سکا۔ میں نے جنگل کے اندر بھی ادھر ادھر دیکھا۔ مگر کچھ پتہ نہ چل سکا۔ آخر ناچاری اور ناکامی کے عالم میں خاکسار نے آگے کی طرف بھاگنا شروع کیا تاکہ جلدی کسی منزل پر پہنچکر اس کی تلاش کا انتظام کر سکوں۔

سامان تر ہو کر بوجھل ہو گیا

اب شام ہو چکی تھی اور ہر طرف اندھیرا چھا رہا تھا ایک طرف گھنے جنگل اور اندھیرے کی دہشت اور بارش اور دوسری طرف دل اس خیال سے بیٹھا جا رہا تھا کہ اب کیا ہو گا۔ لڑکا کیسے ملے گا۔ اور اگر نہ مل سکا تو میں اس کے خاندان کو کیا جواب دوں گا۔ اور اب اس اندھیری شب میں آگے کدھر جاؤں گا۔ راستہ بھی کئی جگہ سے ٹوٹے ہوئے درختوں وغیرہ کی وجہ سے دشوار گزار ہو گیا تھا۔ میرا لباس اور کندھے پر رکھا ہوا سامان بھیگنے کے علاوہ میرے بوٹ اور جرابیں وغیرہ بھی کیچڑ سے تر اور بوجھل سے بوجھل ہو ہو جاتے تھے۔ پھر رات کے وقت اس علاقہ کے سانپوں اور وحشی جانوروں کی دہشت بھی میری گھبراہٹ میں اضافہ کا موجب

ہو رہی تھی ۔ تاہم میرے پاس نہایت چھوٹی سی ہریکین کی شکل کی ایک انگریزی ٹارچ لائٹ موجود تھی جو بڑی وفاداری سے میرا ساتھ دیتی رہی ۔علاوہ ازیں اس دہشت اور گھبراہٹ کے باوجود دل کو ایک حد تک یہ یقین ضرور تھا کہ میں نے یہ سفر کوئی اپنی ذات کے لئے تو اختیار نہیں کیا۔جس کا کام ہے وہ اپنے فضل و کرم سے ہماری حفاظت بھی کرے گا اور یہ سب مشکلات دور فرمائیگا بعض مسنون دعائیں بھی دل کو مزید پراگندہ خیالی سے بچا رہی تھیں ۔

ایک نئی مشکل اور اضطرار و بیکسی کا عالم

اس بیم و رجا کے عالم میں یہ خاکسار اپنے بستر وغیرہ کی گٹھڑی کندھوں پر رکھے غیر معمولی تیزی کے ساتھ آگے کی سمت جا رہا تھا کہ اچانک میرے آگے وہ پگڈنڈی تین متوازی شاخوں میں تقسیم ہو گئی اور میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ ہماری منزلِ مقصود کو کونسا راستہ جاتا ہے ۔کیونکہ اس علاقہ میں میرا یہ پہلا سفر تھا ۔ اُس وقت یونہی اندازے سے کوئی راستہ اختیار کرنا خطرے سے خالی نہ تھا ۔ اور بظاہر صحیح راستہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ بھی میرے پاس نہیں تھا ۔

ایک گستاخانہ خیال اور دُعا

اسی تذبذب ، پریشانی اور اضطرار کی کیفیت میں اس خالقِ ارض و سما اور رحیم و کریم خدائے بزرگ و برتر کو مخاطب کرتے ہوئے میرے دہلتے ہوئے دل میں یکدم ایک گستاخانہ سا سوال اُبھرا جسے مَیں اس وقت دبا نہ سکا ۔ مَیں نے جھنجلائے ہوئے انداز میں اپنے کندھے سے وہ سامان زمین پر پٹختے ہوئے عرض کیا "میرے مالک مَیں نے کب کہا ہے کہ مَیں گناہوں سے مبرّا ہوں ۔ بے شک میں بہت بڑا عاصی ہوں اور اس کا مجھے بصد عجز اعتراف بھی ہے مگر .... اے میرے ربِّ غفور! کیا مجھے سزا دینے کے لئے یہی وقت رہ گیا ہے جبکہ مَیں تیرے پیارے مسیحؑ کے نمائندہ کے طور پر تیرے مظلوم اور عاجز بندوں کی مدد کے لئے جا رہا ہوں " ۔ دل پہلے ہی درد سے بھرا ہُوا تھا ۔ اس لئے اس کے ساتھ ہی یکایک مجھ پر رقّت طاری ہو گئی اور مَیں نے ایک ننھے بچّے کی طرح چیختے ہوئے رونا

شروع کردیا۔ آنکھوں سے بے تحاشا آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ اور مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ شائد اب اپنے خدا سے اس شکوہ نما پکار اور التجا سے میرا دل جل بھن کر خاکِ سیاہ ہو جائے گا۔ مگر شکر ہے کہ اس نے فضل فرمایا اور جلد ہی طبیعت سنبھل گئی۔

چند لمحات کے بعد جب میں ذرا سنبھلا تو طبیعت استخارہ کی طرف مائل ہو گئی چنانچہ میں پھر دو تین مرتبہ دعائے استخارہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فرمودہ آڑے وقت کی دعا پڑھ کر جس راستے پر چلنے کو دل نے چاہا۔ اسی پر چل پڑا۔ گو اندھیرا لمحہ بہ لمحہ گہرا ہوتا جا رہا تھا تاہم اس آڑے وقت میں بھی وہ چھوٹی سی ٹارچ لائٹ ہی ساتھ دے رہی تھی۔ اب بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا اور ٹھنڈی ہوا کے ساتھ صرف ذرا ذرا پھوار پڑ رہی تھی۔ بادلوں کی گھن گرج بدستور تھی اور سیکنڈوں کے وقفہ کے ساتھ آسمانی بجلی کی چمک میرا راستہ روشن کئے جا رہی تھی۔ گو میں تیزی سے آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا لیکن لڑکے کی گمشدگی کے غم اور راستے کے غیر یقینی ہونے کی فکر سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے دل اب بھی دہشت زدہ اور کسی بھاری بوجھ تلے دبا ہوا ہے اس کیفیت میں آگے کی سمت بڑھتے ہوئے ابھی مجھے کوئی آدھ گھنٹہ بھی نہ ہوا ہو گا کہ میں نے دیکھا کہ اب وہ پگڈنڈی ختم ہو چکی ہے اور آگے لکڑیوں کی تقریباً تین چار فٹ اونچی باڑ میرے سامنے آ گئی ہے۔ جس میں کسی درخت کی سپرنگ نما لچکدار ٹہنیوں کا بنا ہوا ایک دروازہ لگا ہے۔ اس قسم کی باڑ اس زمانہ میں سیرالیون کے ہر اہم گاؤں کے باہر ہوا کرتی تھی جس سے مقصد جنگل کے جانوروں کو روکنا ہوتا تھا۔ تاکہ وہ گاؤں کی سبزیاں وغیرہ خراب نہ کریں۔

منزلِ مقصود پر سجدۂ شکر

جب میں گاؤں میں داخل ہوا تو یہ معلوم کر کے سب سے پہلے خدا کے حضور خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے سجدۂ شکر ادا کیا کہ یہ گاؤں میری اپنی منزلِ مقصود یعنی مانو کوتو ہون ہی ہے۔ اور اسی حالتِ سجدہ میں خاکسار نے یہ دعا بھی کی کہ الٰہی! اب تو میرے ساتھی کو بھی اپنے فضل و احسان سے بحفاظت یہاں پہنچا دے۔

مانو کوٹو ہون کے احمدی احباب اگرچہ میری آمد پر بے حد خوش ہوئے اور ان کے حوصلے بھی بلند ہو گئے مگر میں نے دیکھا کہ گاؤں کے عیسائی نمبردار کے خوف کی وجہ سے وہ مجھے اپنے پاس ٹھہرانے سے گھبرا رہے ہیں۔ اور اس بارے میں آپس میں لوکل زبان میں کچھ کھسر پھسر کرنے لگ گئے ہیں جسے میں بھی کسی حد تک سمجھتا تھا۔ بات یہ تھی کہ گاؤں کے چیف کی اجازت کے بغیر وہ کسی غیر ملکی کو اپنے ہاں ٹھہرا نہیں سکتے تھے۔ اور خصوصاً مجھے بلا اجازت ٹھہرانا تو ان پر اور زیادہ عتاب اور مصیبت کا موجب ہو سکتا تھا میں نے یہ محسوس کر کے انہیں کہا کہ وہ صرف مجھے ٹاؤن چیف کے مکان کا راستہ بتا دیں۔ چنانچہ ایک احمدی میرے ساتھ ہو لیا اور دور سے مجھے اس کا گھر بتا کر واپس لوٹ گیا۔ میں نے ٹاؤن چیف کے پاس جا کر لوکل مینڈے زبان میں اس سے کہا کہ میں ہندوستان کا باشندہ ہوں اور احمدیہ جماعت کی سرپرستی میں مذہب اسلام کی نمائندگی کرتا ہوں آپ کے گاؤں میں تبلیغ کی غرض سے آیا ہوں اور آپ کا مہمان ہوں۔

اپنا مہمان سنبھالو

وہ مجھے اس طرح رات گئے اچانک دیکھ کر حیران سا ہو گیا۔ کیونکہ وہ بھی ہمارے شدید مخالفین میں سے تھا تاہم آدمی بڑا چالاک اور ہوشیار تھا۔ چونکہ مجھے اپنے گھر میں جگہ دینے کی صورت میں اُسے بھی اپنے پیرامونٹ چیف کی ناراضگی اور عتاب کا ڈر تھا اس لئے وہ بظاہر میرا خیر مقدم کرتے ہوئے مجھے اسی وقت سیدھا احمدی دوستوں کے پاس لے گیا اور مجھے ان کے سپرد کرتے ہوئے ان کو کہنے لگا۔ "یہ لو اپنا مہمان سنبھالو اور اس کی رہائش کا انتظام کرو۔" اور اگلے روز خود بھی ملکی دستور کے مطابق اس نے میرے لئے ایک مرغی لوکل چاول اور کچھ سبزیاں بھجوا دیں۔ اس زمانہ کے دستور کے مطابق ہر چھوٹے بڑے چیف کو سالانہ ٹیکس میں سے کچھ نہ کچھ مہمان نوازی الاؤنس بھی ملا کرتا تھا۔

احمدیہ پارٹی لڑکے کو تلاش کر لائی

یہ سارا معاملہ ختم ہوتے ہی میں نے احمدی احباب کو اپنے شاگرد محمد بونگے کے متعلق سارا واقعہ بتایا۔ چنانچہ تین چار احمدی نوجوان مسلح ہو کر اس کی تلاش کے لئے

فوری طور پر روانہ ہو گئے۔ اللہ تعالےٰ نے خاص فضل فرمایا اور وہ پارٹی اسی رات اڑھائی تین گھنٹے کے بعد لڑکے کو تلاش کر کے بخیریت میرے پاس لے آئی اور مَیں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ محمد کمانڈا بونگے کی زبانی معلوم ہُوا کہ چونکہ وہ نہایت ہی خوفزدہ اور تھکا ہُوا تھا اس لئے بارش کے دَوران سراسیمگی اور گھبراہٹ کے عالم میں بجائے آگے جانے کے وہ پیچھے کی طرف بھاگا اور اس عورتوں والے گاؤں سے ذرا وَرے ایک کسان کی جھونپڑی میں اُسے دور سے آگ سی سلگتی نظر آئی تو وہ وہاں چلا گیا۔ جہاں ایک کسان کا پورا خاندان موجود تھا۔ اُسے تلاش کرنے والے نوجوان چونکہ اس کا نام لے لے کر شور مچاتے ہوئے جا رہے تھے اس لئے وہ اپنا نام سُنکر جلدی سے اس جھونپڑی سے نکلا اور بھاگ کر اُن سے آملا۔

انمول خوشی اور مسرّت

بہر کیف اس طرح پروردگارِ عالم نے محض اپنے فضل واحسان سے اس نالائق نابکار انسان کی سب مشکلات گھبراہٹیں اور ہم وغم نہ صرف دور فرما دیئے بلکہ ایسی خوشی میں بدل دیئے جو لاکھوں پونڈ اور ڈھیروں سونے کے بدلے بھی خریدی نہیں جا سکتی تھی۔ کیونکہ اس وقت مانو کوٹو ہون کے ان پیارے بے قصور غریب اور مظلوم نَو احمدی بھائیوں کی اسلام سے محبّت ان کا احمدیت سے اخلاص اور وابستگی ان کا صبر و استقامت ایمان کی پختگی اور اپنے مبلّغ بھائی سے محبّت اور جذبۂ اخوّت دیکھ کر مجھے وہ مسرّت حاصل ہوئی جس کی لذّت مَیں آج بھی نہیں بھول سکا۔ اور جس کی کوئی قیمت نہیں لگائی جا سکتی۔ کیونکہ بے لَوث خلوص اور محبّت کا مادی چیزوں سے مقابلہ ممکن ہی نہیں۔

احمدیت نے توحید و رسالت کے دلدادہ بنا دیا

اگلے روز اپنے احمدی بھائیوں سے تمام حالات سننے پر معلوم ہُوا۔ کہ ان مظالم توڑنے کا اصل ذمہ دار ریاست کا عیسائی پیرامونٹ چیف کائے سامبا ہے جس کے پیچھے کینیما شہر کا کیتھولک مشن کارفرما ہے۔ اور اسی چیف کے حکم سے ٹاؤن چیف نے احمدیوں کو اس عذرِ لنگ کی بناء پر لوکل مسجد سے بے دخل

کیا تھا۔ کہ دوسرے مسلمان انہیں جھوٹا سمجھتے ہیں حالانکہ مانوکوٹوہون کے سب نمازی احمدی ہو چکے تھے اور طرفہ یہ کہ نئی احمدیہ مسجد بنانے کی اجازت بھی نہیں دی جاتی تھی۔ چنانچہ جب میں نے ٹاؤن چیف سے بات کی تو اس نے یہی عذر کیا کہ میں نے توسب کچھ پیرامونٹ چیف کی ہدایات پر کیا ہے۔ حالانکہ درپردہ اسلام دشمنی میں وہ بھی کم نہ تھا۔ چنانچہ اسی روز خاکسار نے چند سرکردہ احمدیوں کو ساتھ لیا۔ اور پیدل اور بذریعہ ریل سفر کرکے پیرامونٹ چیف کے پاس کینیما پہنچا اس نے میری بات سُنکر میرے سامنے ہی ان احمدیوں کو خواہ مخواہ گندی گالیاں دیتے ہوئے یہ جھوٹا الزام لگایا کہ احمدی اس کی عزت نہیں کرتے اور ریاستی نظام کی پابندی سے گریزاں ہیں اس لئے انہیں سزائیں دی جاتی رہی ہیں حالانکہ اصل بات صرف یہ تھی کہ ہمارے مظلوم بھائی احمدی مسلمان ہوجانے کے بعد بعض مشرکانہ قبائلی رسوم سے بیزار ہو کر توحید و رسالت کے دلدادہ ہو گئے تھے۔ اور جو اُن میں سے کسی خفیہ سوسائٹی کے ممبر تھے انہوں نے اس سے بھی علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

چیف کے جھوٹے الزامات

بہرحال جب خاکسار نے پیرامونٹ چیف سے مانوکوٹوہون میں احمدیہ مسجد بنانے کے لئے اجازت طلب کی تو اس نے یہ جھوٹا بہانہ کرکے انکار کر دیا کہ یہ احمدی لوگ کہتے ہیں کہ ہماری نمازیں مقبول ہیں اور دوسروں کی اس وقت تک مقبول نہیں ہوسکتیں جب تک وہ امام مہدیؑ پر ایمان نہ لائیں۔ حالانکہ یہ بات قطعًا کسی احمدی نے کبھی نہیں کہی تھی البتہ وہ دوسروں کے پیچھے نمازیں پڑھنے سے ضرور احتراز کرتے تھے۔ نیز اس نے کہا کہ میں ان کا حاکم اور چیف ہوں مگر انہوں نے میری اجازت کے بغیر میری ریاست میں ایک نئے مذہب کا ڈھونگ رچا کر میری رعایا میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ میں نے کہا۔ اس بارے میں سیرالیون گورنمنٹ سے فیصلہ کرایا جا سکتا ہے جو احمدی مبلغین کو اسلام کے نمائندے اور احمدیوں کو امن پسند شہری سمجھتی ہے اور جس نے ہر شخص کو مذہبی آزادی دے رکھی ہے۔ غرضیکہ اس سے ہماری گفتگو عملاً بے سود ثابت ہوئی اور مسجد وغیرہ کی

اجازت کا معاملہ وہیں کا وہیں رہا۔

انگریز ڈویژنل کمشنر کا معاندانہ رویّہ

اور اس طرح پیرا مونٹ چیف کی ہٹ دھرمی اور احمدیت دشمنی نے ہمیں وہاں کے انگریز ڈویژنل کمشنر کے پاس شکایت کرنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن اتفاق سے اس وقت کینیما ڈویژن کا کمشنر بھی ایک نہایت متعصب اور بوڑھا سا انگریز مسٹر کے سی ٹیلر تھا۔ چنانچہ ہماری باتیں سُنکر وہ چیف کی حمایت کرتے ہوئے کہنے لگا "مسٹر صدیق یہ مذہبی تنازعہ نہیں ہے آپ لوگ عمداً اِسے مذہبی رنگ دے رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنے چیف کی اتھارٹی نہیں مانتے۔" حالانکہ ہمارے احمدی بھائی بالکل بے قصور اور مظلوم تھے۔ اور محض مذہبی تعصّب کا شکار تھے۔ آخر بڑی بحث وتمحیص کے بعد مَیں نے مانو کوٹوہون کے احمدی لیڈر اور امام پا ہارون کو آگے کر کے کمشنر ٹیلر سے کہا کہ جب یہ شخص اپنی ذاتی زمین میں اپنے خرچ پر اپنے اسلامی عقیدہ کے مطابق نمازیں ادا کرنے کے لئے مسجد بنانا چاہتا ہے تو یہ ریاست کے چیف اجازت کیوں نہیں دیتے۔ مسجد کا معاملہ تو ریاستی معاملہ نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ اپنے چیف کی نافرمانی کرتے ہیں تو بے شک اِنہیں سزا دی جائے۔ ہم دخل نہیں دیں گے مگر عبادت کے لئے مسجد نہ بنانے دینا اور گاؤں کی پہلی مسجد کو بھی بند کر کے اسے منہدم کروا دینا تو صریح ظلم ہے اور ایسا کرنے کی کھلی چھٹی دینا برٹش انصاف کی روایات کے صریح منافی ہے۔

مسجد کی تعمیر کی اجازت

چونکہ کمشنر کے پاس اب کوئی معقول جواب نہیں تھا اسے ماننا پڑا کہ ہاں محض مسجد بنا کر وہاں امن سے عبادت کرنے سے انہیں کوئی روک نہیں سکتا۔ مَیں نے کہا آپ ریاست کے پیرا مونٹ چیف کے نام چٹھی لکھ دیں کہ وہ احمدیوں کو مسجد بنانے کی اجازت دے دے اس پر اس نے طوعاً وکرہاً اس مفہوم کی گول مول سی چٹھی لکھ دی کہ جو احمدی نظامِ ریاست کی پابندی کرتے ہیں انہیں مانو کوٹوہون میں اپنی مسجد بنانے اور اس میں نمازیں پڑھنے سے نہ روکا جائے۔ چنانچہ اس کے بعد چیف نے مجبور ہو کر اجازت دے دی۔

مسجد کی تکمیل اور جماعتی ترقی

اس کے بعد مانو کوٹوہون کے احمدی احباب

نے ایک ہی روز میں جگہ صاف کر کے مسجد کی عمارت شروع کرنے کی تیاری کر لی۔ اور پھر گاؤں کے چیف اور دیگر سربراہانِ علاقہ کے ایک جمِّ غفیر کی موجودگی میں دعاؤں کے ساتھ اس عاجز خادمِ سلسلہ نے مسجد کی بنیاد رکھی اور وہیں عصر کی نماز باجماعت ادا کر کے کام شروع کروا دیا۔ اس مبارک موقعہ پر شکرانے کے طور پر احمدی احباب نے ایک گائے ذبح کر کے تمام گاؤں والوں کی دعوت کی اور پھر چند ہفتوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدیوں کے وقارِ عمل اور مالی قربانیوں سے وہاں ایک وسیع اور اچھی مسجد تیار ہو گئی جس کا حضرت مولانا نذیر احمد علی صاحب مرحوم مبلغ انچارج نے افتتاح فرمایا۔ اس کے بعد بفضل اللہ تعالیٰ اس علاقہ میں جماعت نے خوب ترقی کی اور چند سالوں میں وہاں وہ تعصب اور مخالفت بھی ختم ہو گئی۔ اس دوران وہ عیسائی پیرامونٹ چیف بھی راہئ ملکِ عدم ہو گیا اور پھر وہاں ہمارے چیف ناصر الدین گامانگا مرحوم آف باجے بو کا ایک سکول فیلو اور دوست اس ریاست کا چیف بنا جو باوجود عیسائی ہونے کے ہمارے مشن سے ہمیشہ رواداری اور انصاف کا برتاؤ کرتا رہا۔ اب کینیما شہر اور ضلع میں کئی جگہ ہمارے پرائمری اور سیکنڈری سکول اور شاندار مسجدیں بن چکی ہیں اور احمدیہ ہسپتال بھی کامیابی سے چل رہے ہیں فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالیٰ۔

یہ ساری روداد جب نے وہاں سے لوٹ کر مقامی امیر حضرت مولانا نذیر احمد علی صاحب مرحوم کو سُنائی تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے پھر سیرالیون کی تمام جماعتوں کو بذریعہ سرکلر یہ ہدایت فرمائی کہ جب کسی ہنگامی کام کے لئے جماعت میں کسی مبلغِ سلسلہ کا فوری پہنچنا ضروری ہو تو متعلقہ جماعت کے نمائندہ خود مرکز آ کر مبلغ کو اپنے ساتھ لے جائیں تاکہ مبلغ کو راستے میں مشکلات کا سامنا کرنے سے پریشان نہ ہونا پڑے۔

مشکلات میں حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے ہمت افزائی

دوسری جنگِ عظیم کے دوران مولانا نذیر احمد علی صاحب اور خاکسار سیرالیون کے جنگلات میں گاؤں گاؤں پھر کر تبلیغ کرنے اور احمدیت کے لئے زرخیز اور موزوں علاقہ تلاش کرنے میں مصروف رہے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کئی مخلص جماعتیں قائم ہوگئیں تاہم مشن کا ابھی کوئی مرکز قائم نہیں ہوا تھا اور جنگ کے ہنگامی حالات کی وجہ سے وہ بہت مشکلات کا زمانہ تھا۔ کھانے پینے کی عام اشیاء شہروں میں بھی میسّر نہیں آتی تھیں چہ جائیکہ دیہات میں مل سکیں اور اندرونِ ملک دوروں کے دوران کئی کئی ماہ تک خوراک کے لئے ہم اکثر شکرقندی کسادا، کوکو یام اور جنگلی یام وغیرہ پر گزارہ کرتے تھے۔ اور بعض دفعہ انہیں پیس کر اور لوکل گڑ ملا کر ستوؤں کی طرح خشک بھی استعمال کر لیا کرتے تھے۔ دودھ روٹی اور اپنے ملک کی طرح کا اناج تو اس زمانہ میں دیکھنے کو بھی نہ ملتا تھا۔ سالن کے لئے شکرقندی، کسادہ اور بعض دوسرے پودوں کے پتّے تاڑی کے سُرخ تیل میں پکا کر استعمال میں لائے جاتے تھے اور یہ صورت حال کئی سال تک مبلغین کو برداشت کرنی پڑی۔

ایک روز سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی ماہانہ رپورٹ لکھتے ہوئے خاکسار نے ضمنی طور پر یہ بھی عرض کر دیا کہ حضور یہاں تو ہمیں اپنے ملک کا کوئی کھانا بھی نہیں ملتا۔ صرف موٹے موٹے چاول ملتے ہیں جو ہم ستّو بنا کر پھانک لیتے ہیں۔ گوشت کے بدلے بدبودار سوکھی ہوئی مچھلی ملتی ہے اور سالن کے لئے ہم شکرقندی اور کسادا کے پتّے استعمال کرتے ہیں۔ البتہ پھلوں میں سے کیلے، آم، مالٹا، پپیتا اور اناناس وغیرہ جنگلوں میں مل جاتے ہیں بعض دفعہ دوست احباب کیلوں کا گچھا پیش کر جاتے ہیں تو ہم صرف وہی کھا کر گزارہ کر لیتے ہیں۔ حضور رضی اللہ عنہ کی طرف سے جواب ملا کہ

"آپ کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے وہ لذیذ پھل آپ دن رات

وہاں کھاتے ہیں جو آجکل یہاں بھی بمشکل ملتے ہیں اور جس کو آم کیلے
مالٹے وغیرہ کھانے کو ملیں اُسے اَور کیا چاہیئے۔"

تاہم ہماری ہمت افزائی اور جماعت کو ہماری کامیابی کے لئے دعا کی تحریک فرمانے کے لئے حضورؓ نے انہیں دنوں مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۴۲ء کے خطبہ جمعہ میں ہمارے وہ حالات اور مشکلات بیان فرما کر جن سے ہم اس وقت سیرالیون میں دوچار تھے جماعت کو ہمارے لئے خاص دعائیں کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ حضورؓ نے فرمایا۔

"مغربی افریقہ کے دو مبلغ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ایک مولوی نذیر احمد علی صاحب ابن بابو فقیر علی صاحبؓ اور دوسرے مولوی محمد صدیق امرتسری۔ یہ لوگ ایسے علاقے میں ہیں جہاں سواریاں مشکل سے ملتی ہیں کھانے پینے کی چیزیں بھی آسانی سے میسّر نہیں آتیں۔ رستہ میں کبھی ستّو پھانک کر گزارہ کر لیتے ہیں اور کبھی کوئی پھل کھا لیتے ہیں۔ پھر انہیں سینکڑوں میل کے دَورے کرنے پڑتے ہیں اور ان دَوروں کا اکثر حصہ وہ پَیدل طے کرتے ہیں۔"

"یہ قربانیاں ہیں جو سالہا سال سے یہ لوگ کر رہے ہیں۔ چیف اور رؤساء ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ بعض دفعہ گو ہمیشہ نہیں گورنمنٹ بھی ان کے رستہ میں روڑے اٹکاتی ہے۔ عام پبلک اور مولوی بھی مقابلہ کرتے رہتے ہیں لیکن ان تمام روکوں کے باوجود وہ مختلف علاقوں میں جماعتیں قائم کرتے اور خانہ بدوشوں کی طرح دین کی اشاعت کیلئے پھرتے رہتے ہیں۔"

"یہ لوگ ایسے نہیں کہ جماعت ان کی قربانیوں کے واقعات کو تسلیم کرنے سے انکار کر سکے۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ جو کام یہ لوگ کر رہے وہ ساری جماعت کا ہے اور اسی لحاظ سے جماعت کے ہر فرد کو اپنی دعاؤں میں ان مبلغین کو یاد رکھنا چاہیئے۔"

(الفضل ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۲ء خطبہ نمبر)

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور ہماری کوئی خوبی نہیں کہ اس نے حضورؓ اور

جماعت کی دعاؤں کے نتیجہ میں ہمیں سیرالیون میں بیسیوں نئی جماعتیں قائم کرنے کی توفیق دی اور ہماری حقیر مساعی کو قبولیت کا شرف عطا فرمایا۔ الحمد للہ تعالیٰ۔

ایفائے عہد کا قابلِ ستائش نمونہ

دوسری جنگِ عظیم کے دوران ہنگامی حالات اور ڈاک کے نظام میں گڑبڑ کی وجہ سے سیرالیون میں حضرت الحاج مولانا نذیر احمد علی صاحبؓ رئیس التبلیغ مغربی افریقہ کی اور میری مرکزِ سلسلہ عالیہ احمدیہ سے خط و کتابت اکثر منقطع رہا کرتی تھی اور قادیان سے کوئی مالی امداد نہ آسکنے کے باعث ہم اکثر مالی تنگی سے دوچار رہتے تھے تاہم تبلیغ کا کام خدا تعالیٰ کے فضل سے حسبِ معمول جاری رہتا۔

ہر حال میں پیدل سفر کا فیصلہ چنانچہ ۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے کہ شدید مالی تنگی کی وجہ سے حضرت مولانا علی صاحبؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک ہمارے مالی حالات اچھے نہ ہو جائیں ہم دونوں کسی موٹر کار یا ٹرک وغیرہ پر سوار نہیں ہوں گے اور کسی کی طرف سے مفت سواری پیش ہونے پر بھی ہم سواری پر سفر نہیں کریں گے تاکہ اس طرح ہماری تکلیف اور دعاؤں سے اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے اور ہماری تبلیغ کے کام میں پیش آمدہ رکاوٹیں دور ہوں۔ چنانچہ ایک عرصہ تک اس پر شدت سے عمل کیا جاتا رہا۔ اور ہم سڑکوں والے علاقہ میں سفر کے دوران بھی اپنے دوستوں اور خیرخواہوں کی طرف سے مفت سواری کی پیشکش رد کر دیتے رہے ڈیڑھ سال تک یہ طریقِ کار جاری رہا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے سیرالیون احمدیہ مشن کی مالی مشکلات بہت حد تک دور ہو گئیں۔

تکلیف کے باوجود سواری کی پیشکش ٹھکرا دی ایک مرتبہ اکتوبر ۱۹۴۲ء میں تبلیغی سلسلہ میں حضرت مولانا علی صاحبؓ اور یہ خاکسار بُوجے ہون ڈسٹرکٹ کے قصبہ باندا جما سووا

(BANDAJUMA SOWA) سے "بو" شہر کی طرف پیدل سفر کر رہے تھے۔ اور دو افریقن احمدی طالب علم مسمّی عمران عبداللہ اور عقیل تیجان ہمارا سامان اٹھائے ہوئے ہمارے ساتھ تھے۔ تقریبًا پچیس تیس میل کا یہ سفر ہم نے دو تین روز میں طے کیا کیونکہ خاکسار اپنے پاؤں کی انگلیوں میں خارش سے پیدا شدہ ایک زخم کی وجہ سے تیز چلنے سے قاصر تھا۔ ہم پکّی شاہراہ پر رواں دواں تھے۔ موٹر کاریں۔ ٹرک اور لاریاں آتیں اور گزر جاتیں مگر ہم پیدل ہی چلتے رہے۔ آخر جب "بو" شہر صرف سات آٹھ میل رہ گیا۔ اور ہم ٹکونکو (TIKONKO) ٹاؤن کے قریب پہنچ گئے تو میرے لئے چلنا دوبھر ہو گیا۔

عہد کرے کہ ہمّت نہیں ہارنی چاہیئے

اس دوران "بو" شہر کی جماعت احمدیہ کے سابق صدر برادرم محمد مصطفٰی بونگے کے عیسائی بہنوئی مسٹر سائیر بونگے (SAYYER BONGAY) نے کورے بونڈو سے "بو" جاتے ہوئے اچانک ہمارے قریب آکر اپنی کار روک لی۔ اور اُتر کر ہمیں لفٹ دینے یعنی اپنے ساتھ "بو" لے جانے کی پیشکش کرنے لگے مجھے اپنے پاؤں کی خارش اور زخم کی وجہ سے تکلیف تھی۔ اس لئے مَیں نے مسکراتے ہوئے مولانا علی صاحب سے منہ سے کچھ کہے بغیر محض نظروں ہی نظروں میں مسٹر سائیر کی یہ پیشکش قبول کر لینے کی خواہش کی۔ مولانا صاحب سمجھ گئے اور ایک شعر پڑھ کر فرمانے لگے۔

"اتنا سفر پیدل طے کر لینے اور اتنی تکلیف اٹھا لینے کے بعد اب ہمیں ہمّت نہیں ہارنی چاہیئے اور ہمیں اس وقت کمند توڑ کر ثواب و برکت سے محروم نہیں ہونا چاہیئے۔ جبکہ لبِ بام صرف دو چار ہاتھ رہ گئے ہیں۔"

لوکل چیف کے صحن میں تبلیغی جلسہ

چنانچہ انہوں نے مسٹر سائیر بونگے کا شکریہ اور معذرت کر کے انہیں رخصت کر دیا اور وہ رات ہم نے شدید تھکاوٹ اور تکلیف کی وجہ سے ٹکونکو (TIKONKO) ٹاؤن میں لوکل چیف کی مہمانی میں گزاری اور وہاں پر ہم نے

چیف کے تعاون سے رات کو ایک پبلک جلسہ کر کے اسلام کی تبلیغ بھی کی۔ چیف عیسائی ہونے کے باوجود جلسہ میں خود شریک ہوئے اور سب نے ہماری باتیں بڑی دلچسپی سے سُنیں اور لوکل پادری سے ہماری دوستانہ گفتگو بھی رات گئے تک ہوتی رہی۔ اگلے روز ہم سب اللہ تعالیٰ کے فضل سے پیدل ہی بخیریت اپنے مرکزی شہر "بو" پہنچ گئے۔

پہلی مرتبہ مویانمبا شہر میں تبلیغِ اسلام کے دلچسپ واقعات

ایک مرتبہ ستمبر ۱۹۴۳ء میں خاکسار اور حضرت مولانا نذیر احمد علی صاحبؓ سیرالیون کے شہر "بو" میں مکرم علی مصطفےٰ بونگے کے مکان میں مقیم تھے (کیونکہ ابھی وہاں جماعت کے مرکز کے لئے ہمیں زمین نہیں ملی تھی) میری آنکھوں میں پرانے ککروں کی تکلیف بہت بڑھ گئی اور کئی ہفتے کے لوکل علاج کے باوجود کم نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ دن کی عام روشنی بھی میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوگئی ایک روز درد کی وجہ سے مجھے بہت بے چینی اور گھبراہٹ تھی اسی کمرہ میں مولانا علی صاحبؓ بھی دمہ اور بخار سے پڑے کراہ رہے تھے۔ کہ ایک احمدی دوست نے آکر بتایا کہ بو سے چالیس میل پرہ مویانمبا (MOYAMBA) شہر کے گورنمنٹ ہسپتال میں ایک انگریز ماہرِ چشم آیا ہوا ہے جو کچھ عرصہ کے بعد انگلستان لوٹ جائے گا۔ یہ سُنتے ہی حضرت مولانا صاحبؓ باصرار مجھے بغرضِ علاج وہاں لے جانے کے لئے تیار ہو گئے اور میری یہ تجویز نہ مانی کہ ان کے بخار وغیرہ سے افاقہ تک دو تین روز انتظار کر لیا جائے بلکہ فرمایا کہ خلیفۂ وقت نے خطیر رقم خرچ کر کے آپ کو یہاں بھجوایا ہے آپ میرے پاس سلسلہ کی امانت ہیں۔ آپ کا فوری علاج میری ذمہ داری ہے۔

چنانچہ ہم ۱۶ ستمبر ۱۹۴۳ء کو بذریعہ ریل مویانمبا روانہ ہو گئے۔ دمہ کے دورہ اور ہلکے ہلکے بخار سے مولانا صاحب سفر میں بے چین رہے اور راستہ میں

گردوغبار کی وجہ سے انہیں بہت تکلیف ہوئی۔ مگر وہ اتنی مضبوط قوت ارادی اور اتنا تبلیغی جذبہ اپنے اندر رکھتے تھے کہ سفر کے دوران اسی حالت میں بھی پاس بیٹھے ہوئے مسافروں کو اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ معائنہ کے بعد ڈاکٹروں نے ہمیں کم از کم ایک ہفتہ مویا نمبا میں قیام کرنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ ہم ریاست کے عیسائی پیرا مونٹ چیف آنریبل غلاماں کے ہاں ٹھہر گئے انہوں نے ہمیں اپنے محل کی بالائی منزل میں ایک کمرہ دے دیا۔ اور ہماری عزت افزائی کے علاوہ ہر طرح سے مہمان نوازی کا حق ادا کرتے رہے غالباً اس لئے کہ اُن کے آباؤ اجداد مسلمان تھے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ۔

ڈاکٹروں کے تجویز کردہ علاج سے دو تین روز کے بعد ہم دونوں کے عوارض کی شدت میں بہت حد تک کمی آگئی یہانتک کہ ہم شہر میں گھومنے پھرنے کے قابل ہوگئے چنانچہ وہاں قیام کے چوتھے روز مولانا صاحبؓ کہنے لگے کہ علاج کے بہانے اللہ تعالیٰ ہمیں اس لئے اس نئے علاقہ میں لایا ہے تاکہ ہم یہاں کے باشندوں کو تبلیغ کرسکیں اور عیسائیت کے اس گڑھ میں جہاں ان کے کئی سکول، گرجے اور اپنا ہسپتال بھی ہے اسلام کی سچائی اور عیسائیت کے بطلان کو ثابت کریں۔

چنانچہ مولانا صاحبؓ نے وہاں کے پیرا مونٹ چیف آنریبل غلاماں سے نہ صرف شہر میں تبلیغ کی اجازت لے لی۔ بلکہ ان سے ہماری تقریریں کرانے کا انتظام کرنے کی درخواست بھی کی جس پر چیف نے سارے شہر میں اعلان کروا دیا کہ احمدی مسلم مبلغین اتوار کے روز ان کی عدالتی بیرک میں اسلام کی خوبیوں پر تقاریر کریں گے۔ چنانچہ اتوار کو آنریبل چیف غلاماں ہی کی صدارت میں صبح و شام اسلام اور احمدیت پر ہمارے دو دو لیکچر ہوئے جو تقریباً ایک ہزار عیسائی مسلمان اور مشرکین نے دلچسپی سے سُنے۔ اور لیکچروں کے بعد کافی دیر تک ان کے سوالات کے جوابات بھی دیئے گئے۔ پھر ایک روز وہاں کی مسجد میں بھی ہمارے دو لیکچر ہوئے اور شہر میں گھر گھر دستک دے کر ہم نے لٹریچر بھی تقسیم کیا اور اپنی واپسی سے پہلے وہاں ایک مخلص افریقن احمدی بھائی مکرم الحاج سعید و بنگورا مرحوم کو بطور آنریری لوکل معلم مقرر کر دیا۔ ان کی تبلیغی کوششوں سے وہاں ایک

چھوٹی سی جماعت پیدا ہو گئی جنہوں نے اپنے بچے ہمارے سنٹرل احمدیہ سکول "بو" میں تعلیم کے لئے بھجوا دیئے۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہماری بیماری اور علاج کے بہانے اس نئے علاقہ میں وسیع پیمانے پر تبلیغ کے ذریعہ سعید روحوں کی ہدایت کا سامان فرما دیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی۔

ایک متعصب عیسائی پرنسپل کا بیان

موبانمبا میں قیام کے دوران ہم وہاں کے تمام عیسائی مشنوں اور سکولوں میں بھی گئے اور ان کے قائم کردہ سب ادارے دیکھے بعض مشنوں کے پادریوں اور مشنری عورتوں کو اسلامی کتب بھی پیش کیں۔ اس شہر میں ایک مشہور گرل سیکنڈری سکول بھی ہے جو اس وقت سیرالیون کا قدیم ترین اور بہترین گرل سکول سمجھا جاتا تھا۔ اس سکول کے سٹاف کو زبانی تبلیغ کے علاوہ لٹریچر بھی پیش کیا۔ طالبات سے بھی گفتگو ہوتی خصوصاً مسلمان طالبات ہمیں خود آکر ملتی رہیں۔ اور ہم سے اسلامی لٹریچر بھی لے گئیں۔ سکول کی لائبریری کے لئے بھی ہم نے اپنی کتب کا ایک سیٹ پیش کیا۔ سکول کی پرنسپل ایک بااخلاق انگریز خاتون تھیں جنہوں نے دورانِ ملاقات ہمیں چائے وغیرہ پیش کی اور بڑی توجہ سے ہماری باتیں سنتی رہیں اسلام پر اعتراضات بھی انہوں نے مہذب انداز میں کئے جن کے جواب سنکر خاموش ہو جاتی رہیں۔ لیکن آخر میں جب ہم نے ان سے یہ پوچھا کہ کیا آپ کے سکول میں پڑھنے والی مسلمان لڑکیوں کو مسلمان ہی رہنے دیا جاتا ہے یا عیسائیت قبول کرنا ان کے لئے ضروری ہوتا ہے؟ تو ان کی عالی ظرفی کا بھرم کھل گیا۔ کہنے لگیں کہ

"ہم صرف عیسائیت کو ہی دنیا کا واحد سچا مذہب یقین کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک صرف یہی مذہب انسانی نجات کا ذریعہ ہے اور آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ ہم اپنے ان سکولوں پر لاکھوں روپیہ صرف اس لئے صرف کرتے ہیں کہ اس ملک کے لوگ عیسائی مذہب اور عیسائی تہذیب کو اپنا کر عیسائی اور یورپین تمدن کے مطابق زندگی بسر کریں اس لئے ہم مسلمان طالبات کو عیسائی ہونے پر مجبور تو نہیں کرتے مگر

بائیبل اور دیگر مذہبی کورس کا پاس کرنا ہر طالبہ کے لئے ضروری ہوتا ہے جسے پڑھ کر اور لمبا عرصہ ہمارے ساتھ ہوسٹل میں گزار کر عیسائیت کی صداقت پر انہیں یقین ہو جاتا ہے۔"

اس کے بعد بڑے جوش اور طمطراق سے کہنے لگیں کہ

"باوجود ہمارے مجبور نہ کرنے کے گزشتہ پچیس سال میں ایک مسلمان لڑکی بھی ایسی نہیں جو اس ادارہ سے ازخود بپتسمہ لے کر عیسائی ہوئے بغیر رخصت ہوئی ہو بلکہ ہر مسلمان لڑکی اپنا اسلام یہیں چھوڑ کر اسکے بدلے عیسائیت ساتھ لے کر جاتی رہی ہے۔"

پرنسپل صاحبہ کے مندرجہ بالا بیان سے یہ بات نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہے کہ افریقہ کے ان علاقوں میں لڑکیوں کے سکول کھولنے اور ان پر ہزاروں پونڈ خرچ کرنے کا واحد مقصد غیر عیسائی افریقن لڑکیوں کو عیسائی بنانا اور عیسائی سربراہوں کے اس مقولہ کو عملی جامہ پہنانا ہے کہ ایک مرد کو عیسائی بنانے اور بپتسمہ دینے سے صرف ایک ہی مرد عیسائی ہوتا ہے مگر ایک لڑکی یا عورت کو عیسائی بنانے سے ایک سارا گھرانہ اور خاندان عیسائی بن جاتا ہے۔

بہرکیف اس لیڈی کی یہ باتیں سُنکر ہمیں بہت دکھ ہوا۔ مسلمانوں کا اس زمانہ میں سیرالیون میں اپنا کوئی گرل سکول تو کیا لڑکوں کے لئے پرائمری سکول تک بھی نہ تھا (سوائے دو احمدیہ پرائمری سکولوں کے)

چند روز بعد حضرت مولانا علی صاحبؓ جب فری ٹاؤن گئے تو اس لیڈی پرنسپل کے طنز و تعلّی کا ذکر کر کے مسلمان لیڈروں کو تحریک کی کہ وہ متحد ہو کر اپنے تعلیمی ادارے جاری کرنے کی کوشش کریں اور بیدار ہو جائیں کہ اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کو عیسائیت کے بحرِ ضلالت میں ڈوبنے سے بچالیں۔ اس مخلصانہ اپیل کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ مسلمانوں کے سب فرقوں میں کسی قدر بیداری اور جراُت پیدا ہوئی۔ اور ان کا سنجیدہ اور سمجھدار طبقہ نہ صرف ہماری جماعت سے تعاون کرنے لگا بلکہ اس کے بعد اپنے بھی انہوں نے ایک دو سکول کھول لئے۔ آجکل خدا کے فضل سے سیرالیون میں دس بارہ سیکنڈری احمدیہ سکول

اور تیس ۳۰ سے اوپر پرائمری سکول کامیابی سے چل رہے ہیں۔ اور عیسائی سکولوں کی نسبت ہمارے سکولوں کا ماحول اور تعلیم اتنی اچھی سمجھی جاتی ہے کہ خود عیسائی لیڈر بھی اپنے بچے ہمارے سکولوں میں تعلیم کے لئے بھیجتے ہیں۔ الحمد للہ تعالیٰ۔

(الفضل ۱۰؍ستمبر و ۲۵؍نومبر ۱۹۴۳ء)

ریاست ٹونگیا میں جماعتوں کا قیام

احمدیوں پر مظالم کی دردناک داستان

۱۹۴۳ء میں ریاست ٹونگیا (TONGIA) سیرالیون میں مختلف جماعتیں کس طرح قائم ہوئیں اور نومبایعین پر کیا گزرتی رہی۔ یہ داستان بھی بڑی ایمان افروز اور سبق آموز ہے اس کا آغاز یوں ہوتا ہے کہ ٹونگیا کے ایک گاؤں ٹمانے ناہون کی لوکل مسجد کے امام الفالحائے کمارا مرحوم کو اپنی کومینڈے قوم کے ایک عالمِ دین سے اتفاقاً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض عربی کتب مل گئیں جن کے مطالعہ اور خاص دعاؤں کے نتیجہ میں وہ نہ صرف خود احمدی ہو گئے بلکہ انہوں نے اپنے زیرِ اثر لوگوں کو بھی اپنا ہمخیال بنالیا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ ان کی تبلیغ کا اثر دوسرے قریبی دیہات پر بھی ہونے لگا۔ یہ ریاست چونکہ سڑکوں سے بہت دور گھنے جنگلات میں تھی اور متمدّن علاقہ سے اس کا رابطہ اس وقت برائے نام تھا اس لئے ہم مبلّغین سیرالیون کو وہاں احمدیت پھیلنے کا علم صرف اس وقت ہو سکا۔ جب مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی اور لوکل پیراماؤنٹ چیف کی طرف سے احمدیوں کو بدنی تکالیف بھی دی جانے لگیں۔

اس زمانہ میں ریاست ٹونگیا کے پیراماؤنٹ چیف مالکی فرقہ کے ایک متعصّب ناخواندہ مسلمان تھے۔ جنہیں علاقہ کے علماء نے احمدیت کے خلاف خوب بھڑکایا چنانچہ چیف نے سات آٹھ سرکردہ احمدیوں کو اپنی عدالت میں بلا کر زدوکوب کیا

اور دھمکی دی کہ اگر انہوں نے احمدیت سے توبہ نہ کی تو انہیں سخت سزائیں دی جائیں گی۔ نیز قانون بنا دیا کہ کوئی احمدی کہیں بھی باجماعت نماز نہیں پڑھ سکتا" صرف غیر احمدیوں کی مسجد میں ان کے امام کے پیچھے ہی پڑھ سکتا ہے تاہم امام الفالحائے کمارا جو وہاں اس وقت احمدیوں کے لیڈر تھے چونکہ ریاست کے با اثر فرد سمجھے جاتے تھے اس لئے انہیں کچھ نہ کہا گیا حالانکہ وہاں احمدیت کی اشاعت کے مرکزی کردار وہی تھے۔

اس دوران رمضان شریف کا مبارک مہینہ آگیا تو احمدیوں نے فیصلہ کیا۔ کہ وہ اپنی نمازیں بہرحال باجماعت ادا کریں گے چنانچہ اس مقدس جرم کی پاداش میں ایک روز ٹانینا ہون اور بیوا بوگاؤں کے آٹھ دس سرکردہ احمدیوں کو جو روزہ سے تھے سزا کے طور پر عدالت سے باہر دھوپ میں سورج کی طرف منہ کرکے کھڑا ہونے کا حکم دے دیا گیا۔ اور چیف نے اعلان کر دیا کہ جب تک وہ احمدیت سے توبہ نہیں کریں گے انہیں چھوڑا نہیں جائے گا۔

یہ سزا ابھی شروع بھی نہیں ہوئی تھی کہ الفالحائے کمارا کو بھی اپنے کھیتوں میں چیف کی طرف سے عائد کردہ سزا کا علم ہو گیا۔ جس پر انہوں نے فوری طور پر عدالت میں حاضر ہو کر چیف سے عرض کیا کہ یہ سب لوگ بے قصور ہیں آپ کی ریاست میں احمدیت کا بیج تو میں نے بویا ہے۔ اور ان لوگوں کو احمدی بنانے کا اصل ذمہ دار میں ہوں آپ مجھے پکڑ کر جو چاہیں سزا دیں۔ انہیں کچھ نہ کہیں لیکن چیف نے امام الفالحائے کمارا سمیت سب کو دھوپ میں کھڑا کروا دیا اور ان کی آنکھوں میں پسی ہوئی مرچیں بھی ڈالی گئیں جس سے وہ روزہ دار احمدی آنکھوں میں ناقابل برداشت تکلیف کی وجہ سے تڑپنے لگے اور ان کے بیوی بچوں کے واویلا اور رونے پیٹنے کی وجہ سے گاؤں میں کہرام مچ گیا۔ بعض احمدیوں کی مائیں بہنیں رو رو کر ان کی منتیں کرنے لگیں کہ وہ دل میں بے شک احمدی رہیں مگر زبان سے انکار کر دیں۔ اس کے بعد شام تک ان سے آٹھ پونڈ جبراً جرمانہ وصول کرکے دو روز کے لئے سب کو جیل میں ڈال دیا۔ چیف کو قانوناً دو دن سے زیادہ جیل کی سزا دینے کا اختیار بھی نہیں تھا۔

اس صورت حال کا علم کسی طرح ضلع کینیما (KENEMA) میں بلاما کی احمدیہ مسجد کے امام فوڈے موسٰی کروما کو ہوگیا۔ چنانچہ وہ ۲۹ جنوری ۱۹۴۳ء کو چالیس میل کا سفر طے کر کے "لیو وما" میں حضرت مولانا نذیر احمد علی صاحب رض مبلغ انچارج کے پاس آئے اور ان دردناک حالات سے انہیں مطلع کیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ احمدی مبلغ انچارج کو ریاست ٹونگیا میں جماعت قائم ہوجانے کا علم ہوا۔ چنانچہ مولانا صاحب رض نے ٹونگیا آدمی بھیجکر اس جماعت کے کسی نمائندہ کو طلب کیا تاکہ عینی شاہد سے مذکورہ بالا واقعات کی تصدیق ہوسکے۔ چنانچہ ۵ فروری ۱۹۴۳ء کو ٹونگیا کے احمدیوں کی طرف سے دو نمائندے قصبہ بانڈا اجیا سودا آکر حضرت مولانا صاحب رض سے ملے اور تمام حالات کہہ سنائے۔

اس کے بعد ۱۳ فروری ۱۹۴۳ء کو ٹونگیا کے احمدی امام الفالحائے کروما نے خود بھی ۳۰ میل کا سفر پیدل طے کر کے حضرت مولانا صاحب رض سے بلاما میں ملاقات کی اور تمام حالات عرض کئے۔ حضرت مولانا صاحب چند روز کے بعد انہیں ضلع بوجے ہون کے انگریز ڈسٹرکٹ کمشنر کے پاس لے گئے اور تمام حالات تحریری طور پر پیش کر کے ریاست ٹونگیا (TONGIA) میں احمدیوں پر مظالم کے فوری تدارک کی درخواست کی چنانچہ ڈسٹرکٹ کمشنر صاحب نے وہاں کے پیراماؤنٹ چیف کے نام چٹھی لکھکر احمدی امام الفالحائے کروما کو دی جس میں انہیں ہدایت کی گئی تھی۔ کہ وہ اپنی رعایا کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی سے باز رہیں اور انہیں آزادی سے اپنی عبادات بجالانے دیں۔

اگرچہ اس خط کی بناء پر وہ پیراماؤنٹ چیف کسی قدر نرم تو ہوگئے مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر لمبا عرصہ احمدیوں کو اذیتیں پہنچاتے رہے تاہم اس سے ان کی ریاست میں احمدیت کی اشاعت رک نہ سکی بلکہ ہمسایہ ریاستوں میں بھی لوگ احمدیت میں دلچسپی لینے لگے جس کے نتیجہ میں خدا کے فضل سے ٹینینا ہون (TANAN HUN) بیوا بو (BEWABU) گورا ہون (GORA HUN) جوئی (JOIE) اور پیلی (PELIE) وغیرہ دیہات میں مخلص جماعتیں قائم ہوگئیں۔ پیلی اور جوئی کے نومبائع احمدیوں کو بھی وہاں کے لوکل چیف اور نمبردار عرصہ تک مختلف بہانوں سے تکالیف

پہنچاتے اور احمدیت سے انہیں برگشتہ کرنے کی سرتوڑ کوششیں کرتے رہے۔ کئی بار جھوٹی گواہیوں کی بناء پر انہیں جرمانے بھی کئے گئے مگر خدا کے فضل سے احمدیوں کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی اور آخر کار ان مخالفوں کا نام و نشان مٹ گیا۔ مگر احمدیت وہاں اب بھی قائم و دائم اور دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔

ضلع پونچھ ہول کی مندرجہ بالا ریاستوں اور احمدی جماعتوں کا پہلا دورہ حضرت مولانا نذیر احمد علی صاحب مرحوم نے مئی اور جون ۱۹۴۳ء میں کیا۔ بعد میں خاکسار اور دیگر مبلغین کرام بھی ان نئی جماعتوں کی تربیت کے لئے بار بار اس علاقہ میں جاتے رہے اور دو لوکل احمدی معلم بھی وہاں کے لئے مقرر کر دیئے گئے۔ اب خدا کے فضل سے ان جماعتوں میں ہمارے سکول بھی کامیابی سے چل رہے ہیں اور سڑکیں بن جانے کی وجہ سے وہاں مبلغین کا آنا جانا بھی آسان ہو گیا ہے۔ ابتدائی مبلغین ان علاقوں میں پیدل سفر کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ ۱۹۴۴ء کے آخر میں اس کی قدرت سے ریاست ٹونگیا کے پیراموونٹ چیف جنہوں نے عرصہ سے احمدیوں کو مظالم کا نشانہ بنا رکھا تھا اپنا دماغی توازن کھو بیٹھے اور جلد ہی اس مرض سے فوت ہو گئے۔ ان کے بعد ان کی بیٹی پیراماونٹ چیف منتخب ہوئی لیکن ریاست کا نظام کما حقہٗ نہ چلا سکنے کی وجہ سے معزول کر دی گئی۔ اور پھر ریاست کی باگ ڈور کسی دوسرے خاندان میں چلی گئی۔ جس کے بعد اس علاقہ میں احمدیت کی مخالفت خدا کے فضل سے ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی اور اب ہماری وہ جماعتیں آزادی سے احمدیت اور اسلام کی ترقی کیلئے کوشاں ہیں۔ (تاریخ احمدیت جلد ۷ صفحہ ۳۹۸)

سفر کے دوران ایک خطرناک سانپ سے بچاؤ

جون ۱۹۴۳ء میں جبکہ خاکسار مگبورکا (سیرالیون) میں احمدیہ سکول اور احمدیہ دارالتبلیغ کی عمارتیں بنوا رہا تھا ہمیں عمارتی لکڑی کی ضرورت پڑی تو مجھے فوری طور پر مگبورکا سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں مموتا (MAMOUTA) جانا پڑا۔ خاکسار اکیلا سائیکل پر جنگل میں ایک چھوٹی سی پگڈنڈی پر جا رہا تھا جس کے دونوں طرف بڑے بڑے درختوں کے جھنڈ تھے۔ اور زمین لیمن گراس سے اٹی پڑی تھی کہ اچانک چند قدم کے فاصلے پر میں نے دیکھا کہ ایک بڑا کالا ناگ ایک طرف سے نکل کر دوسری طرف جا رہا ہے۔ میں فوراً سائیکل سے اُتر کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن سانپ آگے گزرنے کی بجائے غالباً سائیکل کی کھڑکھڑاہٹ سُنکر کھڑا ہو گیا اور اپنا پھن پھیلا کر پھنکارنے لگا۔

اس پر میں فوراً سائیکل پر سوار ہو کر کوئی دو تین سو گز پیچھے کی طرف چلا گیا اور پھر اُتر کر کچھ دیر کے لئے بیٹھ گیا اور پانچ دس منٹ کے بعد پھر مموتا کی طرف چل پڑا لیکن سانپ والی جگہ کے قریب پہنچ کر مجھے پھر دہشت سی محسوس ہوئی۔ چنانچہ میں نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر دور سے ہی اس جگہ پھینکی تاکہ معلوم ہو سکے کہ خطرہ ابھی ٹلا ہے یا نہیں۔ تو سانپ پھن پھیلا کر پھر کھڑا ہو گیا۔ اور چند سیکنڈ بعد میری طرف چل پڑا۔ چنانچہ خاکسار کو پھر وہاں سے دوبارہ واپس بھاگنا پڑا اور میں سائیکل پر کوئی ایک فرلانگ پیچھے چلا گیا۔ شام ہونے والی تھی اور دوسرا کوئی متبادل راستہ بھی نہ تھا گو مموتا گاؤں وہاں سے قریب ہی تھا مگر آگے جانے کا راستہ سانپ نے روک رکھا تھا۔

اس پریشان کن حالت میں اللہ تعالٰے ہی مشکل کشائی فرما سکتا تھا خاکسار پر کوئی آدھ گھنٹہ اضطرار اور دعا کی ملی جُلی کیفیت طاری رہی کہ اتنے میں مٹنی قبیلہ کا ایک شخص ہاتھ میں گنڈاسا لئے ادھر آنکلا جو مموتا جا رہا تھا۔ میں نے اس سے ذکر کیا کہ آگے سانپ نے راستہ روک رکھا ہے۔ کہنے لگا فکر نہ کریں۔

سانپ ہے تو اب تک گزر گیا ہوگا۔ اتنی دیر وہ راستے میں نہیں ٹھہر سکتا۔ اسے اپنی جان کی بھی فکر ہوتی ہے آپ بے دھڑک میرے ساتھ آئیں۔ چنانچہ اس نے میرا سائیکل خود پکڑ لیا اور ہم دونوں آگے روانہ ہو گئے۔ اور وہ اطمینان سے میرے آگے آگے چلتا رہا۔ الحمدللہ کہ اس وقت تک واقعی سانپ کہیں جا چکا تھا چنانچہ ہم بخیریت موتا پہنچ گئے اور پھر میں لکڑی کا انتظام کرکے دوسرے روز واپس آگیا۔

ایک عیسائی چیف کی اسلام دشمنی اور نصرتِ الٰہی

سیرالیون (مغربی افریقہ) کے کینیما ڈسٹرکٹ (KENEMA) کی ریاست ننگوا (NANGOWA) کے ایک عیسائی پیرامونٹ چیف ساجا (SANBA) نامی جو ۱۹۴۲ء میں اپنی ریاست کے سربراہ بنے تھے ایک متعصب کیتھولک عیسائی ہونے کی وجہ سے اسلام اور خصوصاً ہماری جماعت کے سخت مخالف تھے۔ انہوں نے اپنے رعب و دبدبہ اور مختلف حربوں سے اپنی ریاست کے دو گاؤں بانوکو ٹوہون اور پوٹے ہون میں قائم شدہ احمدیہ جماعتوں کو مٹانے کی بہت کوششیں کیں۔ غلط الزامات لگا کر اور ان پر مقدمات چلا کر جرمانے کئے گئے ان سے بیگاریں لی گئیں بعض دفعہ مسجدیں بند کر دی گئیں لیکن ہمارے احمدی احباب خدا کے فضل سے بڑی استقامت سے حقیقی اسلام پر قائم رہے اور آخر کار جیت بھی انہیں کی ہوئی اور اس جواں سال مخالفِ اسلام پیرامونٹ چیف کو شراب اور عورتوں نے جلد ہی کیفر کردار تک پہنچا دیا۔

پوٹے ہون کی جماعت کی شدید مخالفت کینیما (KENEMA) سے کچھ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں پوٹے ہون میں ہماری ایک مخلص جماعت موجود ہے جو عرصہ تک مذکورہ بالا پیرامونٹ چیف اور اس کے ساتھیوں کے تشدد کا نشانہ بنی رہی اور اس پر مخالفت اور مظالم

کے کئی دَور آئے۔ ۱۹۴۳ء میں ایک مرتبہ رمضان شریف کے مہینہ میں اس گاؤں کے چیف کو بعض نام نہاد علماء نے یہ شرعی فتویٰ دے کر ہماری جماعت کے خلاف اُکسایا کہ ایک بستی میں اگر مسلمان ایک سے زائد مساجد میں رمضان شریف کی عبادات اور نمازِ جمعہ وغیرہ ادا کریں تو وہ بستی عذابِ الٰہی کا مورد بن جاتی ہے۔ چنانچہ چیف مذکور نے گاؤں کے سب احمدیوں کو بلا کر انہیں حکم دے دیا کہ وہ رمضان ختم ہونے تک بلکہ اس کے بعد بھی اپنی احمدیہ مسجد میں یا کسی گھر یا مکان یا میدان میں نماز باجماعت ادا نہیں کر سکتے۔ جماعت نے کینیما جاکر ریاست کے پیراماؤنٹ چیف کے پاس شکایت کی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی بلکہ اس نے حکم دے دیا کہ گاؤں کی احمدیہ مسجد کو رمضان کے دَوران تالہ لگا دیا جائے اور اگر احمدی اور کسی جگہ باجماعت نماز ادا کریں تو انہیں گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ ہماری مسجد کے امام برادرم مصطفےٰ کالون (KALON) اور چند اور احمدیوں کو گھر میں باجماعت نماز پڑھنے کے جرم میں تین روز قید رکھا گیا۔

ڈسٹرکٹ کمشنر کے پاس شکایت

خاکسار اس وقت ملک کے وسطی شہر "بو" میں مقیم تھا اور حضرت مولانا نذیر احمد علی صاحب رضی اللہ عنہ فری ٹاؤن میں تھے۔ اُن کی ہدایت پر خاکسار "بو" سے فوراً کینیما پہنچ کر ڈسٹرکٹ کمشنر سے ملا۔ اور سب حالات ان سے عرض کئے۔ وہ بظاہر بڑے ہمدردانہ رویّہ اختیار کرتے ہوئے کہنے لگے "اس ریاست کے پیراماؤنٹ چیف بڑے سمجھدار اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ برٹش کراؤن سے ریاستوں کے معاہدات کی وجہ سے میں بھی ریاستوں کے اندرونی معاملات میں زیادہ دخل نہیں دے سکتا۔ صرف مشورہ دے سکتا ہوں۔ بہتر ہوگا کہ آپ خود پیراماؤنٹ چیف سے مل کر انہیں سمجھائیں کہ مذہبی امور میں ملک کا ہر شخص آزاد ہے اس لئے ملک کے احمدی باشندوں کو بھی یہ حق دیا جائے کیونکہ یہ ایک بین الاقوامی طور پر مسلّم حق ہے۔"

چنانچہ اس کے کہنے پر ہم وفد کی صورت میں پیراماؤنٹ چیف سے ملے اور جب دستورِ نذرانہ بھی پیش کیا۔ مگر انہوں نے بڑی خوبصورتی سے ہمیں ٹالتے ہوئے

یہ مشورہ دیا کہ گاؤں کا چیف خود مختار ہے آپ جا کر اس کی منّت سماجت کریں حالانکہ یہ صریح جھوٹ تھا۔ گو بظاہر ہمیں اس طریقِ کار سے کامیابی کی کوئی امید نہ تھی۔ تاہم ملکی دستور کے مطابق ہم نے کچھ ڈبّے چینی اور چائے وغیرہ کے کینیما سے خریدے اور "پُویٹے ہون" جا کر ٹاؤن چیف جو بالکل ناخواندہ تھے۔ انہیں وہ پیش کرکے اُن سے بڑی نرمی سے استدعا کی کہ مذہبی آزادی کے اصول کی بنا پر ہماری مسجد سے ہمیں اس مقدس مہینہ میں محروم نہ رکھا جائے اور احمدیوں کو آزادی سے نماز روزہ تراویح وغیرہ عبادات بجالانے کا حق دیا جائے۔

رمضان میں نماز باجماعت کی ممانعت

خاکسار کو اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت باوجود روزہ دار ہونے کے ان کے منہ میں نسوار تھی۔ جسے وہ بار بار تھوک رہے تھے۔ یاد رہے کہ اس زمانہ میں سیرالیون کے بعض علماء نے ایسے چیفوں کو خوش کرنے کے لئے یہ فتویٰ دے رکھا تھا کہ سگریٹ، تمباکو، پائپ اور نسوار وغیرہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ یہ چیزیں پیٹ میں نہیں جاتیں۔ ہماری درخواست سنکر انہوں نے ہمارے تحائف واپس کر دیئے اور میری بات کا جواب معقول طور پر دیئے بغیر گرجدار آواز میں مجھے کہنے لگے۔

"صدیق تم نے اپنے شاگرد کے ساتھ فلاں احمدی کے برآمدے میں باجماعت نماز (ظہر و عصر) ادا کر کے میرے گاؤں کے باشندوں کو میری نافرمانی پر اکسایا ہے اور خود بھی ہماری عائد کردہ پابندی کی خلاف ورزی کی ہے۔ آئندہ گاؤں کی حدود سے باہر جا کر نماز ادا کرنا ورنہ میں گاؤں سے نکال دوں گا۔"

اس کے بعد حاضرین سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ "دیکھو یہ ہندوستانی ہمارے گاؤں کی ہلاکت اور تباہی چاہتا ہے۔ تم لوگ گاؤں میں انہیں باجماعت نماز نہ پڑھنے دو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم پر عذاب آجائے۔ ہمارے علماء کے نزدیک یہ بات گاؤں پر آسمانی وبا اور عذاب کا موجب بن سکتی ہے۔" میں نے انہیں بہت سمجھایا۔ مگر انہوں نے ایک نہ سُنی اور اپنی بات پر اڑے رہے۔

قبولیتِ دُعا کی نشانی

ادھر رمضان شریف میں اپنی مسجد استعمال نہ کر سکنے

کی وجہ سے ہماری جماعت سخت پریشان تھی۔ مَیں بھی فکر مند تھا کہ اب کیا صورت اختیار کی جائے۔ اس سفر میں میرے ایک مخلص شاگرد عزیز معلّم محمد ابراہیم زکی بطور ترجمان میرے ساتھ تھے (جو اس ملک کے معیار کے مطابق عربی اور دینیات کے اچھے عالم ہیں۔ احمدیت کی خاطر انہوں نے کئی بار ماریں کھائیں اور حبسِ بیجا میں رکھے گئے۔ آجکل بَیلا ہون (BAILA HUN) کی جماعت کے پریذیڈنٹ ہیں)

اس وقت ابھی روزہ کھلنے میں کوئی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ مَیں نے معلّم محمد ابراہیم زکی سے کہا کہ اب تو ہمارا کوئی حیلہ اور تدبیر کامیاب نہیں ہوئی، چلو اب اپنے خالق و مالک ربِّ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور ربِّ کعبہ کے حضور اپنا مقدمہ پیش کریں۔ چنانچہ خاکسار نے خاموشی سے صرف معلّم زکی کو ساتھ لیا اور ہم دونوں آبادی سے ذرا دور جنگل میں چلے گئے اور ایک چھوٹے سے چشمے کے قریب بیٹھ کر نہایت عاجزی اور اضطرار اور سوز و گداز سے لمبی دعا کی کہ "الٰہی تو ہی ہمارا چارہ ساز اور حاجت روا ہے۔ کسی تدبیر سے ہم اس مصیبت کو دور نہیں کر سکے۔ ہم تو بے شک نالائق اور گنہگار ہیں کمزور ہیں مگر تیرا اسلام، تیرا قرآن، تیرا رسول ؐ، تیرا مہدیؑ اور مسیحؑ سچے ہیں تو سچے وعدوں والا ہے۔ تیری یہ جماعت سچی ہے۔ تُو اپنے ان حقیر بندوں کی معجزانہ طور پر مدد فرما کہ یہ اس وقت بے یار و مددگار ہیں اور ان کے ہموطنوں نے ہی ان کا جینا محض سچائی قبول کرنے کی پاداشس میں مشکل کر رکھا ہے۔" پھر ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آڑے وقت کی دعا کے الفاظ رقّت سے بار بار دُہرائے۔

بارانِ رحمت

دعا ختم کر کے ابھی ہم جنگل میں ہی تھے کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ اور ہمارے سب کپڑے بھیگ گئے۔ تاہم ہمارے گاؤں پہنچتے پہنچتے بارش بالکل ختم ہو گئی مَیں نے اپنے ساتھی معلّم زکی کو تسلّی دیتے ہوئے کہا کہ انشاء اللہ یہ بارش ہمارے لئے بارانِ رحمت ثابت ہو گی مجھے یہ قبولیتِ دعا کی نشانی معلوم ہوتی ہے۔

مخالف چیف کا سپاہی خود بشارت لایا

گاؤں واپس آتے ہی ہم پھر سیدھے اسی ٹاؤن چیف کے مکان پر گئے

اور پھر اُن سے درخواست کی کہ کم از کم رمضان شریف میں ہماری جماعت سے یہ پابندیاں اُٹھالی جائیں اور باجماعت نمازوں کی اجازت دی جائے مگر وہ پہلے سے بھی زیادہ تیز و تند نظر آئے جب انہوں نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا تو ہم مایوسی کے عالم میں وہیں برآمدے کی دیوار پر بیٹھ گئے۔ کہ اتنے میں اچانک کینیما KENEMA سے پیراماونٹ چیف ساہسا (SAMBA) کا ایک خاص قاصد سپاہی اپنی یونیفارم میں ملبوس ہمارے سامنے آکھڑا ہوا وہ اس ٹاؤن چیف کے نام ایک ٹائپ شدہ خط لایا۔ جو ہمارے سامنے پڑھا گیا جس میں لکھا تھا کہ سیرالیون گورنمنٹ کے فلاں قانون کے ماتحت ہر شخص کو مکمل مذہبی آزادی ہے کہ وہ جس طرح چاہے عبادت کرے اس لئے پوٹے ہون (PUTE HUN) کے احمدی مسلمانوں کو نماز روزے وغیرہ سے نہ روکا جائے وہ جب چاہیں اپنی مسجدوں میں اپنی مرضی سے نمازیں اور رمضان کے مقدس مہینے کے تقاضے پورے کر سکتے ہیں۔

سجدۂ شکر یہ سُنکر ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور خاکسار اور عزیزم محمد ابراہیم ذکی دونوں شکرانہ کے طور پر وہیں سجدہ میں گر گئے۔

اور اس کے بعد ہمارے احمدی بھائی بھی خبر ملنے پر آہستہ آہستہ اس ٹاؤن چیف کے پاس جمع ہو گئے اور میرے کہنے پر انہوں نے اپنے ٹاؤن چیف کے ہاتھ پکڑ پکڑ کر اُس کا شکریہ ادا کیا اور پھر ہم نے محض اللہ تعالے کے خاص فضل و کرم سے اس روز اپنی مسجد میں مغرب کی اذان دی اور روزہ افطار کر کے خدا کا شکر ادا کیا اس کے بعد خدا کے فضل سے جماعت نے وہاں خوب ترقی کی اور پھر کوئی تشدد یا مخالفت اس گاؤں میں نہ ہوئی بلکہ اس مخالف ٹاؤن چیف کی وفات پر وہاں ایک احمدی ٹاؤن چیف منتخب ہو گیا۔

یہ خط کیسے لکھا گیا؟ یہ سب کچھ کیسے ہوا اور وہ خط ہمارے مخالف پیراماونٹ چیف نے کیسے اور کیوں لکھا اس کی تفصیل یہ ہے کہ میری اس سلسلہ میں، ڈسٹرکٹ کمشنر سے ملاقات کے بعد اپنے کسی ریاستی کام کے لئے کینیما (KENEMA) کے وہ پیراماونٹ چیف ڈسٹرکٹ کمشنر سے ملنے کے لئے ان کے دفتر میں گئے۔ تو ڈی سی نے ضمنی طور پر ان سے ہمارا ذکر کر کے انہیں

سمجھا یا کہ محض مذہبی تعصّب کی بناء پر کسی جماعت کو تنگ کرنا اور ان پر تشدّد کرنا نہ صرف ملکی بلکہ بین الاقوامی قانون کی بھی خلاف ورزی ہے اس لئے اس سے ہر حال اجتناب کرنا چاہیئے۔"

پیرا مونٹ چیف صاحب نے مجھے تو ٹال دیا تھا۔ لیکن ڈی سی کی باتیں ان کے دل میں گھر کر گئیں اور انہوں نے اپنے دفتر واپس آتے ہی پورٹے ہون گاؤں کے سب چیف کے نام ہماری جماعت کے حق میں چٹھی لکھکر فوراً روانہ کر دی جو وہاں پر بروقت پہنچکر معجزانہ طور پر ہماری عاجزانہ اضطراری دعا کی قبولیت کا نشان ثابت ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ يُجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَهُوَ نِعْمَ الْمُجِيْبُ۔

مغربی افریقہ کے عیسائی سربراہوں کو تبلیغ اسلام

ایک آرچ بشپ کے تعصّب کا نمونہ

سیرالیون میں ہماری مخالفت سب سے زیادہ عیسائی مشنوں کی طرف سے ہوتی تھی وجہ یہ کہ وہ ملک کے بعض علاقوں میں ہمارے ساتھ پبلک مناظرے اور بحث کر کے بری طرح شکست کھا چکے تھے اور اس وجہ سے بھی کہ ہمارے روکوپر احمدیہ سکول اور باڈُماہون احمدیہ سکول کھلنے پر ان دونوں قصبوں میں ان کے دونوں سکول بند ہو چکے تھے۔ یعنی ان کے مسلمان طلباء از خود ہمارے سکولوں میں منتقل ہو گئے تھے۔

سیرالیون کا شہر "بو" چونکہ ملک کے وسط میں واقع تھا اس لئے جملہ عیسائی مشنوں کی متحدہ کرسچن کونسل کی سالانہ کانفرنس اسی شہر میں ہوا کرتی تھی۔ اور سوائے کیتھولک مشن کے مغربی افریقہ کے باقی تمام عیسائی چرچ اور مشن یونائیٹڈ کرسچن کونسل کے ممبر تھے۔ گویا اسلام کے خلاف یہ ان کا متحدہ محاذ تھا۔

۱۹۴۲ء میں یونائیٹڈ کرسچن کونسل نے کسی وجہ سے فیصلہ کیا کہ اس سال جولائی میں صرف سیرالیون ہی کے نہیں بلکہ مغربی افریقہ کے تمام عیسائی مشنوں کے بشپ اور نمائندے کونسل کی سالانہ کانفرنس میں شامل ہوں۔ اتفاق سے جولائی ۱۹۴۲ء میں ہم دونوں یعنی خاکسار اور مولانا الحاج نذیر احمد علی رضی اللہ عنہ مبلغ انچارج دونوں "بو" میں اپنے مرکز کے لئے زمین کے حصول کے سلسلہ میں کچھ عرصہ سے مقیم تھے کرسچن کونسل کی اس کانفرنس کے لئے لوکل انگریز افسران اور گورنمنٹ سیکنڈری سکولوں کے انگریز ہیڈ ماسٹر بھی پوری دلچسپی لے رہے تھے اور آنیوالے پادریوں کے قیام وطعام کا انتظام بھی عملاً گورنمنٹ کی طرف سے ہو رہا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کی کانفرنس بہت کامیاب رہی۔ ہم نے کوشش کی کہ بطور زائر ہمیں بھی ان کی کارروائی سننے کی اجازت مل جائے مگر نہ مل سکی۔ تاہم بعض عیسائی افریقن ٹیچروں کے ذریعہ ہمیں ان کے پروگرام اور مشاورت کے ایجنڈا کی مطبوعہ کاپی مل گئی جس میں ایک شق یہ بھی تھی کہ کس طرح احمدیوں سے مقابلہ کر کے ان کی کوششوں کو ناکام کیا جائے اور اسلام کی ترقی کو روکا جائے۔ چنانچہ کانفرنس میں اس پر بحث ہوئی اور ہمارے خلاف محکمہ تعلیم میں احتجاج کیا گیا کہ جہاں جہاں عیسائی مشن اور سکول قائم ہیں وہاں احمدی مبلغین کی آمد و رفت بند کر دی جائے اور آئندہ کوئی سکول کھولنے کی انہیں اجازت نہ دی جائے کیونکہ نہ احمدیوں کے پاس فنڈ ہیں نہ مناسب استاد ہیں اور نہ وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس وقت چونکہ ہمارے دونوں سکول محکمہ تعلیم کے قواعد کے مطابق کامیابی سے چل رہے تھے اور علاقہ کے لوگ بھی ہمارے مؤید تھے اس لئے محکمہ تعلیم نے کونسل کے اس احتجاج پر کوئی نوٹس نہ لیا۔

ڈیڑھ صد پادریوں کو تبلیغ حضرت مولوی نذیر احمد علی صاحب رضی اللہ عنہ کو تبلیغ کا جنون تھا۔ مجھے یاد ہے کہ کرسچن کانفرنس کے تیسرے روز کا آخری اجلاس ابھی ہو رہا تھا اور اس روز خاکسار اور مولوی صاحب لکڑی اور گھاس کی ایک شکستہ سی چارپائی پر اپنے رومال بچھا کر دوپہر

کا کھانا کھا رہے تھے۔ کہ اچانک مولوی صاحب اچھل پڑے اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ آج عیسائیت پر اسلام کی یلغار کا دن ہے تیار ہو جاؤ آج ان عیسائی مخالفین اسلام پر تبلیغی ہلّہ بول دیں۔ سارے مغربی افریقہ کے عیسائی لیڈر اس وقت "بو" شہر میں موجود ہیں۔ ہم آج ان پر اتمام حجت کر دیں انہوں نے ہمیں معمولی آدمی سمجھا ہے آج ان پر واضح ہو جائے کہ مسیح محمدی علیہ السلام کے حواری اور اسلام کے علمبردار کسی سے مرعوب نہیں ہو سکتے اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ مَیں نے مولوی صاحب سے عرض کیا۔ سمعاً و طاعةً واقعی اس موقع کو ضائع نہیں ہونے دینا چاہیئے

اس وقت جملہ عیسائی مشنوں کے لیڈروں اور بشپوں سمیت کوئی ڈیڑھ سو (۱۵۰) بڑے بڑے یورپین اور افریقن پادری "بو" میں موجود تھے۔ بشپ تقریباً سب کے سب گورنمنٹ ہاؤس بادر "بو" گورنمنٹ سیکنڈری سکول کے کوارٹروں اور اپنے مشنوں میں ٹھہرے ہوئے تھے ہمارے پاس ہزاروں کی تعداد میں "قبرِ مسیح" کا اشتہار مطبوعہ لندن اور ایک سَو کے قریب سکندر آباد کے مطبوعہ "ٹیچنگ آف اسلام" اور بہت سا لٹریچر موجود تھا جو حضرت سیٹھ عبد اللہ الہ دین صاحبؓ نے بھجوایا تھا۔

عیسائی سربراہوں پر اتمامِ حجت

اس وقت تین چار احمدی نوجوان ہم سے عربی اور دینیات پڑھا کرتے اور ہمہ وقت ہمارے ساتھ رہتے تھے جن میں سے ایک مسٹر محمد کمانڈا بونگے BONGAY تھے جو آجکل سیرالیون احمدیہ مشن کے جنرل سیکرٹری اور سکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں اور دو تین بار ربوہ آچکے ہیں۔ ہم نے انہیں "قبرِ مسیح کشمیر میں" کا اشتہار اور دوسرے بہت سے ٹریکٹ دے کر ہدایت کی کہ سب پادریوں کی رہائش گاہوں کا پتہ کریں اور ہر یورپین اور افریقن پادری کو یہ لٹریچر پیش کر کے اتمامِ حجت کریں اور جہاں بات کرنے کا موقعہ ملے جرأت سے تبلیغ کریں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ذمہ داری نہایت کامیابی سے ادا کی۔ ایک دو جگہ انہیں لالچ دینے کی کوشش بھی کی گئی کہ ان انڈین مولویوں کو چھوڑ کر ہمارے مذہب میں آجاؤ

ہم تمہیں اعلیٰ درجے کی تعلیم دلائیں گے مگر ہمارے نوجوانوں نے انہیں اس کا منہ توڑ جواب دیا۔

ایک آرچ بشپ کی اخلاقی گراوٹ

خاکسار اور حضرت مولانا علی صاحبؓ نے "ٹیچنگ آف اسلام"۔ "وائی آئی بیلیو ان اسلام" اور "ٹومب آف جیسس" اور دیگر ٹریکٹوں پر مشتمل کوئی بیس بکس پیکیٹ بنائے اور جملہ عیسائی مشنوں کے سربراہوں اور بشپوں کو ملنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ چند گھنٹوں میں ہم نے بشپ آف سیرالیون، چرچ آف انگلینڈ کے لارڈ بشپ آف ویسٹ افریقہ، بشپ آف چرچ آف گاڈ، ہیڈ آف دی اے۔ایم۔ای مشن، ہیڈ آف دی میتھوڈسٹ مشن، لارڈ بشپ آف اے ڈبلیو مشن، بشپ آف دی ویسٹ افریقن ای۔یو۔بی مشن اور دیگر سربراہوں سے مل کر انہیں یہ لٹریچر پیش کر دیا۔ اور جہاں موقع ملا مسیحؑ کے صلیب پر نہ مرنے اور کشمیر جانے کی مختصر روداد بھی بیان کر دی۔ اکثر نے دلچسپی سے ہماری بات سُنی اور لٹریچر وصول کیا صرف لارڈ بشپ آف سیرالیون نے یہ کہکر ہمارا لٹریچر لینے سے انکار کر دیا کہ مَیں اسلام اور آپ کے متعلق پہلے ہی بہت کچھ جانتا ہوں اور پڑھ چکا ہوں۔ تاہم ہماری یہ تبلیغی مہم خدا کے فضل و کرم سے ہر طرح کامیاب رہی اور کسی طرف سے کوئی ناروا بات نہ ہوئی۔

گورنمنٹ گیسٹ ہاؤس میں مغربی افریقہ کے یو بی سی مشن کے ہیڈ ریورینڈ ڈاکٹر موسلمان ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہیں تو ہم نے بہرحال تبلیغ کرنی تھی۔ لیکن وہاں پہنچتے پہنچتے ہمیں شدید بارش نے آگھیرا۔ یاد رہے کہ سیرالیون میں ان ایام میں ہمارا اس مشن سے دو تین مقامات پر شدید مقابلہ ہو چکا تھا۔ اور روکوپر اور باڈ ماہون میں ہمارے نوزائیدہ سکولوں کی کامیابی کی وجہ سے ان کے دو نہایت پرانے سکول بند ہو گئے تھے اور اسلام کے خلاف ان کے کتابچہ کے جواب میں ہماری طرف سے ایک کتابچہ یو بی سی کو احمدیہ مشن کا کھلا چیلنج شائع کر کے سارے ملک میں تقسیم کیا گیا تھا۔ بہرکیف

بارش خاصی زوروں پر تھی اور ہم نے گورنمنٹ گیسٹ ہاؤس پہنچنے کے لئے ابھی تقریباً ایک فرلانگ مزید چلنا تھا۔ ہم دونوں کے پاس اس وقت صرف ایک چھتری تھی جو ہمارا تھوڑا بہت بچاؤ کر رہی تھی۔ تاہم اس موسمی روک کے باوجود ہم یہ تہیہ کئے ہوئے تھے کہ دو مضبوط محاذوں پر شکست کھانے والے حریف مشن کے سربراہِ اعلیٰ سے ہمارا تعارف ضرور ہو جائے اور وہ جان لے کہ ہمارا خمیر کس مٹی سے اٹھا ہے اور اسے یہ علم ہو جائے کہ مسیح محمدی کے مجاہد ظاہری ٹھاٹھ اور آن بان نہ رکھنے کے باوجود کتنے سخت جان اور جفاکش ہیں اور کسی کی ظاہری شان وشوکت انہیں قطعاً مرعوب نہیں کرتی۔ گیسٹ ہاؤس تک پہنچتے پہنچتے ہماری شلواریں اور جوتے پانی سے شرابور ہو چکے تھے ہم نے ان کی جائے رہائش معلوم کی کمرے کا باہر کا دروازہ کھلا تھا۔ اور اندر کمرے میں ذرا فاصلہ پر وہ ہمیں بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ ہمارے سلام کی آواز سنکر وہ باہر آ گئے اور کہنے لگے آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں۔

حضرت مولوی علی صاحبؓ نے فوراً اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ ہم اس ملک میں احمدیہ مشن کے مبلغین ہیں اور آپ ہی کی ملاقات کے لئے آئے ہیں اس پر وہ کچھ جھینپ کر کہنے لگے آپ کو مجھ سے کیا کام ہے اور باوجود اس کے کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ ہم باہر کھڑے بارش میں بھیگ رہے ہیں انہوں نے ہمیں اندر آنے کی دعوت نہ دی اور اپنے فربہ جسم سے دروازہ گھیر لیا بلکہ دونوں ہاتھ دروازہ کی اوپر کی لکڑی سے ٹیک کر تسلی سے کھڑے ہو گئے اور مولوی صاحبؓ سے کہنے لگے۔ "کہیئے آپ مجھے کیا کہنا چاہتے ہیں" ؟ مَیں نے مولوی صاحبؓ سے عرض کیا کہ انہیں کہیں کہ آپ ہمیں پہلے اندر تو بٹھائیں۔ مگر مولوی صاحب نے جلدی جلدی احمدیہ مشن کا تعارف اور مسیح موعودؑ کی آمد اور حضرت عیسیٰؑ کے صلیب پر نہ مرنے اور کشمیر کے سفر کا ذکر شروع کر دیا جسے وہ توجہ سے سنتے رہے۔ اس دوران مَیں دل ہی دل میں کُڑھ رہا تھا کہ یہ بشپ صاحب بھی عجیب ہیں اتنے بڑے عیسائی مشن کے پیشوا ہونے کے باوجود اخلاق کا اتنا مظاہرہ بھی نہیں کر سکے کہ ہمیں اندر بلا کر بات کریں خود مزے سے اندر کھڑے ہیں جبکہ ہم باہر کھڑے

بھیگ رہے ہیں۔ حضرت مولوی صاحبؓ نے انہیں "ٹیچنگ آف اسلام" اور دیگر ٹریکٹ پیش کئے وہ "قبرِ مسیح" کا ٹریکٹ اور مقبرہ کی تصویر دیکھ کر کہنے لگے "اس فراڈ سے آپ سیرالیون کے سادہ لوح لوگوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں اور بائبل کو جھٹلا رہے ہیں۔ حالانکہ تمہارا قرآن بائبل کا مصدّق ہے۔" اس پر مولوی صاحب نے انجیل سے ہی آٹھ دس واقعاتی ثبوت جلدی جلدی دہرا دیئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح نے صلیبی موت سے بچکر کشمیر کا سفر کیا جو وہ خاموشی سے سُنتے رہے اور پھر مزید کچھ کہے بغیر یکدم تھینک یو (THANK-YOU) کہکر اندر چلے گئے اور ہم وہاں سے واپس اپنی جائے رہائش پر آ گئے۔ مگر راستے میں عیسائیت کے اس سربراہِ اعلیٰ کے اخلاقی نمونہ پر حیرانی اور افسوس کا اظہار کرتے رہے کہ یہ انسانیت سے ہمدردی کا دعویٰ کرنے والے اور اپنے مذہب اور خدا کو سراپا محبت کہنے والے دوسرے مذہب کے لیڈروں سے محض اختلافِ مذہب کی بناء پر کتنا بُرا سلوک کرتے ہیں۔

اضطراری دُعا کا اثر

ایک مرتبہ اگست ۱۹۴۵ئہ میں سیرالیون اور لائبیریا کی سرحد کے قریب قصبہ کیلاہون میں ریاست کے عیسائی پیرامونٹ چیف ایس۔کے بنیاں (S.K BANYA) کے محل میں ان کی موجودگی میں فولانی نسل کے تین چار چوٹی کے علماء سے خاکسار کی وفاتِ عیسیٰؑ اور آمدِ امام مہدیؑ پر بحث ہوئی۔ وفاتِ عیسیٰؑ پر ہمارے قرآنی دلائل سے عاجز آ کر ان کے لیڈر اپنی خفّت مٹانے کے لئے بڑے طمطراق سے مجھے کہنے لگے آپ بھلا قرآنی علوم کیا جانیں آپ تو قرآنی سورتوں کے نام بھی ترتیب وار نہیں بتا سکتے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ آپ ہمیں اس وقت ترتیب وار سورتوں کے نام سُنا دیں۔ آپ یقیناً نہیں سُنا سکیں گے۔ انڈین لوگوں کو دین کے علم سے کیا واسطہ ہم تو سُنتے آئے ہیں کہ انڈین لوگ سامری

کی طرح بچھڑے کی پُوجا کرتے ہیں۔

گو یہ کوئی علمی بات نہیں تھی اور تفسیر یا حقائق و معارف سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا لیکن اس زمانہ میں افریقہ کے اندرونی علاقوں میں بعض دینی لیڈر ایسی ہی سطحی باتوں سے ناخواندہ عوام میں اپنی علمیّت کا بھرم قائم کئے ہوئے تھے ظاہر ہے کہ سورتوں کے ترتیب وار نام یاد رکھنے کا تعلق صرف حافظہ سے ہے اور اس کی ضرورت بھی عموماً نہیں پڑتی مَیں نے جلدی سے اپنے ذہن میں نام دہرائے اور ترتیب وار آٹھ دس سورتوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ مجھے شدید قلق ہؤا کہ کہیں وہ لوگ اس حربہ سے مجھے پبلک میں شرمندہ نہ کریں اسی گھبراہٹ اور اضطراب میں خاکسار نے دل ہی دل میں اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ اے میرے اللہ! مَیں اگرچہ ایک گنہگار انسان ہوں لیکن اس وقت یہاں اسلام اور تیرے مامور کی مقدس جماعت کی نمائندگی کر رہا ہوں تو اپنے فضل سے پردہ پوشی فرما اور عزّت رکھ لے۔

عیسائی چیف کا منصفانہ رویّہ

چنانچہ پھر خاکسار نے بتوکّل علی اللہ زور دار لہجہ میں انہیں کہا کہ آپ لوگ پہلے یہ بتائیں کہ سورتوں کے نام سُنا دینے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ کیا پھر آپ لوگ ہمارے دلائل کو سچّا تسلیم کر کے ہمارے ہمنوا ہو جائیں گے۔ اگر آپ لوگ یہ عہد نہ کریں تو سورتوں کے نام سُنانے میں وقت ضائع کرنا بے معنی ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ایسا وعدہ کرنے سے انہیں اپنی شکست تسلیم کرنے کا خدشہ تھا وہ باہمی طور پر لوکل زبان میں کھسر پھسر کرنے لگے۔ عیسائی پیراماؤنٹ چیف ایس۔ کے بنیاں یہ سب بحث بڑی دلچسپی سے سُن رہے تھے۔ وہ یکدم ان لوگوں پر برس پڑے اور کہنے لگے۔

”آپ لوگوں کا انڈین مشنری سے یہ مطالبہ لایعنی ہے اور اس سے ثابت ہے کہ اس کے قرآنی دلائل کی تردید کرنے سے آپ لوگ عاجز ہیں مگر اپنی کمزوری تسلیم نہیں کرنا چاہتے کیونکہ قرآن کی سورتوں کے ناموں کا اصل بحث سے کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ کوئی علمی بات ہے ہماری مقدس بائیبل کی بھی چھیاسٹھ۶۶ کتابیں ہیں محض ان کا

نام جاننے سے کوئی انسان بائیبل کا عالم نہیں کہلا سکتا۔ آپ لوگ وقت ضائع نہ کریں اور سوچ سمجھ کر آج نہیں تو پھر کبھی مجلس قائم کرکے آپس میں فیصلہ کرلیں۔ فریقین کی کتاب اور مذہب ایک ہے تو پھر فیصلہ میں مشکل نہیں ہوسکتی۔ بشرطیکہ انصاف اور سچائی سے کام لیا جائے۔"

اور اس طرح وہ لوگ مجھے شرمندہ کرنے کی بجائے خود شرمندہ ہوئے۔ اور خدا کے فضل سے بحث کامیابی سے ہمارے حق میں ختم ہوئی۔ آجکل اس علاقہ میں بفضلہٖ تعالیٰ ہماری کئی مخلص اور بڑی بڑی جماعتیں ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تعالیٰ۔

ظلم کا عبرتناک انجام

ایک عجیب واقعہ اس عاجز راقم الحروف کے ساتھ آج سے تقریباً ۳۶ سال قبل پیش آیا جو کہ تائیدِ الٰہی اور صداقتِ احمدیت کا ایک زبردست نشان ہے خاکسار کے چہرہ پر بائیں آنکھ کے ایک طرف ایک چھوٹی سی شریان بعض دفعہ بغیر کسی محرّک کے کچھ پھول کر ایک دو روز کے لئے درد کا باعث بن جاتی ہے اور ساتھ ہی ایک حادثہ یاد دلا جاتی ہے جو ۱۹۴۲ء میں مجھے سیرالیون کے قصبہ مگبورکا (MAGBURAKA) پیش آیا۔ جہاں مَیں ان دنوں احمدیہ دارالتبلیغ اور احمدیہ سکول کی عمارتیں بنوا رہا تھا۔ دارالتبلیغ کی عمارت کا ٹھیکہ ایک لوکل شخص کو دیا گیا جو چند دنوں کے بعد باوجود پیشگی رقم لینے کے عمارت ادھوری چھوڑ کر وہاں کے عیسائی مشن میں کام پہ لگ گیا۔ مَیں نے اپنا وہ کام کسی اور سے مکمل کروا لیا۔ اور اس شخص سے بقیہ رقم بھی واپس طلب نہ کی۔ لیکن اس نے عیسائی سربراہوں کو یہ تأثر دیا کہ گویا ہم نے اس کی ناتجربہ کاری سے فائدہ اُٹھا کر ٹھیکہ کی رقم سے بہت زیادہ کام اسے دے دیا تھا۔ اسی اثنا میں وہ دوبارہ بھی کام کے لئے ہمارے پاس آیا مگر مَیں نے اسے مُنہ نہ لگایا اور

کہا کہ وہ پہلے ہماری جماعت کے افریقن صدر صاحب سے جاکر بات کرے اگر وہ رضامند ہوں تو اسے کام دیا جائے گا ورنہ نہیں مگر وہ مجھے گالیاں دیتا ہؤا لوٹ گیا۔

ان ایام میں وہاں جماعت احمدیہ کے نئے سکول کی وجہ سے وہاں کا عیسائی مشن ہماری شدید مخالفت کر رہا تھا کیونکہ ان کے قدیم سکول سے بہت سے مسلمان اور کچھ عیسائی بچے نکل کر ہمارے سکول میں آداخل ہوئے تھے۔ اس زمانہ میں افریقن عموماً کسی غیر ملکی پر دست درازی کی جرأت نہیں کرتے تھے مگر وہاں کے امریکن پادری کی انگیخت پر ایک روز بعد نماز عصر وہی معمار نوجوان ایک لوہے کی سلاخ ہاتھ میں لئے بڑے وحشیانہ انداز میں ہمارے مشن کی طرف آیا۔ اور راستے میں چیلنج کے رنگ میں دو احمدی دکانداروں کے آگے سے انہیں یہ کہتا ہوا گزرا کہ آج میں تمہارے ہندوستانی مبلغ کی آنکھیں پھوڑنے اور اُسے اندھا کرنے جا رہا ہوں مگر احمدی بھائی اُسے محض ایک مخالفانہ بڑ سمجھ کر اس کی طرف متوجّہ نہ ہوئے۔

اس وقت احمدیہ دار التبلیغ مگبورکا میں میرے ساتھ صرف دو تین چھوٹے بچّوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ اور سکول کا وقت بھی ختم ہو چکا تھا۔ مَیں مشن کے بڑے کمرے میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ اس شخص نے باہر کھلے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر حسبِ دستور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ مَیں نے اس کے لہجہ اور قرائن سے اس کی بُری نیّت کو بھانپ لیا۔ اور اس کو اجازت نہ دی۔ اور جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کرنا چاہا۔ مگر اس نے دونوں دروازوں کو مجھے یہ کہتے ہوئے پورے زور سے کھول دیا کہ "آج تم میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتے اور مَیں اس لوہے کی سلاخ سے تمہاری آنکھیں پھوڑ کے لوٹوں گا۔" یہ مجھے اب تک پتہ نہیں چلا کہ اس نے محض آنکھوں کا ذکر کیوں کیا تھا۔ اس کا قد مجھ سے کافی بڑا تھا۔ مَیں یکدم اس کی کمر سے چمٹ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اُسے زور سے پکڑ لیا۔ وہ اس لوہے کو میرے چہرہ پر خصوصاً آنکھوں کی سمت مارتا رہا۔ مگر مَیں اپنا سر اِدھر اُدھر کر کے اپنا بچاؤ کرتا۔ اس کا وار کبھی میرے

کندھوں پر اور کبھی کمر اور سر پہ پڑتا رہا۔ اور باہم گتھم گتھا ہو کر ایسی صورت ہوئی کہ وہ کسی ہاتھ سے کھلے طور پہ زور دار وار نہ کر سکتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے مجھے گرا بھی لیا مگر اس حالت میں بھی اس کی کمر میرے بازوؤں کی لپیٹ میں اس طرح رہی کہ اس کا دایاں بازو بھی میرے قابو میں تھا اس کے باوجود بھی میرے سر اور دونوں کنپٹیوں اور آنکھوں کے درمیان اور چہرہ پہ بائیں آنکھ کے نیچے بھی کافی زخم آ گئے اور میرے کپڑے خون سے بھر گئے۔

ہمارا مشن ہاؤس قصبہ سے ایک ڈیڑھ فرلانگ باہر دریا کے راستہ پر تھا بچوں کے شور مچانے پر جلد ہی وہاں سے گزرنے والے بعض لوگ آ گئے انہوں نے اس حملہ آور کو پکڑ کر باہر نکالا اور مجھ سے افسوس اور ہمدردی کا اظہار کیا اور اس کے خلاف مقدمہ ہونے کی صورت میں گواہی دینے کی پیش کش بھی کی۔ بعد میں احمدی دوست بھی آ گئے۔ بعض احمدی نوجوانوں نے اسی وقت اس سے بدلہ لینے کی ٹھانی۔ مگر مَیں نے انہیں سختی سے منع کر دیا۔ اُدھر اس حملہ آور نے عیسائیوں کے اُکسانے پر وہاں سے پندرہ میل پر انگریز ڈسٹرکٹ کمشنر کے پاس پہنچ کر میرے خلاف یہ مقدمہ کر دیا کہ میں نے اس پر حملہ کیا ہے حالانکہ وہ موقع پر بعض لوگوں کے سامنے اعتراف کر چکا تھا کہ مَیں احمدی مبلغ کی آنکھیں پھوڑنے آیا ہوں اور کچھ بھی ہو مَیں ایسا کر کے چھوڑونگا۔ احمدی بھائیوں نے اس شخص پہ مقدمہ کرنا چاہا مگر مَیں نے انہیں سمجھایا کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی تعلیم یہی ہے کہ خواہ کوئی زیادتی بھی کرے حتی الوسع مقدمہ کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ اس لئے ہمیں یہ معاملہ خدا پر چھوڑ دینا چاہیئے ہم یہاں مقدموں پر وقت ضائع کرنے نہیں آئے بلکہ خدمتِ اسلام اور خدمتِ خلق کے لئے آئے ہیں تاہم موقع پہ موجود غیر احمدی لوگوں نے جا کر لوکل پیرامونٹ کو سارا واقعہ بتا دیا۔ چنانچہ دوسرے روز اس شخص کو لوکل عدالت میں طلب کر لیا گیا اور میری طرف نمائندہ بھیج کر چیف نے حکماً میرا بیان بھی قلمبند کروایا نیز دوسرے گواہوں کو بھی عدالت میں طلب کر لیا۔ چنانچہ ساری تحقیقات کے نتیجہ میں چیف کی عدالتی مجلس نے اس شخص کو پندرہ پونڈ جرمانہ اور ایک ماہ جیل کی سزا دی۔ یہ رقم اس حملہ آور سے وصول کر کے چیف نے علاج معالجہ کے لئے میری طرف

ارسال کر دی ۔ مگر مَیں نے انہیں واپس کر دی اس کے بعد ڈسٹرکٹ کمشنر صاحب نے بھی یہ سُنکر کہ لوکل پیرا مونٹ چیف نے اس مقدمہ کا فیصلہ کر دیا ہے اپنی عدالت سے اس مقدمہ کو خارج کر دیا چونکہ یہ شخص مسلمان ہوتے ہوئے ہمارے خلاف عیسائیوں کے لئے آلۂ کار بنا اور صریح زیادتی اور ظلم کا مرتکب ہوا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف بھی سخت زبان درازی کرتا رہا تھا۔ اس لئے باوجود لوکل نواب کی عدالت سے سزا پانے کے اللہ تعالےٰ کی گرفت سے بچ نہ سکا۔ چنانچہ حادثہ کے ڈیڑھ دو ماہ کے اندر وہ سِل جیسے موذی مرض کا شکار ہوگیا جس نے اس کے مضبوط و توانا جسم کو تین چار ماہ کے اندر کھوکھلا کر دیا اور وہ دوسروں کو درس عبرت دیتا ہوا راہیٔ ملکِ عدم ہوا۔ اس کی زندگی کے آخری ایام میں اس کے عزیز رشتہ دار جماعت احمدیہ ہگبورکا کے صدر برادرم کالی سانکوہ صاحب کو ساتھ لے کر میرے پاس آئے اور بڑی ندامت اور عجز سے اس شخص کے لئے معافی اور دعا کے طالب ہوئے۔ مگر اللہ تعالےٰ کو جو منظور تھا۔ وہی ہوا اور وہ اس مہلک مرض سے جانبر نہ ہو سکا۔

مشکل میں کام آنیوالا دوست

جنگِ عظیم دوم کے دَوران سیرالیون میں ملک کے اندر سفری سہولتیں پوری طرح میسّر نہ تھیں۔ مئی ۱۹۴۷ء میں حضرت مولوی نذیر احمد علی صاحبؓ سیرالیون احمدیہ مشن کا چارج مجھے دے کر قادیان روانہ ہوئے تو انہیں رخصت کرنے کے معًا بعد مجھے بعض جماعتی امور کی انجام دہی کے لئے فری ٹاؤن سے فوری طور پہ "بو" واپس جانا تھا۔

بمشکل تمام مجھے صرف فری ٹاؤن سے باویا (BAVYA) جنکشن تک کی ٹرین میں جگہ مل سکی جبکہ میرا فوری طور پر "بو" پہنچنا نہایت ضروری تھا۔ باویا پہنچکر مَیں نے دیکھا کہ سینکڑوں لوگ "بو" جانے والی ٹرین کے لئے ٹکٹیں حاصل کرنے کے لئے کھڑکی کے آگے شدید دھینگا مشتی کر رہے ہیں۔ میرے لئے ان میں

شامل ہو کر ٹکٹ کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف انتہائی مشکل بلکہ خطرناک تھا میں سبز پگڑی اور اچکن و شلوار وغیرہ میں ملبوس اپنے سامان کے پاس اکیلا بیٹھا اس کسمپرسی کے عالم میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہوگا رات کہاں گزرے گی اِرد گرد کوئی معقول آبادی بھی نہ تھی میری جیب میں اس وقت ساٹھ ستر پونڈ کی نقد رقم بھی تھی۔ چوری بلکہ ڈاکہ کا بھی خطرہ تھا۔

مَیں سر نیچے کئے اپنے ٹرنک کے اوپر پریشان بیٹھا تھا نہایت قلق کی حالت میں میرا دل پکار رہا تھا کہ الٰہی اب مَیں کیا کروں؟ تُو ہی کوئی وسیلہ بنا دے کہ مَیں جلد "بو" پہنچ سکوں۔ اس سراسیمگی کے عالم میں اچانک مَیں نے سر اٹھایا۔ تو میرے سامنے سیرالیون ریلوے کے ایک نوجوان کارکن محمد زبیر صاحب کھڑے تھے وہ اسی ٹرین میں ریلوے کے کسی کام "بو" سے بھی آگے جا رہے تھے۔ بڑے اخلاص سے ملے اور حال احوال پوچھنے لگے۔ وہ احمدی نہ ہونے کے باوجود ایک عرصہ سے ہمارے یعنی احمدی مبلّغین کے بڑے عقیدت مند اور مخلص دوست تھے میرے حالات معلوم ہونے پر وہ فوراً اسٹیشن ماسٹر کے پاس گئے اور خود کرایہ ادا کر کے سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ میرے لئے لا کر مجھے دیتے ہوئے کہنے لگے:۔

"It is good to have friends than foes in this world"

یعنی دنیا میں اپنے دشمن پیدا کرنے سے اپنے دوست پیدا کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اور میرے اصرار کے باوجود مجھ سے کرایہ لینے پر رضامند نہ ہوئے۔ بلکہ مزید اصرار پر کہنے لگے میرے لئے آپ کی اس رقم سے بدرجہا بہتر اور قیمتی وہ بشاشت اور خوشی ہے جو مجھے ایک عالمِ دین اور خادمِ اسلام کی بروقت مدد کرنے سے حاصل ہوئی ہے اس لئے آپ مزید اصرار کر کے میری خوشی کم نہ کریں۔ اس کے بعد گاڑی میں بھی "بو" تک ان کے ساتھ بہت اچھا سفر گزرا۔

حضرت مصلح موعودؓ کی نصیحت

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی تقاریر میں مبلّغینِ سلسلہ کو نصائح کے دوران کئی بار فرمایا ہے کہ ہمارے مبلّغ جہاں بھی جائیں انہیں جماعت کے اندر اور باہر اپنے وفادار محبّ اور دوست اور ہمدرد پیدا کرنے چاہئیں جو وقت پڑنے پر نہ صرف

سلسلہ کے بلکہ خود اُن کے کام بھی آئیں ۔ مندرجہ بالا واقعہ حضورؑ کی اس نصیحت کی افادیت کا آئینہ دار ہے ۔

ایک آڑے وقت میں غیبی امداد

سنہ ۱۹۴۳ء و ۱۹۴۴ء کا اکثر حصّہ خاکسار سیرالیون کے شمالی صوبہ میں رہا۔ اور زیادہ وقت مگبور کا احمدیہ مرکز کو مضبوط کرنے اور اس علاقہ میں تبلیغ کو وسعت دینے میں گزرا۔ ۱۹۴۴ء کے آخر تک مگبورکا میں خدا کے فضل سے ہمارے سکول مشن ہاؤس اور مسجد کی عمارتیں مکمل ہو چکی تھیں اور سکول کامیابی سے چل رہا تھا جس کے ساتھ ایک چھوٹا سا ہوسٹل بھی قائم تھا اور اس میں دُور دُور سے تعلیم کے لئے آنے والے طلبا رہتے تھے۔ ان میں سے اکثر ایسے غریب اور یتیم طلبہ تھے جن کے تمام اخراجات کی ذمہ داری سکول کے مینیجر پر تھی ۔ اور خاکسار بحیثیت مینیجر بعض مخیّر احمدیوں اور دوسروں کی مالی امداد سے یہ ذمہ داری انجام دیا کرتا تھا۔ بعض اوقات مجھے اس سلسلہ میں مالی مشکلات کا سامنا بھی ہوتا تھا کیونکہ سیرالیون مشن کی مالی حالت ابھی اتنی مضبوط نہیں تھی اور جنگِ عظیم دوئم کی وجہ سے قادیان سے مالی امداد بلکہ عام خط وکتابت بھی باقاعدہ نہ تھی۔ ایسے حالات میں ہمارے ایک نہایت پیارے اور مخلص لبنانی بھائی جناب سیّد امین خلیل صاحب مرحوم اکثر روپیہ اور اناج وغیرہ ہوسٹل کے لئے پیش کر کے ان غریب طلباء کے لئے فرشتۂ رحمت ثابت ہوتے تھے اللہ تعالےٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

پریشان کُن حالات

اُنہیں ایّام کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ ہوسٹل کے اخراجات کے لئے میرے پاس کوئی رقم نہ رہی اور مَیں سخت پریشان تھا۔ ہوسٹل کے بعض لڑکوں نے پیشکش کی کہ وہاں کے پُرانے رواج کے مطابق انہیں اجازت دی جائے کہ وہ قصبہ کے مسلمان علاقہ میں گھر گھر دستک دے کر زکوٰۃ اور صدقہ کے نام پر نقول اور اناج وغیرہ اکٹھا کر کے لایا کریں مگر خاکسار

نے اس کی اجازت نہ دی۔ کیونکہ اس سے ہمارے مشن اور سکول کی نیک نامی پر حرف آتا تھا۔ علاوہ ازیں یہ امر اپنے سکول کے بچوں میں گداگری کے رجحان کو فروغ دینے کے مترادف تھا۔ خصوصاً جبکہ ہمارے مقابل پر عیسائی سکولوں میں یہ صورتِ حال نہ تھی۔ اور ان کے سکول اور ہوسٹل وغیرہ بیرونی امداد سے بخوبی چل رہے تھے۔

واقفِ زندگی تو صرف مَیں ہوں

بہرکیف اس اثنا میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ خود اپنے لئے بھی میری جیب میں ایک پائی تک نہ رہی۔ لوکل جماعت کے احباب سے ایسے امور کے متعلق ذکر کرنا میرے ضمیر نے گوارا نہ کیا۔ چنانچہ اس روز ظہر کی نماز تک ہوسٹل کے بچوں نے سوائے کسادہ (لوکل سبزی) کی قلیل سی مقدار کے کچھ نہ کھایا جو کسی طرف سے اچانک تحفۃً آگیا تھا۔ اور مجھے یہ محسوس کر کے بہت دُکھ ہوا کہ آج اب تک مَیں بچوں کے لئے کھانا مہیا نہیں کر سکا۔ چنانچہ اس حالت میں نماز ظہر ادا کرتے کرتے میری آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی لگ گئی۔ نماز کے اصل الفاظ تو پتہ نہیں مَیں ادا کر سکا یا نہیں لیکن اس ناقابلِ بیان درد بھری کیفیت میں میرے دل میں یہ گستاخانہ خیال بار بار اُبھرتا رہا کہ الٰہی تُو نے اسلام کے دشمنوں اور دجّال کے کارندوں کو تو اتنا دیا ہُوا ہے کہ وہ اسے تیرے پیارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی امّت کی نئی پود کو گمراہ کرنے اور اُنہیں تیری وحدانیت سے برگشتہ کرنے کے لئے بے دریغ صرف کر رہے ہیں اور جن کو ان کا مقابلہ کرنے اور شکست دینے کی ذمّہ داری تو نے سونپی ہوئی ہے ان کی یہ حالت کہ آج قوتِ لایموت کے لئے بھی ترس رہے ہیں۔ الٰہی واقفِ زندگی تو صرف میں ہوں۔ یہ بچے تو خالی پیٹ تربیت نہیں پا سکتے۔ اگر یہ مجھ نالائق گنہگار کو کسی گناہ کی سزا مل رہی ہے تو بھی تو گلشن مہدی علیہ السّلام کے اِن نونہالوں کی خاطر میرے گناہوں سے درگزر فرما۔ اور یہ کسمپرسی کی حالت دُور کر کے اپنی جناب سے فراخی کا سامان مہیا فرما دے۔

نالائق کی دُعا کی قبولیت

مَیں قربان جاؤں اسلام کے سمیع مجیب اور غفور ورحیم زندہ خدا کے۔ ابھی مَیں نے نماز ختم بھی

نہیں کی تھی التحیات کے قعدہ میں تھا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ سلام پھیرنے کے بعد مَیں نے دروازہ کھولا تو پیراماونٹ چیف آنریبل الحاج المامی سوری آف ریاست مکالی کا بھانجا عزیز الحسینی کونٹے جو میرے پاس ہی ہوسٹل میں رہتا تھا۔ ایک رومال میں باندھی ہوئی کچھ رقم میرے حوالہ کر کے کہنے لگا مَیں ابھی ابھی بازار میں کھڑا تھا۔ کہ میرے ماموں چیف المامی سوری (جو اس وقت ابھی احمدی نہیں ہوئے تھے) صوبائی کمشنر کو ملنے کے لئے کار میں مکینی (MAKENI) جاتے ہوئے مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور یہ بیس پونڈ کی رقم انہوں نے ہم تینوں بھائیوں کے اخراجات کے سلسلے میں آپ کو بھیجی ہے باقی بھی وہ عنقریب ارسال کر دیں گے اور اپنی ریاست کو لَوٹنے سے پہلے آپ کو ملیں گے۔

اور یوں اللہ تعالےٰ نے اپنے پیاروں کے صدقے مجھ جیسے عاصی نابکار کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشکر فوری طور پر ہماری مشکل حل فرما دی جس کے بعد محض اس کے فضل و کرم سے مگبورکا میں مجھے ایسی شدید مالی مشکلات کا کبھی سامنا نہ کرنا پڑا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی ذَالِکَ۔

ایک اَور عبرتناک واقعہ

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے سیرالیون میں اپنے عرصۂ قیام کے دَوران اس عاجز نے ۴۳-۱۹۴۴ء کا اکثر حصّہ مگبورکا اور اس کے ارد گرد کی جماعتوں میں گزارا۔ اور مشن کی عمارتیں بنواتا رہا۔ اس دوران ستمبر ۱۹۴۴ء میں مگبورکا میں ایک عجیب عبرتناک واقعہ رونما ہوا۔ ایک لبنانی عرب تاجر مسمّی عبداللہ مروہ کے تین بچے مگبورکا احمدیہ سکول میں تعلیم پاتے تھے۔ ان کے باپ کا ہمیشہ یہ مطالبہ رہتا تھا کہ میرے بچے عرب اور سفید نسل سے ہیں اور نسبی لحاظ سے سیّد بھی ہیں اس لئے سکول میں ان سے امتیازی سلوک کیا جائے اور بیٹھنے کے لئے ان کا علیحدہ انتظام ہونا چاہیئے۔ یعنی انہیں سیاہ فام افریقن بچوں سے الگ رکھا جائے۔

مَیں نے اسے بتیرا سمجھایا کہ اس کا ایسا مطالبہ نہ صرف ملکی قانون اور عام انسانی حقوق کے خلاف ہے بلکہ اسلامی تعلیم کی رو سے بھی ناجائز ہے مگر وہ نہ سمجھا اور کچھ عرصہ کے بعد اس نے اپنے تینوں بچے ہمارے سکول سے نکال کر عیسائی سکول میں داخل کر دیئے بلکہ دوسرے عرب تاجروں میں بھی ہمارے خلاف پراپیگنڈا کرنے لگا۔ ایک مرتبہ مَیں اس کی دکان کے آگے سے گذر رہا تھا کہ مجھے دیکھتے ہی اس نے بازار میں نکل کر گالیاں دینا شروع کر دیں اور مجھے مار ڈالنے کی دھمکیاں بھی دینے لگا۔ اور میرے وہاں سے چلے جانے کے بعد بھی لوکل افریقن احمدیوں کے سامنے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف بدزبانی کرتا رہا۔ اس واقعہ کے دو تین روز بعد ایک مجلس میں وہ ہمارے احمدی عرب بھائی سیّد امین خلیل سکیکی مرحوم کی موجودگی میں کہنے لگا کہ اگر مرنے کے بعد جنّت میں مجھے کسی جگہ (حضرت) مرزا غلام احمد (علیہ السلام) نظر آئے تو مَیں اسی دم خدا سے کہوں گا "خدایا مجھے اس جنّت کی ضرورت نہیں اس جنّت سے جہنّم بہتر ہے۔ اس پر ہمارے عرب بھائی سیّد امین صاحب نے اُسے بڑے برجستہ انداز میں جواب دیا کہ

وَ ذٰلِكَ يَكُوْنُ مَقَامُكَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ سَوْفَ تُكَبُّ فِيْهَا۔

کہ انشاء اللہ تعالیٰ تو جہنّم میں ہی ڈالا جائے گا۔ اور وہی تیرا مقام ہوگا۔ اس پر وہ مزید اشتعال میں آکر وہاں موجود عربوں سے کہنے لگا۔ انشاء اللہ ہم اب قلیل عرصہ میں احمدیت کو نیست و نابود کر کے ان کے مشن کی عمارتیں اور سکول وغیرہ جلا کر خاک کر دیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد وہ بعض مخالفین سے مل کر ہمارے خلاف مختلف قسم کی ریشہ دوانیوں میں مصروف بھی رہا۔ مگر خدا کے فضل و کرم سے ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔ ہماری جماعت کے احباب نے بڑے صبر و تحمل سے کام لیا اور خدا سے دعا کرتے رہے۔ گو اس وقت مخالفین کے مقابل پر ہم ہر لحاظ سے کمزور تھے۔ مگر ہمارا خدا تو کمزور نہیں تھا۔ چنانچہ جب وہ شخص اپنی بدزبانی اور مخالفانہ کارروائیوں میں حد سے بڑھ گیا۔ تو آخر کار خدا تعالیٰ کی غیرت نے بھی جوش مارا اور سب سے پہلے ہمارا سکول چھوڑنے والے اس کے تین بچوں میں سے بڑا لڑکا حسن مروہ بعمر گیارہ سال تپِ محرقہ کا شکار ہو کر مر گیا۔ اس کی وفات کے بعد اُس کا

سب سے بڑا لڑکا بعمر ۲۶ سال سرکاری مال کی ایک بہت بڑی چوری کے الزام میں پکڑا گیا۔ اس لڑکے کو بچانے کے لئے اس عرب کو تقریباً ایک ہزار پونڈ خرچ کرنا پڑا۔ مگر پھر بھی وہ سزا سے بچ نہ سکا۔ اور اسے تیرہ ۱۳ ماہ قید سخت کی سزا ہوگئی جس کے بھگتنے کے بعد وہ ملک بدر کر دیا گیا۔ اسی دوران ایک اور عرب تاجر نے مگبورکا ریلوے سٹیشن پر کھڑے کھڑے مجھ سے عبداللہ مروہ کی سفارش کی کہ اس کے بچوں کو ہم دوبارہ اپنے سکول میں داخل کرلیں۔ کیونکہ عربی زبان ہمارے سکول کے علاوہ کسی سکول میں بھی پڑھائی نہیں جاتی تھی۔ میں نے اس عرب دوست کو کہا کہ ہاں اس شرط پر کہ یہ شخص اپنی سابقہ غلطی کا اعتراف کرکے آئندہ ہمیشہ کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف بدزبانی کرنے سے باز رہے۔ میری یہ شرط سُنکر وہ مخالف یعنی عبداللہ مروہ پھر بگڑ گیا اور وہیں سب کے سامنے اس نے میرے لئے جھوٹے اور کذّاب وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے اور فری ٹاؤن کی ٹرین آنے تک وہاں ہمارے خلاف بڑبڑاتا رہا۔ اس روز خدا تعالیٰ نے اپنے بے قصور عاجز بندوں کے لئے یوں غیرت دکھائی کہ جس ٹرین میں وہ مگبورکا سے فری ٹاؤن جا رہا تھا اسی میں وہ فری ٹاؤن سے صرف ایک سٹیشن ورے بغیر لائسنس کے سونا فری ٹاؤن لانے کے جرم میں گرفتار کرلیا گیا۔ اور اس وقت اس کے پاس موجود سونا بھی ضبط کر لیا گیا جو کہ اٹھارہ تولے تھا۔ عدالت نے بعد میں اس کے سونے کی ضبطی کے علاوہ اسے ۵۰۰ پونڈ جرمانے کی سزا سُنائی اور یہ فیصلہ اس کی تصویر کے ساتھ فری ٹاؤن کے اخبارات میں بھی شائع ہُوا۔ اس کے چند ہفتے بعد وہ شخص ناجائز اور قابلِ اعتراض اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کے جرم میں پکڑا گیا اور ڈسٹرکٹ کمشنر کی عدالت میں جرم ثابت ہونے کے بعد اس کا کئی سو پونڈ کے چاولوں اور مونگ پھلی کے ذخیرے کا سٹور بھی ضبط کرکے اُس کا تجارتی لائسنس منسوخ کر دیا گیا بلکہ ساتھ ہی اس کی انٹری پرمٹ بھی کالعدم ہوگئی اور اسے لبنان واپس لوٹ جانا پڑا۔ جہاں پر کچھ عرصہ بعد وہ وفات پا گیا۔ سچ فرمایا ہے خداوندِ قدیر نے اپنے مسیح و مہدی علیہ السلام کو کہ اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ۔ یعنی جو تجھے اہانت اور ذلّت پہنچانے کا ارادہ بھی کریگا میں اسے ذلیل و رسوا کرونگا۔ (الفضل ۲۰ دسمبر ۱۹۴۴ء و تاریخ احمدیت جلد ۷ صفحہ ۲۹۵)

ایک متعصّب عیسائی ڈاکٹر کا رویّہ

۱۹۴۴ء میں میرے مگبورکا میں قیام کے دَوران ایک متعصّب عیسائی انگریز ڈاکٹر میکلور (C. A. MacLORE) نامی جن کے باپ انگلستان میں بشپ کے منصب پر فائز تھے گورنمنٹ سیرالیون کی طرف سے اس علاقہ میں بطور ہیلتھ آفیسر مقرر تھے نومبر ۱۹۴۴ء میں ہمارے سکول اور مشن کی عمارتیں مکمل ہو جانے کے بعد انہوں نے محض اسلام سے عناد کی وجہ سے یہ تصدیق کرنے سے انکار کر دیا کہ ہماری عمارتیں پاس شدہ نقشوں کے مطابق تیار ہوئی ہیں۔ ہر دفعہ کوئی نیا اعتراض اور نقص نکال دیتے اور میری وضاحتوں کے باوجود اپنے موقف پر اَڑے رہتے آخر مَیں نے تنگ آ کر ملک کے ڈائریکٹر تعلیم کے پاس ان کی شکایت کی۔ انہوں نے عمارتوں کے معائنہ کے لئے اپنا نمائندہ بھیجا اور ہر کام درست پا کر ڈاکٹر مذکور کو توجہ دلائی کہ ان کے نزدیک احمدیہ مشن کی عمارتیں قواعد کے مطابق درست ہیں چنانچہ پھر ڈاکٹر میکلور کو بھی مجبوراً لکھنا پڑا کہ ہماری عمارتیں واقعی نقشوں کے مطابق ہیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر مذکور کا رویہ کچھ دوستانہ ہو گیا۔ اور وہ اکثر میرے پاس آکر اسلام کے خلاف اپنے فرسودہ اعتراضات دہراتے اور بحث کرتے رہتے۔ بحث کے دَوران بعض دفعہ سکول کے استاد اور طالب علم بھی فارغ اوقات میں وہاں آجاتے۔ ہمارے سکول میں عیسائی طالب علم بھی تھے۔ ایک دو مرتبہ میرے سامنے ہی ڈاکٹر صاحب ان پر ناراض ہوئے اور پوچھا کہ وہ اپنے عیسائی سکول چھوڑ کر اسلامیہ سکول میں کیوں آ داخل ہوئے ہیں۔ عیسائی طالب علموں نے انہیں ہر دفعہ یہی جواب دیا کہ احمدیہ سکول میں استاد زیادہ محنت اور توجہ سے پڑھاتے ہیں اور سکول کا ماحول بھی دوسرے سکولوں سے بہتر ہے۔

دس دلہنوں کی تمثیل اور تعدّد ازدواج ایک روز ڈاکٹر صاحب مذکور نے آ کر تعدّد ازدواج کے متعلق اسلام کے خلاف واویلا شروع کر دیا اس وقت وہاں پندرہ بیس افراد موجود تھے مَیں نے

تحقیقی اور عقلی جواب دینے کے بعد انہیں بطور الزامی جواب کہا کہ بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے باپ داؤد اور ان کے علاوہ ابراہیمؑ۔ اسحاقؑ یعقوبؑ، سلیمانؑ وغیرہم سب تعدد ازدواج کے قائل اور اس پر عامل تھے بلکہ بعض نے سینکڑوں عورتیں اپنے حرم میں رکھی ہوئی تھیں۔ پھر بتایا کہ انجیل میں حضرت مسیحؑ نے جو یہ مثال پیش کی ہے کہ دس دلہنیں دولہا کے انتظار میں تھیں پانچ نے تیل اپنے ساتھ نہ لیا اور اپنی مشعلیں بجھا کر آرام سے سو گئیں کہ جب دولہا آئے گا تو اٹھ کر مشعلیں جلا لیں گی۔ اور پھر اس کے ساتھ روانہ ہو جائینگی مگر پانچ دلہنوں نے بیدار رہ کر جلتی ہوئی مشعلیں ہاتھوں میں لئے دولہا کا انتظار کیا اور تیل بھی ساتھ لے لیا۔ جب دولہا آیا تو ان پانچ دلہنوں کو بیاہ کر لے گیا۔ جبکہ باقی پانچ تیل لینے گئیں اور وقت پر واپس نہ آسکیں۔

مسیح کے اپنے الفاظ میں تمثیل یوں ہے:۔

"اس وقت آسمان کی بادشاہت ان دس کنواریوں کی مانند ہوگی جو اپنی مشعلیں لے کر دولہا کے استقبال کو نکلیں ان میں پانچ بیوقوف تھیں اور پانچ عقلمند تھیں۔ جو بیوقوف تھیں انہوں نے اپنی مشعلیں تو لے لیں مگر تیل اپنے ساتھ نہ لیا۔ مگر عقلمندوں نے اپنی مشعلوں کے ساتھ اپنی کپیوں میں تیل بھی لے لیا۔ اور جب دولہا نے دیر لگائی تو سب اونگھنے لگیں اور سو گئیں آدھی رات کو دھوم مچی کہ دیکھو دولہا آگیا اس وقت وہ سب کنواریاں اٹھ کر اپنی اپنی مشعلیں درست کرنے لگیں اور بیوقوفوں نے عقلمندوں سے کہا کہ اپنے تیل سے ہمیں بھی دے دو۔ عقلمندوں نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ بیچنے والوں سے جا کر لے لو جب وہ مول لینے جا رہی تھیں تو دولہا آپہنچا اور جو تیار تھیں وہ اس کے ساتھ شادی میں چلی گئیں اور دروازہ بند ہوگیا۔ پیچھے وہ کنواریاں بھی آئیں اور کہنے لگیں اے خداوند اے خداوند ہمارے لئے بھی دروازہ کھول اس نے جواب میں کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں تمہیں نہیں جانتا کیونکہ تم نہ ان کو جانتے ہو اور نہ اس گھڑی کو۔"

(متی باب ۲۵ - آیت ۱ تا ۱۴)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مذہبی لحاظ سے مسیحؑ ایک وقت میں دس بیویاں رکھنا جائز سمجھتے تھے ورنہ یہ تمثیل بیان نہ کرتے کیونکہ خدا کے نبی کبھی ایسی تمثیلیں بیان نہیں کرتے جو اُن کے عقیدہ اور تعلیم کے خلاف ہوں۔

۳۲ مرتبہ ابنِ آدم میرے اس الزامی جواب پر ڈاکٹر میکلور ایسے شرمندہ اور حیران ہوئے کہ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ کا منظر پیش کرتے ہوئے خاموشی سے صرف یہ کہکر رخصت ہو گئے کہ پھر کبھی اپنی بائیبل دیکھکر اس کا جواب دوں گا۔ مگر بعد میں کئی بار آنے اور ملنے کے باوجود مذہبی بحث سے گریز کرتے رہے۔ ایک مرتبہ ایک دوسرے انگریز پادری کو ساتھ لے کر آئے۔ ان کا مجھ سے تعارف کرایا۔ انہوں نے مجھے نئے عہد نامہ کا ایک نیا ایڈیشن تحفۃً پیش کیا۔ مَیں نے شکریہ ادا کرنے کے بعد انہیں کہا آپ کوئی ایسی آیت اس نئے عہد نامہ سے دکھائیں جس میں حضرت مسیحؑ نے خود اپنے آپ کو براہ راست خدا کا اکلوتا بیٹا یا خدا کہا ہو۔ اس کے برعکس مَیں آپ کو یہ دکھا سکتا ہوں کہ حضرت مسیحؑ نے نئے عہد نامہ میں ۳۲ مرتبہ خود اپنے آپ کو ابنِ آدم کہا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا حقیقی بیٹا یا خدا نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ وہ انسان تھے۔ اور انسان ہی کے بیٹے تھے۔ اور محض خدا کے ایک رسول تھے۔ مثال کے طور پر متی باب ۸ میں حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں۔

"لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے۔
مگر ابنِ آدم کے لئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں"۔

غرض میرے اس مطالبے کا جواب اُن دونوں میں سے کوئی بھی نہ دے سکا اور محض اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے ٹالتے رہے۔

مخالف حالات میں مسجد احمدیہ "بو" کی تعمیر

سیرالیون کی ریاست کاکوا (KAKWA) کے مرکزی ٹاؤن "بو" میں عیسائیوں اور بعض مسلمانوں کی طرف سے شدید مخالفت کے باوجود ہمیں ۱۹۴۳ء میں مرکزی دارالتبلیغ بنانے کے لئے اجارہ پر ایک زمین کا قطعہ تو مل گیا لیکن چونکہ وہ قطعہ اس وقت قصبہ کے باہر ہونے کی وجہ سے مسجد کے لئے غیر موزوں تھا اس لئے قصبہ کے اندر احمدی آبادی کے قریب ہم نے ایک مناسب قطعہ زمین تلاش کر کے مقامی پیرامونٹ چیف سے وہاں مسجد تعمیر کرنے کی اجازت طلب کی مگر اس نے ہمارے مخالفین کی انگیخت پر وہ زمین ہمیں دینے سے انکار کر دیا اور اصرار کرتا رہا کہ ہم قصبہ سے باہر اسی جگہ مسجد بنائیں جہاں ہمارا دارالتبلیغ اور اسکول بن رہے ہیں۔

چیف الحاج المامی سوری کی سفارش پر اجازت

ہماری طرف سے ایک مدت تک چیف سے اجازت لینے کی کوشش کی گئی مگر کامیابی نہ ہوسکی۔ آخر ایک موقعہ پر مٹی علاقہ کے ایک بڑے با اثر مسلمان پیرامونٹ چیف آنریبل الحاجی المامی سوری چیفوں کی ایک کانفرنس کے لئے "بو" تشریف لائے وہ اگرچہ اس وقت تک احمدی نہ ہوئے تھے لیکن احمدیت سے حسنِ ظن رکھتے تھے۔ حضرت مولانا الحاج نذیر احمد علی رضی اللہ عنہ نے "بو" میں احمدیہ مسجد کا معاملہ ان کے سامنے رکھا اور مقامی چیف کی مخالفت اور انکار اور اپنی جد و جہد کی ساری رُوداد انہیں سُنا کر تحریک کی کہ وہ مقامی چیف کو سمجھائیں کہ اس نیک کام میں احمدی مبلغین کی مخالفت کرنے کے بجائے وہ ان سے تعاون کرے۔ چنانچہ انہوں نے مولانا علی صاحبؓ کے ساتھ جا کر حسبِ دستور مقامی چیف کو پہلے اپنی طرف سے دو پونڈ نذرانہ پیش کیا اور پھر اسے تحریک کی کہ وہ قصبہ میں ہماری تجویز کردہ زمین پر احمدیہ مسجد بنانے کی اجازت دیدے اس پر وہ انکار نہ کر سکا۔ اور سب کے سامنے اس نے ہمیں اس زمین پر مسجد کی تعمیر

کی اجازت دے دی۔

اجازت کی منسوخی

چنانچہ خاکسار نے فوری طور پر مسجد کا نقشہ تیار کر کے ہیلتھ آفیسر سے منظور کرالیا۔ اور حسب قواعد اس پر مقامی چیف کے دستخط بھی کرالئے۔ تاہم اس اثنا میں ایس ڈی اے عیسائی مشن کے امریکن سربراہ اور بعض مخالف علماء نے چیف کو پھر اکسا کر آمادہ کر لیا کہ وہ کسی قیمت پر قصبہ کے اندر احمدیہ مسجد نہ بننے دے لیکن اپنی اجازت کی منسوخی کی اس نے ہمیں کوئی اطلاع نہ دی۔

چنانچہ یکم جنوری ۱۹۴۵ء کو تمام جماعتہائے احمدیہ سیرالیون کے نمائندگان کی موجودگی میں خاکسار نے متعلقہ زمین پر مسجد احمدیہ "بو" کی بنیاد رکھی۔ اسی وقت ایک تبلیغی جلسہ بھی کیا گیا جس میں اسلام میں مسجد کی اہمیت پر تقاریر کی گئیں اور لوگوں میں شیرینی بھی تقسیم کی گئی اور جماعت کے احباب نے مسلسل وقارِ عمل کے ذریعہ تین چار روز کے اندر مسجد کی دیواریں کھڑی کر دیں۔

زیر تعمیر مسجد منہدم کر دی گئی

اس دوران چیف کو کسی مخالف نے جا کر اطلاع دے دی کہ احمدیہ مسجد کی عمارت تو اب چند روز میں مکمل ہونے والی ہے حالانکہ آپ نے اجازت منسوخ کر دی تھی۔ چنانچہ چیف نے مشتعل ہو کر مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۴۵ء کو بوقت صبح ہماری عدم موجودگی میں اپنی لوکل پولیس کے آٹھ دس مسلح افراد بھیجکر ہماری مسجد کی نو تعمیر دیواریں گرا کر زمین بالکل ہموار کروا دی اور جماعت احمدیہ "بو" کی مجلس عاملہ کے تمام ممبران کے نام سمن جاری کر دیئے کہ ان کی عدالت میں حاضر ہو کر جواب دیں کہ وہاں بغیر اجازت مسجد کی تعمیر کیوں شروع کی گئی ہے۔ چنانچہ جماعت کے احباب کے ساتھ خاکسار نے عدالت میں حاضر ہو کر مجوّزہ مسجد کا منظور شدہ نقشہ پیش کیا اور نہ صرف چیف بلکہ اس کے سب حواریوں کو باری باری بتایا کہ جب اس نقشہ کی منظوری خود چیف نے دے کر اس پر دستخط کئے ہوئے ہیں اور ضلع کے ڈسٹرکٹ کمشنر اور

ہیلتھ افسر کے بھی اس پر دستخط موجود ہیں تو پھر یہ الزام کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ ہم نے قانونی اجازت حاصل کئے بغیر مسجد کی تعمیر شروع کر رکھی تھی۔

پیراماؤنٹ چیف چونکہ ناخواندہ تھا اور نقشہ پر اس کی طرف سے اس کے سپیکر نے دستخط کئے تھے اس لئے اس نے یہ بہانہ تراشا کہ مجھے اس کا علم ہی نہیں اور کہ یہ نقشہ اور دستخط سب جعلی ہیں اور اس نام نہاد جرم پر ہماری مجلس عاملہ کے ممبران کو تین تین پونڈ جرمانہ کر دیا حالانکہ اس نقشہ پر دو تین گواہوں کے دستخط بھی ثبت تھے۔

چیف کو ڈسٹرکٹ کمشنر کی نصیحت

آخر تنگ آکر خاکسار نے ڈسٹرکٹ کمشنر سے چیف کے اس رویّہ کے خلاف اپیل کی وہ ایک نہایت شریف الطبع اور انصاف پسند افسر تھا۔ چنانچہ وہ اپنی کار میں مجھے ساتھ لے کر چیف کے دفتر میں آیا اور اسے سختی سے کہا کہ اب اندھیر نگری کا زمانہ گزر گیا ہے۔ تمہارا تاریک برِ اعظم افریقہ اب مہذّب ہوتا جا رہا ہے عوام سے حُسنِ سلوک اور انصاف سے کام لینا چاہیئے ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ نیز اسے سمجھایا کہ احمدیوں کی طرف سے پیش کردہ نقشہ جعلی نہیں ہے اس کی ایک نقل ہیلتھ افسر کے دفتر میں بھی موجود ہے اس لئے ان سب دستخطوں اور مہروں کو جعلی قرار دینا کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔ عبادت گاہ خواہ کسی عیسائی مشن کی ہو، یا مسلمان مشن کی اس کی تعمیر میں رخنہ ڈالنا انسانی حقوق کے منافی اور انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ بجائے مخالفت کرنے کے مسجدیں، چرچ اور سکول بنانے میں متعلقہ مذہبی لیڈروں کی امداد کرو کسی مذہب یا فرقہ کی بے جا طرفداری یا مخالفت ایک اچھے چیف کی شان اور پوزیشن کے منافی ہے۔"

اس کے بعد ڈی سی نے کسی قدر دوستانہ انداز اختیار کرتے ہوئے چیف سے پوچھا کہ اب میرے سامنے بتاؤ کیا احمدیوں کو اس نقشہ کے مطابق متعلقہ زمین پر مسجد بنانے کی اجازت دیتے ہو کہ نہیں جس پر اس چیف نے

قہقہہ لگاتے ہوئے کہا کہ میں نے تو کبھی مسجد کے لئے زمین دینے اور تعمیر کی اجازت دینے سے انکار کیا ہی نہیں تھا۔ یہ لوگ متکبر ہیں میری عزت نہیں کرتے ۔ حالانکہ یہ صریح جھوٹ تھا۔ بہرحال ڈی سی نے وہاں سے اُٹھنے سے پہلے اپنے سامنے اجازت نامہ لکھوا کر ہمارے حوالے کر دیا اور پھر وہ مسجد تین چار ماہ کے اندر اندر خدا کے فضل و کرم سے احمدی مرد و زن کے وقارِ عمل کے ذریعہ تیار کر لی گئی۔ مسجد کے محراب کا ڈیزائن اور اس پر آیاتِ کریمہ لکھنے نیز بیرونی چار دیواری بنانے اور دروازوں اور کھڑکیوں وغیرہ کو رنگ و روغن کرنے کا تمام کام احباب جماعت کی مدد سے مکرم مولوی احسان الٰہی صاحب جنجوعہ سابق مبلغ سیرالیون نے باحسن طریق انجام دیا فَجَزَاهُ اللّٰهُ تعالیٰ۔

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ نے سنگ بنیاد رکھا

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ وہ مسجد چونکہ ابتدائی زمانہ کی ضروریات کے پیش نظر چھوٹی بنائی گئی تھی اور بعد میں ناکافی ہو گئی اس لئے ۱۹۷۰ء میں اسی مسجد کے برابر والا قطعہ زمین ساتھ ملا کر وہاں ایک وسیع و عریض اور نہایت شاندار مسجد تعمیر کی جا چکی ہے جس کی بنیاد سیدنا و مولانا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ۱۹۷۰ء کے دورۂ مغربی افریقہ کے دوران رکھی تھی۔

عید کی نماز پڑھنے میں رکاوٹ

"بو" کے اسی چیف نے بعض مخالفین کے اکسانے کی وجہ سے ۱۹۴۲ء میں عید الفطر کے موقعہ پر قصبہ کے تمام احمدیوں کو حکم دے دیا کہ وہ عید کی نماز غیر احمدی امام کے پیچھے پڑھیں اگر انہوں نے علیحدہ پڑھی تو ان کو جیل میں ڈال دیا جائے گا۔ جرمانے بھی کئے جائیں گے اور احمدیہ مشن کو لیز پر دی گئی زمین بھی واپس لے لی جائے گی۔ عید کے ایک روز پہلے شام کے وقت انہیں یہ حکم ملا خاکسار نے انہیں ہدایت کی کہ سرکردہ احمدی خود ڈی سی کے پاس پہنچ کر اس حکم کے خلاف احتجاج کریں۔ چنانچہ عید کے روز صبح ۸ بجے دفتر

کھلتے ہی انہوں نے ڈی سی سے شکایت کی اور ڈی سی نے چیف کو ہدایت کردی کہ وہ یہ منصفانہ حکم فوری طور پر واپس لے لے۔ اور احمدیوں کو عید کی نماز پڑھنے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالے۔ چنانچہ پھر حسب معمول احمدیوں نے آزادی سے خاکسار کی امامت میں نمازِ عید ادا کی۔ اس عید کے خطبہ میں خاکسار نے احباب کو خاص طور پر توجہ دلائی کہ وہ درد دل سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ "بو" کے چیف کو ہدایت دے اور بصورتِ دیگر اسے ہمارے رستہ سے ہٹا دے۔ چنانچہ اگلے سال یعنی ۱۹۴۵ء میں وہ چند روز بیمار رہ کر راہئ ملک عدم ہو گیا اور "بو" میں خدا کے فضل سے پھر کبھی احمدیت کی اس طرح مخالفت نہ ہوئی۔

ماتووا (سیرالیون) کی نئی جماعت کا اخلاص

اور مشکلات پر صبر

سیرالیون کے ضلع کیلاہون (KAILAHUN) میں ایک دریا کے کنارے ریاست پیجے ایسٹ (PEJE EAST) میں ایک خاصہ بڑا قصبہ مانووا (MANOWA) ہے۔ ۱۹۴۴ء کے وسط میں جماعت کے لوکل معلم مکرم الفا فوڈے کروما بعض مقامی لوگوں کی دعوت پر دو تین مرتبہ اس قصبہ میں تبلیغ کے لئے گئے جس کے نتیجہ میں وہاں کے بعض لوگ احمدیت سے گہری دلچسپی لینے لگے۔ اور مزید تحقیق کی غرض سے انہوں نے مجھے وہاں آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ خاکسار نے ستمبر ۱۹۴۴ء میں مانووا کا دورہ کیا۔ اور آٹھ دس روز وہاں ٹھہر کر انفرادی طور پر گھر گھر احمدیت کا پیغام پہنچاتا اور احمدیت سے دلچسپی لینے والے احباب کے شبہات دور کرتا رہا۔ چونکہ ریاست کا پیرامونٹ چیف پہلے ہی احمدیت کا شدید مخالف تھا اس لئے وہاں پر مجھے کوئی عام جلسہ کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ تاہم انفرادی طور پر تبلیغ کے نتیجہ میں خدا کے

فضل سے وہاں تقریباً ۷۰ افراد بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی وہاں مخالفت بھی شدت اختیار کر گئی۔ گو میری موجودگی میں ریاست کے حکام نے ہمارے نومبایعین کے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھایا اور خاکسار پوری آزادی سے نومبایعین کی تربیت میں مصروف رہا۔ تاہم میری وہاں سے واپسی کے بعد ان لوگوں نے وہاں کے کمزور اور غریب احمدیوں کو روزانہ دھمکانا اور زدوکوب کرنا شروع کر دیا بلکہ چند ماہ بعد ان کا بائیکاٹ کر کے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ یہاں تک کہ یکم مارچ ۱۹۶۵ء کو ریاست کے پیرامونٹ چیف نے احمدیوں کو اپنی عدالت میں بلا کر حکم دیا کہ وہ احمدیت سے تائب ہو جائیں اور سب کے سامنے قسم کھا کر اعلان کیا کہ اب اس کی زندگی اور دورِ اقتدار میں اس کے علاقہ میں ایک شخص بھی احمدی نہیں رہ سکتا۔ اس دوران ایک روز عدالت میں ہی اس چیف کی انگیخت پر وہاں کے غیر احمدی امام نے احمدی امام معلّم فوڈے کرومار (FODAY) کو نہایت بے دردی سے پیٹا اور پھر اسی وقت چیف نے اس ظلم کے ازالہ کی بجائے معلّم فودے اور چار سرکردہ احمدیوں کو قید کر دیا اور ۲۵ پونڈ جرمانہ کر کے فوری طور پر اس کی جبری وصولی بھی کر لی۔

دریا کے کنارے نمازیں اور بسیرا مجھے جماعت کے مرکز "بو" (BO) میں جب ان مظالم کی اطلاع ملی تو میں نے ایک دوسرے مقامی معلّم ابراہیم ذکی صاحب کو وہاں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا مگر مانو وا کے ظالم چیف نے ہمارے اس نمائندے سے بات کرنا بھی گوارا نہ کیا اور قصبہ میں رات بسر کرنے کی اجازت بھی نہ دی اور حکم دیا کہ وہ وہاں سے فوراً نکل جائیں۔ معلّم ذکی نے مجبوراً قصبہ سے باہر دریا کے ایک درخت کے نیچے بسیرا کیا اور بڑی تکلیف اور پریشانی کے عالم میں رات گزاری تاہم مانو وا کے بعض نومبایعین نے وہیں پر معلّم ذکی کے ساتھ نمازیں ادا کیں اور ان کے کھانے وغیرہ کا انتظام کیا۔ اور اپنے ناگفتہ بہ حالات سے انہیں آگاہ کیا۔

معلّم ذکی صاحب کی "بو" واپسی پر خاکسار خود جماعت کے دو مخلص افراد الحاجی علی روجرز اور مکرم الفا شریف کو ساتھ لے کر "بو" سے تقریباً ۰۰ میل دور ضلعی ہیڈ کوارٹر کیلاہون پہنچا جہاں ہم نے اگلے روز ڈسٹرکٹ کمشنر کو تمام حالات سے مطلع کر کے ان مظالم کے ازالہ اور مانووا کے احمدیوں کی مذہبی آزادی بحال کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے اسی روز مانووا کے چیف اور دیگر ساتھیوں کو بلا کر عدالتی طور پر مقدمہ کی سماعت کی۔ مانووا کے چیف نے کئی جھوٹی گواہیوں کے ذریعہ احمدیوں کے خلاف انتظامی نافرمانیوں اور بغاوت کا الزام ثابت کرنے کی کوشش کی۔ مگر کمشنر صاحب پر حقیقت واضح ہو چکی تھی کیونکہ انہوں نے احمدیوں کے بیانات کی چھان بین کر کے لوکل پولیس کے بعض عیسائی ارکان سے بھی تحقیق کرا لی تھی۔ چنانچہ کمشنر صاحب نے پہلے تو بڑی نرمی سے ہمارے مخالفوں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب دوران گفتگو چیف نے کہا کہ ان کے قصبہ مانووا میں ان کے ہوتے ہوئے کوئی احمدی نہیں رہ سکتا تو کمشنر صاحب کو غصہ آ گیا اور انہوں نے بغیر کسی مزید گفتگو کے فیصلہ لکھ دیا۔ کہ ۲۵ پونڈ جرمانہ واپس کیا جائے اور احمدیوں کو رہا کر کے انہیں ہر طرح مذہبی آزادی کا حق دیا جائے نیز احمدیوں کو وہاں اپنی مسجد بنانے کے لئے جگہ دی جائے بصورتِ دیگر گورنر جنرل سیرالیون کے پاس اس چیف کی شکایت کر دی جائے گی کہ وہ اپنی رعایا سے انصاف کرنے کے اہل نہیں ہیں۔

غرض اس طرح محض اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے یہ معاملہ ہمارے حق میں بخیر و خوبی طے ہو گیا اور اس کے بعد اس علاقہ کے کسی چیف کو احمدیوں پر ناجائز دباؤ ڈالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ خاکسار نے وہاں سے واپس آ کر برادرم چوہدری احسان الٰہی صاحب جنجوعہ سابق مبلغ سیرالیون (حال چنیوٹ) کو وہاں مسجد کے لئے زمین کے حصول اور مسجد کی تعمیر کے لئے روانہ کیا جنہوں نے نہایت محنت اور اخلاص سے یہ مہم سر کی۔ اور وہاں پر ایک اچھی مسجد تیار ہو گئی جس کے محراب اور دیواروں پر کلمہ شریف اور دیگر متعلقہ آیاتِ قرآنی خود محترم جنجوعہ صاحب نے نہایت خوشخط اور ربیل بوٹوں سے مزیّن

تحریر فرمائیں۔ اور جماعت کے ساتھ مل کر دیگر تعمیری وقارِ عمل میں بھی شریک رہے فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

مسجد کے افتتاح کے موقعہ پر وہاں تبلیغی جلسہ بھی کیا گیا جس میں خاکسار اور دوسرے مبلغین کرام کے علاوہ علاقہ کے تمام احمدی بھی شامل ہوئے اور پھر خدا کے فضل سے وہاں احمدیت برابر ترقی کرتی چلی گئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالیٰ۔

میرے ایک ۳۵ سال پُرانے خط پر ایڈیٹر صاحب الفضل کا تبصرہ

"عزیز مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری امیر و مبلغ انچارج سیرالیون مشن (مغربی افریقہ) ایک نہایت مخلص احمدیت کے فدائی اور نہایت کامیاب مبلغ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا بھی ان سے خاص ہی معاملہ نظر آتا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ وہ ابھی نوجوانی کے میدان میں قدم رکھ ہی رہے تھے اور بھولے بھالے سعید الفطرت خاموش طبع اور سنجیدہ لڑکے نظر آتے تھے کہ حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کان میں پڑا کہ احمدی نوجوانوں کو دنیا کے مختلف علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لئے نکل جانا چاہیئے۔ اور اپنے اخراجات خود برداشت کرتے ہوئے تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرنا چاہیئے اس پر لبیک کہتے ہوئے وہ مرکز سے کسی قسم کی امداد حاصل کئے بغیر نکل کھڑے ہوئے اور دنیا کے مختلف ملکوں میں فریضۂ تبلیغ انجام دیتے ہوئے آخر افریقہ جا پہنچے اور آج حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دینی خدمات اور اخلاص کے پیش نظر انہیں سیرالیون ایسے اہم اور کامیاب تبلیغی مشن کا انچارج مقرر ہونے کا شرف عطا فرما رکھا ہے۔"

مکرم مولوی صاحب موصوف نے مجاہدانہ رنگ میں تبلیغ اسلام کے لئے روانہ ہونے سے کچھ عرصہ قبل الفضل کے ایڈیٹوریل سٹاف میں بھی کام کیا۔ اور نہایت فرض شناس اور محنتی نوجوان ثابت ہوئے۔ اس مختصر سے تعلق کو آج تک انہوں نے ہمیشہ یاد رکھا اور اسی بناء پر کبھی کبھی اپنے مخلصانہ جذبات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ حال ہی انہوں نے میرے نام اپنے ایک خط میں قادیان کی مبارک بستی میں بسر کئے ہوئے ایام کا کچھ ایسے مخلصانہ اور عاشقانہ انداز میں ذکر کیا ہے کہ وہ ان احمدی نوجوانوں کے لئے جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بستی میں رہنے سیدنا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی نورانی صحبت میں شریک ہونے اور بزرگانِ جماعت کی صحبتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع میسّر ہے باعثِ موعظت بن سکتا ہے اور اسی غرض کے پیش نظر ان کا وہ خط شائع کیا جاتا ہے۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں :-

"اس عاجز کی طرف سے دفتر کے کارکنوں اور کاتب صاحبان کو جن کو میں جانتا ہوں اور ان کو بھی جو نئے آئے ہوں میرا مخلصانہ السلام علیکم اور میری طرف سے دُعا کی درخواست کر دیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اہلِ قادیان اور وہاں کے بزرگ مجھے کس قدر یاد آتے ہیں بعض دفعہ جب یہاں کے گھنے جنگلوں میں پیدل چلتے چلتے جہاں ایک طرف بندروں اور دوسرے جنگلی جانوروں کا شور کان کھا رہا ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف تپتی ہوئی پگڈنڈی کی گرمی میرے کینوس بوٹوں کے اندر پہنچکر ستا رہی ہوتی ہے تو ایسے وقت میں خیالات و تصورات کے بحرِ بیکراں کی لہروں میں ہچکولے کھاتے کھاتے ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہوں کہ بچپن اور جوانی کی آزادانہ زندگی کے بیتے ہوئے دن موجوں میں تبدیل ہو کر ایک زبردست ہچکولا دیتے ہیں اور میں یکدم خدا تعالیٰ کی مقدس بستی قادیان میں جا پہنچتا ہوں۔ اسی کیفیّت اور ایسے ہی خیالات میں کبھی چلتے چلتے آنکھیں بند کر کے یُوں تصوّر کر لیتا ہوں کہ گویا اب افریقہ کے کسی جنگل میں نہیں جا رہا بلکہ قادیان شریف کے

کسی محلّہ یا گلی میں رواں دواں ہوں۔ پھر عالمِ خیال میں یوں محسوس کرتا ہوں کہ اب مسجد مبارک میں بیٹھا حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ کلمات سُن رہا ہوں۔ گویا مجلسِ عرفان کا سماں ہے اور اب دفتر الفضل کی سیڑھیاں چڑھ رہا ہوں۔ اور اب مکرم ایڈیٹر صاحب کے پاس ہی میز پر بیٹھا اخبار کے لئے شذرات لکھ رہا ہوں...... کہ اتنے میں کسی روڑے یا پتھر سے ٹھوکر کھا کر دفعۃً عالمِ تصوّر سے عالمِ حقیقی میں آداخل ہوتا ہوں اور پھر...... کیا دیکھتا ہوں کہ وہی جنگل اور پہاڑ کے دامن میں اسی چھوٹی سی پگڈنڈی پر زمین طے کرتا ہوا کسی دُور افتادہ افریقن گاؤں کی جانب بڑھ رہا ہوں۔"

"اے میرے محسن اور اے میرے خدا! کیا وہ دن بھی آئیں گے کہ جب ایک مرتبہ پھر میرے یہ خیالات و تصوّرات حقیقت بن جائینگے اور مَیں فی الحقیقت اس جسمِ خاکی کے ساتھ قادیان دارالامان کی زیارت کا شرف حاصل کروں گا۔ میرے اللہ وہ دن جلد لا کہ مَیں اب تیری مقدس بستی کی گلیوں اور ان میں مقیم تیرے پیاروں اور تیرے قدوسیوں کی زیارت کے لئے بیتاب ہوں۔ آمین والسّلام طالبِ دعا محمد صدیق امرتسری از سیرالیون۔" (۱۱ر مارچ ۱۹۴۵ء)

اُن سطور سے جہاں مولوی صاحب کی ذاتی سعادت کا ثبوت ملتا ہے وہاں مرکزِ سلسلہ سے اُن کی بے تابانہ محبت، حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ سے والہانہ اخلاص اور بزرگانِ جماعت سے مخلصانہ عقیدت کا بھی اظہار ہوتا ہے اور دراصل مولوی صاحب موصوف کی تبلیغِ اسلام میں غیر معمولی کامیابی اور خدمتِ اسلام کے خاص مواقع میسّر آنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ "دل بایار اور دست باکار" کے پورے پورے مصداق بن کر جو قدم اٹھاتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے حضور شرفِ قبولیت حاصل کر لیتا ہے۔ احباب دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ انہیں اپنی حفاظت میں رکھے۔ مزید خدماتِ دین کی توفیق عطا کرے اور دیارِ محبوب کو

دیکھنے اور حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ تعالےٰ کے حضور حاضر ہونے کی جو تڑپ ان کے دل میں پائی جاتی ہے اُسے پورا کرے۔" نوٹ از ایڈیٹر الفضل۔
(الفضل مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۴۵ء صہ)

مشکل میں صبر و صلوٰۃ سے کام لینے اور اناللہ پڑھنے کی برکات

چند واقعات

قرآن کریم کی سورۃ بقرہ کی ۵۴ سے ۵۸ تک آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مومن کسی چیز کے کھو جانے، کسی عزیز کے فوت ہو جانے یا کسی دُکھ اور مصیبت یا خوف اور بھوک میں مبتلا ہونے پر صدق دل سے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھ کر صبر و استقامت سے اللہ تعالےٰ کی قضا و قدر پر راضی ہو جاتا ہے اور واویلا کرنے کی بجائے اس کے حضور دعا سے کام لیتا ہے اللہ تعالےٰ اس کو ضرور اپنے فضل و کرم اور برکتوں سے نوازتا اور کسی نہ کسی رنگ میں اس کے نقصان کی تلافی کر دیتا ہے۔ اور عموماً اس کی کھوئی ہوئی چیز بھی مل جاتی ہے الّا ماشاء اللہ۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جاں نثار صحابہؓ کی زندگیاں ایسے ایمان افروز واقعات سے بھری پڑی ہیں۔

گزشتہ تیس چالیس سال کے عرصہ میں اس ناچیز خادم سلسلہ نے بھی بارہا اللہ تعالےٰ کے اس بابرکت وعدہ کے پورے ہونے کا مشاہدہ کیا ہے۔ کئی دفعہ ایسا ہؤا ہے کہ کسی چیز کے کھو جانے یا نہ ملنے پر صدق دل سے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھا اور راضی بقضا ہو کر دعائیں کیں تو جلد یا بدیر اللہ تعالےٰ کے فضل سے وہ چیز مل گئی۔ ذیل میں یہ عاجز اس امر کے ثبوت میں قارئین کرام کے ازدیادِ ایمان اور اس نیک طریق کار کی طرف متوجہ کرنے کے لئے تحدیث نعمت کے طور پر دو تین چھوٹے چھوٹے واقعات پیش کرتا ہے۔

مسروقہ سائیکل مل گیا نومبر ۱۹۴۵ء میں خاکسار نے سیرالیون احمدیہ مشن کی جماعتی ضروریات کے لئے "بو" میں ایک نیا ریلے سائیکل خریدا۔ اللہ تعالیٰ نے مغربی افریقہ کے احمدیہ مشنوں پر اتنے فضل و احسان فرما رہا ہے، کہ وہاں پر اب نہ صرف مرکزی مشنوں بلکہ ذیلی احمدیہ مراکز اور ہسپتالوں میں بھی جماعت کی کاریں اور ویگن وغیرہ موجود ہیں اس ابتدائی زمانہ میں مشن کے لئے ایک سائیکل مہیا کر لینا غنیمت تھا۔ بہرکیف دسمبر کے آخر میں ایک روز خاکسار سائیکل پر شہر سے واپس آیا تو جلدی میں سائیکل مشن ہاؤس کے بیرونی برآمدے میں رکھ کر صرف چند منٹ کے لئے مکان کی پچھلی طرف گیا۔ وہاں سے لوٹا تو دیکھا کہ برآمدے سے سائیکل غائب ہے۔ غالباً کوئی چور پہلے ہی میرے پیچھے لگا ہوا تھا جو موقعہ پاتے ہی سائیکل لے کر بھاگ گیا۔ مَیں نے فوراً انّا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور پھر دعا اور تلاش شروع کر دی ہمارے سکول کے طالبعلم بھی اِدھر اُدھر گھوم کر پتہ کرتے رہے مگر کوئی سراغ نہ ملا۔ برآمدے سے باہر میرے کچھ کپڑے شلواریں وغیرہ دھو کر خشک ہونے کے لئے ڈالے ہوئے تھے سائیکل لے جاتے ہوئے چور وہ بھی سب اُٹھا کر لے گیا چونکہ وہ مالی لحاظ سے تنگی کا زمانہ تھا مجھے اس سائیکل کی چوری سے بہت افسوس ہوا لیکن آخرکار مَیں اسے کوئی الٰہی حکمت سمجھ کر خاموش ہو گیا۔ اور دعائیں کرنے لگا کہ اللہ تعالیٰ اور سائیکل خریدنے کی توفیق دے۔

مسروقہ ہندی لباس کی وجہ سے چور پکڑا گیا اس کے بعد خاکسار مگبورکا اور اس کے نواحی علاقہ کے دورہ پر چلا گیا۔ وہاں پر عین یکم جنوری ۱۹۴۵ء کو مجھے مکرم چوہدری نذیر احمد صاحب رائے ونڈی سابق مبلغ سیرالیون کا تار ملا کہ "بو" سے چالیس پچاس میل پر قصبہ جالا میں ہمارے سائیکل کا سراغ مل گیا ہے۔ ہوا یوں کہ چور نے "بو" سے جالا پہنچ کر جالا زراعتی کالج کے ایک لیکچرار مسٹر ابوبکر صدیقی کے پاس وہ سائیکل فروخت کرنا چاہا۔ انہوں نے اس کے پاس میرے کپڑے غالباً پاکستانی اچکن یا شلوار دیکھ کر پہچان لیا کہ ایسے کپڑے تو صرف ہندوستان کے احمدی مبلغین

پہنتے ہیں چونکہ وہ لیکچرار ہماری جماعت کے مداحوں میں سے تھے اور ہمارے دوست بھی تھے انہوں نے بھانپ لیا کہ وہ نوجوان چور ہے اور وہ سائیکل اور کپڑے "بو" احمدیہ مشن سے چرا کر لایا ہے چنانچہ انہوں نے فوراً "بو" کے محکمہ زراعت میں اپنے کسی دوست کو فون کیا کہ وہ احمدیہ مشن میں اطلاع دے دے کہ اُن کا مسروقہ سائیکل مل گیا ہے جالا آ کر لے جائیں۔ چنانچہ خاکسار نے محترم چوہدری نذیر احمد صاحب کو بذریعہ ٹرین وہاں بھیج کر سائیکل منگوا لیا اور اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ادا کیا۔ وہ چور چونکہ کوئی نہایت غریب اور محتاج آدمی تھا اس لئے صدیقی صاحب کی سفارش پر ہم نے اسے امداد کے طور پر کچھ دے کر اور وعظ و نصیحت کر کے چھوڑ دیا اور پولیس کے حوالے نہ کیا۔

ناموافق حالات میں ہینڈ بیگ مل گیا ۱۹۶۳ء کے آخر میں مکرم میاں عبدالحی صاحب سابق مبلغ انڈونیشیا اپنے اہل و عیال کو پاکستان روانہ کرنے کے لئے انڈونیشیا سے سنگاپور تشریف لائے خاکسار ان دنوں بطور مبلغ انچارج احمدیہ مشن سنگاپور وہاں مقیم تھا۔ سنگاپور میں قیام کے دوران محترم میاں عبدالحی صاحب کے بچے شدید بیمار ہو گئے۔ تاہم خاکسار نے حسب ہدایت مرکز سلسلہ ان کے اہل و عیال کے پاکستان کے سفر کے لئے ہوائی جہاز کے ٹکٹ خرید کر اور دیگر سفری دستاویزات مکمل کر کے ان کے حوالہ کر دیئے تاکہ وہ بچوں کے اچھا ہونے کے بعد جلدی روانہ ہو سکیں۔ ایک روز ان کا بڑا لڑکا عزیز عبدالشکور صاحب جو اس وقت چھ سات برس کے تھے اور اب انجینئرنگ کالج لاہور میں پڑھتے ہیں۔ اچانک تشویشناک طور پر بیمار ہو گئے اور انہیں فوراً ہسپتال لے جانا پڑا۔ ہسپتال سے واپسی پر غالباً بچے کی بیماری کی گھبراہٹ میں مکرم میاں عبدالحی صاحب اپنا ہینڈ بیگ جس میں دیگر اشیاء کے علاوہ پاسپورٹ، ائیر کمپنی کی ٹکٹیں اور دیگر سب سفری کاغذات بھی تھے ٹیکسی سے اترتے ہوئے ٹیکسی میں بھول گئے۔ غیر ملک میں پاسپورٹ، ٹکٹیں اور سفری کاغذات کا اس طرح گم ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ انہیں بے حد پریشانی ہوئی۔ بچے کی

بیماری کی بھی انہیں فکر تھی۔ مشن ہوس پہنچ کر کچھ دیر کے بعد پریشانی کے عالم میں انہوں نے اس کا مجھ سے ذکر کیا۔ میں بھی سُنکر بڑا فکرمند ہوا۔ تاہم میں نے انا للہ ..... پڑھ کر انہیں کہا اب انا للہ پڑھنے اور دعا کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ آئیں سب مل کر دعا کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارا وہ نہایت اہم ہینڈ بیگ ملنے کی کوئی صورت پیدا فرمادے یا اس نقصان کی تلافی کسی بہتر رنگ میں ہوجائے۔ چنانچہ ہم سب نے بڑے درد سے دعائیں شروع کردیں ٹیکسی کا نمبر وغیرہ ہمیں معلوم نہیں تھا اور نہ ڈرائیور کا نام یا حلیہ ٹھیک طرح معلوم تھا۔ کیونکہ وہ رات کا وقت تھا تاہم اس علاقہ کی پولیس کو رپورٹ کردی گئی احباب جماعت بھی خاصے فکرمند ہوئے اور دعا میں مصروف ہوگئے۔ بظاہر سو میں سے دس فیصدی بھی اس ٹیکسی کے پہچانے یا ملنے کا امکان نہیں تھا۔ سنگاپور ایسا شہر نہیں جس کے ٹیکسی ڈرائیوروں پر اس قدر حسن ظنّ یا اعتماد کیا جاسکے کہ وہ اس قسم کی گمشدہ چیزیں پولیس کو یا مالک کو پہنچانے کی تکلیف گوارا کرینگے۔

تاہم دعاؤں کے علاوہ ہم نے اس ٹیکسی کو تلاش کرنے کی کوششیں بھی جاری رکھیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خاص فضل فرمایا اور دوسرے روز جبکہ مکرم میاں عبدالحی صاحب ایک قریبی بازار میں اس ٹیکسی کی پہچان اور تلاش میں سرگرداں تھے اچانک ایک چینی ٹیکسی ڈرائیور نے خود ہی ان کے قریب آکر اپنی ٹیکسی کھڑی کردی۔ اور ٹیکسی کے اندر سے میاں صاحب کا وہ تھیلا مع سامان نکال کر انہیں یہ کہتے ہوئے ان کے حوالے کردیا کہ "میں کل سے ہی آپ کی تلاش میں ہوں یہ آپ کا تھیلا کل رات میری ٹیکسی میں رہ گیا تھا"۔ چنانچہ اس کے چند منٹ بعد میاں عبدالحی صاحب الحمد للہ الحمد للہ کہتے ہوئے مشن ہاؤس میں داخل ہوئے اور مجھے یہ بشارت سُنائی کہ ان کا تھیلا مع سب سامان اور کاغذات اور پاسپورٹوں کے مل گیا ہے میں نے بھی شکر کرتے ہوئے انہیں عرض کیا کہ مبارک ہو اب سب سے پہلے مسجد میں جاکر شکرانے کے طور پر نفل ادا کریں۔

گمشُدہ گھڑی | جون ۱۹۷۱ء میں ایک مرتبہ یہ عاجز جزائر فجی کے جزیرہ

لمباسہ کے تبلیغی دَورہ کے لئے لمباسہ شہر میں مکرم مولوی محمد لال ٹوپی مرحوم کے گھر میں مقیم تھا کہ ایک روز میری تین چار صد روپے کی مالیت کی دستی گھڑی میرے تکیے کے نیچے سے غائب ہو گئی۔ مجھے بہت پریشانی ہوئی۔ تاہم مَیں نے اسی وقت انّا للہ وانّا الیہ راجعون پڑھ کر دعا کرتے ہوئے گھڑی کی تلاش شروع کر دی۔ گھر والوں نے اِدھر اُدھر بہت دیکھا مگر تلاش بسیار کے باوجود گھڑی نہ ملی۔

آخر ایک ہفتہ بعد وہاں سے دو اڑھائی سو میل دُور سووا (SOVA) میں ایک روز مجھے مولوی محمد صاحب مرحوم کا لمباسہ سے فون ملا "کہ آپ کی گھڑی مل گئی ہے"۔ ان سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کے گھر کے جس کمرے میں خاکسار ٹھہرا ہوا تھا اس کا لکڑی کا فرش جگہ جگہ سے ٹوٹا ہوا تھا۔ میری گھڑی شاید بستر سے فرش پر گر کر کسی بوسیدہ سوراخ کے ذریعہ نیچے زمین پر جا گری جو ایک کھلی جگہ تھی۔ جہاں وہ جلانے کی لکڑیاں وغیرہ رکھتے تھے۔ اور گھر کے کسی فرد نے وہاں سے لکڑیاں اٹھاتے ہوئے میری گھڑی مٹی میں سے ڈھونڈ نکالی ؛

ایک رہزنی کی واردات اور حفاظت الٰہی

سیرالیون کے شہر "بو" میں احمدیہ مشن کی طرف سے احمدیہ تعلیم الاسلام سکول ۲۲ نومبر ۱۹۴۵ء کو ایک عارضی عمارت میں کھولا گیا تھا گو مستقل عمارت بنانے کے لیئے ہمارے پاس اس وقت مطلوبہ روپیہ نہیں تھا۔ تاہم چونکہ عمارت کی تکمیل کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے بلڈنگ گرانٹ مل جانی تقریباً یقینی تھی اس لیئے خاکسار نے اس غرض کے لیئے مگبورکا کے ایک مخلص لبنانی احمدی سیّد امین خلیل سکیکی مرحوم سے فوری طور پر مبلغ تین صد پونڈ قرض لیئے اور عمارت شروع کرا دی۔

پندرہ ہزار پونڈ کا ڈاکہ

یہ خطیر رقم لے کر خاکسار ایک دوست کی کار میں مگبورکا سے "بو" واپس آرہا تھا کہ ہم نے دیکھا کہ ییلے (YELE) اور موبگیری کے درمیان جنگل میں سڑک پر ایک جگہ ہندوستانی تجارتی فرم چیلارام اینڈ کمپنی کی ویگن کھڑی ہے اور اس کے اندر اس فرم کی "بو برانچ" کا مینجر ایک ہندو نوجوان جس کے ہمارے ساتھ بڑے اچھے مراسم تھے زخموں اور آنکھوں میں تکلیف کی وجہ سے کراہ رہا ہے۔ پتہ کرنے پر معلوم ہوُا کہ "بو" میں اس وقت کوئی بینک نہ ہونے کی وجہ سے وہ لوگ بیس ہزار پونڈ کی رقم لے کر فری ٹاؤن اپنے مرکزی آفس میں جمع کرانے جا رہے تھے کہ اسی جگہ پر ہمارے وہاں پہنچنے سے دس پندرہ منٹ پہلے جنگل میں سے تین چار افریقن ڈاکوؤں نے انہیں لوٹ لیا ہے۔ اور مینجر کے مزاحمت کرنے پر اسے زخمی کر کے بیس ہزار پونڈ کی خطیر رقم لے کر فرار ہو گئے ہیں۔

آنکھوں میں مرچیں

ہوُا یوں کہ جب وہ لوگ دن کے وقت "بو" کی طرف سے فری ٹاؤن جاتے ہوئے اس پوائنٹ پر پہنچے تو ایک بالکل برہنہ افریقن نے جنگل سے نکل کر سڑک کے درمیان پاگلوں کی طرح ناچنا اور گانا شروع کر دیا اور گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر بھی وہ ایک طرف نہ ہوُا۔ ڈرائیور نے اس خیال سے فوراً گاڑی کھڑی کر دی کہ کوئی پاگل ہے

کہیں بیچارہ مارا ہی نہ جائے۔ گاڑی کا کھڑا ہونا تھا کہ اس برہنہ شخص نے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہندوستانی مینجر اور ڈرائیور کی آنکھوں میں نہایت پھرتی سے ریت اور پسی ہوئی مرچیں ڈال دیں۔ اتنے میں جنگل سے چند اور مسلح افریقن نکل آئے اور معمولی مزاحمت کے بعد بیس ہزار پونڈ کی نقدی کے تھیلے لے کر فرار ہو گئے اور پھر کبھی ان کا سراغ نہ مل سکا۔

اندریں صورت "بو" واپس آنے کے سوا ان کے لئے کوئی چارہ نہ رہا۔ نزدیک ترین پولیس سٹیشن بھی "بو" میں ہی تھا۔ اسی لئے انہوں نے پھر "بو" واپس آ کر پولیس میں رپورٹ درج کرائی لیکن ڈاکو پکڑے نہ جا سکے۔ ایک خفیہ افریقن سوسائٹی کے سرغنوں پر شبہ کیا گیا مگر واضح ثبوت ان کے خلاف کوئی نہ مل سکا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر خاکسار نے اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے فضل سے ہمیں محفوظ رکھا کیونکہ اس روز ہمارے پاس بھی کار میں تین سو پونڈ نقد موجود تھے۔ عین ممکن تھا کہ اگر ہماری کار اس ہندوستانی فرم کی ویگن سے پہلے اس جگہ پہنچ جاتی تو ہم بھی تین سو پونڈ کی رقم سے ہاتھ دھو بیٹھتے اور شاید زخمی بھی ہو جاتے۔ سیرالیون میں دن دہاڑے اس نوعیت کا یہ پہلا ڈاکہ تھا جس میں ڈاکوؤں نے اتنی مہارت اور چابکدستی دکھائی۔ ورنہ عام طور پر اس ملک میں اس زمانہ میں ایسے خطرناک ڈاکوؤں کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دراصل ڈاکہ زنی، چوری اور قتل و غارت وغیرہ کے سلسلہ میں وہاں کے آوارہ عنصر کو اس قسم کے ہتھکنڈے سکھانے والی یورپ اور امریکہ کی وہ لچر اور اخلاق سوز فلمیں تھیں جو اس زمانہ میں وہاں کے سینماؤں میں دکھائی جاتی تھیں اور جن کے دیکھنے کے بعد ڈاکہ زنی قتل و غارت اور چوری وغیرہ کے ارتکاب کے لئے نئے نئے طریقوں کی وہاں نقل کی جانے لگی تھی۔

ریاست بانڈو میں نئی جماعت اور اس پر مظالم کی داستان

۱۹۴۱ء میں سیرالیون کی ریاست لیپے آما (LEPIAMA) کے پیرا مونٹ چیف موسیٰ مارلو نے بڑی فراخ دلی سے ہمیں اپنی ریاست میں آکر تبلیغ کرنے اور مسلم سکول کھولنے کی دعوت دی تھی چنانچہ اسی سال خاکسار وہاں گیا اور چند ہفتے ریاست کے مرکز بانڈو (BANDO) میں تبلیغ کرنے کے نتیجہ میں خدا کے فضل سے وہاں ایک مضبوط جماعت قائم ہو گئی اور اپریل ۱۹۴۲ء میں میری درخواست پر پیرا مونٹ چیف مذکور نے بانڈو میں احمدیہ مشن اور سکول کی عمارتوں کے لئے ایک وسیع قطعہ زمین صرف دو شلنگ کے برائے نام سالانہ کرایہ پر دے دیا جس پر سال ڈیڑھ سال کے اندر جماعت بانڈو نے اپنے ذاتی خرچ اور وقارِ عمل سے عمارتیں تیار کر لیں۔

شراب پینے سے انکار پر دس پونڈ جرمانہ

پیرا مونٹ چیف موسیٰ گو جماعت میں شامل نہیں تھا پھر بھی کبھی کبھی ہمارے اجتماعات اور نمازوں میں شامل ہو جاتا تھا۔ مگر ۱۹۴۵ء میں ماہِ رمضان کی آمد پر بانڈو کے غیر احمدی امام مسجد اور بعض شرپسند لوگوں نے ازراہِ شرارت اسے ہمارے خلاف اکساتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ رمضان اور عید کے اجتماعات احمدیوں اور غیر احمدیوں کے ایک ہی جگہ ہونے چاہئیں بصورتِ دیگر ریاست پر آسمانی وبال نازل ہونے کا خطرہ ہے اس سے قبل ایک قبائلی اجتماع کے موقعہ پر چیف موسیٰ نے بعض احمدیوں کو اپنے ساتھ شراب پینے کی دعوت دی تھی جسے احمدیوں نے اسلام میں شراب حرام ہونے کی وجہ سے رد کر دیا تھا گو احمدی ہونے سے قبل وہ پی لیا کرتے تھے چنانچہ ان کے اس انکار کو چیف نے اپنی نافرمانی گردان کر انہیں ۱۰ پونڈ جرمانہ کر دیا جو انہیں فوراً ادا کرنا پڑا اور یہ امر پہلے ہی چیف اور احمدیوں کے باہمی تعلقات کی خرابی کا موجب ہو چکا تھا۔ چنانچہ عید کے موقعہ پر چیف نے حکم دے دیا کہ اس کے قصبہ

میں عید کی نماز صرف اس کے اپنے مقرر کردہ امام کے پیچھے پڑھی جائے گی اور اگر کسی نے کسی دوسری جگہ عید پڑھنے کا انتظام کیا تو اسے پکڑ کر سزا دی جائے گی۔ چنانچہ احمدیوں کے امام اور سر کردہ احمدیوں کو اس بناء پر اس نے عید کے بعد تین روز تک زیر حراست رکھا اور تین پونڈ فی کس جرمانہ بھی کیا۔

انہیں دنوں جماعت کی طرف سے وہاں مقرر کردہ لوکل معلم مکرم الفاسنوسی نے جب مسجد میں احمدیوں کو وعظ کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں بتوں کی عبادت کو شرک اور غیر اسلامی فعل قرار دے کر سب احمدیوں کو اس سے کلی طور پر پرہیز کرنے کی نصیحت کی تو چیف موسیٰ نے اسے اپنے بتوں کی ہتک تصوّر کیا اور معلم الفاسنوسی کو سرِ عام نیم برہنہ کر دیا اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالکر دو ہفتہ کے لئے قید کر دیا۔ جس کی منظوری اس نے کسی طرح انگریز ڈی سی سے بھی لے لی۔

خاکسار نے جب ڈسٹرکٹ کمشنر کے پاس چیف کی شکایت کی تو اس نے ہماری جماعت کے خلاف جھوٹے الزامات لگا کر اور کلرکوں کو رشوت دے کر مقدمے کی نوعیت ہی بدل دی اور ڈی سی کو جماعت اور معلّم کے خلاف سخت بدظن کر دیا اس کے بعد ریاست میں واپس آکر اپنے بتوں کے آگے قسم کھاتے ہوئے اعلان کیا کہ اب وہ احمدیوں کو ریاست بدر کر کے چھوڑے گا۔ نیز جو شخص بھی کہے گا کہ شراب حرام ہے مَیں اسے نہیں پیوں گا اسے بلا مقدمہ چلائے دس شلنگ جرمانہ کیا جائے گا۔

اس پر خاکسار دوبارہ ڈی سی سے ملا اور اسے اصل حالات سے آگاہ کر کے جماعت کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ کیا تاہم ڈی سی نے بڑی ہوشیاری سے مجھے یہ جواب دے کر ٹال دیا کہ معاملہ زیر تحقیق ہے اور ادھر چیف کو تسلّی دیتے ہوئے ہدایت کی کہ ہمارے خلاف تمام شکایات باثبوت تحریر کر کے ان کے پاس لائے۔ تاکہ ڈویژنل کمشنر کے سامنے معاملہ پیش کیا جائے۔ چنانچہ چیف نے لمبی چوڑی جھوٹی شکایات لکھکر ڈسٹرکٹ آفس میں بھیج دیں اس پر خاکسار نے چند احمدیوں کے ساتھ ڈویژنل کمشنر سے ملاقات کر کے انہیں صحیح حالات سے آگاہ کیا۔ کمشنر نے فیصلہ کیا کہ چیف قصبہ سے باہر احمدیوں کو مسجد بنانے کے لئے جگہ مہیا کرے اور

ان سے مذہبی امور میں کوئی تعرض نہ کرے۔ تاہم چیف نے عمدًا احمدیوں کو تنگ کرنے کی غرض سے قصبہ سے اس قدر دور مسجد کے لئے جگہ دی کہ وہاں پانچ وقت نماز کے لئے جانا بہت مشکل تھا آخر دوبارہ میری شکایت پر ڈی سی کے حکم سے چیف نے بمشکل قصبہ کے ایک کونے میں ہمیں ایک قطعہ زمین دیا جہاں ہم نے چند دنوں میں مسجد تیار کر لی۔

اور اس طرح بڑی تگ و دو کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جماعت احمدیہ بانڈو پر ابتلا کا یہ لمبا دور ایک حد تک ختم ہو گیا۔ تاہم چیف مذکور جب تک زندہ رہا احمدی باشندوں کو کسی نہ کسی بہانے تنگ کرتا رہا۔ مگر آخر کار وہ شخص اللہ تعالیٰ کی عبرتناک گرفت سے بچ نہ سکا! ور ہماری مسجد بن جانے کے ایک سال کے اندر اندر طویل عرصہ صاحب فراش رہنے کے بعد راہیٔ ملکِ عدم ہؤا۔

بانڈو کا قصبہ اب اس قدر پھیل چکا ہے کہ ہماری وہی مسجد اب آبادی کے وسط میں آگئی ہے۔ اور تعداد میں بھی جماعت نے وہاں غیر معمولی ترقی کی ہے اس جماعت کے پہلے صدر جناب بی۔ کولاہا صاحب مرحوم (B. KOLAHA) اور پہلے امام مسجد الفا فوڈے نوحا مرحوم کے نام اُن کے ایثار و اخلاص اور جماعت کی خاطر مالی قربانیوں اور مبلّغین کرام سے تعاون کی وجہ سے سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

(الفضل ۱۲ مئی ۱۹۴۵ء و تاریخ احمدیت جلد ۷ صفحہ ۳۹۹ تا ۴۰۱)

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی دُعا سے شفایابی

اگرچہ سارے مغربی افریقہ کے ساحلی علاقہ کی آب و ہوا گرم مرطوب ہے، لیکن سیرالیون کی آب و ہوا بارشوں اور جنگلات کی کثرت کی وجہ سے نسبتاً زیادہ تکلیف دہ ہے یا کم از کم آج سے پچیس تیس سال قبل تک تھی اور اس ملک کو یورپین لوگ WHITE MAN'S GRAVE یعنی سفید آدمی کا قبرستان کہا کرتے تھے وہاں پر آج سے چالیس پچاس سال پہلے تک ملیریا۔ زرد بخار، فیل پا، تپ دق، کوڑھ اور بلیک واٹر فیور یعنی خونی بخار نہایت خطرناک بیماریاں سمجھی جاتی تھیں۔ گو اب کافی حد تک ان بیماریوں پر کنٹرول کر لیا گیا ہے اور علاج کے نئے طریقوں ماحول کی صفائی اور نسبتاً بہتر طرزِ رہائش کی وجہ سے اب وہاں ان بیماریوں کا خطرہ بہت کم ہو گیا ہے۔ بلیک واٹر فیور ایسی خطرناک بیماری تھی کہ اس سے جسم کا خون پیشاب کے ساتھ نکلنا شروع ہو جاتا اور مریض زیادہ سے زیادہ اڑتالیس گھنٹے زندہ رہتا۔

احسان الٰہی صاحب جنجوعہ کو خونی بخار ۱۹۳۷ء میں سیرالیون احمدیہ مشن کے قیام کے بعد قادیان سے وہاں جا کر مستقل کام کرنے والے مبلغین میں تیسرا نمبر مکرم احسان الٰہی صاحب جنجوعہ ابن مکرم ماسٹر نور الٰہی صاحب کا تھا وہ ۳۰ نومبر ۱۹۴۴ء کو سیرالیون پہنچے اور تبلیغی کاموں میں مصروف ہو گئے۔ اگست ۱۹۴۵ء میں انہیں اچانک بلیک واٹر فیور کا شدید حملہ ہو گیا انہیں فوراً بو ہسپتال میں داخل کرایا گیا اور صرف چند گھنٹوں میں ہی ان کی حالت تشویشناک ہو گئی۔ خون آمیز پیشاب کی کئی بوتلیں ان کے پاس ڈاکٹری معائنہ کے لئے پڑی ہوئی دیکھ کر خاکسار اور احبابِ جماعت بڑے متفکر ہوئے۔ خاکسار نے فوراً سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی صحت کے لئے بذریعہ ایکسپریس تار دعا کی درخواست کی اور اسی وقت تفصیل سے حضور کو اس مضمون کا خط بھی خاص دُعا

کے لئے لکھ دیا۔ اور خود بھی ہم دعاؤں میں مصروف ہو گئے۔ جنجوعہ صاحب پر نقاہت کی وجہ سے نیم بیہوشی سی طاری تھی ـــ آخر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور حضورؓ کی دعاؤں کی برکت سے تیسرے روز انگریز ڈاکٹر نے مریض کے پیشاب کی رنگت قدرے بدلتی ہوئی دیکھ کر مجھے کچھ تسلی دی۔ اور کہا کہ اب مجھے اس مریض کے بچ جانے کی کچھ امید ہو گئی ہے چنانچہ میں نے صدقہ کا انتظام بھی کیا اور جماعت سے کہا کہ اگلے روز وہ روزہ رکھکر اپنے نو آمدہ مبلغ کی صحت کے لئے خاص دعا کریں۔ الحمد للہ کہ اُس کے خاص فضل و کرم سے تیسرے یا چوتھے روز وہ بولنے اور خود ہی پہلو بدلنے کے قابل ہو گئے اور آہستہ آہستہ چند دنوں میں ان کی صحت بحال ہو گئی۔

ان کے والد محترم کا خواب

عجیب بات ہے کہ مکرم جنجوعہ صاحب پر اس مہلک بیماری کے حملہ کے دوسرے روز یعنی میرا تار قادیان پہنچنے سے پہلے ہی خاکسار کو ان کے والد مکرم ماسٹر نور الٰہی صاحب مرحوم کا قادیان سے تار ملا کہ "مجھے فوراً مطلع کریں میرے بیٹے کا کیا حال ہے مَیں نے اُسے خواب میں شدید بیمار دیکھا ہے"۔ چنانچہ خاکسار نے انہیں بذریعہ تار ہی جواب دے دیا کہ وہ واقعی شدید بیمار ہیں دعا کریں۔ اور بعد میں بذریعہ خط انہیں تفصیلی حالات سے بھی مطلع کر دیا۔

مجھے یقین ہے کہ مکرم جنجوعہ صاحب کا اس مہلک بیماری سے صحت یاب ہو جانا محض اللہ تبارک و تعالےٰ کا فضل اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مسیحی نَفَسْ فرزند جلیل حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی دعا کا کرشمہ ہے ورنہ اس زمانہ میں مغربی افریقہ کے سکولوں میں پڑھائی جانے والی افریقن ریڈر میں بھی لکھا ہوتا تھا کہ بلیک واٹر فیور (BLACK WATER FEVER) کی مہلک بیماری کے حملہ کے بعد اسّی فیصد مریض موت کا شکار ہو جاتے ہیں ؛

ننگے سر نماز پڑھنے کے متعلق خدا اور اس کے رسول کا فرمان

ایک عرب عالم دین سے دلچسپ گفتگو

اب سے تیس پینتیس سال قبل کا واقعہ ہے کہ جولائی ۱۹۴۶ء کے دوران ایک روز یہ خاکسار اور مکرم چوہدری عبدالحق صاحب فاضل ننگلی سابق مبلّغ سیرالیون مسجد احمدیہ "بو" (سیرالیون) میں نماز مغرب پڑھ کر درس القرآن کے لئے احباب جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے۔ کہ موریطانیہ (وسط افریقہ) کے ایک عرب عالم دین الحاج احمد شریف آبّا نامی مسجد میں داخل ہوئے اور بعد السّلام علیکم نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔

مسیح موعود کی بعثت کی اصل غرض

گو وہ انگریزی نہیں جانتے تھے تاہم اپنی نماز ختم کر کے درس قرآن کریم سنتے رہے درس کے اختتام پر ان سے دینی باتیں شروع ہو گئیں اور ان کے بعض سوالات کے جواب میں خاکسار نے انہیں احمدیت کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ ہم حضرت رسول اکرم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر فرزند اور عظیم غلام حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو مسیح موعود یقین کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ صرف یہ ہے کہ قرآن کریم کے مطابق حضرت مسیح ناصری وفات پا چکے ہیں اور وہ یعنی بانیٔ جماعت احمدیہ وہی موعود مسیح محمدی ہیں جن کی آخری زمانہ میں آمد کی پیشگوئی قرآن کریم اور احادیث میں موجود ہے اور وہ اسی طرح کے غیر شرعی اور تابع نبی ہیں جیسے کہ آپ کے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح ناصریؑ آسمان سے نزول کے وقت ہوں گے۔ حضرت بانیٔ جماعتِ احمدیہ نے اپنی کوئی نئی امّت نہیں بنائی اور نہ اب کوئی بنا سکتا ہے بلکہ وہ خود اپنے مطاع حضرت خاتم النبیّین محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں، اور محض اسلام کا بول بالا کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔

اس پر وُہ کہنے لگے حضرت عیسےٰ مسیح ناصریؑ اس وقت آسمان پر تو بے شک نبی ہیں لیکن جب زمین پر نازل ہوں گے تو نبی نہیں بلکہ محض ولی ہوں گے۔ مَیں نے عرض کیا ان کے نزول کی حدیثوں میں تو انہیں بار بار نبی اللہ کہا گیا ہے اور یَھْبِطُ نَبِیُّ اللّٰہ وغیرہ کے الفاظ ان کے لئے استعمال ہوئے ہیں آپ انہیں نزول کے وقت محض ولی کیسے کہہ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ علمائے امّت اور اولیائے کرام بھی لکھ گئے ہیں کہ امّت کے موعود مسیح بحیثیت نبی آئیں گے نہ کہ محض بحیثیت ولی۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بھی بصراحت اس عقیدے کا اظہار فرماتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا۔ مَنْ قَالَ بِسَلْبِ نَبُوَّتِہٖ فَقَدْ کَفَرَ حَقًّا۔ کہ آخری زمانہ میں آنے والے موعود عیسےٰؑ کی نبوّت کا انکار کرنا کفر ہے۔ (حجج الکرامہ)

اس کے بعد کچھ دیر ہمارے درمیان حیات وفاتِ مسیح ناصری علیہ السلام پر بحث ہوئی جس میں وہ چند منٹوں میں ہی لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔

ننگے سر کیوں نماز ادا کی؟

چونکہ انہوں نے اپنے لمبے لمبے بالوں کے ساتھ ننگے سر ہی مسجد میں نماز ادا کی تھی اور اس کے بعد ہمارے پاس بھی وہ ویسے ہی ننگے سر آبیٹھے تھے اس لئے ہماری جماعت کے بعض افریقن دوستوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے عالمِ دین ہوتے ہوئے بلا عذر ننگے سر کیوں نماز ادا کی ہے؟ جبکہ آپ کے پاس تولیہ اور چادر وغیرہ بھی موجود ہے۔ انہوں نے فوراً جواب دیا کہ نماز میں سر ڈھانپنا کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ صرف مرضی کی بات ہے اور میرے نزدیک بالکل غیر ضروری ہے کیونکہ اس بارے میں کتاب وسنّت میں کوئی واضح حکم موجود نہیں ہے۔ اور اس حقیقت سے آپ کے احمدی عالم بھی بے خبر نہیں ہیں۔

بلا عذر ایسا کرنا نماز سے مذاق ہے

چونکہ ان کا یہ جواب درست نہیں تھا اور نہ صرف ہمارے بلکہ دوسرے مسلمان بھائیوں کے مسلک کے بھی خلاف تھا اس لئے اس عاجز نے ان کی بات کاٹ کر اسی وقت انہیں عرض کیا کہ میرے نزدیک نماز پڑھتے وقت سر ڈھانپنا

ضروری ہے گو اس کے بغیر بھی نماز ہو سکتی ہے۔ یعنی جب کوئی مجبوری ہو، یا سر ڈھانپنے کے لئے کوئی چیز یا کپڑا وغیرہ میسر نہ ہو۔ یہ نہیں کہ گھر سے عمداً ٹوپی یا کپڑا لے کر مسجد نہ آئے اور نماز پڑھتے وقت سمجھ لیا کہ مجبوری ہے۔ یہ مجبوری نہیں بلکہ نماز سے مذاق ہے۔ پس بلا معقول عذر ننگے سر نماز ادا کرنا نہایت معیوب اور مکروہ فعل تصوّر ہوگا نیز عمومی طور پر بھی سر ڈھانپنا اور ڈھانپ کر مجالس میں جانا ہمیشہ اسلامی معاشرے کا جزو قرار دیا گیا ہے اور عزّت واحترام کی علامت اور وقار کا معیار سمجھا گیا ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سر ڈھانپنے کو اسلامی معاشرے کا جزو قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے اَنَّ الفرقَ مَابَیْنَنَا وَبَیْنَ الْمُشْرِکِیْنَ العَمَائمُ عَلَی القَلَانسِ کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے کہ ہم پگڑیاں ٹوپیوں پر پہنتے ہیں اور مشرک لوگ ایسا نہیں کرتے۔ یعنی پگڑی یا ٹوپی پہننا اسلامی معاشرے کی علامت ہے ورنہ اگر سر ننگا رکھنا اسلامی معاشرے میں شامل ہوتا تو حضورؐ فرماتے ہم میں اور مشرکوں میں یہ فرق ہے کہ وہ پگڑیاں اور ٹوپیاں پہنتے ہیں اور ہم مسلمان نہیں پہنتے، بلکہ ننگے سر رہتے ہیں پس سر ڈھانپنا نہ صرف نماز میں ضروری ہے بلکہ ہمارے معاشرے کا جزو ہے۔ (ترمذی جلد ا باب اللباس)

کیا صحابہؓ نے بلا عذر ننگے سر نماز ادا کی؟

میرا یہ جواب سُنکر کہنے لگے مَیں آپ سے متفق نہیں ہوں۔ مَیں بھی عالمِ دین ہوں۔ مَیں نے یہ تو پڑھا ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم ننگے سر نماز پڑھا کرتے تھے مگر یہ نہیں پڑھا کہ سر ڈھانپ کر بھی پڑھتے تھے یا نماز میں سر ڈھانپنا رسُولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ضروری قرار دیا تھا مَیں نے عرض کیا آپ ٹھیک ہی کہتے ہوں گے کیونکہ آپ کی نظر سے ایسے حقائق نہیں گزرے ہمارے علم میں تو اس بارے میں حضرت رسُولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا نہایت واضح حکم موجود ہے کہ سر ڈھانپ کر نماز ادا کرنی چاہیئے اور صحابہ کرام نے اگر کبھی ننگے سر نماز ادا کی تو وہ ہمارے نزدیک بلا عذر نہیں تھی بلکہ کسی عُذر

کی بناء پر ننگے سر پڑھی گئی۔

کتاب اللہ سے استدلال

نیز کتاب اللہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے لئے مساجد میں جاتے وقت سر کو پگڑی ٹوپی یا کسی کپڑے سے ڈھانکنا اور مزین کرنا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف) کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت اپنی زینت کے سامان اختیار کر لیا کرو۔ یعنی اللہ تعالےٰ کے سامنے حاضری کے وقت اپنا ظاہر و باطن اور روح و جسم پاک صاف اور ایسے بنا کر جاؤ کہ آپ ہر طرح خوبصورت حسین اور مزین معلوم ہوں گو تصنّع اور ضیاعِ مال کی حد تک نہیں بلکہ سادگی بھی مدِ نظر رہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایک ننگے سر والا انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنے سارے جسم کی زینت اور خوبصورتی کا حتی الوسع پورا پورا سامان کر کے نماز کے لئے مسجد آیا ہوں۔ تمام مفسرین کے نزدیک اس آیت میں زینت سے مراد لباس ہے۔ اور یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ پگڑی ٹوپی رومال یا کوئی اور پہننے کی چیز نماز کے وقت سر پر ڈالنا یا پہننا ننگے سر رہنے کی نسبت زیادہ خوبصورت زیادہ باوقار اور با عزت لگتا ہے۔ نیز یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ اس آیت کے پیش نظر حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں ننگے سر نہیں آیا کرتے تھے۔ پس ننگے سر مسجد میں حاضر ہونے والا اور ننگے سر نماز پڑھنے والا شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے خدا کے گھر جانے یا خدا کے سامنے حاضری سے پہلے اپنے تمام جسم کی زینت اور حُسنِ ظاہری کا حسبِ استطاعت پورا پورا خیال کر لیا تھا۔ بلکہ اس کا یہ فعل مذکورہ بالا آیت کی خلاف ورزی اور سنّتِ نبویؐ سے بے اعتنائی اور لا پرواہی کا مظاہرہ ہوگا۔ کیونکہ خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ کے ارشاد کی صحیح طور پر تعمیل کرنے سے وہ قاصر رہا ہوگا۔ یہ الگ بات ہے اور قابلِ درگذر ہے کہ غربت بیماری یا اور کسی مجبوری کی وجہ سے کسی مسلمان کو ننگے سر ہی مسجد میں جانا یا خدا کے حضور حاضر ہونا پڑ جائے۔

رسولِ خدا کا واضح حکم

اس کے بعد خاکسار نے انہیں عرض کیا کہ اگر آپ

اس وقت ہمارے ساتھ احمدیہ دار التبلیغ میں تشریف لے چلیں تو وہاں پر لائبریری سے ہم آپ کو اپنے موقف کی تائید میں حدیثِ نبویؐ بھی دکھا سکتے ہیں۔ بلکہ ہم پسند کریں گے کہ آج آپ ہمیں اپنی مہمانی کا شرف عطا کریں۔ اور یہ رات ہمارے ساتھ ہی گزاریں تاکہ بے تکلفی سے برادرانہ طور پر باہم تبادلہ خیالات ہو سکے۔ اور غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔ چنانچہ ہماری پیشکش پر انہوں نے وہ رات ہمارے ساتھ احمدیہ دار التبلیغ میں گزاری جہاں پر خاکسار نے حدیث کی مشہور کتاب کَشْفُ الْغُمَّةِ عَنْ جَمِیْعِ الْاُمَّةِ سے مندرجہ ذیل حدیث اس مسئلہ پر انہیں دکھائی۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِسَتْرِ الرَّأْسِ فِي الصَّلٰوةِ بِالْعِمَامَةِ اَوِ الْقَلَنْسُوَةِ وَنَهٰى عَنْ كَشْفِ الرَّأْسِ فِي الصَّلٰوةِ وَكَانَ يَقُوْلُ اِذَا اَتَيْتُمُ الْمَسَاجِدَ فَأْتُوْهَا مُعَصَّبِيْنَ وَالْعِصَابَةُ هِيَ الْعِمَامَةُ۔ (جلد ۱ صفحہ ۱۵۸)

کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو نماز کے دوران پگڑی یا ٹوپی پہننے کا حکم فرمایا کرتے تھے نیز فرمایا کرتے تھے کہ جب تم مسجدوں میں نماز کے لئے آؤ تو سر پر کچھ لپیٹ کر یعنی پگڑی کی طرح کچھ باندھ کر آیا کرو۔

غلط طریق کی ممانعت

اسی طرح خاکسار نے ان پر یہ بھی واضح کیا کہ سر پر کپڑا باندھنے سے یہ مراد نہیں کہ رومال کی طرح کا کوئی چھوٹا سا کپڑا سر کے گرد لپیٹ لیا جائے درآنحالیکہ سر کا وسطی حصّہ ننگا رہے۔ بلکہ پورا سر ڈھانپنا مراد ہے۔ چنانچہ کتاب "نور الایضاح" میں لکھا ہے کہ

وَيُكْرَهُ لِلْمُصَلِّي الْاِعْتِجَازُ وَهُوَ شَدُّ الرَّأْسِ بِالْمِنْدِيْلِ وَتَرْكُ وَسْطِهَا مَكْشُوْفًا اَوْ مَكْشُوْفَ الرَّأْسِ یعنی نماز میں سر کے گرد رومال کا سا کپڑا ایسے طور پر

باندھ لینا کہ سر کا وسطی حصّہ ننگا رہے یا سر کو بالکل ننگا رکھنا دونوں صورتیں معیوب ہیں۔ (صفحہ ۱۰۶ و صفحہ ۱۰۷)

چنانچہ مندرجہ بالا دونوں حوالے اصل اور مستند کتب میں دیکھکر وہ عرب بھائی حیران رہ گئے اور کہنے لگے آپ نے بالکل درست فرمایا ہے اور اس مسئلہ میں آپ کا موقف درست ہے جب یہ حضرت سرورِ کائنات شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہے تو ہمیں بہرحال سر ڈھانپ کر نماز پڑھنی چاہیئے۔ اس کے بعد وہ تقریباً ایک سال سیرالیون میں رہے اور اگرچہ احمدی نہ ہوئے لیکن احمدیت سے حُسنِ ظن رکھتے رہے اور دوسرے عرب علماء کو بھی ہماری مخالفت کرنے سے باز رکھتے رہے اور کہا کرتے تھے کہ یہ احمدی عالم لوگ حقیقی معنوں میں مجاہدینِ اسلام ہیں ان کی ہر مسلمان کو مدد کرنی چاہیئے۔ نیز کبھی کبھی ہماری مسجد میں آکر ہمارے ساتھ سر ڈھانپ کر نماز بھی پڑھتے رہے۔ وفاتِ مسیح اور ہمارے اکثر معتقدات کی صداقت کے معترف ہو گئے تھے۔ گو شاید اپنے خاندان یا ملک کے لوگوں کی مخالفت کے خوف سے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی جماعت میں داخل نہ ہو سکے تاہم میرے سامنے علیحدگی میں کئی بار انہوں نے کہا کہ میں اعتراف کرتا ہوں کہ امام مہدیؑ کے ظہور کا زمانہ یہی ہے اور آپ کی جماعت کے بانی علیہ السلام یقیناً سچے مہدیؑ ہیں اور میں دل میں انہیں اپنا امام تسلیم کر چکا ہوں مجھے بیعت پر مجبور نہ کریں۔

حضرت مصلح موعودؓ کا فرمان

ننگے سر نماز پڑھنے کے متعلق سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ

"ایسی صورت میں ننگے سر نماز پڑھنا غلط ہے جبکہ سر ڈھانپنے کے لئے کوئی کپڑا وغیرہ مل سکے کئی صحابہؓ ننگے سر نماز پڑھتے تھے مگر ان کے پاس سر ڈھانپنے کے لئے کپڑا نہیں ہوتا تھا۔"

(الفضل ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۶ء)

ایک خلافِ اسلام قبائلی رسم جسے احمدیت نے ختم کیا

آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھنے سے موت کا وہم

کسی زمانہ میں سیرالیون کے ضلع مابونٹو (MABONTO) اور دیگر قریبی اضلاع میں بعض مشرک قبائل کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کے چیف اور سردار کو کسی صورت اور کسی حال میں بھی اپنا چہرہ شیشہ میں نہیں دیکھنا چاہیئے اور جو ایسا کرتا ہے وہ کسی حادثہ کا شکار ہو کر جلد ہلاک ہو جاتا ہے یا طبعی موت اسے کسی نہ کسی صورت میں آناً فاناً آدبوچتی ہے۔ چنانچہ سیرالیون میں احمدیہ مشن کے ابتدائی زمانہ میں بعض مشرک چیف اور سردار باوجود اسلام قبول کر لینے کے اس جاہلی اور مشرکانہ عقیدے کو کلیۃً نہ چھوڑ سکے تھے اگرچہ اب وہاں بفضلِ خدا اسلام اور احمدیت کے اثر و نفوذ کی وجہ سے نہ صرف نو مسلم احمدی بلکہ خود مشرک لوگ بھی اس قسم کے عقائد و رسوم سے بیزار ہو چکے ہیں۔ ان ریاستوں کے پیرامونٹ چیفوں[1] کی ایک اہم نشانی یہ بھی ہوا کرتی تھی کہ ان کے ناک کے وسطی حصّہ کو چھید کر وہاں خالص سونے کا ایک عجیب سا زیور ڈالا جاتا تھا جو وہ زندگی بھر پہنے رہتے تھے۔

ایک مخلص اور مثالی احمدی

نومبر ۱۹۴۶ء میں ایک مرتبہ خاکسار کو ضلع مابونٹو کی ایک ریاست کے مرکزی قصبہ ماتوتوکا (MATOTOKA) میں احمدیہ مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں چند روز ٹھہرنا پڑا۔ اس زمانہ میں اُس ریاست کے پیرامونٹ چیف بائی کافرے BAI KAFARE نامی ایک نوجوان تھے جو وہاں کے ایک نہایت ہی مخلص اور مخیّر مُٹنی سردار مکرم بشیر تقی مرحوم کے بڑے صاحبزادے تھے احمدیہ مسجد کے لئے وہاں زمین اور سب عمارتی سامان بشیر تقی صاحب نے ہی مہیّا کیا تھا لیکن افسوس وہ مسجد کے پایۂ تکمیل کو پہنچنے سے پہلے ہی بتقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ مرحوم حقیقی معنوں

ہیں اسلامی اخلاق درروایات کا پیکر اور مثالی احمدی تھے اللہ تعالےٰ ان کی مغفرت کرے اور درجات بلند فرمائے۔

چیف بائی کافرے گو باپ سے لمبا عرصہ دُور رہنے اور فوجی ملازمت کی وجہ سے احمدیت اور اسلام کی حقیقت سے عملاً بے بہرہ رہے تاہم پیرامونٹ چیف ہو جانے کے بعد وہ بھی اپنے والد ماجد کے ساتھ ان کی نسبت سے وہ بھی احمدی چیف ہی کہلاتے تھے اور احمدی مبلغین کرام کے خیر مقدم ان کی امداد اور خاطر و مدارات میں انہوں نے کوئی کمی نہ آنے دی جس کی ایک وجہ ان کی والدہ کا مخلص احمدی ہونا بھی تھا۔ جن کا نام زینب تقی تھا اور ایک نیک اور تہجد گزار خاتون تھیں۔

خاکسار ان دنوں چیف بائی کافرے کے بنگلے میں ہی مقیم تھا۔ ایک روز وہ شکار اور جنگل کی سیر کے لئے مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ ہمارے راستے میں ایک دریا بھی آتا تھا جسے ہم نے فیری (FERRY) کے ذریعہ عبور کرنا تھا۔ چنانچہ دریا پر پہنچکر ہم سب ٹرک پر سے اُتر پڑے جب ٹرک لکڑی کی کشتی نما فیری پر لاد دیا گیا تو فیری چل پڑی جسے پانچ دس آدمی تار کے ذریعہ کھینچ رہے تھے۔ مَیں چونکہ چیف بائی کافرے کے ساتھ ہی سوار ہُوا تھا اس لئے میری پریشانی اور تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب مجھے فیری پر چیف صاحب نظر نہ آئے حالانکہ دیگر سب ساتھی موجود تھے۔

چیف نے سیاہ رومال میں چہرہ چھپا لیا

پہلے تو میری آنکھیں چیف بائی کافرے کو اِدھر اُدھر تلاش کرتی رہیں۔ مگر جب وہ انہیں ڈھونڈنے سے قاصر رہیں تو مَیں بہت متفکر ہُوا۔ حتیٰ کہ میرے دل میں یہ بظاہر ناممکن خیال بھی آیا۔ کہ کہیں پاؤں پھسلنے کی وجہ سے وہ اس بھرے دریا میں نہ گر گئے ہوں چنانچہ اپنے سے دو قدم دور کھڑے ایک احمدی بھائی سے میں نے بڑی گھبراہٹ کے عالم میں دریافت کیا کہ چیف بائی کافرے کہاں ہیں" تو اس نے مسکراتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں مجھے جواب دیا کہ وہ قدیم رسمی عقیدے کے مطابق ٹرک کی پچھلی جانب سیاہ رومال میں اپنا منہ

لپیٹے کھڑے ہیں تاکہ کہیں دریا کے پانی میں وہ اپنا چہرہ دیکھ کر اپنے ہی ہاتھوں اپنی ہلاکت نہ سہیڑ لیں — اور اس طرح یہ پہلا موقعہ تھا کہ مجھے اس علاقہ کی اس عجیب قبائلی رسم یا عقیدے کا علم ہوا۔

چیف بائی کافرے چونکہ تعلیم یافتہ تھے اور جنگِ عظیم دوئم کے دوران بطور فوجی کئی دوسرے ملکوں میں بھی رہ آئے تھے اور ملک کے احمدی مسلمان چیفوں میں شمار ہوتے تھے اس لئے دریا عبور کرنے کے بعد میں نے بڑے بے تکلفانہ انداز میں انہیں سمجھایا کہ یہ کیا فضول خلافِ اسلام مشرکانہ اور جاہلانہ رسم آپ لوگوں نے اختیار کر رکھی ہے۔ مہذب دنیا ایسی رسوم کی وجہ سے آپ کا مذاق اڑاتی ہے۔ کہنے لگے "الحاج صدیق! آپ کا کہنا بالکل بجا ہے میں جانتا ہوں یہ رسم یا عقیدہ محض وہم اور جہالت پر مبنی ہے اور مجھے اپنا چہرہ دیکھنے میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ مگر کیا کیا جائے میری جس رعایا نے مجھے اپنا سربراہ اور چیف بنایا ہوا ہے اور میرے حق میں ووٹ دیئے ہوئے ہیں وہ اب تک اسی قدیم عقیدے پر قائم ہے اس لئے مجھے بھی ہر قسم کے قبائلی امور میں فی الحال ان کا ہی ساتھ دینا پڑتا ہے۔ تاہم آہستہ آہستہ یہ سب غیر اسلامی رسوم انشاء اللہ ختم ہو جائیں گی۔

یاد رہے کہ یہ واقعہ اب سے تقریباً تیس پینتیس سال اُدھر کا ہے اب ملکی آزادی کے بعد سے سیرالیون کے حالات بڑی سرعت سے بدل رہے ہیں۔ اور ملک ہر لحاظ سے ترقی کر رہا ہے۔ اور احمدیت کے پیش کردہ حقیقی اسلام کے ذریعہ اب اس قسم کے فرسودہ رسم و رواج اور مشرکانہ عقائد ختم ہوتے جا رہے ہیں۔

ایک مثالی وقارِ عمل

جب ۱۹۴۷ء میں "بو" احمدیہ سینٹرل سکول کی عمارت مکمل ہوئی اور سکول اپنی کارکردگی کے لحاظ سے اس معیار پر پہنچ گیا کہ محکمۂ تعلیم کے قواعد کے مطابق گورنمنٹ گرانٹ کا مستحق قرار پا سکے تو اس عاجز نے بطور جنرل مینیجر احمدیہ سکولز ڈائریکٹر تعلیم کو درخواست بھیجی کہ سکول کا معائنہ کر کے اُسے گورنمنٹ کے گرانٹ یافتہ سکولوں میں شامل کیا جائے۔ ڈائریکٹر صاحب تعلیم نے ہمیں لکھا کہ ضلع کے انسپکٹر آپ سکولز عنقریب سکول کے معائنہ کے لئے آرہے ہیں ان کی رپورٹ کے بعد گرانٹ کا فیصلہ ہو سکے گا۔

لیکن سکول شے معائنہ کی تاریخ سے تین روز قبل سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے مجھے اطلاع دی کہ طلبہ کی تعداد کے لحاظ سے ان کے بیٹھنے کے لئے سکول میں ابھی مجموعی طور پر ۲۰ ڈبل ڈیسکوں کی کمی ہے جسے فوری طور پر پورا کیا جانا ضروری ہے۔ ورنہ ممکن ہے فرنیچر کی کمی کی بناء پر انسپکٹر صاحب گرانٹ کی سفارش کرنے سے انکار کر دیں۔ اتفاق سے ان دنوں مالی لحاظ سے اتنی جلدی اتنی تعداد میں ڈیسک بنوانے ہمارے لئے ممکن نہ تھے۔ نیز "بو" شہر میں اس وقت اتنی جلدی یہ کام مکمل کر دینے والا بڑھئی ملنا بھی محال تھا تاہم یہ کام مکمل کئے بغیر چارہ بھی نہ تھا۔

ایک واقفِ زندگی کا عزم و ایثار

الغرض یہ عاجز پریشانی کے عالم میں ۲ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو بوقتِ عصر مشن ہاؤس میں اکیلا بیٹھا سوچ رہا تھا کہ کیا صورت کی جائے کہ اچانک محترم چوہدری احسان الٰہی صاحب جنجوعہ واقف زندگی کینیما (KENEMA) ڈویژن کے تبلیغی دورہ سے واپس "بو" پہنچ گئے۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے "آپ پریشان سے لگ رہے ہیں کیا بات ہے؟" مَیں نے اپنی پریشانی کی وجہ بتائی تو کہنے لگے کہ

"ایک واقفِ زندگی مبلّغ کو ہر فن مولا ہونا چاہیئے لوہے اور لکڑی کے کام کی مجھے بھی کچھ سُدھ بُدھ ہے۔ اور آپ بھی ابھی جوان ہیں آیئے آپ میری مدد کریں اور ایک دو لڑکوں کو بھی ساتھ لگا لیں میں دو تین روز میں سکول کے معائنہ سے پہلے پہلے مطلوبہ ڈیسک تیار کر دوں گا۔"

میں نے ان کی بات کو مذاق سمجھ کر کہا "میں پریشان بیٹھا ہوں اور آپ کو مذاق کی سُوجھ رہی ہے۔ یہ تو بڑھئی لوگوں کا کام ہے آپ یونہی لکڑی ضائع کر دیں گے سکول کے معیاری ڈیسک تیار کرنا کوئی آسان کام نہیں۔"

کہنے لگے:۔

"آپ مجھے اوزار اور لکڑی مہیّا کر دیں اگر صحیح اور قابلِ استعمال ڈیسک تیار نہ ہوئے اور نقصان ہو گیا تو نقصان کی تلافی کا میں ذمہ دار ہوں گا۔ میں نے یورپین اور امریکن عیسائی مشنریوں کو بڑی لگن اور محنت سے اپنے مشن کا عمارتی کام کرتے دیکھا ہے۔ اگر وہ اپنے مشن کی خاطر ایسے دستی کام کر سکتے ہیں تو ہم واقفین زندگی مبلّغین کو تو ان سے بھی زیادہ اچھا نمونہ پیش کرنا چاہیئے"۔

پندرہ ڈیسک تیار کر لئے

مکرم جنجوعہ صاحب کے اس اظہار عزم و ایثار سے میری پریشانی کم ہو گئی اور دل پر جو بوجھ تھا وہ ہلکا ہو گیا میں نے انہیں کہا "بہت اچھا آیئے ہم دونوں ہمّت کرتے ہیں۔ پیشہ ورانہ کام Skilled Labour کے آپ ذمّہ دار ہوں گے اور مزدور unskilled labourer کے طور پر میں خود آپ کے ساتھ کام کرونگا۔

سکول کی نئی عمارت کی بچی ہوئی عمارتی لکڑی ہمارے پاس موجود تھی اور پرانے ٹوٹے ہوئے ڈیسکوں کے تراشیدہ قابلِ استعمال ٹکڑے بھی سکول میں پڑے تھے اور اوزار بھی حسبِ ضرورت سکول کے سٹور سے مل سکتے تھے چنانچہ خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے اگلے روز صبح ہی سکول کے ایک دو لڑکوں کو ساتھ ملا کر ہم دونوں نے کام شروع کر دیا اور متواتر کئی کئی گھنٹے تین روز تک ہم کام کرتے

رہے جس کے نتیجہ میں ہم نے خدا کے فضل اور اس کی مدد سے تین روز میں پندرہ صاف ستھرے معیاری ڈبل ڈیسک تیار کر کے ہیڈ ماسٹر صاحب کے حوالے کر دیئے۔

چنانچہ مقررہ تاریخ پر ہمارے سکول کا باقاعدہ معائنہ ہُوا جس کے نتیجہ میں خدا کے فضل و کرم سے ہمیں ۷۵ فی صد بلڈنگ گرانٹ کے علاوہ حسب دستور ہر ماہ کی تنخواہیں اور سائر اخراجات صد فی صد ملنے لگ گئے۔ فالحمدُ للّٰہِ تعالیٰ۔

اس موقع پر یہ ذکر کر دینا بھی بے موقع نہ ہوگا کہ اس سکول کی وسیع و عریض عمارت کے لئے مشن کو اینٹوں کی ضرورت پیش آئی تو خاکسار نے "بو" سے قریب کی احمدیہ جماعتوں میں تحریک کی کہ مخلصین وفود کی صورت میں "بو" آکر وقارِ عمل کے ذریعہ مطلوبہ تعداد میں اینٹیں تیار کریں۔ چنانچہ "لو" باڈوماہون ماناڈو، بانڈو، بلاما، والے ہون وغیرہ جماعتوں سے باری باری متعدد وفود آکر اس عمارت کی تکمیل تک طوعی طور پر یہ کام کرتے رہے اور ہزاروں کی تعداد میں اینٹیں تیار کر کے واپس گئے۔ نیز بعض احمدی طوعی طور پر محض خدا کے لئے مستریوں کے ساتھ کئی کئی روز بطور مزدور کام کرتے رہے یہانتک کہ یہ عمارت مکمل ہو گئی۔ اللہ تعالےٰ ان سب کو بہتر جزا عطا فرمائے۔ آمین ؛

ایک مخالفِ حق تاجر کا عبرتناک انجام

سیرالیون کی لُونیاں (LONYA) چیفڈم کا قصبہ باڈ ماہون جہاں سے اس ملک کے طول و عرض میں احمدیت پھیلی اور جہاں کے بیسیوں مخلص احمدیوں نے ملک کے دور دراز علاقوں میں پھیل کر جگہ جگہ احمدیت کا بیج بویا محض اپنی سونے کی کانوں کی وجہ سے آباد تھا۔ جب ۱۹۴۵ء میں سونے کی کھدائی کا کام ختم ہو گیا تو اس قصبے کی آبادی ایک چوتھائی سے بھی کم رہ گئی اور عرب لبنانی تاجر بھی وہاں سے دوسرے علاقوں میں ہجرت کر گئے۔ البتہ ہمارے مخالفین میں سے ایک لبنانی تاجر مسمّٰی یوسف کاکہ اچونکہ لوکل

پیرامونٹ چیف کا داماد تھا اس لئے وہ کہیں نہ جا سکا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اتنا مالدار اور بااثر ہو گیا کہ قصبہ کے لوگ اکثر معاملات میں اس کے محتاج ہو کر رہ گئے اور جو شخص بھی اس کی مرضی کے خلاف چلتا وہ اس کے یا پیرامونٹ چیف کے مظالم کا نشانہ بنا رہتا اور مخالفت کا یہ سلسلہ سالہا سال تک جاری رہا۔

احمدی احباب کا مسلّم نیک نمونہ چونکہ وہاں کے احمدی احباب اپنی دیانتداری اور شرافت کی وجہ سے ریاست بھر میں مشہور ہو چکے تھے اس لئے یوسف کا کرا جب کبھی بھی قصبہ سے باہر سفر پر جایا کرتا یا کبھی شکار کھیلنے کے لئے جاتا تو اپنی دکان وغیرہ اپنے بیوی بچوں کے سپرد کرنے کے بجائے کسی معمّر احمدی بزرگ کے سپرد کر جاتا۔ اور کہا کرتا کہ کاش احمدیوں کے عقائد بھی اسی طرح سچے ہوتے جس طرح اُن کا نمونہ سچّا اور ٹھیٹھ اسلامی ہے۔ احمدی احباب اسے ہمیشہ یہ جواب دیتے کہ جھوٹے عقائد کبھی نیک اور سچّا اسلامی نمونہ پیدا نہیں کر سکتے۔ اور کڑوا درخت کبھی میٹھے پھل نہیں دیتا۔

ایک پبلک پُل توڑ دیا لیکن باوجود احمدیوں کی نیکی اور شرافت اور ان کے اعلیٰ نمونہ کا قائل ہونے کے یوسف کاکرا احمدیت کی مخالفت اور احمدیوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتا حتیٰ کہ مالی مدد کا لالچ دے کر احمدی مسلمانوں کو مرتد کرنے کی بھی کوشش کیا کرتا۔ قصبہ کا قدیم عیسائی سکول احمدیہ سکول کی گوناگوں افادیت اور مقبولیّت کی وجہ سے بند ہو گیا تھا لیکن یوسف نے مسلمان ہونے کے باوجود امریکن عیسائی مشن کو اپنی مالی مدد کا جھانسہ دے کر ہمارے مقابل پر اُن کا سکول دوبارہ کھلوانے کی کوشش بھی کی مگر ناکام رہا۔ کیونکہ عیسائی سکول کو طلبہ کی مطلوبہ تعداد نہ مل سکی۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک احمدی تاجر کا ٹرک "بو" سے ضروری سامان لے کر باڈماہون آرہا تھا کہ یوسف نے اپنے آدمی بھیجکر رات کے وقت اس راستے کا ایک لکڑی کا پُل ناکارہ کر دیا۔ اور

اگر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل شاملِ حال نہ ہوتا تو وہاں بہت بڑا حادثہ ہو جاتا۔ کیونکہ ڈرائیور کو صرف عین موقعہ پر پہنچکر علم ہوا کہ پل توڑ دیا گیا ہے اور ٹرک کو وہاں پر بڑی مشکل سے روکا گیا۔ ورنہ ٹرک نیچے نالے میں گر جاتا چنانچہ یوسف کی اس ظالمانہ حرکت کی وجہ سے اس رات مجھے بھی "بو" سے باڈو ماہون پہنچنے کے لئے دو میل کا فاصلہ پیدل طے کرنا پڑا۔ کیونکہ یہ خاکسار بھی اس ٹرک میں سوار تھا اسی طرح بعض احمدیوں کے خلاف جھوٹے الزام لگا کر پیراماونٹ چیف کی عدالت سے وہ جرمانے بھی کروا دیا کرتا۔ نیز محض ہمیں تنگ کرنے کے لئے ہمارے باڈوماہون دار التبلیغ کے بالکل آگے سڑک پر اپنے قابلِ مرمت ٹرک کھڑے کر دیتا اور ہمارا احتجاج ہمیشہ صدا بصحرا ثابت ہوتا۔ ایک مرتبہ ہمارے سکول کے ایک احمدی ٹیچر کو محض اس جھوٹے الزام پر اس نے تھپڑ مار دیا کہ ٹیچر نے اس کے بچوں کو زدوکوب کیا ہے حالانکہ بچے چونکہ عادتاً سکول میں لیٹ آتے تھے۔ اس لئے ٹیچر نے ایک روز انہیں گھر واپس کر دیا تھا۔ اسی طرح دو احمدی جو اس کے اپنے ملازم تھے ان کے سامنے وہ عمداً سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کرتا رہتا۔

عبرتناک انجام الغرض جب ہم یوسف کاکرا کی مخالفانہ کارروائیوں سے تنگ آ گئے تو خاکسار نے باڈوماہون کی جماعت کو ہدایت کی کہ ہر نماز اور خصوصاً نمازِ تہجد میں وہ متواتر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس عرب کو اپنے فضل سے ہدایت نصیب کرے یا ہمارے راستہ سے ہٹا دے۔ نیز سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی پریذیڈنٹ جماعت باڈوماہون نے یہ حالات پیش کر کے دعا کی درخواست کی۔ چنانچہ اس کے چھ ماہ بعد اس بے عمل اور مخالفِ احمدیت کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے ناقابل سمجھ کر ہمارے راستہ سے ہٹا دیا۔ ایک روز اس نے ورزش کرنے کے بعد فوراً ٹھنڈے پانی سے غسل کر لیا جس سے اسے شدید بخار ہو گیا جو چند گھنٹوں میں ڈبل نمونیہ میں تبدیل ہو گیا اس کی بیوی علاج کیلئے اسے "بو" گورنمنٹ ہسپتال لے گئی جہاں وہ اسی رات فوت ہو گیا اور اب نہ صرف اس کا بلکہ اسکی قبر کا بھی نام و نشان مٹ چکا ہے البتہ احمدیت کے ذریعہ اسلام سیرالیون میں اب بھی دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اضطراری دعا کا معجزانہ اثر

قرآن کریم میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت دی ہے کہ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ کہ مَیں عالمین کا سمیع و مجیب خدا پکارنے والے کی پکار اور دعا کو سنتا اور قبول کرتا ہوں اور خصوصًا اضطراری حالت میں کیگئی دعا کو کسی نہ کسی رنگ میں ضرور شرفِ قبولیت بخشتا ہوں۔ ارشادِ ربّانی ہے۔

"اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ"

یعنی اے خدا کے منکرو! اگر خدا کی ہستی اور وجود کوئی چیز نہیں تو بتاؤ مصیبت زدوں اور خطرناک حوادث سے دوچار ہونے والوں کی اضطراری پکار اور التجاؤں کو سُنکر کون انہیں بچاتا ہے۔

جلسہ سالانہ ۱۹۷۵ء کے موقعہ پر سیرالیون (مغربی افریقہ) سے جو وفد جلسہ میں شمولیّت کے لئے ربوہ آیا تھا اس میں سلسلہ کے ایک پرانے خادم اور مخلص احمدی بزرگ الحاج علی روجرز بھی شامل تھے جو تقریبًا بیس سال سیرالیون میں میرے دستِ راست رہے اور وہاں کی جماعتوں کے قیام و استحکام کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی حیثیت کے مطابق ہر قسم کی قربانیاں کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ جلسہ کے بعد ربوہ میں ایک روز باہمی گفتگو کے دوران ہم سیرالیون میں تبلیغ اسلام اور مشن کے قیام کے پرانے واقعات کی یادیں تازہ کر رہے تھے کہ الحاج علی راجرز نے مجھے ۱۹۴۸ء کا ایک ایمان افروز واقعہ یاد دلایا، جو ذرا تفصیل سے نیچے درج کیا جاتا ہے:۔

مئی ۱۹۴۸ء میں جب اسرائیل کی یہودی ریاست سامراجی طاقتوں کی طرف سے قائم کردی گئی تو فلسطین کی غیر منصفانہ تقسیم اور وہاں سے عربوں کے انخلاء اور یہودیوں کے اس نام نہاد قومی وطن کے قیام کے خلاف نہ صرف جماعت احمدیّہ کے مراکز ربوہ اور قادیان سے عربوں پر اس ظلمِ عظیم کے خلاف متواتر احتجاج کیا گیا بلکہ بیرونِ پاکستان بھی دنیا بھر کی بڑی بڑی احمدیّہ جماعتوں اور

مشنوں کی طرف سے اس فتنہ کے خلاف آواز اُٹھائی گئی۔

اس سلسلہ میں سیرالیون میں بھی مختلف احمدیہ مراکز میں (پُرامن طور پر) احتجاجی جلسے کئے گئے اور جلوس نکالے گئے تھے۔ وہاں کے عرب تاجروں اور مسلم اکثریت نے انگریزوں کے حکمران ہونے کے باوجود ہم سے اس سلسلہ میں پورا پورا تعاون کیا۔ چنانچہ سیرالیون کے شمالی علاقہ کے شہر مگبورکا میں ایک اہم جلسے اور جلوس کا انتظام جون ۱۹۴۸ء میں کیا گیا جس کے جملہ انتظامات اس وقت مگبورکا سیکشن کے لوکل انچارج مکرم مولوی بشارت احمد صاحب بشیر ایم۔اے نے کئے۔ اردگرد کی احمدیہ جماعتوں کے اکثر احباب اور ہمارے سکولوں کے سٹاف وطلبہ کے علاوہ کئی لوکل پیراماونٹ چیف اور ان کے وزراء اور دیگر غیر از جماعت لوگ کثرت سے اس میں شامل ہوئے۔

عرب تاجر نہ صرف تمام کارروائی میں شریک ہوئے بلکہ مکرم مولانا بشیر صاحب اور خاکسار کے علاوہ ان کے دو لیڈروں نے قیام اسرائیل کے خلاف پُرجوش تقاریر بھی کیں اور جلسہ کے اخراجات کا ایک حصّہ بھی انہوں نے برداشت کیا۔

خاکسار اس وقت مشن کے مرکزی دارالتبلیغ "بو" (BO) میں مقیم تھا۔ جہاں سے مگبورکا تقریباً ساٹھ ستّر میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ چنانچہ اس پروگرام میں شمولیّت کے لئے خاکسار اور جماعت کے سرکردہ احباب اور احمدیہ سکول کے سٹاف اور بڑی کلاسوں کے طلبہ دو لاریوں میں بوقتِ صبح نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے اور اللہ تعالےٰ کی حمد کے ترانے گاتے ہوئے "بو" سے مگبورکا روانہ ہوئے راستہ میں دو اہم دریا تھے جنہیں فیری (FERREY) کے ذریعہ عبور کرنا تھا۔ ایسی فیریوں کو اس وقت آٹھ دس آدمی لوہے کی زنجیر سے کھینچا کرتے تھے ایک فیری (لکڑی کا بڑا ساتختہ) میں بمشکل دو لاریاں سماسکتی تھیں ہمارے اس راستہ کا دوسرا دریا مگبورکا سے سات آٹھ میل اس طرف تھا۔ اب تو وہاں سب دریاؤں پر پُل بن گئے ہیں اس وقت فیری اور سڑک کی وہ جگہ بڑی خطرناک سمجھی جاتی تھی اور لاری اور گاڑی کے دریا میں گر جانے کے کئی حادثات

بھی ہو چکے تھے۔ کیونکہ اس جگہ سڑک نہایت تنگ ہو کر ایک پہاڑی کی چوٹی سے نیچے گہرائی میں یکدم سیدھی دریا کو جاتی تھی اور اُترائی کا یہ فاصلہ دریا تک تقریباً آدھ فرلانگ لمبا تھا۔

خاکسار اگلی لاری میں ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر سوار تھا اور پچھلے حصے میں احمدیہ سکول کے سٹاف ممبران اور طالب علم تھے محترم الحاج علی روجرز صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی محمد ابراہیم صاحب آف لابلا مرحوم بھی اسی لاری میں اپنی ساری آل اولاد کے ساتھ سوار تھے۔ ہرچند کہ ہماری یہ لاری اچھی بھلی تھی لیکن اتفاق سے عین اس وقت جب ہم پہاڑی کی چوٹی سے نیچے کی سمت رواں تھے مَیں نے دیکھا کہ لاری پوری تیزی سے نیچے کی طرف جارہی ہے اور ڈرائیور پریشان ہے میں نے ڈرائیور کی طرف دیکھا تو اس نے نہایت سہمی ہوئی آواز سے وہاں بولی جانے والی انگریزی میں مجھے کہا. MASTER, BRAKE DAWNE FAIL کہ جناب بریک فیل ہو چکی ہے پھر میں نے دیکھا کہ ڈرائیور سٹیرنگ خالی چھوڑ کر باہر چھلانگ لگانے یا شاید بچنے کے لئے اپنے دائیں طرف جھک گیا ہے۔ تب مجھے اس خطرہ کا احساس ہوُا کہ اب ہماری لاری یکدم فیری کے تختہ کے اوپر سے گزرتی ہوئی دریا کے وسط میں جا گرے گی جس کی گہرائی سے کسی کا بچ نکلنا خدا کے فضل کے بغیر ناممکن تھا۔ لاری میں لڑکوں نے بھی ڈر کے مارے چیخنا شروع کر دیا اور اس منظر سے خاکسار خود بھی سخت گھبرا چکا تھا کیونکہ سامنے دریا پر موت نہایت بھیانک شکل میں مُنہ کھولے نظر آرہی تھی۔

تاہم حواس باختگی کے عالم میں جس طرح انسان جان بچانے کیلئے آخری تیر بھی اپنے ترکش سے نکال کر چلا دیتا ہے خاکسار نے بھی اس وقت کانپتے ہوئے ہونٹوں سے اپنے خدا سے نہایت درد گھبراہٹ اور ناقابلِ بیان کرب کی حالت میں یوں التماس کی کہ

"اے بحر و بر کے مالک! یہ خاکسار اپنے جملہ گناہوں اور کمزوریوں کے باوجود اس دور دراز ملک میں تیرے پیارے مسیح کی نمائندگی میں تیرے اتنے بندوں کو ایک نیک کام کے لئے دریا کے اُس پار

لے جا رہا ہے اس وقت تیری رحمت کے خاص ہاتھ کے سوا ہمارے
بچاؤ کی کوئی صورت نہیں تو ہی رحم کر اور اپنے فضل سے ہمیں
بچا لے۔

اتنے میں وہ لمبا چوڑا دریا ہم سے صرف چند گز کے فاصلے پر رہ گیا۔ پتہ نہیں میں یہ اضطراری دُعا پوری بھی کر سکا کہ نہیں کہ اچانک بے لگام بھاگتی ہوئی گاڑی کے خالی سٹیرنگ کو شاید خدا کے غیر مرئی فرشتوں نے سنبھال کر یوں حرکت دی کہ گاڑی خود بخود پختہ سڑک کے بائیں طرف عین اس طرف کو مُڑ گئی۔ جہاں تقریبًا دس پندرہ فٹ کا کوئی پُرانا راستہ ایسے جنگل کی طرف جاتا تھا جس میں دریا کی طغیانیوں نے دلدل سی بنا رکھی تھی پہاڑ کے اس حصّہ سے غالبًا کسی وقت پتھر وغیرہ نکال کر سڑک میں استعمال کئے گئے ہوں گے۔ گاڑی جب مُڑی تو اس کا دایاں حصّہ کچھ اس طرح اس چھوٹے سے درّے کے دائیں پہلو سے ٹکرایا کہ ہماری گاڑی کا رخ خود بخود مزید بدل کر آگے کو اس جنگل اور دلدل کی طرف ہو گیا۔ چنانچہ گاڑی آگے جھاڑیوں میں جا کر ایک طرف کو اُلٹتی ہوئی گہری دلدل میں پھنس گئی اگرچہ آگے کا شیشہ اور باڈی کے بعض حصّے ٹوٹ گئے لیکن محض خدا تعالےٰ کے خاص فضل و احسان سے ہم اس ہونے والے بڑے حادثہ سے بچ گئے اور سوائے معمولی زخموں کے ہم میں سے کسی کو بھی کوئی گہرا زخم نہ آیا۔ اور اس طرح معجزانہ طور پر ہمیں ہمارے حافظ و ناصر خدا نے بچا کر اپنے اس مقدس نوشتہ کی صداقت ظاہر فرمائی کہ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ۔

اس کے بعد اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہم لوگ مگبورکا کے مذکورہ بالا جلسہ میں شمولیت کے بعد شام کو بخیر و عافیّت واپس "بو" پہنچ گئے فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

ایک دلآزار کتاب اور عیسائی مشنوں کو چیلنج

۱۹۷۴ء میں سیرالیون کے ایک امریکن مِشن نے جسے اُن دنوں یو۔بی۔سی مشن کہا جاتا تھا اور اب اِی۔یُو۔بی مشن کہلاتا ہے اپنی مختصر سی ایک کتاب کرسچن CATECHISM کا دوسرا ترمیم شدہ ایڈیشن شائع کیا اور اپنے تمام سکولوں کے طلبہ کے لئے اسے سبقاً سبقاً پڑھنا لازمی قرار دے دیا۔ اس کتاب کتاب میں اسلام کے خلاف شدید زہرافشانی کی گئی تھی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق نہایت ہی نازیبا اور دل آزار الفاظ استعمال کئے گئے تھے۔ خاکسار اور دیگر مبلّغین کرام نے ان کی اس کتاب کی کاپیاں خرید کر سیرالیون کے تمام مسلمان فرقوں کے سربراہوں اور مساجد کے بڑے بڑے اماموں اور علماء کو بھجوائیں اور ایک سرکولر کے ذریعہ اس کے بداثرات سے آگاہ کیا۔ اور انہیں ترغیب دی کہ گورنمنٹ سے متفقہ طور پر احتجاج کرکے مطالبہ کیا جائے کہ ایسی دل آزار کتاب سکولوں میں نہ پڑھائی جائے اور اسے ضبط کیا جائے نیز اس میں جو جو اعتراضات اسلام اور بانیٔ اسلام کی مقدس شخصیّت پر کئے گئے ہیں ہماری طرف سے ان کے جوابات پر مشتمل کتاب مرتّب کرکے شائع کی جائے۔ چنانچہ ہماری اس تجویز پر سیرالیون کے سب مسلمان فرقوں کی طرف سے اس دل آزار کتاب کے ضبط کرنے کا مطالبہ کیا گیا نیز مرکزِ سلسلہ سے مشورہ کے بعد خاکسار نے اس کا ایک مدلّل جواب بعنوان یو۔بی۔سی مشن کو ایک انتباہ (A CHALLENGE TO U.B.C MISSION) تیار کیا جس کی طباعت کے اخراجات ملک کے جملہ مسلمان فرقوں نے برداشت کئے اور وہ ملک کے طول وعرض میں ہزاروں کی تعداد میں ہر طبقہ اور ہر مذہب کے لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔

اس میں یو۔بی۔سی مشن اور دیگر سب عیسائی مشنوں کو مخاطب کرکے متعلقہ امور پر دوستانہ ماحول میں پبلک مناظرہ کی بھی دعوت دی گئی تھی تاکہ

حق حق اور باطل باطل ثابت ہو جائے اور عوام پر واضح ہو جائے کہ اسلام اور عیسائیت میں سے کونسا مذہب سچا اور قابلِ عمل ہے۔ مگر افسوس کسی عیسائی مشن کو بھی مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی البتہ گورنمنٹ کے حکم سے عیسائی سکولوں میں ان کی اس کتاب کا پڑھانا ممنوع قرار دے دیا گیا۔

مغربی افریقہ سے پہلی مرتبہ بارہ سال بعد واپسی کی اجازت

ایک عربی قصیدہ

خاکسار تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں قادیان سے پہلی مرتبہ مئی ۱۹۳۶ء میں بیرونِ ہند روانہ ہوا اور اللہ تعالٰے کے فضل سے بارہ سال سے زائد عرصہ تک مختلف ممالک میں مصروفِ تبلیغ رہا۔ اس عرصہ میں گو زیارتِ مرکز کی خواہش برابر دل میں کروٹیں لیتی رہی مگر مجھے سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں واپسی کی اجازت کے لئے عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

مرکز سلسلہ کی سہانی یادیں

آخر ۱۹۴۶ء میں ایک روز وطن کی سہانی یادوں نے دل پر بڑا گہرا اثر کیا اور قادیان کی مقدس بستی میں گزارے ہوئے سالہا سال کے حالات فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے آنے لگے۔ اپنے خاندان اور عزیزوں کا تصوّر اور خاص کر حضور رضی اللہ عنہ کی گاہے گاہے زیارت اور تقاریر اور مجالسِ عرفان کے مناظر یکے بعد دیگرے نظر کے سامنے سے گزرنے لگے جس کے نتیجہ میں طبیعت شعر کہنے کی طرف مائل ہوگئی اور ایک طویل عربی قصیدہ سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی مدح میں ہوگیا جس میں قادیان سے ہجرت کے مختصر حالات بھی آگئے اور آخر میں "آمدم بر سرِ مطلب" کے مطابق شعروں میں ہی خاکسار نے حضور کی خدمت میں زیارتِ مرکز کی خواہش کا دبے الفاظ میں اظہار کر دیا اور پھر وہ قصیدہ بعد تکمیل

حضورؓ کی خدمت میں لاہور بھیج دیا جو بعد میں روزنامہ الفضل میں بھی شائع ہوگیا اس کے چند ابتدائی اور آخری اشعار ذیل میں درج ہیں۔

علیکم سلام اللہ یا ذا الفضائل
اے فضائل اور رفعتوں اور دانش
و یا ذا المعالی والحجی والشّمائل
اور اعلیٰ خصائل کے مالک آپ پر سلامتی ہو

امامٌ عظیمٌ مظہر الحق والعُلیٰ
آپ ایک عظیم امام اور حق تعالیٰ کی صفاتِ عالیہ
ومنجی الأُسارئ من قیود الغوائل
کے مظہر ہیں اور گرفتارانِ بلا ومصائب کو نجات دلانیوالے ہیں

کفی الهندَ فخرًا جاء فیها مَسِیْحُنَا
برِصغیر ہند کے لئے یہ فخر کم نہیں ہے کہ اس میں حضرت
ومُصلحُنا المحمودُ ماحِی الرّزائل
مسیح محمدیؑ اور مصلح موعود حضرتِ محمود کا ظہور ہُوا

کلامك یا شمس العلوم حلاوۃً
اے ظاہر و باطنی علوم کے خورشید تیرا شیریں کلام حلاوت
یفوقُ کلام الاولیاءِ الأوائلِ
کے لحاظ سے پہلے اولیاء کے کلام سے فائق ہے

الم یأنِ لی یا سیّدی ان أزُورکُمْ
سیّدی! کیا میرے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ حضورؓ کی
واهلی وقومی للشّهور القلائلِ
زیارت کیلئے اور اپنے خاندان اور قوم کے لوگوں سے ملنے چند ماہ کیلئے وطن آجاؤں

فمالِی بعدَ اللهِ ایّ وسیلةٍ
اللہ تعالیٰ کے بعد آپ کے سوا میرا کوئی وسیلہ نہیں
سِواكَ وانت الیومَ خیرالوسائلِ
آپ ہی فی زمانہ بہترین وسیلہ ہیں۔

چنانچہ جب میرا یہ قصیدہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں پہنچا تو حضور نے از راہِ کرم و شفقت اس کے اُوپر ہی تحریر فرما دیا "چھ ماہ کے لئے واپس آنے کی اجازت ہے واپسی کا ویزا ساتھ لائیں"۔ اس کے مطابق اس وقت کے وکیل التبشیر حضرت مولانا عبدالمغنی خانصاحب رضی اللہ عنہ نے میری پاکستان واپسی کا انتظام فرما دیا اور خاکسار بتاریخ ۴ر جون ۱۹۴۹ء کو بخیریت لاہور پہنچ گیا۔

اس زمانہ میں سیرالیون احمدیہ مشن ابھی ابتدائی مراحل میں تھا اور پاکستان آنے کے بعد دوبارہ سیرالیون واپسی کا پیشگی ویزا اس وقت کی انگریز گورنمنٹ سے حاصل کرنا اتنا آسان نہیں تھا جتنا بعد میں حالات بدل جانے پر ہو گیا۔ تاہم اس وقت بھی ملک میں ہمارے تین کامیاب احمدیہ سکولوں کی وجہ سے سیرالیون گورنمنٹ کے انگریز ڈائریکٹر تعلیم پر ہمارے مشن کی کارکردگی کا اچھا اثر تھا اور وہ ہماری تعلیمی خدمات اور احمدیہ سکولوں کی برتری کے معترف تھے چنانچہ خاکسار سیرالیون سے مرکز واپسی سے قبل ڈائریکٹر صاحب سے ملا۔ اور ان سے انگریز چیف امیگریشن آفیسر کے نام تعارفی چٹھی لے کر امیگریشن آفس پہنچا۔ ڈائریکٹر صاحب کی چٹھی دیکھ کر انہوں نے اس زمانے کے رواج کے مطابق مجھے اپنی طرف سے سرٹیفکیٹ کی قسم کی ایک چٹھی لکھ کر دی کہ حامل رقعہ ہذا سیرالیون میں لمبا سال تک بطور احمدیہ مبلغ اور مینیجر احمدیہ سکولز کام کرتے رہے ہیں اور حکومت احمدیہ مشن سیرالیون کی تعلیمی اور ثقافتی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اس لئے اگر یہ بطور مبلغ اور تعلیمی رہنما کے سیرالیون واپس آنا چاہیں تو گورنمنٹ ان کا خیر مقدم کرے گی۔ چنانچہ جب سیرالیون گورنمنٹ کے اس خط کی ایک نقل خاکسار نے حضورؓ کی خدمت میں پیش کی تو حضورؓ یہ معلوم کر کے بہت خوش ہوئے کہ اب سیرالیون کی حکومت ہمارے مشن کی تعلیمی اور ثقافتی سرگرمیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

فری ٹاؤن کے بعض ٹھگوں سے اللہ تعالیٰ نے کیسے بچایا؟

غالباً فروری یا مارچ ۱۹۴۷ء کا ذکر ہے کہ سیدنا حضرت خلیفہ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فری ٹاؤن (سیرالیون) میں مسجد بنانے کی غرض سے زمین خریدنے کا ارشاد فرمایا اور میری درخواست پر اس کام کے لئے مبلغ پانچ صد یا سات صد پونڈ امدادی طور پر مرکز سلسلہ کی طرف سے ارسال فرمائے۔ جب خاکسار اور مکرم مولانا محمد اسحاق صاحب صوفی فری ٹاؤن میں بنک سے یہ رقم وصول کر کے بنک سے باہر نکلے تو ٹھگ اور اوباش قسم کے دو تین افریقن نوجوان ہمارے پیچھے لگ چکے تھے جن سے ہم بالکل بے خبر تھے۔ نوٹوں سے بھرا ہوا چمڑے کا چھوٹا سا بیگ میں نے دائیں ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا اور صوفی صاحب محترم میرے بائیں طرف تھے اور ہم بغیر کسی خوف وخطرہ کا احساس کئے ہوئے خوشی خوشی آپس میں باتیں کرتے ہوئے جماعت کے مرکز کی سمت واپس جا رہے تھے کہ اچانک اُن میں سے دو اُچکے نوجوان ہمارے دائیں بائیں آدھمکے اور تیسرا بلا کسی محرک کے ہمیں گالیاں دیتا ہوا ہمارے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

اتنے میں میرے دائیں طرف والے نے مجھے زور سے کندھا مارا اور گالی دیتے ہوئے بازاری انگلش میں کہنے لگا

Hallow, Ahmadiyya baster who-side you day go what is in This bag give it me or I go push This knife in you body na jeet jeet now

یعنی اے احمدی حرامی (نعوذ باللہ) کہاں جا رہے ہو اور اس بیگ میں کیا ہے۔ یہ فوراً میرے حوالہ کر دو ورنہ میں اس چاقو سے ابھی ابھی تمہارا سینہ چاک کر دوں گا۔ اور ایک بند چاقو واقعی اس کے ہاتھ میں تھا۔

دوسرا لڑکا قدرے کمزور تھا لیکن وہ بھی گالیاں دیتا ہوا صوفی صاحب کو کہہ رہا تھا تم بھوکے اور جھوٹے احمدیہ لوگ ہمارے ملک سے چندوں کے ذریعہ روپیہ بٹورنے آتے ہو اور ہمارا مذہب بھی خراب کرتے ہو۔

jest jest now I go break your bloody nose & knock you down.

کہ ابھی ابھی میں تمہارا ناک توڑ کر تمہیں نیچے گرا دوں گا۔

دراصل ان کا مقصد ہمیں اشتعال دلانا تھا تا کہ ہم ان سے الجھ پڑیں اور دھینگا مشتی میں ان میں سے کوئی ایک ہمارا پانچ صد پونڈ سے بھرا بیگ لے کر بھاگ جائے۔ اس تکرار، بے اطمینانی اور گھبراہٹ کی کیفیت میں ہم کوئی بیس تیس قدم آگے چلتے گئے۔ دوپہر کی گرمی کی وجہ سے وہ بازار بھی اس وقت تقریباً اجاڑ تھا۔ میں نے یہ صورتِ حال اور اس قدر شدید خطرہ دیکھ کر فوراً اپنا بیگ مکرم صوفی صاحب کو پکڑا کر کہا کہ وہ فوراً بھاگ جائیں۔ انہوں نے غالباً پہلے ہی یہی سوچ رکھا تھا وہ میرا بیگ لے کر وہاں سے کوئی تین چار قدم پر الجزائر یا مراکش کے اپنے ایک عرب دوست (جو ایک عالم دوست تاجر اور احمدیت کے مداح تھے) کے گھر میں گھس کر محفوظ ہو گئے۔

ایک اوباش لڑکے کی مجھ پر زیادتی

اس دوران میں نے اونچی آواز سے پولیس پولیس پکارنا شروع کر دیا جس سے دور دور کچھ لوگ ہماری طرف متوجہ ہو گئے اور دکانوں سے باہر نکل آئے۔ مگر قبل اس کے کہ ان لوگوں میں سے کوئی شخص یا پولیس کا کوئی آدمی ہمارے پاس پہنچتا ان تینوں اوباش نوجوانوں میں سے ایک نے مجھے ایک دو گھونسے لگائے جن سے میں گر گیا اور پگڑی وغیرہ بھی بکھر گئی اور وہ آن کی آن میں اِدھر اُدھر غائب ہو گئے۔

مسجد خدا کے فضل سے بن گئی

اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ کی وہ امانت پانچ صد پونڈ محفوظ رہے جس سے بعد میں فری ٹاؤن کے گوزی بازار میں احمدیہ مسجد تعمیر کی گئی جو اب بھی جماعت کی مرکزی مسجد کا کام دیتی ہے اور جس کی تعمیر و تکمیل مکرم مولوی محمد ابراہیم خلیل مرحوم اور مکرم چوہدری احسان الٰہی جنجوعہ صاحب اور فری ٹاؤن کی جماعت کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد صدیق امرتسری

چوری کر کے غائب ہونے کے عجیب حیلے

اُسی زمانہ کا ذکر ہے کہ مندرجہ بالا واقعہ کے چند روز بعد یہ عاجز فری ٹاؤن کے دلیسٹ مورلینڈ سٹریٹ میں جا رہا تھا کہ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک اوباش قسم کا افریقن نوجوان جس کے ہاتھ میں پونڈ نوٹوں کے دو تین دستے ہیں بے تحاشا بھاگا جا رہا ہے اور اس کے پیچھے بھاگنے والے لوگ چور چور پکڑو پکڑو کا شور مچا رہے ہیں اور جب اس نے دیکھا کہ اسے پکڑنے والوں نے آلیا ہے تو اس نے بھاگتے بھاگتے ان نوٹوں کا کچھ حصہ ایک ہاتھ سے نکال کر تیزی سے قدم قدم پر فضا میں بکھیرنا شروع کر دیا جس کے بعد وہ اس بازار کے دائیں طرف ایک گلی میں گھس کر غائب ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہی لوگ جو بھاگ کر اس کا پیچھا کر رہے تھے وہ سب یہ خیال کر کے کہ وہ ساری رقم پھینک گیا ہے ان جگہ جگہ بکھرے ہوئے نوٹوں کو سمیٹنے میں مشغول ہو گئے جبکہ اس دوران وہ چور ایسا غائب ہوا کہ پھر پولیس بھی اس کا سراغ نہ لگا سکی اور بعد میں معلوم ہوا کہ جو نوٹ وہ بکھیر گیا تھا وہ اس رقم کا چوتھا حصّہ بھی نہیں تھا جو وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ نوٹوں کے یہ بنڈل اس شخص نے اسی بازار کے ایک لبنانی تاجر کی دکان سے جھپٹا مار کر حاصل کئے تھے۔

ایسی بُرائیاں پھیلنے کی اصل وجہ درا صل اس زمانہ میں سیرالیون کے معاشرہ میں اس قسم کی برائیاں اور چوری اور ڈاکہ زنی کے طریقے رائج ہو جانے کا اصل سبب امریکہ اور یورپ سے آمدہ وہ سینما فلمیں تھیں جو قتل، چوری، ڈاکہ، اغوا، دھینگا مشتی اور اس قسم کی دیگر بد اخلاقیوں کی آئینہ دار ہوتی تھیں۔ چونکہ وہ انگریز حکومت کا زمانہ تھا اس لئے فلموں کے سلسلہ میں کوئی سنسر یا اخلاقی پابندی بھی نہیں ہوتی تھی۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا جماعت پر احسان اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ حضرت سیدنا مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی مقدس روح پر جنہوں نے ہماری جماعت کو سینما اور ایسی قسم کے کھیل تماشے دیکھنے سے منع فرمایا جو اخلاق سوز اور غیر شرعی ہوں اور یوں جماعت کے افراد اور ان کی آئندہ نسلوں کو فلموں کے ذریعہ اخلاقی پستی میں گرنے سے بچا لیا اور جماعت کا لاکھوں روپیہ بھی ضائع ہونے سے بچ گیا۔ خدا کرے اب بھی ہم سب اس عہد پر قائم رہیں اور سینما کی لعنت سے اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو

کو دُور رکھیں ۔ خاکسار مولف کتاب ہذا معترف ہے کہ مجھے ۱۹۳۴ء کے پہلے سینما دیکھنے کی واقعی عادت تھی حتیٰ کہ طالب علمی کے زمانہ میں جب رخصتوں سے قادیان سے امرتسر آنے کا موقع ملتا تو والد صاحب کے منع کرنے پر بھی والدہ محترمہ سے بمنت یا لڑ جھگڑ کر سینما دیکھنے کے لئے پیسے حاصل کر لیا کرتا ۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ۱۹۳۴ء کے بعد سے حضور کے حکم کی تعمیل میں آج تک کبھی سینما کا رُخ نہیں کیا ۔ البتہ بیرونی ممالک میں برٹش کونسل یا امریکن سنٹروں وغیرہ میں تاریخی اور جغرافیائی فلمیں دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہماری آئندہ نسلوں کو اس لعنت سے محفوظ رکھے ۔ آمین ۔

ایک ایمان افزا روایت

حضرت مولانا شیخ عبد القادر مربی لاہور

خاکسار راقم الحروف نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام ناقل ۔ کے کئی پرانے صحابہ سے یہ روایت سنی ہے جن میں حضرت بابو غلام محمد صاحب فورمین لاہوری اور حضرت میاں عبد العزیز مغل کا نام خاص طور پر یاد ہے کہ ایک دفعہ حضور لاہور تشریف لائے تو ہم چند نوجوانوں نے یہ مشورہ کیا کہ دوسری قوموں کے بڑے بڑے لیڈر جب یہاں آتے ہیں تو ان کی قوموں کے نوجوان گھوڑوں کی بجائے خود ان کی گاڑیاں کھینچتے ہیں اور ہمیں جو لیڈر اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اتنا جلیل القدر ہے کہ بڑے بادشاہ بھی اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے پس آج گھوڑوں کی بجائے ہمیں ان کی گاڑی کھینچنی چاہیئے ۔ چنانچہ ہم نے گاڑی والے کو کہا کہ اپنے گھوڑے الگ کر لو ۔ آج گاڑی ہم کھینچیں گے ۔ کوچ مَین نے ایسا ہی کیا ۔ جب حضور باہر تشریف لائے تو فرمایا کہ گھوڑے کہاں ہیں ؟ ہم نے عرض کی کہ حضور دوسری قوموں کے لیڈر آتے ہیں تو ان کی قوم کے نوجوان ان کی گاڑیاں کھینچتے ہیں آج حضور کی گاڑی کھینچنے کا شرف ہم حاصل کریں گے ۔ فرمایا فوراً گھوڑے جوتو ۔ "ہم انسان کو حیوان بنانے کے لئے دنیا میں نہیں آئے ہم تو حیوان کو انسان بنانے کے لئے آئے ہیں" ۔

اللہ اللہ ! کیا پاکیزہ خیالات ہیں خدا کے مسیح کے ۔ بہت ہیں جو اس میں لذت پاتے اور فخر محسوس کرتے ہیں کہ ان کی گاڑی کو حیوان کی بجائے انسان کھینچے ۔ لیکن حضور نے جو حیوان کو انسان بنانے کے تشریف لائے تھے اس بے جا نمود کو پائے استحقار سے ٹھکرا کر انسان کا صحیح وقار قائم کرنا پسند فرمایا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔

حیاۃ طیبہ صہ ۲۵۷

ایک پادری اور پلاسٹک کی گڑیا

لندن شہر کے ہائڈ پارک میں اکثر اوقات ہر مذہب و مسلک کے لوگ اپنے اپنے سٹیج لگا کر اپنے خیالات و نظریات کا پراپیگنڈا کرتے رہتے ہیں قانونی طور پر وہاں برٹش رائل فیملی کے سوا ہر شخص اور ہر پارٹی کے خلاف بولنے کی کھلی اجازت ہے۔ دن ڈھلے وہاں بہت اژدحام ہو جاتا ہے اور اتوار کے روز تو تقریباً ہر پانچ دس گز کے فاصلہ پر کوئی نہ کوئی مقرر تقریر کر رہا ہوتا ہے۔

خاکسار کو جب بھی لندن میں بطور مبلّغ یا مہمان قیام کرنے کا موقع ملا۔ تبلیغ اسلام کے لئے ہفتے میں ایک دو مرتبہ ضرور وہاں جاتا کبھی اکیلے اور کبھی کسی مبلّغ یا جماعت کے کسی دوست کے ساتھ خصوصاً مکرم میر عبد السلام صاحب مرحوم آف سیالکوٹ مکرم مسٹر بلال نٹل مرحوم اور مبلّغ سلسلہ مکرم بشیر احمد صاحب آرچرڈ اور مکرم برادر عبد العزیز دین صاحب کی معیّت میں کئی مرتبہ وہاں تبلیغی گفتگو کے مواقع میسّر آئے۔ گو یہ صحیح ہے کہ ہائڈ پارک جانیوالوں کی اکثریت کا مقصد محض تفریح ہوتا ہے مگر سنجیدگی سے بات سننے اور نتیجہ اخذ کرنے والے لوگ بھی وہاں مل جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ اپریل ۱۹۴۹ء میں اتوار کے روز خاکسار ہائڈ پارک کا رُخ کیا بس سے اُترتے ہی میں نے دور سے دیکھا کہ ایک پادری اسٹول پر کھڑا تقریر کر رہا ہے اور دورانِ تقریر پلاسٹک یا ربڑ کی ایک چھوٹی سی گڑیا کو کبھی منہ میں ڈال لیتا ہے اور کبھی منہ سے نکال کر حاضرین کو دکھاتا ہے مجھے اس کی یہ حرکت دیکھ کر جستجو پیدا ہوئی کہ دیکھوں یہ کیا کہہ رہا ہے۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ کیتھولک مذہب کے اس فرقے کے عقائد کا بطلان ثابت کر رہا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو خدا کی ماں اور خدا کی خدائی میں حضرت مسیح کی طرح شریک مانتا ہے وہ ننھی سی گڑیا دراصل

حضرت مسیحؑ کی والدہ حضرت مریمؑ کا مجسّمہ تھا وہ حاضرین کو بتا رہا تھا کہ مسیحؑ کی ماں تو عام عورتوں کی طرح ایک عورت تھی اس سے خدا نے صرف اتنا کام لیا کہ وہ تجسّم اختیار کرنے کے لئے اپنی قدرت سے اس عورت کے رحم میں حلول کر گیا۔ پس وہ محض اسی حد تک قابلِ احترام ہے خدا کی خدائی میں وہ ہرگز شریک نہیں۔ دیکھو مَیں اگر چاہوں تو مریم کے اس مجسّمہ کو اپنے منہ میں چبا سکتا ہوں اور اس میں اتنی طاقت بھی نہیں کہ وہ اپنے اس مجسّمہ کو مجھ سے بچا سکے۔ چنانچہ ہمارے سامنے ایک مرتبہ اس نے اس گڑیا یا مجسّمہ کو اپنے دانتوں میں زور سے دبا کر بس بھی دیا۔

چونکہ ہم مسلمان حضرت مریم علیہا السلام کو خدا تعالےٰ کی ایک برگزیدہ خاتون یقین کرتے ہیں جس کا ذکر قرآن کریم میں بڑے احترام سے کیا گیا ہے اس لئے مجھے اس پادری کی یہ حرکت اور طرزِ استدلال بہت بُرا لگا۔ مَیں نے اُن سے سوال کرنے کی اجازت لے کر عرض کیا کہ جناب پادری صاحب آپ کے اس طرزِ استدلال کو معقول ماننے سے آپ کے یسوع مسیح کی مزعومہ خدائی بھی باطل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یسوع مسیح کے مجسّمے تصاویر اور صلیبیں بھی توڑی جا سکتی ہیں اور یسوع مسیح اس توڑ پھوڑ سے انہیں بچا نہیں سکتے۔ لہٰذا آپ ہی کی دلیل سے ثابت ہُوا کہ یسوع مسیح بھی خدا کی خدائی میں شریک نہیں۔ اسی وجہ سے ہماری مقدس کتاب قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ مشرک لوگ جن کو خدا یا خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں ان میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ وہ کسی مکھّی کے ضرر سے ہی اپنے آپ کو بچا سکیں۔ نیز اخلاقی لحاظ سے آپ جیسے مذہبی لیڈر کو زیبا نہیں دیتا کہ ان کے مجسّمے منہ میں ڈال کر چبانے کی دھمکی دیں جو لاکھوں انسانوں کے نزدیک مقدس سمجھے جاتے ہیں۔

اس پر پادری صاحب اپنے اصل موضوع سے پہلو تہی کر کے کہنے لگے۔ کہ مسیحؑ کی خدائی اور ان کا خدا کے ساتھ شریک ہونا تو بائیبل سے ثابت ہے مگر مریمؑ کا خدا کی خدائی میں شریک ہونا بائیبل میں کہیں بھی نہیں لکھا۔ مَیں نے عرض کیا اگرچہ یہ صحیح ہے کہ حضرت مریم خدا کی خدائی میں شریک نہ تھیں مگر مسیحؑ کے بارے میں کہاں لکھا ہے کہ وہ خدا کی خدائی میں شریک ہیں۔ اگر لکھا ہے

تو بائیبل کی کوئی آیت پیش کریں جس سے مسیحؑ کا شریکِ خدا ہونا ثابت ہوتا ہو۔ کہنے لگے انجیل یوحنا باب ۱۰ میں صاف لکھا ہے کہ یسوع مسیح نے فرمایا "میں اور میرا باپ ایک ہیں۔" گویا وہ خدا میں ہے اور خدا اس میں ہے۔ اور وہ دونوں ایک خدا ہیں۔ میں نے کہا مسیحؑ نے یوحنا باب ۱۴ میں یہ بھی صاف کہا ہے کہ "میرا باپ مجھ سے بڑا ہے۔" اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مسیحؑ اور خدا ایک وجود نہیں نیز آگے یوحنّا باب ۱۷ میں اپنے حواریوں کے لئے یسوع مسیحؑ نے خدا سے یہ دعا بھی مانگی ہے کہ "جس طرح تو اے باپ مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں وہ (حواری) بھی ہم میں ایک ہو جائیں۔" گویا اس مقبول دعا کے مطابق حواری بھی خدا اور مسیحؑ میں ایک ہو کر خدا ہو گئے۔ آپ کو چاہیئے کہ انہیں بھی خدا مانیں مگر آپ انہیں خدا کی خدائی میں شریک نہیں کرتے۔ نیز یسوع مسیح تو اپنے آپ کو خدا کا صرف نبی یقین کرتے تھے۔ نہ کہ خدا۔ چنانچہ جب یہودیوں نے ان کی بے عزتی کرنی چاہی تو انہوں نے آہ بھرتے ہوئے کہا "نبی کہیں بھی بے عزت نہیں ہوتا۔ مگر اپنے گھر میں۔" (متی باب ۱۳۔ آیت ۵۷)

اس حوالے سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یسوع مسیح اپنے آپ کو نبی سمجھتے تھے نہ کہ خدا۔ اس کے علاوہ انہوں نے انجیل میں تیس پینتیس مرتبہ اپنے آپ کو ابنِ آدم کہا ہے اگر کہیں صریح طور پر انہوں نے اپنے آپ کو خدا بھی کہا ہو تو پیش کریں۔ لیکن افسوس پادری صاحب یونہی ٹال مٹول کرتے رہے اور نہ مسیحؑ کے اپنے الفاظ میں خدائی کا دعویٰ پیش نہ کر سکے۔

"وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا"

ایک ملاقات

خاکسار سیرالیون سے پہلی بار رخصت پہ واپس آنے کے بعد ربوہ میں مقیم تھا کہ مارچ ۱۹۵۰ء میں سیرالیون سے جماعتی امور کے متعلق ایک طویل خط آیا جس میں سے بعض امور کے متعلق سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ خاکسار کی رائے معلوم فرمانا چاہتے تھے چنانچہ حضور کے ارشاد کے مطابق خاکسار دفتر سے وہ خط لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اس وقت حضورؓ کے آگے بہت سی ڈاک پڑی تھی جسے آپ ملاحظہ فرما رہے تھے۔ مَیں چند منٹ وہاں اس خیال سے خاموش بیٹھا رہا۔ کہ حضور فارغ ہو کر خود ہی مجھ سے دریافت فرمائیں گے۔ اسی اثنا میں حضورؓ نے ایک خط پڑھتے پڑھتے فرمایا۔ "آپ کس لئے آئے ہیں؟" مَیں نے عرض کیا۔ حضور نے سیرالیون سے آمدہ اس خط کے سلسلہ میں مجھے یاد فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا خط پڑھیں۔ مَیں نے وہ خط کھول کر پھر ذرا توقف کیا کیونکہ حضور نے پھر ڈاک پڑھنی شروع کر دی تھی۔ حضور نے پھر مجھے ارشاد فرمایا۔ "آپ پڑھتے کیوں نہیں۔ مَیں سُن رہا ہوں۔ آپ پڑھتے جائیں۔" چنانچہ مَیں نے خط پڑھنا شروع کر دیا۔ اور حضور دوسرے خط پڑھ پڑھ کر اُن پر نوٹ لکھتے ہوئے بیک وقت مجھ سے سیرالیون والا خط بھی سنتے رہے اور ساتھ ساتھ ضروری امور کے متعلق میری رائے معلوم کر کے مجھے ہدایات بھی لکھواتے رہے۔

کام ختم ہونے کے بعد مَیں یہ سوچتا ہوا وہاں سے لوٹا کہ اس عظیم اور مقدس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے کتنی غیر معمولی صلاحیتیں عطا فرما رکھی ہیں۔ خدائے علیم و خبیر نے حضور کے متعلق سچ فرمایا تھا کہ "وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا۔" فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَصْدَقُ الصَّادِقِيْنَ ۞

کرسچن کونسل آف سیرالیون کی کم ظرفی

مغربی افریقہ کی برٹش نوآبادیات میں ملکی آزادی اور خود مختاری تک اثر و نفوذ کے لحاظ سے عیسائی مشنوں میں چرچ آف انگلینڈ اکثر جگہ پیش پیش رہا ہے سنہ ۱۹۵۱ء میں اس چرچ کے سربراہ آرچ بشپ آف کنٹربری ڈاکٹر فشر کی سیرالیون میں آمد کی خبر جب اخبارات میں شائع ہوئی تو ہم نے آرچ بشپ اور ان کے ساتھ آنے والے چھ بشپوں کو تبلیغ اسلام کرنے اور اسلامی لٹریچر پیش کرنے کا پروگرام بنایا۔ یونائیٹڈ کرسچن کونسل جن کے زیرِ اہتمام انہیں سیرالیون بلایا گیا تھا۔ ہم نے ان کے چیئرمین کو لکھا کہ ہمیں بھی آرچ بشپ مذکور اور ان کے مصاحبوں کی ملاقات کے لئے وقت دیا جائے۔ مگر افسوس کہ کرسچن کونسل نے وقت کی قلت کا عذر کر کے ہماری درخواست ردّ کر دی۔ بلکہ آرچ بشپ آف کنٹربری کے خیر مقدم کے لئے منعقدہ عام تقریب میں شرکت کی دعوت بھی ہمیں نہ دی حالانکہ اس تقریب میں شرکت کی دعوت سیرالیون کے سب مذہبی مشنوں، سوسائٹیوں، انجمنوں، کلبوں اور سکولوں کے مینجروں کو دی گئی تھی۔

اس عاجز کی خواہش تھی کہ جیسے بھی ہو عیسائی دنیا کے ان چوٹی کے لیڈروں کو پیغامِ حق ضرور پہنچایا جائے۔ اور ضروری اسلامی لٹریچر بھی انہیں پیش کر دیا جائے۔ چنانچہ خاکسار نے "بو" احمدیہ جماعت کے چھ سات نوجوانوں کو تیار کر کے یہ پروگرام بنایا کہ جب آرچ بشپ آف کنٹربری کا وفد بذریعہ ٹرین فری ٹاؤن سے "بو" ریلوے سٹیشن پر پہنچے تو گاڑی سے نکل کر ان کے موٹر گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے پہلے ان کو اپنا لٹریچر پیش کر دیا جائے۔

آرچ بشپ آف کنٹربری کو تبلیغ اور قرآن کریم کی پیشکش

چنانچہ جب آرچ بشپ آف کنٹربری ریل گاڑی سے نکل کر پلیٹ فارم پر عیسائی عوام میں گھرے ہوئے تھے تو خاکسار بھی ہمت کر کے آگے بڑھا اور ان سے مصافحہ کر کے اپنا تعارف کرایا کہ مَیں سیرالیون میں

عالمگیر اسلامک مشن کا نمائندہ اور مبلّغ ہوں اور آپ کو اسلام کی مقدس الہامی کتاب قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ اور دیگر لٹریچر پیش کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد خاکسار نے انہیں پہلے قرآن کریم اور دیگر کتب پیش کیں اور پھر ایک ٹائپ شدہ خیر مقدم ایڈریس جماعت کی طرف سے دستی طور پہ پیش کر کے انہیں عرض کیا کہ میں امید کرتا ہوں کہ آپ فارغ وقت میں ضرور اس کلامِ الٰہی اور کتب اور ہماری طرف سے پیش کردہ ایڈریس کا مطالعہ کریں گے۔

میری طرح دوسرے احمدی دوستوں نے بھی میری ہدایت کے مطابق ہر مہمان بشپ اور نمائندہ چرچ کو علیحدہ علیحدہ پیکٹوں میں اسلامی کتب، ایڈریس کی نقول اور مختلف ٹریکٹ پیش کر دیئے۔ اور اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے باوجود کرچن کونسل کی طرف سے مخالفت اور رکاوٹ کے ہماری طرف سے عیسائی دنیا کے ان سربراہوں کو اسلام کا پیغام پہنچا کر اتمامِ حجت کر دی گئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی۔

حضرت مصلح موعودؓ کا چیلنج قبول کرنے کی دعوت اُن کے نام جماعت کی طرف سے خیر مقدم ایڈریس میں جس کی نقول دیگر سب مہمانوں کو بھی پیش کی گئی تھیں اسلام کی خوبیاں اور تعلیم کی برتری، مسیحؑ کی آمدِ ثانی، بائیبل میں حضرت سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد کی پیشگوئیاں اور حضرت مصلح موعودؓ کی پیشگوئی وضاحت سے بیان کر کے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا چیلنج مذکورہ دیباچہ تفسیر قرآن کریم انگریزی قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ اس چیلنج میں حضورؓ کی طرف سے مذاہبِ عالم کے سربراہوں کو دعوت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلقِ محبت کے ثبوت میں حضور کے الہامات اور رؤیا و کشوف کے مقابل وہ لوگ اپنے الہامات اور کشوف پیش کر کے ثابت کریں کہ ان سے بھی اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوتا ہے۔ یہ خیر مقدم ایڈریس بعد میں شائع کر کے ہزاروں کی تعداد میں سیرالیون کی عیسائی پبلک میں تقسیم کیا گیا اور دوسرے بیرونی مشنوں کو بھی ارسال کیا گیا۔

آرچ بشپ کی خاموشی سیرالیون سے واپس انگلستان پہنچ کر جناب

ڈاکٹر فشر آرچ بشپ آف کنٹربری نے مجھے شکریہ کا مختصر سا خط ارسال کیا مگر افسوس ہمارے امام حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے دعوتِ عام اور چیلنج کا ذکر تک نہ کیا۔ اور مکمل خاموشی اختیار کر لی۔

لائبیریا میں پہلا تبلیغی دورہ اور صدر مملکت کو قرآن کریم کی پیشکش

فروری ۱۹۵۲ء میں سیرالیون (مغربی افریقہ) سے میری ایک تبلیغی رپورٹ سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوئی جس کے ملاحظہ کے بعد حضورؓ نے تحریر فرمایا کہ

"آپ کا کام صرف سیرالیون کی حدود تک ہی محدود نہیں ہمسایہ ممالک میں بھی تبلیغ کا انتظام کریں۔"

۲۱۰ میل پیدل سفر

حضور کے اس ارشاد کی تعمیل میں خاکسار نے فرنچ گنی لائبیریا اور گامبیا میں بذریعہ ڈاک کثرت سے سلسلہ کا لٹریچر بھجوانا شروع کیا نیز اپنے ایک شاگرد الفاسیسے آف مویا پو کو بہت سا انگریزی اور عربی لٹریچر دے کر لائبیریا (LIBARIA) کے تبلیغی دورہ پر بھیجا۔ اس کے بعد سیرالیون کی مرکزی جماعت "بو" کے دو نہایت مخلص اور فدائی قسم کے احمدیوں مسمّی الحاجی علی روجرز اور الحاجی سعید و بنگورا مرحوم نے میری تحریک پر لائبیریا کے طویل تبلیغی سروے کے لئے ایک ایک مہینہ وقف کیا۔ چنانچہ انہیں بھی بہت سی عربی اور انگریزی اسلامی کتب اور قرآن کریم اور یسرنا القرآن کے قاعدے دے کر اس ملک میں بھیجا گیا۔

ان دونوں بزرگوں کے اس دورے کے نتائج نہایت خوش کن رہے انہوں نے ایک ماہ دس روز کے دورے کے دوران ۲۱۰ میل پیدل سفر کیا اور لائبیریا کے غیر معروف علاقوں کے لوگوں کو اسلام اور احمدیت سے متعارف کرایا۔ تقریباً ۱۵۰ میل بذریعہ لاری اور لانچ سفر کیا اور ۸۰ پونڈ کا لٹریچر فروخت کرنے کے

علاوہ بہت سا لٹریچر مفت تقسیم کیا اور گاؤں گاؤں قصبہ اور شہر شہر پہنچ کر فریضۂ تبلیغ ادا کیا۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ۔

لائبیریا کو پہلا تبلیغی سفر جون ۱۹۵۲ء میں خاکسار خود پہلی مرتبہ ایک ماہ کے دورہ کے لئے لائبیریا گیا۔ میرے ایک شاگرد محمد کمارا (M. KAMARA) آف جمی باگبو بھی میرے ہمراہ تھے گو ہم مضافات میں بھی گئے مگر زیادہ عرصہ ہم نے لائبیریا (LIBERIA) کے دارالحکومت منروویا (MONROVIA) میں لوگوں سے راہ و رسم پیدا کرنے اور انہیں احمدیت سے متعارف کرانے میں گزارا۔ خصوصاً صدرِ مملکت جناب پریذیڈنٹ ولیم ٹب مین صاحب سے دو مرتبہ ان کے محل میں ملاقات کر کے انہیں اپنی آمد کی غرض و غایت اور اسلام اور احمدیت سے متعارف کرایا۔

صدرِ مملکت اور وزراء کو تبلیغی ایڈریس چنانچہ میری درخواست پر ۱۵؍ جون ۱۹۵۲ء کو ایگزیکٹو مینشن منروویا (MONROVIA) میں صدرِ مملکت ولیم ٹب مین نے ایک غیر رسمی تقریب کا انتظام فرمایا جس میں ان کی کیبنٹ کے اکثر سینیٹرز اور ممبر موجود تھے۔ خاکسار نے تلاوتِ قرآن کریم کے بعد تبلیغی ایڈریس پیش کیا جس میں اپنی لائبیریا میں آمد کا مقصد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی اور احمدیت کے قیام کی غرض و غایت اور اسلام کی حقیقت مختصر طور پر بیان کی۔ ایڈریس کے اختتام پر جناب صدرِ مملکت ٹب مین کو جماعت کی طرف سے اس وقت تک شائع شدہ انگریزی تفسیر القرآن کی جلدیں جو مخملی غلافوں سے مزیّن تھیں تحفۃً پیش کیں اور باقی سینیٹروں کو اسلامی اصول کی فلاسفی، احمدیت یعنی حقیقی اسلام اور لائف آف محمدؐ کا ایک ایک نسخہ پیش کیا۔

ایڈریس کا صدر کی طرف سے جواب میرے ایڈریس کے جواب میں صدرِ مملکت نے اپنی طرف سے اور اپنی حکومت کی طرف سے شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ میری طرف سے جماعت کے مقدس امام اور سربراہ کی خدمت میں میری نیک تمنائیں اور پُر مسرت جذبات پہنچا

دیئے جائیں۔ اور انہیں مطلع کر دیں کہ حکومت لائبیریا آپ کے مبلغ او رنمائندہ کی آمد پر بہت خوش ہے اور لائبیریا میں مسلمانوں کی بہتری اور اسلام کی تبلیغ کے لئے مستقل طور پر احمدیہ مشن کھلنے کا خیر مقدم کرے گی اور ہر طرح تعاون کرے گی اور عیسائی مناّدوں اور تبلیغی اداروں کی طرح احمدی مبلغین کو بھی اپنے مشن اور مسجد کے لئے زمین اور دیگر سہولتیں مہیا کئے جائیں گے۔ آخر میں خاکسار نے ہاتھ اُٹھا کر سب کے لئے دعا کی جس میں صدرِ مملکت اور سب حاضرین اپنے رواج کے مطابق کھڑے ہو کر دعا میں شریک ہوئے۔

صدر ٹب مین کی بیماری، دُعا اور انکی طرف سے ۱۰۰ سو ڈالر کا تحفہ

اس کے بعد میرے منرودیا دار الحکومت میں قیام کے دوران ہی پریذیڈنٹ ولیم ٹب مین بعارضہ بخار اور کھانسی شدید بیمار ہو گئے تو انہوں نے ایک روز مجھے دعا کے لئے بلا بھیجا چنانچہ خاکسار نے ان کے سونے کے کمرے میں ہی ان کے لئے صحت کی لمبی دعا کی۔ جس میں ان کی بیگم بھی شریک ہوئیں۔ اور خدا کے فضل و کرم سے وہ جلد شفایاب بھی ہو گئے۔ وہاں سے واپسی پر ان کی بیگم کی طرف سے مجھے ایک بند لفافہ دیا گیا جس میں ایک خط اور ایک سو امریکن ڈالر کی رقم تھی۔ خط میں لکھا تھا کہ چونکہ آپ ہمارے مہمان اور ایک مذہبی نمائندہ ہیں ہم آپ کی مہمان نوازی نہیں کر سکے۔ اس لئے یہ رقم ہماری طرف سے تحفۃً قبول فرمائیں۔ چنانچہ ان کا شکریہ ادا کیا گیا۔ اور یہ رقم لائبیریا میں تبلیغی لٹریچر کی تقسیم کے لئے مخصوص کر لی گئی۔

(الفضل ۵ ار جون ۱۹۵۲ء)

اس کے بعد بھی کوئی دو ہفتہ خاکسار منرودیا میں مقیم رہا اور وہاں کے مختلف اداروں، مشنوں، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی کے طلبہ اور ملازمین اور اساتذہ کو جماعت احمدیہ اور اسلام سے متعارف کرایا۔ لٹریچر تقسیم کیا اور وہاں کے مسلمان لیڈروں سے راہ و رسم پیدا کی اور مسجدوں میں لیکچر دیئے۔ اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے لائبیریا میں یہ تعارفی اور تبلیغی دورہ بہت کامیاب رہا اور لوکل اخبارات میں بھی خاکسار کی آمد اور صدرِ مملکت

اور حکومت کے نمائندوں سے ملاقات اور دیگر تقریبات کی خبریں چھپتی رہیں۔

میرے اس دورے کے بعد ۱۹۵۶ء میں مکرم مولوی محمد اسحاق صاحب صوفی فاضل عربی کے ذریعہ لائبیریا مشن کا مستقل اور باقاعدہ قیام عمل میں آیا جن کی ۱۹۵۹ء میں پاکستان واپسی پر پھر خاکسار کو اس ملک میں بطور مبلغ انچارج احمدیہ مشن تقریباً دو سال کام کرنے کا موقع ملا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب یہ مشن جلد کامیابی اور ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ۔ اس وقت اس اہم احمدیہ مشن کے انچارج مکرم مولوی عطاء الکریم صاحب شاہد بی۔ اے فاضل عربی ابن حضرت مولانا ابو العطاء صاحب رضی اللہ عنہ ہیں۔

مسیح محمدی کے ایک شیدائی کی دعا اور دوا کا اثر

خاکسار کے پھوپھا حضرت مولوی حکیم جلال الدین صاحب[رض] صدر جماعت احمدیہ حلقہ مغلپورہ کو سلسلہ کے جلیل القدر بزرگ اور عالم ربانی حضرت مولانا غلام رسول راجیکی رضی اللہ عنہ سے بڑی عقیدت اور وابستگی تھی۔ جس کی وجہ سے حضرت مولانا راجیکی[رض] بعض اوقات ان کے پاس گنج مغلپورہ آکر قیام فرمایا کرتے تھے۔ احمدیت کے خاص تعلق کے علاوہ دونوں میں طب اور علم کیمیا میں باہمی دلچسپی بھی قدر مشترک تھی۔

خاکسار کی والدہ مرحومہ چونکہ میرے پھوپھا جان کی سگی بھتیجی تھیں اس لئے اس دوران وہ بھی کبھی کبھی دعا کے لئے حضرت مولانا راجیکی[رض] کی خدمت میں حاضر ہوا کرتیں حتیٰ کہ جب وہ مغلپورہ سے میرے پاس ربوہ منتقل ہو گئیں تو بھی اُن کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہونا ان کا معمول رہا۔ خصوصاً میری پاکستان سے عدم موجودگی کے دوران میرے لئے دعا کی یاد دہانی کرانے ضرور رہا کرتیں۔

مغربی افریقہ سے دوسری مرتبہ وطن واپسی کے بعد جنوری ۱۹۵۳ء میں خاکسار

تبخیر معدہ اور اعصابی کمزوری کے عارضہ میں مبتلا ہوگیا۔ جو اتنی شدت اختیار کر گیا کہ عرصہ تک لاہور کے چوٹی کے حکیموں اور ڈاکٹروں کے زیرِ علاج رہنے کے باوجود مجھے چنداں افاقہ نہ ہؤا۔ اور میں ناچار ربوہ واپس آگیا۔ اس کے بعد ایک روز میری والدہ مرحومہ مجھے محلہ دار الرحمت میں حضرت مولانا راجیکی رضی کی خدمت میں لے گئیں گو وہ پہلے بھی مجھے بطور مبلغ سلسلہ کسی حد تک جانتے تھے مگر یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں کوئی آدھ گھنٹہ ان کی صحبت سے مشرف ہؤا اور اُن سے اچھی طرح متعارف ہو سکا۔ انہوں نے میری بیماری کا حال سُنکر فرمایا۔ "مَیں دعا کروں گا" اور ایک نسخہ لکھکر دیا۔ مگر ایک ہفتہ استعمال کرنے کے باوجود اس سے مجھے کوئی افاقہ نہ ہؤا بلکہ کمزوری کے باعث میرے ہاتھ پاؤں اور ٹانگیں ٹھنڈی رہنے لگیں۔ دماغی کیفیت وہمناک سی ہوگئی اور بھوک بالکل ختم ہوگئی۔ چنانچہ والدہ مرحومہ کے کہنے پر ہم دونوں پھر حضرت مولانا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس مرتبہ مجھ سے حالات سُنکر انہوں نے ہاتھ اٹھاکر خاص توجہ سے میری صحت کے لئے دعا فرمائی اور والدہ صاحبہ کو فرمایا کہ وہ بکرے کی اوجھڑی پکا کر اس کا شوربا یا یخنی مجھے دو ہفتہ تک پلائیں نیز اوجھڑی کی کھال پہ جو کانٹے سے ہوتے ہیں انہیں کھرچ کر توے پر مع ذرا سی دار چینی اور کچھ چھوٹی الائچیوں کے ہلکی آنچ پر بھونا جائے اور پھر خشک کر کے سفوف بنا لیا جائے۔ اور اس کی پُڑیاں بنا کر دن میں تین مرتبہ میٹھے دہی یا پانی کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ چنانچہ ان دونوں امور پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری بیماری اور پھر آہستہ آہستہ کمزوری بھی دور ہوگئی اور مَیں حسب سابق باقاعدگی سے جامعہ احمدیہ میں غیر ملکی طلبہ کو تعلیم دینے لگا۔

قبولیتِ دعا کی بشارت

اس کے بعد اسی سال یعنی اکتوبر ۱۹۵۳ء میں مجھے بغرضِ تبلیغِ اسلام تیسری مرتبہ سیرالیون جانے کا حکم ملا۔ روانگی سے ایک روز قبل مورخہ ۵۳/۱۰/۱۷ کو خاکسار والدہ صاحبہ کے ساتھ حضرت مولانا راجیکی رضی کی خدمت میں دعا اور الوداعی ملاقات

کے لئے حاضر ہوا۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر توجہ سے اس ادنیٰ خادمِ سلسلہ کی صحت اور کامیابی کے لئے دعا کی۔ چند منٹ کی دعا کے بعد آمین کہتے ہی فرمانے لگے۔ "میری دعائیں تمہارے متعلق قبول ہوگئیں ہیں۔ مَیں نے ابھی ابھی دعا کے دوران بڑی فرحت بخش روشنی دیکھی ہے جو میرے تجربہ کے مطابق میری دعاؤں کی قبولیت کی نشانی ہوتی ہے۔ انشاء اللہ تمہارا یہ سفر بہت بابرکت ہوگا۔ اور اس مرتبہ تمہیں اللہ تعالیٰ افریقہ میں نمایاں کامیابی عطا فرمائے گا اور کامیاب و کامران واپس آؤ گے۔" اور پھر بڑے پیار سے معانقہ کر کے رخصت فرمایا۔

تبلیغی میدان میں کامیابی

چنانچہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے مجھے اس مرتبہ تبلیغی میدان میں نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئیں اور ساڑھے سات سال تک وہاں اللہ تعالیٰ نے بڑے کام مجھ سے لئے اور اپنے خاص فضلوں سے نوازا۔ اس مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بطور مبلغ انچارج دو مزید سکول کھولنے، کئی مسجدیں بنانے، بعض نئی جماعتیں قائم کرنے، اور ایک انگریزی ماہوار اخبار افریقن کریسنٹ اور ایک عربی ماہوار اخبار الہلال الافریقی نکالنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اسی طرح خاکسار کی بیوی کے ذریعہ سیرالیون میں لجنہ اماء اللہ کا قیام بھی اسی دوران عمل میں آیا۔ "نذیر احمدیہ پریس" کے نام سے جماعت کا اپنا پریس جاری کیا گیا۔ "بو" شہر میں ایک احمدیہ پبلک لائبریری کھولی گئی جس کا افتتاح "بو" کے انگریز کمشنر نے کیا۔ تقریباً ایک ہزار کی تعداد میں بیعتیں ہوئیں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خاص دعا سے دو مخلص احمدی اپنی اپنی ریاستوں کے پیراماؤنٹ چیف منتخب ہوئے۔ کئی گورنروں، صدروں وزیروں حتّٰی کہ بعض بادشاہوں کو بالمشافہ تبلیغ اسلام کرنے کا موقعہ ملا اور انہیں قرآن کریم تحفۃً دیئے گئے اور آخر حج بیت اللہ شریف کا فریضہ ادا کرنے اور زیارتِ روضۂ نبویؐ کے بعد خاکسار بفضلہٖ تعالیٰ کامیابی سے دسمبر ۱۹۶۰ء میں بخیر و عافیت ربوہ واپس آیا۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَعَالٰی ۔

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سے آخری ملاقات

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سے خاکسار کی الوداعی اور آخری ملاقات گو دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہ تھی لیکن شاید یہ مختصر لمحات میں کبھی فراموش نہ کر سکوں گا۔ اکتوبر ۱۹۵۳ء میں خاکسار کو تبلیغی سلسلہ میں حضور انورؓ نے تیسری مرتبہ سیرالیون روانگی کا حکم صادر فرمایا۔ تو ۱۷؍ اکتوبر کو الوداعی ملاقات کے لئے مکرم و محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر تحریک جدید نے مجھے حضور کی خدمت میں پیش کیا۔

حضور پُر نور اس وقت قصرِ خلافت کی سیڑھیوں کے قریب والے اُوپر کے کمرے میں سفید کھلی قمیص اور شلوار پہنے ہمارے انتظار میں تشریف فرما تھے۔ مصافحہ کے وقت حضورؓ نے اپنی نیم وا غلافی آنکھوں سے ایک لمحہ کے لئے اس عاجز کی طرف دیکھا اور پھر بیٹھکر سیرالیون کی جماعت اور مبلغین کرام کے متعلق مکرم وکیل التبشیر صاحب اور خاکسار کو ہدایات سے نوازتے رہے۔ حضورؓ نے فرمایا کہ انتظامی اور جماعتی امور زیادہ تر مقامی لوگوں کو تفویض کئے جائیں اور مبلّغ صرف بطور نگرانِ اعلیٰ کے کام کرے۔ نیز فرمایا کہ بیشک ملک کے تعلیمی معیار کو بلند کرنا اور خصوصاً احمدی نوجوانوں کی تعلیمی میدان میں حوصلہ افزائی کرنی نہایت ضروری ہے۔ لیکن ہمارا اصل کام تبلیغ اسلام ہے جس کو کسی حال میں بھی پیچھے نہیں ڈالا جا سکتا اس لئے تبلیغ پر زور دیں اور اسی مقصد کے لئے ہم مبلّغین وہاں بھیجتے ہیں تعلیم کے کام کے لئے علیحدہ سٹاف ہونا چاہیئے۔

اس دوران صرف دو مرتبہ حضور نے میری طرف نظرِ شفقت اٹھائی اور ضروری ہدایات اور پھر دعا و معانقہ کے بعد مجھے رخصت فرمایا۔ لیکن میری حالت حضور کے دربارِ عالی کے رعب اور کچھ حضورؓ سے لمبی جدائی کے تصوّر سے اس وقت اتنی غیر ہو چکی تھی کہ وقتِ رخصت فرطِ جذبات سے میری آنکھیں دُھندلا سی گئیں اور یہ شعور نہ رہا کہ واپسی کس طرف سے جانا ہے۔ چنانچہ حضورؓ سے الوداع

ہو کر میں بجائے سیڑھیوں کی طرف آنے کے کمرے کی دوسری سمت چل پڑا۔ تو حضورؓ نے ازراہِ شفقت مجھے دائیں شانہ سے تھام کر فرمایا "ادھر نہیں۔ نیچے جانے کا راستہ ادھر ہے۔" اور ازراہِ کرم میرا رُخ سیڑھیوں کی طرف پھیر دیا۔

خاکسار کو کیا معلوم تھا کہ حضور رضی اللہ عنہ سے ان کے اس ادنیٰ خادم کی یہ آخری ملاقات ہے اور پھر اس ناپائیدار دنیا میں براہ راست اس مقدس ہستی سے گفتگو اور اس کے روح پرور کلمات سننے کا موقع نصیب نہ ہوگا۔ اَللّٰھُمَّ ارْفع درجاتہ فِی اَعلیٰ عِلّیّین۔

احمدیہ سکولوں میں جمعہ کی تعطیل پر گورنر کا اظہارِ خیال

سیرالیون میں انگریزی راج کے دوران گورنر جنرل سیرالیون سال میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور ملک کے بڑے سکولوں کا معائنہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی دستور کے مطابق فروری ۱۹۵۴ء میں انگلستان سے آمدہ نئے گورنر جنرل سر جارج برسفورڈ سٹوک SIR GEORGE BERESFORD STOOK بھی "بو" شہر کے سکول کے معائنہ کے لئے تشریف لے آئے۔ جمعہ کی تعطیل کی وجہ سے ہمارا سکول بند تھا اور خاکسار سکول کے ایک نئے بلاک کی تعمیر کی نگرانی کر رہا تھا جس کے لئے حسبِ قواعد سیرالیون گورنمنٹ نے ۳۰۰ پونڈ ہمیں گرانٹ بھی دی تھی کہ اتنے میں گورنر جنرل صاحب ڈائریکٹر تعلیم کی معیت میں اچانک ہمارا سکول دیکھنے کے لئے آگئے۔

خاکسار نے استقبال کے بعد عرض کیا کہ مذہبی لحاظ سے جمعہ چونکہ مسلمانوں کے لئے خاص عبادت کا ہفتہ واری دن ہے اس لئے اسلام میں اس مبارک دن کے تقدس کے پیشِ نظر محکمۂ تعلیم کی اجازت سے ہمارے سب احمدیہ سکولوں میں ہفتہ واری تعطیل جمعہ کو کی جاتی ہے۔ غالباً ڈائریکٹر صاحب تعلیم انہیں یہ پہلے ہی بتا چکے تھے۔ اس پر گورنر جنرل صاحب نے تعجب یا غالباً ذرا طنز سے

کہا کہ مَیں تو سمجھتا تھا کہ مسلمانوں میں اپنے مذہبی شعائر کو اس حد تک اہمیت دینے والے اب باقی نہیں ہیں کہ اتوار کے مقابل پر سکولوں میں جمعہ کی تعطیل منانے لگیں۔ مَیں نے عرض کیا اسلام کے احمدیہ مشنری موومنٹ کی وجہ سے (خدا کے فضل سے) اب مسلمانانِ عالم میں بیداری پیدا ہو چکی ہے اور وہ اسلامی شعائر کا پورا احترام کرتے ہیں۔

ایک سوال کا جواب اس کے بعد گورنر جنرل صاحب نے پوچھا کہ کیا آپ کے سکولوں میں عیسائی سٹاف اور عیسائی اور غیر مسلم طالب علموں کے لئے بھی اتوار کو حاضری لازمی ہے مَیں نے کہا کہ ہاں لازمی ہے مگر ملازمت اور سکول میں داخلہ سے پہلے ان پر یہ صورت حال اچھی طرح واضح کر دی جاتی ہے۔ بایں ہمہ ہمارے مشن کی طرف سے انہیں اتوار کے روز گرجوں میں عبادت کے لئے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی رخصت دے دی جاتی ہے یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے اکثر خود اس رخصت سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ اسی طرح سکول کے ٹائم ٹیبل کے مطابق ہمارے دینی پیریڈ میں عیسائی استادوں اور طلبہ کا شریک ہونا لازمی نہیں ہوتا وہ علیحدہ کمرے میں جمع ہو کر اپنے طور پر دعا وغیرہ کر لیتے ہیں۔

گورنر جنرل نے زیر تعمیر عمارت دیکھی تو ڈائریکٹر صاحب تعلیم نے کہا اس عمارت کی گرانٹ ایک سال سے ادا ہو چکی ہے اس پر گورنر جنرل نے مجھ سے دریافت کیا کہ پھر عمارت کی تکمیل میں اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ گرانٹ کی رقم کافی نہ تھی اور اب ہم آہستہ آہستہ اپنے خرچ پر عمارت مکمل کر رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ کسی انجینئر کی تصدیق سے مصارف کا اندازہ پیش کر کے مزید بلڈنگ گرانٹ کے لئے درخواست دیدیں۔

پھر سکول کا ریکارڈ دیکھا اور لاگ بک (Log Book) میں بلڈنگ گرانٹ کے لئے سفارش کر کے لکھا کہ چونکہ مسلمانوں کا ہفتہ واری مذہبی دن ہے اسلئے آج اس سکول میں تعطیل ہے۔ انکے رخصت ہونے سے پہلے انہیں قرآن کریم انگریزی اور دیگر اسلامی لٹریچر پیش کیا گیا۔ (الفضل مورخہ ۱۰/ اگست ۱۹۶۷ء)

ایک یہودی ڈاکٹر کا مسلمانوں کے خلاف تعصّب

میرا بازو عمداً ٹیڑھا جوڑا گیا

۱۹۵۱ء کے شروع میں ایک مرتبہ خاکسار اور مکرم مولانا عبدالکریم صاحب حلال پوری حال لندن تبلیغی دورہ پر سیرالیون کے شہر "بو" سے مگبورکا جا رہے تھے۔ مکرم مولانا صاحب مشن کی اپنی کار خود ہی چلا رہے تھے۔ راستے میں قصبہ مانڈو سے ابھی چند میل بعد ہم ایک ایسی چھوٹی سی پہاڑی پر سے نیچے اتر رہے تھے جہاں سڑک کچھ تنگ ہو جاتی تھی اور آگے سے بیک وقت دو لاریاں اوپر چڑھ رہی تھیں کہ اتفاقاً ہماری کار ایک لاری سے ذرا بھڑ کر ایک طرف سے سڑک کی چھوٹی سی نالی میں دھنس گئی۔ خاکسار چونکہ اُسی طرف سوار تھا اور میرے بائیں بازو کی کہنی باہر نکلی ہوئی تھی۔ اس لئے اچانک یہ حادثہ ہونے کی وجہ سے میرے اس بازو کی ہڈی کہنی کے اوپر سے ٹوٹ گئی۔

بازو غلط جوڑ کر درست کرنے سے انکار چنانچہ اسی وقت ہم واپس "بو" آکر گورنمنٹ ہسپتال پہنچے جس کے انچارج اس وقت ایک نہایت متعصب یہودی ڈاکٹر جسٹو عا تھے جن سے فلسطین اور اسرائیل وغیرہ پر میری کئی مرتبہ بحث بھی ہو چکی تھی، تاہم اپنے پیشے اور ڈاکٹری ذمہ واری کے بارے میں ہمیں اُن سے قطعاً کسی تعصب یا دشمنی کی امید نہ تھی۔ وہ بڑی ہمدردی سے پیش آتا تھا اپریشن روم میں مجھے بیہوش کرنے سے پہلے باتوں باتوں میں طنزیہ طور پر کہنے لگا آپ بڑے اچھے مشنری ہیں اور آپ سے مجھے لگاؤ بھی ہے کیونکہ آپ اور ہم سب موحّد ہیں لیکن افسوس آپ کو ابھی تک یہ انصاف کی بات کہنے کی جرأت نہیں ہوتی کہ تمہارے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خیبر کے یہودیوں سے انصاف نہیں کیا تھا اور ان کے مردوں کو قتل کر کے ان پر بے مثال ظلم کیا تھا۔ میں نے کہا کہ وہ لوگ عہد شکن تھے اور دنیا کی ہر قوم اور مذہب بلکہ آپ کی موسوی شریعت میں بھی عہد شکنوں کی یہی سزا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر مذکور ہے۔ نیز یہ بھی تو جانو کہ انہیں قتل کرنے کا فیصلہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہرگز نہیں کیا تھا بلکہ مدینہ کے انصار کے اس سردار نے کیا تھا جسے خود آپ کے ان یہودیوں نے حاکم اور جج مقرر کرنا پسند کیا تھا ورنہ اگر وہ ہمارے رحیم و کریم نبی محمدؐ پر فیصلہ چھوڑ

دیتے تو یقیناً وہ قتل نہ ہوتے ۔ اس کے بعد مجھے بے ہوش کر کے اس نے میرے بازو پر پلستر لگا دیا۔ لیکن مجھے تسلی نہ ہوئی اور ساری رات میں شدید درد سے کراہتا اور سخت بے چین رہا۔ اگلی صبح کو جب وہ آیا تو میں نے کوئی ایسی دوائی طلب کی جو درد کم کر دے نیز عرض کیا کہ وہ دوبارہ ایکسرے سے دیکھیں کہ ہڈی ٹھیک جڑی ہے کہ نہیں ۔ چنانچہ ایکسرے سے معلوم ہوا کہ ٹوٹے ہوئے بازو کے دونوں سرے سیدھے نہیں بلکہ ٹیڑھے ہیں ۔ ایک دوسرے افریقن ڈاکٹر نے بھی تصدیق کی کہ بازو ٹیڑھا ہے مگر میرے سامنے ہی وہ یہودی ڈاکٹر اس سے بھی الجھ پڑا اور اصرار کیا کہ بازو سیدھا ہے ۔ میں نے اصرار کیا کہ دوبارہ جوڑا جائے مگر وہ نہ مانا حالانکہ ایکسرے بتا رہا تھا کہ بازو تقریباً آدھ انچ ٹیڑھا ہے ۔ آخر میں نے کہا میں میڈیکل ڈائرکٹر کے پاس شکایت کروں گا کہنے لگا جاؤ شکایت کرو تم ہمارے مذہب اور قوم کے دشمن ہو اب میں تمہارا علاج نہیں کروں گا جاؤ میرے ہسپتال سے نکل جاؤ اور فری ٹاؤن جا کر شکایت کرو ۔ میں اس صورت حال سے سخت پریشان ہوا ۔ لیکن چونکہ اس وقت اس علاقہ میں اور کوئی ہسپتال نہیں تھا اور فری ٹاؤن تقریباً ڈیڑھ سو میل دور اور راستہ بھی دشوار تھا ۔ کار وغیرہ کا بھی کوئی انتظام نہیں تھا ۔ اس لئے جماعت کے احباب اور مبلغین کرام نے مشورہ دیا کہ اب صبر و تحمل سے خدا پر توکل کر کے وہیں رہوں ۔ چنانچہ مجبوراً مجھے بیس روز اسی ڈاکٹر کے زیر علاج رہنا پڑا اور نتیجہ یہ ہوا کہ گو بازو کی ہڈی جڑ گئی ۔ لیکن بازو اسی طرح ٹیڑھا رہا ۔ جس طرح ایکسرے میں دیکھا تھا اور آج بھی ہر شخص میرے دونوں بازوؤں میں یہ نمایاں فرق محسوس کر سکتا ہے کہ ایک سیدھا اور دوسرا ٹیڑھا ہے حالانکہ اس ڈاکٹر کی ذرا سی توجہ سے بازو سیدھا جڑ سکتا تھا بلکہ اس کے افریقن نائب ڈاکٹر نے بھی اسے مشورہ دیا تھا کہ سیدھا کر دیں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی پیشہ ورانہ غلطی نہ تھی بلکہ محض اس ڈاکٹر کا یہودیانہ تعصب تھا ورنہ اگر وہ چاہتا تو دوسرے روز بھی سیدھا کر کے جوڑ سکتا تھا ۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے بڑے بھائی مولانا ابو النصر آہ لکھتے ہیں :۔

"میں نے اور کیا دیکھا ! قادیان دیکھا ۔ مرزا صاحب سے ملاقات کی ۔ مہمان رہا ۔ مرزا صاحب کے اخلاق اور توجہ کا مجھے شکریہ ادا کرنا چاہیئے ۔ ۔ ۔ ۔ مرزا صاحب کی صورت نہایت شاندار ہے جس کا بہت فوری اثر ہوتا ہے ۔ آنکھوں میں ایک خاص طرح چمک اور کیفیت ہے اور باتوں میں ملائمت ہے طبیعت منکسر مگر حکومت خیز ، مزاج ٹھنڈا مگر دلوں کو گرما دینے والا ۔" (اخبار وکیل امرتسر بحوالہ الحکم اخبار ۲۴ مئی ۱۹۰۵ء)

سیرالیون میں احمدیہ پریس کا اجراء اور مخلصین کی قربانیاں

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی زبانِ مبارک سے

۱۹۵۵ء کے دو مہینے مئی اور جولائی احمدیہ دار التبلیغ سیرالیون کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ مئی ۱۹۵۵ء میں خاکسار کی ادارت میں سیرالیون احمدیہ مشن کی طرف سے ایک ماہنامہ عربی اور انگریزی میں الہلال الافریقی اور THE AFRICAN CRESCENT افریقن کریسنٹ جاری کیا گیا۔ جو خدا کے فضل سے سیرالیون کے عربی اور انگریزی جاننے والے مسلمانوں میں بیداری اور احمدیت کا پیغام پہنچانے کا مؤثر ذریعہ ثابت ہوا۔ اپریل ۱۹۵۹ء میں خاکسار کی لائبیریا احمدیہ مشن میں تبدیلی پر اس کا عربی ایڈیشن تو جاری نہ رکھا جا سکا۔ لیکن انگریزی ایڈیشن خدا کے فضل سے کئی سال تک جاری رہا بلکہ اب بھی کسی نہ کسی صورت میں جاری ہے۔

احمدیہ پریس کے قیام کی تفصیل حضرت مصلح موعودؓ کی زبانی اس ماہنامہ کو جاری رکھنے اور جماعت کے لئے مختلف زبانوں میں تبلیغی لٹریچر تیار کرنے کے لئے سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے میری ایک رپورٹ کے جواب میں تحریر فرمایا کہ جتنی جلدی ہو سکے جماعت کا اپنا پرنٹنگ پریس جاری کیا جائے۔ چنانچہ حضورؓ کے اس ارشاد کی تعمیل کے لئے مکرم مولانا نذیر احمد علی صاحب رضی اللہ عنہ کی یاد میں "بو" کے مقام پر ان کے نام کی مناسبت سے نذیر احمدیہ مسلم پریس" قائم کیا گیا۔ اس پریس کا قیام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک غیر معمولی نشان کی حیثیت رکھتا ہے اور صداقتِ احمدیت کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ جس کی تفصیل سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی زبانِ مبارک سے تحریر کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ حضور مجلس انصار اللہ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر اپنے خطاب مؤرخہ

۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۶ء میں سیرالیون میں جماعت کی ترقی کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"سیرالیون میں ہمارا ایک اخبار (افریقن کریسنٹ) چھپتا ہے۔ اس کے متعلق ہمارے مبلغ (محمد صدیق امرتسری) نے لکھا ہے کہ چونکہ ہمارے پاس اپنا کوئی پریس نہیں تھا اس لئے عیسائیوں کے ایک پریس میں ہمارا وہ اخبار چھپنا شروع ہوا۔ دو چار پرچوں پر تو عیسائی برداشت کرتے چلے گئے۔ لیکن جب یہ سلسلہ آگے بڑھا تو پادریوں کا ایک وفد اس پریس کے مالک کے پاس گیا اور اسے کہا کہ تمھیں شرم نہیں آتی کہ تم اپنے پریس میں ایک احمدی اخبار شائع کر رہے ہو جس نے عیسائی مشنوں کی جڑوں پر تبر رکھا ہوا ہے چنانچہ اس پر اس پریس کے مالک کو غیرت آئی اور اس نے ہمارے مبلغ سے کہدیا کہ اب آئندہ میں تمہارا اخبار اپنے پریس میں نہیں چھاپوں گا۔ کیونکہ پادری بہت برا مناتے ہیں۔

عیسائیوں کی عارضی خوشی

چنانچہ جب اس وجہ سے ہمارا اخبار چھپنا بند ہو گیا تو عیسائیوں کو اس سے بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے ہمیں اس طرح جواب دینے کے علاوہ اپنے اخبار میں بھی ایک نوٹ لکھا کہ ہم نے تو احمدیوں کا اخبار چھاپنا بند کر دیا ہے اب ہم دیکھیں گے کہ اسلام کا خدا ان احمدیوں کے لئے کیا سامان پیدا کرتا ہے یعنی پہلے تو ان کا اخبار ہمارے پریس میں چھپ جایا کرتا تھا اب چونکہ ہم نے انکار کر دیا ہے اور ان کے پاس اپنا کوئی پریس نہیں۔ اس لئے اب ہم دیکھیں گے کہ یہ جو مسیح کے مقابلہ میں اپنا خدا پیش کرتے ہیں اس کی کیا طاقت ہے اگر اس میں کوئی قدرت ہے تو وہ ان کے لئے اب خود سامان پیدا کرے۔"

چیف قاسم کا ایک ہزار پونڈ کا عطیہ

ہمارے وہ مبلغ لکھتے ہیں کہ "جب میں نے ان کے اخبار میں

یہ پڑھا تو میرے دل کو سخت تکلیف محسوس ہوئی مَیں نے اپنی جماعت میں تحریک کی کہ وہ چندہ کر کے پریس کے لئے اتنی رقم جمع کر دیں کہ ہم اپنی ضرورت کے مطابق اپنا ایک اچھا پریس خرید سکیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے جماعت میں عام تحریک کرنے کے علاوہ جماعت کے خاص مخلصین اور مخیر احباب کے پاس پہنچکر انہیں اپنی حیثیت کے مطابق بڑھ چڑھ کر چندہ دینے کی تحریک کی۔ چنانچہ ایک مرتبہ "بو" سے باہاں جانے کے لئے مَیں نے موٹر کا ٹکٹ لیا اور کوئی پچاس میل کا سفر طے کر کے ایک احمدی چیف یا قاسم کمانڈا کے پاس گیا تاکہ اسے تحریک کروں کہ وہ اس کام میں حصہ لیں۔ مَیں ابھی ان کی طرف جا ہی رہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ ان کے گاؤں سے چھ سات میل ادھر ہی وہ مجھے ایک موٹر میں کہیں جاتے ہوئے نظر آ گئے اور انہوں نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی موٹر سے اُتر کر میرے پاس آئے اور کہنے لگے آپ کس طرح تشریف لائے ہیں۔ مَیں نے کہا اس اس طرح ایک عیسائی اخبار نے لکھا ہے کہ ہم نے تو ان کا اخبار بند کر دیا ہے اگر مسیح کے مقابلہ میں ان کے خدا میں کوئی طاقت ہے تو وہ کوئی معجزہ دکھا دے۔ وہ مجھے کہنے لگے آپ اسی جگہ ٹھہریں مَیں ابھی اپنے گاؤں سے ہو کر آتا ہوں چنانچہ واپس اپنے گاؤں گئے اور تھوڑی دیر کے بعد ہی انہوں نے پانچ سو پونڈ مجھے لا کر دیئے۔ پانچ سو پونڈ وہ مجھے پریس کے لئے پہلے دے چکے تھے گویا تیرہ ہزار روپے کے قریب انہوں نے رقم مجھے دے دی۔ اور پھر بڑے جوش سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ پریس کا جلدی انتظام کریں تاکہ ہم عیسائیوں کو جواب دے سکیں۔ کہ اگر تم نے ہمارا اخبار چھاپنے سے انکار کر دیا ہے تو دیکھ لو اب ہمارے قادر خدا نے بھی ہمیں پریس دے دیا ہے!!

دریا اُلٹا بہنے لگا | جماعت کے دوسرے دوستوں نے بھی اس تحریک

میں حصہ لیا ہے اور اس وقت تک اٹھارہ سو پونڈ سے زیادہ رقم جمع ہو چکی ہے اور انگلینڈ میں ایک احمدی دوست کے ذریعہ پریس کے لئے آرڈر دے دیا گیا ہے۔ یہ شخص جس کے پاس ہمارا مبلغ گیا کسی زمانہ میں احمدیت کا شدید مخالف ہوا کرتا تھا اتنا سخت مخالف کہ ایک دفعہ وہ اپنے گاؤں کے قریب دریا کے کنارے جا رہا تھا۔ کہ ایک احمدی نے اسے تبلیغ کرنی شروع کر دی۔ اس پر وہ دریا کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ دیکھو یہ دریا اِدھر سے اُدھر بہہ رہا ہے۔ اگر یہ دریا یکدم اپنا رخ بدل لے اور نیچے سے اوپر کی طرف اُلٹا بہنا شروع کر دے تو یہ ممکن ہے لیکن میرا احمدی ہونا ناممکن ہے۔ مگر کچھ دنوں بعد ایسا اتفاق ہوا کہ کوئی بڑا عالم فاضل نہیں بلکہ ایک لوکل افریقن احمدی ان سے ملا اور چند دن انہیں تبلیغ کی تو وہ احمدی ہو گئے اور احمدی ہونے کے بعد پھر انہوں نے خود ہمارے مبلغ کو لکھا کہ بے شک میں نے پہلے کہا تھا کہ جس طرح میرے اس گاؤں کا یہ دریا اُلٹا نہیں بہہ سکتا اسی طرح میں بھی احمدی نہیں ہو سکتا مگر اب میں آپ کو خوشخبری سُناتا ہوں کہ بے شک احمدیت سچی ہے اور آپ خود آ کر دیکھ لیں اس دریا نے الٹا بہنا شروع کر دیا ہے یعنی وہ احمدی ہو گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی مدد کی اور اس کی مالی حالت پہلے سے بہت اچھی ہو گئی"۔

(خطاب حضرت مصلح موعود بر موقع اجتماع انصار اللہ اکتوبر ۱۹۵۶ء

تاریخ احمدیت جلد ۷ صد ۴۰۹ و ۴۱۰ (الفضل ۲۶ مارچ ۱۹۵۷ء)

ان کے علاقہ میں ہیروں کی کانیں دریافت ہوئیں

جیسا کہ حضورؓ نے اپنے خطاب میں فرمایا ہے۔ اس چیف کی دعوت پر خاکسار ان کے پاس گیا۔ اور چند روز ٹھہر کر ان کی اور نومبایعین کی تربیت کرتا رہا۔ میرے وہاں قیام کے دوران ہی انہوں نے مجھ سے وہاں احمدیہ مسجد کی بنیاد رکھوا کر اپنے خرچ پر اُسے تعمیر کروایا۔ اور جیسا کہ حضورؓ نے فرمایا ہے احمدیت

قبول کرنے کے بعد اس کی مالی حالت خدا کے فضل سے بہت اچھی ہو گئی اُن کی زمین میں سے ہیرے برآمد ہوئے جس کی انہیں رائلٹی ملنی شروع ہو گئی۔ چنانچہ جب بھی ان کی موجودگی میں کسی مجلس میں احمدیت کا تذکرہ ہوا کرتا تو وہ بڑے خلوص و وثوق اور جذباتِ تشکر کے ساتھ اس امر کو احمدیت کی صداقت کا نشان قرار دیا کرتے۔ اس کے چند سال بعد وہ خاکسار کی معیت میں حج بیت اللہ شریف کے لئے بھی گئے۔ اس بابرکت سفر میں ہمارے ساتھ الحاج علی روجرز پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ "بو" بھی شریک تھے۔ اور ہم تینوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے باحسن طریق حج کا فریضہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی فالحمدللہ تعالیٰ۔

ایک مخلص نے دو مکان ہبہ کر دیئے

مذکورہ بالا پریس کے لئے جب مالی تحریکیں کی جا رہی تھیں تو مجھے دن رات یہ فکر رہنے لگا کہ اب ہم یہ احمدیہ پریس کہاں اور کس عمارت میں فِٹ کریں گے کیونکہ ہمارے پاس اس وقت "بو" میں سوائے ایک احمدیہ دارالتبلیغ کی عمارت کے اور کوئی عمارت نہ تھی۔ اسی فکر میں ایک شب بے چینی کے عالم میں بار بار بستر پر پہلو بدلتے ہوئے خاکسار اللہ تعالیٰ کے حضور ملتجی تھا کہ الٰہی اس پریس کے لئے عمارت کا کیا انتظام کیا جائے کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا کہ محترم الحاج علی روجرز صاحب کو تحریک کروں کہ وہ مسجد احمدیہ "بو" کے ساتھ والے اپنے دونوں مکان اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر جماعت کے نام ہبہ کر دیں اور کستی ٹاؤن میں جو وہ اپنی تیسری دو منزلہ عمارت بنا رہے ہیں اب اس کے ذریعہ ان کے رزق میں فراخی عطا کی جائے گی۔

چنانچہ اگلے روز خاکسار نے مکرم الحاج علی روجرز کے پاس جا کر انہیں کہا کہ آپ سے ایک بڑی اہم بات کرنی ہے میرے ساتھ ذرا مسجد احمدیہ تک چلیں۔ مسجد میں ہم نے وضو کر کے دو دو نفل ادا کئے۔ اور بڑے سوز و گداز کے ساتھ دعا کی۔ اس کے بعد محراب میں بیٹھ کر میں نے انہیں سمجھایا کہ یہ دنیا اور یہ اس کی زیب و زینت اور یہ جائیدادیں وغیرہ محض آنی جانی چیزیں ہیں۔ آج اگر انسان مر جائے تو کل رشتہ دار متروکہ جائیدادوں پر لڑنا شروع کر دیتے ہیں

اور مرنے والے کے کام صرف وہی کچھ آتا ہے جو اس نے اللہ تعالےٰ کی راہ میں پیش کیا ہوتا ہے اس لئے جماعت کی فوری ضروریات کے پیش نظر آپ یہ مسجد کے ساتھ والے اپنے دونوں مکان مع ساتھ والی زمین اللہ تعالےٰ کی خاطر احمدیہ مشن کو ہبہ کر دیں کیونکہ ان کی اس وقت اشد ضرورت ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے آپ کے زیر تعمیر مکان میں بہت برکت ڈالے گا۔ اور رزق میں بھی فراخی عطا فرمائے گا۔ خدا کے کام تو ہو کر ہی رہیں گے آپ نیکی کے اس نادر اور زریں موقع سے فائدہ اٹھائیں اور ضائع نہ کریں۔

لائبریری اور ریڈنگ روم کا قیام

مَیں قربان جاؤں اس پیارے بزرگ بھائی کے وہ بغیر کسی تردد اور عذر کے فی الفور سرِتسلیم خم کرتے ہوئے اپنے وہ دونوں مکان ہبہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور کہنے لگے آپ نے جو کچھ فرمایا ہے بالکل درست ہے۔ لائیں کاغذ اور قلم اور مجھ سے ابھی ابھی لکھوا لیں۔ چنانچہ اسی وقت ہم مشن کے دفتر میں پہنچے اور مَیں نے لوکل قانون کے مطابق انگریزی میں معاہدے کا ڈرافٹ تیار کر کے اس کی تین نقول ٹائپ کیں اور بطور گواہ جماعت کے دو سرکردہ ممبران کو بلا کر ان کے سامنے الحاج علی روجرز صاحب سے دستخط کروا لئے۔ چنانچہ اس کے بعد سے شہر کے وسط میں مسجد احمدیہ سے ملحقہ ان کی دونوں عمارتیں اور خالی زمین قانونی طور پر احمدیہ مشن سیرالیون کی ملکیت ہو گئیں۔ ان کی قیمت مع زمین اس وقت تین ہزار پونڈ سے کم نہ تھی۔ اور اب پندرہ ہزار پونڈ سے بھی زائد ہو گی۔ ان میں سے ایک عمارت میں "نذیر احمدیہ مسلم پریس" قائم کیا گیا اور دوسری عمارت جماعت کی سنٹرل لائبریری اور پبلک ریڈنگ روم کے طور پر استعمال ہونے لگی۔ جس کا افتتاح ملک کے سینکڑوں سرکردہ باشندوں کی موجودگی میں "بو" کے ڈسٹرکٹ کمشنر صاحب نے کیا۔ اور پھر پبلک کا ہر طبقہ اس لائبریری اور ریڈنگ روم سے فائدہ اٹھانے لگا۔ اس ریڈنگ روم میں لوکل اخبارات کے علاوہ دنیا بھر سے ہر قسم کے کم و بیش تینتیس ۳۳ روزانہ، ہفتہ وار اور ماہوار اخبار اور رسالے وغیرہ باقاعدہ آیا کرتے تھے جن میں سے اکثر احمدیہ

لائبریری کے نام پر مفت آتے تھے۔ یہاں اظہارِ تشکر کے طور پر یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ مجوزہ پریس کی مشینیں خریدنے کے لئے محترم الحاج علی روجرز صاحب نے اپنے دو مکانوں کے علاوہ اپنے اور اپنے خاندان کی طرف سے بطور چندہ پریس ۵۰۰ پونڈ نقد بھی ادا فرمایا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ۔

پریس کے لئے انگلستان سے آمدہ چاروں مشینیں سالہا سال تک مشن کی ضروریات پورا کرنے کے علاوہ تجارتی لحاظ سے بھی سودمند ثابت ہوئیں لیکن چونکہ وہ سیکنڈ ہینڈ تھیں اس لئے انہیں فروخت کر کے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی زیر ہدایت اب چند سالوں سے بالکل نیا اور ماڈرن پریس لگایا گیا ہے جو کامیابی سے چل رہا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالیٰ۔

الحاج علی روجرز کا نیک نمونہ اور قربانیاں

ہمارے بزرگ بھائی الحاج علی روجرز جن کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں خدا کے فضل سے ایک مخلص خادم اسلام احمدیت کے فدائی عبادت گزار مہمان نواز اور خلیفۂ وقت اور مرکزِ سلسلہ سے والہانہ محبت رکھنے والے احمدی ہیں اور حج بیت اللہ کے علاوہ قادیان اور ربوہ کی زیارت سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔ میرے سیرالیون میں قیام کے دوران تقریباً بیس سال وہ جماعتی امور میں میرے اور دیگر مبلغین کرام کے دستِ راست رہے اور اب بھی ہیں۔ ۱۹۴۱ء میں الحاج مولانا نذیر احمد علی رضی اللہ عنہ کی تجویز پر اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی اجازت سے الحاج علی روجرز صاحب کی بڑی لڑکی بشریٰ روجرز میرے نکاح میں آئیں جن سے اللہ تعالیٰ نے مجھے چار بیٹے عطا فرمائے جن میں سے دو عزیز محمد بشیر صدیق اور عزیز محمد منیر صدیق بفضلہ تعالیٰ زندہ ہیں مگر دو بچپن میں وفات پا گئے۔ میرے اندازے کے مطابق سیرالیون احمدیہ مشن کے قیام کے وقت سے اب تک اسلام اور احمدیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے الحاج علی روجرز صاحب کو سب سے زیادہ مالی قربانیاں پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ نیز میری سیرالیون میں موجودگی میں وہ دوسرے مخلصین کی طرح سالہا سال تک کئی کئی ہفتے وقفِ عارضی کے طور پر نظام

جماعت کے ماتحت تبلیغ کے لئے پیش کرتے رہے۔ احمدیت کی خاطر مخالفوں کی طرف سے مصائب و مشکلات کو صبر سے برداشت کرنے میں بھی وہ بفضلہ تعالیٰ پیش پیش رہے ہیں۔ نیز جہاں تک مجھے یاد ہے سیرالیون میں الحاج علی روجرز واحد ایسے مسلمان ہیں جنہوں نے احمدی ہوتے ہی الحاج مولانا نذیر احمد علیؓ کی تحریک پر محض اسلام کی تعلیم پر صحیح طور پر عمل کرنے کی خاطر اور خوفِ خدا دل میں رکھتے ہوئے اور قیامِ شریعت کی غرض سے اپنی ۱۵ بیویوں میں سے صرف چار دیندار اور مناسبِ حال منتخب کر کے باقی گیارہ بیویوں کو طلاق دے کر بہ عزّت و احترام رخصت کر دیا تھا۔ حالانکہ ان میں سے اکثر اچھے خاندانوں اور امیر گھرانوں کی با اولاد خواتین تھیں۔

"بو" میں نئی مسجد کی بنیاد

یہ بھی الحاج علی روجرز صاحب کی خوش قسمتی ہے اور ان کی قربانیاں اللہ تعالےٰ کے حضور قبول ہو جانے کا ثبوت ہے کہ سیدنا و مولانا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ نے اپنے ۱۹۷۰ء کے دورۂ مغربی افریقہ کے دوران سیرالیون کے شہر "بو" میں اسی وسیع قطعۂ زمین پر مرکزی احمدیہ مسجد کی بنیاد رکھی۔ جو انہوں نے جماعت کے نام ہبہ کیا تھا۔ یہ مسجد خدا کے فضل سے پایۂ تکمیل کو پہنچکر اب کئی سال سے استعمال میں آرہی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ الحاج علی روجرز کی عمر اور صحت میں برکت دے اور لمبا عرصہ مزید خدمتِ دین کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی اولاد کو بھی احمدیت کے نور سے منوّر رکھے۔ آمین۔

آخر میں عرض ہے کہ نذیر احمدیہ پریس کے قیام کے حالات کے ضمن میں محترم الحاج علی روجرز صاحب کے جماعت کے لئے اخلاص و ایثار اور قربانیوں کا تفصیلی ذکر کرنا پڑا ہے ورنہ ان جیسے لاتعداد مخلص اور فدائی احمدی اللہ تعالیٰ نے سیرالیون احمدیہ مشن کو عطا فرمائے جنہوں نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دین کی خاطر قربانیاں کیں اور کرتے چلے آرہے ہیں اور انشاء اللہ کرتے چلے جائیں گے۔ اور خدا جانے کتنے مزید اور نئے مخلصین اور فدائی قسم کے احمدی ابھی اور اس مشن کو ملنے مقدّر ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اسلام اور احمدیت کے لئے سیرالیون کے

مندرجہ ذیل احمدی احباب کا اخلاص اور ان کا ایثار اور قربانیاں سنہری حروف سے لکھی جانے کے قابل ہیں اور یہ لوگ موجودہ اور آنے والی نسلوں کی دعاؤں کے مستحق ہیں۔

پیرا مونٹ چیف بائیو مرحوم آف ٹونگے۔ پیرا مونٹ چیف خلیلو گامانگا مرحوم آف باجے بو۔ پیرا مونٹ چیف ناصر الدین کینوا گامانگا مرحوم۔ الحاج پا سیدو بنگورا مرحوم۔ الحاج عبدالرحمٰن ماساکوئے۔ السید امین خلیل سکیکی مرحوم۔ السید مصطفیٰ جورج آف بیلیے۔ السید حسن محمد ابراہیم مرحوم۔ پا الفا شریف۔ پا محمد بشیر تقی مرحوم آف متوتوکا۔ پا بشیر الدین سانڈی مرحوم آف بو۔ پا علی مصطفیٰ آف بو۔ پا سانٹیکی لامیا مرحوم آف کامبیا۔ پا محمد ابراہیم کروما مرحوم آف بو۔ پیرا مونٹ چیف لحائے سووا مرحوم آف بانڈا جا سووا۔ الاستاذ عباس ریفان مرحوم آف بانڈا جا سووا۔ پا بی ٹی کولا ہا مرحوم آف بانڈو۔ پا سانڈی گامانگا آف باجے بو۔ پیرا مونٹ چیف باوورے گامانگا آف باجے بو۔ معلم پا فوڈے صالحو۔ مسٹر ایس یوجاہ آف بنتی۔ مسٹر عبدالباری۔ مسٹر محمد کمانڈا بونگے آف بو۔ مسٹر موسیٰ سووا آف بلاما۔ پا الحسینی جبکا آف سرا بو۔ پا عثمانا پاسٹے ما آف پانگوما۔ پا محمد ابراہیم ذکی آف بیلا ہون۔ پا مصطفیٰ کوجے آف بیلا ہون۔ میڈم ماما آف والیہون۔ معلم الفا ادریس آف والیہون۔ ٹیچر مصطفیٰ بی ابراہیم آف بو۔ ٹیچر موسیٰ کمارا آف بو۔ ٹیچر عقیل تیجان آف بوڈامبارا۔ ٹیچر آئی۔ کے محمد آف بیلا ہون۔ پا سوری باہ بنگورا۔ پا سفا آدم آف مگبورکا۔ پا کالی سانکو آف مگبورکا۔ پا سانفا تولا آف باؤما ہون۔ پا صالحو آف باؤما ہون۔ پا وانڈی کروما۔ الفا عمارا ادریس آف مماجو۔ میڈم آئی روجرز آف بانڈو۔ پا عبدل گامانگا آف باجے بو۔ پا سنوسی کمارا۔ پا الحاج یحییٰ کمارا آف روکوپر۔ پا الفا احمدو آف بیلیے۔ پا سعیدو کمارا مرحوم آف روکوپر۔ ٹیچر ابراہیم بن محمود آف روکوپر۔ پا محمد عبداللہ آف بانڈو۔ پا الفا نوجا مرحوم آف باڈو۔ میڈم ٹونگیا مرحومہ۔ پا ایم۔ ایس دین مرحوم آف فری ٹاؤن۔ پا بائی ٹورے آف فری ٹاؤن۔ پا علی سیسے آف فری ٹاؤن۔ پا عمارا کانو آف فری ٹاؤن۔ امام عبداللہ کول آف فری ٹاؤن۔

پاما نسرے آف فری ٹاؤن ۔ پا سلیمان سیسے آف بیلے ۔ پیرا ماؤنٹ چیف الحاجی المنامی سوری آف مکالی۔

آدم خوری کا ایک چشم دید دلخراش واقعہ

جنوری ۱۹۵۶ء میں مجھے تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں سیرالیون کی ایک ریاست جمی باگبو (JIMI BAGBO) ضلع پوجے ہون (PUJEHUN) کا دورہ کرنا پڑا۔ اس ریاست کے پیراماونٹ چیف آنریبل کھوکھر وزیر مواصلات سیرالیون گورنمنٹ عیسائی ہونے کے باوجود بڑے اسلام دوست خوش طبیعت اور مہمان نواز حاکم تھے۔ ان کے خاندان کے اکثر اکابر مسلمان ہیں۔ اس ریاست کے ایک گاؤں لیووما (LEVOMA) میں مجھے چند روز قیام کرنا پڑا۔ میری قیام گاہ کے قریب ہی ایک غریب سی عورت کا گھر تھا جس کا خاوند "بو" شہر کے ڈسٹرکٹ آفس میں چپڑاسی تھا وہ عورت اپنی دس گیارہ سالہ بچی اور ڈیڑھ دو سال کے بچے کو ساتھ لے کر گاؤں کے بیرونی حصے میں پام (PALM) کے درختوں کے نیچے کھجوروں کی قسم کے سُرخ پھلوں کی گٹھلیاں چُنا کرتی تھی۔ اس پھل کا سرخ تیل اور گٹھلیوں کا سفید تیل وہاں کھانوں میں استعمال ہوتا ہے۔

بناوٹی بن مانس ایک روز سورج ڈھلے مَیں نے دیکھا وہ تینوں ماں بچے اسی کام کے لئے قصبے سے باہر درختوں کی طرف جا رہے ہیں۔ لیکن کچھ دیر بعد تقریباً مغرب کے وقت اچانک اسی سمت سے مجھے زور زور سے رونے پیٹنے کی آوازیں سنائی دیں۔ مَیں نے باہر نکل کر دیکھا تو وہی عورت اور اس کی لڑکی روتی ہوئی اور سر پیٹ پیٹ کر واویلا کرتی ہوئی چلی آرہی ہیں مگر وُہ ڈیڑھ سالہ بچہ ان کے پاس نہیں ہے قریب آئیں تو ان سے پتہ چلا کہ جنگل سے ایک بہت بڑے بابون (BABOON) نے جسے اردو میں غالباً بن مانس کہتے ہیں نکل کر ننھے بچے کو ان سے چھین لیا ہے اور پھر فوراً جنگل میں غائب ہو گیا ہے۔

بعد میں پتہ چلا کہ وہ عورت تاڑی کی گٹھلیوں کا ٹوکرا جب گھر چھوڑنے آئی تو اس کی لڑکی وہاں اکیلی گٹھلیاں چنتی رہی اس وقت لڑکی نے اپنا چھوٹا بھائی اپنی پیٹھ پر کپڑے سے باندھا ہوا تھا۔ کہ اتنے میں جنگل سے ایک بن مانس نمودار ہوا۔ اور لڑکی کی کمر پر باندھے ہوئے بچے کی ٹانگ مضبوطی سے پکڑ کر دونوں کو کھینچتا ہوا جنگل کی طرف لے گیا لڑکی نے خوفزدہ ہو کر شور مچایا اور اس بابون کی غراہٹوں اور دھکوں کے باوجود وہ اپنے بھائی کی ٹانگ اس کے پنجہ سے چھڑانے کی پوری کوشش کرتی رہی۔ چونکہ اس بن مانس کو آبادی کی طرف سے کسی کے آنے جانے کا بھی خوف تھا اس لئے اس نے تنگ آکر لوکل "مینڈے زبان" میں لڑکی کو کہا۔ بچہ کو چھوڑ دو ورنہ تمھیں بھی ساتھ ہی جنگل میں لے جا کر تمہارا خاتمہ کر دونگا

گاؤں میں کہرام مچ گیا

اتنے میں بچوں کی ماں واپس آگئی اور جنگل میں تلاشِ بسیار کے باوجود جب وہ دونوں اس بن مانس کا سراغ نہ لگا سکیں اور نہ بچے کی کوئی آواز انہیں سنائی دی تو وہ روتی پیٹتی گاؤں واپس آگئیں۔ اس واقعہ سے گاؤں میں کہرام مچ گیا۔ لوگ سہم گئے اور نمبردار اور دیگر ذمہ دار لوگوں نے فوراً مجرم کی تلاش شروع کر دی۔ کیونکہ بچے کا باپ ڈسٹرکٹ کمشنر کا ملازم تھا اور انہیں خدشہ تھا کہ مجرموں کا پتہ نہ لگنے کی صورت میں گاؤں والوں پر سختی کی جائے گی۔

اس نام نہاد بن مانس کا لڑکی کو اسی علاقہ کی زبان میں دھمکی دینا اس کے انسان ہونے کا بیّن ثبوت تھا۔ اس لئے کسی نے بھی اس کو بن مانس کا حملہ خیال نہ کیا اور وہ جانور اس قسم کے حملے کرتا بھی نہیں سوائے اس کے کہ اس کو چھیڑا جائے۔

مجرم پکڑے گئے

اسی شام تحقیق شروع ہوگئی پولیس نے اردگرد کے تمام جنگلات چھان مارے۔ لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ آخر دوسرے روز شام کو بچہ کی لاش کا کوئی حصہ وہاں سے دو اڑھائی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں کے قریب جنگل سے برآمد ہوا۔ پولیس کو اس گاؤں کی خفیہ سوسائٹی کے دو افراد پر شبہ ہوا جو اس وجہ سے اور بھی قوی ہوگیا کہ وہ دونوں افراد دو

روز سے اپنے گاؤں سے غیر حاضر تھے۔ آخر کار بعض لوکل کسانوں کی مدد سے پولیس والے ان دونوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جنہوں نے بعد میں اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ اور تیسرے مجرم کی بھی نشاندہی کر دی۔

تینوں مجرم ایک خفیہ سوسائٹی کے ممبر تھے۔ انہوں نے اپنے بیان میں بتایا کہ انہوں نے اس بچے کے جسم کا کچھ حصہ کھایا اور بعض مخصوص حصے جسم کے انہیں کسی دوائی اور جادو ٹونے کے لئے درکار تھے۔ غالباً بچہ کی چربی، جگر اور دل وغیرہ تھا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے اس کی جان تلف کی۔ ان پر ہائیکورٹ میں مقدمہ چلایا گیا۔ جسے وہاں سرکٹ کورٹ بھی کہا جاتا تھا اور جس کے فیصلوں کے خلاف صرف "ویسٹ افریقن کورٹ آف اپیل" میں اپیل ہو سکتی تھی۔

مقدمہ کی سماعت "بو" شہر میں تین ماہ تک مختلف اوقات میں ہوتی رہی۔ چونکہ اس جرم کا ارتکاب اس متعلقہ گاؤں میں میری موجودگی میں کیا گیا تھا اس لئے میں نے یہ مقدمہ "بو" میں آخر تک سنا اور فیصلہ کے روز عدالت میں اتنا اژدحام تھا کہ پولیس کے لئے کنٹرول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اور بالآخر انگریز جج نے تینوں مجرموں کو پھانسی کی سزا دے دی۔ جس پر کچھ عرصہ بعد فری ٹاؤن میں تعمیل کی گئی۔

انسانی چربی کی کریم

یہاں یہ ذکر بھی خارج از دلچسپی نہ ہوگا کہ سیرالیون کے بعض مشرک قبائل اس زمانہ میں انسانی چربی اور اس کے تیل میں بعض جڑی بوٹیاں اور غیر معروف چیزیں ملا کر کریم کی طرح کا ایک مرکب بنایا کرتے تھے۔ جو ان کے نزدیک اتنا مؤثر اور طاقتور ہوتا کہ اسے مُنہ اور جسم کے دوسرے حصوں پر باقاعدہ ملنے والے شخص سے بڑے سے بڑا بہادر انسان بھی مرعوب ہو سکتا تھا اور عدالت میں پیش ہونے سے پہلے اس کریم کو استعمال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک عرصہ تک اس قسم کے مرکب یا کریم کی بھاری قیمت وصول کر کے بعض مشرک اور بدمذہب کے پجاری عوام کو لوٹتے رہے۔ آخر کار عوام کو اس طرح بیوقوف بنانے والوں کے خلاف گورنمنٹ نے مجبور ہو کر باقاعدہ ایک قانون پاس کیا اور آہستہ آہستہ اس ملک سے اس

قسم کے نوسر باز اور جادو گر معدوم ہونے لگے۔ ورنہ ایک وقت تھا کہ دشمن کی جان لینے یا اسے نقصان پہنچانے کے لئے بعض مخصوص مذہبی دیوانوں اور جادو گروں سے سودا بازی کی جاتی تھی۔ اور جادو وغیرہ کرنے کے لئے بعض دفعہ خفیہ طور پر بعض معصوم جانیں بھی تلف کی جاتی تھیں۔

لائبیریا (LIBERIA) میں حالات سیرالیون سے کچھ مختلف تھے۔ تاہم آدم خوری کے واقعات وہاں بھی ہوتے رہے ہیں۔ اور مجرموں کو سزائیں بھی ملتی رہی ہیں۔ چونکہ اس ملک کے اندرونی علاقہ میں جا کر زیادہ رہنے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا اور میں زیادہ تر دارالحکومت منرویا (MONROVIA) ہی میں رہا۔ اور پھر اس وقت تک وہاں کے اندرونی جنگلات کے طویل وعریض علاقوں میں جانے کی سہولتیں بھی میسّر نہ تھیں۔ اس لئے وہاں کے اندرونی حالات کا مجھے ذاتی تجربہ بہت کم ہے۔ تاہم سننے میں آیا ہے کہ وہاں بھی اندرونی علاقوں کے دریاؤں کے کناروں پر آدم خوری کے واقعات ہوتے رہے ہیں۔ وہاں یہ عام طور پر مشہور تھا کہ ملک کے مشرک جادو گروں اور خفیہ سوسائٹی کے سربراہوں کے قبضے میں بعض نام نہاد جنّ ہوتے ہیں جنہیں وہ اپنے (DEVIL) یا شیطان کہتے ہیں وہ دریاؤں میں مگر مچھ کا روپ دھار کر عموماً چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر حملہ کر کے لوگوں کو پانی کے اندر لے جاتے تھے۔ جہاں انہیں مار کر باہر نکال لیا جاتا اور یہ حملہ صرف ان کشتیوں پر کیا جاتا تھا جن میں صرف ایک دو افراد سوار ہوں۔ ہو سکتا ہے وہاں بھی سیرالیون کی طرح مگر مچھ کی کھال یا ڈھانچے کی اوٹ میں انسان ہی ایسے جرائم کے مرتکب ہوتے ہوں یا یہ محض خیالی باتیں ہوں۔ واللہ اعلم۔ بہر حال اب وہ ملک بھی کافی متمدّن اور تعلیم یافتہ ہو چکا ہے اور ترقی کی راہوں پر گامزن ہے اور وہاں مردم خوری تقریباً معدوم ہے۔

اسلام کی مقبولیت

مغربی افریقہ میں مذہب اسلام کے مقبول و مؤثر اور پسندیدہ ہونے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام ایسی تمام شعبدہ بازیوں۔ مشرکانہ رسوم، تعویذات اور جادو گری کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ اور توحید و رسالت کی سیدھی سادی تعلیم اور زندہ اور محبت کرنیوالے رحیم و کریم خدا کو پیش کرتا ہے۔

ایک انگریز ڈائرکٹر تعلیم کے اپنے احمدی دوستوں

کے متعلق تاثرات

ایک انگریز مسمی رابرٹ ڈونی ۱۹۵۶ء میں نیروبی (مشرقی افریقہ) سے جہاں وہ بطور انسپکٹر آف سکولز کام کرتے تھے تبدیل ہو کر سیرالیون آئے اور حکومت کی طرف سے ترقی دے کر ڈائرکٹر تعلیم بنا دیئے گئے۔ وہ ایک مرتبہ فروری ۱۹۵۶ء میں سکولوں کے معائنہ کے لئے "بو" آئے۔ ہمارے سکول کے کام سے بہت خوش ہوئے اور سکول کی لاگ بک پر انہوں نے بڑے اچھے ریمارکس دیئے۔

وہ چونکہ سیرالیون میں نئے نئے آئے تھے میں نے یہ خیال کیا کہ انہیں احمدیہ مشن اور جماعت کے متعلق کچھ واقفیت بہم پہنچائی جائے۔ چنانچہ انہیں سلسلہ کی چند انگریزی کتب پیش کر کے میں نے جماعت کے متعلق زبانی بھی متعارف کرایا۔ میری باتیں سن کر ہنستے ہوئے کہنے لگے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کے مشن اور مذہب اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ میں تو عرصہ سے نہ صرف آپ کے مشن سے متعارف ہوں بلکہ آپ کی جماعت اور مبلغین کے مدّاحوں میں سے ہوں اور بہت کچھ جانتا ہوں۔ اور آپ کی جماعت کے افراد کے اعلیٰ اخلاق اور حسنِ کردار سے بہت متاثر ہوں اور کئی ایک سے میرے دوستانہ مراسم بھی رہے ہیں۔ نیروبی کے محکمۂ تعلیم میں آپ کے کئی سرکردہ ممبر میرے ساتھ مل کر کام کرتے رہے ہیں۔ ان میں سے اپنے ایک احمدی دوست محترم سیّد محمود اللہ شاہ صاحب (مرحوم) کو تو ان کی علمی قابلیت اور بلند اخلاق اور امانت و دیانت کی وجہ سے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا وہ بھی میری طرح وہاں انسپکٹر آف سکولز تھے اور میں ان کی شخصیت اور حسنِ معاملہ سے بہت متاثر تھا۔

شیریں پھل دینے والا درخت

اس پر میں نے عرض کیا۔ آپ نے انجیل مقدس میں حضرت مسیح کا یہ قول ضرور پڑھا ہوگا کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ اپنے احمدی دوستوں اور ساتھیوں کے متعلق آپ کی یہ رائے بڑی صائب اور قابلِ قدر ہے۔ حضرت مسیح کے قول کی روشنی میں آپ کو غور کرنا چاہیئے کہ کیا آپ کے احمدی دوستوں

کا کردار اِس امر کا ثبوت نہیں ہے کہ جس روحانی درخت سے احمدی وابستہ ہیں وہ سچا اور شیریں پھل دینے والا درخت ہے۔ یعنی اسلام ایک سچا مذہب ہے جو اپنے مخلص پیروؤں کو اعلیٰ اخلاقی اور تمدنی معیار پر قائم رکھتا ہے اور حضرت بانی جماعت احمدیہ علیہ السلام واقعی ایک مامور من اللہ اور مصلح ربانی ہیں کیونکہ پھل میٹھے درخت کے ہی میٹھے ہو سکتے ہیں کڑوے کے نہیں۔ کہنے لگے میں نے تو صاف گوئی سے کام لے کر آپ کے سامنے حقیقت کا اظہار اور اپنا ذاتی تأثر اور تجربہ بیان کیا ہے ورنہ میں ابھی تک آپ کی جماعت کے بانی کے دعاوی اور تعلیم پر غور کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہو سکا۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ آپ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والے ہیں اور اسلام کی تعلیم پر صحیح طور پر عمل کرنے اور غیر مسلموں کو اسلام کی تعلیم سے آشنا کرنے میں دوسروں سے زیادہ مستعد اور کوشاں نظر آتے ہیں۔

سات عجائبات عالم میں سے اہم ترین عجوبہ — اہرامِ مصر

فرعونِ مصر کی لاش صداقتِ قرآن کی منہ بولتی برہان ہے

احمدیہ جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دیگر بلادِ عربیہ کی طرح مصر میں بھی ایک طویل عرصہ سے قائم ہے اور ۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء میں اس عاجز خادم سلسلہ کو بھی تبلیغی اغراض کے لئے مصر میں کچھ عرصہ قیام کرنے کرنے کا موقعہ میسّر آیا۔ ایک روز جماعت کے ایک نوجوان سیّد احمد فتحی ناصف آفندی کہنے لگے۔ اہرامِ مصر دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتے ہیں چلیں آج وہاں کی سیر کریں اور وہاں کی تاریخی عمارتیں دیکھیں۔

چنانچہ ہم ۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء کو بذریعہ بس قاہرہ سے کچھ فاصلے پر اہرام اور ان کے ساتھ ملحقہ کھنڈرات وغیرہ دیکھنے گئے اور تقریباً سارا دن ہمارا وہیں پر گزرا۔ وہاں پر بس سے اترتے ہی ہمیں ایک مصری گائیڈ مل گیا جو ایک پونڈ مصری کے عوض دن بھر ہماری رہنمائی کرتا رہا اس نے بتایا کہ دنیا کے سات عجائبات میں سے صرف اہرام ہی اب تک انقلاب زمانہ کا مقابلہ کر رہے ہیں اور جوں کے توں قائم ہیں۔ ان اہراموں میں سے سب سے زیادہ مشہور اور عجائباتِ عالم میں شمار ہونے والا ہرم "ہرم کبیر" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قاہرہ سے تقریباً

ساڑھے کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔ اس ہرم میں اب تک کوئی نمایاں تغیر نہیں ہوا صرف اوپر کا پلاسٹر اتر گیا ہے جس کے نتیجہ میں لوگ اس کے اوپر چڑھتے ہوئے پھسلنے سے بچ جاتے ہیں یا اس کی چوٹی پر سے کچھ حصہ ٹوٹا ہوا نظر آتا ہے۔

مصر کے شاہ خوفو کا مقبرہ

اس ہرم کو اب سے چھ ہزار برس پہلے مصر کی چوتھی سلطنت میں ایک عظیم فرعون نے بنوایا تھا۔ ساٹھ برس تک حکومت کرنے والے اس فرعون کا مصری نام "خوفو" تھا۔ یونانی اسے "خیوپس" کہتے تھے۔ قدیم مصری اس ہرم کو "یاخت خوفو" یعنی خوفو کا مقبرہ کہتے تھے جسے اس نے اپنی موت کے بعد اس میں دفن ہونے کے لئے تیار کرایا تھا گو اس کا وہاں دفن ہونا یا نہ ہونا یقینی نہیں بتایا جاتا۔ ہرم کا دروازہ شمال کی طرف ہے ہم ایک طویل اور نہایت تنگ سرنگ نما راستے سے تقریباً رینگ کر ایک رستے کے سہارے اس میں داخل ہوئے۔ یہ سُرنگ ہمیں ایک تہ خانہ تک لے گئی جو بادشاہ کی قبر کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ کیونکہ اب بھی اس میں سرخ پتھر کا بنا ہوا ایک خالی تابوت رکھا تھا لیکن کہا جاتا ہے کہ کھودنے کے وقت اس فرعون کی لاش اس تابوت میں نہیں ملی تھی۔ تاریخی طور پر کہا جاتا ہے کہ چونکہ اس ہرم کے بنانے میں مصری رعایا پر بہت ظلم روا رکھا گیا تھا۔ اس لئے قدیم مصریوں نے ناراض ہو کر اس فرعون کی لاش اس کے اندر دفن نہ ہونے دی۔ واللہ اعلم۔ تاہم تہ خانہ میں سُرخ روغن یا روشنائی سے قدیم مصری زبان میں اس کا نام لکھا ہوا ہمیں بھی دکھایا گیا جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ یہ ہرم اسی فرعون نے بنوایا تھا۔ تہ خانہ کے اوپر پانچ چھوٹے چھوٹے کمرے اور بھی ہیں جو مختلف مقاصد کے لئے اس نے بنوائے تھے۔ قدیم زمانہ سے مشہور تھا کہ اس ہرم میں اُس بادشاہ کا بہت بڑا خزانہ بھی دفن ہوا تھا مگر بعد میں کسی کو اس کی تلاش کی جرأت نہ ہوئی۔ البتہ عباسی خلیفہ مامون الرشید نے اس کے اندر کئی جگہیں کھدوائیں مگر کچھ برآمد نہ ہو سکا اور خزانے کی افواہ بے بنیاد سمجھ لی گئی۔ بعد میں جب یورپین قوموں نے اسے کھودا تو اس میں سے بادشاہ کی ذاتی استعمال کی نہایت قیمتی چیزیں برآمد ہوئیں جن میں سے بعض اب بھی مصر کے عجائب گھر میں محفوظ ہیں۔ اس ہرم کی بلندی ۴۸۱ فٹ ہے اور شمالی جانب سے اس کی لمبائی ۶۱۲ فٹ ہے اور باقی تین طرف سے تقریباً ۷۵۵ فٹ۔ یہ ہرم جملہ اہراموں میں سے سب سے بڑا ہے اور اس کی عظیم عمارت اور بناوٹ وغیرہ ثابت کرتی ہے کہ قدیم مصری لوگ علم ہندسہ اور تعمیرات میں بڑے ماہر اور ترقی یافتہ تھے۔

کیونکہ آج بھی دنیا کے سات عجائبات میں اوّل درجہ مصر کے اہرام ہی کو حاصل ہے۔

وقت اہرام سے ڈرتا ہے

کوئی عجب نہیں کہ اس کرۂ ارض پر تہذیبِ انسانی کا اولین مرکز شاید مصر ہی ہو گو حقیقی طور پر تو اُمّ القریٰ اور اُمّ الارض یا اُمّ البلاد وہی ہے جسے قرآن کریم نے اُمّ القریٰ کا لقب دیا ہے یعنی مکہ مکرمہ کی بستی۔ تاہم بعض نسبتوں کی وجہ سے آج کل قاہرہ کو بھی اُمّ البلاد اور اُمّ المدن کہا جاتا ہے اور یہاں کے اہرام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "ہر چیز وقت سے ڈرتی ہے مگر وقت خود اہرام سے ڈرتا ہے"۔ اب سے چھ ہزار سال پرانی تاریخ کے اوراق آج بھی قاہرہ کے میوزیم میں محفوظ ہیں جن میں بعض میں فراعنہ کے حالات بھی ملتے ہیں۔

قاہرہ کے جیتے جاگتے بازار اور رونقیں

مصر کا دارالحکومت قاہرہ ایک ایسا شہر ہے کہ مصر میں وارد ہونے والے ہر اجنبی شخص یا سیاح کو اِس اُمّ البلاد کے دن رات جیتے جاگتے بازار، مارکیٹیں اور دیگر رونقیں محظوظ کرتی ہیں۔ تاریخی لحاظ سے مصر کا یہ وسیع و عریض اور خوبصورت دارالحکومت اپنے حیرت انگیز اہرام اور ابوالہول جیسے ضخیم مجسموں، اپنی جامعہ ازہر یونیورسٹی اپنے قصر النیل اور اسلام کے عروج کے زمانہ کی تعمیر کردہ بڑی بڑی کشادہ، پائدار اور خوبصورت مسجدوں، قلعوں اور لائبریریوں اور صحابہ کرام اور اولیاء و آئمہ اُمّت کے مقدس مزاروں کی وجہ سے دنیا کے لاتعداد شہروں میں ایک اہم اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔

عالمِ عرب کو گرمانے والے نغمے

بقول ایک پاکستانی سیلانی کے اس عظیم شہر میں سے مصر کی "کوکبِ شرق" میڈم اُمّ کلثوم مرحومہ کی سریلی اور سحر انگیز آوازیں گائے ہوئے قومی، وطنی اور دینی ترانے اور عربی غزلیں اور نغمے ریڈیائی لہروں پر بلند ہو کر آج بھی بحرِ اوقیانوس سے خلیج فارس تک ہر جمعرات کے دن سارے عالمِ عرب کو مسحور کرتی اور گرماتی رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے دامن میں بہنے والے دریائے نیل کے کنارے کنارے پھیلے ہوئے حسین و جمیل چمن زار اور مہکتے ہوئے حدائق اور چھوٹی چھوٹی نہریں اور رودباریں اور پانی میں تیرتے ہوئے کشتی نما ہوٹل، ریسٹورنٹ اور سیر گاہیں بھی ہر نَو وارد کی چشمِ بینا کے لئے دیکھنے اور حظ اٹھانے کی چیزیں ہیں۔

الٰہی نوشتے ضرور پورے ہوں گے

یہاں اسلام کی نشاۃِ اُولیٰ کی عظمت اور شان و

شوکتِ رفتہ کے آثار دیکھ کر دنیا کے ہر غیرت مند مسلمان کے دل میں یہ ارمان اور یہ سوال ہل چل مچانے لگتا ہے کہ اِنّٰی یُحۡیِیۡهَا اللّٰهُ هٰذِهٖ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ابھی کتنے مزید سال درکار ہوں گے۔ اسلام اور مسلمانوں کی اس عظمت وجلال اور شوکتِ رفتہ کے لوٹ کے آنے میں اور اُس کے اُس عالمگیر دینی اور دنیوی غلبہ کے برپا ہونے میں جس کی خوش خبریاں اور بشارتیں قرآن کریم اور دیگر قدیم وجدید الٰہی نوشتوں میں بار بار اُمت کو دی گئی ہیں اور جن کے سچا اور عنقریب پورا ہونے میں اب کسی ادنیٰ شک وشبہ کی گنجائش بھی نہیں رہ گئی ہے۔ کیونکہ ہر سچا مسلمان اور اسلام کا ہر فدائی وشیدائی اس یقین پر قائم ہے کہ اب وہ دن دور نہیں جب اسلام کرۂ ارض کے تمام خطّوں اور تمام ملکوں میں پھیلے گا، غالب آئے گا اور اپنی روحانی قوت اور حجت وبرہان کی تلوار سے دنیا کی تمام قوموں کے دلوں کو فتح کرلے گا ... . کیونکہ زمین وآسمان ٹل سکتے ہیں مگر ربّ ارض سمٰوات کے وعدے اور اس کی دی ہوئی بشارتیں نہ کبھی ٹلی ہیں اور نہ ٹل سکتی ہیں بلکہ دنیا انہیں یقیناً احمدیت کے ذریعہ پوری ہوتی دیکھے گی۔

فرعونِ موسیٰؑ کی لاش کے متعلق پیشگوئی

قرآن کریم میں جگہ جگہ فرعون کا ذکر آتا ہے اور اس کے اور اس کی قوم کے حالات سے عبرت پکڑنے کی طرف بنی نوعِ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بار بار توجہ دلائی ہے۔ فرعون دراصل مصر کے قدیم حکمرانوں یا بادشاہوں کا لقب تھا اور وہاں کے کئی فرعونوں میں سے ایک فرعون، فرعونِ موسیٰؑ بھی تھا۔ قرآن شریف میں اسی کا ذکر بار بار آتا ہے۔ وہ خدائی کا مدّعی تھا اور اپنی رعایا کو اُسے خدا تسلیم کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ آخرکار وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم (بنی اسرائیل) کا تعاقب کرتا ہوا اپنے عمائدین اور تمام لاؤ لشکر سمیت بحرِ احمر میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا تھا۔ اس کے متعلق قرآن کریم کی سورۃ یونس میں ایک عظیم پیش گوئی کے طور پر مندرجہ ذیل الفاظ میں ارشادِ ربانی موجود ہے اَلۡیَوۡمَ نُنَجِّیۡکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوۡنَ لِمَنۡ خَلۡفَکَ اٰیَۃً کہ آج ہم تجھ کو تیرے بدن کے ساتھ نجات دیتے یعنی تیرے بدن کو محفوظ رکھتے ہیں تاکہ تجھے دیکھ کر بعد میں آنے والی (خصوصاً چودھویں صدی کی)، نسلِ انسانی عبرت پکڑے اور تُو ان کے لئے نصیحت موعظت اور سبق حاصل کرنے کا موجب بنے۔ اگرچہ دنیا میں بہت سے افراد ہمارے (یعنی خدا کے) نشانوں سے یقیناً "بے خبر اور غافل ہیں" اس آیت سے قبل اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدۡرَکَہُ الۡغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیۡۤ اٰمَنَتۡ بِہٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِیۡلَ وَ اَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ

کہ جب سمندر میں غرق ہونے کی آفت نے فرعون کو آپکڑا تو اس نے کہا میں ایمان لاتا ہوں کہ جس مقتدر ہستی پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ہے اور میں سچی فرمانبرداری کرنے والوں میں سے ہوتا ہوں۔

بے وقت اور بے جان ایمان

چونکہ اس آخری وقت میں ایمان لانا چنداں فائدہ نہیں دیتا جب کہ صداقت سب پر کھل چکی ہو اور حق بالکل واضح ہو چکا ہو۔ اس لئے فرعون کا آخری وقت میں ایمان لانا جب کہ وہ عذابِ الٰہی کی گرفت میں آچکا تھا اس کے لئے فائدہ مند نہ ہوا اور جیسا اس کا ایمان کھوکھلا اور بے وقت اور ایک بے جان جسم کی طرح تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی محض اس کے جسم کو بچا لیا اور اسے مٹی میں ملنے اور عام جسموں کی طرح حل ہونے سے ایک لمبے عرصے تک روک دیا تاکہ اس کا ڈھانچہ بلا روح دوسروں کے لئے عبرت کا موجب ہو۔ گویا ایسے وقت میں اس کا ایمان لانا اس کی روح کو جو کہ اس کا اصل وجود تھا کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا۔ اس سارے واقعہ اور فرعون کی ہلاکت سے انسان کو یہ سبق ملتا ہے کہ اُسے ایمان لانے اور نیکی کرنے میں جلدی کرنی چاہیئے اور جب بھی کوئی نیک کام کرنے کی تحریک اس کے دل میں پیدا ہو یا سچائی پر ایمان لانے کی تحریک ہو تو اسے مزید تاخیر کبھی نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ موت یا عذابِ الٰہی کا کوئی معین وقت انسان کے علم میں نہیں ہوتا اور آخری وقت کا ایمان لانا فرعونی ایمان ہوتا ہے جس کا زیادہ سے زیادہ اتنا ہی فائدہ پہنچتا ہے جتنا فرعون کو پہنچا یعنی محض اس کے ڈھانچہ یا بدن کو ہَبَاءً منثورا ہونے اور تتر بتر ہونے سے بچا لیا گیا اور وہ بھی اس کے اپنے فائدہ یا ثواب کے لئے نہیں بلکہ محض اس لئے کہ اس کا بے جان جسم دوسروں کے لئے عبرت کا موجب ہو۔

صداقتِ قرآن کی حتمی دلیل

قرآن کریم کی یہ آیت اس کی صداقت کی ایسی زبردست اور ناقابلِ انکار دلیل ہے کہ از روئے انصاف اسلام کا کوئی متعصب سے متعصب دشمن بھی اسے تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ قرآن کریم کے نزول سے دو ہزار قبل کا ایک ایسا واقعہ اس آیت میں درج ہے جو نہ کسی کتاب یا پرانے صحیفے یا آثار سے معلوم کیا جا سکتا تھا اور نہ کسی سے سنا جا سکتا تھا اور نہ ہی بائیبل میں اس کا ذکر ہے۔ اور پھر اس کے وقوع کے تین چار ہزار سال بعد وہ خبر اور پیش گوئی من وعن پوری بھی ہو گئی۔ یعنی فرعون کی لاش صحیح سالم مل گئی جو کہ اب قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے کہ ایک ایسی بات

جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے تقریباً چودہ سو سال بعد وقوع میں آئی۔ اس علم حضورؐ کو سوائے وحیٔ الٰہی کے اور کسی ذریعہ سے نہیں ہو سکتا تھا اور یہی قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ وہ کسی انسان کی بنائی ہوئی کتاب نہیں بلکہ اس وحی الٰہی کا مجموعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نبیٔ اُمّی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

فرعون موسیٰؑ رعمسیس نہیں بلکہ منفتاح تھا

جہاں تک بائیبل کا تعلق ہے اس میں بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰؑ کے حالات مذکور ہیں تاہم اس میں یہ قطعاً ذکر نہیں کیا گیا کہ فرعون کے سمندر میں غرق ہو جانے کے بعد اس کی لاش کو کیا گیا اور یہ نہیں بتایا گیا کہ اس کی لاش بچ گئی اور محفوظ کر لی گئی۔ گویا قرآن کریم بائیبل کے دو ہزار بعد وہ واقعات بیان کرتا ہے جو اس سلسلہ میں بائیبل کے تحریر کرنے والوں نے بیان نہیں کئے۔ چنانچہ قرآن کریم کے بیان کردہ واقعات آخری زمانہ میں من وعن صحیح ثابت ہو کر اس کے کلام اللہ ہونے پر مہر ثبت کرتے ہیں۔ فرعونِ موسیٰؑ کا نام منفتاح تھا جسے بعض مفسرین اور مورخوں نے غلطی سے رعمسیس سمجھ لیا۔ سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس بارے میں اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:۔

"بعض مفسّروں نے اس فرعون کا نام رعمسیس لکھا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے۔ رعمسیس وہ فرعون تھا جس نے حضرت موسیٰؑ کو پالا تھا۔ لیکن حضرت موسیٰؑ کی نبوّت کا زمانہ وہ ہے جب کہ اس کا دوسرا بیٹا منفتاح تختِ حکومت پر بیٹھا۔ بائیبل میں بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے کیونکہ لکھا ہے کہ موسیٰؑ کی پیدائش کے وقت بنی اسرائیل رعمسس نامی شہر بناتے تھے (خروج باب ۱ آیت ۱۱) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے بادشاہ کا نام رعمسیس تھا۔ پھر خروج باب ۲ آیت ۲۳ میں لکھا ہے کہ وہ بادشاہ مرگیا اور دوسرے کے پاس موسیٰؑ آئے۔ پس رعمسیس کا بیٹا منفتاح تھا جس کے پاس موسیٰؑ آئے تھے اور وہی غرق ہوا تھا۔" (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۲۵)

قابلِ صد عبرت و نفرت لاش

اہرام مصر دیکھنے کے بعد دوسرے روز ہم فرعونِ موسیٰؑ کی لاش بچشم خود دیکھنے کی غرض سے قصر النیل کے قریب قاہرہ کا عجائب گھر دیکھنے گئے۔ چنانچہ وہاں دیگر تاریخی چیزیں اور ہزاروں سال پرانی ممیاں یعنی حنوط شدہ

لاشیں وغیرہ ملاحظہ کرنے کے بعد منتظمین کی اجازتِ خاص سے ہم نے فرعونِ موسیٰؑ منفتاح کی قابلِ صد عبرت و نفرت لاش بھی بار بار بغور دیکھی اور اپنے ایمان کو تازہ کیا کیونکہ وہ لاش جہاں بنی نوع انسان کے لئے عبرت اور موعظت کا سامان بہم پہنچاتی ہے وہاں وہ اہل حق کے لئے بھی خدا کے وجود اس کی وحدانیت اور اس کی مقدس کتاب قرآن کریم کی صداقت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو مزید اجاگر کرتی ہے اور جیسا کہ سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے خدائی کا مدعی وہ شخص واقعی ایک بھدے سے وجود کا پست قد اور دبلا سا انسان معلوم ہوتا ہے جس کے چہرہ سے تکبر حماقت اور رعونت ظاہر ہوتی ہے۔

کلامِ امامؑ

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلیٰ نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا

حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا
ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفیٰ نکلا

یا الٰہی! تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا

سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں
مئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا

کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا

پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں
پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا

ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور
ایسا چمکا ہے کہ صد نیرِ بیضا نکلا

زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دنیا میں
جن کا اس نور کے ہوتے بھی دل اعمیٰ نکلا

جلنے سے آگے ہی یہ لوگ تو جل جاتے ہیں
جن کی ہر بات فقط جھوٹ کا پتلا نکلا

لارڈ ہیلی کا سیرالیون میں ورود اور انہیں تبلیغ اسلام

اور قرآن کریم کی پیشکش

مارچ ۱۹۵۶ء میں برٹش کولونیل آفس کی طرف سے لارڈ ہیلی (۷ے ۱۸۷ء) کو اس امر کا جائزہ لینے کے لئے سیرالیون بھیجا گیا کہ کیا مجموعی طور پر سیرالیون کے باشندے ملکی آزادی حاصل کر کے اپنا ملک خود سنبھالنے کے قابل ہو گئے ہیں یا نہیں یہ وہی لارڈ ہیلی تھے جو کسی وقت ہندوستان میں برٹش رول کے دوران پنجاب کے گورنر رہ چکے تھے۔ اور جن کے نام پر لاہور کا ایک کالج "ہیلی کالج آف کامرس" کہلاتا ہے۔ ہماری جماعت سے وہ اچھی طرح متعارف تھے۔ ہندوستان آنے پر سب سے پہلے سرگودھا میں افسر مال مقرر ہوئے تھے بعد میں ترقی کرتے کرتے لارڈ بن گئے۔ کچھ عرصہ یو۔ پی کے گورنر بھی رہے۔

سیرالیون کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کرتے ہوئے انہوں نے "بو" شہر میں (جو اس وقت احمدیہ مشن سیرالیون کا مرکز تھا)، بھی دو روز قیام کیا۔ اس دوران خاکسار کی قیادت میں مکرم چوہدری محمود احمد صاحب چیمہ سابق مبلغ سیرالیون آنریبل پیراماونٹ چیف ناصرالدین کے کامانگا مرحوم اور الحاج علی روجرز صاحب لوکل پریذیڈنٹ پر مشتمل ایک وفد نے لارڈ ہیلی سے ملاقات کر کے مغربی افریقہ میں جماعت احمدیہ کے مشنوں اور سکولوں وغیرہ سے انہیں متعارف کرایا۔ نیز قرآن کریم انگریزی، لائف آف محمدؐ اور احمدیہ موومنٹ انہیں تحفۃً پیش کی گئیں۔ انہوں نے یہ تحائف بخوشی وصول کرتے ہوئے ہمارا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آپ لوگوں سے ملاقات سے میرے پنجاب میں قیام کی یادیں تازہ ہو گئی ہیں۔ میں آپ کی جماعت کو اچھی طرح جانتا ہوں جو حکومتِ ہند سے تعاون کرنے میں پیش پیش تھی۔ میری طرف سے اپنی جماعت کے سربراہ کی خدمت میں میری نیک تمنائیں پہنچا دیں۔ چنانچہ جب سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ

کی خدمت میں میری یہ رپورٹ پیش ہوئی تو حضورؓ نے خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ ہاں یہ درست ہے کہ وہ ہماری جماعت سے نہ صرف اچھی طرح متعارف تھے بلکہ جماعت کی امن پسندی اور ملکی خیر خواہی کے بھی معترف تھے۔ اور اسلام کی تعلیم سے خوب متعارف تھے۔

بعض پادریوں کی اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں

مارچ ۱۹۵۶ء میں سیرالیون کے شمالی صوبہ کے بعض پادریوں نے محکمہ تعلیم میں ہمارے خلاف شکایت کی کہ ہم مگبورکا کے احمدیہ سکول میں عربی اور قرآن کریم پڑھاتے ہیں اس لئے اس سکول کی گرانٹ بند کر دی جائے۔ کیونکہ حسبِ قواعد گورنمنٹ گرانٹڈ سکول کے ٹائم ٹیبل میں عربی اور قرآنِ کریم کو شامل نہیں کیا جا سکتا۔

سوءِ اتفاق سے محکمہ تعلیم نے اس معاملے کی تحقیق کے لئے جو انسپکٹر مگبورکا بھیجا وہ کٹر کیتھولک عیسائی تھا۔ اور ہمارے لوکل مبلغ بھی اس روز مگبورکا سے باہر تھے۔ چنانچہ اس انسپکٹر کو ہمارے خلاف بڑھا چڑھا کر رپورٹ کرنے کا موقعہ مل گیا۔ جس کی بناء پر ہمارے اس سکول کی گرانٹ بند ہو گئی ہم نے بہت کوششیں کیں کہ کسی طرح سکول کی گرانٹ دوبارہ بحال ہو جائے مگر کامیابی نہ ہوئی اور ہمیں ایک سال تک مجبوراً صبر رکھنا پڑا۔

میٹنگ میں پادریوں کی طرف سے مخالفت

اگلے سال یعنی مارچ ۱۹۵۷ء میں جب اس ضلع کی ایجوکیشن اتھارٹی کی میٹنگ ہوئی تو بطور جنرل مینجر احمدیہ سکولز خاکسار بھی اس میں شریک ہوا۔ اور مگبورکا احمدیہ سکول کی گرانٹ کا معاملہ اٹھایا۔ لیکن وہاں بھی عیسائی پادریوں نے جو بطور مینجر میٹنگ میں موجود تھے بہت مخالفت کی اور کہا کہ عربی زبان اور قرآن کریم پڑھانے اور اسلام کی تعلیم دینے پر گرانٹ کیوں دی جائے۔ میری طرف سے جواب دیا گیا کہ ہم اپنے سکولوں میں گورنمنٹ کے مقرر کردہ ٹائم ٹیبل کے دوران

قرآن کریم اور عربی نہیں پڑھاتے ہمارے خلاف غلط رپورٹ کی گئی ہے۔ مَیں ابھی اپنی بات مکمل بھی نہیں کر پایا تھا کہ عیسائی ایجوکیشن آفیسر جو صدارت کر رہے تھے خود ہی میری تائید میں بول پڑے اور ان پادریوں کو کہنے لگے کہ آپ لوگ بھی تو اپنے سکولوں میں بائیبل اور عیسائیت کے متعلق کتابیں پڑھاتے ہیں اور ہمارے علم میں ہے کہ ٹائم ٹیبل کے دوران پڑھاتے ہیں آپ کی گرانٹ کیوں نہ بند کی جائے۔

بائیبل اور انگریزی ادب

یہ سُنکر پادری تلملا اُٹھے کہنے لگے بائیبل تو انگریزی ادب میں شمار ہوتی ہے اس لئے بائیبل پڑھنے سے طلبہ میں انگریزی زبان کی لیاقت بڑھتی ہے۔ اس پر ایجوکیشن آفیسر اور دیگر ممبران نے ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ انگریزی ادب سکھانے کے لئے کیا بائیبل ہی رہ گئی ہے۔ مسلمان بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم پڑھنے سے عربی زبان میں مہارت پیدا ہوتی ہے۔ آپ لوگ محض اسلام سے تعصّب اور عناد کی وجہ سے احمدیہ مشن کے خلاف اس قسم کی کارروائیاں کرتے ہیں۔

چنانچہ ایجوکیشن اتھارٹی کی سفارش پر نہ صرف ہمیں مگبورکا احمدیہ سکول دوبارہ کھولنے کی اجازت دی گئی بلکہ سابقہ بند شدہ گرانٹ کا کچھ حصّہ بھی مل گیا۔

یاربّ پناہ میں رکھ تو ہمیں ہر عذاب سے

گالی جو دے اُسے تو ہمیشہ دعا ہی دے
جَور و جفا کے بدلے میں مہر و وفا ہی دے

خیرات کر مگر نہ غرض ہو نمود و نام
جو کچھ بھی دے کسی کو تو بہر خدا ہی دے

یاربّ پناہ میں رکھ تو ہمیں ہر عذاب سے
ہر لمحہ ہر گھڑی فقط اپنی رضا ہی دے

(محمد صدیق امرتسری)

ایک مجاہدِ اسلام واقفِ زندگی کا ذکرِ خیر

(از مکرم طارق خلیل صاحب ابن مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیل مرحوم)

میرے والد مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیل ۱۳ر ستمبر ۱۹۰۱ء کو قادیان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب کا نام شہاب الدین اور والدہ کا نام رانی تھا۔ آپ بچپن سے سے ہی بہت ذہین تھے۔ اور گھر میں ہی بہت چھوٹی عمر میں قرآن کریم ختم کر لیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے وصال کے وقت آپ تیسری جماعت کے طالب علم تھے۔ والد احمدی نہ تھے اس لئے کم سن ہونے کی وجہ سے ان کی توجہ بھی حضور علیہ السلام کی دعاوی کی طرف نہ ہوئی۔ تاہم جوان ہوتے ہی ۱۹۱۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ منتخب ہونے کے روز والد صاحب بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گئے۔

آپ نے میٹرک پاس کرنے کے بعد چند سال ایک پرائمری سکول میں ملازمت کی پھر آپ اسلامیہ کالج لاہور سے J.T.C کی دو سالہ ٹریننگ لینے کے بعد ننکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ کے ہائی سکول میں ٹیچر مقرر ہوئے اور تقریباً ۱۲ سال متواتر وہاں پر سروس کرتے رہے۔ فروری ۱۹۴۵ء میں آپ نے تحریک جدید کے ماتحت خدمتِ سلسلہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اور ملازمت سے استعفیٰ دے کر حضرت مصلح موعودؓ کے حکم سے قادیان حاضر ہو گئے۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۴۵ء میں ۹ دیگر واقفینِ زندگی کے گروپ کے ساتھ آپ یورپ میں تبلیغِ اسلام کے لئے روانہ ہوئے اور تین چار ماہ تک لندن میں حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ مرحوم امام مسجد فضل لندن سے دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بحکم حضورؓ اپریل ۱۹۴۶ء کو تبلیغِ اسلام کے لئے اٹلی روانہ ہوئے اور اٹلی کے مختلف علاقوں میں مصروفِ تبلیغ رہے جس کے دوران کئی عیسائی اٹیلین آپ کے ذریعہ مسلمان ہوئے۔

یورپ سے آپ ۱۹۴۷ء کے آخر میں سیرالیون (مغربی افریقہ) تبدیل کر دیئے گئے۔ ۱۹۵۰ء میں فری ٹاؤن میں احمدیہ مسجد بنوا رہے تھے کہ ربوہ میں ان کی پہلی بیوی کی وفات کی وجہ سے انہیں ربوہ واپس بلا لیا گیا۔ تاکہ وہ اپنے سات لڑکوں اور

سات لڑکیوں کی دیکھ بھال اور شادیاں وغیرہ کر سکیں۔ ربوہ میں قیام کے دوران جامعہ احمدیہ میں غیر ملکی طلبہ کی تعلیم و تربیت بھی کچھ عرصہ ان کے سپرد رہی۔ ستمبر ۱۹۵۰ء میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی اجازت سے کھاریاں میں ان کی دوسری شادی عمل میں آئی جس کے بعد آپ کو مع بیوی بطور مبلغ انچارج فری ٹاؤن احمدیہ مشن دوبارہ سیرالیون بھجا گیا۔ جہاں وہ سالہاسال تک کامیابی سے تبلیغی کام کرتے رہے۔ فری ٹاؤن میں اللہ تعالیٰ نے انہیں تین بچے عطا فرمائے۔ جن میں ایک یہ راقم الحروف طارق خلیل ہے۔

فری ٹاؤن سے ۱۹۵۶ء میں ربوہ واپسی کے بعد پھر ایک سال تک آپ جامعہ احمدیہ میں پڑھاتے رہے جس کے بعد آپ کچھ عرصہ جماعت کے مختلف مرکزی دفاتر میں کام کرتے رہے۔

۱۹۵۸ء میں خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے تعاون سے آپ حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضۂ نبوی سے مشرف ہوئے اور حج سے واپسی کے بعد آپ کو بشیر آباد سندھ کے احمدیہ سکول کا انچارج مقرر کیا گیا۔ جہاں آپ ساتھ ساتھ تبلیغی اور تربیتی کام بھی کرتے رہے۔ پانچ سال بعد وہاں سے آپ نے واپس آکر اپنا مکان تعمیر کیا اور مستقل طور پر ربوہ میں رہائش اختیار کر لی۔ اور کئی سال تک محلہ دارالصدر جنوبی کی مسجد محمود میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

آخر ۱۹۷۰ء میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ جس سے تقریباً پانچ سال صاحبِ فراش رہنے کے بعد ۷۵ سال کی عمر میں آپ ۲۷ مئی ۱۹۷۵ء کو وفات پا گئے اور موصی ہونے کی وجہ سے بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔

مرحوم اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک کامیاب مبلغ اور بڑے جوشیلے اور مخلص داعی الی الخیر تھے۔ آپ نہایت تقویٰ شعار عبادت گذار اور تہجد کی نماز نہ صرف خود التزام کے ساتھ ادا کرنے والے تھے بلکہ اپنے کئی احمدی دوستوں کو بھی عبادتِ تہجد کی چاٹ لگانے کا موجب ہوئے۔ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں بھی آپ زندگی بھر کوشاں رہے اور ان میں دین سے لگاؤ اور محبت پیدا کی۔ آپ کا طریقِ تبلیغ نہایت سادہ مگر جاذب اور دلچسپ ہوتا تھا۔ فری ٹاؤن میں قیام کے دوران آپ ایک ماہوار رسالہ البشریٰ باقاعدگی سے نکالتے رہے جو انگریزی زبان میں تھا۔ اپنی جدّت پسندی کی وجہ سے وہ اس میں عموماً ایسا مواد شائع کرتے تھے جو قارئین کے لئے

خاص دلچسپی کا موجب ہوتا تھا اور پھر اس رسالہ کی تقسیم میں بھی وہ خود بڑی تگ و دو اور محنت سے کام لیتے تھے اس رسالے کی ایک کاپی دیکھکر ایک مرتبہ سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اپنے قلم سے اس کے اُوپر لکھا:۔

"انہوں نے تبلیغ کا یہ اچھا ڈھنگ نکالا ہے۔"

اس کے علاوہ چند چھوٹی چھوٹی کتابیں اور پمفلٹ بھی انہوں نے وہاں ہزاروں کی تعداد میں شائع کر کے تقسیم کیں۔ مثلاً مسلم کیٹکزم۔ صلوٰۃ الادیان وغیرہ۔ زبانیں سیکھنے اور بولنے کا بھی انہیں بہت شوق تھا جو ان کے تبلیغی پروگراموں میں بہت مفید ثابت ہوتا۔ انگریزی کے علاوہ اٹالین اور عربی اور بعض لوکل افریقن زبانوں میں بھی ایک حد تک وہ اپنا مافی الضمیر ادا کر لیتے تھے۔ ربوہ میں جلسہ سالانہ کے موقع پر دنیا کی مختلف زبانوں میں تقریر کرنے کے شبینہ اجلاس میں وہ سالہا سال تک اٹالین زبان میں تقریر کرتے رہے۔ الغرض والد صاحب اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہایت کہنہ مشق استاد کامیاب مبلّغ اور شب بیدار اور تہجد گذار اور بڑے باہمت جدّت پسند اور مقبولِ عام مبلّغ اور واعظ تھے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مغفرت کی چادر میں ڈھانپے رکھے اور درجات بلند کرے اور ان کی ساری اولاد کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دعوتِ حق

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج
جس کی فطرت نیک ہے آئے گا وہ انجام کار

قوم کے لوگو اِدھر آؤ کہ نکلا آفتاب
وادیٔ ظلمت میں کیا بیٹھے ہو تم لیل و نہار

اِک زماں کے بعد آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا
پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار

(امامِ وقت)

حق کے دشمنوں کا انجام

سیرالیون احمدیہ مشن کا مرکز ۱۹۴۰ء سے ۱۹۶۴ء تک "بو" میں رہا ہے۔ آجکل فری ٹاؤن میں ہے۔ "بو" میں جماعت کے لئے زمین کے حصول کے سلسلہ میں بڑی مشکلات پیش آئیں۔ عیسائی مشنریوں کی یونائیٹڈ کرسچن کونسل نے انتہائی کوشش کی کہ ہمارے قدم "بو" میں نہ جمیں۔ چھ سات مرتبہ یہ معاملہ ہم نے بطور شکایت چیف کمشنر کی عدالت میں پیش کیا۔ آخر ۱۹۴۳ء میں اللہ تعالٰے کے فضل سے ایک وسیع قطعہ زمین حاصل کر لیا گیا۔ اس زمین کے ایک کونہ میں فولانی قبیلہ کا ایک پچاس ساٹھ سالہ غریب کسان مالکان زمین کی اجازت سے کھیتی باڑی کرتا تھا۔ شہر کے بعض شرفاء کی سفارش پر ہم نے بھی اس شرط پر اسے وہیں رہنے کی اجازت دے دی کہ بوقتِ ضرورت وہ بلا عذر اور بلا معاوضہ فوراً زمین خالی کر دے گا۔ تاہم ۱۹۵۶ء میں جب ہمیں اس حصّہ زمین کی ضرورت پڑی۔ تو اس نے بعض مخالفین کی شہہ پر وہاں سے نکلنے سے انکار کر دیا۔ پیرامونٹ چیف "بو" نے اپنی عدالت میں ہمارے حق میں فیصلہ کر دیا۔ لیکن پھر بھی وہ اس زمین سے بے دخل نہ ہوا۔ اور آئے دن ہمارے سکول کے سٹاف اور طلباء کے ساتھ اس کا جھگڑا ہوتا رہتا۔ ایک روز سکول کے لڑکوں کا فٹ بال اس کی کھیتی میں جا گرا۔ اور اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اپنی درانتی سے دو لڑکوں کو زخمی کر دیا۔ جس پر لڑائی شروع ہو گئی اور تین چار لڑکے اور ایک استاد اور خود اس کسان کو بھی چوٹیں آئیں۔ خاکسار اس وقت اپنے مرکز سے باہر تھا۔ سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے بعد میں سرسری طور پر اس حادثہ کی مجھے اطلاع دی اور بات آئی گئی ہو گئی۔ لیکن "بو" کے کریول عیسائیوں کے نمائندہ کی انگیخت پر اس فولانی کے رشتہ دار اس دن اسے ایک کیتھولک میڈیکل افسر کے پاس لے گئے اور معمولی زخموں کا ایک مبالغہ آمیز میڈیکل سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا جس کے بعد ہمارے مخالفین نے چندہ کر کے سیرالیون کے ایک مشہور عیسائی

بیرسٹر مسٹر بیٹس (BETTS) کے ذریعہ احمدیہ سکولز کے جنرل مینجر یعنی خاکسار کے خلاف اس فولانی کی طرف سے ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا۔ ہمیں بھی مجبوراً وکیل کرنا پڑا۔ مقدمہ ایک مخالف عیسائی جج جسٹس لیوک (LUKE) کی عدالت میں چار ماہ تک چلتا رہا۔ میری طرف سے پیش کردہ گواہ اس لئے کمزور سمجھے گئے کہ وہ خود مقدمہ میں فریق اور جھگڑے میں ملوّث تھے۔ لیکن اس کے برعکس اس فولانی کی طرف سے اس کی بیوی بھائی اور ایک دوست کی جھوٹی گواہیوں کو بطور عینی شہادتوں کے تسلیم کر لیا گیا۔ حالانکہ وہ لوگ بھی میری طرح وقوعہ کے وقت اس کمپاؤنڈ میں موجود نہ تھے اور پھر وہ اس کے رشتہ دار بھی تھے۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے یہ جھوٹا حلفیہ بیان دیا کہ خاکسار نے خود سکول کے لڑکوں اور استادوں کو اکسا کر ان سے اس بوڑھے اور اکیلے شخص پر بلوہ کروایا تھا۔ اور پہلا وار درانتی سے اس پر مَیں نے ہی کیا تھا۔ ہمارے وکیل کے دلائل اور جرح وغیرہ کے باوجود عیسائی جج کا رویّہ شروع سے آخر تک معاندانہ ہی رہا بلکہ ایک مرحلہ پر اس ہیل جج نے خود مجھ سے پوچھا کہ کیا اس ہندوستانی پگڑی اور اچکن شلوار میں ملبوس آپ جیسے شخص کو استادوں اور طلباء کے درمیان پہچاننے میں یہ سیدھے سادے لوگ غلطی کر سکتے ہیں؟ مَیں نے جواباً عرض کیا کہ اوّل تو ان میں سے کوئی بھی موقعہ پر موجود نہ تھا۔ اور نہ مَیں خود وہاں موجود تھا۔ دوسرے جس طرح آپ صرف عدالت کے وقت چوغہ اور ٹوپی وغیرہ پہنتے ہیں مگر عدالت سے باہر اور گھر پر آپ یہ لباس زیب تن نہیں کرتے اسی طرح خاکسار بھی اپنی یہ مشنری یونیفارم صرف نماز کے اوقات اور دیگر تقریبات پر پہنتا ہے۔ ہر وقت نہیں پہنتا۔

عدالت میں خاکسار کی پیشکش

تاہم جج نے ہمارے تمام لڑکوں اور استادوں کو اس بناء پر بری کر دیا کہ انہوں نے اپنے مینجر کی ہدایت پر متعلقہ شخص کو زخمی کیا تھا اور مجھے معہ خرچہ مقدمہ چار سو ایک (۴۰۱) پونڈ جرمانہ کر دیا۔ اور تین دن تک ادا نہ کرنے کی صورت میں مشن کی عمارتوں

کو مقفل (SEAL) کر دینے کا حکم دے دیا۔ ہمارے لئے اس آخری عدالت کے بعد مزید اپیل کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ جج نے میری اس پیشکش کو بھی رد کر دیا کہ بقول ان کے مجرم چونکہ میری ذات ہے اس لئے جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں سزا صرف مجھے دی جائے۔ چونکہ اس عیسائی جیوری کا مقصد مشن اور جماعت کو نقصان پہنچانا تھا۔ اس لئے میری پیشکش کے باوجود عدالت اپنے موقف پر قائم رہی۔ آخر کار مجبوراً آنریبل پیرامونٹ چیف ناصر الدین گامانگا اور چند دوسرے مخیر احمدی اصحاب نے یہ رقم جمع کر کے ادا کر دی اور اس طرح خدا خدا کر کے یہ بلا ہمارے سر سے ٹلی۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

خدائی فیصلہ اور جھوٹ کا انجام

جماعت نے تو اس واقعہ کو ایک ابتلاء سمجھ کر مالی قربانی کی اور پھر صبر و رضا سے کام لے کر ہم خاموش ہو گئے لیکن اس مقدمہ کا آسمان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ایک فیصلہ صادر ہو چکا تھا اس کی تعمیل یوں ہوئی کہ ہائیکورٹ کے فیصلہ کے ایک ماہ بعد اس فولانی کسان کے چھوٹے بھائی نے جس نے میرے خلاف جھوٹی گواہی دی تھی کسی غبن کے کیس میں ملوث ہو جانے کی وجہ سے اسی جگہ جہاں یہ نام نہاد بلوہ ہوا تھا ایک درخت کے ساتھ رسہ باندھ کر اور اس سے لٹک کر خودکشی کر لی۔ اس کے چند ماہ بعد اس بوڑھے فولانی کی وہ نوجوان بیوی (گواہ نمبر ۲) اپنے بچے اور زیورات وسامان سمیت ایک فولانی نوجوان کے ساتھ فرنچ علاقے کی طرف بھاگ گئی اور بعد میں پکڑے جانے پر دونوں کو جیل کی سزا ہوئی۔ کیونکہ وہ نوجوان جس انڈین فرم میں ملازم تھا اس کا ہزاروں روپے کا کپڑا غائب کر کے ساتھ لے گیا تھا۔

"بو" شہر کی کریول عیسائی آبادی کے سربراہ جنہوں نے ہمارے خلاف اس بوڑھے فولانی کو خاص طور پر اکسایا اور اس کی مالی اور عدالتی مدد بھی کی تھی اور جو ہمارے خلاف اس مقدمہ کے کرتا دھرتا تھے ان کی کنواری لڑکی نے ان کے خلاف عصمت دری کا الزام لگا دیا جس سے وہ سارے ملک میں ذلیل ہو کر پھر کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے اور ان کی کریول قوم نے

انہیں سرداری سے بھی برطرف کر دیا۔ اس ذلت کی وجہ سے وہ "بو" سے پھر ایسے غائب ہوئے کہ پھر ان کا سراغ نہ مل سکا۔ اس بوڑھے فولانی کسان کو بھی آخر کار عدالت کے حکم سے ہماری جماعت کی زمین سے نکلنا پڑا جس کے بعد وہ شہر سے نصف میل کے فاصلہ پر کسی اور شخص کی زمین میں کھیتی باڑی کرنے لگا۔ مگر متواتر صدمات بیوی بچے کی جدائی اور بھائی کی موت وغیرہ کی تاب نہ لا کر تیرہ ماہ بعد اچانک اپنی جھونپڑی میں تنہا سوتے ہوئے راہیٔ ملکِ عدم ہو گیا۔ اور اہلِ "بو" کو اس کی موت کا تین چار روز بعد اس وقت پتہ لگا جبکہ اُدھر سے گزرنے والے لوگوں کو اس سمت سے شدید بُو آنی شروع ہو گئی۔ کسی کی مصیبت یا موت پر خوشی منانا خواہ وہ دشمن ہی ہو اسلامی مسلک کے خلاف ہے تاہم چونکہ ایسے واقعات دوسروں کے لئے عبرت کا موجب ہوتے اور دلوں میں خشیت الٰہی پیدا کرتے ہیں اس لئے پورا واقعہ تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔

احمدیوں کے نیک نمونہ کا معجزانہ اثر

جون ۱۹۵۶ء میں سیرالیون گورنمنٹ کے سابق وزیر آبادکاری و صنعت آنریبل کانڈے بورے KANDE BURAY جو اس وقت فری ٹاؤن کے ٹمنی قبائل کے قبائلی سربراہ بھی تھے نئے لوکل ٹیکس کے خلاف ہونے والے ہنگاموں کی تحقیق کے لئے مگبورکا آئے۔ ان دنوں اتفاق سے خاکسار بھی مگبورکا میں تھا اور محترم مولوی محمود احمد صاحب چیمہ حال رئیس التبلیغ انڈونیشیا بھی میرے ساتھ تھے۔

کانڈے بورے کے اعزاز میں دعوت خاکسار نے بطور مبلغ انچارج جماعت کی طرف سے آنریبل کانڈے بورے کی دعوت کی جس میں مگبورکا کے بہت سے عرب تاجروں اور افریقن معززین کو بھی مدعو کیا۔ کھانے سے پہلے اور بعد ہمیں تبلیغ احمدیت کا اچھا موقع مل گیا۔

بعض عرب تاجروں نے ہمارے عقائد کے خلاف کچھ اعتراض اُٹھائے جن کے تفصیل سے جوابات دیئے گئے۔ اس دوران آنریبل کانڈے بورے نے از خود حاضرین کو مخاطب کر کے باوجود احمدی نہ ہونے کے ایک نہایت پتے کی بات کہی۔ کہنے لگے۔

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے

"فری ٹاؤن میں میری مٹنی قوم کے تقریباً ہر قبیلے میں احمدی پائے جاتے ہیں جن کی تعداد دن بدن زیادہ ہو رہی ہے۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں چیف ہونے کی وجہ سے اپنی قوم کے لوگوں کا چیف جج بھی ہوں اور سینکڑوں کیس میری عدالت میں آتے ہیں جن میں سے اکثر چوری ڈاکہ نقب زنی۔ زنا ظلم اور زیادتی وغیرہ کے کیس ہوتے ہیں لیکن میں اس بات سے حیران اور احمدیت کے حق میں بے حد متأثر بھی ہوں کہ جب سے میں اپنی قوم کا سردار منتخب ہوا ہوں اور میں نے ان کی ڈور سنبھالی ہے سالہا سال گزر جانے کے باوجود میرے پاس کسی احمدی مٹنی کے خلاف اس قسم کی شکایت یا مقدمہ نہیں آیا۔"

"پس عقائد کے متعلق تو میں زیادہ نہیں جانتا کیونکہ میں عالم دین نہیں ہوں لیکن میرے نزدیک احمدی مسلمانوں میں جرائم پیشہ لوگوں کی کالعدم حد تک کمی احمدیوں کے حق پر ہونے کی ایک عام فہم اور واضح دلیل ہے۔ کیونکہ جھوٹا اور بُرا کسی بُرے کی اس حد تک اصلاح نہیں کر سکتا۔ اور آپ خوب جانتے ہیں کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ انگریز بھی کہتے ہیں EXAMPLE IS BETTER THAN PRECEPT. یعنی نیک نمونہ نیک اصولوں سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ پس گو میں بعض وجوہات کی بنا پر احمدی نہیں ہوں لیکن بلا خوف لومۃ لائم یہ اظہار کرتا ہوں کہ مٹنی قوم میں سے احمدیت قبول کرنے والے نوجوانوں کے اخلاق و عادات بہتر ہو جاتے اور ان میں غیر معمولی تغیر آجاتا ہے اور یہ اس امر کا ناقابلِ انکار ثبوت ہے کہ احمدیوں کے مذہبی نظریات جھوٹ سے پاک ہیں۔"

الغرض آنریبل کانڈے بورے نے ہماری جماعت کے اخلاقی نمونہ اور شیتھہ اسلامی کردار کو سراہتے ہوئے باوجود احمدی نہ ہوتے ہوئے اپنے رنگ میں اس وقت خوب تبلیغ کی جس کا حاضرین پر نہایت خوشگوار اثر ہوا اور جماعت کی مخالفت کرنیوالے عرب بھی متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور اس وقت ہکا بکا اور حیران سے ہو گئے۔

بعض افریقین مجاہدینِ اسلام کی ایک دلچسپ تبلیغی رپورٹ

تین نئی جماعتوں کا قیام

۱۹۴۵ء میں خاکسار نے ایک تبلیغی رپورٹ میں سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سیرالیون میں لوکل ٹرینڈ معلّمین کی کمی کا ذکر کیا تو حضور نے ہدایت فرمائی کہ فی الحال مخلص اور تقویٰ شعار احمدیوں سے کام لے کر اس کمی کو پورا کریں۔ کام کرنے کے لئے عالم ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر کے ملک میں تبلیغ و تربیت کا کام کریں۔ چنانچہ خاکسار نے حضورؓ کے اس ارشاد کے مطابق تبلیغی اور تربیتی کام کو وسیع کرنے کے لئے مئی ۱۹۴۵ء میں سیرالیون کے احمدیوں میں تبلیغ کے لئے ایک ایک ماہ وقف کرنے کی تحریک کی جس پر پہلے سال بیس احمدیوں نے لبّیک کہا۔ اس کے بعد یہ تعداد خدا کے فضل سے ہر سال بڑھتی گئی۔ چنانچہ ۱۹۵۱ء میں سیرالیون کے چھتیس مخلص احمدیوں نے نہایت جوش و اخلاص سے اس سکیم کے تحت ایک ایک ماہ وقف کیا۔ اور ان کے ذریعہ ۱۳۱ افراد بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ جب ان کی تبلیغی کارکردگی کی رپورٹ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے حضور پیش ہوئی تو حضورؓ نے ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ خوشنودی کا ٹائپ شدہ سرٹیفکیٹ ارسال فرمایا جو سیرالیون کے جلسہ سالانہ ۱۹۵۱ء کے موقعہ پر سرِ مجلس ہر ایک مجاہد کو دیا گیا۔ نیز سیرالیون مشن کی طرف سے بھی ان کے لئے خاص یادگاری بیج (BADGES) بنوائے گئے جو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ایک پُرمسرّت تقریب کا اہتمام کر کے ان کو لگائے گئے اور ان کے لئے خاص اجتماعی دعا بھی ہوئی۔

۱۸۰ احمدیوں نے ایک ایک ماہ وقف کیا

اگلے سال یعنی ۱۹۵۲ء میں اس سکیم کے تحت خدا کے فضل سے

اسّی مخلصین ایک ایک ماہ وقف کر کے ملک کے مختلف حصّوں میں روانہ ہوئے بلکہ ایک ایسا تبلیغی وفد لائبیریا بھی روانہ کیا گیا۔ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ سب وفود کامیاب و کامران واپس آئے اور اس طرح سیرالیون میں وقفِ عارضی کا یہ سلسلہ سالہا سال تک جاری رہا۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان مخلص افریقن خدام اور مجاہدین اسلام کو وقفِ عارضی کے دَوران کن مشکلات اور کس قسم کے حالات سے دوچار ہو کر اور کیا کیا تکالیف برداشت کر کے اپنے مفوّضہ فرائض سرانجام دینے پڑے اس کا اندازہ نمونہ کے طور پر وقفِ عارضی کے تحت تبلیغی دَورے پر جانیوالے دو مخلص احمدیوں کی مندرجہ رپورٹ سے کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے اپنے کامیاب دورے کے اختتام پر مرتب کر کے خاکسار کو پیش کی اور جو الفضل میں شائع ہو چکی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

وقفِ عارضی کا ایک قابلِ تقلید نمونہ

"یکم ستمبر ۱۹۵۶ء کو ہمیں القاسم فوڈے صالحو اور برادر داؤد سونگو نے احمدیہ مشن سیرالیون کے شعبۂ تبلیغ کے نظام کے تحت جماعت کے مرکز "بو" سے امیر سیرالیون اور مخلصین جماعت کی دعاؤں کے ساتھ وقفِ عارضی کے اس دورے کا آغاز کیا اور بذریعہ ٹرین کینیما (KANEMA) روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر ایک روز انفرادی تبلیغ کی اور لٹریچر تقسیم کیا۔ اگلے روز ۹ میل کا پیدل سفر طے کر کے ایک گاؤں گیئیما (GIEMA) پہنچے۔ گاؤں کے چیف نے ہماری درخواست پر سب لوگوں کو ایک جگہ جمع کیا اور ہم نے اسلام اور احمدیت پر دو لیکچر دیئے۔ عیسائیت کے مقابل اسلام کی برتری ثابت کی۔ امام مہدی علیہ السلام کی آمد کی خوشخبری سُنائی اور سوالات کے جواب دیئے کچھ دینی کتب بھی فروخت کیں۔ اگلے روز چار میل پیدل طے کر کے ایک گاؤں کینجو (KENJU) پہنچے۔ دو گھنٹے ٹھہر کر گاؤں والوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اسلامی طریق۔ اسلام کی سچائی اور نماز کے فوائد بتائے اور امام مہدیؑ کی آمد کی خبر دی۔ کچھ مخالفت ہوئی مگر اکثر لوگ جو مشرک تھے۔ سُن کر

خوش ہوئے اور ہماری خاطر بھی کی۔ وہاں سے آگے پانچ میل پیدل چل کر
ہم ایک گاؤں کونیا (KONIA) پہنچے۔ وہاں پر خدا کے فضل سے ہماری ایک
پرانی جماعت قائم ہے۔ ان کے زیر اثر لوگوں کو تبلیغ کی۔ رات کو گاؤں میں
عام وعظ کیا اور سوالات کے جواب دیئے۔ رات کو اُٹھ کر اپنی جماعت کے ساتھ
باجماعت نماز تہجد ادا کی۔ اور فجر کی اذان کے بعد گاؤں والوں کو نماز کیلئے
بیدار کیا اور اللہ تعالےٰ کی عبادت کی تلقین کی۔ نماز فجر کے بعد مسجد میں تعلیم و
تربیت میں مشغول رہے۔ جماعت کے چندوں وغیرہ کا حساب دیکھا۔ وہاں
سے آگے پانچ میل چل کر ایک گاؤں پاٹو (PATO) میں پہنچے اور گھر گھر
دستک دے کر ایک خدا ایک رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور ایک کتاب
قرآن کریم پر ایمان لانے اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کی جماعت میں داخل
ہونے کی تلقین کی۔ لوگوں نے توجہ سے ہماری باتیں سُنیں اور مہمان نوازی
بھی کی۔ وہاں سے آگے چھ میل پیدل چل کر ایک گاؤں تاہوان (TAHWAN)
گئے۔ ٹاؤن چیف کو کہا کہ لوگوں کو جمع کرے مگر اس نے تعاون نہ کیا۔ ہم نے
گھر گھر جا کر انفرادی طور پر اسلام اور احمدیت کا پیغام پہنچایا یا امام مہدیؑ
کی آمد کی بشارت دی اور رات گزار کر اگلے روز وہاں سے تین میل کے فاصلہ
پر ایک گاؤں بامباہون (BAM BAHUN) پہنچے جہاں ہم نے دو لیکچر دیئے
اور انفرادی تبلیغ بھی کی اور لٹریچر تقسیم کیا۔ گاؤں والے ہماری تبلیغ سے
بہت خوش ہوئے اور دوبارہ آنے کو کہا۔ دو پونڈ بطور امداد مشن ہمیں دیئے۔
وہاں سے چار میل پیدل چل کر ایک گاؤں "پیری" (PEERI) پہنچے۔ لوکل
چیف کے تعاون سے ہم نے پبلک لیکچر دیا۔ بہت اچھا اثر ہوا۔ چیف نے
ہماری مہمان نوازی بھی کی اور خدا کے فضل سے دو افراد جماعت میں شامل ہوئے
وہاں سے ہم چانگو (CHANGO) پہنچے۔ یہ مخالف گاؤں تھا انہوں نے ہمیں
ٹھہرنے نہ دیا۔ اس لئے آدھ گھنٹہ بعد ہم آگے روانہ ہو گئے اور تین میل پیدل
کر کے ایک گاؤں "کالونا" پہنچے اور گاؤں میں پھر کر اعلان کیا کہ ہم تقریر کرینگے
کیونکہ ٹاؤن چیف گاؤں سے باہر تھا۔ اور بڑے بڑے لوگ مخالف تھے۔ لوگ

میدان میں جمع ہو گئے انہیں اسلام پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی اور امام مہدی کی آمد کی بشارت دی اور سوالات کے جواب دیئے۔ ہم صبح سے بھوکے تھے۔ اور کئی میل پیدل چل چکے تھے مگر مخالفت کی وجہ سے کسی نے ہمیں پانی تک نہ پوچھا۔ جنگل میں خرید و فروخت بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے بھوکے ہی آگے روانہ ہو گئے۔ وہاں سے بذریعہ کشتی ایک دریا عبور کیا اور تین میل چل کر ایک گاؤں "باگو" پہنچے۔ بارش سے ہمارے کپڑے تر تھے کیونکہ گزشتہ تین میل بارش میں سفر کیا تھا۔ یہاں بھی ہماری بہت مخالفت ہوئی اور ہم آدھ گھنٹہ سستا کر ناچار آگے چل پڑے اور دو میل طے کر کے ایک گاؤں کا مبیما (KAMBEMA) میں تین روز قیام کر کے دن رات خوب تبلیغ کی۔ لوگ بہت اچھی طرح پیش آئے مہمان نوازی بھی کی۔ اور ہمیں بہت آرام دیا اور خدا کے فضل سے آٹھ افراد نے معہ امام مسجد بیعت کر لی۔ الحمد للہ کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک نئی جماعت عطا فرما دی جس کی تعلیم و تربیت کے لئے بعد میں مرکزی مشن کی طرف سے مکرم ملک غلام نبی صاحب مبلغ سیرالیون کو بھیجا گیا۔

۲۸- افراد کی نئی جماعت قائم ہو گئی

وہاں سے ہم دو میل پر ایک گاؤں "فوفو" پہنچے۔ ایک روز قیام کیا اور انفرادی تبلیغ کی ایک دکان پر دو گھنٹے مذہبی گفتگو اور سوال و جواب ہوتے رہے۔ گاؤں میں لٹریچر بھی تقسیم کیا گیا۔ اگلے روز تین میل چل کر ایک گاؤں "پانڈے ٹو" پہنچے دو روز قیام کیا اور سارا سارا دن تبلیغ اور وعظ و نصیحت میں گزرتا رہا۔ لوگوں نے ہماری باتیں بڑی دلچسپی اور توجہ سے سنیں۔ چار افراد نے بیعت کی۔ باقی لوگوں نے غور کر کے فیصلہ کرنے کا وعدہ کیا مگر ہمارے ساتھ نمازیں ادا کرتے رہے۔ آگے چار میل کا سفر طے کر کے ایک گاؤں "بامباہون" پہنچے چار روز قیام کیا۔ یہاں کے لوگوں کو ہم نے بہت اچھا پایا۔ دو لیکچر دیئے انفرادی تبلیغ کی۔ گھر گھر حضرت امام مہدی کا پیغام پہنچایا اور بالآخر یہاں خدا کے فضل سے ۲۸- افراد نے احمدیت قبول کی اور ایک نئی جماعت قائم ہو گئی۔ اس گاؤں میں داخل ہوتے ہی ابتداء میں

شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک با اقتدار شخص نے ہمیں گالیاں دیں اور گاؤں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ ہم خاموشی سے اُٹھ کر چل دیئے۔ پھر خیال آیا کہ گاؤں کے دوسری طرف جا کر دیکھیں چنانچہ ادھر جا کر تبلیغ کی تو کئی سعید الفطرت لوگوں نے حق قبول کر لیا اور ہماری خوب خاطر و مدارات کی۔ اور بڑی عزت اور محبت سے پیش آئے۔ بعد میں وہاں احمدیہ مسجد بھی تعمیر ہوئی اور وہ گاؤں اس علاقہ میں خدا کے فضل سے احمدیت کا مرکز بن گیا۔

جنگل میں قبولیتِ دعا کا نشان

اس گاؤں سے پھر ہم ۹ میل پیدل سفر کر کے ایک گاؤں "کیجیما" پہنچے اور سیدھے ٹاؤن چیف کے پاس گئے۔ راستے میں شدید بارش سے ہمارا بُرا حال تھا۔ بھوک نے بھی نڈھال کر رکھا تھا لیکن اس مخالف چیف نے ہماری باتیں سننے اور گاؤں میں قیام کرنے کی اجازت دینے انکار کر دیا۔ ناچار ہم آگے روانہ ہوئے ہم پہلے ہی سخت تھکے ماندے تھے اور کپڑے بارش سے تر تھے کہ راستے میں بارش نے ہمیں پھر آ لیا۔ رات سر پر تھی راستہ بھی دشوار گزار اور خطرناک تھا اس اضطراری حالت میں ہم نے بڑے سوز و گداز اور الحاح سے دعا کی کہ اے ہمارے رحیم و کریم خدا! ہم تیرے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام اور تیرے مہدی علیہ السلام کے فدائی ہیں اور محض تیرا نام بلند کرنے اور تیرے دینِ اسلام کی تبلیغ کے لئے اپنا کام کاج گھر بار اور عزیز و اقارب چھوڑ کر ان جنگلوں میں پھر رہے ہیں بھوک کی شدت سے ہمارے تھکے ماندے جسم بھی اب جواب دے رہے ہیں تو غیب سے ہماری مدد فرما۔ چنانچہ اس سمیع و مجیب نے اپنے کرم سے ہماری دعا سنی اور وہ موسلا دھار بارش یکدم بند ہو گئی اور چار میل تک بند رہی۔ پھر ہماری پگڈنڈی کے ایک طرف بارش ہونے لگی لیکن دوسری طرف بالکل خشک موسم رہا اور اس طرح خارق عادت طور پر ہم بارش سے محفوظ رہ کر خدا تعالےٰ کی مہربانی پر شکر کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ چنانچہ چار میل مزید چل کر ہم رات گئے ایک گاؤں "مانو کو ٹومبو" پہنچے جہاں ہماری ایک بڑی پرانی اور مخلص جماعت موجود ہے۔ جماعت کے صدر گاؤں

سے باہر ہی ہمیں مل گئے۔ ہمیں دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ ہم نے رات اپنے احمدی بھائیوں کے پاس گزاری۔ مسجد میں جماعت کو اپنے سفر کے حالات بتائے اور وعظ و نصیحت کی اور اگلے روز چل کر چار میل پر ایک قصبہ کومینڈے اور پھر ہانگا میں کچھ دیر ٹھہر کر لٹریچر فروخت کیا اور تبلیغ بھی کی۔ پھر بذریعہ لاری "بونگو" آئے اور وہاں احمدی بھائیوں کے ہاں قیام کیا اور دو روز تبلیغ و تربیت میں مصروف رہے وہاں سے ایک اور احمدی گاؤں "جوئی" پہنچے اور دو روز قیام کیا۔ یہاں بھی ہمارے احمدی بھائیوں نے ہماری خوب خاطر و مدارات کی۔ بہت خوش ہوئے اور ہمیں ہر قسم کا آرام پہنچایا۔ ہم نے گاؤں کے غیر احمدی طبقہ میں بڑے اچھے ماحول میں تبلیغ کی۔ وہاں سے چند میل چلکر ہم ضلع کے مرکزی قصبہ کینیما (KENEMA) آئے۔ چونکہ ہمارے وقفِ عارضی کا ایک مہینہ ختم ہو گیا تھا اس لئے ہم یکم اکتوبر ۱۹۵۶ء کو بذریعہ ریل گاڑی ۴۵ میل کا سفر طے کر کے بخیریت اپنے مرکز "بو" پہنچ گئے فالحمد للہ اولاً و آخراً"

۱۱۰ میل پیدل۔ تین ہزار کو پیغامِ اسلام پہنچایا

اس تبلیغی دورہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم نے ۱۱۰ میل پیدل، ۶۵ میل بذریعہ لاری اور ۱۳۶ میل بذریعہ ریل سفر کیا۔ تقریباً تین ہزار افراد کو پیغامِ حق پہنچایا اور خدا کے فضل سے ۴۳ افراد ہمارے ذریعہ بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہوئے اور تین جگہ بالکل نئی جماعتیں قائم ہوئیں"

(الفضل ۳۰ نومبر ۱۹۵۶ء)

سیرالیون کے آخری انگریز گورنر جنرل کو تبلیغِ اسلام

اور

قرآن کریم کی پیشکش

دسمبر ۱۹۵۶ء میں سیرالیون کے نئے گورنر سر مورس ڈورمین SIR MORIS DORMAN ویسٹ انڈیز کے علاقہ ٹرینیڈاڈ سے تبدیل ہو کر سیرالیون آئے تو عیسائیوں کے سالانہ تہوار کرسمس کے موقعہ پر خاکسار اور مکرم مولوی محمود احمد صاحب چیمہ مبلغ فری ٹاؤن اور جماعت کے بعض افراد پر مشتمل جماعت احمدیہ سیرالیون کے ایک وفد نے سر مورس سے ملاقات کر کے انہیں خیر مقدم ایڈریس پیش کیا۔ جس میں انہیں ملکہ برطانیہ کی طرف سے "سر" کا خطاب ملنے اور گورنر جنرل سیرالیون بن جانے پر مبارکباد پیش کی اور خوش آمدید کہا۔ نیز قرآن کریم مترجم مع دیباچہ قرآن انگریزی تحفہ پیش کیا۔ ایڈریس میں انہیں احمدیت کی تاریخ اور غرض وغایت اور دنیا بھر کے احمدیہ مشنوں سے متعارف کرایا نیز قرآن کریم کے متعلق بتایا کہ

"جو مقدس کتاب ہم آج آپ کو آپ کی کرسمس کے موقعہ پر تحفۃً دے رہے ہیں کوئی عام دنیوی کتاب نہیں ہے بلکہ جیسا کہ آپ کو علم ہوگا یہ مقدس صحیفہ بلا امتیاز دنیا کے تمام مسلمانوں کی عالمگیر مذہبی کتاب ہے جس کا حرف حرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت بانیٔ اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اور جس پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کے لئے ضروری قرار دیا ہے اور حال ہی میں جماعت احمدیہ نے دنیا کی بڑی بڑی زبانوں میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔"

"بطور گورنر جنرل آپ کی سیرالیون میں آمد اور پھر کرسمس کی مناسبت سے اس ملک کے لوگوں کی طرف سے نیز آپ کے وطنِ عزیز

سے اور ٹرینیڈاڈ سے بھی آپ کو تحائف موصول ہوئے ہوں گے لیکن ہمیں یقین ہے کہ یہ عظیم تحفہ جو ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ اگر آپ اس کی آسمانی اور ابدی تعلیم کو اپنالیں گے تو یہ دونوں جہانوں میں آپ کی نجات اور کامیابی کا موجب ہوگا۔"

گورنر جنرل سر مورس نے قرآن کریم احتراماً کھڑے ہو کر وصول کرنے کے بعد ہمارے ایڈریس کے جواب میں ہمارا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ

"مَیں قرآن کریم جیسی عظیم کتاب کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اور اس کا مطالعہ کروں گا اور مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی ہے کہ مغربی افریقہ اور خصوصاً سیرالیون میں بھی آپ کی جماعتیں اور مشن موجود ہیں۔ ٹرینیڈاڈ میں آپ کا مشن ابھی ابتدائی منازل میں ہے۔ بہرحال مَیں آپ کی دعاؤں اور نیک تمناؤں کی قدر کرتا ہوں اور مجھے خوشی ہے کہ آپ بے لوث طور پر بنی نوع انسان کی خدمت میں مصروف ہیں۔" (الفضل ۲۲ جنوری ۱۹۵۷ء)

سیرالیون کے پہلے افریقن وزیر اعظم کو دعوتِ اسلام اور قرآن کریم کی پیشکش

"احمدیوں نے اسلام کو ماڈرن انسان کا مذہب ثابت کر دیا ہے" (وزیر اعظم سیرالیون)

ستمبر ۱۹۵۷ء میں سیرالیون کی مینڈے قوم کے ایک سیاسی لیڈر ڈاکٹر سر ملٹن اے۔ ایس۔ ماگائے الیکشن میں کامیابی کی وجہ سے سیرالیون گورنمنٹ کے پہلے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ چونکہ ہماری جماعت سے منسلک مینڈے باشندوں کے ووٹ بھی اکثر ڈاکٹر سر ماگائے کی پارٹی کو ملے تھے اس لئے اُن کی جیت سے احمدیوں میں بھی مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

اکتوبر ۱۹۵۷ء میں بحیثیت مبلغ انچارج مَیں نے ارادہ کیا کہ ڈاکٹر سرماگائے موصوف اور ان کی نئی کیبنٹ کے وزراء کو ان کے برسرِاقتدار آنے اور حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے پر جماعت احمدیہ سیرالیون کی طرف سے مبارکباد پیش کر کے ان کی خدمت میں اسلامی لٹریچر پیش کیا جائے۔ چنانچہ نائب وزیر اعظم اور وزیر معدنیات آنریبل ایم ایس مصطفےٰ کے ذریعہ اس غرض کے لئے وزیر اعظم سے وقت لیا گیا۔ اور مکرم چوہدری محمود احمد صاحب چیمہ مبلغ سلسلہ اور مکرم ملک غلام نبی صاحب مبلّغ سلسلہ اور آنریبل ایم ایس مصطفیٰ اور خاکسار پر مشتمل ایک وفد نے وزیر اعظم سے ۳۱ر اکتوبر کو فری ٹاؤن میں ملاقات کر کے انہیں ایک تبلیغی ایڈریس پیش کیا جس میں اسلام کی خوبیاں بیان کر کے انہیں مسلمان ہونے کی دعوت دی گئی اور اس کے بعد قرآن کریم انگریزی۔ لائف آف محمدؐ اور دیگر اسلامی کتب سنہری جلدوں میں انہیں پیش کی گئیں۔ اس موقعہ پر وزیر اعظم کے بلانے پر بعض دیگر وزراء اور حزب مخالف کے لیڈر آنریبل محمود احمد بھی آ گئے تھے۔ سب سے پہلے نائب وزیر اعظم اور وزیر معدنیات آنریبل سنوسی مصطفےٰ نے کھڑے ہو کر ایک مسلمان وزیرِ مملکت ہونے کی حیثیت سے وزیر اعظم اور دوسرے وزراء اور حاضرین سے ہمارا اور جماعت احمدیہ کا تفصیلی تعارف کرایا۔ جس کے دَوران احمدی مبلّغین کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔

اسلام کے نور کو پھیلانے والے نوجوان

"یہ وہ نوجوان ہیں جنہوں نے اس خطۂ سیرالیون میں اسلامی نور کی شعاعوں کو تیز تر کر کے ہم مسلمانانِ سیرالیون کو مذہبی طور پر جگا دیا ہے یہ لوگ تقریباً عرصہ بیس سال سے طرح طرح کے مصائب برداشت کرتے ہوئے اس ملک کی دینی اور تعلیمی حالت کو بہتر بنانے میں کوشاں ہیں۔"

احمدیوں میں خدمتِ خلق جذبہ

نیز آپ نے فرمایا:۔
"پھر یہ امر بھی قابلِ صد ستائش ہے

کہ ان باہمت اسلامی مبلّغین کی انتھک کوششیں اور خدمات صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں اور انہیں تک محدود نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ تمام انسانوں کا بھلا چاہتے ہیں اور خدمتِ خلق کا جذبہ ان کے ہر پروگرام ہر کام اور ہر سکیم میں نمایاں نظر آتا ہے۔ تعلیمی لحاظ سے اس ملک کے سینکڑوں بچے ان کے سکولوں میں پڑھ کر اور ان کے زیرِ تربیت رہ کر بہترین شہری بن چکے ہیں اور ملک کے ہر شعبہ اور محکمہ میں پائے جاتے ہیں۔"

احمدی مبلّغ اِسلام کے مخلص نمائندے ہیں

پھر وزیر اعظم کو مخاطب کرتے ہوئے آنریبل مصطفےٰ" نے فرمایا:-

"گو میں مالکی مکتبِ خیال کا مسلمان ہوں اور احمدی نہیں ہوں مگر ان احمدی مبلّغین کی مساعیٔ جمیلہ کو دیکھکر اور ان کی بے لوث قربانیوں کی وجہ سے میں ہمیشہ ان کا مدّاح رہا ہوں اور جس رنگ میں بھی میں اس مقدس جہاد میں ان کا ہاتھ بٹا سکتا تھا بٹاتا رہا ہوں۔ افسوس ہے مسلمانانِ سیرالیون کے اس طبقے پر جو ابھی تک ان لوگوں کی پہچان نہیں کر سکا اور ان کے راستہ میں روڑے اٹکا رہا ہے۔ یہ امر میرے لئے باعثِ فخر و مسرّت ہے کہ اسلام کے یہ مخلص نمائندے آج آپ کی خدمت میں اللہ تعالےٰ کا مقدس پیغام قرآن کریم اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری کتابی شکل میں پیش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ان تحائف کو آپ کے لئے بابرکت فرمائے اور ان لوگوں کو اس ملک کی اور زیادہ خدمت کرنے کی توفیق دے۔"

بعد ازاں خاکسار نے احمدیہ مشن کی طرف سے وزیر اعظم کو مخاطب کر کے ایڈریس پڑھا جس میں اُنہیں قرآن کریم اور سوانح حضرت بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم تحفۃً پیش کرنے کا ذکر کرنے کے بعد بتایا کہ

احمدیہ پریس اور اخبار کا اجراء

"اس صدی میں اسلام کی مقدس کتاب

قرآن کریم کے کئی نئے ترجمے ہو چکے ہیں لیکن یہ ترجمہ قرآن کریم جو ہم آج آپ کو پیش کر رہے ہیں جماعت احمدیہ کے مرکز کی طرف سے تیار کردہ جدید ترین ترجمہ ہے۔ حال ہی میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدیہ مشن سیرالیون نے "بو" میں اپنا پریس بھی قائم کیا ہے جس پر عنقریب قرآن کریم کا آپ کی مادری زبان مینڈے (MENDE) میں ترجمہ شائع کیا جائے گا۔ جو کہ اس وقت ہماری جماعت کے ماہرین زبان تیار کر رہے ہیں۔ پریس کے علاوہ اس سال احمدیہ مشن نے "بو" میں ایک اچھی اور ماڈرن قسم کی پبلک لائبریری اور ریڈنگ روم بھی کھولا ہے جس سے بلا امتیاز پبلک فائدہ اٹھا رہی ہے۔ نیز ایک پندرہ روزہ انگریزی اخبار افریقن کریسنٹ AFRICAN CRESCENT بھی جاری کیا ہے جس کا عربی ایڈیشن بھی نکالا جاتا ہے۔

سر! اگرچہ آپ مذہبًا عیسائی ہیں لیکن ملک کے محبوب لیڈر ہونے کی وجہ سے آپ مسلمان عیسائی مشرک سب کے لئے باپ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پس ہماری گزارش ہے کہ اس ملک کی نمایاں اکثریت یعنی مسلمانوں کو ان کی تعداد کے مطابق ہر قسم کے حقوق دیئے جائیں۔ اور حکومت کے نظام میں بھی اسی تناسب سے انہیں نمائندگی ملنی چاہیئے۔ نیز ملک کے مسلمان عوام کی تعلیمی اور ثقافتی بہبودی کا خاص خیال رکھا جائے۔ کیونکہ وہ ابھی تک اپنے عیسائی ہموطنوں سے تعلیم و تمدن میں بہت پیچھے ہیں"۔

میرے ایڈریس کے اختتام پر خاکسار کی گزارش پر احترامًا سب حاضرین کھڑے ہو گئے اور جناب وزیر اعظم نے نہایت ادب سے قرآن کریم مجھ سے وصول کرنے کے بعد ہمارے ایڈریس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:۔

احمدی اسلام کو ماڈرن اور سائنسی طریق سے پیش کرتے ہیں

"میرے لئے آج کا دن بڑا مبارک ہے کہ آج میں نے قرآن کریم اور لائف آف محمدؐ جیسے

بیش قیمت تحائف حاصل کئے ہیں جو میرے لئے باعث عزّت و فخر ہیں اگرچہ مَیں بچپن میں عیسائی سکولوں میں تعلیم پانے کی وجہ سے عیسائی ہو گیا تاہم میرے خاندان کے اکثر لوگ مسلمان ہیں۔ میں عیسائی اور اسلامی دونوں قسم کے لباس استعمال کرتا ہوں میرے والد کٹر عیسائی تھے مگر ماں اور چچا مسلمان تھے اور دونوں میں میرے متعلق کھینچا تانی ہوتی رہتی تھی جب مَیں چچا کے گھر رہتا تو وہ مجھے اسلامی لباس پہنا کر اسلامی رنگ میں رنگین کرنے کی کوشش کرتے اور اپنے ساتھ مسجد لے جاتے اور جب مَیں اپنے والد کے گھر ہوتا تو وہ مجھے عیسائیت سکھاتے اور یورپین لباس پہنا کر گرجے میں لے جاتے۔"

"آخر میرے والد کی کوششیں غالب آگئیں اور مَیں عیسائی ہو گیا لیکن اسلام سے بھی مَیں مانوس ہوں اور اب اسلام کی آسمانی کتاب آپ سے حاصل کر کے بڑی خوشی محسوس کرتا ہوں مَیں اسے ضرور پڑھوں گا اور اس کی سچائیوں اور علم و حکمت کی باتوں کو اخذ کروں گا۔ مَیں خوش ہوں کہ احمدی اسلام کی تعلیم کو ایسے عام فہم مدلّل اور سائینٹیفک طریق سے پیش کرتے ہیں کہ یہ مذہب صدیوں پرانا نہیں بلکہ ماڈرن انسان کی ضرورت معلوم ہوتا ہے۔"

میں ان کی سادہ طرزِ زندگی سے بہت متاثر ہوں

نیز آپ نے فرمایا:۔ "مَیں ان احمدی مبلّغین کی مساعی اور قربانیوں اور ان کے سادہ طرزِ زندگی سے خوب واقف اور بہت متاثر ہوں۔ کیونکہ "بو" میں میرا مکان اور ذاتی ہسپتال ان کے مرکزی مشن کے بالکل قریب تھا اور مَیں سالہا سال تک ان کا ہمسایہ رہا ہوں۔ ان مشنریوں کو زندگی کی وہ سہولتیں اور وہ جدید سامانِ زندگی ابھی میسّر نہیں جو اب ہمارے عیسائی مشنریوں کو حاصل ہیں۔ پھر بھی یہ ہمہ تن ملک کی خدمت اور تعلیمی ترقی میں کوشاں رہتے ہیں۔ مَیں ان کے احمدیہ سکولوں سے بھی متعارف ہوں

اور بعض مرتبہ بطور ریڈیکل آفیسران کا معائنہ بھی کرتا رہا ہوں۔ میں خوش ہوں کہ یہ لوگ ہمارے بچوں کو انگریزی اور عربی دونوں زبانوں اور دونوں تہذیبوں سے بہرہ مند کراتے ہیں گویا احمدیہ سکولوں کے تعلیم یافتہ اسلام اور عیسائیت دونوں مذہبوں کو پرکھنے اور دنیا کو بصیرت و فراست کی دونوں آنکھوں سے دیکھنے کے قابل ہو کر دوسروں پر فوقیت لے جاتے ہیں۔"

سب سے مساوات اور انصاف کا سلوک

پھر فرمایا:۔

"مجھے تو سب قوموں اور سب مذاہب کے لوگوں کا خیر خواہ ہونا چاہیئے۔ اور مَیں آج احمدیوں اور عام مسلمانوں اور عیسائیوں اور دوسرے سب ہموطنوں کو یقین دلاتا ہوں کہ میری حکومت میں سب سے مساوات اور انصاف کا سلوک ہوگا اور اس لحاظ سے کسی کو شکایت پیدا نہیں ہوگی۔ انسانیت ہمیں مخالف کے مقابل پر بھی تحمّل اور بردباری اور وسعتِ قلبی کا مظاہرہ کرنا سکھاتی ہے آپ لوگ اس وقت دیکھ رہے ہیں۔ کہ ہماری پارلیمنٹ کے حزبِ مخالف کے لیڈر آنریبل محمود احمد بھی بھائیوں کی طرح میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں انہوں نے بخوشی اس تقریب میں شریک ہونا منظور کیا۔ حالانکہ "ہاؤس" کے اندر وہ میرے مخالف کا پارٹ ادا کرتے ہیں۔ تاہم وہ مخالفانہ جذبات صرف "ہاؤس" تک ہی محدود رہتے ہیں اور باہر ہمارے دوستانہ تعلقات اور بے تکلفیاں اپنا رنگ دکھاتی رہتی ہیں ہمارے مذہبی لیڈروں کو بھی مذہبی اختلافات کے باوجود اس قسم کی وسعتِ قلبی کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔"

"پس میں جماعت احمدیہ کے امیر اور دوسرے سربراہوں کا بہت ممنون ہوں اور میری دعا ہے کہ ان کی بے لوث کوششیں بار آور ہوں اور میرے ہموطن صحیح معنوں میں اسلام کے پیرو بن جائیں۔"

اسکے بعد خاکسار نے اجتماعی دعا کرائی جس میں اپنے اپنے رنگ میں سب حاضرین شامل ہوئے اور یہ تقریب بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوئی۔ (الفضل ۳۰ر اکتوبر ۱۹۵۷ء)

قبولیتِ دُعا اور نصرتِ الٰہی کا ایک واقعہ

بر موقعہ حج بیت اللہ

اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور احسانوں کی گنتی کرنا ایک محال امر ہے۔ بیشمار مرتبہ وہ انسان کی خواہش اور مرضی کے مطابق اور اس کی ضروریات سے بہت بڑھکر اُسے مال و دولت سے نوازتا ہے اور اَن گِنت مرتبہ وہ اُسے موت کے منہ سے چھڑاتا اور مصائب و مشکلات کے پہاڑوں کو اس کی راہ سے ہٹاتا ہے۔ اس عاجز گنہگار پر بھی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت سے ایسے ایسے عظیم احسانات فرمائے ہیں کہ اگر مَیں اپنی جان مال عزت و آبرو اور سب کچھ اس کے حضور پیش کردوں تو بھی اس کے شکریے کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا

مثال کے طور پر یہاں ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ ہر سچے مسلمان کی طرح اس عاجز کی بھی دلی خواہش تھی کہ حج کا فریضہ ادا کرنے کی توفیق مل جائے مگر بظاہر کوئی صورت نظر نہ آتی تھی نہ مالی لحاظ سے اور نہ موقعہ اور سفری سہولتوں کے لحاظ سے۔ تاہم اس نیک خواہش کی تکمیل کے لئے کبھی کبھی دردِ دل سے دعا کا موقعہ ضرور مل جاتا تھا۔ آخر کار لمبے عرصہ کے بعد میرے لئے اللہ تعالیٰ نے اس فریضہ کی ادائیگی کا یوں سامان کیا کہ سیرالیون میں میرے زمانۂ امارت کے دوران اس نے ضلع کینیما کی ریاست وانڈو (WANDO) کے ایک سیکشن چیف مسمّی قاسم کمانڈا کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مقدس جماعت میں شمولیت کی توفیق دے دی۔ حالانکہ یہ وہی شخص تھے جنہوں نے ایک مرتبہ اپنے گاؤں کے دریا کے کنارے ٹہلتے ٹہلتے یہ کہا تھا کہ جس طرح یہ دریا اُلٹا نہیں بہہ سکتا اسی طرح مَیں بھی احمدی نہیں ہوسکتا۔

ان کے احمدی ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے ان پر پہلا فضل یہ کیا کہ ان کے زیرِ کفالت علاقہ میں ماہرینِ کھدائی کر کے ہیروں کا بہت بڑا مدفون ذخیرہ دریافت کر لیا۔ اس کے بعد ہیروں کی کھدائی کرنے والی کمپنیوں کی طرف سے ہمارے اس نومبائع چیف کو اتنی رائلٹی ملنی شروع ہو گئی کہ وہ اپنے ضلع کے اکثر پیرامونٹ چیفوں سے زیادہ مالدار ہو گئے۔ اسی دوران ایک لوکل احمدی معلّم نے انہیں فریضۂ حج ادا کرنے کی تحریک کی۔ چنانچہ وہ حج کے لئے تیار ہو گئے اور مجھے بھی لکھا کہ چونکہ آپ کی کوششوں اور جماعت احمدیہ کی دعاؤں سے مجھے صداقت قبول کرنے کی توفیق ملی اور ہیروں کی دولت بھی نصیب ہوئی ہے اس لئے مَیں چاہتا ہوں کہ آپ اور کوئی ایک افریقن احمدی بزرگ میرے ساتھ حج کے لئے چلیں۔

میں نے انہیں لکھا کہ اگر خلیفۂ وقت سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی طرف سے اجازت مل گئی تو مَیں ضرور آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ چنانچہ میری درخواست پر سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے مجھے اجازت مرحمت فرما دی اور فرمایا کہ اس سال مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام حج کے لئے جا رہے ہیں چیف قاسم کمانڈا کو ان سے ملائیں اور اکٹھے رہیں تاکہ وہ ایک صحابی کی صحبت سے فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ ۴ رجون ۱۹۵۸ء مطابق ۱۷ ذوالقعدہ ۱۳۷۷ھ چیف قاسم کمانڈا موصوف یہ خاکسار اور مکرم الحاج علی روجرز آف "بو" ہم تینوں حج کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز سیرالیون سے ارضِ حرم کو روانہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیں باحسن طریق فریضۂ حج کی ادائیگی اور دعاؤں کی توفیق مل گئی۔ اور دورانِ حج ہماری صحت بھی اچھی رہی۔ مدینہ منوّرہ میں حرم نبویؐ کی زیارت اور وہاں قیام کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔

جدّہ میں شدید انفلوئنزا

لیکن ارضِ حرم سے واپسی پر جب ہم سیرالیون کے لئے ہوائی جہاز کے انتظار میں چند روز کے لئے جدّہ ٹھہرے تو مجھے شدید انفلوئنزا ہو گیا۔ دو تین روز کے لوکل علاج کے

باوجود جب میری طبیعت زیادہ خراب ہوتی چلی گئی تو مکرم حاجی علی روجرز صاحب اِدھر اُدھر سے پتہ کر کے مجھے ایک اچھے لبنانی ہسپتال میں علاج کے لئے لے گئے اس وقت مجھے ۱۰۴ درجہ سے اوپر بخار تھا۔ ڈاکٹر نے دیکھتے ہی فوراً ہسپتال میں داخل کر کے بڑی توجہ سے علاج شروع کر دیا۔ کھانا پینا پانچ چھ روز تک بند رہا۔ معدہ کسی چیز کو قبول نہ کرتا تھا۔ روزانہ ایک ڈرپ گلوکوز کی لگتی رہی اور پسینہ کی کثرت کی وجہ سے نرس بار بار کپڑے بدلاتی۔ رات کو حرارت کم ہو جاتی اور دن کو زیادہ مگر بخار ۱۰۲ سے کم نہ ہوتا تھا۔ ادھر میری بیماری کے چھٹے روز مصری ایر لائن والوں نے ہم تینوں کو اپنے ایک خرطوم جانے والے ہوائی جہاز میں جگہ دے دی۔ جہاں سے آگے سیرالیون کے لئے بھی ٹکٹیں بک ہو گئیں۔ مکرم الحاج علی روجرز اس روز مجھے لینے کے لئے ہسپتال آئے مگر انہیں ہسپتال کے کسی کارکن نے باہر سے ہی ٹال کر کہدیا کہ ہم تمہارے مریض کو ابھی ابھی ایمبولینس میں خود ہوائی اڈے پر پہنچا دیں گے۔ فکر نہ کرو اس پر وہ تسلی سے واپس چلے گئے لیکن بعد میں وہ کارکن بھول گیا یا تساہل سے کام لیتے ہوئے اس نے مجھے بہت دیر کے بعد اس صورتِ حال سے مطلع کیا۔

سیرالیون واپسی میں رکاوٹ

مَیں یہ سُنکر باوجود بیماری اور شدید نقاہت کے طوعاً و کرہاً اسی وقت روانگی کے لئے تیار ہو گیا کیونکہ اکیلا رہ جانے کی صورت میں نہ صرف جدہ میں بلکہ واپسی کے سفر کے دوران بھی مجھے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ چنانچہ میرے کہنے پر ہسپتال کی ایمبولینس گاڑی بھی آگئی۔ لیکن ہسپتال کا بل جب فوری ادائیگی کے لئے مجھے دیا گیا تو وہ تقریباً ۹۰ ڈالر تھا جس میں سے صرف ۱۷ ڈالر مَیں نے داخل ہوتے وقت پیشگی دیئے تھے۔ ہسپتال کے سٹاف کا اصرار تھا کہ اس کی ادائیگی کے بغیر وہ مجھے ڈسچارج نہیں کر سکتے۔ ہمارا جہاز اسی روز شام کے ۶½ بجے روانہ ہو رہا تھا۔ سیٹ مل چکی تھی اور ابھی مجھ میں سفر کرنے کی سکت بھی باقی تھی اس کے بعد رش کی وجہ سے پتہ نہیں کتنے ہفتے انتظار میں لگ جاتے۔ میرے ساتھی ہوائی اڈے پر میرے منتظر تھے مگر اس طرح جدہ میں اکیلے رہ جانے اور

بیماری اور پھر ہسپتال کے ماحول کی دہشت اور جیب بھی بالکل خالی اور ہسپتال والوں کا اصرار کہ بل فوری طور پر ادا ہونا چاہیئے۔ ان سب پیش آمدہ پریشان کن اور ناگفتہ بہ حالات کی وجہ سے مجھ پر عجیب سراسیمگی کی سی حالت طاری تھی۔ مَیں نے ڈاکٹر صاحب سے عرض کیا کہ ازراہِ کرم ائیرپورٹ سے میرے ساتھیوں میں سے کسی کو بلا دیں لیکن ان کا آدمی وہاں اِدھر اُدھر گھوم پھر کر ناکام واپس آ گیا۔

کسمپرسی کی حالت میں دعا

چنانچہ اس بے بسی کی حالت میں میرا ہسپتال سے ڈسچارج ہونا ملتوی ہو گیا۔ اور مَیں پھر ہسپتال کے اس چھوٹے سے ائیر کنڈیشنڈ کمرے میں اکیلا رہ گیا اور کسی نے میرا کوئی عذر نہ سُنا۔ آخر اس کسمپرسی میں مجھے دعا کی طرف توجہ ہوئی کہ آخری حربہ کسی بے بس انسان کا یہی ہوتا ہے۔ مَیں بستر پر لیٹے لیٹے مسنون دعاؤں کا ورد کرنے لگا۔ پھر نہایت عجز سے اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ الٰہی مَیں اک ترا نالائق بندہ پرمعصیت اور رہینِ غفلت ہوں چھوٹے چھوٹے بچے پیچھے چھوڑ کر تیرے مقدس گھر کے طواف اور حج کے لئے یہاں حاضر ہوا تھا۔ تو نے اپنے کرم سے حج تو کرا دیا۔ اب میرے ساتھی خوشی خوشی واپس لوٹ رہے ہیں مگر مَیں اس اجنبی ماحول میں بیماری اور معذوری کی حالت میں پڑا ہوں مجھ اکیلے کو کون یہاں سنبھالے گا۔ تُو غیب سے کوئی سامان فرما۔ کہ تجھے رب قدرتیں حاصل ہیں اب تُو ہی اپنی کسی معجزانہ کرم فرمائی سے مجھے واپس منزلِ مقصود تک پہنچا۔ اس طرح تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے میں اکیلا بیم و رجا کی سی کیفیت سے دوچار رہا۔ دل غم و اندوہ میں گھرا ہوا تھا لیکن امید کی کوئی کرن کبھی کبھی اسے روشن بھی کر دیتی تھی۔ کہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت غیب سے کوئی سامان فرما دے کہ آخر اپنے سب گناہوں کے باوجود مَیں بھی اس کے پیارے مسیحؑ کا ایک ادنیٰ سپاہی ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی امداد

شام ہونے کو آئی تو مَیں مکمل طور پر مایوس ہو گیا کیونکہ جہاز کی اڑان کا وقت ۶½ بجے شام تھا۔ دل غم و درد کے بوجھ سے ڈوبتے ہوئے پکار رہا تھا۔ الٰہی اب کیا ہو گا شاید اسی مقدس سرزمین میں میرا ابدی نیند سونا مقدر ہے۔ مَیں دیوار کی طرف

منہ کئے اپنے پہلو پر لیٹا ہوُا تھا اور ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے دیوار کی سمت دیکھ رہا تھا کہ اچانک مجھے اپنے پیچھے سے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی پلٹ کر دیکھا تو معلوم ہوُا کہ ہسپتال کے لبنانی ڈاکٹر میرے ایک عدن کے رہنے والے شاگرد جامعہ احمدیہ ربوہ کے سابق طالب علم عزیز ابراہیم بن محمود اور میرے ایک عزیز دوست مکرم عبدالحمید صاحب غازی کو لے کر اچانک میرے کمرے میں داخل ہوئے ہیں ان دونوں نے فوری طور پر میرا ہسپتال کا بل ۴۳ ڈالر اپنی جیب سے ادا کر دیا اور مجھ سے یہ تک نہ پوچھا کہ یہ بل آپ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں بلکہ مجھے ایمبولینس کار میں لے کر نہایت سرعت سے ایئر پورٹ رُوانہ ہو گئے اس افراتفری میں میرے کپڑے اور کچھ سامان بھی ہسپتال میں ہی رہ گیا جو وقتِ رخصت اٹھا کر ساتھ رکھنا انہیں یاد نہ رہا۔ یہ دونوں احمدی نوجوان اس زمانہ میں سعودی عرب میں کام کرتے تھے اور حج کے دوران مکہ مکرمہ میں ان سے صفا و مروہ پر میری ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن اس روز جدّہ میں بوقتِ شام جب یہ دونوں اپنے عزیزوں کو رخصت کرنے ایئر پورٹ پر گئے تو اتفاقاً وہاں انہیں میرے ساتھی مکرم حاجی علی روجرز صاحب مل گئے جنہوں نے نہایت درد سے ان کو میرے متعلق بتایا کہ مَیں بیمار ہوں اور مَیں نے ہسپتال کی ایمبولینس کار میں آنا تھا۔ مگر ابھی تک پورٹ پر نہیں پہنچ سکا اور اس طرح نہ صرف میری سیٹ ضائع ہو جائے گی بلکہ مَیں یہاں بیماری کی حالت میں اکیلا رہ جاؤنگا کیونکہ جہاز کی روانگی کا وقت اب ہوُا ہی چاہتا ہے۔ چنانچہ میرے متعلق یہ خبر سنتے ہی وہ دونوں فوری طور پر وہاں سے سیدھے ہسپتال میں میرے پاس آئے اور میرے بل کی ادائیگی کر کے مجھے بروقت ایئر پورٹ پر لے آئے۔

اللہ تعالےٰ کے خاص فضل سے سفر کا سامان ہو گیا ہسپتال سے جب ہم ایئر پورٹ پر پہنچے تو جہاز کا دروازہ بند ہو چکا تھا اور انجن سٹارٹ کئے جا رہے تھے۔ ایئر کمپنی کے مصری ایجنٹ جہاز سے واپس لوٹ رہے تھے کہ مکرم عبدالحمید صاحب غازی نے بڑھ کر ان کی منّت کی کہ اب بھی کسی طرح دروازہ کھلوا کر اس بیمار اور لاچار مسافر کو سوار کرا دیں۔ یہ

عمداً نہیں بلکہ بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے لیٹ ہو گئے ہیں۔ ایجنٹ نے پہلے تو بڑے کرخت انداز میں انکار کر دیا بلکہ عربی زبان میں وہ مجھے کچھ سخت سُست الفاظ بھی کہہ گئے لیکن پھر خود ہی فوراً میرے ساتھ جا کر انہوں نے جہاز کا دروازہ کھلوایا اور مجھے سوار کرا دیا۔ کیونکہ میری سیٹ ابھی خالی پڑی تھی۔ عزیز مکرم عبدالحمید صاحب غازی آجکل انگلینڈ میں مقیم ہیں اور عزیز ابراہیم بن محمود غالباً عدن میں ہیں۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔ ہسپتال کے اس بل کی رقم کی واپسی کی پیشکش بلکہ درخواست بھی میں انہیں تحریری طور پر بار بار کرتا رہا مگر انہوں نے قبول نہ کی۔

پس یوں غیر معمولی حالات میں اللہ تعالےٰ نے مجھ جیسے نالائق گنہگار کی حالتِ زار پر رحم کھا کر اپنے پیاروں کے صدقے میری اضطراری پکار کو سُنا اور عین وقت پر میری ناگفتہ بہ حالت کے باوجود میرے لئے جہاز پر پہنچنے کا سامان کر دیا فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِكَ۔

ایک عیّاش اور مخالفِ اسلام نوجوان کا انجام

۱۹۵۸ء میں خاکسار اپنے اہل و عیال کے ساتھ احمدیہ مسجد "بو" سیرالیون کے ساتھ والے احمدیہ دارالتبلیغ میں مقیم تھا۔ اس وقت ہمارے پڑوس میں کریول قوم کا ایک مالدار عیاش اور مخالفِ اسلام عیسائی نوجوان رہتا تھا۔ اس کے مکان پر بوقتِ شب ہفتہ میں کم از کم دو مرتبہ ضرور محفلِ عیش و طرب منعقد ہوا کرتی تھی۔ جس میں نوجوان مرد اور عورتیں شراب پی کر ساری ساری رات افریقن رقص و سرود اور گانے بجانے میں مصروف رہتے تھے۔ چنانچہ ان کے اس شور و غوغا کی وجہ سے ہمیں تقریباً تمام رات بے آرامی میں گزارنی پڑتی تھی۔ بلکہ بعض دفعہ ہمارے بچے بھی ڈر کر جاگ اُٹھتے اور رات بھر بے چین رہتے۔ مسجد میں نمازی بھی یکسوئی سے نماز نہ پڑھ سکتے تھے۔ کیونکہ عشاء کی نماز سے پہلے ہی ان لوگوں کا ڈھول ڈھمکا

شروع ہو جاتا تھا۔

دُعا کے سوا اَور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی مارچ ۱۹۵۸ء میں ان لوگوں کے اس طریق کار سے تنگ آکر ہم نے لوکل احمدی بھائیوں کے ذریعہ اپنے اس عیسائی ہمسایہ سے بار بار درخواست کی کہ وہ اپنی شراب نوشی اور رنگ رلیاں منانے کے ان پروگراموں پر عمل کے دوران یہ خیال رکھا کریں کہ پڑوسی بے آرام نہ ہوں اور یہ شور و شغب ان کے اپنے گھر تک محدود رہے لیکن افسوس کہ ہماری شریفانہ اپیلوں کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ لوکل پیرا مونٹ چیف کا وہ شخص نہایت قریبی رشتہ دار تھا۔ اس لئے ہماری ان کے پاس شکایت کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ آخر بعض لوکل احمدی بزرگوں کی تجویز پر ہم سب نے التزام سے اللہ تعالےٰ کے حضور یہ دعا کرنی شروع کی کہ الٰہی یہ شخص ہمیں بلاوجہ تنگ کر رہا ہے اور اسے یہ بھی خیال نہیں آتا کہ ہماری مسجد بھی اس کے مکان کے بالکل قریب ہے۔ ہماری مخلصانہ نصیحتوں اور اپیلوں کا بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ الٰہی! تجھے سب قدرتیں حاصل ہیں تو اپنے کرم سے اس پر اسلامی تعلیم کی سچائی ظاہر فرما دے اور اس کو یہ احساس دلا دے کہ ہمسایوں کو اس طرح تنگ کرنا ایک گناہ ہے۔ جس سے اُسے احتراز کرنا چاہیئے یا پھر اسے حالات سے مجبور کر دے کہ وہ اس مکان سے کسی اَور جگہ منتقل ہو جائے۔ چنانچہ مبلغین کرام اور لوکل جماعت کے احمدی احباب اپنی نمازوں اور تہجد میں کئی ماہ تک التزام سے یہ دعا کرتے رہے۔ تاہم اس شخص کے لئے کسی احمدی کی زبان پر کوئی ایسا کلمہ نہ آیا جو بد دعا کے مترادف ہو۔ اللہ تعالےٰ سے ہم سب زیادہ سے زیادہ یہی چاہتے رہے کہ وہ شخص از خود وہاں سے کہیں اَور جا بسے۔

اللہ تعالےٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ ابھی چار ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ ایک رات ہمارا وہ ہمسایہ غالباً کثرتِ شراب اور بعض دیگر بے احتیاطیوں کی وجہ سے فریفن رقص کرتے ہوئے یکدم زمین پر گر کر بے ہوش ہو گیا اور قے اور دست کرنے لگا۔ ڈاکٹر کو بلایا گیا اور ہر قسم کے علاج معالجہ کے باوجود وہ عین اس وقت راہئی ملکِ عدم ہو گیا جبکہ بوقت صبح مسجد احمدیہ "بو" سے مؤذن نے اللہ اکبر اللہ اکبر کی

صدا بلند کرنی شروع کی کیونکہ اسی وقت اچانک اس کے گھر میں کہرام مچ گیا اور عورتوں کے چیخ چیخ کر رونے اور بین کرنے کی آوازیں اتنے زور سے آنی شروع ہوگئیں کہ ہمارے کان اذان کی آواز بھی صحیح طور پر نہ سُن سکتے تھے۔ حالانکہ مسجد ہمارے مکان سے متصل تھی۔

جنازے اور کفن و دفن کی عجیب و غریب رسمیں

اور یوں اسلام کے سچے زندہ اور سمیع و مجیب خدا نے وہاں پر احمدیہ جماعت کو دعا کا ایک روشن نشان دکھایا اور اپنے فضل و کرم سے ہماری اس تکلیف کا ازالہ فرما دیا۔ اس شخص کی موت کے بعد ہم نے دیکھا کہ اس کی لاش کو کفن وغیرہ پہنانے کے بعد ایک وسیع کمرہ کے وسط میں چٹائی بچھا کر رکھ دیا گیا۔ اور سر ہانے کی طرف اس کی ایک بڑے سائز کی فریم شدہ تصویر کھڑی کر دی گئی اس دوران گھر کی تمام بالغ عورتوں کے سر کے بال بالکل صاف کر کے ان کے نیم برہنہ جسموں پر سفید سی راکھ مَلی گئی جس کے بعد وہ سب عورتیں اس لاش کی طرف پاؤں پسار کر اس کے چاروں طرف بیٹھ گئیں اور بَین کرنے لگیں۔ دریں اثنا ایک دوسرے مرد اور عورتیں ایک خاص انداز سے لاش کے گرد رقص کرنے لگے۔ اور اس دوران شراب اور کھانے پینے کی چیزیں بھی تقسیم کی جانے لگیں۔ اور لوکل زبان کے مختلف مناسب حال مرثیہ نما گانوں اور سُروں کے علاوہ انگریزی میں مذہبی بھجن وغیرہ بھی گائے جانے لگے۔ تیسرے روز دیکھا گیا کہ لاش کے پیٹ پر ایک بھاری پتھر رکھا ہوا ہے اور پوچھنے پر معلوم ہوا کہ پیٹ پھول کر بولنے لگ گیا تھا اس لئے پتھر رکھا گیا ہے۔ چوتھے روز وہ لوگ جنازہ اٹھا کر جلوس کی صورت میں قبرستان کی طرف روانہ ہوئے سب سے آگے بڑی افسردہ سُروں میں بینڈ بج رہا تھا۔ اس کے پیچھے ایک ایمبولینس کار میں جنازہ رکھا تھا۔ اور مرنے والے کی وہی سر مُنڈی نیم برہنہ عورتیں بوریئے کے کُرتے سے پہنے ہوئے اور سر نیچے کیئے چاروں طرف ساتھ ساتھ جا رہی تھیں۔ ان کے پیچھے عام لوگ کالی چھتریاں کھولے ہوئے افسردگی کے عالم میں آہستہ آہستہ قدم بقدم چلتے جا رہے تھے چھتریوں کی رسم پوری کرنے کے لئے۔ چھتریاں عموماً

کرایہ پر مل جاتی ہیں۔ جو مرنے والے کے لواحقین کی طرف سے مہیا کی جاتی ہیں۔

دفن کرنے کے بعد کی رسم

نعش دفن کرنے کے بعد تقریباً ایک ماہ تک اس گھر میں دن رات مہمانوں کی آمد شراب نوشی اور کھانے پینے اور افریقن رقص وغیرہ کا سلسلہ جاری رہا۔ لوکل زبان کے گانے یا مرثیے وغیرہ تو ہم سمجھ نہیں سکتے تھے لیکن ایک انگریزی ریکارڈ جو روزانہ کثرت سے سننے میں آتا تھا وہ کچھ اس طرح تھا۔ FALLEN FALLEN —

FALLEN BABYLON, FALLEN TO RISE NO MORE.

اس سے ان لوگوں کی مراد یہ تھی کہ یہ ہمارا عزیز جو مر گیا ہے وہ اب کبھی زندہ نہیں ہوگا اس لئے اس کی موت کے غم کو بھول جانا چاہیئے۔ ان لوگوں کا یہ ریکارڈ کثرت سے سننے کی وجہ سے ہمارے بعض بچوں نے بعد میں یونہی شغل کے طور پر موقعہ بے موقعہ اسی مخصوص دُھن پر گانا شروع کر دیا۔ یہ دیکھکر خاکسار نے اسی دُھن پر اسلام اور احمدیت کے حق میں چند انگریزی فقرے منظوم کر کے انہیں سمجھایا کہ وہ ان لوگوں کے مُردنی پیدا کرنے والے گانے کو گنگنانے کی بجائے میرے مرتب کئے ہوئے بامطلب اور پُرامید شعر گنگنایا کریں۔ میری اس انگریزی نظم کا پہلا فقرہ یا مصرع کچھ یوں تھا:۔

RISING RISING RISING AHMADIYYA, RISING TO FALL NO MORE.

یعنی احمدیت ترقی کر رہی ہے اور خدا کے فضل سے ایسی بلندیوں کو پہنچ رہی ہے جس کے بعد کبھی نہ گرے گی۔

چنانچہ بعد میں سالہا سال تک میرے وہ شعر احمدیہ پرائمری سکولوں کے بچے صبح کی اسمبلی کے وقت اپنے اپنے سکول کے بینڈ کی آواز پر عرصہ تک گاتے رہے اور شاید اب بھی گاتے ہوں ؛

برٹش پارلیمنٹ کے ممتاز ممبران کو تبلیغ

دسمبر ۱۹۵۸ء میں برٹش پارلیمنٹ کے چار ممتاز ممبران سیرالیون آئے ان کی آمد کا مقصد سیرالیون کے سیاسی حالات اور ملکی ترقی کی رفتار کا جائزہ لینا تھا۔ اس ڈیلیگیشن کے لیڈر مسٹر پانل (PANNEL) کنزرویٹو ممبر تھے۔

فری ٹاؤن کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد وہ ملک کے دوسرے مرکزی شہر "بو" (BO) آئے۔ جو اس وقت ہماری جماعت کا مرکز تھا۔ چونکہ مذہبی مشنوں اور ان کے سکولوں وغیرہ کو دیکھنا بھی ان کے پروگرام میں شامل تھا اس لئے مورخہ ۱۲ دسمبر ۵۸ئہ کو یہ وفد "بو" پہنچکر بعد دوپہر سب سے پہلے ہمارے مشن کی لائبریری اور ریڈنگ روم دیکھنے آیا۔ جہاں خاکسار مبلغ انچارج اور مکرم مبارک احمد صاحب ساقی اور مکرم غلام نبی صاحب ان کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ ضلع "بو" کے کمشنر اور ڈی سی اور بعض دیگر افسران بھی ان کے ہمراہ تھے اور پریس کے نمائندے اور فوٹوگرافر بھی موجود تھے۔

خیر مقدم اور تبلیغی ایڈریس

احمدیہ لائبریری اور پبلک ریڈنگ روم وغیرہ دکھانے کے بعد خاکسار نے سیرالیون احمدیہ مشن کی طرف سے انہیں خیر مقدم ایڈریس پیش کیا۔ جس کا جواب ان کے لیڈر مسٹر پانل نے جذباتِ تشکر و امتنان سے دیا۔ اور ہماری طرف سے پیش کردہ اسلامی لٹریچر بھی بڑی خوشی سے وصول کیا اس کے بعد انہیں کچھ دیر جماعت احمدیہ کی تاریخ اس کے مذہبی مشن اور دیگر انتظامی تفصیلات سے مطلع کیا گیا۔ جماعت کے بین الاقوامی امام و پیشوا کے متعلق انہوں نے پوچھا کہ ان کی پوزیشن اور اتھارٹی کی نوعیت کیا ہے اور وہ ساری دنیا کی قوموں کی احمدیہ جماعتوں پر کس طرح کنٹرول کرتے ہیں۔ اس کا انہیں مفصل جواب دیا گیا کہ ان کے پاس کوئی مادی فورس نہیں ہے بلکہ وہ سچائی اور محبت کے زور سے دلوں پر کنٹرول کرتے ہیں۔ یہ معلوم کر کے وہ لوگ بہت خوش ہوئے کہ ہمارے سکولوں میں عربی

زبان اور مذہبی تعلیم دینے کے علاوہ گورنمنٹ کے قواعد اور مقررہ کورس کے مطابق دیگر سب مضامین بھی پڑھائے جاتے ہیں ۔ کیونکہ بعض متعصب عیسائی افریقن لیڈروں نے غلط طور پر یہ تأثر دے رکھا تھا کہ ہم اپنے سکولوں میں دنیوی تعلیم دینے کی اہلیت نہیں رکھتے جو صریح جھوٹ تھا ۔

احمدیہ سکول کا معائنہ اس کے بعد انہوں نے ہماری مسجد اور مشن ہاؤس دیکھا اور پھر ہمارے احمدیہ سنٹرل سکول کی ہر کلاس میں جا کر جائزہ لیا کہ ہمارے اساتذہ کس طرح پڑھاتے ہیں جس کے دوران پریس فوٹو گرافر فوٹو لیتے رہے ۔ رخصت ہونے سے قبل سکول کی لاگ بک میں ہر ممبر نے علیحدہ علیحدہ بڑے خوشکن ریمارکس لکھے ۔ مشن کی طرف سے پیش کردہ ایڈریس میں انہیں خوش آمدید کہنے کے علاوہ ساری دنیا میں تبلیغ اسلام کے نظام ، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی اور تعلیم پر روشنی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بائیبل میں مذکورہ پیشگوئیوں کا ذکر کر کے انہیں پیش کردہ اسلامی لٹریچر بغور مطالعہ فرمانے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی ۔

گامبیا کے متعلق شکایت اور اس کا ازالہ ایڈریس کے آخر میں ان سے شکایت کی گئی تھی کہ بعض نہایت غیر معقول وجوہات کی بناء پر گامبیا (GAMBIA) میں احمدیہ مشن کھولنے اور احمدی مبلّغین کے وہاں داخلے کی اجازت نہیں دی جا رہی ۔ حالانکہ اس ملک میں قائم شدہ مختلف عیسائی مشنوں کے پادری کھلے بندوں وہاں کے مسلمانوں کو دھڑا دھڑ عیسائی بنا رہے ہیں ۔ چنانچہ ہمارے ایڈریس کا جواب دیتے ہوئے ان کے لیڈر مسٹر پائنل نے وعدہ کیا کہ وہ واپس جا کر کولونیل آفس میں یہ معاملہ پیش کر کے تحقیق کرنے اور یہ پابندی ہٹانے کے متعلق گفتگو کریں گے ۔ انہیں دنوں امام مسجد فضل لندن حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس رض نے بھی مسجد فضل لندن کے حلقہ کے ممبر آف پارلیمنٹ کے ذریعہ پارلیمنٹ میں اور بعد میں کولونیل آفس میں یہ معاملہ پیش کر کے اس کے ازالہ کی کوشش کی ۔ اور آخر کار خدا کے

فضل وکرم سے گامبیا کے متعلق احمدی مبلغین پر سے یہ غیر آئینی پابندی اٹھالی گئی اور وہاں پر احمدیہ مشن قائم ہوگیا جو اَب خدا کے فضل سے ترقیات کی منازل طے کر رہا ہے اور ہزاروں افریقن وہاں حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے ہیں۔ الحمدللہ تعالیٰ۔

(الفضل ۱۱ر جنوری ۱۹۵۹ء)

دُنیا کو دین پر مقدم کرنے کا نتیجہ

ہمارا علیم و حکیم خدا اپنی خاص حکمتوں کے ماتحت انسان کو اس کی کسی غلطی، کوتاہی سُستی یا بے جا لالچ وغیرہ کرنے پر بعض دفعہ فوری طور پر بھی تنبیہہ یا سزا وغیرہ دے دیتا ہے تاکہ وہ خود سبق حاصل کرکے سنبھل جائے اور دوسروں کے لئے عبرت کا موجب بنے۔

دسمبر ۱۹۵۸ء میں سیرالیون کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر مَیں نے جلسہ کے آخری اجلاس میں تمام جماعت سے تحریک جدید کے لئے بڑھ چڑھ کر چندہ دینے کی پُرزور اپیل کی۔ سٹیج پر میرے ساتھ لوکل پریذیڈنٹ جماعتہائے احمدیہ سیرالیون الحاج المانی سوری پیرا مونٹ چیف ریاست مکالی بھی تشریف رکھتے تھے۔ تقریر شروع کرنے سے پہلے مَیں نے چپکے سے انہیں کہا کہ مالی قربانی کے وقت عام احباب چونکہ پہلے اپنے بڑوں کی طرف دیکھتے اور عموماً انہیں کی تقلید کرتے ہیں۔ اس لئے میری اس مالی تحریک کے اختتام پر سب سے پہلے آپ اپنا نمونہ پیش کریں اور خود کھڑے ہوکر جتنی زیادہ رقم آپ پیش کر سکتے ہوں نقد پیش کرکے اس کا اعلان کرتے ہوئے لوکل زبان میں جماعت کی ہمت بڑھائیں۔

نیکی کا موقعہ کھو دیا! چیف المامی سوری مرحوم ایک نہایت مخلص اور مالدار احمدی چیف تھے جنہوں نے اسلام اور احمدیت کی خاطر بڑی قربانیاں کرنے کی توفیق پائی اور ان کا انجام بھی خدا کے فضل سے اچھا ہوا۔ مگر اس روز میرے اصرار کے باوجود وہ دوسروں سے پہلے اپنی مالی قربانی

کے اس طرح نقد پیش کر کے حاضرین کو قربانی پر آمادہ کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ بلکہ مجھے بار بار یہی کہتے رہے کہ

الحاجی صدیق میری جیب میں اس وقت صرف پچپن ۵۵ پونڈ ہیں۔ جو مَیں نے اس اجلاس کے بعد پُوجے ہون (PUJE HUN) (وہاں سے پچیس میل دور) جا کر اپنے ڈاکٹر بیٹے کو پدرانہ تحفے کے طور پر پیش کرنے ہیں اس لئے اس وقت تو مَیں ایک پونڈ بھی نقد نہیں دے سکتا صرف وعدہ کروں گا مگر بعد میں وعدہ بھی نہ کر سکے۔

چنانچہ اس کے بعد شام کو وہ پوجے ہون چلے گئے۔ اگلے روز جب اپنی ریاست کو واپس جاتے ہوئے ایک رات کے لئے "بو" میں ٹھہرے تو مسجد احمدیہ "بو" میں بعد نماز مغرب سب کے سامنے بڑی ندامت اور افسوس کے ساتھ کہنے لگے۔

"الحاج صدیق کل میرے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا ہے جو ہر احمدی کے لئے عبرت کا موجب اور سبق آموز ہے۔ مَیں نے کل آپ کی بات نہ مانی اور نیکی کرنے کا وہ موقع کھو کر یقیناً اپنے خدا کو اور آپ کو بھی ناراض کیا۔ اور اب دیکھ لو مَیں اپنے وہ پچپن پونڈ بھی گنوا آیا ہوں یہاں سے پُوجے ہون جاتے ہوئے مَیں نے صرف ایک مرتبہ قضائے حاجت کے لئے کار کھڑی کرائی تھی اور پھر ہم آگے روانہ ہو گئے۔ مگر اپنے بیٹے کے گھر پہنچنے پر جب اپنا بٹوا نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ وہ کہیں راستے میں ہی گر گیا ہے اور تلاشِ بسیار کے باوجود بھی نہیں مل سکا۔"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تازیانہ

"مَیں سمجھتا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے سزا ملی ہے اور یہ سبق دیا گیا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم نہ رکھنے والا مومن واقعی گھاٹے میں رہتا ہے۔ اور سچے مومن کے لئے ضروری ہے کہ جب کسی معاملے میں دین اور دنیا کے درمیان مقابلہ ہو جائے تو وہ دنیا کے لالچ میں نہ پڑے بلکہ دین کا پہلو اختیار کرے۔"

جماعتِ احمدیہ سیرالیون کے نام حضرت مصلح موعودؓ کے

رُوح افزا پیغامات

جماعت احمدیہ سیرالیون کی تیسری سالانہ کانفرنس ۱۴ تا ۱۶ دسمبر ۱۹۵۱ء کو منعقد ہوئی اس کانفرنس کے لئے سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل پیغام بذریعہ تار ارسال فرمایا :-

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــ ؂ ـــــ نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

برادرانِ جماعت احمدیہ ملک سیرالیون !

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ پیغام مَیں آپ کے ۱۳۳۰ ہش / ۱۹۵۱ء کے جلسہ سالانہ کے لئے بھجوا رہا ہوں آپ کے ملک میں مغربی افریقہ کے ممالک میں سے سب سے آخر میں تبلیغ شروع ہوئی ہے۔ لیکن آپ کا ملک چاروں طرف سے ایسے علاقوں سے گھرا ہؤا ہے جو کہ احمدیت سے ابھی ناآشنا ہیں۔ پس آپ کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے اور آپ کے لئے کام کے مواقع بھی بہت پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے آپ لوگ اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے اپنی محنت اور اپنی کوشش کو بڑھائیں اور نہ صرف اپنے علاقہ میں احمدیت کو پھیلانے کی کوشش کریں۔ بلکہ لائبیریا اور فرنچ افریقن علاقوں میں بھی تبلیغ کا کام اپنے ذمہ لیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ لوگ اپنے فرائض کو ادا کریں گے تو آپ کے لئے آخرت میں بہت ثواب جمع ہو جائے گا۔ اور اس دنیا میں آپ مغربی افریقہ کے رہنما بن جائیں گے۔ اللہ تعالےٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو اسلام کی تعلیم پر سچّے طور پر عمل کرنیکی توفیق عطا فرمائے اور اخلاص اور قربانی اور اتحاد اور نظام کے احترام کا مادہ آپ میں پیدا

کرے۔"

خاکسار (دستخط) مرزا محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی ۳ ۱۲/۵۱
(الفضل ۴ر اپریل ۱۹۵۱ء)

دوسرا پیغام سیرالیون کی پانچویں سالانہ کانفرنس کا ۵-۶-۷ر دسمبر ۱۹۵۳ء کو انعقاد ہوا۔ جس کے لئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے یہ مختصر مگر جامع پیغام بھیجا کہ

"UNITE AND WORK, GOD WITH YOU."

یعنی متحد ہو کر کام کرو۔ خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ (المصلح ۱۱ر فروری ۱۹۵۴ء)

حضورؓ کا تیسرا پیغام دسمبر ۱۹۵۵ء میں سیرالیون کی سالانہ کانفرنس کے لئے حضورؓ نے تیسرا ایمان افروز پیغام بھیجا جس کا متن حسب ذیل تھا۔

برادران جماعت احمدیہ سیرالیون!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

میں نے سنا ہے کہ آپ کی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ احباب تو چاروں طرف سے آئیں گے ہی۔ مگر خالی احباب کا جمع ہونا مفید نہیں ہوتا جب تک ان کے اندر للّٰہیت اور اخلاص پیدا نہ ہو۔ پس آپ لوگ اس کا انتظام کریں۔ کہ مبلّغین اخلاص اور للّٰہیت کے پیدا کرنے کی تلقین کریں۔ اور جماعت جس جوش کے ساتھ آئے اس سے سینکڑوں گنا زیادہ جوش کے ساتھ واپس جائے تاکہ ملک کے چپّہ چپّہ میں احمدیت پھیل جائے۔

آپ کا ملک بہت وسیع ہے ابھی اس میں اشاعتِ حق کی بہت ضرورت ہے۔ جلدی اس طرف توجہ کریں اور سارے ملک کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کریں تاکہ آپ لوگ اسلامی دنیا میں ایک مفید عنصر ثابت ہو سکیں۔ خالی سیرالیون اسلامی دنیا میں کوئی نقش نہیں چھوڑ سکتا جبکہ پہلے وہ ایک عقیدہ پر قائم نہ ہو اور پھر باقی مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا کر اسلام کی خدمت نہ کرے پس اس مقصد کو آپ ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں اور اس کے لئے جد وجہد

کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ آمین۔

والسّلام خاکسار

(دستخط) مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی ۱۲/۲/۵۸

(الفضل ۲۰ رفروری ۱۹۵۸ء)

اسی طرح ایک مبلغِ اسلام مولانا محمد صدیق صاحب شاہد کی سیرالیون سے آمدہ تبلیغی رپورٹ پر حضور رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

"ہم تو خواہش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ جلد از جلد سارا سیرالیون احمدی ہو جائے۔" (خط مورخہ ۱۹ رمئی ۱۹۵۵ء)

نیز ۱۴ راکتوبر ۱۹۵۵ء کو بھی سیرالیون سے آمدہ ایک اور تبلیغی رپورٹ پر فرمایا۔

"تقریروں کی اطلاع تو آجاتی ہے۔ یہ کب اطلاع آئے گی کہ سیرالیون کے اکثر آدمی احمدی ہو گئے ہیں۔" (تاریخ احمدیت جلد، ص۴۰)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سیرالیون میں تبلیغ اسلام کا کام کرنے والے مجاہدین کو حضور کی اس خواہش کو جلد از جلد پورا کرنے اور اہلِ سیرالیون کو بسرعت حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی توفیق دے۔ آمین۔

صورِ مہدوی

کبھی نہ بدلے گا عزم اپنا اگرچہ دنیا بدل رہی ہے
ہم اپنی راہوں پہ چل رہے ہیں وہ اپنی راہوں پہ چل رہی ہے
اے سونے والو اٹھو تمہیں صورِ مہدوی پھر جگا رہا ہے
یہ تیرگی شب کی عنقریب اب سحر کے سانچوں میں ڈھل رہی ہے
یہ شمعِ نورِ محمدی ہے نہ بجھ سکی ہے نہ بجھ سکے گی
چلیں ہوائیں بھی آندھیاں بھی مگر مسلسل یہ جل رہی ہے
یہ دَور اب عنقریب اسلام کے تمدن کا دَور ہوگا
نئے تقاضوں سے ہو کے مجبور طبعِ انساں بدل رہی ہے

محمد صدیق امرتسری

خواب کے ذریعہ اصلاح

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی دُعا کا اثر

مکرم سلیمان سیسے صاحب سیرالیون مغربی افریقہ کے شمالی صوبہ کی ریاست بیلے (YELE) کے رہنے والے اور سیرالیون کے ابتدائی اور مخیر احمدیوں میں سے ہیں۔ لیکن وہ کسی زمانہ میں عملی لحاظ سے کمزور تھے۔ اور اس بارے میں مبلغین کے وعظ ونصیحت کا بھی ان پر چنداں اثر نہ ہوتا تھا۔ ان کی دنیوی اہمیت کی وجہ سے مخلصین جماعت کی ہمیشہ یہی دعا ہوتی تھی کہ خدا کرے ان کے دل سے دنیا کی بے جا محبت نکل جائے اور اپنی دینی ذمہ داریوں کا احساس ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کی دعاؤں کو سُنا اور سلیمان سیسے صاحب کی طبیعت نے اچانک پلٹا کھایا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جنوری ۱۹۵۹ء میں ایک روز یہ خاکسار احمدیہ مرکز "بو" سے کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ جب مَیں دوپہر کو سفر سے واپس آیا تو معلوم ہوا کہ مکرم سلیمان صاحب خلافِ توقع اپنے قصبہ بیلے سے آج صبح ہی سے بذریعہ کار مجھے ملنے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اس سے قبل جماعت کی سالانہ کانفرنس میں شمولیت بھی ان کے لئے مشکل ہوا کرتی تھی مَیں نے انہیں متفکر سا پایا کہ خیر و عافیت پوچھی اور آنے کی وجہ بھی دریافت کی۔ کہنے لگے۔ آج مجھے اللہ تعالیٰ ڈنڈے کے زور سے آپ کے پاس لایا ہے تاکہ مَیں اپنی دینی کوتاہیوں اور کمزوریوں سے توبہ کر کے حقیقی مومن بن جاؤں اور یہ کہتے ہوئے انہوں نے ۲۷ پونڈ کی رقم جو کہ ان کے ہاتھ میں تھی میرے حوالہ کی اور کہا کہ یہ میرا سابقہ چندہ عام ہے۔ اور آئندہ انشاء اللہ مَیں باقاعدہ لازمی چندوں اور دیگر مالی تحریکوں میں حصہ لیا کروں گا۔

تفصیل دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ گزشتہ شب میں نے تہجد کی

نماز ادا کی جس کے بعد میری آنکھ لگ گئی اور مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک پاکستانی مبلّغ جو کہ آپ سے عمر میں بڑے ہیں اور جسم بھی فربہ ہے ہاتھ میں ایک سفید رسّہ لیئے ہوئے "بو" سے مگبورکا آئے ہیں جہاں میں بھی موجود ہوں انہوں نے آتے ہی مجھے اور وہاں کی جماعت کے چند احباب کو بلایا۔ اور ہم سب کو اکٹھا کر کے مسجد احمدیہ مگبورکا میں لے گئے ہیں۔ مسجد میں انہوں نے بڑے جلال سے ہم کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ مجھے امیر و مبلّغ انچارج نے آپ لوگوں کو آپ کی کوتاہیوں کی سزا دینے کے لئے یہاں بھیجا ہے کیونکہ آپ احمدی ہونے کے باوجود ایک عرصہ سے جماعت کی تحریکات میں کما حقہٗ حصّہ لینے سے گریز کرتے ہیں"۔

چنانچہ ہم سب ان کے آگے مرعوب اور بے بس ہو کر بیٹھے رہے اور ہمیں ڈر کے مارے اِدھر اُدھر ہلنے کی جرأت نہ ہوئی۔ پھر انہوں نے اس رسّے سے ہم میں سے ہر ایک کے ہاتھ پاؤں اکٹھے کر کے مضبوطی سے باندھ دیا اور کہا کہ اب اسی حالت میں تم کو مزید محاکمہ کے لئے "بو" لے جایا جائے گا۔ اس پر ہم بے حد خوفزدہ ہو گئے۔ دوسروں سے تو کچھ نہ بولا گیا۔ مگر مَیں نے مولوی صاحب سے نہایت انکساری سے عرض کیا کہ مَیں اب ہمیشہ کے لئے مومنانہ زندگی بسر کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ مجھے معاف کر دیا جائے۔ اس پر مولوی صاحب نے میرے ہاتھ پاؤں کھول دیئے مگر ساتھ ہی کہہ دیا کہ بہر حال تمھیں "بو" مرکز میں ضرور لے جایا جائے گا۔ مَیں سمجھا کہ اب مَیں آزاد ہو گیا ہوں۔ اور یہ مولوی صاحب اکیلے ہی تو ہیں۔ کیوں نہ بھاگ کر پولیس کو اطلاع کر دوں۔ چنانچہ مَیں نے جلدی سے کھڑے ہو کر انہیں دھمکی دی کہ میرے باقی ساتھیوں کو بھی ابھی آزاد کر دو۔ ورنہ مَیں اسی وقت پولیس کو بلا کے لاتا ہوں۔ مولوی صاحب نے فرمایا۔ کہ خدا کی پولیس کے آگے کوئی پولیس کام نہیں آ سکتی۔ اور مجھے جھڑکا دے کر کہنے لگے۔ تم یہاں سے ایک قدم بھی ہل نہیں سکتے اور پھر مجھے پہلے کی طرح کس کر گٹھڑی کی طرح باندھ دیا۔ اس پر مجھے اتنا خوف محسوس ہوا کہ سارا جسم کانپنے لگا اور ایک خوفناک چیخ میرے منہ سے نکلی جس سے میری آنکھ کھل گئی۔ اور مَیں نے اپنے آپ کو بستر پر تھر تھراتے ہوئے پایا۔

میرے ہاتھ پاؤں اور سارا جسم درد محسوس کر رہا تھا۔ اور آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں اب بھی جبکہ میں آپ سے باتیں کر رہا ہوں میرے ہاتھ ٹانگوں اور جسم میں اسی طرح کی درد کی ٹیسیں محسوس ہو رہی ہے۔"

اس کے بعد پھر میری آنکھ نہ لگ سکی۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے آخری تنبیہہ ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ اپنے ایمان کو مضبوط اور عملی حالت کو بہتر بنا کر اللہ تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کی جائے ورنہ احمدی مسلمان کہلانا بے معنی بات ہے۔ چنانچہ یہ فیصلہ کر کے مَیں آج صبح کی نماز ادا کرتے ہی بیلے سے روانہ ہو کر یہاں پہنچ گیا ہوں تاکہ آپ کو یہ سارا ماجرا سناؤں اور اپنی سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کر کے آئندہ ایک سچا مومن بننے کا عہد کروں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ آپ میرے اس خواب اور میری توبہ سے "بو" کی جماعت کے احباب کو بھی آگاہ کر کے ان کو میرے لئے خاص دعا کرنے کی تحریک فرمائیں۔"

مَیں نے انہیں جملہ مبلغین سیرالیون کے فوٹو دکھا کر ان سے پوچھا۔ کہ ان میں سے کونسا مبلغ آپ کو خواب میں نظر آیا تھا انہوں نے ان میں سے مکرم صوفی احمد شاہ صاحب سابق مبلغ سیرالیون کو پہچان کر بتایا کہ وہ مبلغ یہی تھے۔ صوفی احمد شاہ صاحب ان دنوں نذیر احمدیہ پریس "بو" کے مینجر تھے۔ میں نے اسی وقت سلیمان سیسے صاحب کو بتائے بغیر شاہ صاحب کو رقعہ لکھا کہ وہ آکر خاموشی سے میرے پاس بیٹھ جائیں۔ سلیمان صاحب نے احمد شاہ صاحب کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن شاہ صاحب جب سامنے آئے تو سلیمان صاحب انہیں دیکھتے ہی پکار اُٹھے کہ بے شک یہی مولوی صاحب تھے جنہوں نے خواب میں انہیں رسّے سے باندھا تھا۔ اس کے بعد مَیں نے صوفی احمد شاہ صاحب کے مطالبہ پر مزید تسلّی کے لئے ان سے مذکورہ بالا خواب کے واقعہ کے متعلق حلفیہ بیان لیا۔ چنانچہ انہوں نے ہمارے سامنے قسم کھا کر بتایا کہ جس طرح مَیں نے خواب بیان کیا ہے وہ واقعی بالکل اسی طرح مَیں نے گزشتہ رات دیکھا ہے۔

اس کے بعد خدا کے فضل و کرم سے سلیمان سیسے صاحب میں واقعی ایک نمایاں تغیر پیدا ہوا اور انہوں نے نہ صرف خود اخلاص اور استقامت میں ترقی کی

بلکہ اپنے علاقہ کے احمدیوں کو بھی بیدار کیا اور اپنا یہ خواب سنا کر وعظ و نصیحت کرنی شروع کر دی۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد ریاست بیلے کے پیرامونٹ چیف کے فوت ہو جانے پر سلیمان سیسے نے بطور امیدوار پیرامونٹ چیف کھڑے ہونے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ اپنی والدہ کی طرف سے ان کا یہ حق بنتا تھا چنانچہ وہ میرے پاس مشورہ کے لئے آئے۔ مَیں نے انہیں کہا کہ آپ کچھ صدقہ کریں اور باقاعدہ دو تین ہفتہ استخارہ بھی کریں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور تین چار ہفتہ کے بعد بتایا کہ انہیں شرح صدر ہے اور انہوں نے بطور امیدوار کھڑے ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جماعت ان کے لئے دعا کرے اور سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی خاص دعا کی درخواست کی جائے۔ اس موقعہ پر انہوں نے یہ عہد بھی کیا کہ کامیاب ہو جانے کی صورت میں وہ احمدیہ مشن کو مبلغ ۱۰۰ پونڈ کا ہدیہ پیش کریں گے اور اپنے علاقہ میں اسلام کی ترقی کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔

چنانچہ خاکسار نے سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمتِ عالیہ میں بذریعہ تار ان کے لئے دعا کی درخواست پیش کر دی۔ چند دنوں کے بعد حضور کی طرف سے چٹھی ملی جس میں تحریر تھا کہ "سلیمان کے متعلق تار ملا۔ اس کے لئے دعا کی ہے اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے۔"

الیکشن میں ابھی چند روز باقی تھے کہ مَیں نے انہیں حضور کی یہ چٹھی دکھلا کر تسلّی دلائی کہ وہ انشاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہو جائیں گے کوشش جاری رکھیں اور انہیں چاہیئے کہ نیت بالکل صاف رکھیں اور جو وعدے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جماعت کی مدد کے لئے کئے ہیں انہیں پورا کرنے کا تہیّہ کر لیں چنانچہ سلیمان صاحب نے اپنے تینوں احمدی بھائیوں کو بلا کر انہیں بھی حضور کے دفتر سے آمدہ چٹھی کے مضمون سے مطلع کر کے تسلّی دی۔ تین چار روز بعد چیف کمشنر صاحب ریاستہائے سیرالیون کی صدارت میں الیکشن ہوا۔ اگرچہ سلیمان سیسے صاحب کا باپ کی طرف سے اس ریاست پر کوئی حق نہیں بنتا تھا۔ تاہم اکثریت نے ان کے حق میں ووٹ دیئے اور اس طرح اللہ تعالےٰ

نے حضورؓ کی دعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے انہیں کامیاب فرما دیا۔ اور وہ ریاست بیلے کے پیرامونٹ چیف بن گئے۔

اس کے بعد ان کے خلاف گورنر اِن کونسل کے پاس اپیل ہوئی اور ان کے مخالفین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ان کا اس ریاست پر جدّی طور پر کوئی حق نہیں بنتا۔ جس پر حکومت کی طرف سے مقرر کردہ کمیشن نے تحقیق اور چھان بین کی لیکن خدا کے فضل اور حضورؓ کی دعاؤں کی برکت سے فیصلہ پھر بھی نہ صرف چیف سلیمان سیسے صاحب کے حق میں ہؤا۔ بلکہ ایک خاص سکیم کے ماتحت گورنمنٹ نے ریاست بیلے کے ساتھ والی چھوٹی چھوٹی تین ریاستیں "ماسومانا" "زوپولو" اور مویا پوبھی ریاست بیلے کے ساتھ ملا کر چیف سلیمان سیسے صاحب کے ماتحت کر دیں کیونکہ انہیں دنوں سیرالیون گورنمنٹ نے فیصلہ کیا تھا کہ سیرالیون کی سب چھوٹی چھوٹی ریاستیں بڑی ریاستوں میں مدغم کر دی جائیں تاکہ گورنمنٹ کو انتظامی امور میں سہولت رہے اور زیادہ الجھنیں پیدا نہ ہوں۔

یہ صرف ایک ادنیٰ مثال ہے اس وحی الٰہی کے پورا ہونے کی کہ مصلح موعودؓ مظہر الحق والعُلیٰ سے قومیں برکت پائیں گی ؛

کسے نہیں علم کون نورِ نظر وہ نصرت جہاں کا تھا
جو ایک محبوب اور مقرب خدائے کون و مکاں کا تھا
کسے نہیں علم مردِ فارسؓ کا فرزند کون سا تھا
وجود میں جس کے آپ کو اک نشانِ رحمت عطا ہوا تھا
خدا نے کس کے حق میں فرمایا تھا وہ دل کا حلیم ہوگا
حسین ہوگا جمیل ہوگا ذہین ہوگا فہیم ہوگا
وہ کون تھا جس سے حسبِ وعدہ تمام قوموں نے پائی برکت
نبی خدا کی طرف سے کسی کو نگر نگر قریہ قریہ شہرت
ہر احمدی اس خدا کے پیارے کے کارناموں سے آشنا ہے
زباں پہ خورد و کلاں کی اس خادمِ نبیؐ کے لئے دعا ہے

بعض پادریوں کا نیا طریقِ کار

کچھ عرصہ سے یورپ اور امریکہ کے بعض پادری دنیا کے مختلف ممالک میں پبلک جلسے کر کے لاعلاج مریضوں کو عیسائیت اور حضرت مسیح کے نام پر اپنی دعا اور خاص توجہ سے فوری طور پر اچھا کر دینے کا کثرت سے پراپیگنڈہ کر رہے ہیں حالانکہ ان کے ایسے دعوے حقیقت سے دُور کا تعلق بھی نہیں رکھتے اور اگر کوئی لاعلاج مریض عارضی طور پر اپنے آپ کو صحت مند محسوس کرنے بھی لگتا ہے۔ تو وہ محض ہپناٹزم اور مسمریزم کا عارضی اثر اور نتیجہ ہوتا ہے جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ایک مشرک اور دہریہ بھی مشق اور توجہ کرنے سے دوسروں کو متاثر کرنے کی طاقت اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے لیکن بایں ہمہ ایسے لوگ سچے مذہب کے مقابلہ کے وقت ناکام رہتے ہیں۔

عیسائیت کے نام پر شفا دینے کی حقیقت

اسی قسم کے ایک سکودرن (SCOTHERN) نامی انگریز بشپ پانچ چھ پادریوں کے ساتھ ۱۹۵۹ء میں سیرالیون آئے اور سارے ملک میں دَورے کر کے عام جلسوں میں لاعلاج مریضوں کو کھڑے کھڑے اپنی نظر کی توجہ اور دعا سے شفا دینے کا پروپیگنڈہ کرنے لگے اور لوکل اخبارات میں ایسے مریضوں کی تصویریں بھی شائع کرائیں جو بقول ان کے ان کی توجہ سے بالکل اچھے ہو گئے تھے۔

انگریز پادریوں کو مباحثہ کی دعوت

چنانچہ جب بشپ مذکور اور ان کی پارٹی کی نام نہاد شفا دینے والی خبریں اور تصویریں سیرالیون کے اخبارات میں روزانہ شائع ہونے لگیں تو بے شمار احمدی اور دوسرے احباب نے اس امر کی حقیقت کے بارے میں ہم سے دریافت کیا بلکہ بعض لوگوں نے ہمیں لکھا کہ آپ اس ملک میں اسلام کے ترجمان اور نمائندہ ہوتے ہوئے کیوں خاموش ہیں۔ ان پادریوں کا مقابلہ کیوں نہیں کرتے؟ تاہم یہ خاکسار ان لوگوں کے توجہ دلانے سے پہلے ہی مبلغینِ کرام سے

مشورہ کر رہا تھا کہ ان پادریوں کی اس گمراہ کُن مہم اور پراپیگنڈہ کا ازالہ کیسے کیا جائے۔ چنانچہ خاکسار نے بطور مبلّغ انچارج جماعت کی طرف سے ہزاروں کی تعداد میں ایک اشتہار شائع کیا۔ جس میں بشپ سکودرن اور ان کی پارٹی کو لکھا کہ اگر آپ واقعی اپنی روحانی توجہ سے لاعلاج بیماروں کو شفا بخشتے ہیں تو ہم مختلف قبائل اور مذہب سے تعلق رکھنے والے بیس ۲۰ ایسے لاعلاج مریض آپ کے سامنے پیش کرنے کا انتظام کرتے ہیں جن کو ملک کے چھ مشہور اور ماہر ڈاکٹروں نے معائنہ کر کے لاعلاج قرار دے دیا ہو۔ آپ انہیں ہمارے سکول کی گراؤنڈ میں یا کسی اور کھلی جگہ کم از کم دو صد مختلف مذاہب و قبائل کے سرکردہ لوگوں کے سامنے شفایاب کر دیں جس کے بعد دو ہفتہ تک ان کو انہیں ڈاکٹر صاحبان کی زیر نگرانی رکھا جائے گا اور آپ کے نمائندے بھی ساتھ نگرانی کریں گے تاکہ آپ کو کوئی شبہ نہ ہو۔ پھر اگر ڈاکٹر صاحبان نے تصدیق کی کہ وہ لاعلاج مریض واقعی مکمل اور مستقل طور پر شفایاب ہو گئے ہیں تو نہ صرف ہم بلکہ ہر انصاف پسند شخص تسلیم کرلے گا کہ مذہب کے نام پر آپ کی یہ روحانی مہم واقعی معجزانہ رنگ رکھتی ہے اور آپ ملک میں اپنا پراپیگنڈہ کرنے میں حق بجانب ہیں۔

احمدیہ دارالتبلیغ میں آنے کی پیشکش جب ہماری اس تجویز کا بشپ سکودرن اور ان کی پارٹی کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو ہم نے دوبارہ انہیں لکھا اور توجہ دلائی کہ پبلک کے شبہات کے ازالہ کی خاطر آپ ہماری تجاویز قبول فرمائیں ہم ملک کی مسلمان پبلک کی آواز ہیں اور انہیں کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ نیز لکھا کہ ہم محض اس لئے کہ پبلک پر حقیقت واضح ہو جائے بشپ سکودرن اور ان کی پارٹی کو فری ٹاؤن سے "بو" آنے اور اپنے ساتھ احمدیہ مشن میں قیام کی دعوت دیتے ہیں تاکہ وہ یہاں پر سب کے سامنے اپنے معجزانہ کارنامے اور اپنی دعا کا اثر دکھا سکیں۔ ہم ان کے فری ٹاؤن سے "بو" تک اور واپسی کے اخراجات اور قیام و طعام کے بھی ذمہ دار ہوں گے بشرطیکہ وہ ہماری مذکورہ بالا تجاویز قبول کریں۔ اپنی تجاویز

میں ہم نے یہ بھی لکھا کہ ہم حضرت مسیحؑ کو خدا کا سچا رسول سمجھتے ہیں جو صرف بنی اسرائیل کی کھوئی بھیڑوں کی طرف بھیجے گئے تھے اور کشمیر میں ۱۲۰ سال کی عمر میں وفات پا گئے لیکن آپ اپنے حالیہ جلسوں میں حضرت مسیحؑ کو خدا اور خدا کا بیٹا اور ساری انسانیت کے نجات دہندہ کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں گویا مسیحؑ کے متعلق ہمارے اور آپ کے عقیدہ اور نظریہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے ہمارا دعویٰ ہے کہ مقدس بائیبل ہمارے نظریات کی تائید کرتی ہے اور آپ کے نظریات کی مؤید نہیں ہے۔ ہم اس بارے میں بھی آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ آپ ایک جلسہ عام میں دوستانہ ماحول میں ہمارے دلائل سُنیں اور ہمیں اپنے دلائل سُنائیں تا کہ مسلمان عیسائی اور مشرک تینوں قسم کی پبلک یہ معلوم کر سکے کہ کس کے نظریات درست اور بائیبل کے مطابق ہیں۔

پادریوں کی مکمل خاموشی اور ملک سے فرار

ہماری طرف سے پیش کردہ یہ تجاویز اور چیلنج لوکل روزانہ اخبارات میں بھی شائع ہوئے لیکن افسوس بشپ سکودران صاحب نے نہ صرف ہمیں جواب نہ دیا اور خاموش رہے بلکہ ہمارے اشتہار کی اشاعت کے ایک ہفتہ بعد ۱۶ فروری ۱۹۵۹ء کو خاموشی کے ساتھ گیمبیا (GAMBIA) روانہ ہو گئے گویا اس طرح فرار اختیار کر کے عملاً یہ ثابت کر دیا کہ ان کی ہیلنگ منسٹری (HEALING MINISTRY) اور لاعلاج مریضوں کو حضرت مسیحؑ کی طرح دعا سے کامل شفا دینے کے دعوے محض پراپیگنڈہ تھا۔ اور مسیح محمدی علیہ السلام کے ادنیٰ خدام کا مقابلہ کرنا ان کے بس کی بات نہیں۔

مغربی افریقہ میں آدم خوری

احمدیت کے ذریعہ اُس کی بیخ کنی

ہمارا یہ کرۂ ارض قدیم سے اب تک جن حالات سے گزرتا رہا ہے۔ اُن کی چھان بین کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم خوری کا ارتکاب صرف افریقی ممالک ہی میں نہیں ہوتا رہا۔ جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ بھیانک جرم دنیا کے ہر خطہ اور ہر برّاعظم میں کیا جاتا تھا۔ تاہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ بعض افریقی ممالک میں بیسویں صدی عیسوی کے نصف تک کثرت سے آدم خوری کے واقعات رُونما ہوتے رہے ہیں۔ اگرچہ اب متمدن اور ترقی یافتہ ممالک سے راہ و رسم پیدا ہونے اور تعلیم عام ہوجانے کی وجہ سے یہ بہیمیت تقریباً ناپید ہوچکی ہے۔ تاہم پھر بھی آدم خوری کے اِکّا دُکّا واقعات آئے دن افریقہ کے بعض ممالک کے لوکل اخبارات و رسائل میں دیکھنے میں آتے رہتے ہیں۔

تیس ۳۰ سال پہلے کی حالت مجھے سیرالیون اور لائبیریا (مغربی افریقہ) کے نسبتاً غیر متمدن علاقوں میں ۱۹۴۰ء سے ۱۹۶۰ء کے آخر تک بطور مبلّغِ اسلام تقریباً بیس ۲۰ سال گزارنے کا موقع ملا ہے، اس عرصہ میں وہاں کے مختلف غیر ترقی یافتہ قبائل کے ساتھ بود و باش رکھنے کی وجہ سے مَیں یقینی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ اس زمانہ میں وہاں کی بعض ریاستیں (CANNIBALISM) یعنی مردم خوری کے لئے بہت مشہور تھیں اور عام لوگ وہاں کے جنگلات میں اکیلے اور غیر مسلّح پھرنے سے احتراز کرتے تھے۔ یاد رہے کہ مَیں آج سے تیس پینتیس سال قبل کے سیرالیون اور لائبیریا کی بات کررہا ہوں۔ دنیا کے ہر ملک میں اچھے اور بُرے دونوں قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ لیکن عموماً اچھی فطرت کے باشندوں کی ہر ملک میں بہرحال کثرت ہوتی ہے۔

افریقیوں کی اچھی خصائل

سیرالیون اور مغربی افریقہ کے دیگر ممالک میں بھی خدا کے فضل سے کثرت اچھے لوگوں کی ہے اور انسانی ہمدردی - دوستی مہمان نوازی - سادگی - خوفِ خدا - نیک دلی اخوت اور امدادِ باہمی اور فیملی لائف یعنی ایک خاندان کا شیر و شکر ہو کر رہنا یہ سب اچھی خصلتیں ان لوگوں میں نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں - اور غالباً اسی قسم کی نیکیوں اور اچھائیوں کی وجہ سے اللہ تعالےٰ وہاں کے باشندوں کو اب عیسائیت کے چنگل سے چھڑا کر اسلام کی نعمتوں سے مالا مال کر رہا ہے پس آدم خوری کے صرف چند ایک واقعات جو آگے بیان کیے جائیں گے ان سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ان علاقوں کے سب لوگ وحشی اور آدم خور ہیں۔ کیونکہ ایسے درندہ صفت لوگوں کا وجود شائد وہاں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔

خفیہ سوسائٹیاں

دراصل ان ممالک میں قدیم سے یا کم از کم یورپین اقوام کی استعماری طاقتوں کی آمد سے پہلے مختلف قسم کی خفیہ سوسائٹیاں قائم تھیں - ان کے بنیادی اصول خفیہ رکھے جاتے اور تمام کارروائیاں ہر بڑے گاؤں کے قریب (SACRED BUSH) یا مقدس جنگل میں انجام پاتی تھیں - اور سوسائٹی کے ممبران کے علاوہ وہاں کسی کو پاس پھٹکنے کی بھی جرأت نہ ہوتی تھی - یورپین طاقتوں کے برسرِ اقتدار آنے پر یہ معاہدہ طے پا گیا تھا - کہ گورنمنٹ ان کے اندرونی معاشرتی امور اور رقبائلی سسٹم اور خفیہ سوسائٹیوں کے طریقِ کار میں کوئی دخل اندازی نہیں کرے گی اور اس طرح گویا ان خفیہ سوسائٹیوں کو ایک حد تک عملاً یورپین حکومتوں کی سرپرستی اور تحفظ مل گیا تھا - ان خفیہ سوسائٹیوں کے مقاصد اور طریقِ کار کو غیر ممبران سے بالکل پوشیدہ رکھا جاتا تھا - اور حکمران طبقہ پر ان کا ممبر ہونا لازمی ہوتا تھا - جب بھی کوئی سوسائٹی گاؤں میں رقص یا جلوس کے لئے اپنے بتوں اور تعویذات کو لے کر نکلتی تو غیر ممبر مردوں اور عورتوں کا فرض ہوتا کہ وہ اپنے گھروں میں چھپ جائیں اور جمعیت کے جلوس اور ان کے بتوں اور رسوم وغیرہ

کی کارروائی کو نہ دیکھیں ورنہ سزائے قید اور جرمانہ کا مستوجب ہونا پڑتا۔ ایسے موقعوں پر غیر افریقن مثلاً عرب یا یورپین اور ہندوستانی تاجر وغیرہ بھی اپنی رہائش گاہیں یا دکانیں بند کر لینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

نام نہاد اغراض و مقاصد

یورپین اقتدار سے پہلے اگر کوئی غیر ممبر سوسائٹی کے راز معلوم کرنے کی کوشش میں پکڑا جاتا تو اسے قتل کر دیا جاتا تھا لیکن بعد میں ایسے لوگوں کو صرف قید اور جرمانہ کی سزا دی جانے لگی۔ اگرچہ ابتداء میں ان خفیہ سوسائٹیوں کا مقصد باہمی تعاون معاشرتی تجربات اور جنگی فنون سیکھنا تھا لیکن بعد میں بُت پرستی جادوگری اور آدم خوری کے مراکز بن گئیں۔ اور لوکل چیفوں، نوابوں، ممبرداروں اور مذہبی پجاریوں نے انہیں جلبِ مال کا ذریعہ اور عوام پر اپنی حاکمانہ دہشت قائم رکھنے کا وسیلہ بنا لیا۔ سوسائٹی کے ہر ممبر کو وقتاً فوقتاً ایک معقول رقم پجاری یا لیڈر کو ادا کرنی پڑتی تھی بلکہ بعض سوسائٹیوں کے متعلق سُنا گیا کہ ان کا ہر ممبر یا کم از کم ہر نئے ممبر کے لئے بطور داخلہ یہ لازمی ہوتا تھا کہ وہ کم از کم ایک آدمزاد سوسائٹی کی بھینٹ چڑھائے۔ خواہ اپنے فیملی یا قبیلہ ہی سے کیوں نہ پکڑنا پڑے اس کے بغیر وہ ناقابلِ اعتماد سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح ہر نئے ممبر کے جسم پر گردن یا کمر پر گرم لوہے سے گہرے زخم نشان کے طور پر لگائے جاتے تھے۔ جن کی شکل یا طول و عرض سے وہ پہچانا جاتا تھا کہ یہ فلاں سوسائٹی کا ممبر ہے۔ اسی طرح ہر ممبر کو اچھی طرح احساس دلایا جاتا تھا کہ سوسائٹی کا کوئی بنیادی راز افشا کرنے کی صورت میں اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

انسانی چربی اور ہڈیوں کا استعمال

اگرچہ ان سوسائٹیوں کے ممبران عموماً مشرک اور بد مذہب ہوتے تھے لیکن بعض حالات میں مسلمانوں کو بھی ان کا ممبر بننا پڑتا تھا ورنہ انہیں لوکل حکومت اور قبائلی نظام کے ہر عہدہ سے محروم رکھا جاتا تھا۔ اسی طرح علاقہ کے تعلیم یافتہ لوگ بھی اکثر کسی نہ کسی سوسائٹی کے ممبر ہوتے تھے سوسائٹی

کی خفیہ رسوم اور عبادات وغیرہ میں انسانی چربی، دل، جگر، دماغ اور انسانی ہڈیوں خصوصاً کھوپری کا استعمال بھی ہوتا تھا اور مشرکانہ تعویذات ادویہ اور جادوگری کے مرکبات میں بھی انسانی چربی اور خون اور بعض مخصوص اعضاء استعمال کئے جاتے تھے جو متعلقہ رسوم (RITUALS) میں استعمال کے لئے ضروری سمجھے جاتے اسی طرح سوسائٹی کے لیڈر اور پجاری چھوٹی چھوٹی انسانی ہڈیوں کے ہار بھی خاص مواقع پر پہنکر یا ہاتھ اور پاؤں میں ڈال کر مذہبی رقص کرتے تھے۔

نومسلموں پر مظالم

آجکل چونکہ وہ علاقے یورپین اقوام کی گرفت سے آزاد اور متمدن ہو چکے ہیں جگہ جگہ سڑکیں، سکول، کالج، ہسپتال اور کارخانے وغیرہ کھل گئے ہیں اور اسلامی تعلیم کا اثر و نفوذ عام ہوتا جا رہا ہے اس لئے ان سوسائٹیوں کی معاشرہ پر گرفت اب برائے نام رہ گئی ہے۔ آج سے بیس پچیس سال قبل جماعت احمدیہ کے ذریعہ اسلام قبول کر کے ان مشرکانہ رسوم اور بہیمانہ سوسائٹیوں سے توبہ کرنے والوں پر بعض لوکل چیفوں اور سوسائٹی کے برسرِ اقتدار لیڈروں کی طرف سے بے پناہ مظالم توڑے جاتے تھے۔ اور محض اس شبہ پر کہ وہ نومسلم سوسائٹی کے راز افشا کر دیں گے۔ انہیں قید، جرمانے اور بھیانک قسم کی جسمانی اذیتوں میں مبتلا کیا جاتا تھا۔ لیکن وہ خدا کے فضل سے ہمیشہ ثابت قدم رہے۔

زندہ درگور کرنے کی دھمکی

سنہ ۱۹۵۶ء میں سیرالیون کے ضلع کینیما کے ایک قصبہ پانگوما (PANGOMA) کے دو نومسلم احمدی بھائی جو ایک خفیہ سوسائٹی کے ممبر تھے احمدی ہو جانے کے بعد سوسائٹی کی بعض مشرکانہ رسوم میں شرکت کرنے سے انکار کی پاداش میں پہلے ان سے بار بار سخت قسم کی بیگار لی جاتی رہی مگر جب اُس سے بھی ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی تو انہیں قتل کر دینے کی دھمکی دی گئی پھر سوسائٹی کے مقدس جنگل (BUSH) میں دو گڑھے کھود کر دونوں کو کمر تک اس میں اتار دیا گیا اور بار بار جتایا جاتا رہا کہ اگر انہوں نے احمدیت سے ارتداد اختیار نہ کیا اور سوسائٹی

کی سب رسوم پہلے کی طرح ادا کرنے پر آمادگی ظاہر نہ کی تو ان پر مٹی ڈالکر زندہ درگور کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد مخالفوں نے ان گڑھوں میں دونوں احمدی بھائیوں کی ٹانگوں کے ارد گرد مٹی اور کانٹے ڈال کر ڈنڈوں سے مٹی کو دبانا شروع کیا اور ان کو مار مار کر زخمی کر دیا حتٰی کہ ان کے جسموں سے خون بہنے لگا درآنحالیکہ ان کے دونوں ہاتھ پیچھے سے باندھ دیئے گئے تھے۔

چیف کمشنر کے پاس شکایت

اس انتہائی اذیت ناک صورت حال کا ان دونوں نومسلموں کی بیوی بچوں کو بھی پتہ چل گیا جو غیر ممبر تھے چنانچہ ایک کی بیوی اور دوسرے کا اٹھارہ سالہ لڑکا وہاں سے تقریباً پچاس ساٹھ میل کا سفر طے کر کے سہمے ہوئے میرے پاس شہر "بو" (BO) میں پہنچے اور مجھے تمام حالات سے آگاہ کیا۔ خاکسار اسی وقت انہیں ساتھ لے کر علاقہ کے انگریز چیف کمشنر (جس کا دفتر اس وقت "بو" میں تھا) کے پاس پہنچا۔ ان کے سامنے میرے علاوہ ان دونوں نے بھی ترجمان کے ذریعہ اپنے خاوند اور باپ سے کئے جانے والے بہیمانہ سلوک کی تفصیل بتا کر ان سے فوری امداد کی درخواست کی چنانچہ چیف کمشنر صاحب نے تمام واقعات سُنکر فوری طور پر متعلقہ ریاست کے پیرامونٹ چیف کے نام چٹھی لکھی کہ مذہبی عقائد کی بناء پر کسی کو سزا دینا یا اذیت پہنچانا نہ صرف ظلم ہے بلکہ ملکی برٹش قانون کی صریح خلاف ورزی ہے، اس لئے انہیں فوری طور پر رہا کر دیا جائے۔ اور سوسائٹی کی ممبر شپ سے بھی اب علیحدہ کر دیا جائے کیونکہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں اور سوسائٹی کی رسوم کے پابند نہیں رہنا چاہتے۔

پولیس کی دخل اندازی

چنانچہ ہم تینوں چیف کمشنر صاحب کا خط لے کر اس ریاست کے چیف کے پاس پہنچے جنہوں نے چیف کمشنر کی چٹھی ملتے ہی اپنے ایسے دو سپاہی ہمارے ساتھ کر دیئے جو بلا روک ٹوک اس نام نہاد مقدس جنگل میں جا سکتے تھے۔ چونکہ سفر کا ایک حصہ پیدل طے کرنا پڑا تھا اس لئے ہمارے وہاں پہنچتے پہنچتے دو دن اور ایک رات گزر چکی تھی اور ان پر کافی مظالم توڑے جا چکے تھے اور گو انہیں کھانا وغیرہ دیا جاتا تھا پھر بھی

ان کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تھی۔ تاہم وہاں پہنچتے ہی وہ دونوں سپاہی رات کے وقت فوری طور پر ہمارے دونوں نومسلم بھائیوں کو مخالفوں کے قبضہ سے چھڑا کر ان کے گھر لے آئے۔ جہاں وہ ایک دو روز میں خدا کے فضل سے چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ اب وہ بفضلِ تعالےٰ نہایت فدائی اور مخلص قسم کے احمدی مسلمان ہیں ایک کا نام محمد عثمان پاٹے ما (PATEMA) ہے اور دوسرے کا نام محمد علی ہے دونوں خدا کے فضل سے زندہ اور اسلام اور احمدیت کے شیدائی ہیں۔ سیرالیون میں اور بھی کئی نومسلم بھائیوں کو اسی زمانہ میں محض اسلام قبول کرنے اور لوکل سوسائٹیوں کی مشرکانہ رسوم سے اجتناب کرنے کی وجہ سے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں مگر وہ خدا کے فضل سے ثابت قدم رہے۔

انسانی گوشت کی لذت

کہتے ہیں کہ جس طرح چیتے یا شیر کے منہ کو انسان کا خون لگ جائے وہ پھر آدم خور ہو جاتا ہے اور اپنے شکار کے لئے آدمی ہی کی جستجو میں رہتا ہے۔ اسی طرح افریقہ میں مشہور ہے کہ جس انسان کو ایک مرتبہ انسان کا گوشت کھلا دیا جائے تو وہ ہر قیمت پر انسانی گوشت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ وجہ ظاہر ہے کہ انسان کا گوشت بقول آدم خوروں کے اس قدر لذیذ ہوتا ہے کہ اس کا مقابلہ کوئی دوسرا گوشت نہیں کر سکتا چنانچہ میرے دریافت کرنے پر بعض نومسلم بھائیوں نے جو اسلام قبول کرنے سے پہلے آدم خوری کے مرتکب ہوتے رہے تھے۔ اس حقیقت کی برملا تصدیق کی اور بتایا کہ واقعی انسانی گوشت اتنا لذیذ ہوتا ہے۔ کہ دوبارہ کھانے کو جی چاہتا ہے۔

ایک نومسلم بہن کا حیران کن بیان

سیرالیون کے ایک طرف سمندر میں ایک چھوٹا سا جزیرہ شیبرو (SHEBRO) نامی ہے جو سیرالیون ہی کا حصہ ہے یہ جزیرہ بھی کسی زمانے میں آدم خوری کے سلسلے میں بدنام رہا ہے وہاں کی ایک اچھی خاصی تعلیم یافتہ KETHRINE نام کی ایک عیسائی لڑکی تھی جو بعد میں الحاج مولانا نذیر احمد علی مرحوم مبلغِ اسلام کے ذریعہ مسلمان ہو کر ایک مخلص اور پابندِ صوم و صلوٰۃ خاتون ثابت ہوئیں اور

ہمارے ایک مخلص بزرگ بھائی الحاج علی روجرز پریذیڈنٹ جماعت "بو" کے عقد میں آئیں۔ ان سے ۱۹۴۵ء میں ایک روز باتوں باتوں میں خاکسار نے پوچھا۔ کہ آپ کے جزیرہ شیبرو کی شہرت اچھی نہیں۔ وہاں کے لوگ کسی زمانہ میں آدم خوری کے عادی تھے کیا آپ کے خاندان میں کسی نے یا آپ نے خود مسلمان ہونے سے پہلے کبھی انسانی گوشت کھایا ہے۔ یا کسی کو کھاتے دیکھا ہے؟ وہ کہنے لگیں کئی سال کی بات ہے جب مَیں نسبتاً کم عمر تھی اور سکول میں پڑھتی تھی۔ تو مَیں نے ایک دن خود اپنی ماں کو ایسا گوشت کھاتے دیکھا بلکہ خود بھی ماں کے ساتھ بیٹھکر کھایا۔ ہُوا یوں کہ ایک دن مَیں اور میری ماں ایک ہی برتن میں کھانا کھا رہے تھے جب مَیں نے برتن سے ایک دو بوٹیاں اُٹھائیں تو اگرچہ وہ مجھے انسانی انگلیوں کے پوروں کی طرح معلوم ہوئیں مگر میرا ذہن بندر کی طرف گیا کہ یہ اس کا گوشت ہے۔ مَیں نے ماں سے کہا کہ یہ بوٹیاں تو بندر کی معلوم ہوتی ہیں اور بہت لذیذ ہیں آج یہ گوشت کہاں سے آیا ہے؟ میری ماں مجھے جھڑک کر کہنے لگیں باتیں نہ بناؤ اور خاموشی سے کھاؤ۔ کچھ عرصہ بعد مَیں نے اس بات کا اپنے بھائی سے ذکر کیا تو اس نے بڑے رازدارانہ لہجے میں کہا کہ وہ تو آدمی کا گوشت تھا جو میں سوسائٹی سے لایا تھا کسی کو بتانا نہیں۔

سوسائٹی کی بھینٹ چڑھنے والا نوجوان

۱۹۴۴ء میں ایک مرتبہ میں سیرالیون کی نیگلو واریارت میں گیا۔ (NAAGOVA) جو کہ آدم خوری میں اس وقت مشہور تھی۔ خاکسار ریلوے سٹیشن ہانگا (HANGA) کے قریب ایک گاؤں میں مقیم تھا ان دنوں یہ علاقہ گھنے جنگلات سے اٹا پڑا تھا۔ ہانگا کے ایک مسلمان عالم اور امام مسجد معلّم ڈوکلے (DUCLAY) میرے میزبان تھے اور تبلیغ کے وقت میری ترجمانی بھی کرتے تھے ایک دن وہ بڑی پریشانی حالت میں میرے پاس آئے اور کہنے لگے مولانا صاحب دعا کریں مَیں ایک مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ میرا ایک شاگرد نوجوان لڑکا کل سے غائب ہے وہ شام کو قضائے حاجت کے لئے جنگل میں گیا تھا مگر اب تک واپس نہیں آیا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض نامعلوم

افراد نے اسے جنگل میں پکڑ لیا اور ذبح کر کے اسے مقدس جھاڑیوں (BUSH) میں لے گئے ہیں چنانچہ جس جگہ اسے قتل کیا گیا وہاں گرے ہوئے خون سے پولیس نے کسی طرح قاتلوں کا پتہ لگا لیا جو پکڑے جانے کے بعد پھانسی دے دیئے گئے۔

یاد رہے کہ اسی قسم کے جرائم میں ملوث ہونے کی وجہ سے اس ریاست کے پیراموئنٹ چیف کو ۱۹۳۹ء میں معزول کر کے ملک بدر کر دیا گیا تھا اور پھر اس کی جگہ ایک عیسائی پیراموئنٹ چیف مسٹر سانبا (SANBA) اس ریاست کے نئے سربراہ مقرر ہوئے تھے۔

سیرالیون کا دوسرا بڑا شہر "بو" (BO) جس ریاست میں واقع ہے اس کا نام "کاکوا" (KAKWA) ہے اس میں بھی کسی زمانہ میں CANNIBALISM یعنی آدم خوری کے کچھ واقعات ہوئے تھے تاہم آجکل یہ شہر ملک کا دل اور بڑا متمدن خیال کیا جاتا ہے۔ ۱۹۵۱ء میں اس شہر کا ایک اہم باشندہ اچانک غائب ہو گیا اور ریاست کی گزشتہ بُری شہرت کی بناء پر مشہور ہو گیا کہ وہ آدم خوری کا شکار ہو گیا ہے گو اس کا کوئی ثبوت نہ مل سکا اور نہ ہی پھر کبھی اس آدمی کا پتہ لگا۔

غلط افواہیں اُن ایام میں "بو" میں ہماری مسجد سے ذرا فاصلے پر رہنے والے احباب نے آدمخوری کی ایسی ہی افواہوں کی وجہ سے فجر اور عشاء کی نماز کے لئے مسجد آنا ترک کر دیا تھا۔ لیکن چند دنوں بعد پھر میرے سمجھانے بجھانے پر وہ باہم مِل جُل کر اور گروہوں کی صورت میں مسجد آنے لگ گئے۔ ان افواہوں کی دہشت سے اس وقت اہالیانِ "بو" اس قدر مرعوب تھے کہ کچھ عرصہ کے لئے زندگی تقریباً معطل ہو کر رہ گئی تھی اور آخر گورنمنٹ نے بار بار یہ اعلان کرنا ضروری سمجھا کہ ایسا کوئی خطرہ نہیں اور کہ ایسی افواہیں سراسر غلط ہیں۔ جنہیں ہوا دینے والوں کو سخت سزا دی جائے گی۔ چنانچہ چند دن کے بعد شہر کی زندگی پھر حسبِ سابق معمول پر آ گئی۔

چیف ڈی وی کالون کے احمدی ہونے کی روح پرور کہانی

سیرالیون کی ریاست جاوی (JAWI) نامی کے موجودہ پیراماؤنٹ چیف جناب وانڈی کالون (VANDI KALLON) ایک مخلص عبادت گزار اور قابلِ رشک احمدی ہیں۔ سلسلہ کے مبلغینِ کرام اور عہدیداران جماعت کے ساتھ ان کا تعاون اور نظامِ جماعت کی پابندی خدا کے فضل سے جماعت سیرالیون کے بعض سابقون کے لیے بھی قابلِ تقلید ہے۔ یہ مخلص چیف سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل شدہ الہام يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُوحِي إِلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ کی صداقت کا زندہ ثبوت ہیں۔ اس الہام میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بشارت دی تھی۔ کہ عنقریب دنیا کی قوموں میں سے ایسے لوگ تیری جماعت میں داخل ہو کر تیری مدد کریں گے جن پر آسمان سے وحی نازل ہو گی یعنی وہ اپنے ظرف و حالات کے مطابق الہامِ الٰہی سے مشرف ہوں گے اور رؤیا، کشوف کے ذریعہ ان پر حضور علیہ السلام کی صداقت ظاہر کی جائے گی۔ ...... تفصیل ذیل میں درج ہے۔

انہیں خاص دعا اور استخارہ کی تحریک

جناب وانڈ کالون گورنمنٹ سکنڈری سکول کے تعلیم یافتہ ہیں۔ مروّجہ تعلیم کے علاوہ اپنی زبان مینڈے میں بھی خاص مہارت رکھتے ہیں۔ آپ تعلیم سے فراغت کے بعد کئی سال تک ایک ریاست میں بطور کلرک کام کرتے رہے۔ کچھ عرصہ کے لئے ضلع کیلاہون (KAILAHUN) کے ایک ریاست کے قائم مقام پیراماؤنٹ چیف بھی مقرر کئے گئے۔ سنہ ۱۹۴۱-۴۴ء کے دوران جبکہ آپ ابھی نوجوان تھے خاکسار کو انہیں کئی مرتبہ تبلیغ کرنے کا موقع ملا۔ لیکن اس زمانہ میں وہ ہمارے خلاف کچھ تعصب رکھتے تھے۔ اس لئے حقائق کو تسلیم کرنے سے اکثر گریز کر جاتے۔ تاہم خاکسار وقتاً فوقتاً انہیں اپنا لٹریچر بھیجتا رہتا اور وقفہ وقفہ بعد جب بھی ان سے ملاقات ہوتی انہیں سمجھاتا رہا۔ کہ وہ احمدیت

کے عقائد پر سنجیدگی سے غور کریں اور اپنی ہدایت و رہنمائی کے لیئے اللہ تعالیٰ سے متواتر دعا بھی کرتے رہیں۔ نماز تہجد کی ادائیگی اور دعائیں کرنا احمدیت سے پہلے بھی ان کا معمول تھا اس لیئے میری بڑی خواہش اور کوشش تھی کہ کسی طرح وہ حق قبول کریں۔

رؤیا کے ذریعہ جماعت میں شمولیت

دن مہینے اور سال گزرتے گئے لیکن وہ احمدی نہ ہوئے حتیٰ کہ دسمبر ۱۹۵۶ء میں ایک روز جبکہ "بو" احمدیہ مرکز میں خاکسار بعض خطوط ٹائپ کرنے میں مصروف تھا اور بچے باہر میدان میں کھیل رہے تھے کہ اچانک میرا سات آٹھ سالہ بچہ عزیزہ طاہر احمد بھاگا بھاگا میرے کمرے میں آکر کہنے لگا "ابا جان باہر ایک اونچا لمبا دیو ہیکل افریقن آگیا ہے جو ہمارے ساتھ فٹ بال کھیل رہا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمہارے ابا جان سے ملنا ہے کیا میں اسے اندر بلا لوں" میں جلدی سے باہر نکلا تو دیکھا کہ مکرم وانڈی کالون صاحب کھڑے ہیں۔ میں نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ و معانقہ کیا اور پھر احوال پرسی اور مناسب خاطر داری کے بعد میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیسے تشریف لائے ہیں۔ وہ بذریعہ لاری تقریباً پچاس میل دور ڈارو (DARU) سے تشریف لائے تھے۔ میرے اس سوال پر ان کے چہرہ پر مسکراہٹیں کھیلنے لگیں اور وہ اپنی کرسی اٹھا کر میرے قریب لے آئے پھر بڑی مسرت انگیز سرگوشی کے انداز میں کہنے لگے۔ کہ آج میں آپ کے روحانی خاندان (جماعت) میں باقاعدہ شامل ہونے کے لیئے آیا ہوں۔ آپ کو مبارک ہو کہ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے سچائی کی طرف میری رہنمائی فرما دی۔ چنانچہ دو روز ہوئے میں نے رؤیا دیکھا ہے کہ میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ مجھ پر حق واضح ہو چکا ہے اور احمدیت کی سچائی کے متعلق اب مجھے کوئی شبہ نہیں رہا۔ اس لئے میری بیعت لے کر حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں منظوری کے لئے بھیج دیں۔ پھر جب میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے دل میں ایسی سکینت اور اطمینان محسوس کیا کہ میں وہ خوش کن کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔

دُوسرا مبشّر رؤیا

اس کے بعد انہوں نے بتایا کہ اس خواب سے پہلے بھی جن دنوں میں خاص توجہ سے احمدیت کے بارے میں دعائیں اور مسنون استخارہ کر رہا تھا تو ایک مرتبہ مَیں نے رؤیا دیکھا کہ بوقتِ شب مَیں ایک مختلف قسم کے اور عجیب سے درختوں والے وسیع و عریض میدان میں کھڑا ہوں میرے عین سامنے ایک بہت بڑا درخت ہے جس کی ہر شاخ چودھویں کے چاند کی چاندنی سے منوّر ہے۔ جبکہ چودھویں کے چاند کی مکمل ٹکیہ اس درخت کے بالکل پیچھے افق سے اُبھرتی ہوئی مجھے نظر آ رہی ہے۔ اس کی نورانی کرنیں درخت کے پتّوں کے درمیان سے چھَن چھَن کر مجھ تک پہنچ رہی ہیں۔ اس دوران مجھے یہ تفہیم ہوئی کہ گویا چاند کی وہ کرنیں بڑے رازدارانہ انداز میں مجھے اشارے کر رہی ہیں کہ مَیں صرف اسی سامنے والے درخت کے سایہ تلے جا کر پناہ لوں کیونکہ دوسرے سب درخت ناپائیدار ہیں اور عنقریب سوکھ جائیں گے۔ اس پر رؤیا میں ہی مَیں جلدی سے اس درخت کی طرف چل پڑا اور اس کے نیچے جا کر پناہ لے لی۔

عالمِ رؤیا میں یہ نظارہ مجھے اس قدر حسین، مسرت آمیز اور بابرکت لگا کہ مَیں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد جب میری آنکھ کھلی تو میری یہ کیفیّت تھی کہ مجھے کامل یقین ہو گیا کہ احمدیت کے سب دعاوی اور نظریات خالص اسلامی ہیں اس لئے مجھے اب اس الٰہی جماعت میں شمولیت اختیار کر لینی چاہیئے۔

اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے وانڈی کالون صاحب کہنے لگے کہ

"میرے یہ دونوں خواب میری متواتر دعاؤں کا نتیجہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص فضل و احسان ہے اس لئے مَیں ان خوابوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آج آپ کے پاس حاضر ہو گیا ہوں۔"

ہدایت پانا فضلِ الٰہی پر منحصر ہے

اس کے بعد انہوں نے میری دعوت پر کچھ مدت میرے پاس قیام کیا جس کے دوران انہیں مختلف مسائل اور نظامِ جماعت کی اہمیّت اور دیگر ضروری امور ذہن نشین کرائے گئے اور پھر ان سے بیعت فارم پُر کروا کے سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ

کی خدمت میں روانہ کر دیا گیا۔ چنانچہ حضور نے ان کی بیعت قبول کر کے ان کے لئے دعا فرمائی۔ اگرچہ انہیں لمبا عرصہ تبلیغ کی گئی اور میری بڑی خواہش رہی کہ کسی طرح وہ جلد از جلد احمدی ہو جائیں مگر مجھے کامیابی حاصل نہ ہوئی اور جب وقتِ مقدر آن پہنچا تو وہ خود ہی بیعت کے لئے تیار ہو گئے سچ فرمایا ہے خدائے قدوس نے اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ خواہ ہم کسی انسان کی ہدایت کے کتنے ہی شائق ہوں اور اس کی تسلی کے لئے خواہ کتنی ہی کوشش کریں جب تک اذنِ الٰہی اور منشائے خداوندی نہ ہو کوئی شخص ہدایت نہیں پا سکتا۔

حضرت مصلح موعودؓ کی دعا سے حکمران بنے

تاریخی طور پر ایک خصوصیت جناب چیف وانڈی کالون صاحب کو یہ حاصل ہے کہ وہ بھی سیرالیون کے ان ریاستی چیفوں میں سے ہیں جن کو اپنی ریاست کی سربراہی کے انتخاب میں سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خاص دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ نے کامیاب فرمایا۔ چنانچہ جماعت میں شمولیت کے چند سال بعد جب ان کی آبائی ریاست جاوی کے حکمران کی وفات ہو گئی تو ۱۹۶۳ء میں دیگر امیدواروں کی طرح وہ بھی اپنا خاندانی حق لینے کے لئے بطور امیدوار کھڑے ہوئے اور انتخاب ہونے تک سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی کامیابی کے لئے بار بار دعا کی درخواست کرتے رہے الحمدللہ کہ مخالف حالات کے باوجود اللہ تعالےٰ نے انہیں کامیاب کیا اور وہ ریاست کے حکمران بنا دیئے گئے اور اب تک خدا کے فضل سے کامیابی سے یہ ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔

مرکزِ سلسلہ میں آمد

آپ ایک لمبا عرصہ تک جماعتہائے احمدیہ سیرالیون کے وائس پریذیڈنٹ رہے ہیں اور مارچ ۱۹۷۸ء میں آنریبل پیرامونٹ چیف ناصر الدین گامانگا مرحوم سابق پریذیڈنٹ جماعتہائے احمدیہ سیرالیون کی وفات پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے محترم گامانگا مرحوم کی جگہ آپ کو پریذیڈنٹ نامزد فرمایا۔ اس کے بعد مارچ ۱۹۷۹ء میں ہونے والی مرکزی مجلسِ شوریٰ (ربوہ) میں حضور نے انہیں بطور نمائندہ خصوصی

جماعتہائے احمدیہ سیرالیون شرکت کی دعوت دی۔ چنانچہ آپ نے حضور کے ارشاد کے مطابق ربوہ تشریف لاکر مجلس شوریٰ میں شمولیت اختیار کی اور حضور کی ملاقات اور مرکز کی برکات سے مشرف ہوئے اور بالآخر قادیان کی زیارت کے بعد ۱۶ اپریل کو سیرالیون واپس تشریف لے گئے۔

قرآن کریم کا مینڈے زبان میں ترجمہ کیا۔ الغرض ہمارے یہ چیف بھائی خدا کے فضل سے سیرالیون کے نہایت مخلص اور اسلام کا درد رکھنے والے دعاگو احمدی سربراہانِ سیرالیون میں سے ہیں اور جماعتی کاموں میں بڑے خلوص اور لگن سے حصہ لیتے ہیں۔ ایک اہم جماعتی کارنامہ ان کا یہ ہے کہ وہ سیرالیون کی مینڈے (MENDE) زبان میں قرآن کریم کا مکمل ترجمہ کر چکے ہیں۔ جس کا ایک حصہ چھپ بھی چکا ہے اور ربوہ میں قیام کے دوران انہوں نے مجھے بتایا کہ قرآن کریم کا مینڈے ترجمہ مکمل کرنے کے بعد آج کل وہ مختصر تفسیری نوٹ انگریزی تفسیر القرآن (مطبوعہ تحریک جدید) سے مینڈے زبان میں منتقل کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں بڑھ چڑھ کر خدمتِ دین کی توفیق دے۔ ایمان و اخلاص میں ترقی اور صحت و عمر میں برکت دے۔ اور ان کی اولاد خاندان اور قبیلہ کو بھی اسلام اور احمدیت کے نور سے منور کرے۔ آمین۔

میری سیرالیون سے تبدیلی کے متعلق ایک مخلص احمدی کا خواب

۱۹۵۹ء شروع ہوا تو بعض وجوہات کی بناء پر سیرالیون میں مجھے جماعتی کام اور مشن کی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنی بساط سے کسی قدر زیادہ محسوس ہونے لگا۔ مَیں نے "بو" کے دو تین مخلص اور دعا گو احمدی دوستوں کو پرائیویٹ طور پر عرض کیا کہ وہ خاص طور پر دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے کام کی کماحقہٗ توفیق عطا فرمائے۔ یا اگر میرے لئے بہتر ہو تو کسی اور ملک میں میری تبدیلی ہو جائے۔ چونکہ ان دوستوں کو میری سیرالیون سے تبدیلی ناگوار تھی۔ اس لئے گو انہوں نے میرے کہنے کے مطابق دعا تو شروع کر دی لیکن مجھ سے یہ اظہار بھی کر دیا کہ دعا تو ہم محض اس لئے کر رہے ہیں کہ آپ کی خواہش ہے ورنہ ہم نہیں چاہتے کہ آپ کو یہاں سے تبدیل کیا جائے۔

مکرم ابوبکر صاحب کا خواب

کئی ہفتے گزرنے کے بعد ایک روز ان میں سے ایک دوست مکرم محمد ابوبکر گولڈ سمتھ نے جو اب بھی "بو" میں ہی مقیم ہیں آکر مجھے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے حق میں ہماری دعائیں اللہ تعالیٰ نے سُن لی ہیں۔ کیونکہ گزشتہ شب مَیں نے ایک ایسا خواب دیکھا ہے جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ آپ کے ساتھ کام کرنے والے مبلغین میں سے مکرم مولوی مبارک احمد صاحب ساقی اب مشن کے کام میں آپ کا خاص طور پر ہاتھ بٹائیں گے۔ کم از کم مَیں تو اس خواب کا یہی مطلب سمجھا ہوں۔ کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ آپ اور مولوی ساقی صاحب کوئی سفر کر رہے ہیں اور آپ کے پاس سامان کی بہت بھاری گٹھڑی ہے۔ جس کے متعلق آپ انہیں کہتے ہیں کہ "لیں اب ذرا کچھ فاصلے تک آپ بھی اسے اٹھا لیں"۔ چنانچہ اس گٹھڑی کو وہ اٹھا لیتے ہیں اور پھر آپ دونوں خوشی خوشی سرگرمِ سفر ہو گئے ہیں۔ اس پر میری آنکھ کھل گئی"۔

خاکسار نے یہ سُنکر ان سے کہا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ یَرٰی وَ یُرٰی لَہٗ کہ مومن اپنے بارے میں بھی رؤیا دیکھتا ہے اور کبھی اُسے اپنے کسی بھائی کے متعلق بھی کچھ دکھایا جاتا ہے۔ میرے نزدیک آپ کو اللہ تعالٰے نے اپنے فضل سے میرے متعلق یہ دکھایا ہے کہ عنقریب اس عظیم مشن کا چارج مکرم مولوی مبارک احمد صاحب ساقی کو دے کر مجھے ربوہ واپس جانا ہوگا یا یہاں سے مَیں کسی اَور ملک میں تبدیل ہو کر وہاں کا تبلیغی کام سنبھالوں گا۔ میرے خیال میں اس خواب کی صحیح تعبیر یہی ہے وہ نہیں جو آپ سمجھتے ہیں اس پر وہ حیران سے ہو کر واپس چلے گئے۔

ربوہ سے تبدیلی کی چھٹی

چنانچہ میری ان سے اس گفتگو کو ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں ہؤا تھا کہ ربوہ سے جناب وکیل التبشیر صاحب تحریک جدید کی ایک چھٹی میرے نام آگئی جس میں ارشاد تھا کہ خاص ضرورت کے پیشِ نظر لائبیریا احمدیہ مشن کے مبلّغ انچارج کو فوری طور پر واپس بلا لیا گیا ہے اور اب لائبیریا میں کسی پرانے تجربہ کار مبلّغ کی ضرورت ہے اس لئے آپ فوراً سیرالیون احمدیہ مشن کا چارج مکرم مولوی مبارک احمد صاحب ساقی کو دے کر لائبیریا روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق خاکسار ۱۲؍اپریل کو "بو" سے لائبیریا کے لئے روانہ ہو گیا اور چند دنوں میں وہاں پہنچکر کام شروع کر دیا۔

اس طرح "بو" کے اُن احمدی بھائیوں کی دعائیں اور مکرم برادرم محمد ابوبکر صاحب کا مذکورہ بالا خواب مِن وعَن پورا ہو کر حدیث نبوی کی سچائی کا ثبوت بنا۔ مکرم مولوی مبارک احمد صاحب ساقی بھی جیسا کہ خواب میں بتایا گیا تھا۔ خاکسار کے بعد صرف چند ماہ سیرالیون احمدیہ مشن کے انچارج رہے اور ۱۸؍مارچ ۱۹۶۰ء کو مکرم شیخ نصیر الدین صاحب ایم۔اے کو اس مشن کا چارج دے کر بحکمِ مرکز پاکستان واپس آگئے۔

ہوسِ اقتدار کا انجام

سیرالیون کے ایک سابق وزیر آنریبل کانڈے بُورے جن کا اصل نام ایس
بی کمارا ہے ۱۹۳۹ء میں فری ٹاؤن کے ایک سکول میں بطور ٹیچر کام کرتے
تھے۔ کانڈے بُورے ٹمنی زبان میں سردار کو کہتے ہیں۔ مسٹر ایس۔ بی کمارا نے
اپنے قبیلے کے علماء کی طرف سے شدید مخالفت کے باوجود احمدیت قبول کی تھی
جب خاکسار مارچ ۱۹۴۰ء میں سیرالیون آیا تو فری ٹاؤن میں ہماری جماعت
کا مرکز انہیں کا گھر تھا جہاں باقاعدہ نمازیں اور اجتماعات ہُوا کرتے تھے۔
کہ اچانک فری ٹاؤن میں ٹمنی قوم کا سردار وفات پا گیا۔ اور وہ اپنا خاندانی
حق لینے کے لئے انتخابی مہم میں شامل ہو گئے لیکن ان کی قوم کے علماء اور
سرکردہ لوگوں نے احمدیت کی وجہ سے انہیں ووٹ دینے سے انکار کر دیا۔

مسٹر کمارا نے اس وقت کمزوری دکھائی اور جماعت سے علیحدگی اختیار
کر لی۔ چنانچہ وہ اپنی قوم کے سردار بنا دیئے گئے اور ایس۔ بی کمارا سے آنریبل
کانڈے بُورے بن گئے۔

جب سیرالیون کو آزادی ملی تو ان کی سیاسی پارٹی جیت گئی اور مختلف
اوقات میں حکومت کی بعض وزارتیں ان کے سپرد ہوئیں تاہم دنیا کو دین پر مقدم
کرنے کا اچھا انجام نہ ہُوا۔ اور کچھ عرصہ بعد ان کی پارٹی کی شکست کے بعد بعض
وجوہ کی بناء پر ان کی جائداد ضبط کر لی گئی اور انہیں لمبا عرصہ جیل میں رہنا
پڑا۔ جہاں ان پر بہت تشدّد کیا گیا۔ گو اب وہ آزاد ہیں لیکن نہایت کسمپرسی،
غربت اور گمنامی کی حالت میں زندگی کے دن گزار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان
کے حال پر رحم کرے اور ان کے لئے ہدایت اور خوشحالی کے سامان پیدا
فرمائے۔ آمین ؛

آنریبل چیف گامانگا آف سیرالیون کے بعض ایمان افروز حالات

خدا کے کچھ بندے ایسے بھی اس جہاں سے رخصت ہوتے ہیں کہ ان کی وفات بظاہر ایک ایسا خلا پیدا کر دیتی ہے جو ظاہر بین نظر کو پُر ہوتا نظر نہیں آتا ایسے ہی بندگانِ خدا میں سے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ایک غلام اور سیرالیون (مغربی افریقہ) کی ریاست سمبارو کے پیرامونٹ چیف آنریبل ناصرالدین کیبنوا گامانگا جے۔پی۔ایم۔بی۔ای نیشنل پریذیڈنٹ جماعتہائے احمدیہ سیرالیون بھی تھے۔ جو بقضائے الٰہی مارچ ۱۹۷۴ء میں بعارضہ قلب "بو" میں وفات پاگئے۔

عیسائیت سے اسلام کی آغوش میں

آنریبل گامانگا صاحب نے ۱۹۳۹ء میں اس وقت عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا اور حلقہ احمدیت میں داخل ہوئے تھے جبکہ آپ سیرالیون کے ضلع کینیما (KENEMA) میں محکمہ زراعت کے ایک معمولی کلرک تھے۔ ان کے قصبہ "باجے بو" میں کیتھولک مشن اور سکول ان کی ہوش سے بھی پہلے سے قائم تھا جس میں تعلیم پانے کی وجہ سے وہ کٹر کیتھولک عیسائی ہو گئے تھے۔ حالانکہ ان کے والد پیرامونٹ چیف عثمان گامانگا مرحوم پیدائشی مسلمان تھے۔ گامانگا مرحوم کی فطرت نیک تھی۔ اس لئے حضرت مولانا نذیر احمد علی صاحب رضی اللہ عنہ کی تبلیغ اور سلسلہ احمدیہ کی کتب کے مطالعہ سے معمولی غور و فکر کے بعد ان پر اسلام کی صداقت آشکار ہو گئی۔ اور وہ جماعت احمدیہ میں شامل ہو گئے۔ جس کے بعد سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب رضی اللہ عنہ کی مطبوعہ نماز "دی مسلم پریئر بک" انہوں نے بار بار پڑھی اور ایسے صحیح انداز میں اسلامی نماز، تمام دعائیں اور خطبے یاد کئے کہ پھر جہاں بھی موقع پیش آیا وہ خود باجماعت نماز کی امامت کرانے لگے اور اپنے ہم عمر عیسائی دوستوں اور عزیزوں کو تبلیغ اسلام ان کا روز کا مشغلہ ہو گیا۔ چنانچہ ان کی کوشش سے ان کے کئی تعلیم یافتہ بھائیوں دوستوں اور چچوں نے ان کے ذریعہ اسلام قبول کر لیا اور ان کی

والدہ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر جماعت احمدیہ میں داخل ہو گئیں۔

حضرت مصلح موعودؓ کی دعا سے کامیابی

آنریبل گا مانگا صاحب کے جماعت احمدیہ میں شمولیت کے سال ڈیڑھ سال بعد ان کے چچا آنریبل پیرامونٹ چیف خلیلو گا مانگا جو آپ کے ساتھ ہی جماعت میں داخل ہوئے تھے وفات پا گئے تو ریاست کی سربراہی کے انتخاب کی مہم بڑے زور شور سے شروع ہو گئی جس میں علاقہ کے چھ سات خاندانوں نے اپنے آدمی بطور امیدوار کھڑے کر دیئے۔ گو تجربہ اور اثر و رسوخ اور مالی لحاظ سے گا مانگا صاحب کی پوزیشن سب امیدواروں سے کمزور تھی اور عمر میں بھی وہ سب سے چھوٹے تھے لیکن ان میں سے تعلیم یافتہ صرف وہی تھے۔ خاکسار نے یہ حالات بیان کر کے ان کی کامیابی کے لئے سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں خاص طور پر دعا کی درخواست کی۔ خود گا مانگا صاحب نے بھی حضور کی خدمت میں بار بار دعا کے لئے لکھا۔ چنانچہ ریاستی الیکشن سے ایک ہفتہ قبل حضورؓ کی طرف سے مجھے یہ جواب ملا۔

"ہم نے دعا کی ہے گا مانگا صاحب انشاء اللہ کامیاب ہو جائیں گے"۔

چنانچہ وہ حسب بشارت خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے بھاری اکثریت سے کامیاب ہو کر اپنی ریاست کے سربراہ منتخب ہو گئے اور حضور رضی اللہ عنہ کی طرف سے ازرہِ شفقت انہیں مبارکباد اور بعض نصائح پر مشتمل انگریزی میں ایک خط بھی اس پُرمسرت موقعہ پر موصول ہوُا۔

قبولیتِ اسلام کے بعد کی ترقیات

پیرامونٹ چیف منتخب ہونے کے بعد گا مانگا مرحوم کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اور حضورؓ کی وفات کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ نہایت درجہ محبت اور والہانہ عقیدت اور تعلق رہا اور وہ تا وفات خلیفۂ وقت کی دعاؤں اور شفقت کا مورد بنے رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور احمدیت کی برکت سے وہ اپنی چیفڈم کی سربراہی کے علاوہ گورنمنٹ آف سیرالیون میں مختلف عہدوں پر فائز رہے اور پارلیمنٹ کے

ممبر بھی منتخب ہوتے رہے اور ایک مرتبہ کچھ عرصہ وزارت کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔
سیرالیون کی آزادی سے پہلے برٹش گورنمنٹ کے دَور میں ان کی ملکی اور سماجی خدمات کے پیشِ نظر انہیں پہلے جسٹس آف پیس (J. P.) کا خطاب ملا اور پھر کچھ عرصہ بعد مارچ ۱۹۵۶ء میں گورنمنٹ ہاؤس میں گورنر سر مورس ڈورمَین نے ایک شاندار تقریب منعقد کر کے انہیں ممبر آف دی برٹش ایمپائر (M.B.E) کا خطاب دیا۔ اسی طرح مرحوم سالہا سال تک سیرالیون گورنمنٹ کے محکمہ "پروڈیوس اینڈ مارکیٹنگ بورڈ" کے ڈائریکٹر بھی رہے۔ اور اس ذمہ داری کی ادائیگی کے سلسلہ میں گورنمنٹ کی طرف سے انہیں ہر سال ماہ ڈیڑھ ماہ کے لئے انگلینڈ جانا پڑتا۔ کیونکہ سیرالیون کے خام مال اور پیداوار کا اصل خریدار انگلینڈ تھا لندن میں قیام کے دوران آپ جماعت کے لندن مشن اور مسجد سے باقاعدہ رابطہ قائم رکھتے اور جمعہ اور بعض دفعہ نمازوں کے لئے بھی مسجد حاضر ہوتے۔ چنانچہ لندن سے واپسی پر جماعت کے لندن مشن سے وابستہ انگریز مسلم بھائیوں سے اپنی ملاقاتوں اور مبلّغین کرام سے حسن سلوک اور مہمان نوازی کا ذکر خیر وہ ہم مبلغین سیرالیون سے بڑے خلوص اور مسرت کے انداز میں کیا کرتے تھے۔

مختلف قبائل کا احمدیت میں اتحاد

جماعتی لحاظ سے خاکسار سے ان کا تعلق تقریباً بیس سال تک ممتد ہے جس کے دوران وہ جماعتی کاموں میں خدا کے فضل سے ہمیشہ نہایت اخلاص اور مستعدی سے میرے اور دیگر مبلّغین کرام کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔ بطور جنرل پریذیڈنٹ جماعتہائے سیرالیون آخر عمر تک باوجود اختلاف قبائل کے تمام جماعتوں اور افراد کے لئے ایک مرکزی شخصیّت بنے رہے۔ اور جماعت میں باہمی اتحاد اور اخوت وہمدردی کے جذبات کو زندہ رکھنے نیز خلیفۂ وقت سے عقیدت اور اطاعت اور مبلّغین کرام اور مرکز سے اخلاص ومحبّت اور تعاون کی روح کے قیام ودوام کے لئے آپ تادمِ آخر کامیابی سے جدوجہد کرتے رہے۔
سیرالیون چھوٹے چھوٹے قبائل کے علاوہ دو بڑی قوموں یعنی مینڈے (MENDE) اور ٹمنی (TIMNI) کا وطن ہے اور دنیوی امور میں ان دونوں

قوموں میں فوقیت کا جذبہ بعض دفعہ حسد کی حد تک رونما ہوتا رہا ہے۔ مجھے یاد ہے بعض قصبوں میں ہمارے تبلیغی اجتماعات دونوں زبانوں میں علیحدہ علیحدہ ترجمان مہیّا نہ کر سکنے کی وجہ سے ناکام ہو جاتے تھے۔ حالانکہ دونوں قوموں کی اکثریت ایک دوسرے کی زبان کو بخوبی سمجھتی ہے۔ لیکن وہ محض اپنی قومی زبان میں بات کرنا اور سننا پسند کرتے تھے اور بصورتِ دیگر اپنی قوم کی ہتک خیال کر کے جلسہ سے واک آؤٹ کر جاتے تھے۔ آنریبل گا مانگا اس صورتِ حال سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے مبلّغین کرام کی زیرِ نگرانی بطور پریذیڈنٹ جنرل اپنی حکمتِ عملی اور عالمگیر اسلامی اخوت کے جذبہ کو بروئے کار لا کر احبابِ جماعت میں ایسا ماحول پیدا کر رکھا تھا کہ مینڈے اور ٹمنی احمدیوں کے درمیان کبھی کوئی نسلی یا قومی تعصّب رونما نہ ہوا اور نہ ٹمنی قوم کے احمدی احباب کو گا مانگا صاحب کی صدارت پر کبھی اعتراض پیدا ہوا۔ وہ خود مینڈے قوم سے تعلق رکھتے تھے لیکن نہ صرف ٹمنی زبان بلکہ ملک کی دوسری کئی لوکل زبانیں بھی روانی سے بول لیتے اور ان میں تقاریر بھی کر لیتے تھے۔ ان کی یہ خوبی ملک میں ان کی ہر دلعزیزی اور احبابِ جماعت میں ان کی مقبولیت میں بڑی حد تک ممد تھی۔

اسلام سے انہیں مرتد کرنے کی کوششیں

آنریبل گا مانگا صاحب کے اکثر ہمعصر اور ہم عمر پیرا مونٹ چیف تعلیم یافتہ عیسائی تھے جن سے مل کر انہیں سیاسی اور سماجی اور ملکی کام انجام دینے پڑتے تھے ان میں سے بعض بداندیش گا مانگا صاحب کو اسلامی تعلیم پر سختی اور اخلاص سے کاربند دیکھ کر بُرا مناتے اور انہیں مختلف طریقوں سے جماعت احمدیہ سے علیحدگی کا سبق پڑھانے کی کوشش کرتے۔ بعض ان میں سے کھلے طور پر مخالفت بھی کرتے رہے اور بعض نے اپنی نجی محفلوں میں گا مانگا صاحب کو شراب ناچ گانے اور رنگ رلیوں میں ملوّث کرنے کی کوششیں بھی کیں۔ لیکن باوجود اس قسم کے ماحول میں رہنے کے خدا کے فضل سے وہ ہمیشہ ثابت قدم رہے اور رنگ رلیوں، لہو و لعب اور شراب وغیرہ سے اپنا دامن ہمیشہ پاک رکھا۔ پانچ وقت نماز کے ہمیشہ پابند رہے۔ بلکہ نمازِ تہجّد بھی اکثر پڑھا کرتے تھے۔ دُعا پر مکمل

یقین تھا۔ مشکلات کے وقت خصوصی طور پر اپنے مسائل دعاؤں سے حل کرتے اور کراتے تھے اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خاص دعاؤں اور روحانی توجہ سے ہمیشہ مستفیض ہوتے رہے۔ دو مرتبہ ربوہ آکر جلسہ سالانہ میں شرکت کی اور حضور پُر نور ایدہ اللہ تعالےٰ سے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ قادیان کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کی انہیں بے حد خواہش تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ربوہ میں قیام کے دوران انہوں نے مجھ سے بار بار ذکر کیا کہ دعا کریں اللہ تعالےٰ مجھے اب حج بیت اللہ کی توفیق بھی عطا فرمائے اور یہ فریضہ بھی ادا ہو جائے۔

پیراماونٹ چیف عموماً مالدار ہوتے ہیں لیکن آنریبل گامانگا چونکہ عموماً اپنی رعایا پر بلا معقول وجہ جرمانے، تاوان یا کسی قسم کا مالی بوجھ ڈالنے سے پرہیز کرتے تھے اور ان کی مخصوص طبیعت اور دینی تربیت انہیں رحمدلی اور ہمدردی کی طرف مائل رکھتی تھی اس لئے مالی لحاظ سے ان کی پوزیشن ہمعصر چیفوں سے مختلف تھی۔ تاہم پھر بھی اللہ تعالےٰ نے انہیں کبھی تنگدست نہ رکھا۔ بلکہ اتنا دیا کہ اپنے خاندان کے بچوں کے علاوہ چیفڈم کے کئی غریب طالب علموں کا خرچ بھی وہ خود برداشت کیا کرتے تھے اور سیرالیون کے ہر بڑے سکول میں کوئی نہ کوئی ایسا طالب علم ضرور ہوتا جس کی سرپرستی آنریبل گامانگا کر رہے ہوتے۔

مالی قربانیاں اور مہمان نوازی

اس کے علاوہ جماعتی چندوں اور مختلف دینی تحریکوں میں بھی گامانگا صاحب حسب توفیق باقاعدہ حصّہ لیتے رہے اور جماعتی معاملات میں انہوں نے کبھی بُخل سے کام نہ لیا تھا۔ خصوصاً جہاں جماعت کی عزّت اور وقار کا سوال ہوتا وہاں بے دریغ خرچ کرتے۔ ایک سراسر جھوٹا مقدمہ جس میں سپریم کورٹ نے مجھے چار سو سات (۴۰۷) پونڈ جرمانہ کر کے فوری ادائیگی کا حکم دیا تھا جو گامانگا صاحب نے جماعتی وقار کی خاطر بروقت اپنی جیب سے ادا کر دیا تھا ضرورت مند احمدی احباب بھی اپنی ذاتی ضروریات کے لئے ان کے پاس

جایا کرتے اور کچھ نہ کچھ لے کر ہی لوٹتے تھے۔ مہمان نوازی میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھے۔ مبلّغین سلسلہ اور جماعتی مہمانوں بلکہ ہر مذہب و ملت کے معزز مہمانوں کے لئے ان کے کمپاؤنڈ میں ایک خاص عمارت مخصوص تھی جہاں وہ اپنے دوست پیرامونٹ چیفوں کو بھی ٹھہراتے تھے۔ اور حسب حالات کھانے کا انتظام ان کے آدمی ہی کرتے تھے۔ کسی مبلغ کی موجودگی میں گامانگا صاحب کھانا اکثر ان کے ساتھ مل کر کھایا کرتے تھے۔ بلکہ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھے اپنے مبلغ بھائیوں سے مل کر کھانا تناول کرنے میں خاص لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے اور جب میں اپنی رہائش گاہ پر کھانا کھاتا ہوں تو بھی ضرور کوئی نہ کوئی احمدی بھائی اور مہمان میرے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔

سیرالیون میں مشرکانہ عقائد اور جھاڑ پھونک تعویذ وغیرہ کا بڑا رواج ہے۔ لیکن اس بارہ میں چیف گامانگا صاحب سیرالیون کے دوسرے چیفوں کے مقابل پر منفرد حیثیت رکھتے تھے۔ باوجود مشرکانہ ماحول میں پیدا ہونے اور پرورش پانے کے وہ شرک اور ہر قسم کی مشرکانہ رسوم سے متنفر اور مجتنب تھے۔ توحید پر کامل ایمان اور واحد لاشریک خدا پر کامل توکل رکھتے تھے۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد وہ خاص طور پر ہر قسم کے تعویذ، ٹونا، جادو وغیرہ سے بیزار رہے اور ہر مشکل اور احتیاج کے وقت اللہ تعالیٰ کو ہی اپنی پناہ اور حاجت روا یقین کرتے رہے۔

گامانگا صاحب غیر موافق حالات کے باوجود اپنی چیفڈم کا سربراہ منتخب ہو جانے کو ہمیشہ احمدیت کی صداقت کے نشان کے طور پر پیش کیا کرتے تھے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ ناموافق حالات میں ان کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی خاص تائید اور قبولیتِ دُعا کا ایک ناقابلِ انکار نشان تھا۔

احمدیت کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت

ریاست جمّی (۱۹۴۴ء) باگبو کے عیسائی پیرامونٹ چیف کھوکھر سابق وزیر صنعت و حرفت سیرالیون گورنمنٹ آنریبل گامانگا مرحوم کے بچپن کے گہرے دوست تھے اور اُنہیں کی خاص کوششوں اور مالی مدد سے چیف کھوکھر اپنی ریاست

کے سربراہ چُنے گئے تھے گامانگا صاحب مرحوم کی بڑی خواہش تھی کہ آنرسل چیف کھوکھر مسلمان ہوجائیں۔ خاکسار اور دوسرے مبلغین کو بار بار ملا کر تبلیغی گفتگو کراتے رہے۔ خود بھی اکثر اسلام کی حسین تعلیم کی خوبیاں ان کے ذہن نشین کراتے رہے۔ مگر چیف کھوکھر حقائق تسلیم کرلینے کے باوجود جھینپتے ہوئے معذرت کر دیتے اور کہتے کہ وہ اسلامی پابندیاں اور عبادات بجالانے کی ہمت نہیں رکھتے تاہم چیف گامانگا صاحب پھر بھی عمر بھر پُرامید رہے۔ اور اپنے دوست کو حق قبول کرنے کی تلقین کرتے ہی رہے۔ ایک مرتبہ جبکہ یہ خاکسار بھی موجود تھا انہوں نے بڑے جوش اور جذبہ سے چیف کھوکھر صاحب کو مخاطب کرکے خود اپنے وجود کو اسلام اور احمدیت کی صداقت کا زندہ و تابندہ نشان ثابت کیا۔ اور انہیں بتایا کہ ان کی زندگی کے واقعات احمدیت کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کے رگ و ریشہ میں احمدیت کی صداقت ایسی رچ چکی ہے کہ دیگر آسمانی اور علمی اور عقلی شہادتیں اسلام کی صداقت میں نہ بھی ہوتیں تو بھی انہیں اسلامی صداقتوں پر کامل یقین ہوتا۔

ہیروں کی تلاش میں دعا سے کامیابی

ایک موقعہ پر محترم گامانگا صاحب نے اپنی ریاست کے بعض پہاڑوں اور وادیوں میں ہیرے برآمد ہوجانے کو بھی احمدیت کا نشان قرار دیا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کے درمیانی عرصہ میں سیرالیون میں ریسرچ اور کھدائی وغیرہ کے نتیجہ میں بعض علاقوں میں اس قدر ہیرے پائے گئے۔ کہ سیرالیون دنیا کا چھٹا بڑا ہیروں والا ملک قرار پایا۔ کھدائی کے دوران گامانگا صاحب کی سمبارو ریاست کی ہمسایہ ریاست وانڈو میں جس کے پیراماؤنٹ چیف سیاسی لحاظ سے گامانگا صاحب کے حریف اور سخت مخالف تھے۔ جب ہیرے تلاش کر لئے گئے تو چیف گامانگا صاحب کو بھی خیال آیا اور خواہش ہوئی کہ ان کے علاقہ میں بھی اس قدرتی دولت کا سراغ مل جائے لیکن کوشش بسیار کے باوجود کوئی نشان نہ ملا۔ انہوں نے مجھے لکھا کہ ساری جماعت دعا کرے کہ ان کے علاقہ سے بھی ہیرے مل جائیں۔

دُعا کے نتیجہ میں ہیرے

مَیں نے تمام جماعتہائے سیرالیون کو مبلّغین و معلّمین کے ذریعہ ان کے لئے دُعا کی درخواست کی۔ اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی لکھا۔ چنانچہ ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر ان کی ریاست سمبارہ میں بھی دو تین جگہ اور بعد میں کئی اور جگہ خاصی مقدار میں ہیرے تلاش کر لئے گئے جنہیں گورنمنٹ کے لائسنس یافتہ لوگ زمین کھود کر نکالنے لگے۔ اور چیف گامانگا صاحب کو گورنمنٹ کے مقرر کردہ ریٹ کے مطابق اچھی خاصی رائلٹی ملنے لگی۔ جس سے ان کی مالی حالت خدا کے فضل سے بہت اچھی ہو گئی اور پانچ چھ سال تک یہ صورت قائم رہی۔ اور گامانگا خاندان کو بہت مالی فائدہ ہوا۔ اس میں کیا شک ہے کہ قبولیت دُعا کا یہ بھی ایک واضح نشان تھا جو احمدیت کے طفیل ان کے لئے ظاہر ہو کر ان کے ایمان کی زیادتی کا موجب ہوا۔

مبلّغین کرام سے محبت اور تعاون

جماعتی امور میں ان کی دلچسپی اور تعاون کا یہ حال تھا جس کا خود مجھے بھی تجربہ ہے کہ جب کبھی کسی مشورہ یا کام کی انجام دہی کے لئے انہیں "باجے بو" سے "بو" بلایا جاتا تو بلا تأمّل اپنے خرچ پر آ جاتے بلکہ لوکل رسم کے مطابق عموماً اپنے ساتھ مبلّغین کے لئے کھانے پینے کے تحائف بھی اُٹھا لاتے۔ حالانکہ انہیں اپنی ریاست چھوڑنے کے لئے ضروری طور پر پہلے صوبہ کے انگریز چیف کمشنر سے اجازت لینی پڑتی تھی۔ اسی طرح جب بھی کوئی نئے مبلّغ ہندوستان اور بعد میں پاکستان سے سیرالیون آتے تو انہیں خوش آمدید کی غرض سے اپنے ہاں "باجے بو" ضرور بلاتے۔

۱۹۵۷ء میں خاکسار کی اہلیہ اور بچے سیرالیون آئے تو چیف گامانگا صاحب ازخود بغیر اطلاع دیئے اپنی دو بیویوں اور بچوں کے ساتھ ان سے ملنے کے لئے "بو" آئے اور اپنے برادرانہ اخلاص و محبّت کے لئے اس موقعہ پر ایک بکرا اور کئی لوکل قسم کے تحائف انہیں پیش کئے۔

مبلّغین سے ان کی محبّت اور ہمدردی کا اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ۱۹۵۶ء میں خاکسار سیرالیون میں متواتر دو ماہ بیمار رہا اس پر گامانگا صاحب

نے سیرالیون کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر یہ تجویز پیش کر کے پاس کروائی کہ خاکسار کے بیوی بچوں کو سیرالیون بھجوانے کی درخواست حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کی جائے تاہم مالی مشکلات کی وجہ سے حضورؓ نے منظوری عطا نہ فرمائی۔ اس پر گامانگا صاحب نے حضورؓ کی خدمت میں میرے بیوی بچوں کے ہوائی سفر کے خرچ کی رقم ذاتی طور پر ادا کرنے کی پیشکش کی۔ چنانچہ حضور رضی اللہ عنہ نے ان کی اس قربانی کی قدر فرماتے ہوئے منظوری دے دی اور میرے بیوی بچے میرے پاس سیرالیون پہنچ گئے۔

سانپ کے ڈسنے پر ہمدردی اور خدمت

۱۹۴۷ء میں ایک مرتبہ اتفاقاً دو مبلغین کرام مکرم مولوی عبدالحق صاحب اور مکرم چوہدری احسان الٰہی صاحب جنجوعہ آنریبل گامانگا صاحب کے پاس باجے بوؔ میں مقیم تھے۔ ایک روز عشاء کے بعد بلاما کی سڑک پر ہوا خوری کرتے ہوئے مولوی عبدالحق صاحب کا پاؤں ایک زہریلے سانپ پر آگیا اس نے جرابوں کے اُوپر سے مولوی صاحب کو ڈس لیا۔ اس زمانہ میں وہاں کوئی معمولی ڈسپنسری بھی نہ تھی۔ جہاں علاج کرایا جاتا۔ اگرچہ جرابوں کی وجہ سے کچھ بچاؤ ہوگیا اور خون کا دَوران بند کرنے کے لئے پنڈلی کو اُوپر سے باندھ دیا گیا۔ تاہم زہر نے اثر کرنا شروع کر دیا۔ آنریبل گامانگا صاحب اطلاع ملنے پر فوراً موقع پر پہنچ گئے۔ چوہدری احسان الٰہی صاحب نے مولوی صاحب کو فوراً "بلاما" لے جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن گامانگا صاحب نے اسے ردّ کرتے ہوئے فرمایا کہ "بلاما" پہنچتے پہنچتے پتہ نہیں کیا ہو جائے۔ اللہ تعالےٰ پر توکّل کریں ہماری ریاست کے سپیرے بڑے ماہر ہیں وہ آرہے ہیں۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھا سپیرا آگیا۔ جس نے سب سے پہلے مولوی صاحب کی ٹانگ کو گھٹنے پر سے باندھا اور پھر شہد کی قسم کی کوئی دوائی بار بار انہیں چٹانی شروع کی اور اسی دوائی کا ٹانگ پر بھی لیپ کر دیا۔ چند گھنٹوں کے بعد مولوی صاحب کا درد تو جاتا رہا۔ مگر ٹانگ بُری طرح سوج گئی۔ تاہم گامانگا صاحب نے یقین دلایا کہ انشاء اللہ وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ مولوی صاحب کو تقریباً ایک ماہ وہاں ٹھہرنا پڑا جس کے دوران چیف گامانگا صاحب خود بڑی توجّہ اور محنت سے ان کی خدمت اور

علاج کراتے۔ اور بالآخر خدا کے فضل سے وہ تندرست ہو کر اپنے علاقہ میں چلے گئے۔

ایک عجیب واقعہ انہیں دنوں "باجے بو" کے بعض منافق طبع لوگوں نے گا مانگا صاحب کو نقصان پہنچانے کی غرض سے وہاں یہ مشہور کر دیا کہ احمدی مبلغین اب "باجے بو" سے چلے جائیں گے اور احمدیہ مشن کی "باجے بو" برانچ بند کر دی جائے گی اور مقامی مبلغ کو بھی وہاں سے تبدیل کر دیا جائے گا۔ اس قسم کی افواہوں سے چیف گا مانگا صاحب کو بہت تکلیف ہوئی اور وہ کچھ افسردہ سے رہنے لگے۔ اس وقت اس علاقہ کے انچارج مکرم چوہدری نذیر احمد صاحب رائے ونڈی "باجے بو" میں ہی مقیم تھے۔ انہوں نے مجھے بذریعہ تار "بو" اطلاع دی کہ چیف گا مانگا صاحب بہت پریشان ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ آپ فوری طور پر ایک روز کے لئے "باجے بو" آکر انہیں ملیں۔ چنانچہ میں فوری طور پر "باجے بو" پہنچ گیا۔ گا مانگا صاحب مجھے اپنی ذاتی رہائش گاہ میں لے گئے۔ اور محترم چوہدری نذیر احمد صاحب کو بھی اندر بلا کر کمرہ بند کر دیا۔

غلط افواہوں پر تشویش ان کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کا دل کسی بوجھ اور غم سے نڈھال ہے۔ ہم آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ تھوڑی سی خاموشی کے بعد کہنے لگے۔

"مولوی صاحب! مَیں نے سُنا ہے کہ آپ میری چیفڈم میں احمدیہ مشن بند کر رہے ہیں۔ اور چوہدری صاحب کو بھی یہاں سے تبدیل کر دیا جائے گا۔ اگر میرا کوئی قصور ہے تو اس کی سزا میری رعایا کو تو نہیں ملنی چاہیئے۔ مَیں حاضر ہوں آپ جو سزا مجھے دینا چاہیں دیں۔ لیکن میری ریاست کو احمدیت سے محروم نہ کریں۔ مَیں تو اس صورت میں سیرالیون میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ اور میرے دشمن مجھ پر ہنسیں گے۔ مَیں تو جب سے عیسائیت چھوڑ کر مسلمان ہوا ہوں اسلام اور احمدیت کو اپنی لائف لائن یقین کرتا ہوں۔ آپ مجھ پر رحم کریں!"

درد بھری حالت یہ کہتے ہی یکدم کرسی سے اُٹھ کر انہوں نے میرے زانو پر اپنا سر رکھ دیا۔ اور ایک معصوم بچے کی طرح زار و قطار رونے

لگ گئے۔ مکرم چوہدری نذیر احمد صاحب بھی اس وقت تک اصل حالات سے بے خبر تھے اور مَیں بھی اس لئے اس طرح اچانک غیر متوقع طور پر یہ سراسر غلط اور جھوٹی باتیں اور ان پر چیف گامانگا صاحب کا ردِ عمل اور درد بھری حالت دیکھ کر ہم سہم گئے۔

چوہدری صاحب کی عمر چھوٹی تھی وہ اپنے جذبات کو روک نہ سکے اور انہوں نے بھی رونا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مَیں کرسی سے اُٹھا اور کرسی کے قریب ہی فرش پر چیف صاحب کے ساتھ بیٹھ کر انہیں سمجھایا اور بہت تسلّی دی کہ جو کچھ انہوں نے سُنا اور بیان کیا ہے وہ سب جھوٹ ہے اور افواہ کے سوا کچھ نہیں۔ "باجے بو" احمدیہ مشن بند کرنے یا ایسی کسی تجویز کے متعلق ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں اور نہ یہ میرے یا دوسرے مبلغین کے اختیار میں ہے لیکن ان کی گریہ و زاری بند نہ ہوئی بلکہ ایسی صورت اختیار کر گئی کہ ہمیں خطرہ پیدا ہو گیا کہ ان کے اہل وعیال ہم دونوں پر شک نہ کرنے لگیں کہ ہم نے چیف صاحب کو کوئی نقصان پہنچایا ہے یا ان پر کوئی جادو کر دیا ہے۔ بہر حال جوں توں کر کے ان کی طبیعت کچھ ٹھنڈی ہوئی اور جب ان کے دل کا غبار نکل گیا تو مَیں نے انہیں فرش سے اُٹھا کر کرسی پہ بیٹھنے پر مجبور کیا۔ ہم دونوں نیچے بیٹھے رہے اور پھر ہم نے انہیں سمجھا بُجھا کر یقین دلایا کہ ہم ان کے خیر خواہ اور ہمدرد اور مخلص بھائی ہیں۔ اور ان کی عزّت اور جان و مال ہمیں اپنی جان و مال سے بھی زیادہ عزیز ہیں اور ان کو اگر ہم سے کوئی تکلیف پہنچی ہے تو ہم تہہ دل سے معذرت کرتے ہوئے اس کی تلافی کرنے کو تیار ہیں۔

اسلام میں ہی جینا مرنا ہے

ہماری یہ باتیں سُنکر وہ کہنے لگے:۔ "آپ سے مجھے کیا تکلیف پہنچ سکتی ہے آپ تو اسلام کے مجاہد اور پیغام بر ہیں اور میرے ہمدرد استاد اور دینی رہنما ہیں البتہ میری بعض قبائلی اور سماجی مجبوریاں ہیں جو نہ مَیں پورے طور پہ بیان کر سکتا ہوں اور نہ آپ سمجھ سکتے ہیں اور مَیں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے لئے دین کے احکام بدلے نہیں جا سکتے۔ مَیں کمزور اور گنہگار ہوں۔ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری کمزوریوں کو دُور کرے اور مَیں اسلام میں ہی جیوں اور اسلام ہی میں ایسی حالت میں مروں کہ بخشا جاؤں۔"

تبلیغی جلسہ اس کے بعد نماز مغرب کے لئے ہم سب مسجد چلے گئے جہاں نماز کے بعد مَیں نے اس قسم کی تمام افواہوں کی تردید کی اور اعلان کیا کہ جناب چیف صاحب سے احمدیہ مشن یا مبلغین کو کوئی شکایت نہیں وہ ہمارے بڑے پیارے محسن بھائی اور ایک باعمل احمدی مسلمان ہیں۔ اور اب بھی جماعتہائے احمدیہ سیرالیون کے پریذیڈنٹ ہیں جیسا کہ پہلے تھے۔ اور ملکی اور سیاسی امور میں ہم سب کے لیڈر رہیں۔ اور جس جس فتنہ پردازنے "باجے بو" مشن کے متعلق غلط افواہیں پھیلا کر ان کا اور ہمارا دل دُکھایا ہے انہیں عذابِ الٰہی سے ڈرنا چاہیئے اور توبہ کرنی چاہیئے۔

خاکسار تین چار روز جناب چیف صاحب کے پاس ٹھہرا رہا جس کے دوران انہوں نے قصبہ کی کورٹ (BARICADE) میں ایک بہت بڑا تبلیغی جلسہ منعقد کرایا۔ جس میں مسلمان اور عیسائی، مشرک، بے دین، سیرین وغیرہ سب شامل ہوئے اور اسلام کی خوبیوں اور صداقت کے دلائل سنتے رہے۔

مرکز سے محبّت مرکزِ سلسلہ اور قادیان اور ربوہ سے جناب چیف صاحب کے لگاؤ اور محبّت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دو تین مرتبہ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے ان دونوں مراکز کی زیارت اور خلیفۂ وقت سے ملاقات سے مشرف ہونے کے لئے آئے اور اِدھر اُدھر گھومنے یا سیر کرنے کی بجائے مرکزی برکات اور حضور ایدہ اللہ تعالےٰ کی پاک صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔

خلافت کا مقدس اور بلند مقام ان پر اچھی طرح واضح تھا۔ اور خلیفۂ وقت کی ہر حالت میں مکمل اطاعت وہ اپنا فرضِ اوّلین سمجھ کر بجا لاتے تھے اور جماعت سیرالیون کے ہر فرد سے یہی امید رکھتے تھے۔ کہ خلیفۂ وقت کے ارشاد اور فیصلہ کے مقابل ہر بات ہیچ سمجھ کر ردّ کر دی جائے۔

۱۹۴۷ء میں جب قادیان پر سکھوں کے حملہ اور جانی و مالی نقصانات ہونے کی اطلاعات سیرالیون پہنچنا شروع ہوئیں تو جناب گانانگا صاحب خاکسار کی معیّت میں دو مرتبہ گورنر سیرالیون سے ملے اور انہیں حالات سے آگاہ کر کے مطالبہ

کیا کہ وہ ہندوستان کے لیڈروں اور حکومت سے رابطہ قائم کرکے حقیقتِ حال معلوم کریں اور حفاظتِ مرکز کا انتظام کرائیں۔

چنانچہ گورنر صاحب نے تاروں اور خطوط کے ذریعہ جماعت احمدیہ سیرالیون کی طرف سے وہاں کے حالات کا پتہ کرایا اور جماعت کے مذہبی جذبات ہندوستانی لیڈروں تک پہنچائے۔ جماعت کی طرف سے چیف صاحب براہِ راست بھی بطور پریذیڈنٹ جماعتہائے احمدیہ سیرالیون ہندوستان گورنمنٹ کو احتجاجی تاریں اور خط و کتابت کرتے رہے۔

کاروانِ اسلام رُک نہیں سکتا

ظاہر ہے کہ ایسے ہمہ صفت بھائی اور ہر دلعزیز لیڈر کی وفات ایک بہت بڑا سانحہ ہے لیکن ہم میں اللہ تعالےٰ کے فضل سے لیڈروں اور سرداروں کی کمی نہیں ہے۔ جب ہمارے کسی محاذ کا ایک سردار یا سالارِ قافلہ اللہ تعالےٰ کو پیارا ہو جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اور اسلام کا یہ قافلہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا چلایا ہوا کارواں کبھی رُک نہیں سکتا۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کے فضل سے بڑھتا چلا جائے گا۔ تاوقتیکہ اسلام کے مکمل غلبہ اور فتح کا دن آجائے اور دنیا کی سب قومیں اور قبائل حضرت رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مقدس جھنڈے تلے ایک خدا کی عبادت کرنے اور ایک رسول کا کلمہ پڑھنے لگ جائیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحوم گامانگا صاحب کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور انہیں اپنے پیاروں میں شامل کرے۔ آمین ثم آمین ؛

(روزنامہ الفضل ۱۰ و ۱۲ جون ۱۹۷۸ء)

اے احمدی جوانو!

اپنا کسی کو کر لو یا ہو رہو کسی کے
تنہا جہاں میں ورنہ تم کیا کرو گے جی کے

خالق سے لَو لگا لو اپنا اسے بنا لو
بن کر رہو فدائی قرآن اور نبیؐ کے

عصیاں کی ظلمتوں میں جو وہ بھٹک گئے ہیں
ان کے لئے بنو تم مینار روشنی کے

(محمد صدیق امرتسری)

ایک قدیمی مخلص اور جانثار احمدی کا ذکرِ خیر

جماعت احمدیہ سیرالیون کے ایک مخلص قدیمی اور سرکردہ احمدی بھائی الحاج پاسعیدو بنگورا ایک سو دو ۱۰۲ سال کی عمر پاکر مورخہ ۹ ر جولائی ۱۹۷۵ء کو "بو" شہر میں رحلت فرما گئے ــــ آپ جماعت کے اوّلین مخلص اور مستعد احمدیوں میں شمار ہوتے تھے۔ سیرالیون میں میرے تقریباً بیس ۲۰ سال قیام کے دوران وہ ہمیشہ نہایت اخلاص ومحبت واطاعت گزاری کے جذبہ سے مبلّغین کرام کے ساتھ تعاون کرتے رہے اور جماعتی مشکلات اور مخالفتوں کے وقتوں میں بھی بہترین احمدی اور ہمدرد بھائی ثابت ہوتے رہے اور کبھی کسی کمزوری کا مظاہرہ نہ کیا۔ الحاج سعیدو بنگورا قومی لحاظ سے بنگورا قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اگرچہ ناخواندہ تھے لیکن اپنی قومی زبان ٹمنی کے ماہر ہونے کے علاوہ فولانی، میڈنکو، مینڈے اور کورانکو زبانوں میں بھی مافی الضمیر اچھی طرح ادا کرلیتے تھے۔ اور سیرالیون کی کیوتری انگلش بھی خوب بول سکتے تھے۔ اس وجہ سے جس علاقہ میں تبلیغ کے لئے بھیجا جاتا تھا انہیں زبان کی مشکل پیش نہیں آتی تھی۔

آپ نماز باجماعت کے پابند ہونے کے علاوہ تہجد گزاری میں بھی ایک نمونہ تھے باوجود گھر دور ہونے کے صبح کی نماز کے لئے مسجد میں سب سے پہلے پہنچکر ایسی بلند اور سریلی آواز سے اذان دیتے کہ سارا علاقہ گونج اٹھتا تھا۔ ۱۹۳۹ء سے ہی ان کا نام بلالِ احمدیت مشہور ہو گیا تھا۔ الحاج سعیدو نے مینڈے علاقہ میں احمدیت کے سب سے پہلے مرکز باؤماہون میں (جو سونے کی کان کی وجہ سے آباد تھا) ۳۹ء میں اس وقت احمدیت قبول کی تھی جبکہ حضرت الحاج مولوی نذیر احمد علی صاحب مرحوم پہلی مرتبہ وہاں بغرض تبلیغ تشریف لے گئے تھے۔ حضرت مولانا علی صاحب کی تبلیغی کوششوں کو اللہ تعالٰے نے وہاں ایسا نوازا کہ باؤماہون کے مسلمانوں کی اکثریت جماعت میں داخل ہو گئی۔

مسجد احمدیہ اور احمدیہ سکول باؤماہون کی وسیع عمارتیں اس وقت کے

اقتصادی حالات کی وجہ سے کچی مگر بڑی صاف ستھری تھیں۔ یہ عمارتیں جماعت کے مزدول عورتوں اور سکول کے طالبعلموں کے متواتر وقارِ عمل اور دن رات کی انتھک محنت کے نتیجہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی تھی کئی مہینوں تک ہفتہ میں ایک مرتبہ وقارِ عمل منایا جاتا رہا۔ اور چار پانچ ابتدائی وقارِ عمل صرف جنگل سے کارآمد بڑی چھوٹی لکڑیاں کاٹ کر لانے کے لئے کئے گئے تھے۔ جماعت کے چھوٹے بڑے افراد وفود کی صورت میں جنگل میں جاتے اور مناسب حال لکڑیاں کاٹ کو لایا کرتے تھے۔ وقارِ عمل کے اس نظام کے انچارج مٹنی احمدیوں کے لئے الحاج سعید و بنگورا مرحوم اور مینڈے احمدیوں کے الحاج علی روجرز صاحب ہوتے تھے۔ اور دونوں قوموں کے احباب وقارِ عمل میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں فاستبقوا الخیرات کا عملی نمونہ نظر آتے تھے۔ الحاج سعید و مرحوم ستر اسّی کے مابین ہونے کے باوجود بڑے مضبوط اور توانا تھے خاکسار خود بھی اس وقت جوان اور مضبوط تھا مگر عادت نہ ہونے کی وجہ سے آدھ میل دُور سے لکڑیاں کندھوں پر اُٹھا کر لانا میرے لئے کوئی معمولی کام نہ تھا۔ مجھے خوب یاد ہے ہمارے بھائی سعید و بنگورا بلال مرحوم راستے میں بعض دفعہ ایک کندھے پر بوجھ کا اپنا حصّہ اٹھائے ہوتے اور اپنے دوسرے کندھے پر میرے گٹھے کا ایک سرا رکھ لیتے اور اس طرح تعاون باہمی کے جذبہ سے وہ میرا بوجھ بٹاتے ہوئے واپس آتے۔

غالباً ۱۹۴۲ء میں حضرت مولوی نذیر احمد علی صاحبؓ نے سارے سیرالیون کا سروے کر کے مختصر حالات حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کئے تو حضورؓ نے ایک خاص ہدایت یہ فرمائی تھی کہ روٹے فونک ROTEFUNK اور مویانمبا MOYAMBA کی ریاستیں چونکہ تاریخی لحاظ سے عیسائیت کا گڑھ سمجھی جاتی ہیں اس لئے وہاں پر ہماری طرف سے بھی ایک مضبوط اسلامی مرکز کھلنا چاہیئے تاکہ وہاں ہر دم توحید کا جھنڈا لہراتا رہے۔ اس علاقہ کے سب نواب اور چیف کیتھولک عیسائی تھے۔ اس لئے دیگر انتظامات اور کوششوں کے علاوہ حضرت مولوی علی صاحب مرحوم نے الحاج سعید و بنگورا مرحوم کو تحریک

فرمائی کہ چونکہ وہاں کے اکثر لوگ ان کی قوم سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے وہ وہاں ہجرت کر جائیں اور اپنا کاروبار بھی وہاں ہی لے جاکر ڈیرا جمالیں اور اپنے نمونہ اور تبلیغ کے ذریعہ اس ریاست میں اسلام پھیلائیں اور جماعت قائم کریں۔

الحاج سعید و مرحوم کے لئے دنیوی لحاظ سے وہاں کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن محض اللہ تعالےٰ کے دین کی خاطر اور حضرت مصلح موعودؓ کے منشاء مبارک کو پورا کرنے کے لئے وہ مع اہل وعیال وہاں جاکر مقیم ہو گئے اور سالہا سال تک وہیں رہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فضل فرمایا اور "روبے فونا" میں نہ صرف جماعت قائم ہو گئی بلکہ وہاں کے بعض مسلمان بچے عیسائی سکول چھوڑ کر "بو" شہر کے احمدیہ سکول میں داخل ہو گئے اور سکول کے ہوسٹل میں اسلامی تربیت حاصل کرنے لگے اور بعد میں فارغ التحصیل ہو کر وہاں کی جماعت کے لئے مفید وجود ثابت ہوئے۔ الحمدللہ۔ اب خدا کے فضل سے ان عیسائی ریاستوں میں ہمارے کئی مسلم سکول قائم ہیں۔

ایک مرتبہ ۱۹۴۵ء میں سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے خاکسار کو توجہ دلائی کہ تبلیغ صرف باقاعدہ مبلّغین کی ذمہ داری نہ سمجھی جائے بلکہ سیرالیون کے وہ مخلصین جو لوکل زبانیں جانتے ہیں وہ ہر سال کم وبیش ایک مہینہ تبلیغ کے لئے وقف کیا کریں۔ اور خصوصاً گورنمنٹ کے ملازمین اور ٹیچروں کو اپنی سالانہ رخصتیں وقف کرنے کی تحریک کی جائے۔ چنانچہ اس مبارک تحریک میں اللہ تعالےٰ نے برکت ڈالی اور سالہا سال تک سیرالیون کے مخلص احباب اس وقفِ عارضی کی تحریک میں ہر سال حصہ لے کر وفود کی صورت میں ملک کے طول وعرض میں پھیل کر تبلیغ کرتے رہے۔ سینکڑوں پونڈ کا اسلامی لٹریچر بھی فروخت اور تقسیم ہوا۔ مخلص احبابِ جماعت کثیر تعداد میں کئی سال تک بشاشت اور کامیابی سے یہ وقفِ عارضی نبھاتے رہے۔ ان میں سرِفہرست الحاج سعید و مرحوم اور الحاج علی روجرز صاحب کا نام آتا ہے۔ الحاج سعید و ٹمنی قوم میں سے ہونے کی وجہ سے ملک کے ٹمنی علاقہ میں زیادہ اثر ورسوخ رکھتے تھے۔ وہ کئی سال تک اپنا کام کاج چھوڑ کر دُور دُور کی اندرونی ٹمنی ریاستوں میں اپنے وفد کے دوسرے احباب کے ساتھ اکثر پیدل اس جہادِ کبیر سے مشرف ہوتے رہے۔ چنانچہ وقفِ عارضی

کے ان کامیاب دوروں میں جہاں کئی نئی کامیابیوں کا سہرا ان کے سر رہا وہاں بعض ریاستوں میں مخالفت کی وجہ سے انہیں ماریں بھی کھانی پڑیں۔ بعض دفعہ انہیں گالیاں دے کر گاؤں سے نکال دیا جاتا رہا۔ لیکن دوسرے سال وہ پھر وہیں جاتے اور تبلیغ کی کوئی نہ کوئی صورت ایسی نکال لیتے رہے جس سے گاؤں کے لیڈر اپنے سابقہ رویے پر نادم ہو کر ان سے اچھا سلوک کرتے۔ غرضیکہ اس بندۂ خدا کی استقامت جرأت تبلیغ میں جانفشانی اور حکمتِ عملی قابلِ داد اور دوسروں کے لئے نمونہ تھی مٹنی علاقہ میں بعض جماعتیں ان کے ذریعہ قائم ہوئیں۔ لاریوں اور ریلوں اور ٹیکسیوں میں بیٹھنے کے دوران بھی وہ اپنی تبلیغی باتوں سے ایسا نیک اثر پیدا کر لیتے تھے کہ باصرار کرایہ کی رقم پیش کرنے کے باوجود ڈرائیور ان سے کرایہ لینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیتے کہ خدا اور رسولؐ خدا کا پیغام پہنچانے والے بزرگوں سے کرایہ لینا معیوب بات ہے۔ بعد میں اپنی زندگی کے آخری سالوں میں الحاج سعیدو مرحوم ہمہ وقت بطور لوکل مشنری کام کرنے لگے تھے۔

الحاج سعیدو بنگورا مرحوم ناخواندہ ہونے کے باوجود بڑے اچھے واعظ اور کامیاب مبلّغ تھے۔ تبلیغ اسلام سے انہیں جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ بڑے بڑے عیسائی پادریوں اور تعلیم یافتہ لوگوں کو پہلے خود تبلیغ کرتے اور بعد میں مبلغین کرام میں سے کسی کو ان کے پاس لے جاتے۔ احمدی ہونے کے بعد تقریباً ۳۸ سال زندہ رہے۔ اور اس تمام عرصہ میں ہمیشہ طوعی طور پر بطور مٹنی زبان کے ترجمان کے اپنے ذاتی کاموں کو ملتوی کر کے مبلغین کی ترجمانی کرتے رہے۔ حضرت حاجی نذیر احمد علی صاحب کے ساتھ روٹے فونک، مویامبا، باو یا، پیلے، مگبورکا، مکالی، ماسنگی، یونی بانا وغیرہ علاقوں میں بطور ترجمان اور تبلیغ و تربیت کے کام میں ممد رہے۔ باوجود ایک معمّر بزرگ ہونے کے دورانِ سفر مبلّغین کی خدمت کرنے، انہیں آرام پہنچانے اور ان کی حفاظت میں بھی کوئی کمی نہ رہنے دیتے اور ہر دم چوکس رہتے تھے۔

ایک مرتبہ دورانِ گفتگو اچانک ایک مخالف شخص اپنے پیچھے چھپائی ہوئی تلوار نکال کر مجھ پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ قبل اس کے کہ میں اپنا بچاؤ

کرتا الحاج سعید وصاحب فوراً درمیان میں آکھڑے ہوئے اور اس شخص کو دونوں بازوؤں میں لے کر زمین پر پٹک دیا جس کے دوران میں نے وہ تلوار اس کے ہاتھ سے لے کر اپنے قبضہ میں کر لی۔

مبلغین کے کپڑے صاف کرنے اور اسی طرح کی دوسری خدمات کر کے ان کے گھر کے لوگ خوشی محسوس کرتے تھے۔ اور یہ سب انہی کی تربیت کا اثر تھا۔ جب کبھی ان کے گھر کوئی خاص کھانا پکتا یا درختوں پر پھل پکتے تو مبلغین کرام کے ہاں تحفہ کے طور پر ضرور لے کر آیا کرتے تھے۔ افریقن بھائیوں کی مہمان نوازی کے فرائض بھی بلا تفریق بڑی خوشی اور اخلاص سے ادا کرتے تھے۔

چنانچہ سیرالیون کے جلسہ سالانہ ۱۹۷۴ء کے موقعہ پر الحاج سعید ونگورا کے گھر پر ۲۰۰ سے زائد احمدی مہمان ٹھہرے جن کی خدمت کی ذمہ داری ان کے سپرد رہی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کے درجات بلند کرے۔ اعلیٰ علّیین میں جگہ دے اور ان کے لواحقین اور اولاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے اور سیرالیون احمدیہ مشن کو ان جیسے ہزاروں کی تعداد میں نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین ؂

خدا کے بندے

حوادث سے خدا کے بندے گھبرایا نہیں کرتے
وہ حرمان اور مایوسی کو اپنایا نہیں کرتے
نرالی شان ہے گلہائے گلزارِ محمدؐ کی
وہ موسم میں خزاؤں کے بھی مرجھایا نہیں کرتے
نہ کرنا یا الٰہی غیر کا محتاج تو ہم کو
کہ ہم غیروں کے آگے ہاتھ پھیلایا نہیں کرتے
وہ جن کی زندگی سب وقف ہو اسلام کی خاطر
وہ سیم و زر کے لالچ میں کبھی آیا نہیں کرتے

محمد صدیق امرتسری

دو مخلص لبنانی احمدیوں کا ذکرِ خیر

از مکرم مولوی محمد صدیق صاحب شاہد گورداسپوری سابق مبلغ انچارج بیرالیون احمدیہ مشن

مکرم سید امین خلیل سکیکی مرحوم

سید امین خلیل سکیکی مرحوم بیرالیون احمدیہ جماعت کے ایک نہایت مخلص فدائی اور جاں نثار لبنانی احمدی تھے۔ یوں تو مرحوم کو سلسلہ عالیہ احمدیہ سے دیرینہ محبت و عقیدت تھی اور وقتاً فوقتاً احمدیہ مشن کی اعانت فرماتے رہتے تھے۔ مگر سلسلہ میں باقاعدہ طور پر دسمبر ۱۹۴۶ء میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد قربانی ایثار اور اخلاص کا وہ اعلیٰ درجہ کا نمونہ پیش کیا جس کی مثال بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ذکر پر فرطِ محبت سے بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ آپ فی الواقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام يُصَلُّونَ عَلَيْكَ أَبْدَالُ الشَّامِ کے مصداق تھے۔ سیرالیون احمدیہ مشن کے ابتدائی مشکل اوقات میں آپ اکثر مالی امداد فرماتے رہے۔ مبلّغین سے محبّت اور خندہ پیشانی سے پیش آنا ان کا خاصّہ تھا۔ جب بھی ان کے ہاں جانا ہوا۔ انہیں یہی کہتے سُنا کہ میرا گھر مجاہدینِ احمدیت کے لئے وقف ہے اور ان کی خدمت میرے لئے عین سعادت ہے۔

دُعا کے نتیجہ میں ایک بچّے کی معجزانہ شفایابی

اپریل ۱۹۶۰ء میں وہ سخت بیمار ہو گئے اور کچھ عرصہ فری ٹاؤن اور "بو" کے ہسپتالوں میں زیرِ علاج رہے جہاں پر بار بار اس امر کا اظہار کیا کہ مَیں اپنی جائیداد کا $\frac{1}{3}$ حصّہ خدمتِ اسلام کے لئے وقف کرنا چاہتا ہوں اور صحت ہونے پر انشاء اللہ وصیّت کر دوں گا۔ انہیں یہ بھی شدید خواہش تھی کہ ان کی اولاد بھی خادم سلسلہ عالیہ احمدیّہ ہو اور ان کے دلوں میں اسلام اور احمدیّت کی محبت گھر کر جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ایک بیٹے عزیز علی امین کو چھوٹی عمر میں ہی

تعلیم کی غرض سے ربوہ بھجوا دیا۔ جب بھی ہم تیمارداری کے لئے جاتے۔ وہ باوجود شدید نقاہت کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور احمدیت کی صداقت کا ذکر شروع کر دیتے ایک مرتبہ ہمیں بتایا کہ شروع میں جب انہوں نے احمدیت قبول کی تو ان کی اہلیہ احمدی ہونے پر راضی نہ تھیں۔ ان کے بھائی سخت مخالف تھے تاہم وہ انہیں متواتر تبلیغ کرتے اور سمجھاتے رہے۔ اس دوران ان کا بیٹا علی امین سخت بیمار ہو گیا۔ اسے علاج کے لئے مگبورکا سے تقریباً ۱۵ میل دور ایک شہر مکینی (MAKENI) لے جایا گیا۔ مگر وہاں اس کی حالت زیادہ خراب ہو گئی۔ اور ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے کر ہسپتال سے رخصت کر دیا۔ آخر بوقتِ شب ان کی اہلیہ نے متواتر دعا کی کہ اے شافیٔ مطلق خدا اگر سیدنا احمدؑ واقعی سچے مہدی اور امام وقت ہیں تو ان کی صداقت کے صدقے میرے اس بچے کو اب تو بغیر دوا کے ہی اپنے فضل سے شفا عطا فرما دے۔ رات کو وہ اپنے بچے کے پاس بیٹھیں بڑے عجز و انکسار سے یہ دعا کرتی رہیں اور صبح کیا دیکھتی ہیں کہ بچے کی بیماری میں بہت حد تک کمی واقع ہو چکی ہے۔ چنانچہ وہ اسی حالت میں بچہ کو واپس مگبورکا اپنے گھر لے آئیں اور سارا واقعہ اپنے خاوند سید امین صاحب کو کہہ سنایا۔ الحمد للہ کہ اس کے بعد ایک دو روز میں بچہ کو اللہ تعالیٰ نے کامل صحت عطا فرما دی۔ اسی قسم کے قبولیت دعا کے ایک دو اور واقعات سنا کر انہوں نے بتایا کہ اس طرح ان کی اہلیہ کو بھی شرح صدر ہو گیا اور انہوں نے بھی بیعت کر لی۔ پھر کہنے لگے کہ میری یہ شدید خواہش ہے کہ سیدنا محمودؓ کی زیارت نصیب ہو۔ مگر صحت اجازت نہیں دیتی پھر روتے ہوئے کہنے لگے۔ اگر ہو سکے تو اب میری یہ آرزو پوری کر دی جائے کہ میری وفات کے بعد میری میّت کو میرے خرچ پر قادیان لے جا کر سیدنا حضرت احمد علیہ السلام کے قدموں میں دفن کیا جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کے غیر احمدی رشتہ داروں نے ان کی وفات کے بعد انہیں وہیں دفن کر دیا۔ جہاں وہ اور ان کا خاندان کاروبار کرتا تھا۔

ان کی وفات قصبہ بیلے (BELE) میں ۱۲۔ اور ۱۳ ستمبر ۱۹۶۰ء کی درمیانی شب کو ہوئی مکرم مولوی شیخ نصیر الدین صاحب سابق امیر جماعتہائے احمدیہ

سیرالیون نے جنازہ پڑھایا جس میں احمدی احباب کے علاوہ شامی لبنانی اور افریقن دوست بھی کثرت شامل ہوئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے اور جنت میں اعلیٰ عِلّیین میں مقام عطا فرمائے اور اولاد کو اسلام اور احمدیت پر قائم رکھے۔ آمین۔

مکرم سید حسن محمد ابراہیم الحسینی مرحوم

سید حسن محمد ابراہیم الحسینی مرحوم سیرالیون کی جماعت احمدیہ کے ایک نہایت مخلص اور عالمِ دین رکن تھے۔ حضرت رسولِ پاک صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے انہیں مثالی تعلقِ محبت و عشق تھا۔ اور سلسلہ عالیہ احمدیہ سے والہانہ عقیدت رکھنے والے لبنانی عرب دوست تھے۔ سیرالیون میں جہاں احمدیت کا پیغام پہنچانے میں حضرت الحاج مولانا نذیر احمد علی مرحوم کو خاص دخل ہے۔ وہاں مقامی طور پر احمدیت کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلہ میں سید حسن مرحوم کی کوششیں بھی ناقابلِ فراموش ہیں۔

سید حسن مرحوم ۱۹۲۷ء میں لبنان سے سیرالیون جا کر تجارت وغیرہ کرنے لگے۔ سیرالیون میں احمدیہ مشن کھلنے سے بہت پہلے ہی مرحوم کو بعض عربی اور انگریزی رسائل کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کا علم ہو چکا تھا اور وہ اس کوشش میں تھے کہ کسی ذریعہ سے انہیں اس بارہ میں تفصیلی معلومات حاصل ہوں۔ چنانچہ ۱۹۳۷ء میں جب حضرت مولانا علی مرحوم سیرالیون میں باقاعدہ احمدیہ مشن کھولنے کے لئے تشریف لے گئے تو اس وقت سید حسن مرحوم سیرالیون کے جنوبی صوبہ کے ایک گاؤں باؤ ماہون (BAOMA HUN) میں کاروبار کرتے تھے۔ یہ گاؤں اس وقت سونے کی کانوں کی وجہ سے تجارت کا مرکز تھا جب سید حسن صاحب کو الحاج مولانا علی مرحومؓ کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً مولانا کو باؤ ماہون آنے کی دعوت دی جس پر مولانا مرحوم وہاں تشریف لے گئے۔ اور ان کی تبلیغ سے نہ صرف حسن صاحب نے احمدیت قبول کر لی بلکہ کثیر تعداد میں افریقن لوگ بھی بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شامل ہو گئے۔

قبول احمدیت کے بعد سید حسن مرحوم کی ان کے وطنی لبنانی تاجروں کی طرف سے

شدید مخالفت شروع ہوگئی مگر آپ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی۔ بلکہ آپ ایمان کی مضبوطی اور اخلاص و قربانی میں ترقی کرتے چلے گئے۔ اور اپنے لبنانی ہموطنوں اور دیگر عرب تاجروں میں شب و روز تبلیغ کرنے لگے جس کے نتیجہ میں خدا کے فضل سے آپ دو اور لبنانی خاندانوں کو احمدیت کی آغوش میں لانے میں کامیاب ہوگئے یعنی سیّد امین خلیل سکیکی مرحوم اور سید محمد حدرج صاحب کے خاندان۔ مکرم سیّد محمد حدرج اور ان کی اولاد خدا تعالیٰ کے فضل سے اب جماعت احمدیہ سیرالیون کے مخلص اور سرگرم ارکان میں سے ہیں۔ اور سیّد محمد حدرج جماعت کے خاص اور فدائی ممبران میں شمار ہوتے ہیں۔ مبلّغین کرام سے ان کا تعاون اور محبّت اور مرکز سے ان کی عقیدت دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی اولاد کو صحت و سلامتی سے رکھے اور اخلاص میں ترقی دے۔ آمین۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ کی مدح میں عربی قصیدہ

سیّد حسن ابراہیم مرحوم بھی جب تک زندہ رہے نظامِ سلسلہ کی پابندی، خلیفۂ وقت کی اطاعت اور مبلّغین کرام سے تعاون اور ان کی خدمت کرنے کو اپنا فرض سمجھتے رہے۔ خلیفۂ وقت کی زیارت کے لئے مرکزِ سلسلہ میں آنے کے لئے بیتاب رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں سُنیں اور سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ ۱۹۷۰ء میں مغربی افریقہ کے دورہ پر تشریف لے گئے۔ اس موقعہ پر سیّد حسن صاحب نے حضور ایدہ اللہ کی مدح میں ایک عربی قصیدہ کہا اور حضور کی موجودگی میں خود اجلاسِ عام میں پڑھکر سُنایا مجھے یاد ہے جب وہ قصیدہ پڑھ رہے تھے تو ان پر ایسی رقّت کی کیفیت طاری تھی کہ گویا وہ عشق و محبّت کی کوئی واردات بیان کر رہے ہیں۔

جنوری ۱۹۷۱ء میں وہ کچھ عرصہ کے لئے لبنان چلے گئے کیونکہ ان کے تین بچے وہاں تعلیم پاتے تھے لبنان سے وہ ربوہ (پاکستان) جانیکا ارادہ رکھتے تھے تاکہ اپنی بقیہ زندگی وقف کرکے اپنے آپ کو حضور کی خدمت میں پیش کردیں مگر زندگی نے وفا نہ کی اور آپ لبنان میں اپنے گاؤں میں مختصر علالت کے بعد مارچ ۱۹۷۲ء میں وفات پاگئے انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ انکے درجات بلند کرے اور انہیں اپنی رحمتوں بھری جنت نصیب کرے۔ آمین ؛

ایک بزرگ لوکل معلّم پاسوری باہ کا ذکرِ خیر

جنہوں نے واقعی اُلٹی گنگا بہا دی

مکرم پاسوری باہ PA SURI BAH مرحوم لوکل معلّم دا امام سیرالیون کے ابتدائی احمدیوں میں سے تھے حضرت مولانا نذیر احمد علی مرحوم کے ذریعہ مٹنی علاقہ کے قصبہ متوتوکا MATOTOKA میں انہوں نے ۱۹۴۰ء میں احمدیت قبول کی تھی آپ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے مگر اپنی خداداد فراست اور قوتِ ایمان کے ذریعہ بڑے بڑے عالموں سے کامیاب مناظرے کر لیتے تھے۔ آپ نے ایثار و قربانی اور اخلاص کا نہایت اچھا نمونہ پیش کیا۔ اور آپ کا تبلیغی جوش اور ولولہ قابلِ رشک تھا۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد آپ نے اپنی زندگی احمدیت کی تبلیغ کے لئے وقف کر دی اور آخر عمر تک نہایت قلیل گزارے پر بڑی محنت اور جانفشانی سے تبلیغِ اسلام کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ سیرالیون کی اکثر علاقائی زبانوں کے ماہر تھے اس لئے انہوں نے ملک کے تقریبًا ہر علاقہ میں کامیابی سے کام کیا۔

پاسوری باہ مرحوم سیرالیون میں تقریبًا بیس سال میرے رفیق کار رہے احمدیہ مشن سیرالیون کے ابتدائی زمانہ میں آپ نے حضرت مولانا علی مرحومؓ اور خاکسار کے ساتھ ملک کے اندرونی علاقے میں بڑے لمبے لمبے سفر پیدل طے کئے۔ اور جنگلات میں ہماری رہنمائی کی۔ نیز ترجمانی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے گو عمر میں وہ ہم دونوں سے بڑے تھے لیکن جفاکشی میں جوانوں سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ بعض دفعہ جنگلوں کے راستہ میں دلدلیں اور پانی آنے پر بوقتِ ضرورت وہ بآسانی ہمیں کمر پر اُٹھا کر پار کرا دیا کرتے اور پیدل چلنے میں ہمیشہ ہم سے سبقت لے جایا کرتے۔ اطاعت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ جس کام کے لئے اور جہاں بھی جانے کے لئے انہیں کہا جاتا دن ہو یا

رات، بلا تأمل اور بلا حیل وحجت مجوزہ پروگرام پر عمل کرتے۔ غرض سیرالیون میں کام کرنے والے مبلغین کرام سے ان کا بڑا محبت کا اور برادرانہ سلوک تھا۔ طبیعت میں مزاح بھی تھا۔ بعض دفعہ اکھڑی اکھڑی طبیعت کو بڑے اچھے اور دلچسپ مذاق سے خوش کر دیا کرتے تھے۔

ایک شدید مخالف اور متعصب چیف انکے ذریعہ ہدایت پاگئے

تبلیغی لحاظ سے پاسوری با مرحوم کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ بلکہ کارنامہ وہ ہے جسے سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی مرتبہ اپنے خطبات اور تقاریر میں بیان فرمایا کہ سیرالیون کے ایک نہایت متعصب اور مخالف چیف مسمّٰی قاسم کمانڈا ان کے ذریعہ احمدی ہو گئے۔ یہ چیف باوجود مسلمان کہلانے کے مشرکانہ رسوم اور تعویذ ٹونے وغیرہ پر بہت اعتقاد رکھتے تھے۔ ان کو جب بھی تبلیغ کی جاتی وہ ہماری باتیں نہایت بے پرواہی سے ردّ کر دیا کرتے بلکہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی ترنگ میں آکر یہ تک کہہ دیا تھا کہ

"الحاجی صدیق! جس طرح میرے گاؤں کے آگے بہنے والا دریا اُلٹا نہیں بہہ سکتا۔ اسی طرح مَیں بھی احمدی نہیں ہو سکتا۔ مَیں اپنا پُرانا مذہب و طریقہ نہیں چھوڑ سکتا۔"

آخر کار ۱۹۵۶ء میں خاکسار نے کچھ عرصہ کے لئے پاسوری با مرحوم کو اس چیف کے گاؤں اور ارد گرد کے علاقہ کے لئے بطور معلّم و مبلّغ مقرر کر دیا۔ اور انہیں ہدایت کی کہ وہ وہاں کچھ عرصہ مستقل طور پر رہ کر تمام علاقہ میں تبلیغ کریں اور خصوصاً چیف قاسم کمانڈا کو سمجھائیں اور ان پر احمدیت کی حقانیت واضح کرنے کی پوری کوشش کریں۔ چنانچہ پاسوری با مرحوم کے نیک نمونہ اور تبلیغ کا چیف قاسم پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے پاسوری با کو اپنے مکان میں رہائش کے لئے جگہ دے دی جس کے بعد انہوں نے اور اُن کے خاندان کے لوگوں نے پاسوری با کے پیچھے نمازیں ادا کرنی شروع کر دیں اور پھر آخر ایک روز چیف صاحب نے اعلان کر دیا کہ وہ احمدی ہیں اور اپنے

سب سابقہ مشرکانہ تعویذ گنڈے اور ٹونے وغیرہ گاؤں کے باہر سرِعام جلا دیئے۔
نیز مجھے "بو" میں انہوں نے خط لکھکر اپنے پاس بلاتے ہوئے لکھا کہ

"آئیں اور دیکھیں ہمارے گاؤں کا وہی دریا سچ مچ الٹی سمت کو بہنے لگ گیا ہے یعنی آپ کے بھیجے ہوئے افریقن مبلغ نے مجھے احمدیّت کی سچائی کا قائل کرلیا ہے اب آپ آئیں اور میری بیعت لے لیں۔ بلکہ میرے گاؤں میں اب ایک علیحدہ اور نئی احمدیہ مسجد کی بنیاد بھی رکھ جائیں۔"

چنانچہ جب مَیں "بو" سے وہاں گیا تو واقعی انہیں بالکل بدلا ہوا اور احمدیّت کا گرویدہ وشیدائی پایا۔ اور پھر ان کی اور ان کے خاندان کے لوگوں کی بیعت لے کر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی منظوری کے لئے حضور کی خدمت میں ارسال کرتے ہوئے اس سارے واقعہ سے خاکسار نے حضور کو اطلاع دی۔ چنانچہ حضورؓ انکی بیعت پر بہت خوش ہوئے اور اپنے دستخطوں سے انہیں قبولیت بیعت کی بشارت بذریعہ ڈاک ارسال فرمائی جس کے بعد حضور نے کئی مرتبہ یہ واقعہ اپنی مجالس اور تقاریر میں اس امر کے ثبوت میں بیان فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کی مشیّت کسی کو ہدایت دینے کی ہو تو متعصب سے متعصب انسان بھی ہدایت پاجاتا ہے۔

پس اس علاقہ میں احمدیت کے قیام و استحکام اور چیف قاسم کمانڈا آف وانڈو چیفڈم کی ہدایت اور احمدیت میں شمولیّت کا سہرا ہمیشہ پاسوری ماہ مرحوم کے سر رہے گا۔ اس کے بعد وہ سالہا سال تک چیف قاسم کے گاؤں اور ریاست وانڈو کے سارے علاقہ میں بطور لوکل مبلغ متعیّن رہے اور بڑی کامیابی سے تبلیغ وتربیت کا کام کرتے رہے۔ چیف قاسم کمانڈا صاحب کو بھی وہ ایسے پسند آئے کہ انہوں نے اپنی ایک پندرہ بیس سالہ کنواری لڑکی کا نکاح بھی پاسوری باہ مرحوم سے کردیا جس سے انہیں اولاد بھی عطا ہوئی حالانکہ پاسوری باہ کی عمر اس وقت اسّی سال کے لگ بھگ تھی اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے غریق رحمت کرے اور جنّت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

(محمد صدیق امرتسری)

(الفضل ۱۲ر دسمبر ۱۹۶۲ء)

سیرالیون میں اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ

یہ سرزمینِ سیرالیون بھی عجب زمین ہے
عزیز جانے کیوں مجھے یہاں کا ہر مکین ہے

ہے پیار کردگار سے یہاں کے مشرکوں کو بھی
گزرتی گو ہے کفر و شرک میں ہی اُن کی زندگی

نبیؐ کے دین کو مگر وہ اپنا ہی سمجھتے ہیں
مسیحیت کو ایک دینِ اجنبی سمجھتے ہیں

یہ کالی کالی صورتیں یہ بھولی بھالی مورتیں
خدائے دو جہاں! تری مدد سے احمدی بنیں

پلا شرابِ چشمۂ حیات اب انہیں بھی تُو
نکال ظلمتوں سے دے نجات اب انہیں بھی تُو

ہم اپنی کوششوں میں کامیاب و کامگار ہوں
چمن یہ سب مسیحؑ قادیاں کے برگ و بار ہوں

ہمیں بھی اپنے فضل سے تُو کر عطا وہ قوتیں
کہ جن سے ہم عدُو کا سارا تانا بانا توڑ دیں

الٰہی اَلمدد! یہاں صلیبیوں کا زور ہے
انہیں کے گرجوں اور حیلہ سازیوں کا شور ہے

اگر یہاں ہیں دشمنانِ حق قوی تو کیا ہوا
صلیب بھی گلوں میں ہے لٹک رہی تو کیا ہوا

کہ میں بھی ابنِ کاسرِ صلیب کا غلام ہوں
مثیلِ مہدئ زماں کی تیغِ بے نیام ہوں

کہاں اُنہیں یہ تاب دیں جواب میرے وار کا
مقابلہ کریں گے کیا وہ تیغِ آبدار کا

محمد صدیق امرتسری مگبورکا سیرالیون
الفضل ۱۰ ستمبر ۱۹۴۳ء

گورنر جنرل نائیجیریا کی طرف سے

احمدیہ جماعت کی خدمات کا اعتراف

خاکسار ابھی لائبیریا کے دارالحکومت منرو دیا (MONROVIA) میں ہی تھا کہ جولائی ۱۹۵۹ء میں نائیجیریا (NIGERIA) کے انگریز گورنر جنرل سر رابرٹسن (SIR ROBERTSON) خیرسگالی دورے پر لائبیریا آئے۔ تو خاکسار نے ان کے ایڈیکانگ سے مل کر ان سے تبلیغی ملاقات کے لئے وقت لے لیا۔ اور مقررہ وقت پر جماعت کے چند لوکل احباب کے ساتھ سٹیٹ گیسٹ ہاؤس منرو ویا میں گورنر جنرل صاحب مذکور کو جماعت کی طرف سے شائع شدہ انگریزی تفسیر القرآن اور دیگر اسلامی لٹریچر پیش کیا جس کے ساتھ دو صفحات پر مشتمل ایک خیر مقدم ایڈریس بھی جماعت کی طرف سے پیش کیا گیا۔ جس میں احمدیت کی مختصر تاریخ اور اس کی غرض و غایت اور مسیح علیہ السلام کی آمدِ ثانی کا ذکر کرکے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ گورنر جنرل صاحب نے جواب میں مسرت اور شکریہ کا اظہار کرتے ہوئے ہماری طرف سے پیش کردہ امور پر غور کرنے کا وعدہ فرمایا۔

تحریری شکریہ اور احمدیہ سکولوں کا ذکر

اور واپس نائیجیریا پہنچکر باقاعدہ تحریری طور پر بھی ہمارا شکریہ ادا کیا نیز جماعت احمدیہ نائیجیریا کی خدماتِ جلیلہ کو سراہتے ہوئے انکے سیکرٹری صاحب نے مجھے لکھا:۔

"His Excellency fully appreciates the value of the work done by the Ahmadiyya movement in Nigeria. Many thousands of children benifit from the Teaching offered in Ahmadiyya

schools in Lagos; and in the last thirty years a great number of schools have been openned by the Movement throughout Nigeria.

His Excellency has also asked me to say that he gets copies of the News-paper The Truth regularly, and he is sure that this is a publication worthy of its name." (Letter dated 6th July, 1959)

"یعنی ہز ایکسی لینسی سر رابرٹسن نائیجیریا میں جماعت احمدیہ کی خدمات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ صرف لیگوس کے احمدیہ سکولوں میں دی جانے والی تعلیم سے شہر کے ہزاروں بچے فائدہ اُٹھا رہے ہیں جبکہ گزشتہ تیس سال کے عرصہ میں نائیجیریا کے طول و عرض میں جماعت احمدیہ نائیجیرین برانچ بچوں کے لئے اچھی خاصی تعداد میں احمدیہ سکول کھول چکی ہے۔ اس کے علاوہ ہز ایکسی لینسی نے مجھے یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ مَیں آپ کو اطلاع دوں کہ وہ لیگوس میں شائع ہونے والے اخبار "ٹرتھ" کی کاپیاں باقاعدہ حاصل کرتے ہیں اور وہ یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ اخبار واقعی اپنے نام "سچائی" کا اہل ہے۔"

سابق صدر گھانا کوامی نکروما کو تبلیغ
اور قرآن کریم کی پیشکش

مغربی افریقہ کے ملک گھانا (GHANA) کی ملکی آزادی کے بعد اس کے پہلے وزیر اعظم آنریبل ڈاکٹر کوامی نکروما جمہوریت لائبیریا (LIBERIA) کے صدر کی دعوت پر ۱۲ جولائی ۱۹۵۹ء کو چند یوم کے لئے لائبیریا آئے جس کی وجہ سے دارالحکومت منرویا (MONROVIA) میں خوب گہما گہمی رہی۔

خاکسار نے بطور مبلغ انچارج احمدیہ مشن لائبیریا وزیر اعظم گھانا سے ملاقات کے لئے وقت لے کر انہیں اسلام اور احمدیت کا پیغام پہنچایا۔ اور قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ اور اسلام اور احمدیہ جماعت پر انگریزی میں مطبوعہ دس مختلف کتب تحفۃً پیش کیں۔ نیز دنیا بھر میں پھیلے ہوئے احمدیہ مشنوں سے انہیں متعارف کرانے کے بعد احمدیہ مشن گھانا کی تاریخ اور ملکی تعلیمی اور مذہبی خدمات سے مختصر طور پر آگاہ کیا۔

جواب میں وزیر اعظم نکروما نے ہمارے تبلیغی وفد کا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ وہ احمدیہ مشن گھانا اور اس کی خدمات سے پہلے ہی اچھی طرح آگاہ ہیں اور بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں نیز فرمایا کہ حکومت گھانا احمدیہ مشن گھانا سے ہر طرح تعاون کرنا انصاف کا تقاضا اور اپنا فرض سمجھتی ہے۔ اور تعلیمی اور تبلیغی میدان میں احمدیہ مشن کے کارکنوں کو سہولتیں پہنچانا اس کی ذمہ داری ہے آخر میں پھر شکریہ ادا کرتے ہوئے کہنے لگے۔ اسلام کی مقدس کتاب قرآن کریم کا تحفہ ان کے لئے باعثِ فخر ہے اور وہ ضرور وقتاً فوقتاً اس کا مطالعہ کرکے اس سے رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔

(الفضل ۱۸ اگست ۱۹۵۹ء)

جمہوریت گنی کے صدر شیخو ٹورے اور بیس افریقن ممالک کے

نمائندگان کو تبلیغ احمدیت

اگست ۱۹۵۹ء میں جمہوریت لائبیریا (LIBERIA) کے صدر ولیم ٹب مین نے جنوبی افریقہ میں افریقنوں پر مظالم کے سلسلہ میں افریقہ کے تمام آزاد ممالک کی کانفرنس بلائی جس میں تقریباً بیس ممالک کے نمائندے شریک ہوئے ان میں مصر لیبیا، مراکش، ٹیونس، الجزائر، حبشہ، گھانا، نائیجیریا اور فرنچ گنی کے ممالک خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جمہوریت فرنچ گنی کے مسلمان صدر جناب شیخو ٹورے کو کانفرنس کی صدارت کے لئے خاص دعوت دی گئی تھی، چنانچہ ان کی صدارت میں تین روز یہ کانفرنس ہوتی رہی۔

اس موقعہ پر جماعت احمدیہ لائبیریا کی طرف سے صدر جمہوریہ گنی جناب شیخو ٹورے کا خاص طور پر خیر مقدم کیا گیا۔ اور انہیں حضرت امام مہدی علیہ السلام کی آمد کی بشارت دینے اور احمدیت کی تعلیم سے متعارف کرانے کے علاوہ قرآنِ کریم انگریزی تحفۃً پیش کیا گیا۔ جواباً انہوں نے ہمارا شکریہ ادا کرنے کے بعد فرمایا کہ ان کی خواہش ہے کہ دیگر افریقن ممالک کی طرح جمہوریت گنی میں بھی احمدیہ تبلیغی مراکز اور عربی اور دینیات کے سکول کھولے جائیں۔

صدر جمہوریہ گنی کے علاوہ دیگر ممالک کے نمائندگان سے بھی جماعت احمدیہ لائبیریا کے وفد نے خاکسار کی قیادت میں ملاقات کر کے انہیں عربی انگریزی اور فرنچ زبان میں جماعت احمدیہ کی طرف سے شائع شدہ اسلامی لٹریچر پیش کیا اور زبانی بھی احمدیت کی تاریخ اور اغراض ومقاصد سے متعارف کرایا گیا اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کی قائم کردہ الٰہی جماعت میں شمولیت کی دعوت انہیں دی گئی۔ عرب ممالک سے آنے والے مسلم نمائندگان کے لئے عربی زبان میں ایک مناسب حال تبلیغی پمفلٹ تیار کر کے جماعت کے عربی لٹریچر کے ساتھ انہیں پیش کیا گیا۔ بعض کو حضرت امام مہدی علیہ السلام

کی عربی تصانیف دی گئیں۔ مصری اور الجزائر کے نمائندگان سے مذہبی گفتگو بھی ہوئی اور احمدیت کے متعلق ان کی کئی ایک غلط فہمیاں دور کی گئیں۔ بعض نمائندے ہماری دعوت پر منرو ویا (MONROVIA) میں ہمارا تبلیغی مرکز اور احمدیہ لائبریری اور احمدیہ بک شاپ دیکھنے بھی آئے اور اچھا اثر لے کر گئے۔ اور بعض نے واپس اپنے وطن پہنچکر بھی احمدیہ مشن لائبیریا سے خط و کتابت جاری رکھی اور جماعت کا لٹریچر ہم سے منگواتے رہے۔

آگ کے حادثہ سے معجزانہ حفاظت

دسمبر ۱۹۵۹ء میں منرو ویا (لائبیریا) میں قیام کے دوران میرے اہل و عیال بھی میرے ساتھ تھے۔ احمدیہ دارالتبلیغ اس وقت منرو ویا کے رہائشی علاقہ میں لکڑی کی ایک وسیع دو منزلہ عمارت کے اوپر کے حصہ میں تھا۔ وہاں پر ایک رات میرے بچے میرے علم کے بغیر اپنے کمرے میں اپنی سکول یونیفارم میں رات گئے تک استری کرتے رہے۔ چھوٹا لڑکا اپنے کپڑے استری کر کے سو گیا مگر بڑا لڑکا بعمر ۱۴ سال الیکٹرک آئرن کا سوئچ آن کر کے قریب ہی فرش پر ایسا لیٹا کہ آنکھ لگ گئی اور شائد اس کے پاؤں کی ٹھوکر سے الیکٹرک آئرن بھی فرش پر گر گئی۔ جس سے پہلے فرش پر بچھی ہوئی دری کا متعلقہ حصہ جلا پھر لائینو اور پھر فرش کا موٹا تختہ جلتا رہا۔ حتیٰ کہ آگ نیچے کے شہتیر تک پہنچ گئی۔

مسیح موعود کی جماعت کے طفیل بچاؤ

اس کمرے کے نیچے آتشبازی کی خاصی بڑی دکان تھی جس کا سامان سخت آتشگیر تھا۔ لائبیریا میں قومی تہواروں اور بیاہ شادی کے مواقع پر آتشبازی کا بہت رواج ہے۔ اور یہ آتشگیر سامان امریکہ سے منگوایا جاتا ہے۔ تاہم اللہ تعالےٰ نے ایسا خاص فضل و رحم فرمایا کہ آگ سلگتی تو رہی۔

مگر نہ روشن ہوئی اور نہ اِدھر اُدھر پھیلی۔ ظاہر ہے کہ اس دکان کو آگ لگنے کی صورت میں ساری عمارت کے جلنے کے علاوہ اس کے نیچے اور اُوپر مقیم بیس پچیس افراد کا بچنا بھی مشکل تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کمال رحم و کرم سے یوں اپنی معجزنمائی اور قدرت کا جلوہ دکھایا کہ ایک طرف آگ کو چھت کے نچلے حصّے تک جانے سے اس نے روکے رکھا اور دوسری طرف کوئی ۲½ بجے یعنی آگ شروع ہونے سے اڑھائی گھنٹے بعد ایک دوسرے کمرے میں اپنے اِس عاصی اور خطا کار بندے کو اچانک جگا کر یہ احساس دلایا کہ کہیں کوئی کپڑا یا چیز جل رہی ہے خاکسار جلدی سے اُٹھکر پہلے اپنی بیوی کے کمرے میں گیا انہیں چھوٹے بچوں کے ساتھ محوِ خواب پاکر بڑے بچوں کے کمروں کی طرف گیا۔ دروازہ کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ الیکٹرک آئرن کی تار سوئچ میں لگی ہوئی ہے کمرے کا بلب جل رہا ہے۔ الیکٹرک آئرن کے چاروں طرف آگ کی سرخی نظر آرہی ہے۔ اور کچھ دھواں بھی نکل رہا ہے۔ اور میرا بڑا لڑکا پاس ہی گہری نیند سو رہا ہے۔ مَیں نے فوراً پہلے سوئچ کو آف کیا۔ پھر جب چھت کے اندر دھنسی ہوئی الیکٹرک آئرن کو سیدھا کیا تو کیا دیکھا کہ اس کا نچلا حصہ سُرخ ہے اور جہاں پر وہ گری ہوئی تھی وہاں اسی سائز کا ڈیڑھ انچ گہرا گڑھا سا پڑ گیا ہے جس میں ہر طرف آگ سلگ رہی ہے۔ میں نے اسی وقت نہایت آہستگی اور احتیاط سے وہ آگ ختم کی اور اللہ تعالےٰ کے فضل سے کوئی چنگاری نیچے کھیلوں کے بارود بھرے سامان تک پہنچنے نہ پائی۔

اللہ تعالیٰ کا شکر

اس کے بعد بچوّں اور بیوی کو جگا کر سارا ماجرا سُنایا اور بتایا کہ اگر اللہ تعالےٰ کا خاص غیبی ہاتھ نہ ہوتا تو کیا سے کیا ہو جانیوالا تھا۔ پھر ہم دونوں میاں بیوی نے بصد عجز اللہ تعالےٰ کے حضور سربسجود ہو کر اس کا ہزار ہزار شکر ادا کیا کہ اس نے سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ کے طفیل اور جماعتی وقار و حفاظت کی خاطر ہم عاجز و عاصی بندوں کی جاں بخشی اور پردہ پوشی فرمائی اور جماعت کو اتنے بڑے نقصان سے اور شماتتِ اعداء سے محفوظ رکھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اگلے روز ہم نے ایک احمدی کارپنٹر کے ذریعہ بڑی احتیاط سے چھت کا وہ حصّہ اچھی طرح مرمّت کروا لیا۔

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو تبلیغ اسلام اور قرآن کریم کی پیشکش

اقوامِ متحدہ کی ایک واضح خامی کی نشاندہی

دسمبر ۱۹۵۹ء میں اقوام متحدہ کے نامور سیکرٹری جنرل ڈیگ ہیمر شولڈ افریقن ممالک کا سرکاری دورہ کرتے ہوئے سب سے پہلے لائبیریا کے دارالحکومت منروویا (MONROVIA) تشریف لائے اور تین دن قیام کر کے لائبیریا کے سیاسی ثقافتی اور عام ملکی حالات کا مطالعہ کرتے رہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خاکسار نے ۲۳ دسمبر ۱۹۵۹ء کو بحیثیت مبلغ انچارج احمدیہ مسلم مشن لائبیریا ان سے ملاقات کر کے ان کی خدمت میں قرآن کریم انگریزی کی ایک کاپی نیز "ٹیچنگ آف اسلام"۔ "احمدیت"، "لائف آف محمدؐ" اور "ہمارے بیرونی مشن" وغیرہ کتب دستی طور پر انہیں پیش کیں۔ ساتھ ہی ایک ٹائپ شدہ خیر مقدم ایڈریس بھی انہیں دیا۔ جس کے بعض حصے انہوں نے اسی وقت پڑھکر ہمارا شکریہ ادا کیا۔

قرآن کریم کی بیان کردہ مجلس اقوامِ متحدہ

سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی تفسیر صغیر میں سورۃ حجرات کی آیت نمبر ۱۰ کے ضمن میں مندرجہ ذیل نوٹ لکھا ہے:۔

"اقوامِ متحدہ جب تک قرآن کریم کی سورۂ حجرات میں بیان کردہ شرائط پر پوری طرح عمل نہ کرے گی کامیاب نہ ہوگی۔ افسوس لیگ آف نیشنز نے ان پر عمل نہ کیا اور ناکام رہی۔"

جب سیکرٹری جنرل صاحب کے دورۂ لائبیریا کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تو سب سے پہلے میرے ذہن میں یہی بات آئی کہ اس موقع پر سیکرٹری جنرل صاحب کو قرآنِ کریم کی ان آیات کی طرف متوجہ کر کے یہ احساس دلایا جائے کہ اقوامِ متحدہ کی کامیابی تبھی ممکن ہے۔ کہ ان آیات میں مذکورہ شرائط پر پوری

طرح عمل کیا جائے۔ چنانچہ ان کے نام خیر مقدم ایڈریس میں پہلے لائبیریا تشریف لانے پر انہیں جماعت کی طرف سے مبارکباد اور خوش آمدید کہا گیا۔ اس کے بعد قرآن کریم کی اہم خوبیاں اور خصوصیات بیان کیں اور انہیں بتایا گیا کہ اس عظیم کتاب کو ماننا اور اس پر عمل کرنا کیوں ضروری ہے۔ پھر اسلام اور احمدیت سے انہیں متعارف کرایا گیا۔ اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کی مختصر تاریخ اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی اور تعلیم حضور کے اپنے الفاظ میں ان کے سامنے پیش کی گئی۔ آخر میں سورۃ حجرات میں بیان کردہ اقوام متحدہ کی ماہیت اور حقیقت سے انہیں مندرجہ ذیل الفاظ میں آگاہ کیا گیا:۔

"اس میمورنڈم کو ختم کرنے سے پہلے خاکسار آپ کی توجہ قرآن کریم کی سورۃ حجرات کی دسویں آیت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے۔ کیونکہ بطور سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ آپ کے فرائض منصبی اور ذمہ داریاں ایسی نوعیت کی ہیں کہ اس آیت کا مضمون آپ کے لئے نہ صرف گہری دلچسپی کا موجب ہوگا بلکہ اقوام متحدہ کو پیش آنے والے بہت سے مسائل حل کرنے کے لئے یہ اقوام متحدہ کے جملہ اداروں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں میں صلح کرا دو پھر اگر صلح ہو جانے کے بعد ان میں سے ایک دوسرے پر چڑھائی کرے تو سب مل کر اس چڑھائی کرنے والے کے خلاف جنگ کرو۔ یہانتک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے تو عدل کے ساتھ ان دونوں لڑنے والوں میں صلح کرادو۔ اور انصاف کو ہمیشہ مدِّنظر رکھو اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

"آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ اس آیت کریمہ میں کس خوبی سے اقوام عالم کو (صرف مومنوں کو نہیں کیونکہ اصولی تعلیم ہمیشہ عمومی حکم رکھتی ہے) دنیا میں امن و صلح قائم رکھنے اور لڑائی سے ایک دوسرے کو باز

رکھنے کا سُنہری اصول بتایا گیا ہے کہ کس طریق اور کن ذرائع سے بغیر کسی عالمگیر خطرے یا مشکل کے، دنیا میں مستقل طور پر امن اور جملہ ممالک میں باہمی خوشگوار تعلقات اور خوشحالی قائم رکھی جاسکتی ہے۔ گویا آج سے تقریبًا چودہ سو سال پہلے سے اللہ تعالےٰ نے اپنے مرسل و ہادیٔ اعظم سیّدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمام نسلِ انسانی کو بوقتِ ضرورت ایک ایسا مضبوط بین الاقوامی نظام اور عالمی لیگ قائم کرنے کی ہدایت فرمائی ہے جو دنیا کی ہر چھوٹی بڑی قوم پر مکمل کنٹرول رکھنے کی صلاحیت و طاقت اپنے اندر رکھتی ہو۔ اور جس کی بنیاد محکم اور ممتاز طور پر عدل وانصاف نیک نیتی ایمانداری بے غرضی اور برابری کے اصولوں پر اس طرح قائم ہو کہ اس میں کسی قوم سے خوف و خطرہ یا کسی کی طرفداری اور امتیازی سلوک وغیرہ کا دخل نہ ہو۔"

"اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ باوجود کئی قسم کی مشکلات کے اقوامِ متحدہ نے کئی لحاظ سے دنیا میں امن و ترقی اور انسانی بہبودی کے لئے ایسے اہم کام کئے ہیں جن کا عُشرِ عشیر بھی سابقہ لیگ آف نیشنز نہ کرسکی تھی۔ اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اقوامِ متحدہ دنیا کے پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ ممالک کے حق میں بہت مفید ثابت ہوئی ہے مگر بایں ہمہ یہ امر بھی کم افسوسناک نہیں کہ سابقہ لیگ آف نیشنز کی طرح اقوامِ متحدہ کی مشینری اور نظام بھی ابھی تک کئی لحاظ سے ناقص اور کمزور ثابت ہو رہا ہے۔ اور وہ ایسے مثالی منصفانہ اور غیر جانبدارانہ طریقِ کار کو عمل میں نہیں لا رہی جو اس قسم کی بین الاقوامی تنظیم کا طرۂ امتیاز ہونا چاہیئے۔ پس اقوامِ متحدہ کی اس ناکامی کی سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ وہ قرآنِ کریم کی مندرجہ بالا مذکورہ آیت کی شرائط و ہدایات پر عمل پیرا ہونا ضروری خیال نہیں کرتی۔"

مثال کے طور پر فلسطین کی تقسیم اور وہاں سے نکلے ہوئے غریب پناہ گزینوں کا مسئلہ کوریا، الجیریا اور کشمیر کے معاملات اور جنوبی افریقہ کے سفید فام لوگوں کا افریقنو ل سے ناقابلِ برداشت طور پر ظالمانہ سلوک۔ یہ سب ایسے متنازع فیہ اور آزمائشی مسائل ہیں۔ جن کے بارے میں اقوام متحدہ اپنی ذمہ داری کما حقہٗ ادا کرنے سے عمداً اگریز کر رہی ہے۔ اور ان متنازعات میں عدل و انصاف اور حق پسندی کو عمل میں لانے میں بُری طرح ناکام رہی ہے۔

پس قرآن کریم کی ہدایات کی روشنی میں اقوام متحدہ جیسے بین الاقوامی نظام یا لیگ کے مستحکم قیام اور صحیح اور مفید طور پر کام کرنے کے لئے اس کے قبضے میں ایک اعلیٰ ترین بین الاقوامی مسلح فوجی طاقت کا ہونا نہایت ضروری ہے، جس کے بغیر اس قسم کے ادارے کی عملاً کوئی وقعت نہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت صریح طور پر اس کی ضرورت و اہمیّت کی طرف متوجہ کرتی ہے اور چونکہ موجودہ اقوام متحدہ کے پاس فی الحال کوئی ایسی اعلیٰ درجہ کی فوجی طاقت نہیں ہے جو کہ بوقت ضرورت دنیا کے بڑے بڑے ممالک کو باسانی راہِ راست پر لا سکے اس لئے اُسے اپنے بعض فیصلوں کے نفاذ میں مشکلات پیش آتی ہیں اور نہ ہی وہ موجودہ صورت میں کسی بے جا زیادتی کرنے والی طاقتور حکومت کے خلاف کوئی غیر جانبدارانہ فیصلہ کرنے اور اس پر عمل کرانے کی صلاحیّت رکھتی ہے اور نہ بوقتِ ضرورت وہ کسی ایسے ملک کے خلاف کوئی کارآمد ملٹری ایکشن لے سکتی ہے۔

پس ان حالات میں آنجناب جیسی ذمہ دار اور معتبر شخصیّت سے امید کی جاتی ہے کہ آپ ضرور ان امور اور قرآن کریم کی پیش کردہ اصولوں پر سنجیدگی سے غور فرما کر آنے والے خطرات اور ناکامیوں کے پیش نظر اقوامِ متحدہ کو ان سے محفوظ رکھنے کے لئے بروقت مناسب تدابیر اختیار کر کے دانشمندی کا ثبوت دیں گے تاکہ اقوامِ متحدہ کا انجام بھی ویسا ہی بُرا نہ ہو جیسا کہ لیگ آف نیشنز کا ہوا تھا۔ ہماری دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت مندی سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور بنی نوع انسان کی بہتری اور امنِ عالم کیلئے

آپ کی مساعی کے اچھے نتائج پیدا فرمائے۔

آپ کا خادم محمد صدّیق امرتسری امیر جماعت احمدیہ لائبیریا

سیکرٹری جنرل کی طرف سے جواب

اقوام متحدہ ایگزیکٹو آفس آف سیکرٹری جنرل
۱۶ر فروری ۱۹۶۰ء

محترم الحاج صدیق صاحب!

مجھے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کی طرف سے ہدایت کی گئی ہے کہ میں آپ کے میمونڈم مورخہ ۲۳ر دسمبر ۱۹۶۰ء کا شکریہ ادا کروں نیز آپ کی اس مہربانی پر بھی ان کی طرف سے شکریہ ادا کروں جو آپ نے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کا ایک نسخہ اور دیگر مفید اسلامی لٹریچر ارسال کر کے سیکرٹری جنرل پر کی۔ سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ کے متعلق قرآن کریم کے پیش کردہ اصولوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور آپ کے مشن اور جماعت کے لئے نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہیں۔

آپ کا خیر اندیش

(WACHMEISTER) پرسنل سیکرٹری

(الفضل ۲۴ر اپریل ۱۹۶۰ء)

بچپن کے ایک دوست کے استفسار پر

باتیں جو ہو چکی ہیں پرانی نہ پوچھئے
ماضی کی دردناک کہانی نہ پوچھئے

مت چھیڑیئے حسین فسانے وہ پیار کے
بیتا ہے کیسے عہدِ جوانی نہ پوچھئے

کس کس نے میرا درد بٹایا بصد خلوص
کس کس نے میری ایک نہ مانی نہ پوچھئے

کن ابتلاؤں نے دیئے کیا کیا سبق مجھے
کس کس نے بے وفائی کی ٹھانی نہ پوچھئے

گھُن کی طرح جو غم ہیں مرے دل کو کھا رہے
تفصیل ان کی میری زبانی نہ پوچھئے

کس دکھ میں مبتلا ہوں کیوں مضطرب ہے دل
بہتا ہے کیوں ان آنکھوں سے پانی نہ پوچھئے

زندہ ہوں محض اپنے خدا کے کرم سے میں
ورنہ مرا یہ دردِ نہانی نہ پوچھئے

حق سے دعا کریں مری بخشش کے واسطے
پارینہ قصے اب مرے جانی نہ پوچھئے

محمد صدیق امرتسری ۲۹/۶/۸۰

ایک اور عبرتناک واقعہ

الہام اِنِّی مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ کی سچائی کا عملی ثبوت

اللہ تعالیٰ کی قدیم سے یہ سنت چلی آتی ہے کہ جو لوگ اس کے ماموروں اور پیاروں کی مخالفت کرتے اور ان کی تذلیل و تحقیر کے مرتکب ہوتے ہیں ان پر نہ صرف عالمِ آخرت میں عتاب نازل ہوتا ہے بلکہ اس دنیا میں بھی وہ اِنِّی مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ کے وعید کے نیچے آکر اکثر عبرتناک سزا پاتے ہیں۔ بنونہ کے طور پر یہاں سنگاپور کے ایک مخلص احمدی بھائی برادرم مکرم محمد علی صاحب کا تحریر کردہ مندرجہ ذیل واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

۱۹۳۸ء کا ذکر ہے جب میں حضرت مولانا غلام حسین صاحب مرحوم کے زیرِ تبلیغ تھا چنانچہ وہ جہاں کہیں جاتے میں اکثر ان کے ہمراہ ہوتا اور میری خواہش ہوتی کہ مولانا صاحب کسی سے بحث مباحثہ کریں۔ تاکہ میری معلومات میں اضافہ ہو اور میں اسلام اور احمدیت کی حقیقت کو پا جاؤں۔ اس زمانے میں گیلانگ سرائے (سنگاپور) میں سرِ بازار غالباً ضلع ہزارہ کے ایک شخص کا چھوٹا سا ہوٹل تھا جہاں ہمیں اپنے ملک ہندوستان کی طرز کا کھانا مل جاتا تھا۔ اس کا نام تو مجھے یاد نہیں رہا۔ البتہ چونکہ وہ ایک آنکھ سے محروم تھا اس لئے اس کا ہوٹل انگریزی زبان میں ONE EYED PATHAN'S HOTEL یعنی ایک آنکھ والے کا ہوٹل مشہور تھا۔ وہ شخص اخلاق سے عاری تھا اور اس کی زبان سے اس کے اپنے لڑکوں کے لئے بھی اکثر گندی گالیاں سننے میں آتی تھیں خاکسار اور مولانا غلام حسین صاحب گاہے گاہے اس کی دکان پر کھانا کھانے جایا کرتے تھے۔ ایک روز میری موجودگی میں مولانا صاحب سے اس نے پوچھا۔ کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ قادیانی ہیں کیا یہ درست ہے مولانا صاحب نے کہا۔ کہ ہم

قادیانی تو نہیں ہیں البتہ خدا کے فضل سے احمدی مسلمان ہیں۔ اتنا کہنا تھا۔ کہ وہ شخص آپے سے باہر ہو گیا۔ اور ہمارے خلاف ہنگامہ برپا کرتے ہوئے کہنے لگا "ابھی ابھی نکل جاؤ میری دکان سے تم لوگ کافر ہو پھر کبھی میری اس دکان میں آکر اسے پلید نہ کرنا ورنہ تمہاری خیر نہ ہو گی" اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذاتِ والا صفات کے خلاف بھی واہی تباہی بکتے ہوئے کہنے لگا کہ وہ نعوذ باللہ کاذب و دجال...... تھے اور ان کی موت نعوذ باللہ ٹٹی میں ہوئی تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ اس روز سے ہم نے اس بدزبان شخص کی دکان پر جانا چھوڑ دیا۔ اس اثناء میں جنگِ عظیم دوئم چھڑ گئی اور دو سال کا عرصہ گزرنے پر مجھے ملازمت کے سلسلہ میں سنگاپور چھوڑ کر ملایا جانا پڑا۔ اس لئے پھر سالہا سال تک مولانا غلام حسین صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اور میرے تعلقات جماعت سے منقطع ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک لمبا عرصہ بعد سنگاپور ہی ۱۹۶۰ء میں محترم مولانا محمد صادق صاحب فاضل سے میری ملاقات ہوئی جو اس وقت سنگاپور احمدیہ مشن کے مبلغ انچارج تھے۔ چنانچہ چند دن ان کے زیرِ تبلیغ رہنے کے بعد میں ان کے ذریعہ بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گیا۔ اس وقت مولانا محمد صادق صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ وہی دکاندار جو اب بوڑھا ہو چکا تھا ان کی بھی شدید مخالفت کر رہا ہے۔ اور اس کی دکان کے سامنے سے گزرنے پر وہ انہیں گالیاں دیتا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کرتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ اس کے بعد ہمارے سامنے ہی اللہ تعالیٰ کی شدید گرفت میں آگیا اور جس قسم کے گندے الفاظ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف استعمال کرتا تھا اور جس قسم کی گندی موت وہ نعوذ باللہ حضورؑ کی طرف منسوب کیا کرتا تھا ایک لمبا عرصہ ذیابیطس کی مہلک بیماری میں مبتلا رہ کر آخر ایک دن اسی گندی موت کا شکار ہو گیا۔ ہوا یوں کہ پہلے اُسے شوگر کی معمولی بیماری ہوئی جو بڑھتی بڑھتی یہاں تک پہنچی کہ اس کی ایک ٹانگ پر پھوڑا نکل آیا جس کی وجہ سے وہ ٹانگ کاٹ دی گئی۔ پھر دوسری ٹانگ میں

کار بنکل پھوڑا نکل آیا۔ اور دہ بھی کاٹنی پڑی اور وہ اتنا محتاج ہو گیا کہ اس کے لواحقین اسے ہاتھوں پر اٹھا کر بول و براز کراتے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ اس کے اپنے لڑکوں نے اس کی بیماری سے تنگ آکر اپنی دکان کے پیچھے ایک کونے میں اسے ڈال دیا۔ جہاں وہ دو چار فٹ رینگ کر اپنے قریب ہی بول و براز کیا کرتا۔ اور آخر کار جب وہ از خود ہلنے جلنے کے قابل نہ رہا تو ایک روز اپنے ہی کئے ہوئے بول و براز کے اُوپر مرا ہوا پایا گیا فاعتبروا یا اُولی الابصار۔

خاکسار محمد علی ریٹائرڈ سینیٹری انسپکٹر برٹش ملٹری ہیڈکوارٹرز
۱۱۲ جالن کمونگ۔ سنگاپور۔

مشہور عیسائی منّاد ڈاکٹر بلّی گراہم کی لائبیریا میں آمد
اور
حضرت مصلح موعودؓ کی دعوتِ عام قبول کرنے سے صریح گریز

جنوری ۱۹۶۰ء کے آخر میں مشہور امریکن پادری ڈاکٹر بلّی گراہم آٹھ امریکن پادریوں کے ہمراہ افریقن ممالک کے دَورہ پر سب سے پہلے مغربی افریقہ کے ملک لائبیریا آئے وہاں انہوں نے اپنے تین روزہ قیام کے دَوران عیسائیت پر تین پبلک لیکچر دیئے۔ لوگوں کو یہ لیکچر سُننے پر آمادہ کرنے کے لئے منرودیا (MONROVIA) دارالحکومت میں بے شمار ہینڈبل تقسیم کئے گئے حتیٰ کہ ہوائی جہازوں کے ذریعہ بھی یہ اشتہار شہر پر پھینکے جاتے رہے۔ لوکل اخبارات میں بھی ایک ہفتہ تک خوب پراپیگنڈہ ہوتا رہا۔ اور یہ سب پراپیگنڈہ امریکن کونسل کی طرف سے کیا جاتا رہا۔

لائبیریا میں ڈاکٹر بلّی گراہم کا وُرود

ہوائی اڈہ پر اور بعد میں شہر میں ڈاکٹر گراہم کا عیسائیوں کی طرف

سے شاندار استقبال کیا گیا جس میں لائبیریا کے پریذیڈنٹ جناب ولیم ٹب مین خود شریک ہوئے اور ڈاکٹر گراہم کے تینوں لیکچروں کے موقع پر صدارت کے فرائض بھی انہوں نے خود انجام دیئے۔ ڈاکٹر گراہم ایک نہایت ہوشیار اور مشاق لیکچرار ہیں۔ اور بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ بقول ان کے اس وقت ان کا ہفتہ داری لیکچر "فیصلہ کا وقت" ایک ہزار ریڈیو سٹیشنوں سے براڈکاسٹ کیا جاتا تھا۔

محض سطحی اور جذباتی باتیں

ڈاکٹر بلی گراہم نے اپنے تینوں لیکچروں میں افریقن پبلک کے وطنی جذبات کو ابھارتے ہوئے انہیں بتایا کہ خدا تعالیٰ کو برِ اعظم افریقہ سے خاص محبّت ہے اور اب اپنی مخلوق میں سے اُسے افریقنوں سے سب سے زیادہ ہمدردی ہے کیونکہ ان پر دنیا میں سب سے زیادہ ظلم ڈھائے گئے ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ افریقہ خدا کا گھر اور وطن بھی ہے اسی وجہ سے افریقنوں کو بھی خدا کے اکلوتے بیٹے سے بہت محبت ہے۔ چنانچہ جب خدا نے یسوع کی شکل میں تجسم اختیار کیا تو سب سے پہلا ملک جو اسے پسند آیا اور جہاں اس نے پناہ لی وہ افریقہ (مصر) ہی تھا اور آپ لوگوں کے باپ دادوں نے ہی خدا کے اکلوتے بیٹے کی مدد کا حق ادا کیا تھا۔ چنانچہ جب لکڑی کی بھاری بھر کم صلیب یسوع مسیح سے اٹھائی نہیں جا رہی تھی تو ایسے نازک وقت میں جس شخص نے آگے بڑھ کر یسوع کی مدد کے لئے اپنی خدمات پیش کیں وہ ایک افریقن ہی تھا۔ جس نے اس سے صلیب لے کر خود اپنے کندھے پر اٹھالی اور اسے کھوپری کی جگہ پر لے گیا۔

بائیبل کے خلاف غلط بیانیاں

اس قسم کے سطحی اور جذباتی امور گو عوام پر اثر انداز تو ہو سکتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ کوئی ٹھوس اور معقول دلائل نہیں خصوصاً جب خود بائیبل سے انکا بطلان ثابت ہے۔ چنانچہ نیا عہد نامہ اس کی تردید کرتا ہے کہ کسی افریقن شخص نے خود اپنے آپ کو یسوع کی صلیب اٹھانے کے لئے پیش کیا تھا۔ وہاں تو صاف لکھا ہے،

کہ جب سپاہی یسوع کو صلیب دینے کے لئے اسے قلعہ سے باہر لے کر آئے تو انہیں
"شمعون نام کا ایک کرینی آدمی ملا۔ اُسے بیگار میں پکڑا کہ اس کی صلیب
اُٹھائے۔"
(متی باب ۲۷۔ آیت ۳۲)

اور یہ بھی تحقیق طلب امر ہے کہ وہ افریقن تھا یا کوئی اور بلکہ یوحنا کی انجیل میں تو یہ تک لکھا ہے۔ کہ

"یسوع اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے اس جگہ تک گیا جو کھوپری کی جگہ" کہلاتی ہے۔"
(یوحنا ۱۹/۱۷)

نیز جب دنیا کے سینکڑوں سکالروں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بائیبل کوئی صحیح اور قابلِ اعتماد کتاب نہیں بلکہ اس کے بیانات تحقیق طلب ہیں تو اس پر اپنے عقائد کی بنیاد رکھکر عوام سے ان کی سچائی منوانا انصاف نہیں کہلا سکتا۔

مسلمان پبلک سے ناانصافی

پھر ڈاکٹر گراہم صاحب اپنے جلسوں کے دوران یہ زیادتی بھی کرتے رہے کہ اپنے لیکچروں میں دوسرے مذاہب کا معترضانہ رنگ میں بار بار ذکر کرنے کے باوجود جوابی طور پر کسی کو کچھ کہنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ ان پبلک لیکچروں کے دوران انہوں نے بار بار کہا کہ دنیا کی تمام مذہبی کتب میں سے صرف بائیبل ہی انسان کی تسلّی بخش رہنمائی کرتی اور نجات کا رستہ دکھاتی ہے۔ قرآن کریم کا خاص طور پر ذکر کرتے ہوئے بار بار کہا کہ اُسے شروع سے آخر تک پڑھ جاؤ اس میں نسلِ انسانی کی نجات اور دنیا کے مستقبل کا کوئی ذکر نہیں اور نہ اس میں کوئی پیشگوئی موجود ہے۔ حالانکہ قرآن کریم سچی پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے مگر وہ یہی رٹ لگاتے رہے کہ صرف بائیبل ہی انسان کی دنیوی اور اُخروی دونوں زندگیوں کا فلسفہ پیش کرتی ہے اور پیشگوئیوں سے بھری پڑی ہے جو ہر زمانہ میں پوری ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان کی آخری تقریر میں خاکسار نے بحیثیت مبلغِ اسلام انہیں توجہ دلائی کہ "قرآن کریم کے متعلق ان کا بیان حقیقت پر مبنی نہیں اس لئے مجھے پبلک میں اس کا جواب دینے کا موقعہ دیا جائے۔" نیز ان سے کہا کہ مَیں جماعت احمدیہ لائبیریا کی طرف سے آپ کو دعوت

دیتا ہوں کہ آپ ہم سے اس بارے میں سرِ عام گفتگو کرلیں۔ بصورتِ دیگر آپ لائبیریا کے مسلمانوں پر بلا وجہ زیادتی کرنے کے مرتکب سمجھے جائیں گے۔" مَیں نے یہ بھی کہا کہ آپ ہم سے اس موضوع پر بھی پبلک مناظرہ کرلیں کہ بائیبل اور قرآن کریم میں سے کس کی تعلیم افضل اور نجات و فلاح کی موجب ہے۔ اور کس کتاب کی پیشگوئیاں سچی نکلی ہیں۔ اور احوالِ آخرت کے متعلق کونسی کتاب معقول اور تسلّی بخش نظریات و شواہد پیش کرتی ہے۔ میری ان سے اس احتجاجی گفتگو کے دوران جمہوریت متحدہ عربیہ (مصر) کے سفیر مقیم لائبیریا استاد انور فرید اور ایک امریکن پریس رپورٹر بھی وہاں موجود تھے وہ بھی میری تائید کرتے ہوئے ان سے کہنے لگے کہ اوّل تو آپ کو اسلام کی مقدس کتاب کا اس رنگ میں ذکر ہی نہیں کرنا چاہیئے تھا اور اگر کیا ہے تو اب احمدی مبلّغ کو اپنے جلسے میں جواب دینے کا موقعہ دیں۔ مگر ڈاکٹر گراہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد مجھے کہنے لگے۔ اب ہمارا جلسہ ختم ہونے والا ہے۔ آپ کل صبح ناشتہ ہمارے ساتھ کریں۔ وہاں پر آپ سے اس مسئلہ پر آرام سے گفتگو کریں گے اور یہ کہکر میرا جواب سُنے بغیر ہی سٹیج چھوڑ کر چلے گئے کہ "پریذیڈنٹ ٹب مَین میرا انتظار کر رہے ہیں"

کھانے کی میز پر گفتگو

تاہم خاکسار اگلے روز ان کی دعوت کے مطابق آٹھ بجے صبح دو لائبیرین احمدیوں کے ساتھ گورنمنٹ گیسٹ ہاؤس پہنچ گیا۔ ناشتہ کی لمبی میز پر ڈاکٹر بلی گراہم کے علاوہ ان کے آٹھ امریکن ساتھی اور چند لوکل افریقن پادری بھی موجود تھے۔ ناشتہ کے بعد مَیں نے قرآن کریم کے موضوع پر ہی گفتگو کا آغاز کیا۔ مگر اس پر گفتگو کرنے سے پہلوتہی کرتے ہوئے ڈاکٹر گراہم نے مجھ سے ذاتی سوال کرنے شروع کر دیئے کہ مَیں نے کہاں تعلیم پائی کیوں مذہبی مبلّغ ہونا پسند کیا۔ مجھے کیا تنخواہ ملتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ میرے یہ بتانے پر کہ مَیں ایک واقفِ زندگی احمدی مبلّغِ اسلام ہوں اور تبلیغ اسلام اور خدمتِ خلق کے لئے گزشتہ بیس سال سے مغربی افریقہ میں کام کر رہا ہوں کہنے لگے۔ "کاش مَیں بھی آپ کی طرح اس وسیع برّاعظم کے پسماندہ افریقیوں کی خدمت

ورہنمائی میں اپنی زندگی کا کچھ حصّہ صرف کر سکتا۔ مجھے تو آپ پر رشک آتا ہے آپ خوش قسمت ہیں کہ نیک نیتی سے محض خدا کی خاطر انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں میں بھی عیسائیت کے لئے اپنے اس جہاد CRUSADE اور کوششوں میں نیک نیت ہوں اور دل سے اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہوں پس گو ہماری منزلیں مختلف ہیں مگر ہماری نیتیں اور مساعی میں تضاد نہیں وغیرہ وغیرہ "

ہمیں جواب کا موقع دینے سے انکار

اس پر میں نے پھر انہیں یاد دلایا کہ آپ نے کل ہماری مقدس کتاب قرآن کریم پر جو اپنے لیکچر میں اعتراض کئے تھے آج پبلک میں ہم سے ان کا جواب سُنیں یا اس بارے میں ہم سے مناظرہ کر لیں تاکہ پبلک حقیقتِ حال سے آگاہ ہو جائے۔ کہنے لگے:۔

" افسوس ہے کہ کسی مذہبی شخصیّت سے بحث یا مناظرہ کرنا یا ایسی گفتگو کو طول دینا میرے مسلک کے خلاف ہے ہم اپنی سٹیج پر اپنا کام کرتے ہیں آپ اپنے سٹیج پر اس کے جواب میں جو مرضی آئے کہیں ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا اور اب تو میں کل صبح لائبیریا سے جا رہا ہوں اس لئے اب آپ سے سرِ عام بحث کا کوئی موقعہ نہیں "

ہمارے تبلیغی میمورنڈم کا خلاصہ

چونکہ مجھے پہلے ہی پتہ چل گیا تھا کہ وہ اب لائبیریا سے آگے جا رہے ہیں۔ اس لئے میں نے ان کے نام رات کو ایک چٹھی ٹائپ کی جو اس وقت میں نے قرآن کریم انگریزی اور ٹیچنگ آف اسلام کے ساتھ انہیں پیش کی۔ انہوں نے میری چٹھی کو میرے سامنے جلدی جلدی پڑھا۔ اس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے:۔

" افسوس ہے کہ آپ نے اپنے کل کے لیکچر میں اسلام کے خلاف کئے گئے اعتراضات کے جواب کے لئے ہمیں وقت نہ دے کر لائبیریا کی مسلمان پبلک سے ناانصافی ہی نہیں بلکہ ظلم کیا ہے جس کی آپ جیسے بین الاقوامی شہرت کے مالک عیسائی منّاد سے امید نہ تھی۔

بہرکیف خاکسار جماعت احمدیہ کی طرف سے آپ کو قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ اور اسلام پر بعض کتب اس امید سے پیش کرتا ہے کہ آپ ضرور کسی وقت ان کا مطالعہ کریں گے۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ قرآن کریم کے خلاف آپ کا یہ بیان صداقت پر مبنی نہیں ہے کہ اس میں انسان اور دنیا کے مستقبل کے متعلق کچھ نہیں بتایا گیا یا بائیبل کی تعلیم اس سے بہتر ہے۔ خدا کرے آپ غیر جانبدارانہ طور پر یہ تحقیق کرنے میں کامیاب ہو جائیں کہ اسلام اور عیسائیت میں سے درحقیقت کونسا مذہب سچا اور اعلیٰ اور بہتر تعلیم کا حامل ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے ان مسائل پر ہم سے پبلک میں گفتگو کرنے سے ہماری بار بار دعوت کے باوجود گریز کیا ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیاں

ہمارے نزدیک حضرت بانیٔ اسلام سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم درحقیقت وہی عالمگیر نبی ہیں جن کی آمد کی پیشگوئیاں پرانے اور نئے عہد نامہ میں موجود ہیں اس لئے انہیں نبی تسلیم کئے بغیر کوئی عیسائی صحیح معنوں میں عیسائی نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ حضرت موسیٰ اور مسیح علیہما السلام کی خوشنودی تبھی حاصل ہو سکتی ہے کہ ان کی پیشگوئیوں کے مطابق آنے والے عظیم پیشوا و رہنما کو قبول کیا جائے۔"

ڈیڑھ ہزار عیسائی ہونیوالوں کی حقیقت

"میں نے آپ کی تینوں پبلک تقریریں سُنی ہیں آپ بے شک ایسے ماہر اور کہنہ مشق اور شعلہ بیان سپیکر ہیں جو سامعین پر چھا جاتا ہے اور وقتی طور پر ان کے دل و دماغ میں ایک ہیجان پیدا کر کے انہیں اپنی مطلب براری کے لئے آمادہ کر لیتا ہے۔ چنانچہ پھر مزعومہ انتقامِ الٰہی سے بچنے کے لئے ان کے پاس سوائے آپ کی مرضی کے مطابق یسوع مسیح کو اپنا خدا اور نجات دہندہ ماننے کے اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی آخری دھواں دھار تقریر کے بعد پنڈال میں تقریباً ڈیڑھ ہزار افریقن بپتسمہ لے کر عیسائی ہونے کے لئے

بظاہر نہایت سہمے ہوئے انداز میں کھڑے ہو گئے تھے۔ اگرچہ بعد میں مجھے یہ سُن کر افسوس اور حیرانی ہوئی کہ ان ڈیڑھ ہزار بپتسمہ لینے والوں میں سے تقریباً نوّے فیصدی افراد پہلے ہی عیسائی تھے۔ لیکن انہیں آپ کی کامیابی کا ڈھونگ رچانے کے لئے پہلے سے اس منصوبہ کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ اس قسم کے ناجائز ہتھکنڈے استعمال کرنے اور کروانے والے لوگ کبھی خدا کے نیک بندے نہیں سمجھے جا سکتے۔"

درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے

"آپ جانتے ہیں کہ یہ سائنس اور دیگر ہر قسم کے علوم و فنون کی ترقی اور تہذیب و تمدّن کا زمانہ ہے۔ آجکل محض جوشیلی تقاریر سے انسان تسلّی نہیں پا سکتا نہ ہزاروں سال پُرانے قصّے کہانیاں سننے سے اُسے تسکینِ قلب حاصل ہو سکتی ہے۔ بلکہ جیسا کہ مسیحؑ نے خود فرمایا ہے۔ "درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ اس زمانہ کے لوگوں کو زندہ خدا اور سچے مذہب پر یقین دلانے کے لئے تازہ آسمانی نشانوں اور معجزات اور خارق عادت تائیدات سماویہ کی ضرورت ہے یعنی سچے مذہب کی تائید میں وقتاً فوقتاً تازہ کلامِ الٰہی اور پیشگوئیوں اور نشانات کا ظہور ہونا چاہیئے۔ ہمارا دعوٰی ہے کہ اب صرف اسلام کا روحانی درخت ہی ایسا ہے جس کو ہر زمانہ میں تازہ آسمانی پھل لگتے ہیں اور ہر زمانہ میں وہ ایسے خدا رسیدہ انسان پیدا کرتا رہتا ہے جس کو خدا تعالےٰ اپنی محبت کے اظہار کے لئے اپنے کلام سے مشرف کرتا اور انہیں آئندہ ہونے والے واقعات اور کائناتِ عالم کے سربستہ رازوں اور علم و حکمت کی غیر معمولی باتوں سے مطلع فرماتا ہے۔ پس جو مذہب انسان کا خدا تعالیٰ سے براہ راست تعلق پیدا نہیں کراتا اور زندہ اور اپنے بندوں سے محبت کرنے والے خدا کے جلوے نہیں دکھاتا وہ سچا اور زندہ مذہب نہیں کہلا سکتا۔

لیڈران مذاہب کو حضرت امام جماعت احمدیہ کی عام دعوت

اس سلسلہ میں ذیل میں خاکسار جماعت احمدیہ کے موجودہ امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ

کی مندرجہ ذیل دعوتِ عام یا بالفاظِ دیگر دنیا کے تمام مذاہب کے سربراہوں اور لیڈروں کے نام کھلا کھلا چیلنج پیش کرکے آپ سے اپیل کرتا ہے کہ آپ اسے قبول کرکے حضور کے پیش کردہ طریق سے اپنے مذہب کی برتری ثابت کریں۔ حضور ازراہِ تحدیثِ نعمت خود مقربِ الٰہی ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"میں دنیا کے تمام مذاہب کے راستی پسند لوگوں سے کہتا ہوں کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ قرآن کریم بھی ہر زمانہ میں پھل دیتا ہے اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والوں پر اللہ تعالیٰ اپنا تازہ کلام نازل کرتا رہتا ہے اور ان کے ہاتھ پر اپنی قدرتوں کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ پس کیوں نہ علمی غور اور فکر کے علاوہ اس مشاہدہ کے ذریعہ صداقت کو معلوم کیا جائے۔ اگر مسیحی پوپ یا اپنے آرچ بشپوں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ میرے مقابل پر اپنے پر نازل ہونے والا تازہ کلام پیش کریں جو خدا تعالیٰ کی قدرت اور علمِ غیب پر مشتمل ہو تو دنیا کو سچائی کے معلوم کرنے میں کس قدر سہولت ہو جائے گی۔"

"وہ پوپ اور پادر جو مسیح کی صلح کل پالیسی کو ترک کرکے عیسائی فضا کو صلیبی جنگوں پر اکساتے رہے ہیں کیا وہ آج اس روحانی جنگ کے لئے اپنے آپ کو پیش نہیں کرسکتے۔ کاش وہ اس کے لئے تیار ہوں یا ان کے اتباع انہیں اس کے لئے آمادہ کریں تو دنیا ایک لمبے روحانی مرض سے جلد نجات حاصل کرسکے اور خدا تعالیٰ کا جلال اور اس کی قدرت خارق عادت طور پر ظاہر ہو کر لوگوں کے ایمان اور روحانیت کی اصلاح کا موجب ہوں۔"

(دیباچہ قرآن کریم صفحہ ۳۲۶)

"اس دعوتِ عام میں دنیا کے مذہبی لیڈروں کے سامنے حضورؓ نے جھوٹے اور سچے مذہب میں امتیاز کرنے اور اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنے کا آسان ترین طریقہ پیش فرمایا ہے۔ چونکہ آپ اس وقت عیسائی دنیا کے ایک اہم مذہبی لیڈر

سمجھے جاتے ہیں اس لئے حضرت امام جماعت احمدیہ کا یہ چیلنج آج میں آپ کے نوٹس میں بھی لاتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنے مذہب کی سچائی ثابت کرنے کے اس زرّیں موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے چرچ کے دوسرے رہنماؤں کو ساتھ ملا کر حضور کا یہ چیلنج قبول کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق ثابت کر کے سچائی پر مُہر ثبت کریں گے تاکہ ان مذہبی تنازعات اور کشمکش کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے اور دُنیا میں ایک ہی سچّا مذہب رائج ہو جائے۔"

افسوسناک عہد خلافی

ڈاکٹر بلّی گراہم صاحب میرے اس میمورنڈم کو مجھ سے وصول کر کے میرے سامنے ہی کھانے کی میز پر چند منٹ اس کا مطالعہ کرتے رہے پھر کہنے لگے۔ "آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اس وقت مجھے اوپر کی منزل میں ایک ضروری کام ہے اور میں نے جانے کی تیاری بھی کرنی ہے۔ اس لئے میں آپ کا یہ میمورنڈم جلد ہی مشرقی افریقہ کے سفر کے دوران ہوائی جہاز میں تسلّی سے پڑھکر آپ کو جواب دوں گا۔" اور پھر میرا تعارف پاس قریب ہی بیٹھے ہوئے اپنے سیکرٹری پادری BERCERLEY سے کرا کے اُنہیں کہنے لگے کہ ان سے گفتگو کریں یہ لائبیریا میں اسلام کے نمائندہ اور مبلّغ ہیں۔ اور ہماری بائیبل کے بھی عالم ہیں۔ اور پھر مجھ سے رخصت ہو کر اوپر چلے گئے۔ مگر افسوس کہ باوجود وعدہ کے اس کے بعد انہوں نے میرے میمورنڈم کی رسید تک نہ بھیجی اور نہ ہماری طرف سے پیش کردہ چیلنج قبول کرنے کی انہیں جراٗت ہوئی۔

ڈاکٹر بلّی گراہم صاحب کے نائیجیریا اور مشرقی افریقہ پہنچنے پر ہمارے وہاں کے مبلّغین کرام نے بھی انہیں اس قسم کے کھُلے چیلنج دیئے بلکہ مقابلۃً دعا کا نشان دکھانے اور دیکھنے کی بھی دعوت دی مگر افسوس وہاں بھی وہ گریز سے کام لیتے رہے۔ اور پبلک کے آمادہ کرنے کے باوجود مجاہدینِ اسلام و احمدیت سے ایسا روحانی مقابلہ نہ کر سکے۔

ڈاکٹری پابندیوں کا عذر

بہرکیف ڈاکٹر گراہم کے وہاں سے اپنے کمرے میں چلے جانے کے بعد ان کے سیکرٹری پادری

برسرلے سے میری گفتگو شروع ہوئی۔ کہنے لگے کہ ڈاکٹر گراہم کو ان کے ڈاکٹروں کی طرف سے خاص ہدایت ہے کہ وہ حتی الوسع کسی سے طویل بحث مباحثہ اور زیادہ دماغی کام کرنے سے احتراز کریں۔ اس لئے وہ مجبُوراً چلے گئے ہیں۔ مَیں نے کہا اگر یہ صحیح ہے تو ڈاکٹر گراہم کو اپنے لیکچر میں ہمارے مذہب پر حملہ نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ اور صرف اپنے مذہب کی تبلیغ پر اکتفا کرنا چاہیئے تھا لیکن پہلے خود دوسروں پر بلاوجہ حملہ کر کے انہیں جواب کے لئے وقت نہ دینا اور انحرافِ صحت کے عذر پر بحث سے گریز کرنا انصاف اور اخلاقِ عامہ کے منافی ہے۔

الوہیتِ مسیح پر عیسائی دلائل

اس کے بعد خاکسار نے قرآنِ کریم کے چند ایسے فضائل اور خصوصیات بیان کیں جن میں قرآن کریم منفرد ہے۔ اور اس کی بعض بدیہی طور پر پوری ہوجانے والی پیشگوئیوں سے اُنہیں آگاہ کیا۔ میری باتیں سیکرٹری صاحب اور دیگر سب پادری خاموشی سے سنتے رہے اور جب انہیں کوئی جواب نہ سُوجھا تو بجائے صداقت کا اعتراف کرنے کے سیکرٹری برسرلے صاحب کہنے لگے ۔

"مَیں نے چونکہ قرآن کریم پڑھا ہی نہیں اس لئے آپ کی ان باتوں کو تسلیم کرنے یا انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں اور جس مضمون پر میرا علم صفر ہے اس پر گفتگو کرنا بے معنی ہے البتہ اپنے عیسائی عقائد کے متعلق مجھے یقین ہے کہ وہ صحیح اور معقول ہیں اور ان کی صحت با دلائل ثابت بھی کر سکتا ہوں۔ مثلاً مسیحؑ کو آپ تو صرف ایک نبی مانتے ہیں مگر ہم انہیں نئے عہدنامے کے مطابق خدا کا حقیقی بیٹا اور خدا کی خدائی میں شریک مانتے ہیں اور اس لحاظ سے ہمارے نزدیک وہ خدا بھی ہیں۔ مثلاً نئے عہدنامہ میں مسیحؑ نے خود واضح الفاظ میں فرمایا ہے "مَیں اور میرا باپ ایک ہیں" جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود خدا ہی تھے"

مَیں نے کہا اس نے یہ بھی تو کہا ہے کہ "میرا باپ مجھ سے بڑا ہے"۔ اور کہ مَیں اپنے طور پر کوئی معجزہ وغیرہ نہیں دکھا سکتا۔ بلکہ میرے سب کام صرف خدا کی مرضی اس کی مدد اور اسکی رہنمائی سے ہوتے ہیں۔ (یوحنا باب ۸ - آیت ۲۹)

خدا تو ہر بات پر قادر ہے اگر وہ خود ہی خدا ہوتے تو یہ نہ کہتے۔ پھر انہوں نے یہ بھی تو کہا ہے کہ میری سچی پیروی کرنے والے حواری بھی باپ میں ایک ہو سکتے ہیں۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ سب بھی خدا ہو سکتے ہیں؟ نیز اگر باپ بیٹے سے بڑا ہے اور قادر خدا ہے تو اسے بیٹے کی خدائی کی ضرورت کیوں پڑی اور یہ بیٹا کیسا خدا ہے جو ہر بات میں باپ یعنی بڑے خدا کے ماتحت اور اس کا دست نگر ہے۔ کہنے لگے۔ ہم مسیح کی دو شخصیتیں مانتے ہیں۔ یہ باتیں انہوں نے انسان ہونے کی حیثیت سے کہی تھیں اس پر مَیں نے کہا کہ پھر مابہ الامتیاز کیا ہوُا کہ کونسی بات اس نے خدا ہونے کی حیثیت سے کہی اور کونسی بات انسان ہونے کے لحاظ سے۔ انجیل سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسیح ہمیشہ اپنے آپ کو ابنِ آدم ہی کہتے رہے۔ چنانچہ انجیل میں انہوں نے اپنے لئے تیس پینتیس مرتبہ ابنِ آدم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مگر اپنا خدا یا خدا کا حقیقی بیٹا ہونا انہوں نے کبھی براہِ راست اور واضح طور پر بیان نہیں کیا۔ کہنے لگے دیکھیں یوحنا میں لکھا ہے:۔

”ابتداء میں کلمہ تھا اور کلمہ خدا کے ساتھ تھا اور کلمہ خدا تھا۔“

یعنی مسیح ہی وہ کلمہ تھے جس کا اس آیت میں ذکر ہے لہذا وہ خدا ہیں۔ مَیں نے کہا کہ اوّل تو یہ کلام ہی مبہم ہے اور آجتک خود عیسائی بھی اس کا مطلب نہیں سمجھے دوم خود عیسائی محققین نے اس آیت کو الحاقی قرار دیا ہے۔ سوئم اگر یہ الحاقی نہ بھی ہو پھر بھی اس میں مسیح کا براہ راست کوئی ذکر نہیں اور نہ یہ مسیح کا اپنا کلام ہے یہ تو یوحنا کا کلام ہے۔ مجھے کوئی ایسی آیت دکھائیں جہاں خود مسیح نے کہا ہو کہ مَیں خدا یا خدا کا حقیقی بیٹا ہوں۔ میرا دعوٰی ہے کہ مسیح نے کہیں بھی خدا ہونے کا یا خدا کا تیسرا حصّہ ہونے کا دعوٰی نہیں کیا بلکہ ہمیشہ خدا ہونے سے انکار کرتے رہے ہیں اور اپنے آپ کو خدا کا بندہ ظاہر کرتے رہے ہیں۔

اس پر سیکرٹری صاحب مع سب پادریوں کے مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور معذرت کرنے لگے کہ اب ہمارے پاس مزید وقت نہیں ہے۔ پروگرام کے مطابق ابھی ہم نے فلاں فلاں جگہ جانا ہے۔ اس لئے ہم بھی ناچار انہیں رخصت

کرکے ان لوگوں کے غلط پراپیگنڈہ پر افسوس کرتے ہوئے وہاں سے واپس آگئے

(الفضل ۳۰ ستمبر ۱۹۶۲ء)

افریقہ میں اسلام کی نمایاں ترقی کا اعتراف

افریقہ میں اسلام اور عیسائیت کے درمیان مسابقت اور اس برِاعظم میں ان دونوں بین الاقوامی مذہبوں کے نمائندگان کی ایک دوسرے کو شکست دینے کے لئے حالیہ بھرپور جدوجہد کا نتیجہ کیا ہے اس کا اندازہ ڈاکٹر ہلی گراہم کے مندرجہ ذیل بیان سے ہو سکتا ہے۔ جو انہوں نے اپنے مذکورہ بالا دورے سے واپسی پر امریکہ پہنچ کر دیا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں :۔

"میری حالیہ تحقیق کے مطابق افریقہ میں اسلام کی ترقی اور رفتار عیسائیت کی نسبت بہت زیادہ تیز ہے اور باوجود عیسائی مبلغین کی انتھک کوششوں کے اور ہر قسم کے طریقے استعمال کرنے کے اب تک تیز ہے بلکہ جہاں تین افراد عیسائیت میں داخل ہوتے ہیں وہاں اس کے مقابل سات افراد اسلام قبول کرتے ہیں گویا سات اور تین کی نسبت ہے بلکہ بعض عیسائی لیڈروں کے نزدیک دس اور ایک کی نسبت ہے۔"

(رسالہ ٹائمز ۱۵ فروری ۱۹۶۰ء)

جمہوریہ کونگو کے پہلے وزیر اعظم کو تبلیغ اسلام

لائبیریا کے صدر جناب ولیم ٹب مین کی دعوت پر ۶؍اگست ۱۹۶۰ء کو نئی ری پبلک آف کونگو کے پہلے وزیر اعظم آنریبل پیٹرک لومومبا چار روز کے لئے لائبیریا کے دارالحکومت منرودیا (MONROVIA) آئے۔ خاکسار کی قیادت میں احمدیہ جماعت لائبیریا کے ایک وفد نے ان سے ملاقات کرکے انہیں کونگو کو آزادی مل جانے پر مبارکباد پیش کی اور اسی سلسلہ میں انہیں اللہ تعالیٰ کا پاک کلام قرآن کریم انگریزی، ٹیچنگ آف اسلام اور لائف آف محمدؐ وغیرہ کتب بطور تحفہ پیش کیں نیز ایک طویل ایڈریس کے ذریعہ جماعت کی طرف سے ان کا خیر مقدم کرنے کے علاوہ انہیں اسلام کے بنیادی عقائد اور تعلیم سے متعارف کرایا اور احمدیت کی تاریخ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی ان کے سامنے حضورؑ ہی کے اپنے الفاظ میں پڑھ کر سُنانے کے بعد انہیں حلقہ بگوشِ اسلام ہو جانے کی دعوت دی۔ آخر میں انہیں دوبارہ گزارش کی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاک کلام قرآن کریم کا ضرور غور سے مطالعہ فرمائیں۔ اس کے نتیجہ میں وہ نہ صرف سکونِ قلب محسوس کریں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کی سچی راہوں پر گامزن ہونے کی توفیق بھی پائیں گے۔

جواباً آنریبل پیٹرک لومومبا نے ہمارا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ پیدائشی عیسائی ہیں اور انہوں نے کبھی مذہبِ اسلام کے عقائد یا تعلیم پر غور نہیں کیا نہ کبھی قرآن کریم دیکھا ہے۔ تاہم وہ ہمارے ممنون ہیں کہ ہم نے اب انہیں اسلام کی حقیقت سے آگاہ کیا اور اسلام کی کتاب انہیں پیش کی وہ ضرور وقتاً فوقتاً اس کا مطالعہ کریں گے اور کہ وہ اس یادگاری تحفہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس سے روحانی رہنمائی حاصل کریں گے ؛

اِسلامی پردہ پر ایک لبنانی مُسلمان کا اعتراض

اور اس کا جواب

ستمبر ۱۹۶۰ء کا ذکر ہے منرودیا (لائبیریا) میں اس عاجز کی اہلیہ دل کے عارضہ سے بیمار ہوگئیں تو مَیں انہیں ایک جرمن ماہرِ قلب کے پاس لے گیا اس وقت ان کے کلینک میں کثیر تعداد میں افریقن اور عرب مریض مشورہ کے انتظار میں بیٹھے تھے ان میں سے ایک منچلے سے لبنانی نوجوان نے جس کے ساتھ اس کی بے پردہ بیوی بھی بیٹھی تھی میری بیوی کو اسلامی پردہ میں دیکھکر آپس میں کچھ سرگوشیاں کرنی شروع کردیں۔ اس کے بعد وہ میرے پاس آ بیٹھا۔ اور کہنے لگا " آپ نے اپنی بیوی کو افریقہ کے اس گرم اور تکلیف دِہ موسم میں بھی یُوں پردہ میں رکھا ہُوا ہے کیا آپ کو اس پر رحم نہیں آتا۔ مذہبی لیڈر تو عام لوگوں سے زیادہ رحمدل ہوتے ہیں "

پردہ ایک شرعی فریضہ ہے

مَیں نے کہا " مَیں نے ان کے بُرقعہ سے بہت زیادہ موٹی اچکن پہن رکھی ہے مجھے تو کوئی گرمی یا تنگی محسوس نہیں ہو رہی اور پھر پردے کا مَیں نے تو اُنہیں پابند نہیں کیا ان کے پروردگار اور خالق و مالک نے قرآنِ کریم میں اُنہیں حکم دیا ہے کہ وہ ایسا کریں وہ ایک باعمل مسلم خاتون ہیں اور اپنا دینی اور شرعی فرض سمجھ کر غیر محرموں سے پردہ کرتی ہیں میرے حکم سے نہیں کرتیں۔

پردہ کی حکمتیں

کہنے لگا " آپ کا چہرہ تو کُھلا ہے مگر ان کو تو اس تکلیف دِہ موسم میں سخت گھٹن محسوس ہوتی ہوگی خصوصًا جبکہ وہ بیمار بھی ہیں۔ میری بیوی تو انہیں پردہ میں دیکھ کر گھبرا اُٹھی ہے "۔ مَیں نے کہا " یہ آپ کی غلط فہمی ہے انہیں کوئی گھٹن محسوس نہیں ہوتی وہ اسلامی پردہ کے متعلق شرعی پابندی اور اس کی حکمت کو خوب سمجھتی ہیں گھٹن محسوس ہونے کی صورت میں وہ حسبِ ضرورت جب چاہیں چہرہ سے پردہ اٹھا بھی سکتی ہیں اور وہ ایسی جگہ بیٹھی ہیں کہ جہاں ضرورت پڑنے پر اپنے آرام کی خاطر اپنا

برقعہ اتار کر بھی بیٹھ سکتی ہیں۔ آپ کی بیوی ان سے پوچھ کر دیکھ لیں انہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ اپنے پردہ میں مطمئن اور خوش ہیں اور اس بارے میں ان پر کسی طرف سے بھی کوئی دباؤ نہیں وہ خوب سمجھتی ہیں کہ عورت کی فطری خوبصورتی اور طبعی حیا اس امر کی متقاضی ہے کہ اس کا چہرہ اور جسم کی زنانہ زینت بلا وجہ غیر محرم مردوں پر ظاہر نہ ہو تا کہ کوئی بد نظری کا مرتکب ہو کر اپنا باطن ناپاک نہ کرے اور معاشرہ جنسی فتنوں اور جرائم سے آلودہ نہ ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قدرت نے عورت کے جسم کا ہر حصہ چہرہ سمیت مرد کی نسبت بہت زیادہ خوبصورت اور پُر کشش بنایا ہے اور اپنی خاص حکمتوں کے ماتحت عورت میں مرد کے لئے کشش اور جاذبیت رکھی ہے۔ پردہ کا مقصد یہ ہے کہ اس کشش اور اس مقناطیسی قوت اور جاذبیت کے ناجائز اور غیر ضروری استعمال پر پابندی لگ جائے گویا مرد و عورت کے اپنے عزم و ارادہ اور طبعی حیا اور اخلاقی حجاب کے علاوہ پردہ مدد کے طور پر ان دونوں کے درمیان ایک خارجی رکاوٹ اور مانع کا کام دیتا ہے۔ پس اسلامی پردہ کا مقصد صرف یہ ہے کہ عورت کی خوبصورتی اور زیب و زینت حتی الوسع غیر محرموں سے چھپی رہے اور شیطان اجنبی مرد و عورت کو اللہ تعالےٰ کی مقرر کردہ حدود کو پھلانگنے پر اکسا نہ سکے چنانچہ اسلامی تعلیم کے مطابق پردہ صرف آنکھوں یا چہرہ کا ہی نہیں۔ بلکہ زبان اور کانوں وغیرہ پر بھی ایک حد تک شرعی پابندی ہے۔ مثلاً قرآن کریم نے عورت کو حکم دیا ہے کہ غیر محرم مرد سے ضروری باتیں بھی عموماً پردہ کے پیچھے سے ہونی چاہئیں اور عورت کی آواز اور لہجہ میں اتنی لچک اور نزاکت نہیں ہونی چاہیئے کہ وہ مرد کے لئے فتنہ کا موجب بن جائے۔" (سورۂ احزاب آیت ۳۳)

اس پر وُہ کہنے لگا:" میرے نزدیک یہ بالکل غلط ہے کہ عورت کو زیب و زینت کئے ہوئے دیکھ کر مرد عموماً بھڑک اٹھتا ہے، یا فریقین کے خیالات میں پراگندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ میں ایک سٹور میں سیلزمین ہوں۔ مجھے بازار میں بلکہ بعض دفعہ گھر پر بھی روزانہ کئی بے پردہ عورتوں سے واسطہ پڑتا ہے اور کبھی کبھی بالمشافہ ان سے ملنے اور معاملہ کرنے کی ضرورت بھی پڑتی ہے

انہیں دیکھکر میرے دل میں تو کبھی بُرے خیالات پیدا نہیں ہوتے۔ البتہ انسان چونکہ فطری طور پر حُسن پرست واقعہ ہُوا ہے اس لئے مَیں بھی کبھی کبھی کسی خوبصورت خاتون سے مذاق بھی کر لیتا ہوں مگر خیالات کی پاکیزگی قائم رہتی ہے اور کوئی جنسی خیال پیدا نہیں ہوتا۔ نیز ساری دنیا میں آج کل عورتیں ہر جگہ مردوں کے دوش بدوش ہر قسم کے کام کرتی ہیں۔ حتیٰ کہ اب پولیس اور فوج میں بھی وُہ بے پردہ طور پر مردوں کے ساتھ ہی کئی ذمہ داریاں ادا کرتی ہیں۔ مگر کوئی جنسی بے راہ روی یا اخلاقی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ مذہبی لوگ یونہی عوام کے سامنے رائی کا پہاڑ بنا کر پیش کرتے رہتے ہیں"۔

محض خوش فہمی اور نفس کا دھوکہ

مَیں نے انہیں بتایا کہ "یہ محض آپ کے نفس کا دھوکا اور آپ کی خوش فہمی ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ کہ بے پردہ جوان عورتوں سے میل ملاپ کے باوجود آپ کے خیالات پاکیزہ رہتے ہیں۔ یا پھر آپ عمداً غلط بیانی کا ارتکاب کر رہے ہیں حالانکہ مرد کی فطری حسن پرستی کو آپ خود تسلیم کرتے ہیں بلکہ یہ بھی مانتے ہیں کہ جو عورت آپ کو اچھی نظر آئے آپ اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں واضح طور پر فرماتا ہے کہ غیر محرم مرد و عورت کا بغیر پردہ کے ایک دوسرے کے سامنے ہونا تو علیحدہ رہا پردے کے پیچھے سے مرد کے ساتھ نرم و نازک لہجہ میں کلام کرنے والی عورت کی آواز بھی بسا اوقات مرد کے لئے فتنہ اور جنسی ہیجان کا موجب ہو جاتی ہے۔ آپ کہتے ہیں یہ غلط ہے گویا آپ اپنے خالق و مالک خدا کے سچے کلام کو جھٹلا رہے ہیں۔ آپ تو مسلمان ہیں قرآن کو خدا کا کلام مانتے ہیں خود ہی فیصلہ کر لیں۔ کہ آپ سچے ہیں یا آپ کا خدا۔ رہی یہ بات کہ دنیا بھر کے اِداروں اور کاروباروں میں آجکل عورتوں اور مردوں کا اختلاط اور ہر جگہ دوش بدوش ہو کر کام کرنا کوئی اخلاقی خرابی یا جنسی بے راہ روی پیدا نہیں کر رہا۔ اور معاشرے کو اس کا کوئی نقصان نہیں ہو رہا۔ یہ محض آپ کی خوش فہمی یا کبوتر کا بلّی کے حملہ سے بچاؤ کے لئے محض آنکھیں میچ لینے والی بات ہے۔ حالانکہ مغربی دنیا کے دانشور اور مدبّرین بلکہ عوام بھی خود معترف ہیں۔ کہ

مغربی قوموں میں اخلاقی گراوٹ، جنسی بے راہ روی، پُرسکون ہوم لائف کا فقدان، اغوا، شراب نوشی اور قتل و غارت وغیرہ کا سبب محض بے پردگی، عریانی اور مردوں اور عورتوں کا آزادانہ طور پر باہمی میل جول ہے جس کے نتیجہ میں ان قوموں کی نسلیں اور صحتیں بھی تباہ ہو رہی ہیں اور اکثر بچے اپنے ماں باپ کی شفقت اور آغوشِ محبت سے محروم ہو کر نرسریوں میں والدین کی نگرانی اور بے لوث محبت کو ترس رہے ہیں جبکہ ان کے والدین دن کو کاروبار میں مصروف رہتے اور رات کو مخلوط کلبوں، تھیٹروں سینماؤں، ڈانس ہالوں اور شراب خانوں میں غیر مردوں اور غیر عورتوں کے ساتھ لہو و لعب اور عیش و طرب میں مصروف ہوتے ہیں[1]۔

ایک عیسائی وکیل کی پردہ کے متعلق رائے

اس دوران ایک لبنانی عیسائی بیرسٹر بھی ہمارے پاس بیٹھے ہماری یہ گفتگو بڑی دلچسپی سے سن رہے تھے چنانچہ اس مرحلہ پر وہ بھی میری تائید کرتے ہوئے اس نوجوان کو کہنے لگے کہ میرے عزیز جو کچھ یہ ہندی عالمِ دین آپ کو بتلا رہے ہیں بالکل درست ہے اور تم ایک کھلی حقیقت کا انکار کر رہے ہو ہمارے وطن لبنان میں اگر تم مسلمانوں کا معاشرہ اخلاقی طور پر ہم عیسائیوں سے کسی قدر

---

[1] حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

"یورپ کی طرح بے پردگی پر بھی لوگ زور دے رہے ہیں لیکن یہ ہرگز مناسب نہیں یہی عورتوں کی آزادی فسق و فجور کی جڑ ہے جن ممالک نے اس قسم کی آزادی کو روا رکھا ہے ذرا ان کی اخلاقی حالت کا اندازہ کرو اگر ان کی آزادی اور بے پردگی سے ان کی عفّت اور پاکدامنی بڑھ گئی ہے تو ہم مان لیں گے کہ ہم غلطی پر ہیں لیکن یہ بات بہت ہی صاف ہے کہ جب مرد اور عورت جوان ہوں اور آزادی اور بے پردگی بھی ہو تو ان کے تعلقات کس قدر خطرناک ہوں گے۔"

(ملفوظات جلد ۷، صفحہ ۱۳۴)

بہتر ہے اور تمہاری گھریلو زندگی ہم سے اچھی ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت لبنان میں اب بھی اپنی عورتوں کو پردہ اور حیا داری کا پابند رکھے ہوئے ہے اور مردوں اور عورتوں کو تم لوگوں نے اپنی من مانی کرنے کے لئے مادر پدر آزاد نہیں چھوڑا ہوا۔ مَیں مسلمان نہیں ہوں مگر لبنان میں اپنے معاشرے کی برائیوں کو دیکھکر اکثر افسوس کرتا ہوں اور خواہش کرتا ہوں کہ کاش ہم عیسائیوں میں بھی اسلامی پردے کی قسم کی کوئی مذہبی تعلیم اور احکام ہوتے۔"

انہوں نے اس نوجوان کو مزید کہا کہ

"میرے عزیز دھوکے میں نہ رہو حقیقت یہی ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان سوائے جنسی کشش کے اور کوئی ایسی کشش یا باہمی رجحان نہیں جس سے وہ ایک دوسرے کی قربت کے خواہاں ہوں اس لئے تمہاری یہ بات ناقابلِ تسلیم ہے کہ ایک غیر محرم شخص ایک خوبصورت خاتون کو بدنظری سے نہیں بلکہ پاکیزہ نظر سے دیکھنے کا میلان رکھ سکتا ہے۔ پس اس کے بُرے نتائج سے بچنے کا بہترین طریق وہی ہے جو تمہارے اسلام نے بتایا ہے کہ اجنبی عورت اور مرد کا ایک دوسرے سے ملنا تو درکنار ایک دوسرے کی طرف بلا ضرورت دیکھنا بھی ممنوع ہے کیونکہ بلا وجہ دونوں کا ایک دوسرے کی طرف دیکھنا یا دیکھنے کی خواہش رکھنا ایک دوسرے کو ناجائز طور پر پسند کرنے کے مترادف ہے حالانکہ اگر وہ شادی شدہ ہیں تو وہ دونوں پہلے ہی کسی مرد اور کسی عورت کے ہو چکے ہوتے ہیں۔ پس یہ غیر مذہبی یا غیر شرعی نظر بازی درحقیقت بدنظری اور بدنیتی پر ہی مبنی ہوتی ہے۔ اور تو اور میرے نزدیک تو اگر یہ ہندی عالم دین اور مذہبی رہنما بھی مجھے کہے کہ مَیں فلاں اجنبی عورت کی طرف بدنظری سے نہیں بلکہ پاکیزہ نظروں سے دیکھتا ہوں تو میں تسلیم نہیں کروں گا۔ کہ ان کا اس کی طرف پاکیزہ میلان ہے۔ البتہ اچانک نظر پڑنا یا نظریں ملنا اور بات ہے۔"

ایک سچے مسلمان کا رویّہ

اس کے بعد اس عاجز نے اس نوجوان کو مزید سمجھاتے ہوئے عرض کیا کہ آپ تو خدا کے فضل و کرم سے

مسلمان ہیں اور بقول آپ کے سیّد بھی ہیں آپ کے لئے ہرگز روا نہیں۔ کہ قرآن کریم کی تعلیم اور رسُولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے احکام پر ایسے اعتراض کریں۔ غالبًا آپ کو محض قلتِ فہم اور مغربی تہذیب کے زیرِ اثر اسلامی پردہ قابلِ اعتراض نظر آرہا ہے۔ ورنہ مجھے یقین ہے آپ اور آپ کی بیوی قرآن کریم کے لفظ لفظ کو وحیُ الٰہی اور ابدی ہدایت یقین کرتے ہیں اور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور آپؐ کے ہر حکم کو ماننا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ پس آپ کو اسلامی پردہ کی حکمت سمجھ آئے یا نہ آئے آپ کا فرض ہے کہ پردہ کے متعلق اللہ تعالےٰ کے احکام کو بنی نوع انسان کے لئے مفید اور بابرکت سمجھیں اور اپنی بیوی سے بھی ان پر عمل کرائیں۔ مَیں خود آپ کے ملک شام اور فلسطین میں ڈیڑھ دو سال رہا ہوں وہاں کے دیہات کی مستورات اسلامی پردہ کرتی ہیں اور شہروں میں بھی مسلمان خواتین کا ایک حصّہ باقاعدہ پردہ کرتا ہے۔

اس پر وہ کہنے لگا ''قرآن کریم میں کہیں نہیں لکھا کہ عورت کے لئے چہرہ بھی غیر محرم مردوں سے چھپانا لازمی ہے۔ پردہ والی آیت میں تو صرف یہ لکھا ہے يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ کہ سر کی بڑی اوڑھنی سے گھر سے باہر سر اور کندھے وغیرہ کے علاوہ اپنے سینہ اور گردنوں کو بھی چھپائے رکھیں چہرہ کا تو یہاں ذکر ہی نہیں ہے اس لئے چہرہ پردہ میں شامل نہیں۔''

مَیں نے کہا آپ نے ترجمہ غلط کیا ہے اس آیت کا صحیح اور مستند ترجمہ یُوں ہے۔

''اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی بیویوں سے کہدے کہ جب وہ باہر نکلیں تو اپنی بڑی چادروں کو سروں پر سے گھسیٹ کر اپنے سینوں تک لے آیا کریں یہ امر اس بات کو ممکن بنا دیتا ہے کہ وہ پہچانی جائیں اور ان کو خبیث لوگوں کی طرف سے تکلیف نہ دی جائے۔'' (سورۃ احزاب آیت ۶۰)

بخاری شریف اور حدیث اور تاریخ کی دیگر سب مستند کتب میں لکھا ہے

کہ پردہ کی اس آیت کے نزول کے معًا بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواجِ مطہرات اور اپنے خاندان کی عورتوں اور مومنوں کی بیویوں نے گھر سے باہر نکلنے پر چہرہ کا پردہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ پس جب خود حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کے نزول کے بعد اپنی اور مومنوں کی بیویوں اور بیٹیوں کو چہرہ کا پردہ کرنے اور غیر مردوں سے پردہ کے پیچھے سے بات کرنے کا حکم دیا۔ اور اس پر سختی سے عمل بھی کرایا تھا تو کسی اور کا کیا حق ہے کہ کہے کہ آیتِ حجاب سے چہرہ کا پردہ نہیں نکلتا بلکہ صرف دوسری زینتیں چھپانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ عورت کا چہرہ ہی اس کی سب سے بڑی زینت اور خوبصورتی ہے نیز اگر چہرہ پردہ میں شامل نہیں تو دوسری آیت کا یہ حکم کہ مرد پردے کے پیچھے سے امہات المؤمنینؓ سے بات کیا کریں بے معنی قرار پاتا ہے کیونکہ جب اجنبی مرد سے چہرہ چھپانا لازمی نہیں تو ان سے پردے کے پیچھے سے بات کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ پھر تو حکم یہ ہونا چاہیئے تھا کہ اجنبی مردان سے ایسی حالت میں بات کریں جبکہ سوائے چہرہ کے باقی ساری زینت اور خوبصورتی کو چادر میں چھپایا ہُوا ہو۔"

ایک سو ڈالر انعام

کہنے لگا۔ پردہ کے یہ سب احکام اُمہات المؤمنینؓ کے لئے مخصوص تھے۔ عام عورتیں مراد نہیں ہیں۔ یعنی چہرہ کا پردہ کرنا صرف ان کے لئے ضروری تھا۔ مَیں نے کہا کہ آیت میں تو صاف لکھا ہے "تو اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی بیویوں کو بھی یہ حکم سُنا دے۔" آپ کیسے کہتے ہیں کہ یہ صرف امہات المؤمنینؓ پر واجب تھا۔ نیز جس حکمت کے تحت مومنوں کی روحانی ماؤں کو اپنے روحانی بیٹوں سے چہرہ کا پردہ لازمی تھا اسی وجہ اور اسی حکمت کے تحت یہ عام عورتوں کے لئے بدرجہ اولیٰ ضروری ہونا چاہیئے۔ پس اگر آپ ثابت کر دیں کہ آیاتِ حجاب میں چہرہ کا پردہ صرف مومنوں کی روحانی ماؤں پر ہی لازم تھا تو مَیں آپ کو ایک صد ڈالر انعام پیش کروں گا۔ آپ کا یہ عذر کہ اب دنیا کے حالات بدل گئے ہیں۔ قطعًا درست نہیں ہے کیونکہ اسلامی شریعت کا کوئی حکم کوئی تعلیم اور قرآن کریم کی کوئی آیت بھی کسی خاص زمانہ کے

لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ قرآن کریم ایک دائمی شریعت ہے۔

آپ کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ اگر شریعتِ اسلامیہ میں عورت کے لئے چہرہ کا پردہ نہ ہوتا تو چودہ سو سال سے اب تک اسلامی ممالک کی مسلمان اور خصوصاً عرب عورتیں کبھی غیروں سے اپنے چہرے نہ چھپایا کرتیں۔ اور نہ صحابیات اور امہات المؤمنینؓ پردہ کرتیں۔ لیکن اسلام کی مستند تاریخ بتاتی ہے کہ پردہ کی آیات نازل ہونے کے فوراً بعد تمام مسلمان عورتوں نے غیر محرموں سے باقاعدہ پردہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ جس میں چہرہ کا پردہ لازمی طور پر شامل تھا۔ اگر چہرہ کا پردہ اسلامی پردہ کا حصّہ نہ تھا۔ تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیوں مومنات سے چہرہ کا پردہ کرایا۔ اور انہیں کیوں نہ فرمایا کہ چہرہ پردہ میں شامل نہیں ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ اس مسلم نوجوان کو میری یہ باتیں سمجھ میں آگئیں اور اس نے اعتراف کیا کہ اسلامی پردہ کے احکام واقعی عظیم حکمتوں پر مبنی ہیں جن پر عمل کرنا سب مومن مردوں اور عورتوں پر فرض ہے ✤

امریکہ کے سینیٹر ایڈورڈ کینیڈی اور اُن کے ساتھیوں کو تبلیغِ اسلام

۱۹۶۰ء کا ذکر ہے کہ امریکہ کے سابق پریذیڈنٹ مسٹر جان ایف کینیڈی کے بھائی مسٹر ایڈورڈ کینیڈی اپنی پارٹی کے تین ممبران سمیت افریقن ممالک کا دورہ کرتے ہوئے ۱۶ دسمبر کو لائبیریا کے دارالحکومت منروویا آئے۔ خاکسار ان دنوں وہاں احمدیہ مشن کا انچارج تھا۔

ان سے وقت مقرر کر کے خاکسار نے بطور نمائندہ جماعت بعض احمدیوں کی معیّت میں ان سے ملاقات کی اور ہر ایک کو ایک ایک نسخہ قرآن کریم کی انگریزی تفسیر کا اور بعض دیگر اسلامی کتب پیش کیں اور اسلام اور احمدیت

کے بارے میں مختصر طور پر معلومات بہم پہنچائیں نیز امریکن احمدیہ مراکز سے تعارف کرایا اور امریکہ سے اس وقت نکلنے والے رسالہ "مسلم سن رائز" کی مختلف کاپیاں بھی انہیں پیش کیں۔

اپنے وفد کی طرف سے مسٹر ایڈورڈ کینیڈی نے ہمارا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے پیش کردہ قرآن کریم کے نسخے ہمارے لئے گرانقدر تحائف ہیں اور ہم اس مقدس کتاب کی کماحقہٗ قدر کریں گے اور اس کا مطالعہ کرکے اس میں بیان کردہ سچائیوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔ نیز ہم جناب پریذیڈنٹ جان ایف کینیڈی تک بھی آپ کی نیک تمنائیں پہنچائیں گے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے گلے کی ٹائی سے ایک گولڈن کلپ اتار کر مجھے پیش کرتے ہوئے کہا۔ کہ ہم مسافر ہیں۔ اس وقت ہم آپ کو اپنی کوئی یادگار پیش نہیں کرسکتے۔ یہ چھوٹا سا یادگاری تحفہ ہماری طرف سے قبول فرمائیں۔ اس گولڈن کلپ پر میرے بھائی پریذیڈنٹ کینیڈی کا نام لکھا ہے اور یہ ان کے پریذیڈنٹ منتخب ہونے پر خاص خاص لوگوں کو بطور یادگار پیش کرنے کے لئے تیار کئے گئے تھے۔ آپ کو بھی ہم پریذیڈنٹ آف امریکہ کی طرف سے پیش کرتے ہیں۔

اس سے اگلے روز منروویا میں ان کی آمد پر بڑے پیمانہ پر پریس کانفرنس ہوئی اس میں بھی خاکسار کی ان سے ملاقات ہوئی۔ اور کئی فوٹو بھی لئے گئے لوکل اخبارات میں ہماری ان سے ملاقات اور قرآن کریم کی پیشکش اور انہیں تبلیغِ اسلام کی خبر فوٹو کے ساتھ شائع ہوئی۔

(الفضل ۱۱ر فروری ۱۹۶۱ء)

اس کے کئی سال بعد فروری ۱۹۶۶ء میں جب یہ عاجز سنگاپور میں بطور مبلغ انچارج سنگاپور احمدیہ مشن مصروفِ کار تھا تو سینیٹر ایڈورڈ کینیڈی چند یوم کے لئے سنگاپور بھی آئے اخبارات میں ان کی سنگاپور میں آمد کی خبر پڑھکر اس عاجز نے یہاں پر بھی تبلیغِ اسلام کی غرض سے ان سے ملاقات کی۔ وہ بڑی خوشی سے ملے اور مجھے پہچانتے ہوئے خود ہی فرمایا۔ کہ مجھے یاد ہے منروویا (لائبیریا) میں ہم ایک دوسرے سے ملے تھے۔ اور آپ نے مجھے اپنے

مذہب کی کتاب قرآنِ کریم تحفۃً دی تھی۔

خاکسار نے اس موقعہ پر بھی انہیں "ٹیچنگ آف اسلام"۔ "لائف آف محمدؐ" اور "احمدیہ موومنٹ" پیش کرکے انہیں تحریک کی کہ وہ دنیوی اور سیاسی دھندوں سے وقت نکال کر اللہ تعالیٰ کی ابدی بادشاہت اور اس کی برکات کے حصول کے لئے بھی ضرور کوشش کریں۔ کیونکہ انسان کی روحانی بہبودی اور ترقی بھی ویسے ہی ضروری ہے جیسے کہ اس کی دنیوی بہبودی اور بہتری ہے اور روح کی زندگی کے بغیر ایک انسان صحیح طور پر زندہ نہیں کہلا سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے نزدیک مُردہ ہی شمار ہوتا ہے۔

آجکل امریکہ کے اخبارات مثلاً روزنامہ بوسٹن گلوب اور نیویارک ٹائم وغیرہ میں بڑے وثوق سے یہ اظہار کیا جا رہا ہے کہ امریکہ کے ڈیماکریٹک پارٹی کی صدارت کے عنقریب ہونے والے انتخابات میں سینیٹر ایڈورڈ کینیڈی کو ساٹھ ستّر فی صد ووٹ ملنے کی امید ہے۔ اور اگر ایسا ہوا تو وہ ۱۹۸۰ء کے انتخابات بآسانی جیت سکیں گے۔ واللہ اعلم۔

جنوبی افریقہ کے دس افریقن لیڈروں کو تبلیغ اسلام اور قرآن کریم کی پیشکش

۱۹۶۰ء کے دوران جنوبی افریقہ میں افریقنوں کے ظلم اور ناانصافی کے خلاف جدوجہد کے لئے حبشہ کے دارالحکومت ادیس آبابا میں تمام آزاد افریقن ممالک کی ایک اہم کانفرنس ہوئی اس میں شمولیت کے لئے دس چوٹی کے پولیٹیکل لیڈروں پر مشتمل جنوبی افریقہ کا ایک وفد ادیس آبابا جاتا ہوا جون کے مہینہ میں چند روز کے لئے منرو ویا (لائبیریا) ٹھہرا۔

خاکسار نے ان سے رابطہ پیدا کرکے سٹی ہوٹل منرو ویا میں جماعت احمدیہ

کی طرف سے ان کا خیر مقدم کیا۔ اور جماعت احمدیہ لائبیریا کی طرف سے انہیں یقین دلایا کہ دنیا کے سب اسلامی ممالک اور خاص طور پر جماعت احمدیہ ہر طرح ان کی مؤیّد ہے اور ہماری تمام تر ہمدردی ان کے ساتھ ہے اور ہم متمنّی ہیں کہ انہیں جلد از جلد جنوبی افریقہ کے سفید فام باشندوں کے چنگل سے نجات ملے۔ اور ان کے وطن کو آزادی حاصل ہو۔ اس سلسلہ میں خاکسار نے رنگ و نسل کے نام نہاد امتیاز کے خلاف اسلامی احکام پڑھ کر سُنائے نیز ان کے وفد کے ہر ممبر کو چھوٹے سائز کا قرآن کریم (انگریزی) اور اسلام کی تعلیم پر مشتمل دیگر کتب اور پمفلٹ تحفۃً پیش کر کے درخواست کی کہ وہ ان کا ضرور مطالعہ کریں۔ اور ادیس آبابا میں ہونے والی کانفرنس کے ممبران کو بھی اسلام کی انسانی برادری اور عالمگیر اخوّت کے نظریہ اور اس کے متعلق قرآن کریم کی تعلیم سے آگاہ کریں۔

چنانچہ وہ سب ممبرانِ وفد جن میں سے دو مسلمان بھی تھے۔ جماعت احمدیہ اور اس کی تعلیم و عقائد اور انسانی مساوات کے متعلق اسلام کے بنیادی اصولوں کو سُنکر اور قرآن کریم اور کتب ہم سے لے کر بہت خوش ہوئے ان کے لیڈر مسٹر پیٹر (PETER) باکونی نے بڑی گرم جوشی اور خلوص سے جماعت احمدیہ لائبیریا کا شکریہ ادا کیا۔ جس کے بعد چائے وغیرہ سے ان کی تواضع کی گئی۔

(الفضل ۱۸ اگست ۱۹۶۰ء)

شہنشاہِ حبشہ ہیل سلاسی اوّل کو تبلیغِ اسلام اور قرآن کریم کی پیشکش

دسمبر ۱۹۶۰ء میں حکومتِ لائبیریا کی دعوت پر حبشہ کے شہنشاہ ہیل سلاسی اوّل اپنے وزیراعظم، وزیرِ خارجہ اور شاہی خاندان کے بعض افراد سمیت لائبیریا تشریف لائے۔ تین چار روز دارالحکومت منروویا MONROVIA میں خوب گہما گہمی رہی اور سارا شہر دلہن کی طرح سجایا گیا۔ تاریخی لحاظ سے چونکہ حبشہ کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کا بہت پرانا تعلق ہے اس لئے مجھے خیال آیا کہ اگر ملاقات کا انتظام ہو سکے تو شاہِ حبشہ کو تبلیغ اسلام کے علاوہ ان تاریخی حقائق سے بھی آگاہ کیا جائے جن کی وجہ سے امتِ مسلمہ حبشہ کے ملک کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

خاکسار نے لائبیرین گورنمنٹ کے ذریعہ کوشش کی کہ شہنشاہ موصوف سے ملاقات کا وقت مل جائے مگر کامیابی نہ ہوئی اور مجھے مشورہ دیا گیا کہ میں براہِ راست ملاقات کی کوشش کروں چنانچہ شہنشاہ کے وزیراعظم سے رابطہ قائم کرنے پر جلد ہی وقت مل گیا اور مورخہ ۶؍ دسمبر ۱۹۶۰ء کو وقتِ مقررہ پر شاہ کے وزیراعظم، وزیرِ خارجہ اور فوجی ایڈی کانگ خاکسار کو اپنے ہمراہ ایوانِ صدر کی تیسری منزل پر شاہ موصوف کے پاس لے گئے۔ وہ ایک آراستہ پیراستہ وسیع ہال میں ایک خوبصورت کرسی پر تشریف فرما تھے۔ پہلے حبشہ کے وزیراعظم اور وزیر خارجہ ہال میں داخل ہوئے اور منہ کے بل رینگتے ہوئے شہنشاہ کی کرسی کے عین پیچھے جا کر کھڑے ہو گئے۔ خاکسار نے اس رسم کے برعکس اسلامی طریق پر شہنشاہ سے مصافحہ کیا اور ان کے کہنے پر پاس ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

حبشہ سے مسلمانوں کا قدیم تاریخی تعلق

رسمی گفتگو کے بعد خاکسار نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کر کے

ان کی خدمت میں پہلے سے تیار کردہ ایڈریس پیش کیا۔ جس میں جماعت کی طرف سے ان کا خیر مقدم کیا گیا اور ان کی صحت و سلامتی اور ان کے ملک کے لئے دعا کی گئی۔ اس کے بعد جماعت احمدیہ اور اس کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مختصر تعارف کرایا۔ نیز بتایا کہ آج ان سے میری ملاقات کا مقصد ان کی خدمت میں اسلام کی مقدس کتاب قرآن کریم مع انگریزی ترجمہ و تفسیر پیش کرنا ہے اس کے علاوہ اختصار کے ساتھ انہیں اسلام کی حقیقت سے آگاہ کر کے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ نیز انہیں بتایا کہ حبشہ کے ساتھ اسلام کے تاریخی تعلقات و روابط کی وجہ سے تمام دنیا کے مسلمان حبشہ کے متعلق اچھے جذبات رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب کفارِ مکہ نے محض مذہبی تعصب کی بناء پر مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو ان میں سے بعض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق اپنا وطن چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ جہاں نجاشی شاہِ حبشہ نے نہ صرف انہیں پناہ دی بلکہ ان کے ساتھ بڑی شفقت کا سلوک کیا اور ان سے اسلام کے متعلق معلومات بھی حاصل کیں۔

اپنے جدِ امجد کی طرح مسلمان ہو جائیں

اس واقعہ کے کئی سال بعد جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی مدنی زندگی میں دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کو خطوط لکھ کر اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو شاہِ حبشہ کو بھی اپنے خاص ایلچی کے ذریعہ ایک تبلیغی خط ارسال فرما کر اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جسے انہوں نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور باوجود اپنے بعض درباریوں کی مخالفت کے اسلام قبول کر لیا۔ اور حضورؐ کے خط کو ایک خوبصورت بکس منگا کر اس میں محفوظ کر لیا۔ اور سرِ دربار سب کو بتایا کہ "جب تک یہ مقدس خط ہمارے پاس محفوظ رہے گا ہمارے وطن حبشہ کو کوئی گزند نہیں پہنچے گی اور ہمارا ملک محفوظ رہے گا"۔ اس کے بعد خاکسار نے شہنشاہ کو مخاطب کر کے عرض کیا۔ اے عظیم شہنشاہ! آج اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک

ادنیٰ ترین غلام محمد صدیق نامی بھی اپنے آقا کی سنت کے مطابق آپ کو اسلام کی مقدس کتاب قرآن کریم اور حضرت بانیٔ احمدیت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی تصنیف "ٹیچنگ آف اسلام" پیش کرتے ہوئے اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے اور امید کرتا ہے کہ آپ اپنے جدِ امجد شاہ نجاشی کی طرح سنجیدگی سے میری اس دعوت پر غور کریں گے۔ اور اسلام قبول کر کے ابدی سعادت اور برکات حاصل کریں گے۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسلام کے مقدس بانی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم وہی موعود، وہی نجات دہندہ، وہی رسول، اور وہی روحِ حق ہیں جس کی آمد کی پیشگوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یوحنا باب ۱٦ میں فرمائی ہے۔ پس مَیں امید کرتا ہوں کہ آپ اللہ تعالےٰ کی اس مقدس کتاب قرآن کریم کو ضرور پڑھیں گے اور اسلام قبول کر کے اور اس کی ابدی سچائیوں پر عمل پیرا ہو کر اپنے خدا کو راضی کریں گے۔"

اسی وقت قرآن کریم کھولکر پڑھا

اس ایڈریس کے اختتام پر خاکسار نے شہنشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ اللہ تعالےٰ کا پاک کلام ہے آپ از راہِ احترام اسے کھڑے ہو کر وصول کریں۔ چنانچہ ان کے کھڑے ہونے پر خاکسار نے قرآن کریم انگریزی کی جلد جلدیں جن پر مخملی غلاف تھا اور "ٹیچنگ آف اسلام" مع ٹائپ شدہ انگریزی ایڈریس کے انہیں پیش کیں۔ انہوں نے بڑے احترام سے قرآنِ کریم کھول کر دیکھا اور مجھے بتایا کہ میں عربی جانتا ہوں اور قرآنِ کریم پڑھ سکتا ہوں۔ اور ایک دو آیتیں مجھے پڑھ کر بھی سُنائیں۔

بعض سوالات کے جواب

اس کے بعد ہم دوبارہ بیٹھ گئے تو انہوں نے پہلا سوال مجھ سے یہ کیا کہ احمدیت اور اسلام اور احمدی فرقہ اور دیگر مسلمان فرقوں میں کیا فرق ہے۔ چنانچہ اس کا تسلّی بخش اور تفصیلی جواب پیش کیا گیا۔ پھر پاکستان کے متعلق مختلف باتیں پوچھتے رہے جن میں اہم بات یہ تھی کہ پاکستان اور ایران کا مذہب ایک ہی ہے یا کچھ فرق ہے جس کا جواب دیا گیا کہ بنیادی طور پر دونوں ملکوں کا مذہب

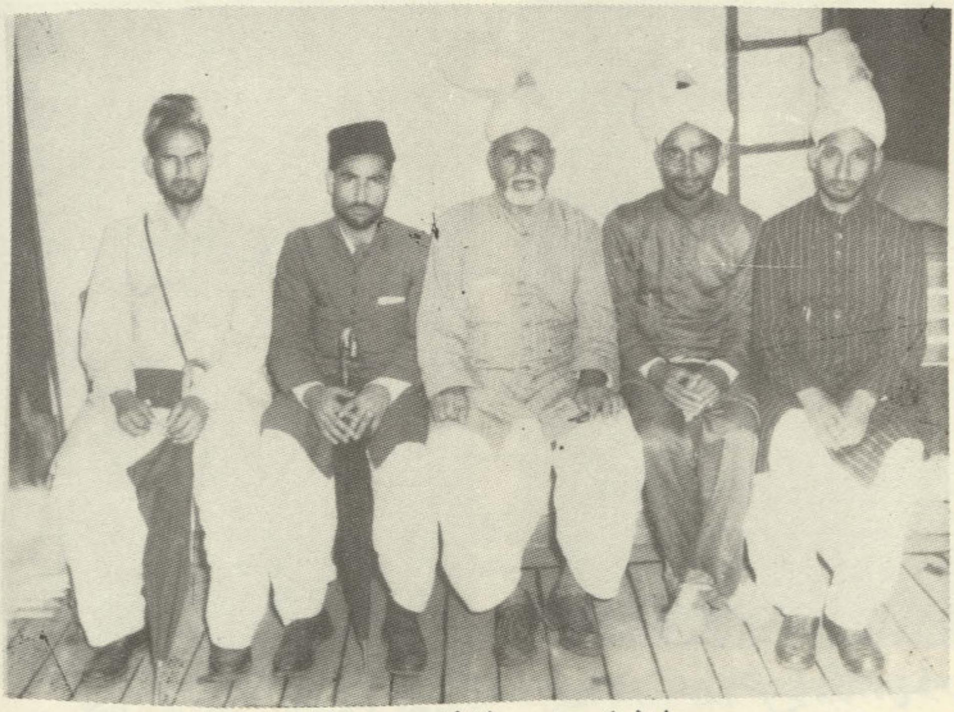
ایک ہی ہے۔لیکن فروعات میں کچھ اختلاف ہے۔ایران کے باشندوں کی اکثریت شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتی ہے۔جبکہ پاکستان کی اکثریت سُنّی فرقہ سے۔ پھر وہ خود ہی کہنے لگے کہ حبشہ کی بائیبل عام عیسائیوں کی بائیبل سے کچھ مختلف ہے۔اور میرے خیال میں قرآن مجید سے وہ کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے اس لئے حبشہ کے مسلمان اور عیسائی دوسروں کی نسبت ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں۔

مَیں نے پوچھا کہ حبشہ میں مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے اور کیا چودہ سو سال قبل کے مہاجرین کی اولاد اور نسلیں اب تک حبشہ میں ممتاز ہیں یا عام مسلمانوں میں مُدغم ہو گئی ہیں۔کہنے لگے میں یقینی طور پہ تعداد تو نہیں بتا سکتا۔لیکن مسلمان میرے ملک میں بڑی بھاری اقلیت میں ہیں اور وہ بھی ہیں جو آپ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔

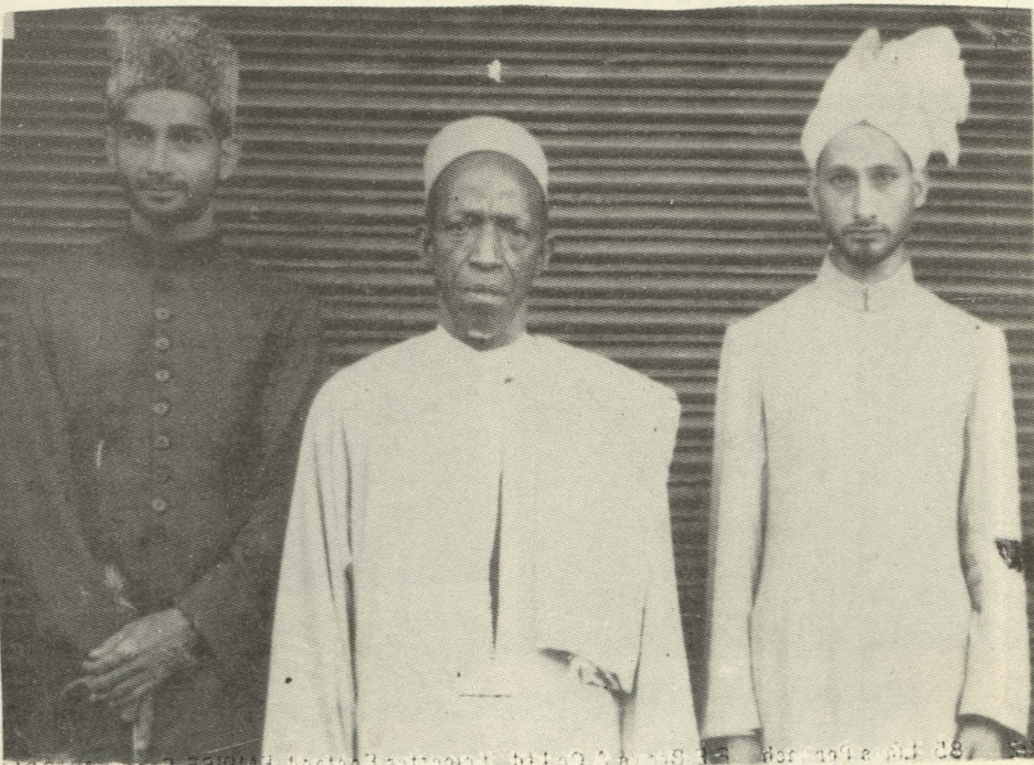
پھر مَیں نے پوچھا۔کیا حبشہ میں ہر شخص اپنے مذہب پہ آزادی سے عمل کر سکتا ہے کسی طرف سے کوئی دباؤ یا مذہبی مداخلت تو نہیں ہوتی؟ کہنے لگے۔ ہمارے ملکی قانون کے مطابق مذہبی لحاظ سے ہر شخص آزاد ہے۔پھر خاکسار نے عرض کیا اگر ہماری جماعت حبشہ میں اپنا تبلیغی مشن کھولنا چاہے تو کیا کوئی رکاوٹ تو نہیں ہو گی۔فرمانے لگے نہیں ہرگز نہیں۔نہ صرف آپ کو آزادی سے تبلیغ اسلام کی اجازت ہو گی بلکہ دوسرے مشنوں کی طرح آپ کے مشن کے لئے بھی ہر قسم کی سہولتیں مہیّا کی جائیں گی۔میرے ملک میں اس وقت ۰۰ ۱۴ کے قریب پادری دنیا کے ایسے چرچوں کی طرف سے وہاں تبلیغ میں مصروف ہیں جو حبشہ کے اپنے ملکی چرچ سے مختلف ہیں۔

شاہ نجاشی کے بعد تر یسٹھواں بادشاہ

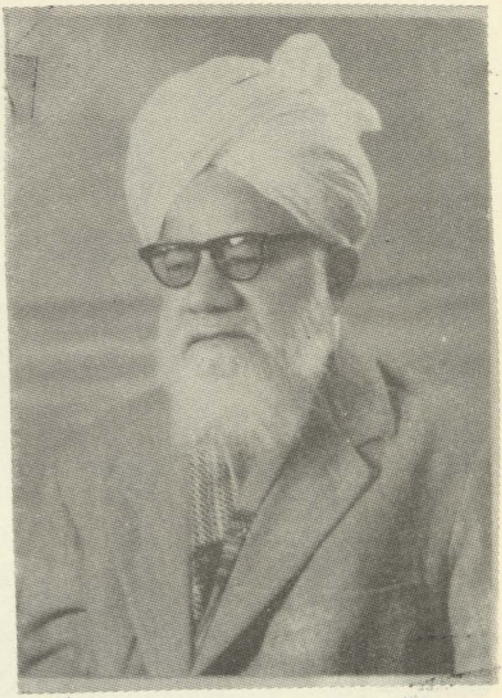
آخر میں خاکسار نے پوچھا کہ کیا آپ آج سے چودہ سو سال پہلے کے نجاشی شاہِ حبشہ کے خاندان اور اسی کی نسل میں سے ہیں یا آپ کسی اور خاندان سے ہیں۔جواب میں کہنے لگے۔مَیں اُنہیں کے خاندان اور اُسی لائن



مبلغین سیرالیون ۱۹۵۵ء میں (ص ۴۴۴)



پیراماؤنٹ چیف الحاج المامی سوری پریزیڈنٹ جماعت احمدیہ سیرالیون ان کے دائیں طرف
مولانا محمد صدیق شاہد گورداسپوری اور بائیں مولانا محمد صدیق امرتسری ہیں (ص ۳۴۴)



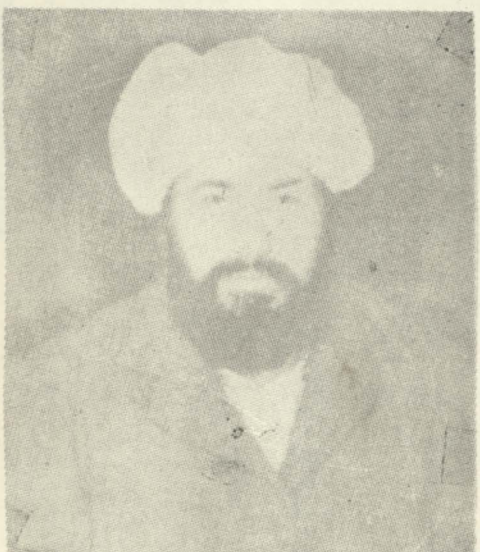
حضرت قمرالانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد رضی اللہ عنہ
(صفحہ ۵۶۹)



حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ



سیرالیون کے دو نہایت مخلص لبنانی احمدی
سید امین خلیل مرحوم اور سید حسن محمد ابراہیم مرحوم
صفحہ ۵۲۰



حضرت مولانا غلام رسول راجیکی رضی اللہ عنہ
(صفحہ ۴۰۹)

کا تر لیسٹھ واں بادشاہ ہوں اس کے بعد خاکسار نے رخصت چاہی۔ چنانچہ ان کے وزیر اعظم اور وزیر خارجہ پہلے اُلٹے پاؤں اس کمرے سے باہر نکلے اور پھر انہوں نے میرے ساتھ نیچے سڑک تک آ کر مجھے رخصت کیا۔

حضرت قمر الانبیاءؓ سے اس عاجز کی آخری ملاقات

مبلّغین کے لئے کار آمد نصائح

یکم مئی ۱۹۶۲ء کو ربوہ سے سنگا پور روانہ ہونے سے چند گھنٹے قبل خاکسار حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے رضی اللہ عنہ کی خدمت میں درخواستِ دُعا اور الوداعی ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ آپ ایک کمرے میں نہایت بے تکلفی سے چارپائی کے پاس ہی قالین پر تشریف فرما تھے۔ اور غالباً بعض خطوط کا جواب لکھ رہے تھے۔ آپ باوجود نقاہت کے اُٹھ کر دروازے تک تشریف لائے اور مصافحہ کے بعد بڑی شفقت سے مجھے اندر لے گئے اور اپنے پاس بٹھا کر گفتگو فرماتے رہے۔ میرے رخصت ہونے سے قبل آپ نے فرمایا۔

"اس مرتبہ آپ ایسی جگہ جا رہے ہیں جو آپ کے لئے نئی ہے۔ آپ کو معمول سے زیادہ دعائیں اور جد و جہد کرنی پڑے گی۔ اس لئے آپ ابھی سے اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کر لیں۔ نیز فرمایا۔ سب سے پہلی اور بڑی تبلیغ ایک مبلّغ کا اپنا نمونہ ہے اس کے بعد دعا اور علم و حکمت اور تجربہ وغیرہ کام آتے ہیں۔"

پھر فرمایا۔

"اپنے نفس کا متواتر محاسبہ کرتے رہنا چاہیئے۔ اور اپنے تبلیغی و تربیتی کام اور اس کے نتائج کا ہمیشہ جائزہ لیتے رہنا چاہیئے۔ مبلّغ کو ہر ایک سے ایسا سلوک کرنا چاہیئے کہ ہر فردِ جماعت اللہ تعالیٰ کی ہستی

کے بعد اسے اپنا مددگار و معاون اور ہمدرد و شفیق باپ اور بھائی یقین کرے۔ مبلّغ کو حتی الوسع افرادِ جماعت میں سے حاجتمند احباب پر ذاتی احسانات اور محض لِلّٰہ و فی اللہ حسن سلوک کر کے انہیں اپنا حقیقی دوست اور ہمدرد بنانا چاہیئے۔ تاکہ کبھی ناگہانی مصیبت، مشکل یا بیماری کے وقت اپنے عزیزوں کی طرح وہ لوگ اس کا دست و بازو ثابت ہوں اور اس کے کام آسکیں"

اسی طرح فرمایا۔

"اپنے سے پہلے مبلّغ کے طریقِ کار اور اس کی پالیسی اور اس کے جاری کردہ مفید کاموں یا پروگراموں کو حتی الامکان اسی طرح جاری رکھنا چاہیئے اور بلاوجہ تبدیلیاں نہیں کرنی چاہئیں۔ اور اگر کوئی تبدیلی کرنی بھی پڑے یا کوئی نیا طریقِ کار اختیار کرنا ہو تو ایسے انداز میں کیا جائے۔ کہ سابقہ کام یا طریقِ کار کے نقائص سامنے نہ لائے جائیں۔ پہلوں کے کاموں اور کوششوں کی تعریف ہو اور ان کے لئے دعائیں جاری رہیں"

اس طرح باوجود مصروفیت کے حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ کام چھوڑ کر تقریباً دس منٹ تک اس عاجز کو مفید نصائح سے نوازتے رہے۔ جس کے بعد اس پیکرِ شفقت و رحمت نے اس عاجز کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور پھر آبدیدہ آنکھوں سے آپ نے اس حقیر ترین خادمِ سلسلہ سے معانقہ کر کے رخصت فرمایا۔ اس کے بعد گو سنگاپور سے میری آپ سے خط و کتابت ہوتی رہی لیکن افسوس پھر آپ کی ملاقات یا دید نصیب نہ ہوئی۔

(الفضل ۱۶ر مئی سنہ ۱۹۶۲ء)

ڈیوک آف ایڈنبرا کو ایک خدا، ایک رسولؐ اور ایک کتاب پر ایمان کی دعوت

دسمبر ۱۹۶۲ء میں انگلستان کے ڈیوک آف ایڈنبرا نے آسٹریلیا سے انگلستان واپس جاتے ہوئے دو روز کے لئے سنگاپور میں قیام کیا۔ خاکسار نے بحیثیت امیر جماعت احمدیہ سنگاپور برٹش ہائی کمشنر کی وساطت سے انہیں جماعت احمدیہ کی طرف سے مطبوعہ قرآنِ کریم انگریزی اور دیگر اسلامی لٹریچر پیش کیا۔ نیز ایک تبلیغی میمورنڈم کے ذریعہ انہیں اسلام کی حقیقت اور احمدیت کی تاریخ سے آگاہ کرنے کے علاوہ احمدیہ مشن لندن کے متعلق بھی معلومات بہم پہنچائیں۔ نیز حضرت مسیح ناصریؑ کی آمدِ ثانی کے متعلق "انجیل" کی بشارات کا ذکر کر کے ان پر واضح کیا کہ مسیح ناصریؑ کی آمدِ ثانی سے درحقیقت ایک ایسے مسیح و مہدی کی آمد مراد تھی جس نے مسیح ناصریؑ کا مثیل ہو کر ان کی صفات پر آنا تھا اور یہ پیشگوئی حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السلام کی آمد سے پوری ہو چکی ہے جو کہ جماعت احمدیہ کے بانی ہیں اور جن کی آمد کا مقصد تمام دنیا کی قوموں کو ایک خدا، ایک رسولؐ اور ایک عالمگیر مذہب اسلام کا پیروکار بنانا ہے۔ پس مسیح ناصریؑ کے ہر اس مرید کے لئے جو انہیں سچا سمجھتا اور ان سے محبت رکھتا ہے یہ ضروری ہے کہ وہ ان کے مثیل کو بھی اپنا ہادی و رہنما تسلیم کرے، اُن کی جماعت میں شامل ہو اور اسلام قبول کر کے اپنے خدا کو راضی کرے اور بانی اسلام نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونہ اور اُسوہ پر عمل پیرا ہو کر آخرت میں خدا کی ابدی جنت کا وارث بنے۔

چنانچہ ڈیوک محترم کے سنگاپور سے روانہ ہونے کے چند روز بعد انگلستان سے ان کے سیکرٹری صاحب کی چٹھی مجھے ملی کہ جناب ڈیوک محترم ہمارے تحائف کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور وہ ان کا مطالعہ کر کے خوشی محسوس کریں گے۔ ان کی طرف سے جماعت احمدیہ سنگاپور کا شکریہ ادا کر دیا جائے۔

کمبوڈیا کے سابق صدر پرنس سہانوک کو تبلیغ اسلام

جنوری ۱۹۶۳ء میں کمبوڈیا (حال کمپوچیا) کی حکومت کے صدر ہزرائل ہائی نس پرنس تھارو ڈان سہانوک حکومت سنگاپور کی دعوت پر چند روز کے لئے سنگاپور آئے۔ جماعت احمدیہ سنگاپور کی طرف سے انہیں خیر مقدم ایڈریس پیش کرنے کے لئے کمبوڈین کونسل کے ذریعہ ان سے وقت لیا گیا اور پھر ۲۳ر جنوری ۱۹۶۳ء کو خاکسار کی قیادت میں جماعت احمدیہ کے ایک وفد نے انہیں خیر مقدم ایڈریس پیش کیا۔ جس میں انہیں اسلام کی تعلیم سے آشنا کر کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی دعوت دی گئی۔ اس کے بعد قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ مع ٹیچنگ آف اسلام انہیں تحفۃً پیش کیا گیا۔ وفد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ دونوں تحفے ان کی ذاتی لائبریری کی زینت بنیں گے۔ اور وہ وقتاً فوقتاً ان کا مطالعہ کیا کریں گے۔

خیر مقدم ایڈریس میں انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ گو ظاہر بین نظر میں ہمارے یہ تحائف معمولی معلوم ہوں گے لیکن دینی و دنیوی لحاظ سے یہ دونوں بمثال ہیں کیونکہ مادی تحائف تو چرائے بھی جا سکتے ہیں لیکن اگر آپ ان تحائف میں مذکورہ احکام اور علم و دانش اور حکمت کی باتوں کو اپنا کر ان پر عمل کریں گے تو موت کے بعد اگلے جہان میں بھی یہ آسمانی بادشاہت میں آپ کی شمولیت اور جنت ابدی میں داخل ہونے کا موجب بنیں گے۔

پرنس سہانوک چونکہ بدھ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ان پر گوتم بدھ کی حضرت رسولِ عربی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق پیشگوئیاں واضح کر کے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کا مصداق ثابت کیا گیا۔

(الفضل ۸ر اگست ۱۹۶۴ء)

شاہِ ریاست سکّم کو قرآنِ کریم کی پیشکش اور تبلیغ

اس کے بعد ۱۵ را پریل ۱۹۶۳ء کو کوہِ ہمالیہ کی ریاست سکّم SIKKIM کے بادشاہ گیالسے پالڈن تھانڈن سیر وسیاحت کے لئے سنگاپور آئے تو انہیں پیغامِ اسلام پہنچانے کی غرض سے ان سے ملاقات کی کوشش کی گئی۔ مگر ان کی مشغولیت کے باعث سنگاپور کی حکومت ہمیں ان سے ملاقات کی اجازت نہ دے سکی۔ تاہم جماعت احمدیہ سنگاپور کی طرف سے انہیں بذریعہ ڈاک ایک تبلیغی میمورنڈم پیش کیا گیا۔ جس میں حضرت بُدھ کی پیشگوئیوں سے انہیں آگاہ کر کے حضرت رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں شامل ہونے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ نیز قرآنِ کریم انگریزی کا ایک نسخہ بھی انہیں تحفۃً بھیجا گیا۔"

(الفضل ۷ر اگست ۱۹۶۴ء)

مفتیٔ اعظم فلسطین استاذ الحاج امین الحسینی کو تبلیغ

اور عربی کتب کی پیشکش

جون ۱۹۶۲ء میں الاستاذ الحاج مفتی امین الحسینی مرحوم مفتیٔ اعظم فلسطین نے کوالالمپور میں ایک اسلامی کانفرنس میں شمولیت کے لئے چند روز ملیشیا میں قیام کیا۔ ان کی سنگاپور میں آمد پر خاکسار نے جماعت احمدیہ سنگاپور کی طرف سے انہیں عربی زبان میں خیر مقدم ایڈریس پیش کیا۔ جس میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کی آمد کی خوشخبری کے علاوہ انہیں احمدیت کی غرض و غایت سے آگاہ کیا۔ اور حضور علیہ السلام کی صداقت کے دلائل و علاماتِ مہدی بھی مختصر طور پر بیان کئے گئے۔

احمدیہ جماعت عربوں کی مؤید اور خیر خواہ ہے

نیز حضرت امام الزمان علیہ السلام کی عربی کتب کا ایک مکمل سیٹ خوبصورت جلدیں بنوا کر تحفۃً انہیں پیش کیا۔ انہوں نے ہمارے عربی ایڈریس اور کتب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا۔

"مَیں احمدیہ عقائد اور دنیا میں تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں ان کی مساعی سے پہلے ہی کافی حد تک واقف اور مداح ہوں۔ میرے لئے احمدیت کوئی اجنبی تحریک نہیں ہے اور مَیں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ جماعت قضیۂ فلسطین میں عربوں کی مؤید اور خیر خواہ ہے"

(الفضل ۷ راگست ۱۹۶۴ء)

ملیشیا کے لیڈروں کو قرآن کریم کا تحفہ

اس کے علاوہ اسی ماہ میں ملیشیا کے پہلے وزیر اعظم تنکو عبد الرحمن اور سابق چیف سلطان آف ملیشیا ینگ دی پرتوان اگونگ اور وزیر اعظم سنگاپور آنریبل لی کوان یو اور گورنر سنگاپور الحاج یوسف بن اسحاق کو ملیشیا میں نئے الیکشنوں میں ان کی سیاسی پارٹیوں کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہوئے جماعت احمدیہ کی طرف سے شائع شدہ انگریزی قرآن کریم کا ایک ایک نسخہ پیش کر کے اس مقدس کتاب سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی انہیں تلقین کی گئی۔

جواب میں سب نے علیحدہ علیحدہ ہمارے اس آسمانی تحفہ کو قبول کرتے ہوئے بذریعہ ڈاک احمدیہ جماعت سنگاپور کا شکریہ ادا کیا

(الفضل ۷ راگست ۱۹۶۴ء)

تھائی لینڈ کے بادشاہ کو تبلیغِ اسلام اور قرآن کریم کی پیشکش

حضرت رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت گوتم بُدھ کی اڑھائی ہزار سال پرانی پیشگوئیاں

جون ۱۹۶۳ء میں جمہوریت ملایا کے چیف سلطان ینگ دی پرتوان اگونگ کی دعوت پر تھائی لینڈ کے نوجوان بادشاہ شاہ بھومیبھال اور ان کی ملکہ اپنے بعض وزراء کی معیت میں ایک ہفتہ کے خیر سگالی دورہ پر ملیشیا تشریف لائے۔ شاہ بھومیبھال بدھ مذہب کے مخلص پیروکار ہیں اور گوتم بدھ کی نسل میں سے ہونے کی وجہ سے وہ اپنے ملک کی بُدھ رعایا میں مقدس مذہبی شخصیت تسلیم کئے جاتے ہیں چنانچہ حال ہی میں ان کے متعلق آسٹریلیا کی ایک یونیورسٹی کے چانسلر کے بیان پر احتجاج کرتے ہوئے تھائی لینڈ کے وزیر خارجہ نے یہ اعلان کیا کہ ہمارے بادشاہ ہمارے لئے صرف دنیوی لحاظ سے ہی نہیں بلکہ مذہبی لحاظ سے بھی نہایت مقدس اور محبُوب ہستی ہیں۔

شاہ تھائی لینڈ (سابق سیام) کی ملایا میں آمد پر جہاں دوسروں کی طرف سے کئی خطابات اور اعزازی ڈگریاں اور تحائف پیش کئے گئے۔ وہاں جماعت احمدیہ سنگاپور کی طرف سے انہیں اللہ تعالےٰ کی مقدس اور افضل ترین کتاب قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ و تفسیر اور لائف آف محمدؐ جیسے مایۂ ناز تحائف ریشمی ملفوف میں پیک کر کے ایک ٹائپ شدہ طویل خیر مقدم ایڈریس کے ساتھ پیش کئے گئے۔ چونکہ اس ایڈریس یا میمورنڈم میں سیّدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق حضرت گوتم بُدھ کی اڑھائی ہزار سال پُرانی پیشگوئیوں کا تفصیلی ذکر کر کے شاہ تھائی لینڈ اور ان کی ملکہ کو قبولِ اسلام کی دعوت دی گئی تھی اس لئے افادۂ عام کی خاطر اس کا اردو ترجمہ اور شاہ موصوف کی طرف سے اس کا جواب یہاں درج کیا جاتا ہے:۔

احمدیہ دار التبلیغ - ۱۱۱ اُونن روڈ سنگاپور
۲۲ر جون ۱۹۶۳ء

بادشاہ سلامت! اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی رفیقۂ حیات ملکہ سرکیمیت پر رحم فرمائے اور ابدی حیات اور رہنمائی سے نوازے۔ آمین۔

ملایا میں آپ کے سرکاری دورے کی مبارک تقریب پر ہم ممبرانِ جماعت احمدیہ آپ کی خدمت میں اسلام کی مقدس کتاب قرآنِ کریم کا انگریزی ترجمہ معہ عربی متن اور سیرت حضرت بانیٔ اسلام سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تحفۃً پیش کرتے ہیں۔ ہمیں قوی امید ہے کہ آپ نہ صرف ان مقدس و متبرک تحائف کو بخوشی قبول فرمائیں گے بلکہ وقتاً فوقتاً ان کا دلچسپی سے مطالعہ بھی فرمائیں گے۔

عالی جاہ! اگرچہ ظاہر بین نظر میں ہمارا یہ تحفہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسی لاثانی اور فیض پہنچانے والی کتاب ہے جو کہ خود زمین و آسمان کے خالق و مالک خدا نے اپنی پیاری مخلوق کی رہنمائی کے لئے آسمان سے نازل فرمائی۔ بدیں وجہ ہمیں یقین ہے کہ محققانہ نظر سے پڑھنے کی صورت میں ہمارا یہ تحفہ انشاء اللہ ضرور آپ کی رُوحانی رہنمائی اور ترقیات کا موجب اور مذہبِ اسلام کے متعلق آپ کی معلومات میں گونہ اضافہ کرنے والا ثابت ہو گا۔

اے بادشاہ! قرآن کریم دنیا میں وہ واحد آسمانی صحیفہ ہے جس نے یہ حقیقت دنیا پر آشکار کی ہے کہ دنیا کے ہر خطہ اور ہر قوم میں کسی نہ کسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی ہدایت کے لئے کوئی نہ کوئی مامور اور مصلح آیا ہے اور اس لحاظ سے ہم مسلمان دنیا کے ان تمام روحانی رہنماؤں اور مصلحین پر ایمان لانا جزوِ ایمان سمجھتے ہیں۔ جو گذشتہ زمانہ میں وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا کے مختلف حصّوں میں آتے رہے ہیں۔ چنانچہ ہم حضرت گوتم بدھ علیہ السلام کو بھی اپنے زمانے کا بہت بڑا پیغمبر و پیشوا مانتے ہیں۔ اس دنیا کے رحیم و کریم خدا کا یہ ابدی اور غیر متبدل قانون ہے کہ جس طرح وہ مادی لحاظ سے ہر زمانہ میں ہر انسان اور ہر جاندار کی ضرورتیں پوری فرماتا ہے۔ اسی طرح

وہ بنی نوع انسان کی روحانی زندگی اور دائمی بقا کے لئے بھی وقتاً فوقتاً آسمان سے روحانی مائدہ نازل فرماتا رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت گوتم بدھ بھی اللہ تعالےٰ کی اسی سنّتِ مستمرہ کے پیشِ نظر فرماتے ہیں :۔

"دنیا میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ ہر بدھ (روحانی مصلح) کی وفات کے بعد اس کا مذہب کچھ عرصہ تک ترقی کر کے انسانی ردّ و بدل کی وجہ سے اپنی اصلی شکل میں قائم نہیں رہتا اور اس کے پیرو گمراہ ہو جاتے ہیں اور آخر کار پھر ان کی پرانی اور گمشدہ سچائیوں کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ایک نیا بدھ بھیجتا ہے۔"

(SEVEN BASKETS.)

پس حضرت بانیٔ اسلام سیدنا محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم بھی مذکورہ بالا معیار کے عین مطابق ایسے وقت میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے دنیا کی سب قوموں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے بھیجے گئے جبکہ اس کرۂ ارضی کا ہر حصّہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا منظر پیش کر رہا تھا اور دنیا ضلالت و گمراہی کے عمیق گڑھے میں گر چکی تھی۔ اور تمام سابقہ ادیان محرّف و مبدّل ہو چکے تھے۔

ایک عالمگیر اور عظیم بدھ کی آمد کی پیشگوئی

اے واجب الاحترام بادشاہ مذکورہ بالا عام سنّتِ الٰہیہ کے علاوہ ہم آپ کی خدمت میں یہ حقیقت بیان کرنے میں بھی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ کہ حضرت بدھ علیہ السلام نے اپنے بعد ایک خاص اور نہایت عظیم الشان اور عالمگیر روحانی مصلح کے آنے کی بھی واضح پیشگوئیاں کی ہیں جو تقریباً اڑھائی ہزار سال سے بدھ مذہب کی کتبِ مقدسہ میں مِن وعَن محفوظ چلی آتی ہیں۔ اس میں حضرت بدھ علیہ السلام نے جو علامات اور صفات اس پیغمبرِ اعظم کی بیان فرمائی ہیں وہ سوائے ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت سرورِ کائنات محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی اور رسول یا مذہبی پیشوا پر صادق نہیں آتیں۔ ان عظیم الشان پیشگوئیوں کے اصل الفاظ (جو انگریزی سے ترجمہ کئے گئے ہیں) یہ ہیں۔ حضرت بدھ فرماتے ہیں :۔

"میرے بعد دنیا میں ایک ایسا بدھ پیدا ہوگا۔ جس کا نام میتریا

(MAITERYA) ہو گا وہ بڑا مقدس اور سب بُدھوں یعنی نبیوں سے افضل اور سراپا نور ہو گا۔ اسے اعلیٰ درجہ کی فراست اور عقل و دانش بخشی جائے گی۔ وہ بڑا اقبال مند اور دنیا کو جانچنے اور سمجھنے والا ہو گا وہ تربیت یافتہ مردوں کا رتھ بان اور فرشتوں اور انسانوں کا ماسٹر ہو گا۔ وہ نہایت بابرکت بُدھ (مصلح) ہو گا اور اپنے وقت پر دنیا میں مبعوث ہو گا جس طرح اب مَیں ظاہر ہُوا ہوں وہ ان سب خوبیوں کا مالک ہو گا جو مجھ میں ہیں۔ جو کچھ بھی وہ اپنے غیر معمولی آسمانی علم کے ذریعہ پائے گا وہ سب دنیا پر ظاہر کر دیگا اور فرشتوں اور ان کے سرداروں اور دوستوں اور دشمنوں اور برہمنوں اور فلاسفروں اور شہزادوں اور بادشاہوں اور عام لوگوں سب پر وہ اپنے روحانی تجربات آشکار کر دے گا جس طرح کہ اس وقت مَیں اپنے تجربات اور علم و معرفت اس قسم کے لوگوں پر ظاہر کرتا ہوں وہ ایک ایسا مذہب دنیا میں پھیلائے گا جو اپنی بنیادوں کے لحاظ سے عالیشان اور مقاصد کے لحاظ سے بھی ظاہر و باطن دونوں طرح سے شاندار اور سود مند ہو گا۔ وہ بھی میری طرح اپنے ماننے والوں کو خالص اور مکمل مذہبی زندگی گزارنے کی تلقین کریگا اور ہزاروں مخلصوں کی عالمگیر برادری کا لیڈر ہو گا جس طرح میں اس وقت سینکڑوں مخلصوں کی برادری کا لیڈر ہُوں"۔

"وہ سارے عالم کے لئے سراسر رحمت اور صلح کا پیغامبر اور صلح کرنے والا اور پُر سکون نیند سونے والا اور غیر معمولی عقل اور گہرے فکر و خیال کا مالک ہو گا۔ وہ توہمات اور جھوٹی خوابوں سے مبرّا ہو گا۔ خدا کے فرشتے اس کے محافظ و نگران ہوں گے اور وہ لڑائی میں خدا کی حفاظت میں ہو گا۔ زہر اس پر اثر نہیں کرے گا اور وہ آگ اور پانی کے نقصان سے محفوظ اور دوسروں کی حفاظت کا موجب ہو گا اور دنیا میں نہایت کامیاب اور آخرت

میں اپنی وفات کے بعد خدا کے ساتھ ہوگا وہ صادق کہلائے گا اور سچائی، کلام میں نرمی، عزتِ نفس، وفاداری اور شفقت و حلم جیسی اعلیٰ صفات سے متصف ہوگا۔"

"اسی طرح وہ کبھی کسی کے ساتھ دھوکہ دہی غصّہ یا تکبّر سے پیش نہیں آئیگا اور مغلوب الغضب نہیں ہوگا نہ کبھی دوسروں کے نقصان یا مصیبت پر خوش ہوگا اور نہ کبھی کسی کو حقارت سے دیکھے گا بلکہ خدا کی مخلوق سے انتہائی محبت کرنے والا اور ہر ایک سے مادرِ مہربان کا سا سلوک کرنے والا ہوگا۔ وہ اعلیٰ درجہ کا مدبر ہوگا اور لفظی اور معنوی دونوں لحاظ سے دنیا کے لئے نمونہ ہوگا۔ اس کے ساتھ ایسی مکمل اور جامع مانع سچائی ہوگی جو غیر معمولی طاقت و اثر رکھے گی اور محفوظ رکھی جائے گی۔"[۱]

عالیجاہ! حضرت گوتم بدھ کی اس مہتم بالشان پیشگوئی میں آنے والے عالمگیر بدھ کا سب سے اہم نام یا صفت میتریا (MAITERYA) بتایا گیا ہے۔ اکثر محققین کے نزدیک یہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی سنسکرت میں ایک ایسے محبّت کرنے والے صاحبِ رحمت فیّاض اور خیر خواہ انسان کے ہیں جو ہر جاندار کے ساتھ ہمدردی اور شفقت و مہربانی کا سلوک کرنے والا ہو پس میتریا کے ان معنوں اور اس مفہوم کو ذہن میں رکھ کر اگر دنیا کی تاریخ اور

---

[۱] حوالوں کے لئے دیکھیں:۔

(1) ADMUND'S BUDHIST & CHRISTIAN GOSPELS VOL. 2. PAGE 160-161.

(2) MILINOR PRANO, PALI TEXT, EDITED BY V. TRECKNER, 1880 ORIENTAL LIBRARY LONDON.

(3) CHAKKAVATTI SINH- AND SUTTANTA D. III.76.

(4) " " " METTEYA SUTTADHAMMAPAD P. 151.

(5) SUNSKRIT ENGLISH DICTIONARY BY MONIER WILLIAMS.

مصلحینِ عالم کے حالاتِ زندگی کا جائزہ لیا جائے۔ تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ حضرتِ گوتم بدھ سے لے کر اب تک دنیا میں سوائے حضرت سرورِ کائنات رسولِ عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی روحانی مصلح یا پیغمبر ایسا نہیں گزرا جو مذکورہ بالا صفات اور علامات کا حامل ہو اور اس مقدس نام (MAITERYA) کا مصداق اور حقدار ثابت ہو (میتریا کے معنوں کے لئے دیکھیں سنسکرت انگریزی ڈکشنری مصنفہ مونیر ولیم)

رحمتِ عالم

حضرت نبیٔ عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے حالات پر غور کرنے سے نہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ دنیا کے سب سے بڑے محسن و ہمدرد اور سراپا رحمت و شفقت انسان تھے بلکہ خود اللہ تعالےٰ نے بھی اپنی مقدس کتاب قرآن کریم میں آپؐ کو انہیں صفات اور خطابات سے نوازا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کہ اے محمدؐ! ہم نے تجھے تمام جانداروں تمام انسانوں اور تمام زمانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پھر فرماتا ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ کہ یہ مسلمانوں پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے رحمت ہے کہ اے محمدؐ! تو اُن سے حلم رحمت اور نرمی سے پیش آتا ہے اگر تو بد اخلاق اور سخت دل ہوتا تو یہ لوگ تیرے گرد سے تتر بتر ہو جاتے۔ پس تو انہیں معاف کر دے اور ان کے لئے بخشش طلب کر۔ اسی طرح ایک اور جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (توبہ) یعنی اے مومنو! تمہارے پاس تمہاری قوم کا ایک فرد رسول ہو کر آیا ہے تمہارا تکلیف میں پڑنا اس پر شاق گزرتا ہے اور وہ تمہارے لئے خیر کا بہت بھوکا ہے۔ اور مومنوں کے ساتھ محبت کرنے والا اور بہت کرم کرنے والا ہے۔

پس یہ ہیں حضرت رسولِ عربی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی وہ صفاتِ کریمہ اور آپ کے دل کی حالت کا حقیقی نقشہ جو خود خدا تعالےٰ نے بیان فرمایا ہے اور جس پر

مکمل طور پر میتریا" کا مفہوم صادق آتا ہے گویا آپؐ نہ صرف اپنے صحابہؓ، اپنے قبیلے اور قوم اور ملک کی محبت وہمدردی اور بہبودی کے جذبے سے سرشار تھے بلکہ آپؐ تمام بنی انسان کے لئے سراسر رحمت ومحبت اور شفقت تھے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپؐ ہی درحقیقت وہ عالمگیر "میتریا" ہیں جن کی آمد کی حضرت گوتم بدھ علیہ السلام نے خبر دی ہے اور یہ صرف ایک دعویٰ ہی نہیں۔ بلکہ حضرت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور سیرت جس کا لمحہ لمحہ محفوظ ہے اور تمام دنیا کے لئے ایک کھلی کتاب کا حکم رکھتا ہے اس امر کا بیّن اور ناقابلِ انکار ثبوت ہے کہ آپؐ ان صفات کے حامل تھے۔

اے بادشاہ سلامت! اس موعودِ اقوامِ عالم "میتریا" اور مصلح کے اس نام کے علاوہ گوتم بدھ علیہ السلام نے مذکورہ بالا پیشگوئی میں اس کی اور بہت سی صفات وعلامات بھی بتائی ہیں جن سے اس نے پہچانا جانا تھا۔ خاکسار ذیل میں انہیں نمبروار پیش کر کے مختصرًا بتائے گا کہ کس طرح وہ حضرت رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے بابرکت وجود میں اور آپ کے قائم کردہ مذہبِ اسلام میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔

سراپا نور ورحمت

(۱) وہ موعود بدھ سب بدھوں (مصلحین) سے برتر سراپا نور اور غیر معمولی دانش کا مالک ہوگا"

حضرت رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے مبعوث ہونے والے سب انبیاء اور ان کے مذاہب اور شریعتیں صرف مخصوص زمانے مخصوص قوم اور ملک کے لئے ہوتی تھیں مگر آپؐ اور آپؐ کی مقدس کتاب قرآن کریم دنیا کے اسود واحمر اور ابیض غرضیکہ تمام نسلوں تمام قوموں اور تمام ملکوں کے لئے ہے اور اس لحاظ سے آپ یقینًا سب دیگر انبیاء اور مصلحین اور بدھوں سے افضل واعلیٰ اور برتر ہیں۔ نیز خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ فرمایا کہ مَیں اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے سیّد وُلدِ آدم اور سیّد الاوّلین والآخرین ہوں لیکن مَیں اس بات پر فخر نہیں کرتا۔ اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے بار بار آپؐ کے سراسر "نور وہدایت" اور "ذکر" اور "شمس" اور

"سراج منیر" ہونے کا اعلان فرمایا ہے بلکہ قرآن کریم سے پہلی کتب مثلاً بائبل وغیرہ میں بھی اس قسم کے ناموں اور صفات سے حضورؐ کی آمد کی پیشگوئیاں کی گئی ہیں۔ خود حضورؐ نے فرمایا ہے۔ اوّل مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ کہ اس کائنات میں سب سے پہلے اللہ تعالٰے نے میرا نور پیدا فرمایا۔ اور واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ آپؐ واقعی ایک بے نظیر اور لاثانی وجود ہیں۔ جس نے کروڑوں انسانوں کو منوّر کیا اور کرتا چلا جارہا ہے۔ لیکن پھر بھی یہ نور بجائے کم ہونے کے بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور بڑھتا ہی چلا جائے گا۔

اس کے علاوہ باوجود ناخواندہ ہونے کے حضرت رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالٰے کی طرف سے غیر معمولی عقل و دانش ذہانت اور سمجھ اور ہر قسم کا ظاہری اور باطنی علم عطا کیا گیا۔ یہ ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس کا اعتراف آپ کے ہمعصر کفارِ عرب کے علاوہ موجودہ زمانہ کے مغربی محققین اور مستشرقین نے بھی کیا ہے اور بعض نے باوجود مسلمان نہ ہونے کے آپؐ کو فوق العادت فراست اور بلند کردار کا حامل تسلیم کیا ہے اور آپؐ کے قائم کردہ مضبوط جماعتی اور سوشل نظام اور اعلیٰ فوجی تدابیر اور بظاہر بے سروسامان ہونے کے باوجود اس سرعت سے نمایاں اور بے مثال کامیابی حاصل کر لینے پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔ حتٰی کہ انہیں مجبوراً لکھنا پڑا ہے کہ شائد آپؐ کے پیچھے خدا کی طاقت کام کررہی تھی اور شائد آپؐ خدا کے سچّے رسُول تھے۔

زمینی اور آسمانی علوم کا ماہر

(۲)" وہ بڑا اقبال مند اور دنیا کو جانچنے اور سمجھنے والا اور تربیت یافتہ مردوں کا رتھبان اور فرشتوں اور انسانوں کا آقا ہوگا۔ جو کچھ وہ اپنے آسمانی علم کے ذریعہ پائے گا۔ وہ سب دُنیا پر ظاہر کردے گا اور فرشتوں اور ان کے سرداروں اور دوستوں اور دشمنوں اور برہمنوں اور فلاسفروں اور شہزادوں

اور عام لوگوں سب پر اپنے روحانی تجربات آشکار کر دے گا۔!

یہ تمام صفات و علامات بھی ہمارے آقا حضرت نبیٔ عربی صلے اللہ علیہ وسلم میں اعلیٰ اور اتم طور پر پائی جاتی ہیں۔ آپؐ کی جملہ مقاصد میں نمایاں کامیابی اور اقبال مندی اور آپؐ کے مبارک وجود کا دنیا کے ہر فرد کے لئے رحمت کا موجب ہونا اور تمام خوبیوں اور نیکیوں اور نوروں اور رفعتوں کا جامع اور تمام فیوض و برکات کا سرچشمہ ہونا اوپر وضاحت سے بیان کیا جا چکا ہے۔ اس لئے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ہزاروں جاں نثار صحابہ کا ذکرِ خیر

تاریخ اسلام سے واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہزاروں صحابہ کرام کی جس جانفشانی جرأت اور توجّہ سے رہنمائی فرمائی اور اپنے ان جاں نثاروں کی جس طرح اعلیٰ درجہ کی تربیت اور تعلیم فرمائی انہیں دینی و دنیوی علوم اور دنیا کے نشیب و فراز سے جس طرح آگاہ کیا۔ وہ ایک واضح حقیقت اور کھلی کتاب ہے اور دشمنوں نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تربیت اور رُوحانی تاثیرات اور قوتِ قدسیہ کا نتیجہ تھا کہ صرف چند سالوں کی تعلیم و تربیت سے حضور کے ان صحابہ کرام نے اخلاص و ایثار و قربانی بہادری و جاں نثاری اور دینداری کا ایسا اعلیٰ نمونہ دکھایا جس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی گویا اسلام اور رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر جان دینا اور تمام دنیا کو حلقہ بگوش اسلام کرنا ہی ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ حضورؐ کی وفات کے بعد چند گنتی کے سالوں میں انہوں نے دنیا کا نقشہ ہی بدل کے رکھ دیا۔ اور دینی و دنیوی لحاظ سے اپنی فوقیت و برتری ثابت کر دکھائی۔ اور اپنے آقا و مطاع صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے ہوئے علوم و تجربات ان کے ایسے کام آئے کہ وہ کئی علوم کے بانی اور موجد ثابت ہوئے اور دنیا کے فلاسفروں عالموں دانشوروں حاکموں اور بادشاہوں نے ان کی شاگردی کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھا۔

یہ سب کچھ نتیجہ تھا حضرت رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و توجّہ

اور رہنمائی کا کہ عرب کے وحشی اور غیر مہذب کہلانے والے چند ہزار مسلمان قیصر و کسریٰ کے خزانوں اور محلوں کے مالک بنا دیئے گئے اور دنیا ان کے پیچھے چلنے لگی۔ حضورؐ کی اس مقناطیسی قوت بے نظیر لیڈر شپ اور غیر معمولی تاثیرات کا اعتراف کرتے ہوئے موجودہ زمانے کے مشہور دانشور اور ادیب جارج برنارڈ شاہ نے لکھا ہے۔

"مجھے یقین ہے کہ اگر آج اس دنیا کی لیڈر شپ اور باگ ڈور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے انسان کے سپرد ہو جائے تو وہ موجودہ زمانے کے بین الاقوامی اختلافات اور سیاسی معاملات کو ایسے تسلی بخش طور پر حل کر کے رکھ دے کہ یہ دنیا صلح وامن کا گہوارہ بن جائے۔"

مشرک بدوؤں کو اولیاء الرحمٰن بنا دیا

روحانی لحاظ سے حضورؐ کی رہنمائی سے حضورؐ کے صحابہ نے جو ترقیات حاصل کیں وہ بھی غیر معمولی اور بے نظیر ہیں۔ صحرائے عرب کے غیر متمدن بدو کہلانے والے لوگ صدیوں کی تہہ بہ تہہ ظلمتوں سے نکل کر اولیاء الرحمٰن اور روحانی آسمان کے درخشندہ ستارے بن گئے جن کی روحانی تاثیرات نے دنیا کے کونے کونے کو روشن کر دیا۔

جہاں تک دنیوی اور روحانی علوم کا تعلق ہے خود قرآنِ کریم گواہی دیتا ہُوا فرماتا ہے۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسے خاص علوم دینیہ و دنیویہ اور ایسی باتیں اور معرفت عطا فرمائی جس سے دنیا پہلے بالکل ناآشنا تھی۔ اور جو کسی استاد سے سیکھی نہیں جا سکتی تھیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کو حکم دیا۔ کہ "اے محمد! ہم نے جو خاص علوم وحکمت کی باتیں اور احکامات وتعلیمات تجھے سکھائے ہیں تو وہ سب من وعن دنیا کے لوگوں تک پہنچا دے اگر تو نے یہ نہ پہنچائیں تو گویا تو نے اپنی ذمہ داری ادا نہیں کی۔" چنانچہ اس حکم کے مطابق حضورؐ نے اللہ تعالےٰ سے حاصل کردہ پیغامِ رسالت اور علوم واحکام سب قولاً و فعلاً وعملاً ہر طریق سے دنیا پر ظاہر فرما دیئے اور بلا خوفِ لَومتہِ لائم اس ذمہ داری

کو ادا کیا اور ہر ممکن طریق سے دنیا کے بادشاہوں حاکموں فلاسفروں شہزادوں اور مذہبی رہنماؤں غرضیکہ ہر طبقہ کے انسانوں تک اپنی زندگی میں بذاتِ خود اس توجہ اور جاں فشانی سے پیغامِ حق پہنچایا اور علم و حکمت کے موتی اِن پر لُٹائے کہ اللہ تعالےٰ نے بطور اظہار خوشنودی یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ - کہ اے محمدؐ! تُو اب میری طرف سے یہ اعلان کر دے کہ مجھ سے محبت کرنے اور میرا قرب حاصل کرنے کا اب ایک ہی راستہ اور ایک ہی ذریعہ ہے کہ انسان تیری کامل اطاعت و غلامی اختیار کرے اور تجھ سے دُنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبت کرے۔

اپنے روحانی تجربات اور نمونہ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا پر اس طرح آشکار فرمایا کہ اسلامی تعلیم اور احکام کے ہر حصے کو حضورؐ نے عملی جامہ پہنا کہ اپنی مبارک زندگی میں ایسا اعلیٰ اور اکمل نمونہ پیش فرمایا کہ دنیا کا ہر انسان اپنی زندگی کے ہر پہلو ہر دَور اور ہر کٹھن موڑ پر اس سے رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

عالمگیر مذہب کا بانیؐ

(۳) پیشگوئی میں آگے بتایا گیا ہے کہ

"وہ ایک ایسا مذہب دُنیا میں پھیلائے گا جو اپنی بنیادوں کے لحاظ سے نہایت مضبوط اور محکم ہو گا اور بلندیوں کے لحاظ سے نہایت عالیشان اور بالاترین اور مقاصد کے لحاظ سے بھی ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے شاندار مناسب حال اور مفید ہو گا۔"

عجیب خوشکن توارد ہے کہ اس اڑھائی ہزار سال پُرانی پیشگوئی کے مندرجہ بالا الفاظ واضح طور پر کتاب اللہ یعنی قرآن کریم کی آیت کریمہ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ تُؤْتِیْٓ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا الخ کا ہو بہو ترجمہ ہے کیونکہ اس آیت میں بھی کلمہ طیّبہ سے مراد حضرت رسُولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا لایا ہُوا پیغامِ رسالت اور دینِ قیّم ہے گویا قرآنِ کریم کے

قائم کردہ دین کی جو تعریف اس آیت میں بیان ہوئی ہے تقریبًا وہی تعریف حضرت گوتم بدھ علیہ السلام نے اپنی پیشگوئی میں بیان فرمائی ہے کہ اس عالمگیر بدھ کے مذہب کی مثال ایک زندہ اور تازہ درخت کی سی ہوگی جس کی بنیادیں اور جڑیں زمین میں مستحکم طور پر گڑی ہوں گی گویا کوئی شخص اس دین کو قیامت تک اس دنیا سے مٹا نہیں سکے گا۔ اور اس کی تعلیم عین انسانی فطرت کے مطابق ہوگی ایسی کہ گویا دل کی گہرائیوں میں اتر کر تمام جسم و روح پر اثر انداز ہوگی اور بلندیوں کے لحاظ سے وہ دین تائیداتِ سماویہ اور آیاتِ الٰہیہ کا حامل ہوگا اور نوعِ انسان کو آسمان تک اڑا کر خدا سے رابطہ قائم کرانے اور اس کا قرب دلانے والا ہوگا اور مقاصد کے لحاظ سے ہر زمانے میں تازہ روحانی پھل دے گا۔ اس کی روحانی برکات و تاثیرات اور صداقت دنیا پر ہمیشہ ظاہر ہوتی رہے گی۔ چنانچہ اسلام کی سب سے بڑی فضیلت اور خوبی یہی ہے کہ اس کی سچائی کا انحصار پارینہ قصوں اور روایتی معجزات پر نہیں ہے بلکہ اس لحاظ سے وہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہے اور ہر زمانے میں اس کی تائید و سچائی کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نئے نئے سامان اور ذرائع پیدا فرماتا ہے جو اس کے زندہ مذہب ہونے کا تازہ بتازہ ثبوت پیش کرتے ہیں۔

قبولیتِ دعا کا نشان

اے بادشاہِ عالی مقام! آج بھی خدا کے فضل سے دنیا میں حضرت رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے ایسے پیروکار اور غلام و شیدائی موجود ہیں جنہیں خاص تائیداتِ سماویہ حاصل ہیں اور جو غیر معمولی قربِ الٰہی اور برکات کے حامل ہیں۔ اور اگر آئے واجب الاحترام شاہ! اس بارے میں آپ تجربۃً اپنی تسلی کے لئے قبولیتِ دعا یا کسی اور نوع کا روحانی نشان اسلام کی سچائی کے لئے دیکھنے کے خواہشمند ہوں تو ہماری جماعت جو اس وقت تمام دنیا میں اسلام کی نمائندگی کر رہی ہے۔ اس خدمت کے لئے بھی ہر وقت حاضر ہے۔ ہمارے بین الاقوامی امام و خلیفہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ خارقِ عادت امور ظاہر فرماتا اور کرامات دکھاتا ہے۔

عالمگیر برادری کا لیڈر

(۴) آگے پیشگوئی میں لکھا ہے :-

"وہ خالص حقیقی اور مکمل مذہبی زندگی گزارنے کی لوگوں کو تلقین کرے گا اور ہزاروں مہاتماؤں اور ولیوں پر مشتمل ایک مخلص جماعت قائم کرے گا اور ہزاروں مخلصوں کی عالمگیر برادری کا لیڈر ہوگا جس طرح میں اس وقت سینکڑوں کی برادری کا لیڈر ہوں۔"

عالیجاہ ! قرآن کریم کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے ایک نہایت مکمل اور جامع مانع ضابطۂ حیات پیش کیا ہے جس میں تمام ایسی ضروریات تعلیمات اور تعزیرات اور احکام موجود ہیں جن میں قومی اور انفرادی زندگی اور معاشرے کے کسی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا انسان کی پیدائش کے قبل سے موت کے بعد تک ہر مرحلہ اور ہر قدم پر اسلام اس کی تربیت و رہنمائی کرتا اور پُر حکمت لائحۂ عمل پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ" کہ یہ کتاب قرآن کریم ایک مکمل لائحۂ عمل مکمل ضابطہ اور ایک جامع مانع آئین ہے جس میں بنیادی طور پر کسی انسانی ضرورت یا رہنمائی کی کمی نہیں ہے۔ یہ خوبی سوائے اسلام کی مقدس کتاب کے اور کسی مذہبی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ اگر صرف روحانی پہلو ہی لیا جائے تو بھی اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے دن کے ہر حصّہ میں بلکہ رات کے بعض حصّوں میں بھی اللہ تعالےٰ کی عبادت فرض قرار دی ہے۔ گویا کہ ایک مومن کا دن اور رات اس کی نماز اور قربانیاں، اس کا کھانا اور پینا، سونا اور جاگنا، اُٹھنا اور بیٹھنا، مرنا اور جینا سب خدا ہی کی خوشنودی کے لئے ہوتا ہے اور اس کی زندگی دست با کار و دل با یار کا مکمّل نمونہ ہوتی ہے چنانچہ حضرت رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روحانی قوت اور فیوض و برکات اور تاثیرات سے اپنے صحابہ کرام کی ایک ایسی مخلص جماعت قائم کی جن کی پاک زندگیاں اور روحانی ترقیات اور کارنامے ان کے اولیاء الرحمٰن

اور مہاتما ہونے پر شاہدِ ناطق ہیں۔ بائبل میں بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ کی یہی تعریف لکھی ہے۔ پھر خود حضورؐ نے فرمایا ہے کہ میرے صحابی روحانی اور دنیوی دونوں حیثیتوں سے آسمان کے درخشندہ تاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی رہنمائی بھی تمہیں میسر آجائے وہ تمہیں جادۂ ہدایت پر ڈال دے گی۔ (حدیث)

صحابہؓ نے ہر حالت میں حضورؐ کا ساتھ دیا

بائیبل میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں کے ساتھی مشکل اوقات میں ان کا ساتھ دینے سے گریز کر گئے تھے۔ مگر رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے ان مقدس اور وفادار صحابہؓ نے عمر بھر ہر مشکل سے مشکل وقت میں حضورؐ کا ساتھ دیا اور حضورؐ کی خاطر اپنی جانیں قربان کر ڈالیں۔ اور اخلاص و ایثار اور قربانی وفاشعاری اور ثابت قدمی کا وہ شاندار نمونہ پیش کیا جس کی مثال کسی دنیوی یا دینی راہ نما کے پیرووں میں نہیں ملتی۔ پس یہ حضورؐ کی تربیت و رہنمائی اور لیڈرشپ کا ہی اثر تھا کہ صحرائے عرب کے وحشی اور بدّو کہلانے والے باشندے چند سالوں میں نہ صرف بااخلاق، باخدا اور فرشتہ خصلت انسان اور اولیاء اللہ بن گئے بلکہ دُنیا کی سب سے اعلیٰ و برتر قوم اور فاتحین مشرق و مغرب کہلانے لگے۔

سراسر رحمت اور امن و آشتی کا پیغامبر

(۵)، آگے لکھا ہے:۔

”وہ سارے عالم کے لئے سراسر رحمت اور صلح و امن کا پیغامبر اور دوسروں کے درمیان صلح کرانے والا ہوگا وہ غیر مخل نیند سوئے گا اور غیر معمولی عقل و ذہانت اور علم و حکمت اور گہرے فکر و خیال کا مالک ہوگا مگر توہمات اور جھوٹی خوابوں سے مبرّا ہوگا۔“

عالی جاہ! حضرت رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم یقیناً اقوامِ عالم کے لئے صلح و امن کے پیغامبر تھے۔ مذہبِ اسلام کے تو معنی ہی امن و صلح کے ہیں۔ اور اگر اسلام کے پیش کردہ اصولوں پر صحیح طور پر عمل کیا جائے تو دنیا کی

ہر قوم امن و سکون کی زندگی بسر کرنے لگ جائے اور ان لڑائیوں اور آئے دن کے سیاسی جھگڑوں کا خاتمہ ہو جائے۔ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حکم فرمایا کہ

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔

کہ اے محمدؐ تو انہیں کہدے کہ میری عبادت وغیرہ تو سب خدا کے لئے ہے اور میں خود سب سے پہلا فرمانبردار اور امن پسند اور صلح کرانے والا شخص ہوں۔

تاریخ شاہد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی صدیوں کے دشمن قبائل کے درمیان جو آپس میں ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہتے تھے ایسی مستقل صلح کرائی کہ وہ ماضی کو بھول کر ہمیشہ کے لئے آپس میں محبت و امن اور صلح سے رہنے لگ گئے اور ایک دوسرے سے حقیقی بھائیوں کا سا سلوک کرنے لگے۔ اصلاح بین الناس پر اسلام نے اس قدر زور دیا ہے کہ حضرت رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضورؐ کے پیرو مومنوں کی بھی قرآن کریم میں یہ نشانی بتائی گئی ہے کہ وہ نہ صرف خود امن پسند ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کے درمیان صلح کرانے کا بھی موجب بنتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مخل میٹھی نیند

رات کو سوتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز دعا کر کے سوتے تھے کہ اے خدا میں تیرے نام کے ساتھ زندہ رہتا ہوں اور مرتا ہوں یعنی سوتے جاگتے مجھے تیری ہی یاد اور تجھی پر توکل رہتا ہے۔ اسی طرح اپنی نیند کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میری صرف آنکھیں سوتی ہیں مگر دل اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جس شخص کا سونا جاگنا سب خدا ہی کے لئے ہو اور جس کا دل ہمیشہ خدا تعالیٰ سے تعلق اور اس کے ذکر میں مگن ہو اور جسے ہر دم خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد اور نصرت اور حفاظت کی بشارتیں ملتی رہتی ہوں اس سے بڑھ کر غیر مخل

اور پُر سکون نیند سونے والا دنیا میں اور کون ہو سکتا ہے۔ پھر خدا تعالےٰ کے انبیاءؑ تو اضغاثِ احلام اور توہمات اور جھوٹی خوابوں سے ویسے بھی پاک ہوتے ہیں۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سوانح سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ حضورؐ کو نبوت سے بہت پہلے بچپن سے ہی پاک اور روزِ روشن کی طرح سچی خوابیں آیا کرتی تھیں۔

عجائباتِ قدرت پر غور و تدبّر

اے بادشاہ! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا غیر معمولی عقل و ذہانت کا مالک ہونا اور اعلیٰ تدابیر اختیار کرنا بھی حضورؐ کے حالاتِ زندگی سے بالکل واضح ہے بلکہ اس حقیقت کا آپؐ کے دشمنوں نے بھی اقرار کیا ہے۔ اس دُنیا کی پیدائش اور عجائباتِ قدرت پر نہ صرف آپ خود ہی ہمیشہ غور فرمایا کرتے تھے بلکہ قرآن کریم میں یہ آپ کے سچے متّبعین اور سچے مومنوں کی علامت بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی پیدا کردہ دنیا اور زمین و آسمان میں موجودہ اشیاء پر غور و فکر کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں طاقتوں اور عظمتوں کا اعتراف کر کے اس کی حمد کے گیت گانے میں مصروف رہتے ہیں۔

خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت غیر معمولی ذہانت کا مظاہرہ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دینِ اسلام کی تعلیم و اصول بھی باوجود نہایت عام فہم سادہ اور قابلِ عمل ہونے کے غیر معمولی طور پر فلسفیانہ اور Logical ہیں احادیث میں آیا ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ حضورؐ ہر بڑی مہم غزوہ یا سفر وغیرہ اختیار کرنے سے پہلے اچھی طرح پوری سکیم اور نقشہ بنا کر خاص طور پر مشورہ اور غور و فکر اور استخارہ فرما لیا کرتے تھے۔ حضورؐ کی غیر معمولی ذہانت اور عقل و دانش اور معجزانہ فراست کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپؐ کے ایامِ جوانی میں ایک مرتبہ عرب قبائل میں خانہ کعبہ کے حجرِ اسود کو دوبارہ اپنی جگہ پر رکھنے کے بارے میں نہایت خطرناک اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو گیا چونکہ آپ اس وقت بھی اپنی قوم میں امین وصدوق اور ایک معتمد مدبّر سمجھے

جاتے تھے اس لئے قوم کی درخواست پر آپ نے اسی وقت ایسا قابلِ قبول فیصلہ فرمایا اور سارا جھگڑا ایسی خوبی اور تسلّی بخش طریقے سے طے فرما دیا کہ سب کا غصّہ اور جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ تلواریں میانوں میں واپس چلی گئیں اور ہر قبیلہ کو اس کا حق بھی مل گیا۔

ہمیشہ خدا کی حفاظت۔ اور فرشتوں کی نگرانی میں

(۷) اس کے بعد پیشگوئی میں لکھا ہے:۔

"فرشتے اس کے محافظ و نگران ہوں گے۔ لڑائی میں خدا کی حفاظت میں ہوگا۔ اور زہر اس پر اثر نہیں کرے گا آگ اور پانی کے نقصان سے نہ صرف خود محفوظ ہوگا بلکہ دوسروں کی حفاظت کا موجب ہوگا۔ اور دُنیا میں نہایت کامیاب اور وفات کے بعد خدا کے ساتھ ہوگا"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت گوتم بُدھ کی اس پیشگوئی میں حضرت رسُولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی کا پورا پورا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دعوئ نبوّت سے لے کر وفات تک آپ کے بیشمار مخالف اور دشمن یہودی عیسائی مشرک سب مل کر حضور کو دکھ دیتے اور تکلیفیں پہنچانے حتّٰی کہ جان سے مار ڈالنے کی پوری کوشش کرتے رہے لیکن اللہ تعالےٰ کی طرف سے ابتداء ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت مل چکی تھی کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاس یعنی اللہ تعالےٰ تجھے دشمنوں کے ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ اور تیری حفاظت کے سامان کرے گا چنانچہ اس عظیم وعدے کے مطابق اللہ تعالےٰ کے فرشتے تا دمِ وفات حضورؐ کی حفاظت پر متعیّن رہے۔ اور خدا کے فضل سے آپ دشمنوں کے ہر حربے اور ہر حملے سے محفوظ رہے اسلام کی دفاعی جنگوں میں آپ بذاتِ خود شریک ہو کر کمان کرتے رہے آپؐ پر اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ پر نازک ترین اوقات بھی آئے مگر ہر موقعہ پر اللہ تعالےٰ کے فرشتوں کی غیبی فوجیں آپؐ کی خاص حفاظت اور اسلام کے طاقتور دشمنوں کو پسپا کرنے میں آپؐ کی مدد کرتی رہی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔ فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ

يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا" یعنی اس رسول عربی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت ہے کہ اس کے دائیں بھی اور بائیں بھی اور آگے اور پیچھے بھی محافظ فرشتوں کی گارد چلتی ہے۔

دشمنوں کا زہر بے اثر ثابت ہوا

اور پھر جیسا کہ حضرت بدھ نے فرمایا تھا۔ حضورؐ کے دشمنوں نے آپؐ کو زہر دے کر مارنے کی بھی کوششیں کیں مگر اللہ تعالےٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔ ایک مرتبہ ایک دعوت کے موقعہ پر آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا گیا اور آپؐ نے اس میں سے ایک لقمہ لے بھی لیا مگر اللہ تعالےٰ کی طرف سے بروقت حضورؐ کو محسوس کرا دیا گیا کہ یہ زہریلا کھانا ہے چنانچہ حضورؐ کھانا کھائے بغیر وہاں سے چلے آئے تاہم آپ کی رحیم و کریم شخصیت نے باوجود طاقت رکھنے کے یہ کمینہ حرکت کرنے والوں کو کوئی سزا نہ دی اور معاف فرما دیا۔ پس یہ واقعہ اس امر کا زبردست ثبوت ہے کہ حضرت بدھ علیہ السلام کی اس پیشگوئی کے مصداق یقیناً حضرت رسول عربی محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ تاریخِ عالم سے ظاہر ہے کہ آجتک اور کسی مصلح یا نبی کو اس طرح زہر دینے کی کوشش نہیں کی گئی۔

عیسائی لوگ حضرت بدھ علیہ السلام کی یہ پیشگوئی حضرت مسیح ناصری علیہ السلام پر لگاتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کو کبھی زہر دینے کی کوشش نہیں کی گئی اور نہ دوسری علامات ان پر صادق آتی ہیں۔ حضرت بدھ کی جس پیشگوئی میں حضرت مسیح ناصری کی بعثت کا ذکر ہے وہ دراصل ان کی ایک اور پیشگوئی ہے جس میں وہ اپنی بعثت کے پانچ سو سال بعد ایک متیّا یعنی مسیحا کی آمد کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب "مسیح ہندوستان میں" میں اس پیشگوئی کو بیان فرما کر ثابت کیا ہے کہ اس متیّا سے مراد حضرت مسیح ناصری تھے۔

آگ اور پانی سے حفاظت

یہ بھی درست ہے کہ حضرت رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم آگ اور پانی کے نقصان سے نہ صرف خود محفوظ رہے بلکہ دوسروں کی حفاظت اور بچاؤ کا موجب ہوتے رہے۔

تاریخ عالم اور دنیا کی مذہبی کتب تفصیل سے بتاتی ہیں کہ کس طرح دنیا کی قومیں پیغام آسمانی کے انکار کی وجہ سے آتشیں اور آبی طوفانوں زلزلوں اور دیگر مختلف قسم کے عذابوں سے تباہ کی جاتی رہیں۔ لیکن حضورؐ کی روحانی شخصیت اور مقام اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک آپؐ کی قدر و منزلت اور آپؐ سے محبت و پیار کے خاص امتیازی سلوک کی وجہ سے نہ صرف آپؐ کو آگ اور پانی کی تکالیف سے ہمیشہ محفوظ رکھا گیا بلکہ آپؐ کی خاطر آپؐ کی قوم اور ملک پر بھی یہ دونوں قسم کے ہمہ گیر عذاب نہ بھیجے گئے۔ آپؐ کے دشمنوں نے ایک مرتبہ خود اپنے لئے یہ بد دعا بھی کی کہ

اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔

"اے خدا! اگر یہ نبی اور اس کا مذہب تیری طرف سے ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر بھیج۔"

مگر اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحیم و کریم خدا نے بالواسطہ ان کافروں کو فرمایا مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ کہ گو یہ لوگ عذاب کے مستحق تو ہو چکے ہیں لیکن اے ہمارے محبوب محمدؐ جب تک تو ان میں موجود ہے تیری خاطر ہم ان پر ایسا عذاب الیم نازل نہیں کریں گے اور اگر وہ ندامت اور توبہ کا اظہار کریں گے تو پھر بھی ہم انہیں عذاب نہیں دیں گے اور بچالیں گے۔

آنحضرتؐ آگ اور پانی کے عذاب سے حفاظت کا موجب ہیں

پس اے بیام کے نیک دل فرمانروا!

یہ ایک حقیقت ہے کہ نہ صرف حضرت رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم خود آگ اور پانی کی غارت گریوں سے محفوظ رہے بلکہ آپ کی خاطر آپ کی قوم اور ملک کو بھی اور آپؐ کے اشد ترین دشمنوں کو بھی محفوظ رکھا گیا۔ یہ تو ہے اس دنیا کی بات! لیکن قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم آخرت میں بھی لوگوں کے لئے آگ اور پانی کے عذاب سے نجات اور حفاظت

موجب ہوں گے کیونکہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ حضور پر ایمان لانے اور آپؐ کی تعلیم پر کماحقہٗ عمل کرنے سے انسان نہ صرف جہنّم کی آگ سے اور اس کے اُبلتے ہوئے پانیوں کے عذاب سے نجات حاصل کر سکتا ہے بلکہ دائمی جنّات الفردوس کا بھی وارث بن سکتا ہے۔ حدیث شریف بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رمضان شریف کا مہینہ عِتْقٌ مِّنَ النَّار کا مہینہ ہے یعنی جو شخص حضور کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق رمضان کے روزے رکھے گا وہ دوزخ کی آگ سے آزاد کیا یعنی بچایا جائے گا۔ پس مرنے کے بعد بھی حضورؐ کی مبارک شخصیّت مومنوں کو آگ اور پانی کی اذیتوں اور نقصان سے محفوظ رکھنے کا موجب ہے۔

جہاں تک کامیابی کا تعلق ہے خدا تعالےٰ کے ایک رسُول کی اس سے بڑھکر اور کیا کامیابی ہو سکتی ہے کہ مخالفت کی شدید آندھیوں اور زور آور حملوں کے باوجود وہ اپنی زندگی میں ہی اپنے مشن کو ساحلِ مراد سے ہمکنار ہوتا ہُوا دیکھ لے۔ پس پیشگوئی کے الفاظ کے مطابق حضرت رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنے قلیل عرصہ میں بے سروسامانی کے باوجود اس قدر کامیابی آپ کی صداقت کا ایک یقیناً ایسا غیر معمولی نشان ہے جس کی عظمت کا کوئی انصاف پسند شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اس بارے میں کئی مستشرقین نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ حضورؐ دنیا کے جملہ مذہبی رہنماؤں، رسولوں اور بانیوں میں سے سب سے زیادہ کامیاب و کامران مُصلح ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفات کے وقت اور اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے کیا سلوک کیا اور اس پیشگوئی کے مطابق کس طرح اپنے خدا کے ساتھ جا ملے۔ قرآن کریم میں اس بارے میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔

يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۔

یعنی اے نفسِ مطمئنہ اب اپنے ربّ کی طرف ایسی حالت میں لوٹ آ کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے۔ اور اس کی جنّت

اور اس کے مقرب بندوں میں داخل ہو جا۔ چنانچہ وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر آخری الفاظ جو جاری ہوئے وہ یہ تھے۔ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقِ الْاَعْلیٰ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقِ الْاَعْلیٰ کہ بس اب تو اے مولیٰ کریم تیری بلند و بالا ہستی کی رفاقت جلد تر نصیب ہو جائے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری دعا اور قرآن کریم کی مندرجہ بالا بشارت کے مطابق حضورؐ وفات کے بعد بھی یقیناً اللہ تعالےٰ کے دائمی قرب ولقاء اور رفاقت کے وارث ہوئے۔ اور اس طرح حضرت بدھ علیہ السلام کی پیشگوئی کہ وفات کے بعد بھی وہ خدا کے ساتھ ہوگا واضح طور پر حضورؐ کے وجود میں پوری ہوگئی۔

(۸) آگے لکھا ہے:۔

وہ صادق شریف النسب اور رحمدل کہلائیگا

"وہ صادق کہلائیگا شریف النسب ہوگا نیز سچائی، عزتِ نفس، اعتمادِ نفس رحمدلی بُردباری جیسے اعلیٰ اخلاق وصفات سے متصف ہوگا اور کبھی کسی کے ساتھ دھوکا دہی اور تکبر کے ساتھ پیش نہیں آئے گا۔ کبھی مغلوب الغضب نہیں ہوگا اور دوسروں کے نقصان یا مصیبت پر کبھی خوش نہیں ہوگا کسی کو نفرت یا حقارت سے نہیں دیکھے گا اپنی فتح پر نازاں نہیں ہوگا۔ بلکہ ہر ایک سے مادرِ مہربان کا سا سلوک کرے گا۔ اور کسی سے کسی احسان کی خواہش یا تمنا نہیں کرے گا اور نہ کسی پر احسان جتائے گا۔"

بائیبل اور دیگر مذہبی کتب کی پیشگوئیوں میں بھی آنے والے عالمی مصلح اور عظیم رسول یعنی حضرت رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کو "صادق" کہا گیا ہے اور گو آپ کا اصل نام تو "محمد" تھا۔ مگر ہمیشہ سچ بولنے اور ہر حالت میں سچائی اور امانت و دیانت کا دامن پکڑے رہنے کی وجہ سے بچپن سے ہی آپؐ اپنے وطنِ عزیز میں صادق اور امین کے نام سے مشہور تھے اور دعویٰ نبوت سے پہلے آپؐ کے دوست دشمن سب یکساں طور پر آپؐ کو پیکرِ صدق وصفا یقین کرتے تھے۔ اور انہیں آپؐ پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنی امانتیں اکثر

آپؐ کے پاس رکھ جاتے اور قبائلی جھگڑے بھی آپؐ سے طے کرواتے تھے۔

اسی طرح حضورؐ کی تعلیم میں دیگر امور کے ساتھ عزّتِ نفس اور اعتمادِ نفس پر بھی خاص زور دیا گیا ہے۔ احسان کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں حضور کو مخاطب کرتا ہوا فرماتا ہے وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (مدثر) کہ اس نیّت سے کسی پر احسان یا نیکی نہ کر کہ اس کے بدلہ میں مجھے زیادہ دیا جائے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہر پہلو اور ہر لحاظ سے احسان کے بارے میں نہایت ہی اعلیٰ اور قابلِ تقلید نمونہ پیش کیا ہے۔ اور آپؐ نے عمر بھر کبھی کسی پر اپنا احسان نہیں جتایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپؐ کے جان نثار دوست اور مخلص ترین صحابی تھے۔ لیکن باوجود حضرت ابوبکرؓ کے انکار کے حضورؐ نے باصرار انہیں اس اونٹ کی قیمت ادا فرمائی جو انہوں نے حضورؐ کے لئے مدینہ کو ہجرت کے وقت مہیّا کیا تھا۔ گویا حضورؐ نے اپنے قریبی سے قریبی دوست کا احسان لینا بھی گوارا نہ فرمایا۔ مدینہ شریف میں جس زمین پر حضورؐ نے مسجد نبویؐ تعمیر فرمائی اس کی قیمت بھی حضورؐ نے باصرار مالک زمین کو ادا فرمائی حالانکہ وہ مفت پیش کر رہے تھے۔ اسی طرح حضورؐ کا اپنے لئے اور اپنے خاندان کے لئے صدقہ کو ناجائز قرار دینا بھی ثابت کرتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کے غنی النفس تھے اور سیلف ریسپکٹ کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ باوجود اس کے کہ آپؐ کے صحابہؓ آپؐ پر ہر وقت اپنی جان مال اور عزّت غرضیکہ سب کچھ قربان کرنے اور آپ کی ہر خدمت کرنے کو اپنے لئے سعادت اور خوش قسمتی سمجھتے تھے پھر بھی حضورؐ نے کبھی کسی سے کوئی چیز طلب نہیں فرمائی اور کبھی کسی حال میں بھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا بلکہ مسلمانوں کے لئے ایسا کرنا سوائے اشد مجبوری کے ممنوع قرار دے دیا۔ آپؐ نے فرمایا اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى کہ اوپر کا ہاتھ یعنی دینے والا ہاتھ نیچے کے ہاتھ یعنی لینے والے ہاتھ سے افضل اور بہتر ہوتا ہے۔ اور جب بھی کسی نے آپؐ کی خدمت میں کوئی ہدیہ یا تحفہ پیش کیا۔ آپؐ نے ہمیشہ اس سے بہتر تحفہ اسے پیش فرما دیا۔ شاہِ یمن نے ایک مرتبہ

آپؐ کی خدمت میں ایک اعلیٰ درجہ کی چادر "تحفۃً" ارسال کی۔ آپؐ نے اسے اس سے بہتر اور زیادہ خوبصورت چادر اپنی طرف سے "تحفۃً" ارسال فرمائی۔

حضورؐ کا حلم اور رحمدلی حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس قدر خوش گفتار رحمدل اور حلیم تھے کہ باوجود دشمنوں کے متواتر اور شدید مظالم کے آپؐ نے کبھی کسی کے لئے کوئی گالی یا بُرا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ بلکہ بچوں سے بھی حضورؐ نہایت عزت و شفقت اور محبت و احترام سے کلام فرمایا کرتے تھے۔ غرضیکہ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْم۔ حضورؐ واقعی بلند ترین اخلاقی معیار پر قائم تھے۔ انہیں بلند اخلاق اور نرمی اور رحمدلی کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کو دنیا کے لئے رحمت قرار دیا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ فَبِمَا رَحْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَھُمْ کہ یہ اللہ تعالےٰ کا تجھ پر اور تیرے ذریعہ اپنی مخلوق پر فضل و کرم اور رحمت ہے کہ تو لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرتا ہے اور حلیم طبیعت ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا شریف الحسب والنسب ہونا بھی نہ صرف آپ کے اعلیٰ اخلاق سے ظاہر ہے بلکہ خاندانی طور پر واقعی آپ عرب کے نہایت باعزت شریف اور اعلیٰ ترین خاندان کے فرزند ارجمند تھے اور پھر آپ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کبھی کسی کے ساتھ دھوکہ دہی غصہ یا تکبر سے پیش نہیں آئے اور نہ کبھی دوسروں کے نقصان یا مصیبت پر آپ نے خوشی منائی بلکہ دشمن کے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد بھی آپؐ کی زبان مبارک سے ان کے لئے دردمندانہ دعائیں ہی نکلیں۔ پس آپؐ یقیناً خدا کی سب مخلوق سے انتہائی محبت کرنے والے اور ہر ایک سے مادرِ مہربان کا سا سلوک کرنے والے انسان تھے۔ قرآن کریم میں جس کی ہر تعلیم اور ہر حکم کا آپ عملی نمونہ تھے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ اس کے پیارے اور مومن بندوں کو اوّل تو غصہ بہت ہی کم آتا ہے اور کبھی آ بھی جائے تو وہ کوئی انتقامی صورت پیدا کرنے کی بجائے غصہ کو پی جاتے ہیں۔ تکبر کے متعلق اللہ تعالےٰ کا حکم ہے۔ لَاتَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا کہ زمین پر اِترا اِترا کر نہ چل۔ اِنَّ اللّٰہَ

لَا یُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَ ۔ اللہ تعالےٰ متکبّر لوگوں سے محبّت نہیں کرتا۔

پھر فرماتا ہے۔

شہنشاہ عالم عاجزی اور حلم وشفقت کا پیکر تھے

عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا۔ کہ اللہ تعالےٰ کے حقیقی بندے وہ ہیں جو زمین پر عجز و انکساری سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ جہالت کی وجہ سے انہیں دکھ دیتے یا لڑتے جھگڑتے ہیں تو وہ ان کے لئے سلامتی کی دعا کرتے ہیں پس یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ باوجود دنیوی لحاظ سے بھی اعلیٰ پوزیشن حاصل کر لینے اور شہنشاہِ عالم بن جانے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نخوت وتکبّر یا غصّہ کو اپنے پاس نہیں آنے دیا۔ اور ہمیشہ نرمی عاجزی محبت وپیار اور حلم وشفقت کو اپنا شعار بنائے رکھا اور اپنے لئے کبھی کسی بڑائی کی خواہش نہ فرمائی۔ ایک مرتبہ حضورؐ کے صحابہ نے آپؐ کے بیٹھنے کے لئے ایک نہایت اعلیٰ اور بلند جگہ مخصوص کی لیکن آپؐ نے وہاں بیٹھنا بالکل پسند نہ فرمایا اور ہمیشہ طوعی طور پر اپنے ہاتھ سے ہر قسم کا کام مثلاً مسجد کی تعمیر خندق کی کھدائی غریبوں کی امداد بیواؤں کی خدمت اور گھر کے کام وغیرہ بخوشی سرانجام دیا کرتے۔ دھوکا وعدہ خلافی اور خیانت اور خود غرضی وغیرہ عیوب سے آپ کے کلّی پاک ہونے کے ثبوت میں بیسیوں واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن یہاں عالی جاہ کی اطلاع کے لئے صرف ایک واقعہ عرض ہے۔

جنگ بدر کے موقعہ پر مسلمانوں کی تعداد نہایت قلیل تھی اور انہیں دشمنوں کا مقابلہ کرنے والے آدمیوں کی بہت ضرورت تھی لیکن جب ۲ مسلمان مکّہ سے آ رہے تھے تو راستہ میں انہیں کفار کے آدمیوں نے گھیر لیا اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک ان سے یہ وعدہ نہ لے لیا کہ وہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ساتھ شریک نہیں ہونگے جب ان دونوں صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا کوئی بات نہیں ہم مومنوں کے

وعدے کا ضرور احترام کریں گے تم بے شک ہمارے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہونا۔

غصّہ و انتقام کے جذبات سے مبرّا تھے

بلاشبہ یہ بات بھی درست ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم غصّہ یا انتقام کے جذبات سے عمر بھر کبھی مغلوب نہیں ہوئے تھے بلکہ آپؐ نے نازک سے نازک حالات میں بھی اپنے جذبات کو قابو میں رکھا۔ مشرکین مکّہ آپ کے بدترین دشمن تھے اور سالہا سال تک آپ کو اور آپ کے صحابہ کو سخت سے سخت تکلیفیں دیتے رہے لیکن فتح مکّہ کے موقعہ پہ آپ نے ان ظالم مگر مفتوح اور شکست خوردہ دشمنوں کو نہ صرف معاف کر کے اپنی رحمدلی اور خلق خدا پہ اپنی شفقت و رحمت کا ثبوت دیا بلکہ مادرِ مشفق و مہربان کی مانند ان پر مختلف قسم کے احسانات بھی کئے اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ گذشتہ اختلافات دشمنیاں اور ہر قسم کے جھگڑوں کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیں۔ پس یہ بالکل صحیح ہے کہ عام لوگ تو عام لوگ دشمنوں اور اشد ترین مخالفوں کی تکلیف و نقصان پہ بھی آپ کبھی خوش نہ ہوتے تھے بلکہ ان کے لئے دل میں ایک کرب اور درد محسوس فرماتے تھے۔ جن مشرکین مکّہ نے مسلمانوں کو مکّہ میں تین سال تک محصور رکھا تھا۔ اور کھانا اور پانی کا ایک قطرہ تک ان کے پاس پہنچنے نہ دیتے تھے جب مکّہ میں انہیں دشمنانِ اسلام پہ سات سال کا لمبا قحط وارد ہوا تو اُن کی درخواست پر حضورؐ نے ان کے لئے مادرِ مہربان سے بھی بڑھ کر درد و الحاح اور کرب سے اللہ تعالےٰ کے حضور دعا کی جس کے نتیجہ میں وہ قحط ختم ہو گیا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

سفرِ طائف اور جنگِ اُحد میں آپ نے زخموں سے لہولہان ہو جانے کے باوجود بھی اُن ظالم دشمنوں کے لئے اس وقت بھی دعائیں فرمائیں۔ کہ اے خدا انہیں ہدایت دے یہ جانتے نہیں کہ انہوں نے اپنے نبی کو زخمی کر کے کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔ مکّہ کی ایک مشرکہ عورت ہندہ نے جو بعد میں مسلمان ہو گئی تھی حضورؐ کے نہایت محبوب چچا حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد دشمنی کیوجہ سے

اُن کا کلیجہ نکال کر چبایا اور ان کا مثلہ بھی کیا تھا مگر فتح مکّہ کے بعد حضورؐ نے اُسے بھی معاف کر کے مومن عورتوں میں شامل فرمالیا۔

اعلیٰ تدابیر کا مجسّمہ

(۹) آخر میں حضرت بدھ فرماتے ہیں:۔

"وہ (عالمگیر بدھ) اعلیٰ تدابیر کا مجسّمہ ہوگا اور اس کا کردار لفظی اور معنوی دونوں لحاظ سے دنیا کے لوگوں کے لئے نیک نمونہ ہوگا اور اس کے پاس ایسی مکمل سچائی ہوگی جو غیر معمولی مقناطیسی طاقت اور تاثیرات کی حامل ہوگی اور محفوظ رکھی جائیگی"۔

اعلیٰ تدابیر کا مجسمہ ہونے کے متعلق پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرت رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم مذہبی سیاسی فوجی ثقافتی تمدنی غرضیکہ ہر لحاظ سے واقعی اعلیٰ اور مفید ترین اور جامع مانع تدابیر کا مجسّمہ تھے۔ اور آپ نہ صرف رسالت و نبوّت کے لحاظ سے افضل ترین پیغمبر تھے بلکہ دنیوی نقطۂ نگاہ سے بھی آپ دنیا کے بہترین مفکّر و مدبّر تھے۔ دنیا میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی ایک ایسے رسول ہیں جن کی سیرت اور سوانح حیات نہایت احتیاط اور تفصیل سے بروقت محفوظ کر لی گئیں۔ آپؐ کے حالاتِ زندگی اس امر کے شاہدِ ناطق ہیں کہ دنیا کے تمام بانیانِ مذاہب اور مصلحین عظام میں سے صرف آپ ہی ایسے مصلح اور پیغمبر ہیں جن کی زندگی ہر پہلو سے ایک مکمل نمونہ اور اسوہ ہے جس سے دنیا کا ہر انسان اپنی زندگی کے ہر دور اور ہر موقعہ ہر مرحلے اور ہر موڑ پر رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

مکمّل سچّائی سے مراد قرآن کریم ہے

اے بادشاہ سلامت! اس پیشگوئی میں مکمل سچائی سے بھی یہی قرآنِ کریم مراد ہے جو ہم آج آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں اور نہ صرف حضرت گوتم بدھ علیہ السلام نے اسے مکمل سچائی سے تعبیر کیا ہے بلکہ بائیبل اور دوسری مقدس مذہبی کتب کی پیشگوئیوں میں بھی اس کا نام مکمل سچائی مکمل نور و ہدایت یا ساری سچائی ہی اب تک موجود ہے۔ اگر آنجناب کو اسے بغور پڑھنے اور چشمِ بصیرت سے دیکھنے کا موقعہ ملا تو آپ یقیناً محسوس فرمائیں گے کہ یہ

مقدس کتاب واقعی اس نام کی مصداق و حقدار ہے اور ایسی مکمل جامع مانع اور علم و حکمت کی باتوں اور ابدی سچائیوں کی حامل ہے جن کے بغیر انسان روحانی طور پر زندہ نہیں رہ سکتا۔

محفوظ رکھی جانیوالی سچائی

اس سچائی کے محفوظ رہنے کے متعلق خود قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ہم نے یہ مقدس کتاب اتاری ہے اور ہم خود اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ چنانچہ اس کی حفاظت کا ایک ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار کیا گیا ہے کہ اس کے نزول کے ساتھ ہی دنیا کے ہزاروں نیک بندوں کے دلوں میں ڈالا گیا اور توفیق بھی دی گئی کہ وہ اسے شروع سے آخر تک زبانی حفظ کرلیں۔ چنانچہ حضرت رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی سینکڑوں صحابہ نے اسے زبانی حفظ کرلیا تھا اور اس کے بعد آجتک دنیا کے لاکھوں مسلمان اسے شروع سے آخر تک لفظاً و معناً حفظ کرتے چلے آرہے ہیں اور آج بھی دنیا کے ہر حصہ میں ہزاروں ایسے مسلمان موجود ہیں جنہیں یہ کتابِ مقدس زبانی حفظ ہے بلکہ خود آنجناب کے ملک تھائی لینڈ میں ایسے حفاظِ قرآن پائے جاتے ہوں گے۔ یہاں یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ دنیا میں قرآن کریم کے سوا کبھی کسی اور مقدس کتاب کو اس طریق پر لفظاً و معناً شروع سے آخر تک حفظ نہیں کیا گیا۔ صرف قرآن کریم ہی ایسی کتاب ہے جسے اس طرح ظاہری و باطنی طور پر حفظ کیا جاتا ہے۔

ایک اور واضح پیشگوئی

اے بادشاہ سلامت! یہ ایڈریس ختم کرنے سے پہلے آپ کی خدمت میں حضرت بدھ علیہ السّلام کی ایک اور نہایت واضح پیشگوئی پیش کی جاتی ہے جس کے الفاظ مذکورہ بالا پیشگوئی سے بھی زیادہ صاف صریح اور مبرہن ہیں۔ جیسا کہ اے عالی جاہ! آپ کو بھی علم ہے سینٹ آنندا حضرت بدھ علیہ السّلام کے نہایت ہی پیارے اور قریبی حواری تھے جب حضرت بدھ کی وفات کا وقت آپہنچا

تو سینٹ انندا کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور فرطِ محبت سے اور جدائی کے غم سے نڈھال ہو کر انہوں نے حضرت بُدھ سے پوچھا کہ

"اب آپ تو جا رہے ہیں آپ کے بعد دنیا میں سچائی کا پرچار کون کریگا"

اس پر حضرت بُدھ علیہ السلام نے فرمایا:۔

"اے پیارے انندا! غور سے سُن لے کہ دنیا میں تبلیغ حق کے لئے مَیں اکیلا ہی نہیں آیا اور نہ مَیں اس لڑی کا پہلا یا آخری موتی ہوں۔ مجھ سے پہلے بہت آئے اور بعد میں آنے والوں میں سے اپنے مقررہ وقت میں ایک عظیم الشان اور مقدس بُدھ (مصلح) بھی ظاہر ہوگا جو "میتریا" کہلائے گا اور وہ Light upon Light یعنی نورٌ علیٰ نور سراپا رحمت و برکت ہوگا جو دنیا کو علم و معرفت اور عقل و دانش سے بھر دے گا اور تمام بنی نوع کا لیڈر اور جنوں اور انسانوں دونوں قسم کی مخلوق کا ہادی ہوگا۔ وہ ایسا مذہب دنیا میں پھیلائیگا جو تمام مذاہب سے بالا ہوگا۔ اس کی زندگی تمام راستبازیوں اور نیکیوں کا مجموعہ ہوگی اور وہ روحانی مدارج کی تمام چوٹیاں سر کر جائے گا اور ہزاروں جاں نثار اور وفادار حواری اس کا ساتھ دیں گے جس طرح اس وقت میرے سینکڑوں حواری میرا ساتھ دے رہے ہیں"

(GOSPEL OF BUDHA BY CARUS. PAGE 215-218)

عالی جاہ! چونکہ ہمارا یہ ایڈریس کافی لمبا ہو گیا ہے اور اس دوسری پیشگوئی کے اکثر حصّے پہلے ہی اچھی طرح واضح کئے جا چکے ہیں اور باقی ایسے روشن اور عام فہم ہیں کہ ہر عقلمند اور انصاف پسند شخص سمجھ سکتا ہے کہ کون ان کا حقیقی مصداق ہو سکتا ہے اس لئے اب مزید وضاحت غیر ضروری ہوگی۔

موعودِ اقوامِ عالم

پس اے نیک دل بادشاہ! یہ تفصیلی پیشگوئیاں جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں بلا شک و شبہ اچھی طرح واضح کر دیتی ہیں کہ حضرت بانیٔ اسلام سیدنا و مولانا رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور اور حضور کے لائے ہوئے دین کا دنیا میں قیام واقعی حضرت بُدھ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق ہے۔ اس لئے اب ہم بصد احترام آنجناب سے

عرض کرتے ہیں کہ آپ اس سچے اور عظیم "میتریا" اور موعود اقوام عالم بین الاقوامی بُدھ حضرت رسولِ عربی محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اللہ تعالےٰ کی خوشنودی حاصل کریں۔ یہ طویل خیر مقدم ایڈریس آپ کو پیش کرنے میں ہمارے مدِّ نظر اور کوئی ذاتی یا مادی غرض نہیں ہے بلکہ صرف پیغامِ حق پہنچانا مقصود ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ آپ محض لاعلمی کی بناء پر اسلام کی ابدی برکات سے محروم رہ جائیں۔ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے وقت کے بادشاہوں حکمرانوں راجاؤں سرداروں اور دنیا کے مہاجنوں کو براہِ راست بذریعہ خطوط اور کتب اللہ تعالےٰ کے قائم کردہ عالمی مذہب اسلام کا پیغام پہنچایا تھا اور آپ کے خلیفہ اور بروز حضرت بانی سلسلۂ عالیہ احمدیہ مرزا غلام احمد علیہ السّلام نے بھی آپؐ کے تتبع میں ایسا ہی کیا تھا پس ان دونوں کی اس عظیم سنّت پر عمل کرتے ہوئے ہم بھی انشاءاللہ تا قیامت اس رنگ میں تبلیغی پیغام دنیا کے ہر چھوٹے بڑے اور شاہ اور گدا تک پہنچاتے رہیں گے۔ پس ہمیں امید ہے کہ آنجناب ہماری اس نیک دلی سے پیش کی گئی الٰہی بشارتوں سے معمور میمورنڈم کو بغور پڑھ کر اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور جو سچائیاں اس میں بیان کی گئی ہیں انہیں قبول کر کے اللہ تعالےٰ کی رضا حاصل کریں گے تاکہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس دنیا میں اپنی ہر نعمت سے نوازا ہے اسی طرح آخرت میں بھی آپ کی ایسی ہی عزّت و توقیر ہو اور آپ جنّت الفردوس کی ہر نعمت سے نوازے جائیں۔

احمدیّت کیا ہے؟

آخر میں آپ کی اطلاع کے لئے یہ بھی عرض ہے کہ احمدیت کوئی نیا مذہب نہیں ہے بلکہ درحقیقت اسلام ہی کا دوسرا نام ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں حضرت رسولِ عربی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو احمدؐ بھی کہا گیا ہے جماعت احمدیّہ کے مقدس بانی حضرت میرزا غلام احمد علیہ السّلام کو اس زمانہ میں اللہ تعالےٰ نے دنیا کے لئے مصلح اور مأمور مقرر کر کے مبعوث فرمایا ہے آپ کی بعثت کا مقصد محض اقوامِ عالم کو اسلام کے زندہ خدا کی طرف بلانا اور تازہ آسمانی نشانوں اور معجزات کے

ذریعہ اسلام کی صداقت ثابت کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ جماعت احمدیہ کے نمائندے اس وقت دنیا کے کونے کونے میں اسی پرانے اور حقیقی اسلام کو اس زمانے کے نئے تقاضوں اور نئے حالات کے مطابق ایک ایسی روحانی قوت اور جوش و ولولہ اور مؤثر طریق سے پیش کر رہے ہیں کہ اب سنجیدہ اور انصاف پسند لوگ اسلام کے متعلق غور کرنے پر آمادہ ہو رہے ہیں اور اسلام کے متعلق سابقہ غلط فہمیاں اب دن بدن دُور ہوتی جا رہی ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنجناب کو صداقت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور آپ کا دل اسلام کے نور کو جذب کرنے کے لئے کھول دے اور آپ پر اور آپ کی رفیقۂ حیات ملکہ سرکیت پر اور آپ کی سب رعایا پر رحم و کرم فرمائے۔ آمین۔

خاکساران آپ کے سچے خیر خواہ

الحاج محمد صدیق امرتسری مبلغ انچارج و عہدہ داران

جماعت احمدیہ سنگاپور

شاہ تھائی لینڈ کی طرف سے جواب

پرائیویٹ سیکرٹریٹ۔ گرینڈ پیلس
بنکاک۔ تھائی لینڈ ۱۱ اگست ۱۹۶۲ء

جناب عالی! مجھے ہز میجسٹی شاہ تھائی لینڈ کی طرف سے ہدایت کی گئی ہے کہ میں آپ کے میمورنڈم مورخہ ۹ رجولائی ۱۹۶۲ء اور ہز میجسٹی کے دورۂ ملایا کے موقعہ پر جماعت احمدیہ کی طرف سے پیش کردہ قرآن کریم اور دیگر کتب اور خوش آمدید ایڈریس کی وصولی سے آپ کو مطلع کر دوں۔

جن جذباتِ محبت و ہمدردی کے ساتھ آپ کی جماعت نے یہ تحائف اور میمورنڈم پیش کیا ہے ہز میجسٹی انہیں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مجھے مزید ہدایت کی گئی ہے کہ ہز میجسٹی کی طرف سے خاص شکریہ اور امتنان و قدر افزائی کے جذبات آپ تک اور آپ کے ذریعہ ممبرانِ جماعت احمدیہ تک پہنچا دوں۔

آپ کا خیر خواہ ایم۔ سی نکرون دیوان کولا

پرائیویٹ سیکرٹری

(الفضل ۲۰ تا ۲۶ ستمبر ۱۹۶۲ء)

ایک خاص وضاحت

(نوٹ۔ یاد رہے کہ حضرت بدھ نے اپنے بعد آنے والے ایک مسیح کی بھی پیشگوئی کی تھی جس نے حضرت بدھ سے پانچ سو سال بعد آنا تھا۔ اس مسیح کا نام حضرت بدھ کی پیشگوئی میں METTYA یا مِتیّا بتایا گیا تھا جو اصل میں "مسیحا" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ جبکہ آئندہ آنے والے عالمگیر رسول حضرت نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت بدھ نے متیّا نہیں بلکہ "میتریا" (MAITERYA) بتایا ہے۔ جس نے حضرت بدھ کی وفات کے تقریباً ایک ہزار سال بعد آنا تھا۔ چنانچہ متیّا یا مسیحا والی پیشگوئی کے مطابق حضرت بدھ کے پانچ صد سال بعد حضرت مسیح ناصری ظاہر ہوئے اور اپنی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو تلاش کرتے کرتے شمالی ہندوستان میں آپہنچے اور وہیں ۱۲۰ سال کی عمر تک بنی اسرائیل اور بدھوں میں اپنی انجیل کا پرچار کرتے رہے۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اپنی کتاب "مسیح ہندوستان میں" کے باب چہارم کی دوسری فصل میں قرائنِ صحیحہ اور بدھ مذہب کی کتب کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ مسیح ناصریؑ واقعہ صلیب کے بعد حضرت بدھ کی پیشگوئی کے مطابق ہندوستان میں آئے اور سری نگر کشمیر میں دفن ہوئے۔ پس شاہ تھائی لینڈ کو پیش کردہ مذکورہ بالا ایڈریس میں حضرت بدھ کی جس پیشگوئی کا حوالہ دیا گیا ہے وہ صرف میتریا کے متعلق ہے متیّا والی پیشگوئی کا اس میں ذکر نہیں کیا گیا جو۔ Oldenberg کی کتاب Buddha وغیرہ میں بحوالہ لکّا وتی ستتا کے لکھی ہے۔

(محمد صدیق امرتسری)

فارغ وقت کا مصرف

ایک جلیل القدر صحابی کے ساتھ سفر

نومبر ۱۹۶۳ء میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جلیل القدر صحابی حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خانصاحب (سابق صدر عالمی عدالت) گورنمنٹ آف ملیشیا کی دعوت پر ایک عالمی کانفرنس میں شرکت کے لئے کوالمپور (KULA LUMPUR) تشریف لائے۔ کوالمپور میں ان کے قیام کے دوران احمدیہ جماعت ملایا کی طرف سے ان کے خیر مقدم کا انتظام کیا گیا۔ سیرالیون کے نائب وزیر اعظم اور وزیر مال آنریبل الحاج مصطفےٰ اسنوسی بھی مذکورہ بالا کانفرنس کے سلسلہ میں کوالمپور میں تشریف رکھتے تھے آپ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات کے دل سے معترف اور جماعت کے مداحوں میں سے ہیں۔ حضرت چوہدری صاحب سے پہلے ہی ان کے دوستانہ مراسم تھے اس موقعہ پر وہ چوہدری صاحب کی معیت میں جماعت احمدیہ کے احباب سے مل کر بہت خوش ہوئے اور جماعت احمدیہ کی طرف سے خیر مقدم ایڈریس کے جواب میں انہوں نے دنیا میں اشاعت اسلام کے سلسلہ میں ہماری جماعت کو بہت سراہا۔

اس سفر میں مجھے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان اور آنریبل سنوسی مصطفےٰ کی معیت میں ایک ہی کار میں سفر کرنے کا موقعہ ملا۔ پچھلی سیٹ پر حضرت چوہدری صاحب کے اور میرے درمیان آنریبل مصطفےٰ اسنوسی بیٹھے تھے جو سفر کے دوران چوہدری صاحب سے سوال و جواب کے طریق پر نہایت بے تکلفی سے استفادہ کرتے رہے۔ حضرت چوہدری صاحب علمی مسائل کے علاوہ انہیں دینی نصائح سے بھی نوازتے رہے۔ اس دوران خاکسار نے دیکھا کہ جب ذرا خاموشی کا وقفہ آتا تو حضرت چوہدری صاحب زیر لب ذکر الٰہی



جماعت احمدیہ ملایا کے احباب ۱۹۶۳ء میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب مدظلہ العالی کی ملائیشیا تشریف آوری کے موقع پر
(صفحہ ۶۰۶)



احباب جماعت احمدیہ سنگاپور نماز عید الفطر ۱۹۶۴ء کے موقع پر (صفحہ ۶۰۷)

کرنے لگ جاتے - مَیں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ یہ عظیم انسان "دل با یار اور دست با کار" کا پورا پورا مصداق ہے کہ چوہدری صاحب نے کسی ضمن میں خود ہی آنریبل مصطفیٰ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔

"مجھے خوشی ہے کہ خدا کے فضل سے مَیں ہمہ وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتا ہوں اور میرا کوئی وقت بھی رائیگاں نہیں جاتا۔ جب اور کوئی کام نہ ہو تو مَیں تسبیح و تحمید میں مصروف ہو جاتا ہوں۔ یا درود شریف کا وِرد کرنے لگ جاتا ہوں۔ دراصل انسان پر سوائے سونے کے وقت کے کبھی کوئی ایسا وقت نہیں آتا جب اس کا دماغ بالکل فارغ ہو۔ اور وہ کچھ بھی نہ کر رہا ہو۔ اس لئے فارغ وقت میں بجائے اِدھر اُدھر کے خیالات میں محو ہونے کے کیوں نہ انسان اللہ تعالےٰ سے اپنے د ، کی تار ملالے۔ اور ذکرِ الٰہی میں مصروف ہو کر اپنا وقت ضائع ہونے سے بچالے"۔ (مفہوم)

آنریبل مصطفیٰ حضرت چوہدری صاحب کی یہ بات سُنکر بہت خوش ہوئے اور خاکسار اس سوچ میں پڑ گیا کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مقدس صحبت اور آپ کی ذاتی تربیت نے کیسے کیسے بے نظیر انسان پیدا کئے ہیں۔

وقت کی قدر کرو

وقت کو جس نے نہ پہچانا وہ اِنساں کیا ہے
ہو نہ گر وقت تو یہ دن یہ شبستاں کیا ہے

وقت کی قدر ہے انساں کی فراست کی دلیل
وقت کو کھو کے ترا ہونا پشیماں کیا ہے

وقت ہر زخم کو بھر دیتا ہے کچھ وقت کے بعد
وقت سے بڑھ کے کسی درد کا درماں کیا ہے

وقت کے ساتھ چلو وقت کی قیمت جانو
وقت کے بدلے کوئی لعل بدخشاں کیا ہے

"وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت"
پھر یہ تکذیب غلام شہہِ شاہاں کیا ہے

(محمد صدیق امرتسری)

حضرت مولانا غلام حسین ایاز مرحوم کے حالات

از ملک عبد اللطیف ستکوہی داماد حضرت مولوی غلام حسین صاحب ایاز

ستمبر ۱۹۵۶ء کی بات ہے کہ میرے نکاح کے متعلق جب بات چلی تو مولانا صاحب مرحوم لاہور تشریف لائے۔ مجھ سے میرے حالات دریافت فرمائے اور کہا۔ گئے کہ آپ بھی دعا کریں ہم بھی دعا کریں گے۔ مولانا صاحب خود بھی خدا رسیدہ مستجاب الدعوات تھے آپ نے بھی دعا کی اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کو بھی دعا کے لئے درخواست کی۔ چنانچہ حیاتِ بقاپوری" میں میرے رشتہ کے متعلق ذکر موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بشارت دی کہ نکاح بابرکت رہے گا۔ اس پر حضرت مولانا صاحب کا خط آیا کہ نکاح کے لئے آجاؤ۔ چنانچہ نہایت سادگی سے یہ کام ہوا۔ حضرت مصلح موعود ان دنوں بیمار تھے اور کسی کا نکاح نہیں پڑھتے تھے خاکسار نے حضور کو درخواست کی تو فرمایا یہ نکاح چونکہ ایک واقفِ زندگی کی بچی کا ہے لہذا یہ میں ضرور پڑھاؤں گا۔ چنانچہ حضور مسجد مبارک میں تشریف لائے اور کرسی پر بیٹھ کر نکاح پڑھا۔ خطبہ نکاح کے دوران فرمایا کہ "پڑھائی کے دوران تو ان کا چھوٹا بھائی (مولوی غلام احمد صاحب فرخ مبلغ اسلام فجی آئی لینڈ دسنوھہ) آگے تھا لیکن علمی میدان میں مولوی غلام حسین صاحب بہت آگے نکل گئے ہیں"۔ چنانچہ پھر حضور نے مولانا صاحب کی تبلیغِ اسلام کے لئے قربانیوں کا ذکر فرمایا جو اسی مضمون میں دوسری جگہ مذکور ہے۔

حضرت مولانا صاحب تبلیغ اسلام کے لئے نہایت جوش رکھنے والے ایثار پیشہ مخلوق خدا کے حد درجہ ہمدرد، دعاگو اور ملہم تھے۔ رؤیا صادقہ سے بھی مشرف تھے۔ آپ کی وفات کے بعد کئی غیر از جماعت دوست جو جاپان کے قبضے کے دوران سنگاپور میں رہے تھے آپ کے احسانات کو یاد کر کے ڈھائیں مار مار کر روتے ہوئے عاجز کے پاس افسوس کرنے کے لئے آئے جس سے میں بہت متاثر ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غریقِ رحمت کرے اور احمدی نوجوانوں کے لئے تبلیغ اسلام کا جو اعلیٰ نمونہ چھوڑ گئے ہیں ہمیں اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خاکسار ملک عبد اللطیف ستکوہی سیکرٹری اصلاح و ارشاد جماعت احمدیہ لاہور

مکرم محمد یحییٰ خاں صاحب انجنیئر برادر نسبتی حضرت مولوی غلام حسین صاحب بیان فرماتے ہیں:-

حضرت مولوی غلام حسین صاحب ایاز مبلغ سنگاپور ان تین مجاہدین میں سے تھے جو تحریک جدید کے تحت بیرونِ ممالک کو جانے والے پہلے قافلہ میں شامل تھے جن کی روانگی مورخہ ۶ مئی ۱۹۳۵ء کو قادیان سے عمل میں آئی۔ روانگی کے وقت آپ کو صرف اخراجاتِ سفر مرحمت فرمائے گئے اور آپ ایک لمبے عرصہ تک خود آمد پیدا کر کے اپنا گزارہ کرتے رہے اور احمدیہ مشن چلاتے رہے۔

آپ کو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن جس جانفشانی اور مجنونانہ رنگ میں آپ مصروفِ جہاد رہے اس کے اپنے اور بیگانے سب معترف ہیں۔ بے نفسی اور ایثار ان کے عملی جہاد کی دو نادر خصوصیات ہیں۔ تبلیغ میں ایسے نڈر کہ کسی قسم کے خطرہ کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ جن کٹھن حالات میں آپ خدمتِ دین میں مشغول رہے ان کی ایک جھلک حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں کچھ یوں ہے۔ آپ فرماتے ہیں

"ایسے علاقوں بھی احمدیت پھیلنی شروع ہوگئی ہے جہاں پہلے باوجود کوشش کے ہمیں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ ملایا میں یا تو یہ حالت تھی کہ مولوی غلام حسین صاحب ایاز کو ایک دفعہ لوگوں نے رات کو مار مار کر گلی میں پھینک دیا اور کتے ان کو چاٹتے رہے اور یا اب جو لوگ ملایا سے واپس آئے ہیں انہوں نے بتایا ہے کہ اچھے اچھے مالدار ہوٹلوں کے مالک اور معزز طبقہ کے ستر اسی کے قریب دوست احمدی ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ روز بروز ترقی کر رہا ہے۔" (الفضل ۲۲ جنوری ۱۹۶۰ء)

کیا اپنے اور کیا بیگانے سب ہی مولوی صاحب کی بے لوث خدمت دین والہانہ جوشِ تبلیغ اور اعلیٰ درجہ کی شفقت علی خلق اللہ سے حد درجہ متاثر تھے۔ آپ نے دوسری عالمی جنگ کے دوران قیدی اتحادی افواج کو جس طرح تبلیغ اور انفرادی مدد کی وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ ان کی اس بے لوث خدمت سے متاثر ہو کر متعدد مسلمان ہندوستانی قیدی احمدیت سے مشرف ہوئے۔ انہی دوستوں میں سے ایک دوست مکرمی محمد یونس صاحب فاروقی ہیں جو سنگاپور میں آپ کے ذریعے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے کے بعد واپس

ہندوستان پہنچ کر حضرت خلیفۃ الثانیؓ کی خدمت میں ایک طویل مکتوب میں سنگاپور میں مولوی صاحب کی تبلیغ کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ

"جناب مولوی غلام حسین صاحب ایاز مبلغ سنگاپور کی جد وجہد کا میرے دل پر بہت اثر ہوا۔ موصوف نے خدمت دین میں اتنی محنت اٹھائی ہے کہ قبل از وقت بوڑھے ہو گئے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ تبلیغ میں مصروفیت کا یہ عالم ہے کہ کہ صبح ۶ بجے سے لے کر رات کے گیارہ بج جاتے ہیں ۔ اس عرصہ میں موصوف کو گھڑی بھر کی بھی فرصت نہیں ملتی کہ ذرا آرام کر لیں ۔ دن بھر کبھی تو سلسلہ کے لٹریچر کا ملائی زبان میں ترجمہ ہو رہا ہے ۔ کبھی مضمون تیار ہو رہا ہے ۔ اس کے علاوہ دن بھر سوالات اور اعتراضات کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے علاوہ لوگوں کے گھروں میں جاکر بھی تبلیغ کی جاتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ میری ایک غیر احمدی حکیم سے شہر میں ملاقات ہوئی ۔ احمدیت کا مخالف ہونے کے باوجود مولوی صاحب کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا ۔ وہ کہتا تھا کہ جاپانیوں کے زمانہ میں جبکہ کسی میں ہمت نہیں ہوتی تھی کہ جاپانیوں کے خلاف اپنے گھر میں بھی کسی قسم کی بات کرے ایسے خطرناک وقت میں مولوی صاحب I.N.A کے کیمپ میں جا کر جاپانیوں کے خلاف کارروائی کرتے تھے ۔ دنیا حیران ہے کہ مولوی صاحب جاپانیوں کے ہاتھ سے بچ کیسے گئے ۔ ۔ ۔ ۔ ہر وقت جاپانیوں کی پولیس C.I.D مولوی صاحب کے پیچھے لگی رہتی تھی ۔ مگر جیسا کہ مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت اطمینان دلا دیا تھا کہ وہ پکڑے نہیں جائیں گے ۔ اور مولوی صاحب نے اکثر لوگوں سے جن میں غیر احمدی بھی ہیں کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے گرفتاری سے بچائے گا ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اکثر لوگ جو احمدیت کے مخالف تھے احمدیت کی صداقت کے قائل ہو گئے ۔

(الفضل ۱۷؍جون ۱۹۴۶ء)

اسی طرح ایک غیر از جماعت فوجی افسر جناب کیپٹن سید ضمیر احمد صاحب جعفری سنگاپور میں حضرت مولوی صاحب کی جانفشانی ، سادہ زندگی اور قربانی سے متاثر ہو کر

۱۹۴۸ء میں اپنے ایک طویل نوٹ میں فرماتے ہیں :-

"ضمناً میں یہاں ایک ذاتی تاثر کا ذکر کروں جس پر مجھے اب بے اختیار ہنسی آتی ہے ممکن ہے آپ کے قارئین بھی اسے دلچسپی کا موجب پائیں۔

بیرونِ ملک جانے سے پیشتر احمدیت کے متعلق خیال آتے ہی اکثر سوچا کرتا تھا کہ ان کے مبلغین کے لئے تو مزے ہی مزے ہیں۔ دیس دیس کی سیر اور فارغ البالی کی زندگی، آدمی کو یہ دو چیزیں مل جائیں تو اور کیا چاہیئے۔ مگر ملایا میں مولوی غلام حسین ایاز کو دیکھ کر میری اس خوش فہمی کو سخت دھکا لگا۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہ لوگ خاص محنت اور مشقت کی زندگی گزار رہے تھے۔ اتنی مشقت اگر وہ اپنے وطن میں کریں تو کہیں بہتر گزر بسر کر سکتے ہیں"

(الفضل ۲ر جولائی ۱۹۴۸ء)

بے نفسی اتنی کہ ۱۶ سال کے لمبے عرصہ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد کے ماتحت وطن واپسی پر لمبے چوڑے استقبالیہ اہتمام اور اشتہار سے بچنے کی خاطر ۲۴ر نومبر ۱۹۵۰ء بروز جمعہ کو کمال خاموشی سے عین نماز جمعہ کے وقت ربوہ بذریعہ ریل وارد ہو کر سیدھے مسجد تشریف لے گئے۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت اقدس میں بغرض حاضری حاضر ہوئے۔ بعد ازاں احباب کو آپ کی آمد کی خبر ملی۔

دوسری دفعہ آپ ۱۹۵۶ء میں واپس سنگاپور بغرض تبلیغ تشریف لے گئے اور اس تبلیغی جہاد کے دوران ۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۹ء کو آپ بورنیو میں وفات پاکر اپنے مولا کے ہاں پہنچ گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

آپ کی تدفین میدانِ جہاد میں ہی عمل میں آئی اور ان کی قبر شمالی بورنیو میں واقع ہے۔ آپ کے پسماندگان میں بیوہ خاکسار کی ہمشیرہ امتہ الرفیق، ایک بیٹا نسیم حسین ایاز عرف عابد، دو بچیاں عزیزہ خیر النسا زوجہ مکرمی مولوی عبد اللطیف صاحب ستکوہی اور عزیزہ امتہ النصیر صاحبہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام پر اپنا سایۂ عافیت رکھے۔ آمین ثم آمین۔

جنّ انسانوں پر مسلّط نہیں ہو سکتے

سنگاپور کے ایک سکول میں ایک عجیب واقعہ اور اس کی تحقیق

کون نہیں جانتا کہ جنوں اور بد روحوں کے انسانوں پر مسلط ہونے اور گاہے بگاہے انہیں تنگ کرنے اور ان کی دماغی قوتوں کو مفلوج کرنے کے مزعومہ واقعات تقریباً دنیا کے سارے ملکوں اور ساری قوموں میں بیان کئے جاتے ہیں اور ان پر یقین بھی کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ آج کے ترقی یافتہ اور مہذب و متمدن مغربی ممالک میں بھی اس قسم کی روایات کو عموماً تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ مغربی ممالک کی موجودہ مذہبی کتاب جسے بائیبل یا نیا اور پرانا عہد نامہ کہا جاتا ہے میں بھی اس قسم کے اَنگنت واقعات مرقوم ہیں۔ اس سلسلہ میں سمجھدار طبقہ کے ذہنوں میں طبعی طور پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اور جس نے دنیا کی ہر چیز اور ہر جاندار کو اپنی خدمت کے لئے مسخر کر رکھا ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کرۂ ارض کی ہر شے انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے نہ کہ نقصان پہنچانے کے لئے) کیا وہ اتنا کمزور اور بے بس بھی ہو جاتا ہے کہ ایک غیر مرئی مخلوق جنّ بھوت یا بد روحیں اس پر تسلط بھی جما سکتی ہیں اور اسے اپنا مطیع اور غلام بنا کر اس سے ایسی نامعقول حرکتیں کرا سکتی ہیں جو عام حالات میں اشرف المخلوقات کو نہیں کرنی چاہئیں۔

جنّ انسانوں پر مسلّط نہیں ہو سکتے قرآن کریم پر صحیح طور پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی عقل و دانش اور اس کے جسم پر جنّوں وغیرہ کے تسلّط کے امکان کی مذہب اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کی ایسی غیر مرئی مخلوق تو ہے جسے جنّ کہا جاتا ہے لیکن وہ انسانوں پر کسی قسم کی زیادتی، جبر یا تسلّط حاصل نہیں کر سکتے۔ البتہ جنّ اسے نیکی پر آمادہ کرنے اور نیکی کی طرف مائل کرنے یا بدی پر ابھارنے اور بہکانے کا کام انجام دے سکتے ہیں۔ اور دیتے ہیں کیونکہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ جنّوں میں نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی اور طبعی طور پر نیک جنّ انسان کو نیک خیالات اور نیک ارادے سمجھائیں گے اور بد جن بُرے کام کرنے پر ابھاریں گے۔ جیسا کہ کلام الٰہی قرآن کریم میں

آتا ہے مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ نیز جن جنوں کے متعلق قرآن کریم میں مذکور ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور کی تبلیغ سے مسلمان ہو گئے۔ وہ غیر مرئی روحیں نہ تھیں بلکہ انسان تھے اور انہیں جنّ محض اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے قبائل کے سردار، سرکردہ اور با اثر لوگ تھے اور عربی زبان میں جنّ کا لفظ ایسے STATUS کے لوگوں کے لئے عام استعمال ہوتا ہے۔ تاریخی لحاظ سے بھی یہ ثابت شدہ امر ہے کہ وہ جنّ جن کا ذکر سورہ جنّ میں مذکور ہے وہ نصیبین کے یہود تھے۔ جو مدینہ منورہ حضور صلی اللہ وسلم سے مخفی طور پر رات کے اندھیرے میں ملنے آئے تھے (بخاری باب مناقب الانصار) اگر واقعی وہ جنّ ہوتے تو مشرکین عرب سے ڈرتے ہوئے رات کو مخفی طور پر حضورؐ سے نہ ملتے بلکہ دن کو ملتے کیونکہ جنوں کو تو کوئی انسان دیکھ نہیں سکتا وہ مخفی مخلوق ہے۔ یہ یہود یہ سن کر ملنے آئے تھے کہ ان موعودہ عظیم الشان نبیؐ جس کی آمد کی پیشگوئی تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرما گئے تھے عرب میں ظاہر ہو چکا ہے اسی لئے انہوں نے اپنی قوم میں واپس جا کر یہ بتایا کہ ہم اس عظیم نبیؐ سے ایک ایسی عجیب کتاب سن کر آئے ہیں جو اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی یعنی تورات کے بعد۔ یہ نہیں کہا کہ جو انجیل زبور یا صحف ابراہیمؑ کے بعد خدا کی طرف سے نازل ہوئی اور ظاہر ہے کہ جنوں کا موسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں انبیاء اور مرسلین کے بارے میں ایک واضح اصول بیان ہوا ہے کہ نبی اپنی ہی جنس اور قوم میں سے منتخب کئے جاتے ہیں یعنی انسانوں کی طرف ان کی ہدایت کے لئے صرف انسان ہی کو نبی اور ہادی بنا کر بھیجا جاتا ہے اور صرف انسان ہی اس پر ایمان لانے کے مکلّف ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک معمولی حیثیت کے انسان کو رسول بنا کر بھیجنے کی بجائے کیوں نہ کسی فرشتے کو آسمان سے اس کام کے لئے اتار کر بھیج دیا تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محمدؐ تو انہیں بتا دے کہ اگر اس زمین پر بسنے والے لوگ انسان نہ ہوتے بلکہ فرشتے ہوتے اور ان کی ہدایت مقصود ہوتی تو میں ضرور کسی فرشتے ہی کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجتا۔ مگر تم چونکہ انسان ہو اس لئے انسان ہی تمہارے لئے نمونہ بن سکتا اور ہدایت کا موجب ہو سکتا ہے۔ پس اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنّ و انس دونوں کے لئے مبعوث کئے گئے تھے لیکن وہ جنّ بھی انسانوں ہی کی ایک قسم تھی جنہیں اردو زبان میں مہا جنّ بھی کہہ دیا جاتا ہے اور جنّ و انس جو مکلّف تھے اور ہیں کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائیں اور مسلمان ہو جائیں۔ وہ

انسان ہی تھے۔ صرف ان کے دو بڑے گروہ یا قسمیں یعنی بڑے لوگ اور چھوٹے لوگ یا عوام اور خواص ہونے کی وجہ سے خواص کو جن کہا گیا ہے اور عوام کو اِنس کا نام دیا گیا ہے۔ ویسے وہ جِنّ جو غیر مرئی مخلوق ہیں۔ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے اور وہ اس پر مامور و مجبور رہیں۔ نیز قرآن کریم میں جہنمی گروہوں کے متعلق بار بار اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان سے پوچھا جائے گا اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ کیا تمہارے پاس تمہاری ہی جنس اور تمہاری ہی قوم میں سے تمہاری ہدایت کے لئے رسول نہیں آئے تھے۔ قَالُوْا بَلٰی وہ کہیں گے کیوں نہیں یعنی آئے تھے مگر ہم نے ان کا انکار کر دیا۔ اس قسم کی سب آیات بھی ثابت کرتی ہیں کہ بشر رسول بشر ہی کی طرف آتے رہے ہیں اور بشر ہی ان پر ایمان لانے کے مکلّف تھے۔ سورۃ انعام کی یہ مکمل آیت یوں ہے۔ یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیَاتِیْ وَیُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاءَ یَوْمِكُمْ۔ یعنی اے جنّوں اور انسانوں کی جماعتو! کیا تمہارے پاس تمہاری ہی جنس اور تمہاری ہی قوموں میں سے رسول نہیں آئے تھے۔ گویا جنّوں کی طرف ان کی قوم کے نبی آئے اور انسانوں کی طرف انسان نبی آئے۔ پس اس آیت کے ماتحت نہ موسیٰؑ ان کے نبی ہو سکتے ہیں اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ بلکہ جنّوں کی طرف جنّ ہی نبی ہو کر آسکتے ہیں۔ مزید دیکھیں سورۃ نحل رکوع ۱۲/۱

سنگاپور میں جنوں کے متعلق ایک واقعہ

اس سلسلہ میں قرآن کریم کے مذکورہ بالا حقائق کی مناسبت سے ایک سچّا واقعہ پیش کیا جاتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ جنّوں کے بارے میں جو عجیب و غریب واقعات پیش کئے جاتے ہیں کہ فلاں مرد یا عورت پر جنّ سوار ہو گیا اور اسے بے ہوش یا بے کار کر دیا یا کوئی اور نقصان پہنچایا۔ اس کا موجب دراصل مادی اور خارجی اثرات ہوتے ہیں یا دہشت انگیز خیالات اور سوچ اس کا موجب ہوتی ہے۔ یا ایسے مریض کو کوئی جسمانی یا دماغی عارضہ لاحق ہوتا ہے جسے سادہ لوح اور عجوبہ پسند لوگ جنّوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

سکول کی طالبات بیہوش ہو گئیں

اگست ۱۹۶۵ء کا ذکر ہے جبکہ خاکسار سنگاپور میں بطور مبلغ اسلام کام کر رہا تھا کہ ایک روز سنگاپور کے ایک انگریزی اخبار روزنامہ "سٹریٹ ٹائمز" میں سرِورق وہاں کے ایک گرلز ہائی سکول کے صحن میں پیپل کی قسم کے ایک بڑے درخت کی تصویر میں نے دیکھی جس کے نیچے زمین پر دو نوجوان

طالبات بیہوش پڑی دکھائی گئی تھیں ۔ اور تصویر کے نیچے لکھا تھا کہ یہ درخت چند دنوں سے آسیب زدہ ہے اور اس پر جنوں نے آبسیرا کیا ہے جس کی وجہ سے ہر روز دن چڑھے اس کے پتوں نے آنسو بہانا شروع کر دیا ہے ۔ یعنی پتوں سے سورج اونچا ہونے تک آنسوؤں کی طرح قطرات گرتے رہتے ہیں جس کے دوران درخت سے آہستہ اور دھیمے دھیمے رونے اور بلبلانے کی آواز بھی آتی ہے ۔ تصویر کے ایک طرف سکول کی پرنسپل صاحبہ کا بیان بھی درج تھا ۔ جس کا خلاصہ یہ تھا :

کہ سکول کی لڑکیاں پہلے اس درخت کے آس پاس اور نیچے کھیلا اور گھوما پھرا کرتی تھیں ۔ مگر اس روز دو لڑکیاں اس درخت کے تنے کے قریب جاتے ہی خوف کے مارے چیخیں مارنے لگ گئیں ۔ اور پھر بیہوش ہو کر زمین پر گر گئیں ۔ چنانچہ اس حادثے اور درخت کی آسیب زدگی کی دہشت کی وجہ سے اس سے اگلے روز سکول میں طالبات اور معلمات کم تعداد میں آئیں اور جو آئیں وہ بھی اس قدر دہشت زدہ تھیں کہ کچھ روز کے لئے سکول بند کرنا پڑا ہے ۔ نیز پرنسپل صاحبہ نے حکومت کو توجہ دلائی کہ جس قدر جلد ہو سکے حالات کا جائزہ لے کر مناسب کارروائی کی جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ سکول مستقل طور پر بند کرنا پڑے ۔

لوکل اخباروں میں جنوں کے متعلق خطوط

اس کے بعد اس سلسلہ میں کئی خطوط قارئین کے "سٹریٹ ٹائمز" اور دیگر اخباروں میں چھپتے رہے اور اکثر خطوط میں اسی خدشہ کا اظہار کیا گیا کہ ہو نہ ہو اس درخت پر ضرور جنوں کا بسیرا ہے اور انہیں کی وجہ سے اُس کے پتے آنسو بہاتے ہیں اور کہ کسی ماہر عامل کے ذریعہ وہاں سے جنوں کو بھگا کر اس درخت کو جڑھوں سے اکھیڑ دیا جائے ۔ بعض غیر مسلموں نے اس کی تردید کرتے ہوئے جنوں کے وجود سے ہی انکار کیا اور لکھا کہ اس درخت اور جگہ کا سائنٹیفک تجزیہ کیا جائے ۔ بہت ممکن ہے کہ وہ درخت ہی اس قسم کا ہو جس سے بعض اوقات پانی کے قطرات ٹپکتے ہیں جو زہریلے بھی ہو سکتے ہیں یا وہ درخت سورج چڑھے کوئی ایسی زہریلی گیس چھوڑتا ہو جس سے انسان بے ہوش ہو جاتا ہو ۔ بعض علماء اور مذہبی قسم کے لوگوں نے لکھا کہ وہ جنوں کو قابو کرنے کے ماہر ہیں اور وہ ان جنوں کو وہاں سے بھگا بھی سکتے ہیں ۔

چنانچہ چند دنوں کے بعد وہاں سے جنوں کو بھگانے کے لئے ایک ملائی عامل شخص کو بلایا گیا اور سکول کی مینجنگ کمیٹی نے اسے وہاں اپنا عمل کرنے کے لئے مقرر کر دیا ۔ لیکن اس سے اگلے روز اس کے بے ہوش ہو جانے کی خبر بھی اس تصویر کے ساتھ اخباروں میں چھپ گئی اور اس

طرح اس کا نام نہاد علم نام نہاد جنوں سے مقابل پر بالکل ناکام رہا۔

محض وہمی اور فرضی کہانی چونکہ وہ سکول سنگاپور میں احمدیہ مسلم مشن کی عمارت سے زیادہ دور نہیں تھا اس لئے انہی دنوں ایک روز خاکسار نے بھی وہاں جاکر وہ درخت اور ویران شدہ سکول دیکھا جس کے بعد میرا تاثر بھی یہی تھا کہ اس درخت پر جنوں وغیرہ کا بسیرا محض الف لیلہ کی طرح کی فرضی کہانی ہے۔ اُس عامل کے وہاں پر بیہوش ہوجانے کی خبر اور تصویر شائع ہونے سے سکول کی طالبات کے والدین کی پریشانی اور دہشت اور بھی بڑھ گئی اور جب تک اس درخت کو اکھیڑ کر جگہ ہموار نہ کر دی گئی اس وقت تک سکول دوبارہ نہ کھل سکا۔

جن انسانوں کو ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ چونکہ اُن مزعومہ جنوں کی وہاں موجودگی اور ایسی قسم کے جنوں کے ثبوت کے لئے بعض لوگوں نے اپنے خطوط میں قرآنی آیات بھی تحریر کی تھیں اس لئے خاکسار نے بھی ان لوگوں کی تائید میں اپنا ایک طویل خط اخبار میں چھپوایا جن کے خیال میں اُس درخت پر جنوں کے بسیرے کا خیال محض وہم تھا اور جن کے نزدیک علم طبیعات اور علم نباتات کے ماہرین کی توجہ سے یہ مسئلہ بآسانی حل کیا جا سکتا تھا۔ اس خط میں خاکسار نے حضرت مصلح موعودؓ کی تفسیر کبیر میں مذکورہ دلائل کا خلاصہ پیش کر کے ثابت کیا کہ اگرچہ جنوں کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا تاہم وہ جن خواہ بد ہوں یا نیک ہوں انسانوں پر مسلط نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اور نہ وہ جن کسی انسان کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکتے ہیں بلکہ انسان انہیں اپنا تابع اور مطیع بنا سکتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ـــــ (سبا۔ آیت ۱۳)

یعنی جنوں میں سے بہت سے جن اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی منشاء اور اجازت سے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مختلف قسم کے کام کیا کرتے تھے۔

مضبوط پہاڑی لوگ بھی جن کہلاتے ہیں اس کے علاوہ یہ بھی میں نے تحریر کیا کہ جہاں جہاں جنوں کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے اکثر آیات میں خاص قسم کے انسانوں کو ہی جن کہا گیا ہے۔ مثلاً جو پہاڑی اور سخت جان قسم کے لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مطیع ہو کر بڑے بڑے محنت اور مشقت کے کام بآسانی کر لیتے تھے۔ انہیں ان

کے کارناموں اور سخت جانی کی وجہ سے جنّ کہا گیا ہے۔ جس قسم کے جنّ عام لوگ مانتے ہیں جو قبرستانوں، جنگلوں اور کھنڈرات میں رہتے بتائے جاتے ہیں۔ ان کا وجود محض خیالی ہے۔ جیسے کہ جس عورت کو ہسٹیریا وغیرہ قسم کے دورے پڑتے ہوں یا ایسی کوئی اور بیماری لاحق ہو اس کے متعلق یہ خیال کر لیا جاتا ہے کہ اس پر جنّ مسلط ہو گیا ہے یا جو مکان پرانا ہو جائے یا جس مکان کے مکینوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے یا کم عقلی، سستی، وہم اور بے وقوفی کی وجہ سے اس میں گندگی، اندھیرا اور نحوست سی چھا جائے۔ اس کے متعلق عموماً لوگوں میں کسی نہ کسی واقعہ کی وجہ سے یہ وہم پھیل جاتا ہے کہ اس مکان میں جنوں کا بسیرا ہے۔ حالانکہ دراصل وہاں سوائے اندھیر کوٹھڑی کی دہشت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن جنوں کے "نام نہاد عامل" لوگ ایسے مکان کے مکینوں کو یہ یقین دلا کر کہ ہاں ضرور وہاں جنّ موجود ہیں جن کے یہ یہ نام ہیں۔ انہیں مکان سے باہر نکالنے کے بہانے ان سے پیسے بٹورتے ہیں۔ عربی زبان میں بیماری کے جراثیم اور چھپے رہنے والے کیڑے مکوڑوں کو بھی جنّ کہا جاتا ہے۔ فرمایا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے لَا تَسْتَنْجُوْا بِالرَّوْثِ فَاِنَّهٗ طَعَامُ اِخْوَانِكُمُ الْجِنِّ کہ لید اور حیوانوں کی گندگی سے استنجا نہ کرو یعنی صفائی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارے ساتھیوں اور تمہارے آس پاس چھپے رہنے والے جنوں کا کھانا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہاں جنوں سے مراد وہ جراثیم اور گندے کیڑے ہیں جو اس قسم کے گند میں پیدا ہوتے ہیں اور وہاں چھپے رہتے ہیں اور انسانوں کے لئے بیماری کا موجب ہوتے ہیں۔ اس لئے حضورؐ نے اس گند سے صفائی کرنے سے منع فرمایا ہے تاکہ بیماری سے ہم بچے رہیں۔

محکمہ نباتات کی تحقیق چنانچہ گورنمنٹ کے محکمہ تعلیم نے اس بارے میں محکمہ نباتات اور طبیعات کی خدمات حاصل کیں اور بعد تحقیقات یہی ثابت ہوا کہ وہ درخت ایسا ہے جو ایک مدت کے بعد دن کے کسی حصہ میں ایسی گیس چھوڑتا ہے جو زہریلی اور ضرر رساں ہوتی ہے نیز وہ درخت رات کو ہوا میں سے نمی کو اس حد تک جذب کر لیتا ہے کہ دن چڑھے وہ نمی قطرات بن کر اس کے پتوں سے ٹپکنے لگ جاتی ہے۔ اس تحقیق کے بعد اس درخت کو جڑھ سے اکھیڑ کر وہ جگہ بالکل ہموار کر دی گئی۔ اور یوں اس درخت پر جنوں کے بسیرے کی وہ کہانی محض وہم ثابت ہوئی۔ اور وہ سکول حسب معمول جاری ہو گیا۔ جس کے بعد سکول کے اسٹاف اور طالبات کی تسلی کے لئے ماہرین نے وہاں آ کر اس موضوع پر لیکچر بھی دیئے۔

جنوں کے متعلق ایک اعلانِ عام

تفسیر کبیر میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے جنوں کی حقیقت تفصیل سے بیان کرنے کے بعد جنوں اور بھوتوں کے اس قسم کے وجود اور ان کے نامناسب اعمال پر یقین رکھنے والوں کو دعوت عام دی ہے کہ جہاں کہیں وہ سمجھیں کہ ایسے جن موجود ہیں اور کسی انسان کو تکلیف پہنچاتے ہیں وہ مجھے اطلاع دیں میں اپنے خرچ پر آدمی بھیج کر اس کی تحقیق کراؤں گا۔ اور ایسے مرد یا عورت کی طرف منسوب تکلیف کا بھی ازالہ کر دیا جائے گا۔ مگر کسی نے حضور کے اس اعلانِ عام سے فائدہ نہ اٹھایا اور نہ حضور کو کچھ لکھا۔ یہ بھی اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ محض خیالی اور وہمی باتیں ہیں جس کے لئے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ جو میرے پیارے اور مطیع بندے ہیں ان پر شیطان اور اُن کے ہتھکنڈوں کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ یعنی وہ اس قسم کے جنوں اور بھوتوں کے اوہام اور غلط خیالات سے متاثر ہونے سے محفوظ رہیں گے چنانچہ فرمایا

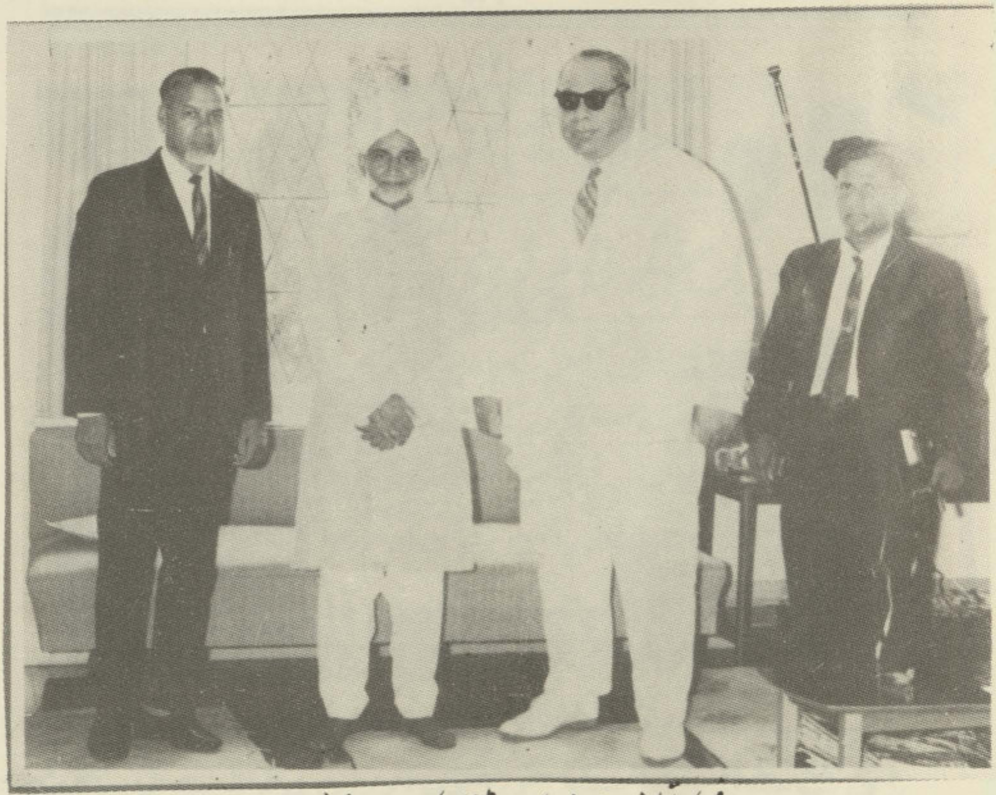
اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ

یعنی اے شیطان میرے مطیع بندوں پر تیرا کوئی حیلہ اثر انداز نہیں ہو سکتا اور تو ان پر کبھی غلبہ نہیں پا سکے گا۔

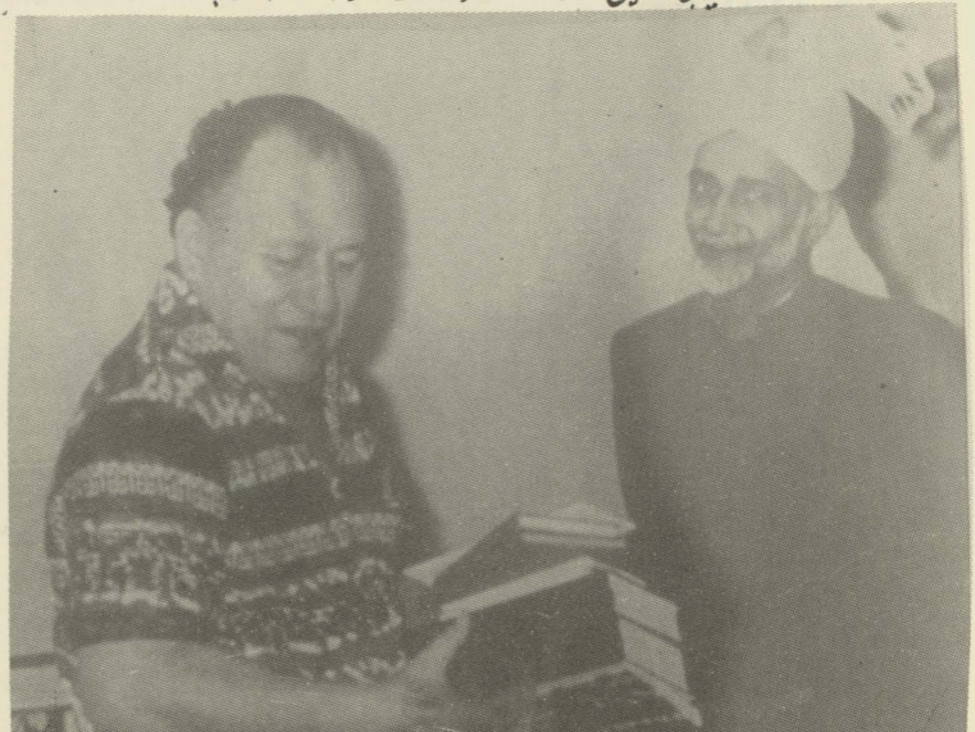
آخر میں اس سلسلہ میں گرم ممالک میں پیدا ہونے والے ایک درخت کے متعلق مندرجہ ذیل خبر جو گزشتہ سال روزنامہ "امروز" کے بچوں کے صفحہ میں شائع ہوئی تھی پیش کی جاتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض درختوں سے بعض دفعہ نہ صرف قطرات ہی گرتے ہیں بلکہ وہ بارش کی طرح پانی بھی برساتے ہیں۔

بارش والا درخت

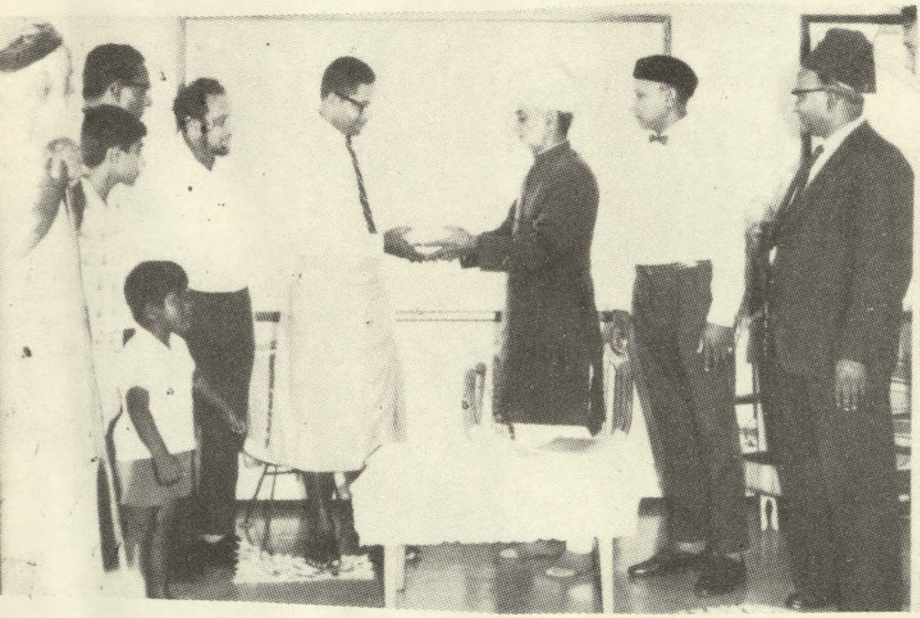
"پیارے بچو! اس ہفتہ ہم آپ کو ایک خاص درخت کے بارے میں بتاتے ہیں جو منطقہ حارہ یعنی انتہائی گرم علاقہ میں واقع ہے۔ یہ درخت بڑا دلچسپ اور عجیب ہے۔ یہ دن بھر اپنی جڑوں کی مدد سے پانی جذب کرتا رہتا ہے اور شام کے وقت اپنی شاخوں اور پتوں سے پانی کے قطرے زمین پر ٹپکانے لگتا ہے اور یہ قطرے اتنی تیزی سے اور تسلسل کے ساتھ زمین پر گرتے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے درخت ایک بادل ہے جس سے بارش ہو رہی ہے حالانکہ مطلع بالکل صاف ہوتا ہے۔"



جماعت احمدیہ فجی کا تبلیغی وفد شاہ آف ٹونگا کے ساتھ (صفحہ ۶۶۳)



وزیر اعظم جزائر مغربی ساموا کو تبلیغ اور قرآن کریم کی پیشکش (صفحہ ۶۷۰)



جزیرہ لماسہ کے حاکم کو قرآن کریم کی پیشکش اور تبلیغ



جماعت احمدیہ کا تبلیغی وفد وزیر اعظم جزائر کوک کے ساتھ (صفحہ ۶۷۰)

شاہِ بلجیئم کو تبلیغِ اسلام

ایک پیشگوئی جو پوری ہو کر نشانِ صداقت بنی

جنوری ۱۹۶۴ء میں بلجیئم کے بادشاہ شاہ باؤڈوئین (BAUDOUIN) مع اپنی ملکہ کے حکومت سنگاپور کی دعوت پر ایک ہفتہ کے لئے سنگاپور تشریف لائے اس موقعہ پر خاکسار نے بلجیئم کے سفیر کے ذریعہ شاہ باؤدوین سے ۲۹ جنوری کو ملاقات کی اور انہیں قرآن کریم کی انگریزی تفسیر اور کتاب" لائف آف محمدؐ" بطور تحفہ پیش کرنے کے بعد ایک خیر مقدم ایڈریس بھی پیش کیا۔ شاہِ بلجیم نے یہ روحانی تحفے بخوشی قبول فرمائے اور ہمارے ایڈریس کا زبانی جواب دینے کے علاوہ بعد میں تحریری طور پر بھی اظہارِ مسرت کیا۔ ذیل میں انہیں پیش کئے گئے استقبالیہ کے بعض حصوں اور ان کی طرف سے جواب کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:۔

عالی جاہ! اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی رفیقۂ حیات ملکہ فابولیا کو سلامت رکھے۔ ملیشیا میں آپ کی تشریف آوری پر ہم ممبران جماعت احمدیہ سنگاپور آپ کی خدمت میں ہدیۂ تہنیت پیش کرتے ہیں۔ خدا کرے کہ آپ کی تشریف آوری ملیشیا اور بلجیم کی حکومتوں اور رعایا کے درمیان باہمی تعلقات کو اور زیادہ خوشگوار بنانے کا موجب ہو۔

اس موقعہ پر ہم اپنے جذباتِ تہنیت کے عملی اظہار کے لئے آپ کی خدمت میں عالمی مذہب اسلام کی مقدس کتاب قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ اور تفسیر اور کتاب لائف آف محمدؐ تحفۃً پیش کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ان متبرک تحائف کو قبول فرما کر وقتاً فوقتاً ان کا سنجیدگی سے مطالعہ فرمائیں گے۔

عالی جاہ! جماعت احمدیہ ایک مذہبی جماعت ہے جس کی بنیاد ۱۸۸۹ء میں حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام نے قادیان ہندوستان میں

رکھی تھی۔ آپ نے دعویٰ فرمایا کہ جس مسیح اور عالمگیر روحانی پیشوا کے آخری زمانہ میں ظہور کی پیشگوئیاں بائیبل اور کتب اسلامیہ اور دیگر مذاہب کے صحائف میں پائی جاتی ہیں وہ مَیں ہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا کے لوگوں پر اسلام کی سچائی واضح کرنے اور تمام قوموں کو ایک اسلامی برادری میں منسلک کرنے کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام نے قرآن کریم کے روحانی خزائن اور اسلام کی سنہری تعلیم کو عام فہم اور معقول انداز میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور ثابت فرمایا ہے کہ مذہب اور سائنس یعنی خدا کے قول و فعل میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا اور نہ کبھی ہو سکتا ہے۔

عالی جاہ! یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی انسان خواہ وہ غریب ہو یا امیر بادشاہ ہو یا رعیت کا ایک فرد اگر اللہ تعالیٰ کا محبوب بننا اور اس کی خاص برکتوں اور رحمتوں کا مورد ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے مذہب اسلام قبول کرنا ناگزیر ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا جُوا اپنی گردن میں ڈال کر آپ کی کامل پیروی اختیار کرے۔ خدا کے اس محبوب رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیم کو گذشتہ زمانہ میں یورپین دانشمند اور اربابِ کلیسا بہت بگاڑ کر پیش کرتے رہے ہیں حالانکہ دنیا میں جتنے انبیاء، پیغمبر اور مصلح گذرے ہیں سیّدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ان سب سے زیادہ کامیاب اور افضل ہیں اور آپ کی تعلیم ان سب کی تعلیمات سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ تعصب اور عناد کی پٹی کو آنکھوں سے اُتار کر غیر جانبدارانہ طریق سے غور و فکر کیا جائے پس میری یہی گزارش ہے کہ آپ وقت نکال کر ضرور اسلام کی مقدس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ اس کے مطالعہ کے دوران آپ اپنے آپ کو ایک بے مثل روحانی دنیا میں محسوس کریں گے۔

اس سلسلہ میں آپ کی دلچسپی کے لئے عرض ہے کہ خود ہماری جماعت کے موجودہ خلیفہ حضرت سیّدنا محمود ایدہ اللہ تعالیٰ مذہبِ اسلام کی صداقت

کا زندہ ثبوت ہیں۔ دنیا میں یہی ایک مذہب ہے جو انسان کو اپنے حیّ و قیوم اور عالم الغیب خدا سے ہمکلامی سے مشرف کرا دیتا ہے ہاں ایسے خدا سے جو ہمیشہ اپنے بندوں کی دعا سنتا اور انہیں جواب سے نوازتا ہے اور انہیں اپنے مخفی رازوں سے قبل از وقت مطلع فرماتا ہے۔

عالی جاہ! آپ کو یہ سُنکر شاید تعجب ہوگا کہ خود آپ کے والد ماجد سابق شاہ بیلجیم لیوپولڈ دی تھرڈ اسلام کے اس دعویٰ کی صداقت کی زندہ مثال ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران مئی ۱۹۴۰ء میں جبکہ برّاعظم یورپ جنگ کی وجہ سے جہنم کا نقشہ پیش کر رہا تھا جماعت احمدیہ کے امام ایدہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشف میں دکھایا گیا کہ یورپ کا ایک بادشاہ ان کے سامنے سے گزرا ہے اور ساتھ ہی غیب سے یہ آواز آئی ہے ABDICATED یعنی معزول کیا گیا یا تخت سے دستبردار ہو گیا۔ اور اس وقت اس کشف کی آپ کو یہ تفہیم ہوئی کہ جنگِ عظیم میں شریک یورپین ممالک کا کوئی بادشاہ عنقریب معزول کیا جائے گا یا تخت سے دستبردار ہوگا۔ چنانچہ آپ نے یہ کشف نہ صرف دوستوں کے سامنے بیان فرمایا بلکہ قبل از وقت شائع بھی کر دیا۔

عالی جاہ! اس کے چند روز بعد ہی یہ کشف آپ کے والد ماجد سابق شاہ لیوپولڈ آف بیلجیم کے ذریعہ لفظ بلفظ پورا ہوا۔ آپ کو معلوم ہے کہ انہیں دنوں جرمن نازیوں نے آپ کے والد ماجد کو پہلے معزول کیا اور پھر بطور جنگی قیدی جرمنی لے جا کر محبوس کر دیا۔ اس کے بعد جب لڑائی نے پلٹا کھایا۔ اور بیلجیم دوبارہ آزاد ہو گیا تو ملکی عوام کی اکثریت کے اصرار پر آپ کے والد کو مجبوراً تخت سے دستبرداری کا اعلان کرنا پڑا۔ اور انہوں نے آپ کو تخت کا وارث بنانے کی سفارش فرمائی اور پھر باوجود کم عمری کے آپ بیلجیم کے بادشاہ بن گئے۔

اے عالی مرتبہ بادشاہ! کیا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک راشد خلیفہ کے مذکورہ بالا کشف کے عین مطابق آپ کے والد صاحب کے ساتھ پیش آنے والے واقعات اس امر کا بیّن ثبوت نہیں ہیں کہ اسلام کے سچے پیروؤں

اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حقیقی متبعین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اب بھی عجیب در عجیب نشان اور آئندہ کے راز دنیا پر ظاہر کرتا اور اپنے محبوب بندوں سے ہمکلام ہوتا ہے۔ کیا یہ اسلام کے سچا مذہب ہونے کا روشن ثبوت نہیں کیا کسی دوسرے مذہب میں بھی اللہ تعالےٰ سے تعلق اور ہمکلامی کی ایسی مثالیں مل سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ میں نے صرف مثال کے طور پر یہ ایک واقعہ پیش کیا ہے ورنہ ہمارے امام ہمام ایدہ اللہ تعالےٰ کی زندگی ایسے معجزانہ واقعات اور نشانات سے بھری پڑی ہے۔

پس عالیجاہ! مذکورہ بالا کشف کے علاوہ اور بھی لاتعداد کشوف و رؤیا اور الہامات اور ربانی پیشگوئیاں اس امر کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہیں کہ اللہ تعالےٰ آج بھی اپنے نیک و پاک بندوں سے ویسے ہی ہمکلام ہوتا ہے جیسے کہ وہ گزشتہ زمانہ میں اپنے ماموروں اور مقرب بندوں سے ہوتا تھا۔ بلکہ اگر آپ سچے دل سے مذہبِ اسلام قبول کر لیں اور صرف اللہ تعالےٰ کو اپنا واحد و لاشریک خالق و مالک تسلیم کر کے اس کے حقیقی عبد بننے کی کوشش کریں اور اس کے محبوب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی دل و جان سے اختیار کر لیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ سے بھی اللہ تعالےٰ اپنے حقیقی اور سچے دوستوں اور مقربین والا سلوک کرے گا اور قدم قدم پر آپ کی نصرت و راہنمائی اور مدد فرمائے گا اور آپ ہمیشہ کے لئے آسمانی بادشاہت اور ابدی نعمتوں سے نوازے جائیں گے۔

جہاں تک بائیبل کا تعلق ہے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السّلام نے اپنے بعد ایک اور بہت بڑے عالمگیر نبی کے آنے کی پیشگوئیاں فرمائی ہیں مثلاً یوحنا باب ۱۶ میں وہ ایک عظیم نبی اور روحِ حق کی آمد کی بشارت دیتے ہیں جس نے ان کے اس دنیا سے جانے کے بعد آنا تھا اور آ کر ساری دنیا کو سچائی کی راہ پر چلانا اور حضرت مسیح کا حقیقی مرتبہ دنیا پر ظاہر کرنا تھا۔ نیز جو گندے الزامات مخالف یہودیوں کی طرف سے حضرت مسیح اور ان کی والدہ پر لگائے گئے تھے ان سے انہیں بری کرنا تھا۔ اب اگر صرف اس ایک پیشگوئی

کو ہی غور و انصاف سے دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حضرت بانی اسلام سیّدنا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور پر چسپاں نہیں ہوتی۔ آپ ہی اس کے حقیقی مصداق ہیں کیونکہ آپ نے حضرت مسیحؑ سے تقریباً ۶۰۰ سال بعد دنیا میں تشریف لا کر نہ صرف خود اپنے آپ کو روحِ حق ثابت کیا اور سچائی کی ابدی راہ دنیا کو دکھائی بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کو بھی ان تمام الزامات اور ناقابلِ قبول باتوں سے بری قرار دیا جو کہ یہودی ان کے خلاف پیش کرتے تھے یا عیسائی ان کی طرف منسوب کرتے تھے۔

عالی جاہ! اگر انسان اپنے صاحبِ احتیاج ہونے پر ذرا سنجیدگی سے غور کرے تو ضرورتِ مذہب سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس وقت دنیا میں کئی مذاہب موجود ہیں اور ہر مذہب والے یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ صرف ان کا مذہب ہی سچا ہے۔ مگر چونکہ یہ مذاہب اور ان کی تعلیمات ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ دنیا کے سارے مذہب اپنی موجودہ صورت میں کبھی سچے نہیں ہو سکتے لہٰذا ان میں سے ایک سچے کامل اور قابلِ عمل مذہب کی تلاش کرنا ہر عقل و شعور رکھنے والے انسان کا فرض ہو جاتا ہے اس لئے آج یہ خاکسار آپ کو آپ ہی کی بہتری کے لئے ان جملہ مذاہب میں سے سچے اور عالمگیر مذہب اور اس کے ذریعہ ملنے والے زندہ خدا کی جستجو کرنے کی درخواست کرتا ہے اور اپنی طرف سے آپ کو بشارت دیتا ہے کہ اگر آپ اسلام کا سچے دل سے غیر جانبدارانہ طور پر مطالعہ فرمائیں گے تو انشاء اللہ آپ پر حق واضح ہو جائے گا اور آپ اسلام کو دیگر مذاہب سے افضل و اعلیٰ اور بہتر پائیں گے

میری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ عالی جاہ کو صداقت کو پانے اور اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ اور آپ کی رفیقۂ حیات ملکہ محترمہ اور رعایا کے دلوں کو اسلام کی روشنی کے لئے کھول دے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نور سے منور فرمائے اور آپ دنیا و آخرت میں تاروں کی طرح چمکیں۔ آمین۔

عالیجاہ کا خیر خواہ:۔ الحاج محمد صدیق امرتسری
مبلّغ انچارج و امیر جماعت احمدیہ سنگاپور

شاہ بیلجیم کی طرف سے جواب

No 82/Q.32

از کونسلیٹ جنرل آف بیلجیم
6E ایشیا انشورنس بلڈنگ
P.O. BOX 2248.
سنگاپور 15
8، فروری ۱۹۶۴ء

الحاج محمد صدیق امیر اور مبلغ انچارج
احمدیہ جماعت سنگاپور
116/111 اوحن روڈ سنگاپور 15

مکرمی

مجھے شاہ بادوئین آف بیلجیم کی طرف سے ہدایت کی گئی ہے کہ میں ان کی طرف سے آپ کے خیر مقدم ایڈریس مورخہ ۹، جنوری ۱۹۶۴ء اور قرآن کریم انگریزی اور کتب کا تحفہ انہیں پیش کرنے پر اُن کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کروں وہ ضرور کسی وقت ان کا مطالعہ کریں گے۔

مجھے انہوں نے یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ وہ آپ کے خیر مقدم ایڈریس میں ان کے اور ملکہ کے لئے نیک تمناؤں اور دُعاؤں کے اظہار کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

آپ کا خیر خواہ

(دستخط) جے اوریائن سِن
کونسل جنرل فار بیلجیم

جماعت احمدیہ سنگاپور کی طرف سے صدر جمہوریہ فلیپائن کے نام

ایک اہم میمورنڈم

یکم فروری ۱۹۶۴ء کو ملیشیا کے پہلے وزیر اعظم الحاج تنکو عبدالرحمٰن پترا نے جزائر فلیپائن کے دورہ سے واپسی پر کولالمپور KOLA LUMPUR میں ہندوؤں کی دیوالی کے تہوار کے موقعہ پر تقریر فرمائی جس کے دوران انہوں نے نہایت افسوس کے ساتھ یہ انکشاف کیا کہ باوجود اس کے کہ جزائر فلیپائن میں تقریبًا ۴۰ لاکھ مسلمان آباد ہیں۔ فلیپائن کے دارالحکومت میں ایک بھی مسجد نہیں اور نہ مسلمانوں کے لئے کوئی علیحدہ قبرستان بنایا گیا ہے اور کہ جب انہوں نے حکومت فلیپائن کے صدر سے اس صورتِ حال کا ذکر کر کے اس کے تدارک کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے افسوس کرتے ہوئے جواب دیا کہ وہ ملک کے آئین میں تبدیلی کرنے کے مجاز نہیں ہیں جس میں مسلمانوں کی مذہبی ضروریات پورا کرنا گورنمنٹ کی ذمہ داری قرار نہیں دی گئی درحقیقت وہاں محض عیسائیت کے اقتدار اور اسلام کے خلاف تعصب کی وجہ سے مسلمانوں کو دارالحکومت میں اپنی مساجد وغیرہ بنانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

ریڈیو اور لوکل اخبارات سے یہ خبر معلوم کر کے خاکسار نے مورخہ ۳ر فروری ۱۹۶۴ء کو مبلغ انچارج احمدیہ مشن سنگاپور کی حیثیت سے ہز ایکسی لینسی جناب پریذیڈنٹ صاحب جزائر فلیپائن کو جماعت کی طرف سے ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں انہیں بادب درخواست کی کہ جزائر فلیپائن اور خصوصًا دارالحکومت مینلا (MANILA) میں جمہوری اصولوں کے مطابق مسلمان باشندوں کو ہر طرح سے مکمل مذہبی آزادی عطا کی جائے۔ اور اگر گورنمنٹ خود انہیں دارالحکومت میں مسجد بنانے کے لئے جگہ نہیں دے سکتی تو کم از کم قانونی طور پر وہ جہاں چاہیں انہیں مسجدیں

تعمیر کرنے کی آزادی ہونی چاہیئے کیونکہ مذہبی آزادی کو انسانی حقوق میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اور اگر فلیپائن کا ملکی آئین اس قسم کی مذہبی آزادی دینے میں مانع ہے تو دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ایسے فرسودہ آئین میں ترمیم کی جائے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ "فادر آف دی نیشن" ہونے کی حیثیت سے آپ اپنی مسلمان رعایا سے بھی بلا کسی تعصب کے ویسا ہی سلوک روا رکھیں گے جیسا کہ دوسری عیسائی اور مشرک رعایا سے رکھا جاتا ہے۔ نیز انہیں بتایا گیا کہ باوجود اس کے کہ برطانیہ فرانس اور امریکہ مکمل طور پر عیسائی مملکتیں ہیں پھر بھی انہوں نے بڑی فراخدلی سے اپنے اپنے دارالحکومت میں مسلمان اقلیتوں کے لئے بعض مقامات پر گورنمنٹ کے خرچ پر مساجد بنوائی ہوئی ہیں اگرچہ ان ممالک کے مسلمان اس سلسلہ میں وہاں کی حکومتوں کے چنداں محتاج نہ تھے۔ اور بآسانی خود اپنی مساجد بنا سکتے تھے۔ تاہم ان حکومتوں کی رواداری اور فراخدلی کی داد دینی پڑتی ہے۔

اس کے بعد اسلام کی بنیادی تعلیم کا مختصر ذکر کر کے انہیں بتایا گیا کہ اسلام ایک صلح جُو اور امن پسند مذہب ہے جو ہر ایک کو بلا تفریق مذہب وملت اور رنگ ونسل آزادی سے اپنے اپنے نظریات وعقائد پر کاربند ہونے کی پوری پوری آزادی دیتا ہے۔ نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بائیبل کی پیشگوئیاں بیان کر کے انہیں بتایا گیا کہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نسلی طور پر بھی باہم بھائی بھائی تھے اور ان دونوں نے توریت اور انجیل میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد کی واضح پیشگوئیاں فرمائی ہیں جو اپنے وقت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کی آمد سے لفظ بلفظ پوری ہوئیں۔ لہذا بنیادی طور پر حضرت موسیٰؑ حضرت عیسےٰؑ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں کوئی فرق نہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان اور عیسائی باہم محبت اور پیار سے نہ رہ سکیں۔

آخر میں اسلام کی مقدس اور عالمگیر کتاب قرآن کریم انگریزی اور

دیگر اسلامی کتب انہیں تحفۃً پیش کر کے ان کا مطالعہ کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔

ہمارے اس ضروری میمورنڈم کے جواب میں صدر فلپائن صاحب کے سیکرٹری صاحب کی طرف سے صرف اتنا جواب موصول ہوا کہ انہیں ہمارا میمورنڈم اور کتب مل گئی ہیں اور وہ انہیں شکریہ کے ساتھ قبول کرتے ہیں ؛

ایک پادری کی حضرت خاتم النبیینؐ کے خلاف دریدہ دہنی کا جواب

جون ۱۹۶۵ء کا ذکر ہے کہ سنگاپور میں ایک روز بوقتِ عصر عزیز مکرم بی حبیب احمد مالاباری عزیز مکرم چوہدری منیر احمد صاحب عابد ایم۔اے اور خاکسار سمندر کے کنارے ریت پر بیٹھے تھے کہ ایک امریکن پادری اور ان کے حواریوں نے ہمارے قریب ہی مجمع لگانے کے لئے گانا بجانا شروع کر دیا جب لوگ اکٹھے ہو گئے تو ایک چینی پادری نے چینی زبان میں تقریر کی اس کے بعد امریکن پادری صاحب نے انگریزی تقریر کے دوران اسلام اور بانی اسلام صلے اللہ علیہ وسلم پر حملے شروع کر دیئے۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش میں کہ ان کے یسوع مسیح حضرت رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہر لحاظ سے افضل و اعلیٰ ہیں بڑی دریدہ دہنی سے کام لیتے ہوئے کہنے لگے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ تو یہ تھا کہ وہ تمام مخلوق کے لئے سراپا رحمت و شفقت بن کر آئے تھے۔ مگر عمر بھر اسلام قبول نہ کرنے والوں کے خلاف جنگیں کرتے رہے۔ جس نبی کا اپنا نمونہ اپنی دی ہوئی تعلیم کے مطابق نہ ہو وہ سچا کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب کے لئے وقت دینے سے انکار اس پر ہم نے پادری صاحب کو کہا کہ ہمیں جواب کے لئے وقت دیا جائے

لیکن انہوں نے توجّہ نہ کی اور تقریر جاری رکھی۔ آخر حاضرین کے اصرار پر کہنے لگے۔ آخر میں وقت دیا جائے گا۔ مَیں نے کہا پتہ نہیں آپ کی تقریر کا آخر کب آئے آپ ابھی ساتھ کے ساتھ ہی ہمارے جواب سنتے جائیں۔ چنانچہ مَیں نے جواباً تفصیل سے بتایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم واقعی ہر ایک کے لئے سراپا رحمت وشفقت تھے اور آپ کا نمونہ آپ کی تعلیم کے عین مطابق تھا۔ آپ کے ہاتھوں تمام عمر سوائے ایک بدقسمت کے کوئی شخص قتل نہیں ہوًا اور اس پر بھی حضورؐ نے صرف اپنے بچاؤ کے لئے وار کیا تھا۔ مکّہ شریف میں ۱۳ سال تک آپؐ کفّار کے مظالم سہتے اور ان کے لئے شفقت بھری دعائیں کرتے رہے اس کے بعد کی ہر جنگ کفّار کی طرف سے حضورؐ پر ٹھونسی گئی تھی اور حضورؐ کو مجبوراً اپنا دفاع کرنا پڑا۔ اور ہر مرتبہ فتح پانے کے بعد انتقام لینے کی بجائے حضورؐ نے شکست خوردوں پر شفقت ورحمت ہی فرمائی۔ آخر کار کفار پر مکمل فتح پانے کے بعد ان دشمنوں کو بھی معاف کر دیا جنہوں نے آپؐ اور صحابہ کرام پر ۱۳ سال تک بے پناہ مظالم ڈھائے تھے۔ اسی طرح مدینہ میں غیر مسلموں کا آزادی سے رہنا بھی ثابت کرتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سے بھی جبر واکراہ کا معاملہ نہیں کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں مسلمانوں کے خلاف ان غیر مسلموں کی ریشہ دوانیوں اور معاہدات کی متواتر خلاف ورزی کی وجہ سے انہیں جلا وطن کرنا پڑا۔

انجیل کے یسُوع کا اپنا نمونہ

اس کے بعد الزامی جواب پیش کرتے ہُوئے خاکسار نے پادری صاحب کو کہا کہ آپ اور دل پر اعتراض کرنے سے پہلے ذرا اپنے گھر کا حال بھی تو دیکھیں۔ ہم تو حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو خدا کا مقدس اور معصوم نبی مانتے ہیں مگر آپ کی انجیل کے یسوع جو تعلیم دنیا کو دیتے رہے ہیں وہ خود بیلک ہیں اس کی کھُلی کھُلی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ بائیبل سے مثالیں پیش کر کے مَیں نے انہیں بتایا کہ دیکھو یسوع ایک طرف تو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو بایاں گال بھی اس کی طرف پھیر دے

اور شریر کا مقابلہ نہ کرو اور دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا کرو اور جو ایک کوس تمھیں بیگار کے لئے لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلو (متی باب ۵) مگر دوسری طرف لوقا باب ۱۷ میں خود ہی کہا کہ جو میرے ان شاگردوں کو تنگ کرے اس کے لئے بہتر ہے کہ چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکا کر اسے سمندر میں پھینک دیا جائے۔ نیز خود ہی یہ بھی کہا کہ جو تلوار اُٹھاتے ہیں، وہ تلوار سے ہی مارے جاتے ہیں۔ نیز کہا میں صلح کے لئے نہیں بلکہ تلوار چلانے کے لئے آیا ہوں اور شاگردوں کو کہا کہ قمیصیں بیچ کر تلواریں خرید لیں (متی باب ۲۶ یوحنا باب ۵۔ اور لوقا باب ۲۲) اور جب ایک یہودی نے انہیں طمانچہ مارا تو انہوں نے فوراً احتجاج کرتے ہوئے شور مچا دیا کہ "تو مجھے کیوں مارتا ہے زبان سے بات کر"۔ (یوحنا باب ۱۸) حالانکہ اس نے تعلیم یہ دی تھی کہ جو تیرے دائیں گال پر طمانچہ مارے تو اس کی طرف بایاں گال بھی پھیر دے اور مقابلہ نہ کر بلکہ اس کے لئے دعا کر۔

یہودیوں کو گالیاں اور اہلِ زمانہ کو حرام کار اور زانی کہا

اسی طرح یسوع نے تعلیم تو یہ دی کہ جو بھی اپنے بھائی کو پاگل یا احمق کہے گا وہ جہنم کا سزاوار ہوگا اور عدالت میں بھی سزا پانے کے لائق ہوگا (متی باب ۵) مگر متی باب ۲۳ میں یہودیوں کو جی بھر کے گالیاں دی ہیں اور انہیں پاگل احمق منافق سانپوں کے بچے، ریاکار اندھے وغیرہ کہہ کر پکارا ہے۔ نیز خدا کے پاک نبیوں کے متعلق کہا کہ "جتنے مجھ سے پہلے آئے تھے سب چور اور ڈاکو تھے"۔ نیز حاکمِ وقت ہیرودیس کے متعلق کہا کہ "جاؤ اس لومڑی سے کہہ دو کہ دیکھو میں بدروحوں کو نکالتا ہوں (لوقا ۱۳/۳۲) اسی طرح کسی کو لعنتی کہنے یا کسی پر لعنت ڈالنے سے اپنی قوم کو منع کیا۔ مگر خود یہودیوں پر لعنت کرتے رہے حتیٰ کہ ایک موقعہ پر انجیر کے درخت پر بھی لعنت کی جس کے نتیجہ میں وہ سوکھ کر ختم ہو گیا (متی ۵/۴۴، لوقا ۶/۲۸، رومیوں ۱۲/۱۴، مرقس ۱۱/۱۲)، اسی طرح اپنے زمانہ کے لوگوں کو "حرام کار" اور "زانی" کہا۔ (متی ۱۲/۳۹)

غرض خاکسار نے پادری صاحب سے کہا کہ آپ اپنے منجّی اور اپنے خدا کے مندرجہ بالا قابلِ صد افسوس نمونہ کے ہوتے ہوئے دوسروں پر ایسے اعتراض کرنے کا کیا حق رکھتے ہیں۔ میری یہ دس منٹ کی تقریر سنکر حاضرین خصوصًا مسلمان بہت خوش ہوئے مگر وہ امریکن پادری صاحب مبہوت اور لاجواب ہو کر کہنے لگے۔ برادر تم نے ہمارے خداوند یسوع مسیح کی اتنی بڑی ہتک کی ہے کہ تمہارے اس گناہ کا بخشا جانا مشکل ہے۔ خدا کا خوف کرو۔ خدا تمہیں ہدایت دے۔ جس کے بعد وہ مجلس برخاست کر کے آگے چل دیئے ؛

ڈیوک آف گلاسٹر کو تبلیغِ اسلام اور قرآن کریم کی پیشکش

انگلستان کے شاہی خاندان کے ایک ممتاز فرد ڈیوک آف گلاسٹر اپنی اہلیہ سمیت ۸ جنوری ۱۹۶۶ء کو چند روز کے لیے سنگاپور تشریف لائے اور حکومتی سطح پر ان کی متعدد استقبالیہ دعوتیں ہوئیں انہیں اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے برٹش ہائی کمشنر مقیم سنگاپور کے ذریعہ خاکسار نے اُن سے ملاقات کی کوشش کی تا کہ انہیں جماعت کی طرف سے قرآن کریم اور تہنیت نامہ پیش کیا جائے مگر بوجوہ ہمیں وقت نہ مل سکا اور ہائی کمشنر نے یقین دلایا کہ وہ ہماری طرف سے قرآن کریم اور دیگر کتب پر مشتمل تحفہ اور تہنیت نامہ ڈیوک موصوف کو ضرور پہنچا دیں گے۔ چنانچہ ہمارے تہنیت نامہ کے ساتھ انہیں ہماری طرف سے قرآن کریم اور دیگر کتب بحفاظت پہنچا دی گئیں اور ہائی کمشنر صاحب نے ٹیلیفون پر ہمیں مطلع بھی کر دیا کہ ڈیوک ہمارے تہنیت نامہ اور اسلام کی مقدس کتاب قرآن کریم کے تحفہ کو وصول کر کے بہت خوش اور محظوظ ہوئے ہیں اور ہمارا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

تہنیت نامہ میں جماعت کی طرف سے ان کا خیر مقدم ادا کرنے کے علاوہ

انہیں اسلام کی بنیادی تعلیم سے مختصر طور پر آگاہ کر کے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی وغیرہ سے متعارف کرایا گیا تھا۔ اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی ؛

سنگاپور کے ایک احمدی بزرگ اور انکی لڑکی کی جرأتِ ایمانی

سنگاپور میں حاجی جعفر بن حاجی وانتارا نامی ایک مخلص احمدی بزرگ تھے جنہوں نے قبولِ احمدیت کے بعد سنگاپور کے احمدیہ مشن کے ابتدائی دنوں میں حضرت مولانا غلام حسین صاحب ایاز مرحوم کے ساتھ مخالفین کی طرف سے بہت تکالیف اٹھائیں حتّٰی کہ دو تین مرتبہ انہیں مارا پیٹا بھی گیا۔ لیکن وہ نہایت استقامت سے احمدیت پر قائم رہے۔ انہوں نے سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی بیعت کرنیکے چند روز بعد جنوری ۱۹۶۶ء میں ۷۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ وفات سے قبل ایک دفعہ جماعت سنگاپور کے پرانے حالات سُناتے ہوئے انہوں نے مجھے اپنا ایک نہایت ایمان افروز واقعہ سُنایا جو میرے اپنے الفاظ میں روزنامہ الفضل میں یوں مرقوم ہے۔

اڑھائی سو مسلح افراد کی اشتعال انگیزی

"ایک مرتبہ مخالف علماء کی انگیخت پر دو اڑھائی سو مسلّح افراد نے حاجی صاحب کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور اپنے ایک بڑے عالم کے ذریعہ ان سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اسی وقت احمدیت سے منحرف ہو جائیں ورنہ انہیں مرتد جان کر قتل کر دیا جائیگا اس پر حاجی جعفر مرحوم نے اونچی آواز سے کلمۂ شہادت پڑھ کر انہیں کہا کہ میں کس بات سے توبہ کروں۔ میں تو پہلے ہی خدا کے فضل سے ایک سچا مسلمان ہوں اور اگر میں نے کسی گناہ سے توبہ

کرنی بھی ہے تو بندوں کے سامنے کیوں توبہ کروں میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے رب گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور ملتجی ہوں کہ وہ مجھے معاف کردے۔

جب اس کے باوجود مجمع منتشر نہ ہوا اور مشتعل ہی رہا اور ان کے مکان کے اندر گھس کر جانی نقصان پہنچانے اور عورتوں کی بے حرمتی کرنے کی دھمکیاں دیتا رہا تو حاجی صاحب مرحوم مومنانہ جرأت سے ایک ملائی خنجر ہاتھ میں لے کر اپنے مکان کا بیرونی دروازہ روک کر کھڑے ہو گئے اور بآواز بلند کہا کہ "مرنا تو سب نے ایک ہی مرتبہ ہے کیوں نہ سچائی کی خاطر جان کی بازی لگائی جائے اب اگر تم میں سے کسی کو جرأت ہے تو آگے آکر دیکھ لے کہ اس کا کیا حشر ہوتا ہے"۔

حاجی جعفر کی شیر دل لڑکی کی مومنانہ للکار

مکان کی دوسری سمت سے حاجی صاحب مرحوم کی شیر دل لڑکی باہر نکل آئی اور ہاتھوں میں ملائی تلوار نہایت جرأت اور بہادری سے گھماتے ہوئے اس نے بھی مجمع کو یہ کہتے ہوئے چیلنج کیا کہ

"میرے والد جب سے احمدی ہوئے ہیں۔ میں نے ان میں کوئی خلافِ اسلام بات نہیں دیکھی بلکہ ایمانی اور عملی لحاظ سے وہ پہلے سے زیادہ پکے مسلمان اور اسلام کے شیدائی ہو گئے ہیں اس لئے تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ احمدیت نے انہیں اسلام سے برگشتہ کر دیا ہے۔ پس اگر کسی نے اس وقت میرے والد پر حملہ کرنے کی جرأت کی یا ناجائز طور پر ہمارے گھر میں گھسنے کی کوشش کی تو وہ جان لے کہ اس کی خیر نہیں۔ اگرچہ میں عورت ہوں تاہم تم میں سے تین چار کو مار گرانے سے پہلے نہیں مروں گی۔ اب جس کا جی چاہے آگے بڑھ کر اپنی قسمت آزمالے"۔

مخالفین مرعوب ہو کر منتشر ہو گئے

اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس مشتعل ہجوم پر ایسا رعب طاری

کر دیا کہ باوجود اس کے کہ لوکل ملائی پولیس کے افراد بھی قیامِ امن کے بہانے مخالفین احمدیت کی حمایت اور حفاظت کر رہے تھے پھر بھی مجمع میں سے کسی فرد کو حاجی صاحب مرحوم کے گھر میں گھسنے کی یا حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

آخر جب کافی وقت گزرنے کے باوجود وہ لوگ منتشر نہ ہوئے تو حاجی صاحب مرحوم نے انہیں مخاطب کر کے کہا کہ

"مَیں تو خدا کے فضل سے احمدیت میں داخل ہونے سے پہلے بھی مسلمان تھا اور قبولِ احمدیت کے بعد بھی مسلمان ہی ہوں کیونکہ احمدیت حقیقی اسلام ہی کا دوسرا نام ہے۔ مَیں خدا اور رسول[۲] کے نام پر تم لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ اپنے علماء کی باتوں میں آنے کی بجائے آپ لوگ خود احمدیت کی کتب کا مطالعہ کریں آپ ان میں اسلام کے سوا کچھ نہ پائیں گے۔"

اس پر وہ مخالفین شرمندہ ہو کر آہستہ آہستہ منتشر ہو گئے اور ان کے سرغنے بھی یہ کہتے ہوئے لَوٹ گئے کہ ہم دوبارہ آکر تمہیں مسلمان بنائیں گے یا جان سے مار دیں گے۔ مگر خدا کے فضل و کرم سے پھر کبھی انہیں حاجی صاحب کے مکان پر اس نیت سے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ حاجی جعفر صاحب کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے۔ آمین۔"

(الفضل ۱۳ فروری ۱۹۶۶ء)

ملایا کے استاذ محمد فوزی کی غلط بیانیوں کا جواب

ماما مسلم نسیم از فضلِ خدا

نومبر ۱۹۶۵ء میں کوالالمپور (ملیشیا) کے ایک شخص استاذ محمد فوزی بن حاجی اوانگ نے ملائی زبان میں "دنیا کے مختلف مذاہب" کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب شائع کی جس کے ایک باب میں جماعت احمدیہ اور اس کے بانی حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے خلاف بہت زہر اُگلا اور مندرجہ ذیل صریح غلط بیانیوں کا ارتکاب کیا۔

ا۔ جماعت احمدیہ کے باقاعدہ قیام سے پہلے بانیٔ جماعتِ احمدیہ ہندو مذہبی رسوم کے مطابق کئی ماہ تک ایک غار میں چلّہ کشی میں مشغول رہے جہاں سے نکلنے کے بعد انہوں نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی اور نئی نبوّت کا پرچار کرنے لگے اور چند سال بعد خدائی کا دعویٰ کردیا۔

۲۔ جب ان کے اپنے وطن کے لوگوں نے ان کی مخالفت کی اور انہیں ایذائیں دینی شروع کیں تو وہ سچے لوگوں کی طرح ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی بجائے خاموشی سے اپنے صوبہ سے کسی اور جگہ منتقل ہو گئے اور اپنے مذہب کی تبلیغ بند کردی۔

۳۔ آخر کار وہ (نعوذ باللہ) ناکام و نامراد ہو کر ہیضہ کی بیماری سے اس دنیا سے گزر گئے۔

پبلک میں ثبوت پیش کرنے کی دعوت

چونکہ استاذ فوری کے یہ سب اتہامات نہایت شر انگیز اور محض افتریٰ اور دروغ گوئی پر مبنی تھے۔ اس لئے خاکسار نے ٹریکٹ کی صورت میں ان کے نام انگریزی اور ملائی زبان میں ایک کھلا خط ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا جس میں انہیں لکھا کہ ہمارے نزدیک حضرت بانیٔ جماعتِ احمدیہ کی طرف منسوب کردہ آپ کے الزامات کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں اور آپ نے محض جھوٹ سے کام لے کر عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے اگر آپ واقعی سچے ہیں تو آپ ملایا سے سنگاپور آکر ہماری طرف سے منعقدہ ایک عام جلسہ میں حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کی کتب اور احمدیہ لٹریچر سے ان بے بنیاد دعاوی اور الزامات کا ثبوت مہیا کریں۔ ہم نہ صرف آپ

کے بلکہ آپ کے ساتھ آپ کے دو تین ہم خیالوں کے اخراجاتِ سفر و رہائش کے بھی ذمہ دار ہوں گے۔ اور ہمارے سلسلہ کے لٹریچر میں سے جن جن کتب کی آپ ضرورت محسوس کریں گے وہ مہیا کرنا ہم اپنے ذمہ لیتے ہیں۔ اگر آپ اپنی اِن مفتریات کو معقول اور منصفانہ رنگ میں ثابت کر سکے تو اسی جلسہ میں ہماری طرف سے آپ کو مبلغ ایک ہزار ڈالر انعام پیش کیا جائے گا۔ لیکن ثابت نہ کر سکنے کی صورت میں آپ پر لازم ہوگا کہ اپنی اس زیادتی اور ظلم کی تلافی کے طور پر ہم سے تحریری معافی مانگیں اور اپنی کتاب کے تمام نسخے مارکیٹ سے واپس لے کر تلف کر دیں۔

اس کے علاوہ اس پمفلٹ میں ہم نے علما کے سنجیدہ اور شریف طبقہ کو مخاطب کر کے ان سے اپیل کی کہ وہ استاذ محمد فوزی کو ہمارا یہ چیلنج قبول کرنے پر امادہ کریں نیز ان کا جھوٹ کھل جانے کی صورت میں ازراہِ انصاف ان سے اس کی تلافی کروائیں یا اگر وہ اپنے یہ دعاوی ثابت نہ کر سکیں یا ہمارا چیلنج قبول نہ کریں تو انصاف پسند لوگ ازراہِ انصاف استاذ فوزی کی اس کتاب اور متعلقہ مفتریات سے بیزاری کا اظہار کریں۔

استاذ فوزی کی مکمل خاموشی

ہمارے اس پمفلٹ کی اشاعت کے تقریباً ایک ماہ بعد استاذ محمد فوزی نے مجھے چٹھی لکھی کہ وہ میرا چیلنج قبول کرتے ہیں اور کہ میں ان کو جماعت احمدیہ کی فلاں فلاں کتاب انہیں کوالمپور ارسال کر دوں۔ میں نے انہیں لکھا کہ انہیں ان کے گھر پر کتب مہیا کرنا ہماری ذمہ داری نہیں۔ ہم صرف اس صورت میں کتب مہیا کرنے کو تیار ہیں کہ وہ سنگاپور تشریف لا کر ایک عام جلسہ میں ہمارے خلاف اپنے دعاوی کو ثابت کرنے پر رضامند ہوں۔ لیکن بعد میں کئی یاددہانیوں کے باوجود انہوں نے مکمل خاموشی اختیار کر کے اپنے جھوٹے ہونے پر مہر ثبت کر دی۔ چنانچہ ہم نے پھر ایک اور ہینڈبل کے ذریعہ ملیشیا کے عوام کو ان کے اس گریز اور فرار سے مطلع کر کے واضح کیا کہ ایسے لوگ جو تقویٰ اور خوفِ خدا کو بالائے طاق رکھ کر شریف لوگوں کے خلاف خواہ مخواہ کھلے بندوں جھوٹ استعمال کرتے ہیں۔ حق کے طالبوں کو اُن پر بھروسہ کرنے کی بجائے خود سنجیدگی اور انصاف سے غیر جانبدارانہ تحقیق کرنی چاہیئے۔ نیز ہم نے حضرت بانیٔ جماعتِ احمدیہ کی اپنی تحریریں پیش کر کے ثابت کیا کہ حضور ہرگز کسی نئے مذہب یا نئی نبوّت کے مدعی نہیں تھے۔ اور نہ آپ نے کبھی کسی نئے مذہب کے بانی ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضور خود فرماتے ہیں۔

ما مسلمانیم از فضلِ خدا   مصطفےٰ مارا امام و پیشوا

ہست او خیر الرسل خیر الانام　　ہر نبوت را بر او شد اختتام
یک قدم دوری از آں روشن کتاب　　نزدِ ما کفر است و خسران و تباب

نیز فرماتے ہیں ۔

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں　　دل سے ہیں خدّامِ ختم المرسلین
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں　　خاکِ راہِ احمدِ مختار ہیں
سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے　　جان و دل اس راہ پر قربان ہے
تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب　　کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب

جماعتِ احمدیہ کے عقاید

پھر اپنی کتاب ایام الصلح میں تحریر فرماتے ہیں :-

" جن پانچ چیزوں پر اسلام کی بناء رکھی ہے وہ ہمارا عقیدہ ہے . . . . ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق اور حشر اجساد حق اور روزِ حساب حق اور جنت حق اور جہنم حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جلّ شانہ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور جو کچھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ سب بلحاظ بیان مذکورہ بالا حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اس شریعتِ اسلام میں سے ایک ذرہ کم کرے یا ایک ذرہ زیادہ کرے یا ترک فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے ۔ اور جو شخص مخالف اس مذہب کے کوئی اور الزام ہم پر لگاتا ہے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑ کر ہم پر افترا کرتا ہے اور قیامت میں ہمارا اس پر یہ دعویٰ ہے کہ کب اس نے ہمارا سینہ چاک کر کے دیکھا کہ ہم باوجود اپنے اس قول کے دل سے ان اقوال کے مخالف ہیں ۔"
اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَافِرِیْن ۔ ایام الصلح صہ ۸۶، ۸۷

مسجد احمدیہ سنگاپور کی تعمیرِ نو کے لئے غیبی امداد

سنگاپور احمدیہ جماعت کا قیام ۱۹۳۶ء میں حضرت مولانا غلام حسین صاحب ایاز رضی اللہ عنہ کے ذریعہ عمل میں آیا۔ چنانچہ انہوں نے مرکز سلسلہ کی ہدایات پر ۱۹۵۶ء میں وہاں شہر کے وسط میں اونن روڈ (ONAN ROAD) پر ایک وسیع قطعہ زمین مسجد احمدیہ کے لئے خریدا۔ اس کے ایک حصہ میں لکڑی کا ایک رہائشی مکان بھی تھا جس میں کچھ تبدیلیاں کر کے اسے مسجد بنا دیا گیا اور یہ مسجد دس پندرہ سال تک کام دیتی رہی۔ لیکن بعد ازاں وہ جماعتی ترقی کی وجہ سے ناکافی ہو گئی بلکہ اس کی عمارت بھی اس قدر بوسیدہ ہو گئی کہ اسے گرا کر نئی مسجد بنانا ناگزیر ہو گیا۔ تاہم مالی تنگی کی وجہ سے سالہا سال تک ایسا نہ کیا جا سکا۔

۱۹۶۲ء میں جب خاکسار نے سنگاپور احمدیہ مشن کا چارج لیا تو بھی یہی کیفیت رہی۔ آخر ۱۹۶۴ء میں خاکسار نے مسجد کی تعمیرِ نو کے لئے چندہ کی تحریک شروع کی اور دو اڑھائی صد ڈالر کی رقم بھی جمع ہو گئی لیکن عمارت کی تکمیل کے لئے کم از کم تین ہزار ڈالر درکار تھے۔ خاکسار نے اس سلسلہ میں مرکز سے امداد کی درخواست کی لیکن مالی مشکلات کے پیش نظر وکالتِ تبشیر کی طرف سے ہمیں صرف ۷۰۰ ڈالر کی رقم بطور گرانٹ عطا کی گئی اور اس طرح ہمارے پاس تقریباً ایک ہزار ڈالر مسجد فنڈ میں جمع ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ صرف ایک ہزار ڈالر کے بل بوتے پر پرانی عمارت کو گرا کر نئی عمارت شروع کرا دینا جماعت کے لئے مشکلات پیدا کر سکتا تھا اس لئے وہ روپیہ بینک میں جمع کرا دیا گیا اس انتظار میں کہ اللہ تعالےٰ اپنی جناب سے مزید رقم کا کوئی انتظام فرما دے تو کام شروع کرایا جائے۔

اس طرح تقریباً ایک سال اور گذر گیا مگر سوائے ڈیڑھ صد ڈالر کے کوئی مزید رقم نہ مل سکی۔ اس پر خاکسار نے سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ

کی خدمت میں دعا کے لئے لکھنا شروع کیا۔ لوکل جماعت کو بھی خاص دعاؤں کی تحریک کی اور خود بھی بڑی توجہ سے دعا کرتا رہا کہ یہ مالی مشکلات دُور ہو جائیں اور اللہ تعالےٰ اس مسجد کی تجدید کے لئے کہیں سے مطلوبہ رقم مہیا فرما دے۔ چنانچہ یہ روک اللہ تعالےٰ کے فضل سے اس طرح دُور ہوئی کہ سنگاپور جماعت کے ایک نہایت مخلص مکرم وارتم بن مارتھا نے ایک روز اچانک اپنے گھر پر خاکسار کی دعوت کی اور اس موقعہ پر میری امید کے خلاف انہوں نے اپنے بیوی بچوں کی موجودگی میں تعمیر مسجد کے لئے چپکے سے ڈیڑھ ہزار ڈالر کی تھیلی میرے ہاتھ میں تھما دی۔ یہ رقم دراصل انہوں نے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے جمع کر رکھی تھی اور وہ عرصہ سے اس انتظار میں تھے کہ کب ان کے حالات سازگار ہوں اور وہ یہ مقدس سفر اختیار کریں کہ اچانک اللہ تعالےٰ نے ان کے دل میں ڈالا کہ اس وقت یہ رقم مسجد کی تعمیر کے لئے پیش کر دینی چاہیئے۔ کیونکہ ان کی صحت طویل سفر کی متحمل نہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد مسجد کی پرانی عمارت گرا کر انہیں بنیادوں پر نئی عمارت تعمیر کی گئی جس کی تعمیر کے دوران جماعت احمدیہ سنگاپور نے کئی اجتماعی وقارِ عمل منائے اور جماعت کے مردوں عورتوں اور بچوں نے بڑے خلوص اور جذبہ سے خدا کے گھر کی تجدید و تکمیل میں حصّہ لیا۔ عمارت تیار ہو جانے کے بعد مکرم جناب چیغو احمد صاحب نے مسجد کے اندر اور باہر کلمہ شریف اور دیگر متعلقہ آیاتِ کریمہ جلی حروف میں نہایت خوشنما طور پر تحریر کیں۔ اسی طرح مکرم و محترم انکو محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم آف ریاست جوہر سابق صدر جماعت احمدیہ سنگاپور مکرم جناب عبد الحمید صاحب سالکین حال امیر جماعت احمدیہ سنگاپور، مکرم جناب محمد علی صاحب و اہلیہ صاحبہ مکرم جناب ہمزہ صاحب، مکرم جناب حاجی حسن علاؤ الدین صاحب وغیرہم نے اس خانۂ خدا کی تعمیر و تکمیل کے لئے بڑھ چڑھ کر مالی قربانی پیش کی۔ اللہ تعالےٰ سب کو جزائے خیر دے اور سب پر اپنا فضل فرمائے۔ آمین۔

(الفضل ۱۸ مارچ ۱۹۶۶ء)

آسٹریلیا کے وزیرِاعظم سے تبلیغی ملاقات

اپریل ۱۹۶۶ء میں آسٹریلیا کے وزیر اعظم ایک علاقائی معاہدۂ دفاع کے سلسلہ میں چند یوم کے لئے سنگاپور تشریف لائے۔ ان کو جماعت احمدیہ سے متعارف کرانے کے لئے مورخہ ۲۹ر اپریل ۱۹۶۶ء کو خاکسار کی قیادت میں احمدیہ مشن سنگاپور کے ایک وفد نے ان سے ملاقات کی اور جماعت کی طرف سے انہیں اللہ تعالےٰ کی عظیم ترین کتاب قرآن کریم انگریزی اور اسلام پر دیگر انگریزی لٹریچر تحفۃً پیش کیا۔ نیز مختصر طور پر زبانی بھی اسلام اور احمدیت سے متعارف کرایا۔

جواب میں وزیر اعظم نے ہمارے تحائف وصول کر کے بہت خوشی کا اظہار کیا۔ اور ہمارا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ قرآن کریم اور ان کتب کو اپنی ذاتی لائبریری کی زینت بنائیں گے اور وقتاً فوقتاً ضرور ان کا مطالعہ کر کے ان سے استفادہ کریں گے۔

نیز فرمایا کہ اگر آپ کا مشن تبلیغ اسلام کے لئے آسٹریلیا میں بھی اپنی شاخیں کھولنا چاہے تو آسٹریلین گورنمنٹ آپ کے ایسے اقدام کا خیر مقدم کریگی اور آپ کے مبلغین وہاں آزادی سے تبلیغِ اسلام کر سکیں گے۔

افسوس آسٹریلیا کے یہ سیاسی سربراہ اسی سال سنگاپور سے آسٹریلیا واپسی کے چند ماہ بعد اتفاقی طور پر سمندر میں ڈوب کر فوت ہو گئے۔

جماعت کے جوانو

جماعت کے جوانو! عظمتِ دیں کا نشاں تم ہو
گلستانِ محمد مصطفےٰ کے باغباں تم ہو
تمہیں سے آنے والے دَور کی قسمت ہے وابستہ
بہار و رونقِ بزمِ مسیحائے زماں تم ہو
جہاں والوں کا طرزِ زندگی تم نے بدلنا ہے
چمن کی جان ہو روح و بہارِ بوستاں تم ہو

(محمد صدیق امرتسری)

نیوزی لینڈ کے گورنر جنرل کو تبلیغِ اسلام

جون ۱۹۶۶ء میں کسی سرکاری کام کے سلسلہ میں نیوزی لینڈ کے گورنر جنرل سر برنارڈ فرگوسن Sir Bernard Ferguason چند یوم کے لئے سنگاپور تشریف لائے۔ اخبارات میں ان کی آمد کی خبر پڑھ کر خاکسار نے سنگاپور میں نیوزی لینڈ کے ہائی کمشنر کے ذریعہ گورنر جنرل صاحب سے وقت مقرر کر کے ان سے ۲۷ جون کو ملاقات کی اور خیر مقدم ایڈریس کے بعد جماعت کی طرف سے انہیں قرآن کریم کی انگریزی تفسیر کی جملہ جلدیں اور بعض اسلامی کتب پیش کیں جنہیں لے کر وہ بہت خوش ہوئے اور ایڈریس کے جواب میں شکریہ ادا کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔ میں آپ کی جماعت کو کسی حد تک پہلے بھی جانتا ہوں۔

بعد میں اپنے دارالحکومت ویلنگٹن پہنچ کر تحریری طور پر بھی انہوں نے ہمارا شکریہ ادا کیا اور ہمارے نقطۂ نگاہ کی تائید کی۔ ان کا انگریزی خط مع ترجمہ درجِ ذیل ہے:۔

Wellington Newzeland.
July 7, 1966.

Dear Mr. Siddique,

I am most grateful to you and to your fellow members of The Ahmadiyya Muslim Movement of Singapore, for the great Kindness you have done me in Presenting to me a copy of The Holy Quran and associate books and booklets.

I am not as familiar as I ought

to be about the Ahmadiyya Movement, although as I told you I know of its existance and have encountered it in other parts of the world.

I share to the full in the reali-zation that you express of the urgent need throughout the world to persue the will of the Almighty God.

Please be kind enough to convey my good wishes to your fellow members.

your sincerely

sgd. Bernard Ferguason

Governor General.

ڈیر مسٹر صدیق

مَیں آپ کا اور آپ کی جماعت کے ممبران کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرے سنگاپور قیام کے دوران نہایت مہربانی سے مجھے قرآن کریم اور بعض دیگر کتب اور پمفلٹ پیش کئے۔ مَیں جماعت احمدیہ کے متعلق اتنی معلومات تو نہیں رکھتا جتنی مجھے رکھنی چاہئیں تاہم مَیں اس سے آگاہ ہوں اور دوسرے ممالک میں بھی اس جماعت سے متعارف ہوتا رہا ہوں۔

مَیں آپ سے اس بارے میں پوری طرح متفق ہوں کہ آج بنی نوع انسان کو اللہ تعالےٰ کی رضا کی راہوں پر گامزن ہونے کی فوری ضرورت ہے۔ مہربانی کر کے اپنی جماعت کے ممبران تک بھی میری نیک تمنائیں پہنچا دیں۔

آپ کا خیر خواہ

برنارڈ فرگوسن

گورنر جنرل

شہنشاہِ جاپان کو قرآن کریم کی پیشکش از تبلیغ

جولائی ۱۹۶۶ء کا ذکر ہے کہ سنگاپور میں ایک مرتبہ خاکسار اور برادرم عبدالحمید صاحب سالکین پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ سنگاپور کسی کام کے لئے جاپان کے سفارتخانہ میں گئے وہاں معلوم ہوا کہ کسی قومی دن غالباً شہنشاہ جاپان کے یومِ پیدائش کی وجہ سے جاپانی سفارتخانہ عنقریب دو روز کے لئے بند رہے گا۔ مجھے وہیں خیال آیا کہ کیوں نہ شاہِ جاپان کو اس تقریب پر قرآنِ کریم کا تحفہ پیش کیا جائے چنانچہ ہم نے سفیرِ جاپان سے مل کر دریافت کیا کہ کیا ہم شہنشاہِ جاپان کی خدمت میں کوئی مذہبی تحفہ پیش کر سکتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہماری طرف سے کوئی روک نہیں۔ تاہم شہنشاہ کو براہِ راست نہیں بلکہ حسبِ دستور رائل ہاؤس ہولڈ ایجنسی ٹوکیو کی معرفت ہر چیز بھیجی جاسکتی ہے۔

خاکسار کے پاس اس وقت اپنی ذاتی مملوکہ پانچ جلدوں والی انگریزی تفسیر القرآن مکمل موجود تھی۔ سنگاپور مشن کے سٹاک میں گو اس تفسیر کی کئی جلدیں پڑی تھیں لیکن مکمل صورت میں ایک نسخہ بھی نہ تھا اس لئے خاکسار نے شاہِ جاپان کو تبلیغِ اسلام کی غرض سے تحفہ کے طور پر اپنی وہ مکمل تفسیر القرآن ۱۵ جولائی کو بذریعہ رجسٹری بھیج دی۔ اور ساتھ ہی ایک تبلیغی میمورنڈم بھی ارسال کیا۔ جس کا خلاصہ ذیل میں درج ہے:۔

عالی جاہ شہنشاہ سلامت! آپ پر خدا کی رحمت اور سلامتی ہو۔ آنجناب کے یومِ پیدائش کی تقریب پر جماعت احمدیہ سنگاپور کی طرف سے آپ کی خدمت میں اسلام کی مقدس کتاب قرآن کریم مع مکمل ترجمہ و تفسیر بطور تحفہ پیش ہے۔ یہ وہ بے مثال اور لازوال تحفہ ہے جو خود خدائے عزّ وجلّ نے اپنی طرف سے بنی نوع انسان کو پیش کیا اور دنیا بھر کے کروڑوں مسلمان اس کے ذریعہ دینی اور دنیوی راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ لہذا

مَیں امید کرتا ہوں کہ آپ اسے قبول کر کے وقتاً فوقتاً گہری نظر سے مطالعہ فرمائینگے اور اس میں مذکورہ سچائیوں اور حکمتوں سے کما حقہٗ فیضیاب ہوں گے۔"

"مَیں سمجھتا ہوں عالی جاہ بادشاہ سلامت اس حقیقت سے خوب واقف ہیں کہ اس دنیا کے ہر انسان کے لئے ایک نہ ایک دن اس دنیا کو چھوڑ کر اپنے خالق و مالک واحد خدا کے حضور حاضر ہونا مقدّر ہے جہاں اس کا حساب ہوگا اور جہاں وہ اپنے ہر عقیدہ اور قول و فعل کے متعلق اللہ تعالےٰ کے حضور جوابدِہ ہوگا اور انسان کے اس انجام سے خلّاقِ دو جہاں نے کسی کو بھی مستثنیٰ نہیں فرمایا خواہ وہ بادشاہ ہو یا شہنشاہ یا کوئی اور۔ پس بحیثیت انسان ہر فردِ بشر پر واجب ہے کہ وہ اس دنیا میں اللہ تعالےٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت اور قانون کے مطابق اپنی زندگی گزار کر اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرے۔ چونکہ قرآن کریم بنی نوع انسان کے لئے اللہ تعالےٰ کی بھیجی ہوئی آخری اور ابدی شریعت ہے جس پر عمل کئے بغیر انسان اپنی پیدائش کے مقصد کو پورا نہیں کر سکتا۔ اور نہ خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتا ہے اس لئے یہ مقدس اور متبرک کتاب آپ کی خدمتِ عالیہ میں پیش کی گئی ہے تاکہ آپ اس کا مطالعہ فرما کر اس میں مذکور سچائیوں حکمتوں اور مذہبی قوانین پر عمل کر کے سعادتِ دارین حاصل کر سکیں۔"

"پس مجھے قوی امید ہے کہ آپ اللہ تعالےٰ کے اس مقدس صحیفے کو ضرور غور سے پڑھ کر اس سے روحانی روشنی اور برکت حاصل کریں گے تاکہ آپ کو شہنشاہی عطا کرنے والا شہنشاہِ کائنات اور قادر خدا آپ سے راضی ہو اور آپ اس دنیا سے رخصت ہونے سے قبل دوسرے جہان میں اپنے لئے ابدی جنّت کے حصول کا سامان فرما سکیں۔"

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی رحمتوں کا سایہ آپ کے سر پر رہے۔ اور وہ آپ کو اپنی سچی راہ کی طرف ہدایت بخشے۔ آمین۔"

عالی جاہ کا خیر خواہ

محمد صدیق امرتسری امیر جماعت احمدیہ سنگاپور ۱۵/۷/۶۶

میرے اس تبلیغی خط کے جواب میں رائل ہاؤس ہولڈ ایجنسی کی طرف سے ۸ راگست ۱۹۶۶ء کو مجھے جواب ملا۔ جس میں مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ ہماری طرف سے پیش کردہ متبرک تحفہ اور خط شہنشاہ کی خدمت میں پیش کئے جانے کے بعد ان کے ارشاد کے مطابق شاہی محل سے ملحق لائبریری میں محفوظ کر لئے گئے ہیں۔

(الفضل مورخہ ۳؍ستمبر ۱۹۶۶ء)

آسٹریلین پارلیمنٹری وفد کو تبلیغ اسلام

جولائی ۱۹۶۶ء میں آسٹریلیا سے چھ ممبروں پر مشتمل ایک پارلیمنٹری وفد سنگاپور آیا جس میں آسٹریلیا کے حزب مخالف اور لیبر پارٹی کے لیڈر بھی شامل تھے خاکسار نے بطور مبلغ اسلام گیتھے ہوٹل میں ان سے ملاقات کی۔ اور انہیں جماعت کی طرف سے ایک سائکلوسٹائل کیا ہوا استقبالیہ مع سلسلہ عالیہ احمدیہ کی آٹھ دس انگریزی کتب کے ہر ایک ممبر کو پیش کیا۔ اور زبانی بھی انہیں اسلام اور احمدیت سے متعارف کرایا۔ نیز بتایا کہ ہماری جماعت آسٹریلیا میں تبلیغی مرکز کھولنے کے متعلق غور کر رہی ہے اور وہاں کی اکثر بڑی بڑی لائبریریوں میں ہماری طرف سے مطبوعہ قرآن کریم انگریزی اور دیگر اسلامی کتب رکھوا دی گئی ہیں۔ چنانچہ تمام ممبران نے ہمارا لٹریچر بخوشی قبول کر کے اس کا مطالعہ کرنے کا وعدہ کیا۔ ایک ممبر نے بتایا کہ آسٹریلیا میں کہیں کہیں باہر سے آئے ہوئے عرب ہندوستانی اور انڈونیشین مسلمان آباد ہیں مگر یورپین باشندے ابھی اسلام سے بالکل ناآشنا ہیں اس لئے آپ آسٹریلیا میں ضرور تبلیغی مرکز کھولیں مذہبی لحاظ سے وہاں مکمل آزادی ہے۔

خیر مقدم ایڈریس کا خلاصہ | اپنے استقبالیہ میں خاکسار نے انہیں بتایا کہ ہمارے نزدیک حضرت مسیح ناصری اللہ تعالیٰ

کے ایک مقدس اور سچے رسول تھے جنہیں صلیب پر لٹکایا تو گیا تھا مگر ان کی اپنی پیشگوئی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انہیں صلیب کی لعنتی موت سے بچالیا تھا جس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے شمالی ہند کی ریاست کشمیر میں جاکر اپنی کھوئی ہوئی بھیڑوں یعنی بنی اسرائیل کے درمیان آباد ہوگئے اور وہیں ۱۲۰ سال کی عمر میں وفات پائی نیز ان کی آمدِ ثانی کی پیشگوئی سے ان کا دوبارہ آنا مراد نہیں بلکہ جس طرح بائبل میں ایلیا کی آمدِ ثانی کی پیشگوئی یوحنّا المعمدان کی آمد سے پوری ہوگئی تھی اور یوحنّا مثیلِ ایلیا ٹھہرے تھے اسی طرح حضرت مسیح ناصریؑ کی آمدِ ثانی کی پیشگوئی بھی بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السّلام کی آمد سے پوری ہوگئی ہے جنہوں نے عیسائیوں کے لئے مسیح موعود اور مسلمانوں کے لئے امام مہدیؑ ہونے کا دعویٰ فرمایا۔ اگرچہ ان کے اس دعویٰ کے بعد دنیا کے ہر مذہب اور ہر طبقہ وقوم کے لوگوں نے ان کی مخالفت کی اور ان کے سلسلہ کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر پھر بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ اور اب تمام دنیا میں ان کے ماننے والے موجود ہیں جن کے ذریعہ ہر قوم کو تبلیغِ اسلام ہو رہی ہے۔ اگر آپ غور فرمائیں تو ان کے خلاف مخالفت کے یہ طوفان جو تقریباً ستّر اسّی برس سے اُٹھ رہے ہیں ان کے سچے ہونے کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ کسی جھوٹے مدّعی کی کبھی بھی ایسی مخالفت نہیں ہوتی اور نہ وہ کامیاب ہوتا ہے بائیبل میں بھی اس امر کو روحانی پیشواؤں کی صداقت کی کسوٹی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ کا ارشاد ہے۔

"مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور طوفان آئے اور اس گھر پہ ٹکریں لگیں مگر وہ گھر نہ گرا۔ کیونکہ اس کی بنیاد مضبوط چٹان (سچائی) پر ڈالی گئی تھی۔" (متی باب ۷، آیت ۲۵)

گویا مخالفتوں کے طوفانوں اور دشمنانِ حق کی طرف سے متواتر زور آور حملوں کے باوجود جو مامور من اللہ اور اس کی جماعت کامیابی اور کامرانی سے دنیا کے لوگوں کے دل جیتتی جاتی ہے اُس کے سچا اور مؤید من اللہ ہونے میں کوئی

شک نہیں رہتا۔

پس یہ خاکسار امید کرتا ہے کہ آپ بھی حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کے دعاوی پر سچے دل سے غور کریں گے اور حق ظاہر ہو جانے پر اسلام قبول کرنے میں کوئی تردّد نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی رہنمائی فرمائے۔ آمین۔

(الفضل مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۶۶ء)

دو نہایت مخلص احمدیوں کا ذکرِ خیر

مہمان نوازی کا ایک ایمان پرور واقعہ

خدا تعالیٰ کے ماموروں کی آمد کا ایک مقصد اپنے پیرؤوں میں قومی اور انفرادی طور پر انسانی حقوق کا احساس بیدار کرنا اور خالصتًہ لِلّٰہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت ہمدردی اور خدمت کا جذبہ پیدا کرنا بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قائم کردہ عالمگیر جماعت میں بھی ایسی باہمی ہمدردی اخلاص اور اسلامی اخوّت کا جذبہ خدا کے فضل و کرم سے بدرجۂ اَتم پایا جاتا ہے۔ جس کا مظاہرہ نہ صرف جماعت کے مراکز میں بلکہ دنیا کے کونے کونے میں ہوتا رہتا ہے۔ اور انشاء اللہ ہوتا رہے گا۔ خاکسار اس جذبہ کی بے شمار مثالوں میں سے یہاں صرف اپنے ایک دو تجربات عرض کرتا ہے۔

حاجی عبد اللطیف صاحب آف فجیؔ جزائر فجیؔ میں ایک مخلص اور مخیّر احمدی بزرگ مکرم حاجی عبد اللطیف صاحب مرحوم تھے جو بقضائے الٰہی ۲۸ اپریل ۱۹۷۳ء کو سووا میں وفات پا گئے تھے۔ وہ کئی مرتبہ قادیان اور ربوہ بھی تشریف لائے اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے مشرف ہوئے

اور حج بیت اللہ کی توفیق بھی پائی۔ وہ جماعت احمدیہ فجی کے ابتدائی مبایعین اور وہاں کے چوٹی کے مسلمان تاجروں میں شمار ہوتے تھے اور خدا کے فضل سے ایک باعمل احمدی تھے۔ گھر دور ہونے کے باوجود سووا (SUVA) کی سنٹرل احمدیہ مسجد میں نماز باجماعت کے لئے باقاعدہ تشریف لانا ان کا معمول تھا۔

مارچ ۱۹۷۱ء کا ذکر ہے کہ ایک روز سووا کے مرکزی مشن ہاؤس میں مغرب کی نماز سے ذرا پہلے مَیں باورچی خانہ میں کھانا پکانے میں مصروف تھا کہ مکرم حاجی عبداللطیف صاحب اپنی کار میں نماز مغرب کے لئے تشریف لے آئے اور سیدھے میرے پاس باورچی خانہ میں آداخل ہوئے۔ اذان بھی اس زمانہ میں اکثر وہی دیا کرتے تھے۔ کہنے لگے "مولانا صاحب! اگر اذان کا وقت ہوگیا ہے تو مَیں اذان دے دوں؟" مَیں نے عرض کیا۔ ہاں دے دیں مَیں بھی چند منٹ میں مسجد آتا ہوں۔ آج بعض مصروفیات کی وجہ سے مَیں دوپہر کا کھانا نہ پکا سکا کچھ پھل وغیرہ دوپہر کو کھالیا تھا اس وقت بھوک نے اتنا ستایا ہے کہ وقت تنگ ہونے کے باوجود فوراً کچھ پکانے پر مجبور ہوگیا ہوں۔

چنانچہ انہوں نے اذان دی جماعت کے اور دوست بھی تشریف لے آئے نماز مغرب پڑھا کہ حسبِ معمول مَیں نے درس دیا پھر کچھ دیر ہم مصروفِ گفتگو رہے۔ جماعت کے آنریری کارکن دفتر کا کام کرتے رہے پھر عشاء کی اذان ہوئی اور نماز کے بعد سب احباب اپنے گھر لوٹ گئے۔ اگلے روز حاجی صاحب موصوف نے ایک اچھا خاصہ قیمتی ٹفن کیریر خریدا جس میں کھانا کئی گھنٹے تک گرم رہ سکتا تھا اور نماز مغرب کے لئے آتے ہوئے اپنے گھر سے میرے لئے اتنا کھانا لے آئے جو دوسرے روز ناشتہ کے لئے بھی کافی تھا۔ کہنے لگے۔ کل مَیں نے اپنی بہو سے ذکر کیا کہ مولانا صاحب جماعتی کاموں میں بعض دفعہ اتنے مصروف رہتے ہیں کہ کھانا وقت پر نہیں پکا سکتے۔ اس لئے تم روزانہ مغرب کے وقت ان کے لئے کھانا گھر سے ہی مجھے دے دیا کرو تاکہ وہ کم از کم ایک وقت کا کھانا پکانے کی زحمت سے تو بچ جائیں۔

چنانچہ اس کے بعد ان کی بہو جمیلہ بیگم نے جو ایک مخلص اور دُعا گو خاتون

ہیں اور میری شاگرد بھی رہ چکی ہیں روزانہ بروقت کھانا تیار کر کے مغرب کی نماز کے وقت مجھے بھجوانا شروع کر دیا۔ مَیں نے کئی مرتبہ انہیں اِن تکلیف و تکلّف سے باز رکھنے کی کوشش کی بلکہ ایک مرتبہ تو مَیں نے کھانا واپس بھی کر دیا لیکن حاجی صاحب موصوف نے قدرے ناراضگی کے لہجے میں فرمایا۔ کہ آپ ہمارے مُربّی ہیں کہیں آپ کا یہ رویّہ ہماری برادرانہ سپرٹ اور ہمدردی کے جذبہ کو کچلنے کے مترادف نہ ہو۔ یہ ادنیٰ سی خدمت نہ صرف مجھ پر بوجھ نہیں بلکہ میری خوشی کا موجب ہے اس پر مَیں اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ اور بعد میں کبھی کوئی انقباض ظاہر نہ کیا۔ چنانچہ اس کے بعد مکرم حاجی عبداللطیف صاحب مرحوم تقریباً دو سال زندہ رہے اور ہر روز بوقتِ مغرب میرے لئے باقاعدہ کھانا لاتے رہے بلکہ چند روز کھانا لانے کے بعد انہوں نے ایک دُوسرا ٹفن کیریر بھی خرید لیا۔ تاکہ مجھے عشاء کے وقت اُسے خالی نہ کرنا پڑے اور کھانا گرم ہی رہے۔ البتہ ایک مرتبہ ایک دو ہفتوں کے لئے جب وہ بغرضِ علاج نیوزی لینڈ گئے۔ تو یہ سلسلہ ملتوی رہا لیکن اس دوران بھی سووا (SUVA) احمدیہ جماعت کے موجودہ پریذیڈنٹ برادرم محمد شمس الدین صاحب اپنے طور پر یہ خدمت بجا لاتے رہے اللہ تعالےٰ ان دونوں بھائیوں کو اس ایثار کی بہترین جزا دے آمین۔

برادرم شمس الدین صاحب کے اخلاص کا یہ حال تھا کہ انہوں نے مجھے مستقل طور پر کہہ رکھا تھا کہ جب بھی جماعتی کام کے لئے آپ کو کہیں جانا ہو تو فوراً مجھے فون کر دیں مَیں یا میرا کوئی بیٹا آپ کے لئے کار لے آیا کرے گا چنانچہ انہوں نے فجی میں میرے عہدِ امارت کے دَوران اپنا یہ مخلصانہ عہد بڑی تندہی سے نبھایا۔ اور سوائے کسی اشد مجبوری کے ضرورت پڑنے پر ہمیشہ اپنی کار لے کر خود مرکز میں حاضر ہوتے رہے یا اپنے کسی بیٹے یا داماد کو بھیج دیتے۔ خصوصاً اتوار کے روز بعد دوپہر اکثر شہر میں یا مضافات میں تبلیغ یا تربیت کے لئے مجھے اپنی کار میں لے جایا کرتے۔ بعض دفعہ ہمارا سفر نسبتاً لمبا ہو جاتا۔ لیکن انہوں نے مجھ سے پٹرول کی قیمت کبھی قبول نہ کی۔

شاید اسی قسم کی نیک خدمات کی وجہ سے اب اللہ تعالیٰ نے ان کے کاروبار میں اتنی برکت دی ہے کہ گزشتہ سال وہ اپنی بیوی سمیت جلسہ سالانہ ربوہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے اور اب حج بیت اللہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ بعض دیگر ممالک کی سیاحت بھی کر چکے ہیں ہندوستان اور خصوصاً قادیان بھی گئے تھے۔

حاجی عبداللطیف نور محمد صاحب آف بغداد

اس ضمن میں بوہرا قوم کے ایک ہندوستانی مخلص احمدی بزرگ مکرم حاجی عبداللطیف نور محمد صاحب مرحوم کا ذکرِ خیر بھی بے محل نہ ہوگا۔ انہوں نے تقریباً پچیس تیس سال کاروباری سلسلہ میں عراق کے دارالحکومت میں گزارے اور غالباً وہیں ان کی وفات بھی ہوئی۔ گاہے گاہے زیارت کے لئے قادیان آیا کرتے تھے دو تین مرتبہ ربوہ بھی آئے وہ پہلی جنگِ عظیم کے چند سال بعد سے تجارتی کاروبار کے سلسلہ میں ہندوستان سے بغداد جاکر آباد ہو گئے تھے۔ ان کی وفات تک بغداد میں ان کا گھر وہاں احمدیت کا مرکز بنا رہا۔ چنانچہ ہندوستان سے اور بعد میں پاکستان سے آنے جانے والے مبلغین اور احمدی احباب انہیں کے ہاں ٹھہرا کرتے تھے۔ یہ حاجی صاحب بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بڑے مخیّر مہمان نواز تقویٰ شعار اور خدمت گزار بزرگ تھے تبلیغ کا بڑا شوق و شغف رکھتے تھے اور کئی سعید روحوں کی قبولیتِ احمدیت کا موجب ہوئے۔

خاکسار کو ۱۹۳۸ء میں دو مرتبہ تبلیغی سلسلہ میں فلسطین سے بغداد جاکر بطور مہمان چند ماہ ان کے پاس گزارنے کا موقعہ ملا۔ خاکسار اپنے تجربہ کی بناء پر اُن کی مندرجہ بالا خوبیوں اور نیکیوں کا شاہد ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

نعت

دنیا میں سب سے پہلے مسلماں حضورؐ ہیں

سرتاج و پیشوائے رسولاں حضورؐ ہیں
محبوب خاصِ حضرتِ یزداں حضورؐ ہیں

جنّ و بشر کے سرور و سلطاں حضورؐ ہیں
داعیِ حق و ماحیِ عصیاں حضورؐ ہیں

روشن رہے گی جس سے ابد تک یہ کائنات
سچائی کا وہ مہرِ درخشاں حضورؐ ہیں

ظاہر ہے "مَا رَمَیْتَ" سے یہ بات بے گماں
بزمِ جہاں میں مَظہرِ یزداں حضورؐ ہیں

حق کا پیام سنتے ہی اَسْلَمْتُ کہہ دیا
دنیا میں سب سے پہلے مسلماں حضورؐ ہیں

اُمّت کا ہے وجود فقط آپ کے طفیل
اک جسم ہے وہ جس کی رگِ جاں حضورؐ ہیں

اُمّت کے حالِ زار پہ رحمت کی ہو نظر
اُمّت کے پاسبان و نگہباں حضورؐ ہیں

ظلمت کدہ ہے جس کے مقابل یہ آفتاب
وہ نورِ حق کا پرتوِ تاباں حضورؐ ہیں

جس کے ہر ایک گل پہ ہزاروں چمن نثار
ہاں وہ سدا بہار گلستاں حضورؐ ہیں

ہر کلمہ گو کا اس پہ ہے ایماں بجان و دل
ختم الرسل اے صاحبِ قرآں حضورؐ ہیں

لولاک کی حدیث سے یہ بات ہے عیاں
مقصود تھا جو حق کا وہ انساں حضورؐ ہیں

دونوں جہاں میں آپ کا ثانی نہیں کوئی
اک کانِ نور و رحمت و احساں حضورؐ ہیں

جس کی ضیا سے ظلمتیں یکسر ہوئیں تمام
وہ شب چراغِ جادۂ عرفاں حضورؐ ہیں

اس سمت بھی ہو ایک نظر لطف و مہر کی
غمخوار و چارہ سازِ غریباں حضورؐ ہیں

بعد از خدا بھروسہ ہے رحمت پہ آپ کی
ہم بے کسوں کے درد کا درماں حضورؐ ہیں

صدیقؔ کا قبول درود و سلام ہو
اس بے نوا کے آقا و سلطاں حضورؐ ہیں

محمد صدیق امرتسری مغلپورہ لاہور
۱۰ فروری ۱۹۸۱ء

"مَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤنگا"

اِس پیشگوئی کے مِصداق ایک جزیرہ کے حالات

فجی (FIJI) کا ملک جنوبی بحرالکاہل میں تین چار سو بڑے چھوٹے جزائر پر مشتمل ہے۔ جن میں سے سو کے لگ بھگ آباد جزیرے ہیں۔ تین چار سب سے بڑے اور اہم جزیروں میں سے ایک جزیرہ تاویونی (TAVIYONI) ہے جس میں خدا کے فضل سے احمدی مسلم آبادی بھی موجود ہے اور وہاں ہمارے مبلّغین کے تبلیغی دَورے کامیابی سے جاری ہیں۔

جنوری ۱۹۷۱ء میں تبلیغی سروے کی غرض سے خاکسار نے پہلی مرتبہ اس جزیرے کا دورہ کیا۔ لمباسہ شہر کے ایک مخلص احمدی بھائی مولوی محمد لال ٹوپی مرحوم سابق صدر جماعت احمدیہ لمباسہ بھی میرے ہمراہ تھے۔ تاویونی کے بعض باشندوں سے ان کی رشتہ داری بھی تھی۔ چنانچہ ہوائی اڈے پر اُترکر بالکل قریب ہی ہم نے ان کے ایک عزیز کے ہاں جا ڈیرا ڈالا۔ جس نے مولوی صاحب کے ذریعہ ہی احمدیت قبول کی تھی۔ یہ جزیرہ نسبتاً غیر متمدّن ہے اور زیادہ تر فجی کے اصلی کاویتی باشندوں سے آباد ہے۔ گو ہندوستانی نسل کے لوگ بھی بہت ہیں۔ جزیرہ کے چاروں طرف سمندر کے کنارے کنارے ایک اچھی خاصی موٹر روڈ بھی ہے۔

ہم نے کوئی دس روز اس جزیرہ میں قیام کیا اور ہر طبقہ اور ہر مذہب کے لوگوں سے مل کر انہیں تبلیغ کی اور بہت سا لٹریچر تقسیم اور فروخت کیا۔ جو زیادہ تر کاویتی زبان میں تھا۔ نیز وہاں کے مختلف علاقوں میں گھوم پھر کر قدرتی مناظر سے بھی لطف اُٹھایا۔ پہاڑیوں میں بعض اُبلتے ہوئے پانیوں کے چھوٹے چھوٹے چشمے بھی دیکھے اور بھی کئی ملکی معلومات حاصل کیں۔ لوگ وہاں دور دور جنگلوں میں آباد ہیں اور شہری طرز پر اکٹھی آبادی بہت کم ہے۔

زمین کے کنارے

ہمارے کرۂ ارض کو نصف میں تقسیم کرنے والی ڈیٹ لائن بھی اسی جزیرہ سے گزرتی ہے جہاں دونوں طرف تاریخیں روزانہ مختلف ہوتی ہیں۔ ہمارے اس کرۂ ارض کے دوسرے حصّہ یا دوسری دنیا کا دن روزانہ سب سے پہلے اسی جزیرہ میں چڑھتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ جزیرہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام "مَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔" کے ظاہر و باہر طور پر پورا ہونے کا موجب ہے۔ اس ڈیٹ لائن کی نشاندہی کے لئے حکومت کی طرف سے پتھر کے بعض یادگاری نشانات بھی نصب ہیں جو سیّاحوں کی دلچسپی کا موجب ہوتے ہیں۔

ایک غریب کسان کی طرف سے مہمان نوازی

اس جزیرہ کے دَورے کے دوران سمندر کے کنارے ایک جنگل میں ہمیں ایک مسلمان بھائی کے ایک سادہ اور عجیب سے غریبانہ مکان میں پانچ راتیں گزارنے کا موقعہ ملا۔ جس کی خوش کُن یادیں دل میں اب تک تازہ ہیں۔ تبلیغ کے لئے وہاں اجتماعات ہوتے رہے اور ایک مرتبہ دُور دُور کے مکانات سے ہندو اور سِکھ کسانوں کو بلا کر ایک کامیاب جلسہ بھی کیا گیا۔ غرض اس طرح پانچ چھ روز جنگل کی اس طبعی زندگی کے مشاہدہ اور پسماندہ دیہاتیوں کے ساتھ ان کے طور طریقے کے مطابق رہنے ان میں دینی مجالس قائم کرنے زمین پر ہی راتیں گزارنے اور ان لوگوں کے ساتھ ہی بیٹھ کر کھانے پینے سے جو روحانی حظ و سرور حاصل ہوُا وہ مجھے اب تک نہیں بھُولا۔

ایک سادہ اور دلچسپ عمارت

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ہماری یہ قیام گاہ "رابنسن کروسو" والے خیالی جزیرے میں "رابنسن" کی مرکزی جھونپڑی ہے۔ بانس لکڑی گھاس اور مٹی کے بنے ہوئے تین وسیع کمروں اور باہر تین طرف برآمدوں اور گھاس کی چھت پر مشتمل یہ نہایت سادہ سی عمارت تھی۔ قدرتی ماحول بھی خوشگوار اور سکون بخش تھا ایک اونچی اور جنگل سے اَٹی ہوئی پہاڑی کے دامن میں تقریباً دو فٹ چوڑے اور ڈیڑھ فٹ گہرے صاف آبشار نما نالے کے نیچے اوپر پہاڑی کو ذرا کھود کر

اس عمارت کو یوں بنایا گیا تھا کہ وہ نالہ اوپر سے بل کھاتا ہوا مکان کے اندر داخل ہو جاتا اور بائیں برآمدے میں سے ہوتا ہوا دوسری طرف گہری کھڈ میں جا نکلتا اور پھر آگے شور مچاتا ہوا تقریباً ایک فرلانگ کا نشیبی فاصلہ طے کرکے سمندر کی اُچھلتی کودتی لہروں سے جا لپٹتا تھا گویا اہلِ خانہ کو پانی ذخیرہ کرنے کی ضرورت نہ تھی ان کے کھانے پینے نہانے اور کپڑے دھونے کے لئے قدرت کی طرف سے مکان کے اندر ہی صاف اور ٹھنڈے پانی کا چھوٹا سا دریا جاری تھا جس سے مکان کی فضا بھی اچھی رہتی تھی۔ نہانے کے لئے کول تار کا ایک بڑا ڈرم دونوں طرف سے کاٹ کر بطور پردہ مکان کے برآمدے میں اسی نالے کے اوپر سیٹ کیا ہوا تھا جس میں انسان آزادی سے جب چاہے نہا سکتا تھا۔

کمروں میں مٹی کا صاف ستھرا فرش تھا جس پر جگہ جگہ سونے اور بیٹھنے کے لئے چٹائیاں بچھی تھیں۔ برآمدے میں لکڑی کا فرش تھا اور بہتا ہوا پانی اکثر جگہ لکڑی کے تختوں سے ڈھکا ہوا تھا ایک دو تخت پوش بھی تھے۔ چارپائی ہمیں کوئی نظر نہیں آئی۔ زنانہ رہائش گاہ کا رُخ ایسا تھا کہ بے پردگی کا امکان نہ تھا وہاں ابھی اسلامی پردہ کا رواج نہیں ہے ہمارے وہاں قیام کے دوران میزبان نے ایک کمرے کے فرش پر ہمارے لئے ایک طرف چٹائی کے اوپر ایک ٹاٹ کی چادر سی بچھا دی جہاں ہم دونوں رات بھر پڑے رہتے۔ جب نیند نہ آتی یا کبھی مچھر تنگ کرتے تو ہم اُٹھ کر سمندر کے کنارے گھومنے چلے جاتے اور کچھ وقت تہجد کی نماز میں صرف ہو جاتا۔ چائے کا سامان اور خشک دودھ ہمارے پاس موجود تھا جس سے ہم وقتاً فوقتاً چائے بنوا لیتے صاحبِ خانہ کبھی پام کچالو اور کبھی کسادا اور چاول وغیرہ مچھلی یا بعض پتوں کے سالن سے ہماری میزبانی کا فریضہ ادا کرتے۔

جنگل میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس گھر کے ارد گرد ناریل کے بھی کئی درخت تھے جس پر گھر والوں کے بچے بڑی مہارت سے چڑھ جاتے اور کچے اور پانی سے بھرے ہوئے کھوپرے اُتار کر ہمیں دیتے۔

جن کا پانی اور کچّا گودا اس ماحول میں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں تھیں۔ کچھ بسکٹوں کے پیکٹ ہمارے پاس تھے جو ہم نے میزبان کے بچوں کو دے دیئے۔ غرضیکہ ہمارے اس مسلمان بھائی مسمّٰی محمد حسین نے باوجود ایک غریب کسان ہونے کے اپنی حیثیت کے لحاظ سے ہماری خدمت اور آرام میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی اور ہمارے تبلیغی پروگراموں میں بھی خود تکلیف اُٹھا کر ہم سے پورا پورا تعاون کیا اور ہماری واپسی سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اکثر اہلِ خانہ بیعت کرکے جماعت میں شامل ہوگئے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی وَجَزَاھُمْ۔

اہلِ خانہ سے آشنائی کیسے ہوئی؟

اس جنگلی ماحول میں اس مکان کے مکینوں سے ہماری آشنائی کیسے ہوئی، یہ بھی ہمارے مسبّب الاسباب خدائے عزّوجلّ کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے۔ اس جزیرہ پر ہمارے اُترنے سے کئی سال پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ہمارے اس غریب میزبان کا ایک آٹھ نو سالہ لڑکا کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہوگیا۔ جب لوکل علاج کارگر نہ ہؤا تو وہ اُسے بذریعہ سمندری کشتی علاج کے لئے فجی کے دارالحکومت سُووا (SOVA) لے آئے۔ سُووا میں اُن کی کسی سے جان پہچان نہ تھی بندرگاہ سے باہر نکل کر بازار میں اچانک بقول ان کے ایک پگڑی اور اچکن زیبِ تن کئے ہوئے فرشتہ رو مسلمان پر اُن کی نظر پڑ گئی یہ تھے فجی کے احمدیہ مشن کے پہلے مبلّغ انچارج مولانا شیخ عبدالواحد صاحب فاضل۔ چنانچہ انہوں نے مولانا صاحب سے اپنے بچّے کی شدید بیماری اور اپنی کس مپرسی کا ذکر کرکے بصد منّت امداد اور رہنمائی کی درخواست کی۔ مولانا صاحب انہیں سُووا میں احمدیہ دارالتبلیغ میں لے آئے۔ بچّہ کو ہسپتال میں داخل کرادیا اور اس کے علاج کے اخراجات کے علاوہ ان کی مہمان نوازی بھی تقریباً ایک ماہ تک کرتے رہے اور جماعتی طور پر دعائیں بھی کی گئیں۔ جن کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بچہ مکمل طور پر صحت یاب ہوگیا اور وہ لوگ جماعت کو اور مولانا صاحب کو دعائیں دیتے ہوئے خوشی خوشی اپنے جزیرہ کو لوٹ گئے۔

وقت گزرتا گیا۔ ۱۹۷۱ء میں اتفاق ایسا ہوا کہ انہیں کے جزیرہ تاویونی میں اس بیمار لڑکے کی معمر والدہ نے خاکسار اور مولوی محمد صاحب کو اپنے مکان کے قریب سے گزرتے ہوئے دیکھا تو اُس نے مجھے مکرم شیخ عبدالواحد صاحب سمجھکر اپنے گھر بلا لیا اور پھر مندرجہ بالا سارا واقعہ سُنا کر اصرار کیا کہ ہم ان کے ہاں ٹھہر کر انہیں مہمان نوازی کا موقع دیں اور تبلیغ بھی کریں اور اس طرح اس جزیرہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک نئی جماعت پیدا فرما دی۔

چونکہ یہ واقعہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل شدہ الہام "مَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" کی سچائی کا ایک زبردست اور ایمان افروز ثبوت ہے اور تاریخی اہمیت کا بھی حامل ہے اس لئے احباب کے ازدیادِ ایمان کے لئے تفصیل سے عرض کر دیا ہے ؛

ایک ہندو ڈاکٹر سے دلچسپ مذہبی گفتگو

جزائر فجی میں قیام کے دَوران مضافات میں بھی اکثر تبلیغ اسلام کے مواقع میسر آتے تھے۔ جماعت احمدیہ سووا (SOVA) کے احباب کو تبلیغ کا بڑا شوق تھا (اب بھی ہے) اور ان میں سے کوئی نہ کوئی ہفتہ میں ایک مرتبہ مجھے اپنی کار یا موٹر سائیکل پر اس غرض کے لئے شہر سے بیس تیس میل دُور کسی نہ کسی فجیّن گاؤں میں لے جایا کرتا تھا۔

محترم حاجی عبداللطیف صاحب مرحوم سابق صدر جماعت احمدیہ سُووا کے ایک ہندو دوست ڈاکٹر کشور چند ہوتے تھے جن کی والدہ اور بیوی انگریز تھیں۔ وہ سُووا سے بیس پچیس میل دور ایک گورنمنٹ ہسپتال میں متعیّن تھے۔ اچھے ملنسار مہمان نواز اور وسیع خیال آدمی تھے۔ جولائی ۱۹۷۱ء میں ایک روز محترم حاجی صاحب جب عصر کی نماز کے لئے مسجد آتے تو نماز کے بعد مجھے کہنے لگے۔ "چلیں آج ڈاکٹر کشور چند اور ان کے ہسپتال کے لوگوں کو

تبلیغ کے لئے ان کے پاس چلیں۔" مَیں نے کہا پہلے فون کر کے ان سے اجازت لے لیں۔ چنانچہ حاجی صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے فون پر بات کی اور ان کی رضامندی پر ہم دونوں بذریعہ کار اسی وقت سوا سے روانہ ہو کر کوئی آدھ گھنٹہ میں ڈاکٹر صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے گھر میں چائے وغیرہ پینے کے بعد کوئی ایک گھنٹہ تک ان سے ان کے گھر کے افراد کی موجودگی میں تبلیغی گفتگو ہوتی رہی۔

انسانی فطرت اور توحیدِ الٰہی ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ ہندو مذہب بھی درحقیقت ایک خدا کا ہی تصوّر پیش کرتا ہے اور خدا کا قائل ہے کیونکہ یہ عقیدہ انسانی فطرت کی آواز ہے۔ اور خدا چونکہ نظر نہیں آتا اس لئے محض اپنے دل کی تسلّی اور خدا کی مختلف صفات کے مادی اظہار کے لئے ہندوؤں نے اس کے نام پر دیوتے اور بُت بنا لئے تھے ورنہ حقیقت میں وہ بھی اس کائنات کے ایک اور حقیقی خدا کے قائل ہیں۔ اور اسے قادرِ مطلق مانتے ہیں۔ پھر کہنے لگے "مسلمان بھی تو مؤحّد ہونے کے باوجود خانہ کعبہ کے حجرِ اسود کی عبادت کرتے اسے چومتے اور ہندوؤں کی طرح اس کے آگے سجدے کرتے ہیں۔ بلکہ مَیں نے عرب ممالک میں کئی بڑے اچھے مسلمانوں کو اپنے بزرگوں اور اولیاء کی قبروں کو سجدہ کرتے دیکھا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب کے شبہات کا جواب مَیں نے جواب میں انہیں بتایا کہ معلوم ہوتا ہے آپ نے ہندو مذہب کا پوری طرح مطالعہ ہی نہیں کیا اور نہ کسی ہندو پنڈت یا مذہبی لیڈر سے گفتگو کے نتیجہ میں آپ نے ہندو مذہب کے متعلق یہ نظریہ قائم کیا ہے یہ محض آپ کے اپنے خیالات ہیں جنہیں آپ نے مذہبی نظریہ تصور کر لیا ہے۔ گو یہ درست ہے کہ ایک ہندو اور مشرک کی فطرت بھی مذہبی تعصّب سے مسخ ہونے سے قبل یقیناً وحدانیّت کی طرف ہی مائل ہوتی ہے۔ تاہم موجودہ ہندو مذہب کی بنیاد محض ایک خدا کے عقیدہ پر ہرگز نہیں ہے اور جو ایک دو ہندو فرقے خدا کی وحدانیت کی طرف مائل ہیں وہ بھی خدا کو قادرِ مطلق اور خالقِ کُل

نہیں مانتے اور نہ اُسے جزا سزا دینے یا نہ دینے میں مختارِ کل مانتے ہیں۔ ہندوؤں کی مستند مذہبی کتب میں ان کے مختلف خداؤں اور دیوتاؤں کی آپس میں جنگ کرکے ایک دوسرے کو زیر کرنے کی عجیب عجیب کہانیاں لکھی ہیں۔ اور ہندو دولت، محبت، جنگ، عذاب، مصائب وغیرہ کے علیحدہ علیحدہ دیوتاؤں کے قائل ہیں جن کے بتوں کو وہ پوجتے اور سجدے کرتے ہیں۔ البتہ آجکل کے آپ کی طرح کے بعض ماڈرن قسم کے ہندو اپنی موحّد فطرت کی آواز سے مجبور ہوکر ہندو عقائد کو خیرباد کہہ رہے ہیں اور اب محض قوم پرستی کی وجہ سے ہندو کہلاتے ہیں۔ ہماری لائبریری میں ہندو مذہبی کتب اور ان کے مستند ترجمے موجود ہیں کبھی سوّوا تشریف لائیں تو ہم آپ کو اصل کتب سے یہ ہندو عقائد اور تعلیم دکھائیں گے۔"

حجرِ اَسوَد کو بوسہ دینا شرک نہیں

رہا بعض مسلمانوں کا قبروں پر سجدے وغیرہ کرنا، تو یہ اسلام کے واضح اور بنیادی تعلیم کے صریح خلاف ہے اور ایسا کرنے والے صحیح معنوں میں مسلمان نہیں کہلا سکتے۔ کلمہ شریف جسے زبان سے دُہرا کر اور دل سے تسلیم کرکے ایک غیر مسلم مسلمان ہوتا ہے اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اب مسلمان ہونے کے بعد میں خدائے واحد کے سوا کسی شخص یا چیز کی عبادت نہیں کروں گا۔ نہ کسی کو سجدہ کروں گا۔ حجرِ اَسود کی حیثیت اسلام میں معبود کی نہیں بلکہ محض ایک پتھر کی ہے۔ اور اس کو کبھی کسی مسلمان نے سجدہ نہیں کیا اور نہ یہ جائز ہے۔ اسی قسم کی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعبہ کا طواف کرتے ہوئے اس پتھر کو مخاطب کرکے رب کے سامنے فرمایا تھا اِنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَ لَا تَنْفَعُ کہ تو محض ایک پتھر ہے جو نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع۔ خانہ کعبہ کا طواف کرنے والوں کے لئے اس پتھر کو چومنا بھی فرض نہیں ہے اور جو چومتا ہے وہ انہیں جذبات کے ماتحت اسے چومتا ہے کہ وہ زمین پر خدائے واحد مقدس اور پیارے گھر کا ایک حصّہ ہے جس طرح کسی شخص کو جب اس کے کسی خاص محبوب کی طرف سے دیر کے بعد خط ملتا

ہے یا وہ کوئی تحفہ بھیجتا ہے تو وہ اسے پاتے ہی اپنے محبوب کی محبت کی وجہ سے چوم لیتا ہے۔ مراد محبوب سے پیار کا اظہار ہوتا ہے نہ کہ اس خط یا تحفہ کی عبادت یا پرستش۔ پس کسی چیز سے محض محبت کا اظہار اس کو معبود نہیں بنا دیتا۔ ورنہ دنیا میں لوگوں کی محبوب بیویوں کو بھی خدا اور معبود ماننا پڑے گا جو صریح غلط اور ناممکن ہے اس کے علاوہ معبود کی عبادت کے وقت اس کی حمد و ثنا کی جاتی اور اس سے مرادیں مانگی جاتی ہیں جبکہ حجرِ اسود کو صرف چومنے یا ہاتھ لگانے کے سوا کچھ نہیں کیا جاتا۔

یہ پتھر اسلام سے پہلے بھی ہزاروں سالوں سے خانہ کعبہ کے کونے میں نصب ہے جس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ طواف کرتے وقت مطوّف اپنے چکروں کی تعداد کے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوتا وہ عموماً حجرِ اَسود والے کونے سے طواف شروع کرتا اور وہاں ہی لوٹ کر آسانی سے اپنا چکر ختم کر لیتا ہے۔ اسلام سے پہلے بھی عربوں نے کبھی اسے اپنا بُت یا معبود نہیں مانا۔ عبادت کے لئے انہوں نے کعبہ کے اندر ۳۶۰ بُت رکھے ہوئے تھے جو باقاعدہ گھڑے ہوئے اور سنوارے ہوئے بُت تھے جبکہ حجرِ اَسود محض ایک بے گھڑا عام پتھر ہے۔ اگر مشرک عربوں میں اس کی حیثیت ایک بُت اور معبود کی ہوتی تو اسے بھی ایک صنم اور بُت کی حیثیت میں گھڑا جاتا۔

حضرت مسیح ناصریؑ کی قبر کشمیر میں

اس دَوران ڈاکٹر صاحب کی عیسائی بیوی بھی آگئیں۔ انہیں بتایا گیا کہ حضرت مسیح ناصریؑ محض ایک انسان اور خدا کے رسول تھے۔ جو اپنا مشن پورا کر کے یعنی بنی اسرائیل کو پیغامِ رسالت پہنچا کر کشمیر کے شہر سرینگر میں ۱۲۰ سال کی عمر میں فوت ہو گئے اور ان کی آمدِ ثانی کی پیشگوئی ان کے مثیل حضرت مسیح محمدی مرزا غلام احمد علیہ السّلام کی ذاتِ بابرکات میں پوری ہو چکی ہے وہ یہ سُنکر بڑی حیران ہوئیں تاہم جو کتب انہیں پیش کی گئیں دونوں نے ان کا سنجیدگی سے مطالعہ کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد ہم نے ہسپتال کے مریضوں اور سٹاف میں اسلامی لٹریچر تقسیم کیا اور وہیں پہ مغرب و عشاء کی نمازیں

باجماعت ادا کیں اور کوئی آٹھ بجے واپس سوآوا کی سمت روانہ ہوئے۔

موسلادھار بارش میں دو شرابیوں سے ہمدردی

سوآوا سے ہم ابھی کوئی دس میل دُور تھے کہ ہمیں موسلادھار بارش نے آلیا اور سڑک پر کھڑے ہوئے دو خوش پوش فجّین نسل کے نوجوانوں نے ہماری کار ٹھہرانے کے لئے آگے ہوکر ہمیں ہاتھ دیا۔ محترم حاجی صاحب کار کھڑی کرنے لگے تو مَیں نے ایک سابقہ تلخ تجربہ کی بناء پر انہیں مشورہ دیا کہ وہ کار کھڑی کر کے انہیں لِفٹ نہ دیں۔ یعنی سوار نہ کریں۔ اس وقت جنگل میں ایسے لوگوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے لیکن میرے یہ کہتے کہتے وہ بریک لگا چکے تھے۔ چنانچہ وہ دونوں فجّین بغیر ہم سے پوچھے یا کوئی بات کیے خود ہی کار کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئے اور کہنے لگے "ہمیں سوآوا لے چلیں" اور کار آگے چل پڑی۔ کیونکہ بارش ہو رہی تھی اور ہم نے جلدی سوآوا پہنچنا تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ان میں سے ایک کے ہاتھ میں انگریزی شراب کی ایک بوتل نظر آئی وہ بوتل آگے کر کے مجھے کہنے لگا " پیو گے "۔ ہم نے محسوس کر لیا کہ وہ دونوں نشے میں ہیں۔ پھر بڑی بھیانک سی آواز میں اس نے حاجی صاحب کو یہ کہنا شروع کر دیا۔

Man, drive fast, or I will kick you out and drive my self.

کہ گاڑی تیز چلاؤ ورنہ تمہیں باہر نکال کے مَیں خود چلاؤں گا۔ حالانکہ اس وقت اس سے زیادہ تیز چلانا خطرے کا موجب تھا اس کے بعد انہوں نے کسی بات پر آپس میں جھگڑنا شروع کر دیا اور شراب کی بوتل ایک دوسرے سے چھیننے اور گندی گالیاں استعمال کرنے لگے۔ ہم اپنی غلطی پر افسوس کرنے لگے کہ انہیں لِفٹ دے کر ہم نے خواہ مخواہ خطرہ کیوں مول لے لیا۔ چند منٹ بعد ان میں سے ایک نے شور مچا دیا کہ گاڑی کھڑی کرو مَیں نے پیشاب کرنا ہے "۔ اور محترم حاجی صاحب کو جھنجوڑنے اور ان کا کندھا پکڑ کر انہیں گاڑی کھڑی کرنے پر مجبور کرنے لگا لیکن اس وقت جنگل میں ان کے کہنے پر گاڑی کھڑی

کر دینا کسی نئے خطرے کا موجب بھی ہو سکتا تھا۔ اس لئے حاجی صاحب مرحوم اُسے نرمی سے ٹالتے رہے اور انکار کئے بغیر گاڑی تیزی سے چلاتے چلے گئے۔ اور اردو میں مجھے کہنے لگے۔

"دیکھ لیا مولانا صاحب! ہم نے ان دونوں پر رحم کر کے کتنے بڑے خطرے اور مصیبت میں اپنے آپ کو پھنسا لیا ہے۔ آپ نے کہا بھی تھا کہ انہیں نہ بٹھائیں مگر بعض دفعہ فوری فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت میں گاڑی کھڑی کر ہی بیٹھا تھا اب دعائیں کریں اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ ویسے فکر نہ کریں شراب کے نشے میں مقابلہ کی طاقت اور تاب نہیں رہتی۔"

اُدھر وہ شخص اب بھی چیخ چیخ کر شور مچا رہا تھا کہ گاڑی کھڑی کرو۔ ورنہ میں اندر ہی پیشاب کر دوں گا۔" لیکن اب چونکہ بارش بہت کم ہو چکی تھی۔ حاجی صاحب نے گاڑی مزید تیز کر دی تا کہ ہم جلد کسی محفوظ علاقہ میں پہنچ جائیں۔ اس دوران وہ دونوں پھر کسی بات پر تکرار کرتے کرتے آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ اور ان میں سے ایک گالیاں بکتا ہوا ہمیں کہتا رہا۔ کہ مجھے اس خبیث سے بچاؤ اِس نے میری بوتل بھی مجھ سے چھین لی ہے۔" تاہم ہم تیزی سے چلتے رہے یہاں تک کہ ناصوری دریا کا بڑا پل آگیا اور کچھ کچھ آبادی شروع ہو گئی۔ ناصوری سے آگے سوؔوا کی جانب کچھ فاصلے پر سڑک کے عین اوپر ہمارے ایک مخلص احمدی بھائی مکرم صابر حسین مرحوم کا گھر تھا ہم نے وہاں پہنچ کر گاڑی کھڑی کر کے تیزی سے ہارن بجایا۔ چنانچہ اسی وقت بھائی صابر حسین صاحب اور ان کے بیٹے باہر آ گئے اور ہماری جان میں جان آئی۔ ان دونوں شرابیوں کو ہم نے کہا کہ ہم یہاں کچھ دیر ٹھہرنا چاہتے ہیں آپ لوگوں نے جہاں جانا ہے چلے جائیں۔ مگر وہ گاڑی سے نکلنے پر آمادہ نہ ہوئے اور اصرار کرنے لگے کہ ہمیں سوؔوا چھوڑ کے آؤ۔ آخر بھائی صابر حسین صاحب کے لڑکوں نے بڑی مشکل سے اُنہیں پکڑ کر باہر نکالا اور سوؔوا جانے والی بس میں سوار کرا دیا۔ ان کے جانے

کے بعد ہمیں یہ معلوم کر کے افسوس ہؤا کہ حاجی صاحب کی نئی گاڑی کی پچھلی سیٹ اور نچلا حصّہ واقعی پیشاب سے گندا ہو چکا ہے۔

وہاں پر بھائی صابر حسین صاحب کی بیگم صاحبہ کے اصرار پر ہم نے ان سب کے ساتھ مل کر کھانا کھایا چائے پی اور پھر کچھ دیر دینی باتیں اور وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ آخر نصف شب کے قریب وہاں سے روانہ ہو کر ہم بخیریت سوّوا احمدیہ دارالتبلیغ پہنچ گئے۔ بھائی صابر حسین صاحب اور مکرم حاجی عبداللطیف صاحب دونوں ۱۹۷۳ء میں وفات پا گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے۔ آمین۔

ایک بیمار بچّی کو مُعجزانہ شفاء

جزائر فجی کا واقعہ ہے کہ مئی ۱۹۷۱ء میں ایک شب تقریبًا ایک بجے ہمارے احمدیہ دارالتبلیغ سووا (SUVA) کے صحن میں ایک کار آکر رُکی اس میں ایک سات آٹھ ماہ کی بچّی اونچی آواز سے رو رہی تھی جس سے میری آنکھ کھُل گئی۔ معلوم ہؤا کہ آنے والے ایک اجنبی نوجوان رام پرکاش اور ان کی بیوی زینت النساء ہیں۔ اور یہ رونے والی بچی انہیں کے ساتھ آئی ہے (فجی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایسی سول شادیاں گزشتہ صدی سے ہو رہی ہیں گو اب یہ رواج نسبتًا کم ہو گیا ہے)

خیر میں نے انہیں کمرے میں بٹھایا اور آنے کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے بتایا کہ "یہ بچّی گزشتہ دو روز سے متواتر رو رہی ہے اور رات کو بھی نہیں سوتی سوائے اس کے کہ اُسے نیند کی کوئی دوائی پلائی جائے لیکن تھوڑی دیر سو کر پھر ڈرتی اور کانپتی ہوئی اُٹھ بیٹھتی ہے اور زور زور سے رونے لگ جاتی ہے۔ ڈاکٹر بھی تشخیص نہیں کر سکے کہ اسے کیا عارضہ لاحق ہے۔ شاید کسی کا سایہ پڑ گیا ہے۔ آپ ہمیں پانی دم کر دیں"۔ یہ کہکر انہوں نے ایک

خالی بوتل میرے سامنے رکھ دی۔

میرے لئے اس نوعیت کا فجی میں پہلا واقعہ تھا۔ مَیں نے پانی وغیرہ پر کبھی دم نہیں کیا تھا اس لئے مجھے گھبراہٹ ہوئی کہ کیا کروں۔ سوچا دعا کیوں نہ کی جائے چنانچہ مَیں نے نہایت اضطرار سے دل ہی دل میں اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ خدایا! یہ لوگ تیرے اس گنہگار بندے کے پاس نہیں آئے بلکہ تیرے مسیح موعود علیہ السلام کے قائم کردہ مشن اور تیرے پیارے اور محبوب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے مرکزِ اسلام میں شفا کی امید لے کر آئے ہیں تو انہیں ناکام نہ لوٹا اور اسی ننھی بچی کو اپنے فضل اور اپنے پیاروں کے صدقے شفا عطا فرما دے۔

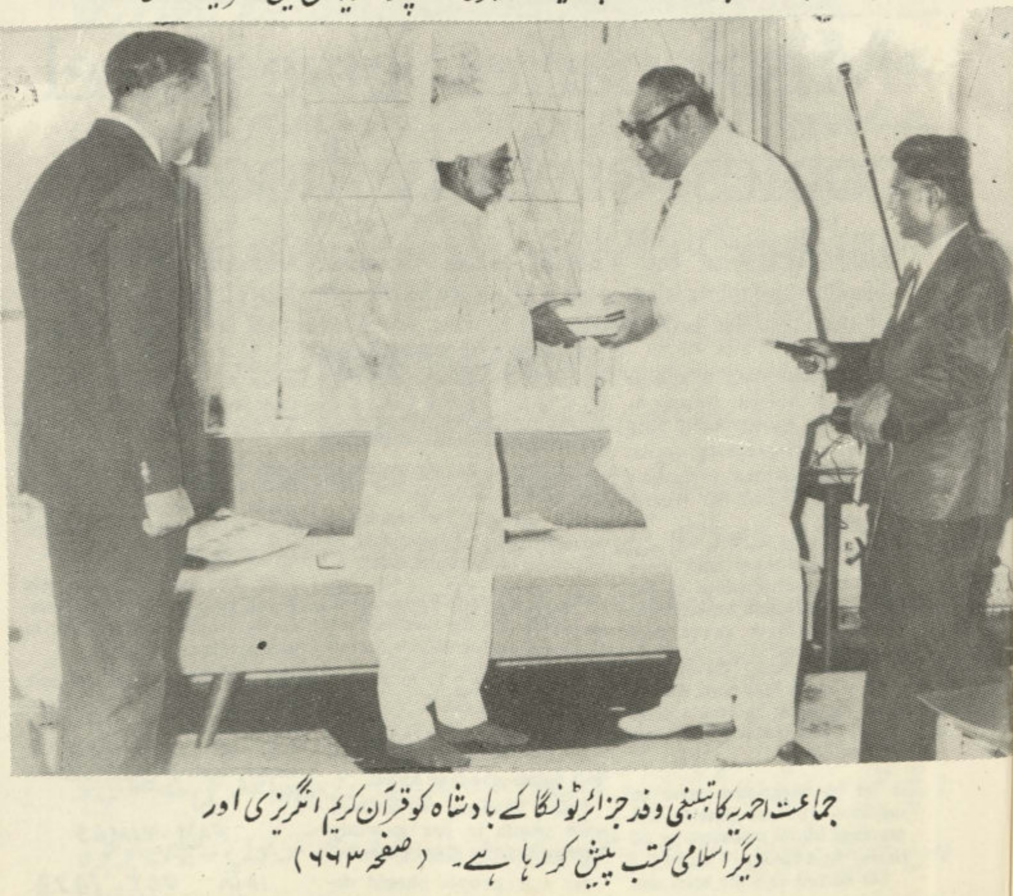
اور پھر مَیں نے اس روتی ہوئی بچی کو اپنی گود میں اُٹھا لیا اور توجہ سے سورۃ فاتحہ پڑھ کر بچی پر پھونکنا شروع کر دی۔ چند منٹوں میں محض اللہ تعالےٰ کے فضل سے بچی خاموش ہو گئی۔ اور والدین کے چہرے خوشی سے تمتمانے لگے۔ اس کے بعد میں نے ان سے شادی کے بارے میں پوچھا۔ وہ نوجوان کہنے لگا کہ صرف میرا نام ہی ہندوانہ ہے ورنہ مَیں اسلام کو سچا سمجھتا ہوں۔ اور اسلامی طریق سے زینت النساء سے نکاح کرنے کو تیار ہوں مگر اپنے والدین سے ڈرتا ہوں اور اس بات کو ظاہر نہیں کر سکتا۔ پندرہ بیس منٹ تک مَیں نے انہیں تبلیغ کی اسی دوران بچی میری گود میں سو گئی۔ اس کی ماں جس کی آنکھیں پہلے غم سے نمناک تھیں اب خوشی کے آنسوؤں سے چھلکنے لگیں۔ اور وہ میرا شکریہ ادا کر کے واپس چلے گئے۔

اس کے چند روز بعد عید الاضحیٰ تھی۔ عید کے موقعہ پر وہ دونوں میاں بیوی بطور تحفہ پھل وغیرہ لے کر میرے پاس آئے بچی بھی ساتھ تھی۔ عید انہوں نے ہمارے ساتھ ادا کی۔ انہوں نے بتایا کہ اس روز سے بچی بالکل تندرست ہے۔ کوئی سایہ وغیرہ نہیں۔ مَیں نے پھر انہیں تبلیغ اسلام کی اور نصیحت کی کہ اسلامی طریق سے نکاح وغیرہ کر کے ایک مذہبی اور مسلم جوڑے کی طرح رہیں۔

تیسری مرتبہ زینت النساء اپنی بوڑھی والدہ کو بھی ساتھ لے آئی اور پھر آہستہ



حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل التبشیر کی سنگاپور احمدیہ مشن میں تشریف آوری



جماعت احمدیہ کا تبلیغی وفد جزائر ٹونگا کے بادشاہ کو قرآن کریم انگریزی اور
دیگر اسلامی کتب پیش کر رہا ہے۔ (صفحہ ٦٦٣)



Missionaries give hotel copies of holy book

MEMBERS of the Tahrik-i-Jadid Anjuman Ahmadiyya overseas Muslim mission have given the Grand Pacific Hotel in Suva copies of the Muslim holy book, the Koran, for hotel staff to put in rooms.

The missionary in charge of the Suva branch, Maulana Mohammed Saddique, presented the copies to the chairman of Cathay Hotels (Fiji) Ltd, Mr Wesley Barrett.

The missionary said there were no two versions of the Koran, although there were many Muslim sects and denominations.

He said the holy book did not differ for them by even a word and it would continue to remain unchanged.

"Its teachings can never be outdated and are suitable and practical for all mankind, for all times," he added.

Mr Barrett said the hotel was

Religion

privileged to get the copies of the Koran.

He thought its teachings would apply a great deal to situations in the world today.

"From the little I know about it, I think that the teachings are deep and profound," Mr Barrett said.

SOLACE

If mankind put its teachings into practice, the world would be a better place, he added.

Peace, harmony and goodwill were words in use at many meetings and by many councils.

He felt people should do more to contribute towards these factors through action and not merely by words.

Mr Barrett said he was sure many people in need of solace would turn to the Koran and therefore he had no objection to it going in the hotel's rooms.

He was sure it would help young people who were floundering around with no faith in their leaders.

The president of the mission's Suva branch, Mr Sam Sudan, said that, given time, there would be a distribution of the Koran to all hotels throughout Fiji.

FIJI TIMES
10th OCT. 1973

آہستہ ہمارے ساتھ مسجد میں وہ لوگ نمازیں ادا کرنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد وہ لوگ کسی اور جزیرہ میں تبدیل ہو گئے۔ پھر معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کس حال میں ہیں ؛

جزائر ٹونگا کے بادشاہ کو تبلیغ اسلام اور قرآن کریم کی پیشکش

قبولیتِ دُعا کا ایک نشان

جزائر فجی سے کوئی آٹھ سو میل دُور جزائر ٹونگا (TONGHA) کے نام سے ایک چھوٹی سی سلطنت قدیم سے اب تک چلی آرہی ہے جو کئی جزائر پر مشتمل ہے۔ ان جزائر کے تمام باشندے عیسائی ہیں۔ مسلمان آبادی بالکل ناپید ہے۔ مسلمان مہاجرین یا تاجر مبلّغین کا ابتداء سے ہی شاید اس طرف رُخ نہیں ہوا۔ اب چند ایک گنتی کے انڈونیشین مسلمان وہاں جاکر آباد ہو گئے ہیں پادریوں کا ان جزائر میں اب بھی اتنا زور اور اثر و نفوذ ہے کہ عملاً اِنہیں کی حکومت ہے۔

شاہ سے ملاقات کی کوشِشیں

نومبر ۱۹۷۱ء میں مجھے اخبارات کے ذریعہ علم ہوا کہ جزائر ٹونگا کے بادشاہ جو فجی میں قائم شدہ جنوبی بحر اوقیانوس کے جزائر کی واحد یونیورسٹی کے اعزازی چانسلر بھی ہیں عنقریب فجی آرہے ہیں۔ چونکہ یہ تبلیغِ اسلام کا اچھا موقعہ تھا اس لئے خاکسار نے شاہ ٹونگا کے پرسنل سیکرٹری صاحب کو چٹھی لکھی کہ ہز میجسٹی کے فجی آنے پر خاکسار جماعت احمدیہ کے نمائندہ کی حیثیت سے ان سے ملاقات کرنا اور اسلام کی مقدس کتاب قرآن کریم انگریزی انہیں تحفۃً دینا چاہتا ہے اس لئے مجھے وقت دیا جائے۔ ان کی طرف سے جواب ملا کہ شاہ ٹونگا فجی آنے پر اپنے چچا سر ایڈورڈ ڈاکمپاؤ نائب وزیر اعظم اور وزیرِ داخلہ فجی کے مہمان ہونگے اس لئے مَیں فجی میں اُن سے یا فجی گورنمنٹ سے وقت طے کر لوں۔ لیکن بوجوہ

سر ایڈورڈ نہ مل سکے اور باوجود پوری کوشش کے فجی گورنمنٹ نے بھی مجھے وقت نہ دیا اور یہ عذر کیا کہ ہز میجسٹی فجی میں قیام کے دوران نہایت مشغول اور عدیم الفرصت ہونگے۔

دُعا کا کرشمہ یونیورسٹی کانووکیشن convocation، کی تقریب میں خاکسار بھی بطور امیر جماعت احمدیہ فجی مدعو تھا۔ شاہ ٹونگا کی آمد پر مَیں نے یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے ذریعہ بھی کوشش کی کہ شاہ سے ملاقات کے لئے وقت مل جائے مگر کامیابی نہ ہوئی مَیں نے قرآن کریم اور ایڈریس وغیرہ تیار کر لیا تھا کنووکیشن میں شرکت کے بعد یہ خواہش اور بھی شدید ہو گئی کہ جیسے بھی ہو کسی نہ کسی طرح اس شاہی قافلہ کو زبانی تبلیغ نہیں تو کم از کم ہم ان میں کلام الٰہی اور دیگر کتب ہی تقسیم کر سکیں۔ مگر وقت نہ مل سکنے کی وجہ سے تمام دن طبیعت پر بہت بوجھ رہا۔ عصر کے وقت یہ خاکسار نابکار مسجد میں اکیلا تھا۔ نماز میں اور نماز کے بعد مَیں نے نہایت درد و سوز سے بہت دعا کی کہ خدایا! اگر تیرے نزدیک بہتر ہے تو جزائر ٹونگا کا یہ اہم قافلہ تیرا ابدی پیغام سُننے بغیر واپس نہ جائے۔ دعا کے بعد طبیعت پر جو بوجھ تھا وہ جاتا رہا اور دل کسی قدر تسلّی پا گیا۔

ایک احمدی دوست کی بروقت آمد اسی روز جماعت کے ایک مخیر دوست برادرم محمد شمس الدین صاحب کسی سفر سے واپس آئے۔ تو انہوں نے محض خیریت دریافت کرنے کے لئے مجھے مغرب کے بعد فون کیا۔ مَیں نے ضمنی طور پر اُن سے ذکر کر دیا کہ جزائر ٹونگا کے بادشاہ اپنے شاہی قافلہ کے ساتھ فجی کے دارالحکومت میں اپنے چچا کے ہاں مقیم ہیں۔ تاہم ان سے تبلیغی ملاقات کے لئے ہماری کوشش کارگر نہ ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ "شاہ ٹونگا کے چچا سر ایڈورڈ ڈاکمباؤ نائب وزیر اعظم فجی تو میرے سکول فیلو اور کرکٹ فیلو بھی رہے ہیں"! اور تجویز کیا کہ کل صبح ہی ان سے دفتر میں ملیں گے چنانچہ اگلے روز ہم دونوں اُن سے ملے۔ وہ بڑی خوش خلقی سے پیش آئے اور ہماری خواہش کے مطابق اسی وقت فون پر ہماری طرف سے شاہ ٹونگا سے ملاقات

کی درخواست کردی جو شاہ نے منظور کرلی۔ چنانچہ اسی وقت سر ایڈورڈ نے ہمیں بتایا کہ آج ہی شام کے پانچ بجے ہزمیجسٹی نے ہمیں ملاقات کے لئے آدھ گھنٹہ دیا ہے۔ اور ہماری خواہش کے مطابق دوسرے سب شاہی مہمان بھی موجود ہوں گے۔

زندگی میں پہلی بار قرآن کریم دیکھا

چنانچہ اسی روز تین افراد پر مشتمل جماعت احمدیہ فجی کے تبلیغی وفد کی پریس فوٹوگرافر اور اخباروں کے نمائندوں کی موجودگی میں شاہ ٹونگا سے ملاقات ہوگئی خاکسار نے انہیں جماعت کی طرف سے ایڈریس پیش کیا۔ جس میں انہیں خوش آمد کہنے کے علاوہ اسلام کی تعلیم سے آگاہ کیا گیا اور آخر میں قرآن کریم انگریزی اور دیگر اسلامی کتابیں بطور تحفہ پیش کی گئیں۔ شاہ ٹونگا نے کھڑے ہو کر قرآن کریم مجھ سے وصول کرنے کے بعد ہمارے ایڈریس کے جواب میں شکریہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ

"میرا ملک صد فی صد عیسائی ہے۔ مَیں بھی پیدائشی عیسائی ہوں۔ مَیں نے اس سے پہلے کبھی قرآنِ کریم دیکھا تک نہیں تھا نہ اسلام سے مجھے تعارف تھا۔ آپ نے یہ تقریب پیدا کر کے مجھے اس مذہب سے متعارف کرایا ہے جو میری والدہ کی قوم کا صدیوں سے مذہب چلا آتا ہے۔ میری والدہ انڈونیشین نسل سے ہیں آپ کی طرف سے پیش کردہ قرآن کریم اور کتب کا ضرور مطالعہ کروں گا۔ آپ نے ایک عظیم روحانی خزانہ مجھے عطا کیا ہے۔ آپ لوگ بڑے شکریہ کے مستحق ہیں"

دوسرے روز لوکل اخباروں میں اس تقریب کی تصاویر کے علاوہ تمام رُوداد بھی شائع ہوئی اور ریڈیو پر بھی یہ خبر نشر کی گئی۔ اس کے ایک ہفتہ بعد احمدیہ وفد نے شاہ ٹونگا کے چچا سر ایڈورڈ کمباؤ کا دوبارہ شکریہ ادا کر کے انہیں بھی قرآن کریم پیش کیا۔

میری زندگی کا نہایت خوش کن واقعہ

اس تبلیغی تقریب کے کامیابی سے اختتام پذیر ہونے پر خاکسار کو ایسی خوشی اور

روحانی حظ و انبساط حاصل ہوا جو حدِ بیان سے باہر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ میری زندگی کے اُن چند بہترین اور خوش کُن واقعات میں سے ہے جن کی یاد سے دل میں خوشی اور تشکّر کی لہر دوڑ جاتی ہے اس روز گویا خاکسار کو دُہری خوشی حاصل ہوئی۔ ایک خوشی آڑے وقت کی دُعا کی قبولیت کی ہوئی اور دوسری خوشی مخالف حالات میں اس تبلیغی تقریب کی کامیابی کی۔ یہ محض سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت اور فیض کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی ذرہ نوازی اور اَن گِنت احسانوں میں سے ایک احسان ہے۔ ورنہ یہ عاجز نالائق گنہگار کیا چیز ہے۔ مَن آنم کہ مَن دانم۔

حضور کا ارشادِ مبارک ضمنی طور پر یہاں یہ بھی عرض ہے کہ اس واقعہ کی رپورٹ جب مَیں نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بھیجی تو حضور نے خوشنودی کا اظہار فرمایا اور دعا کے ساتھ یہ بھی ہدایت فرمائی کہ

"بادشاہ سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ انسان تک دن رات اسلام کا پیغام پہنچائیں"

چنانچہ اگرچہ پہلے بھی حتی الوسع ہر موقع پر ادنیٰ و اعلیٰ سب کو تبلیغ کی جاتی تھی لیکن حضور کے اس تازہ ارشاد کے بعد ایک خاص تبلیغی مہم جاری کی گئی اور تقسیم کے لئے اپنا لٹریچر ٹیکسیوں اور بسوں میں رکھوایا گیا۔ نیز مارکیٹ میں چار احمدی سٹالوں پر بھی لٹریچر رکھوا دیا حتیٰ کہ مسجد اور مشن ہاؤس کے فلش پٹ اور کمپاؤنڈ کی صفائی کے لئے آنے والے مزدوروں کی بھی چائے سے تواضع کر کے انہیں تبلیغ کی جاتی رہی اور اسلام کے متعلق لٹریچر پیش کیا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ بعد میں وہ غریب فجین باشندے ہمارا فجین زبان میں شائع شدہ لٹریچر ہم سے خود طلب کرنے لگے۔ سڑک پر گھاس کاٹنے اور صفائی کرنے والوں کے پاس جا کر بھی تبلیغ کی جاتی رہی۔ اس طبقہ کو اپنی اصل فجین زبان سے بہت ہی اُنس ہے۔ اپنی زبان میں ہمارا لٹریچر لے کر شوق سے پڑھتے اور گھروں کو لے جاتے۔ تازہ رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اب خدا کے فضل سے

ان میں اسلام کی تعلیم کا سنجیدگی سے مطالعہ کرنے اور حقیقت معلوم کرنے کا شوق پیدا ہو گیا ہے اور ہمارے مبلغین کے ذریعہ ایک اچھی خاصی تعداد فجین باشندوں کی عیسائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو گئی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

اسی طرح ایئر پورٹ اور بحری بندرگاہ پر جہازوں میں سے نکلنے والے سیاحوں اور مسافروں کے لئے اسلام کے پیغام پر مشتمل دس ہزار کی تعداد میں ایک خاص پمفلٹ شائع کر کے موقعہ پر پہنچ کر ان میں تقسیم کیا اور کروایا جاتا رہا۔ اور یہ طریقِ کار اب بھی خدا کے فضل سے کامیابی سے جاری ہے۔ اور وہاں کے مبلغین کرام ہر طرح پیغامِ حق پہنچانے میں کوشاں ہیں۔ فالحمدللہ تعالیٰ

دو آسٹریلین نوجوانوں کی شوخی اور ندامت

جنوبی بحرالکاہل کے ملک "جزائر فجی" میں اس عاجز کو ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۳ء کے آخر تک بطور مبلغ انچارج احمدیہ مسلم مشن کام کرنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ اس دوران اکثر اتوار کے روز یہ عاجز جماعت فجی کے ایک مخلص دوست برادرم محمد شمس الدین صاحب حال صدر جماعت احمدیہ سووا (SUVA) کو ساتھ لے کر ان کی کار میں سووا کی بندرگاہ کے اردگرد ایسے علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لئے جایا کرتا تھا جہاں کثرت سے ہوٹل اور سیرگاہیں ہیں۔ اس سے ہمارا مقصد مختلف ممالک سے آنے والے سیاحوں کو تبلیغِ اسلام کرنا ہوتا تھا۔ برادرم محمد شمس الدین صاحب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی غرض سے حال ہی میں (اگست ۱۹۷۹ء میں) ایک دو روز کے لئے دوسری مرتبہ ربوہ سے ہو کر گئے ہیں۔

ہمیں تنگ نہ کریں

بہرکیف ہم ان ہوٹلوں میں اور پارکوں میں گھوم کر مختلف ممالک سے آئے ہوئے لوگوں سے راہ و رسم پیدا کرتے اور تبلیغ کرتے رہتے۔ سیاح لوگ ہماری باتیں سنتے اور ہمارے پمفلٹ اور کتب

وغیرہ بھی بخوشی لے لیتے۔ بعض سے کچھ بحث بھی ہو جاتی۔ کبھی کبھی کوئی شخص ازراہِ تعصب ہماری باتیں سننے اور لٹریچر لینے سے انکار بھی کر دیتا۔ بعض لوگ ذرا مہذب انداز میں کہہ دیا کرتے کہ

"ہمیں تنگ نہ کریں ہم یہاں مذہب کی تلاش میں نہیں بلکہ بحالیٔ صحت اور عیش و عشرت کے لئے آئے ہیں ورنہ مذہب تو ہمارے مُلک میں بھی موجود ہے"۔

اچھا کیا آپ نے

ایک مرتبہ دو آسٹریلین نوجوان برلبِ سڑک گھاس پر بیٹھے تھے ان سے معمولی گفتگو کے بعد ہم نے انہیں "مسیح کشمیر میں" اور "میں اسلام کو کیوں مانتا ہوں" اور ایک دو اور پمفلٹ پیش کئے۔ ایک نوجوان ذرا زیادہ چُلبلا اور شوخ تھا وہ ہنس کر کہنے لگا۔

"اچھا کیا آپ نے ــــ بعض دفعہ ہمارے پاس صفائی کے لئے کاغذ نہیں ہوتا اس وقت یہ کاغذ ہمارے کام آئیں گے"۔

مَیں نے بے حرمتی کا خیال کرتے ہوئے ان سے کہا۔ جناب پھر یہ ٹریکٹ ہمیں واپس کر دیں یہ مقدس مذہبی تحریریں صرف مطالعہ کے لئے ہیں"۔

اس پر وہ دونوں نوجوان ذرا شرمندگی سے اور کچھ سنجیدگی کا انداز اختیار کرتے ہوئے کہنے لگے۔

Well, you have already offered these papers to us. They are, therefore, our property now. you cannot get them from us. We however promise on our honour that we shall definitely read them.

"یعنی اب تو آپ یہ سب ٹریکٹ ہمیں پیش کر چکے ہیں۔ اب آپ اخلاقاً یہ ہم سے واپس نہیں لے جا سکتے۔ البتہ ہم سچے دل سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ضرور ان کو پڑھیں گے"۔

ان کے پہلے موقف اور پھر تبدیل شدہ رویّہ نے ہمیں کچھ حیران سا کر دیا۔ تاہم



جماعت احمدیہ فجی کی طرف سے لٹوکا کے میئر کو قرآن کریم کی پیشکش اور تبلیغ اسلام



امریکن کونسل لٹوکا کو تبلیغ اور قرآن کریم کی پیشکش



وزیر اعلیٰ جزائر کوک کو قرآن کریم اور اسلامی کتب
کی پیشکش (صفحہ ۶۷۰)



SEA ویو ہوٹل فجی کے مینیجر کو ہوٹل کے کمروں کے لئے
ڈیڑھ صد قرآن کریم کی پیشکش (صفحہ ۶۶۹)



ہائی کمشنر فار نیوزی لینڈ کو قرآن کریم کی پیشکش
(صفحہ ۶۶۹)

ہم دو چار منٹ اپنے اُن دینی اوراق کی اہمیت اور حُرمت ان پر مزید واضح کر کے اُنہیں دُعائیں دیتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

گورنر جنرل اور وزیرِاعظم فجی کو تبلیغ اسلام اور قرآن کریم کی پیشکش

پانچ مشہور ہوٹلوں کو قرآن کریم انگریزی کے ایک ہزار نسخوں کا تحفہ

جزائر فجی کے انگریز گورنر جنرل کے ریٹائر ہونے پر ۱۹۷۳ء میں فجی کے اصلی باشندوں میں سے ایک ممتاز پیراماؤنٹ چیف اور سابق نائب وزیرِاعلیٰ راتو سر جارج کے ڈاکمباؤ نئے گورنر جنرل مقرر ہوئے جو ایک تجربہ کار لیڈر ہونے کے علاوہ فجی کے اسی بادشاہ (DAKUMBAU) کے پوتے ہیں جنہوں نے خاص معاہدے کے تحت ۱۸۷۴ء میں یہ جزیرے انگریزی حکومت کے حوالے کئے تھے۔

چنانچہ ۱۵ر فروری ۱۹۷۳ء کو نئے گورنر جنرل راتو سر جارج کے اعزاز میں جماعت احمدیہ فجی نے ایک خاص تقریب کا اہتمام کیا۔ اس موقعہ پر کچھ غیر رسمی گفتگو کے بعد خاکسار نے جماعت کی طرف سے ایک خیر سگالی ایڈریس پڑھا جس میں انہیں اور لیڈی آنڈی ڈاکمباؤ کو ان کی نئی تقرری پر مبارکباد پیش کی۔ اور پھر احمدیت اور اسلام سے انہیں متعارف کرا کے بائیبل کی بعض پیشگوئیوں کے حوالے سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ مسیحیت کی صداقت ثابت کی۔ جس کے بعد قرآن کریم انگریزی اور دیگر اسلامی کتب انہیں پیش کر کے درخواست کی کہ وہ قرآن کریم کا گہری نظر سے مطالعہ فرمائیں اور اس بے نظیر آسمانی تحفہ سے صحیح رنگ میں مستفید ہوں۔ میرے ایڈریس کے اختتام پر گورنر جنرل صاحب نے کھڑے ہو کر نہایت احترام اور وقار کے ساتھ مجھ سے قرآن کریم وصول کیا اور پھر مندرجہ ذیل الفاظ میں ہمارے ایڈریس کا جواب دیا۔

گورنر جنرل کا جواب

"الحاج صدیق اور معزز بھائیو! آج یہ تقریب میرے لئے اپنے رنگ میں ایک نئی تقریب ہے۔ پہلے کبھی کسی مذہبی سوسائٹی کی طرف سے ایسے طور پر میری عزت افزائی نہیں کی گئی نہ میرے گورنر جنرل بننے سے پہلے نہ بعد میں۔ مجھے تو خیال بھی نہیں تھا کہ آپ نے ایسی اہم اور مقدس مذہبی تقریب کا انتظام کیا ہے اس لئے میں آپ کی طرف سے پیش کردہ بلند مذہبی نظریات و خیالات اور نیک تمناؤں اور دعاؤں کی دل سے قدر کرتا ہوں اور لیڈی آنڈی ڈاکمباؤ اور اپنی طرف سے آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری زندگی کے ایک اہم موڑ پر مجھے اسلام جیسے عالمگیر مذہب کی روشنی دکھائی اور میری اور میرے ملک کی کامیابی کے لئے دعائیں کیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آپ نے اپنے مذہب کی آسمانی کتاب قرآن کریم اور دیگر قابلِ قدر علمی تحائف سے مجھے نوازا جو اب ہمیشہ میری فیملی لائبریری کی اہم کتب میں شمار ہوں گے اور ہم ان سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

آپ کی طرف سے فجین زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کا اہتمام ہمارے لئے بہت خوشی کا موجب ہے اس کا جو حصہ آپ نے مجھے پیش کیا ہے میں اسے ضرور پڑھوں گا اس لئے بھی کہ ہمیں اپنی فجین زبان سے بہت محبت ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ قرآن کریم کا یہ فجین ترجمہ جلد از جلد شائع کرنے کا انتظام کریں جس کے لئے میں اور میری حکومت آپ سے تعاون کریں گے۔ بہر حال میرے دوستو! میں پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوا امید کرتا ہوں کہ آپ کی دعا اور تعاون اور خدا تعالیٰ کی راہنمائی سے میرے اس عہدہ کا زمانہ میرے ملک اور قوم کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم کرے۔ آمین"

(الفضل ۲۲ اپریل ۱۹۷۳ء)

بحرالکاہل کے اہم جزائر کے وزرائے اعظم اور دیگر شخصیات کو تبلیغ اسلام اور قرآن کریم کا تحفہ

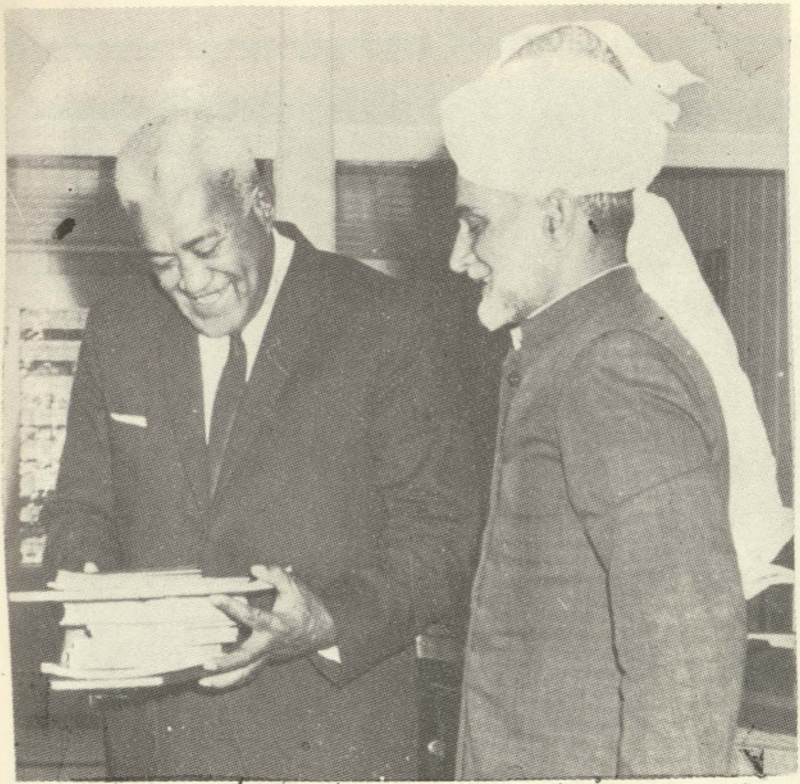
گورنر جنرل صاحب جزائر فجی کے علاوہ سال ۱۹۷۲-۷۳ء میں جماعت احمدیہ



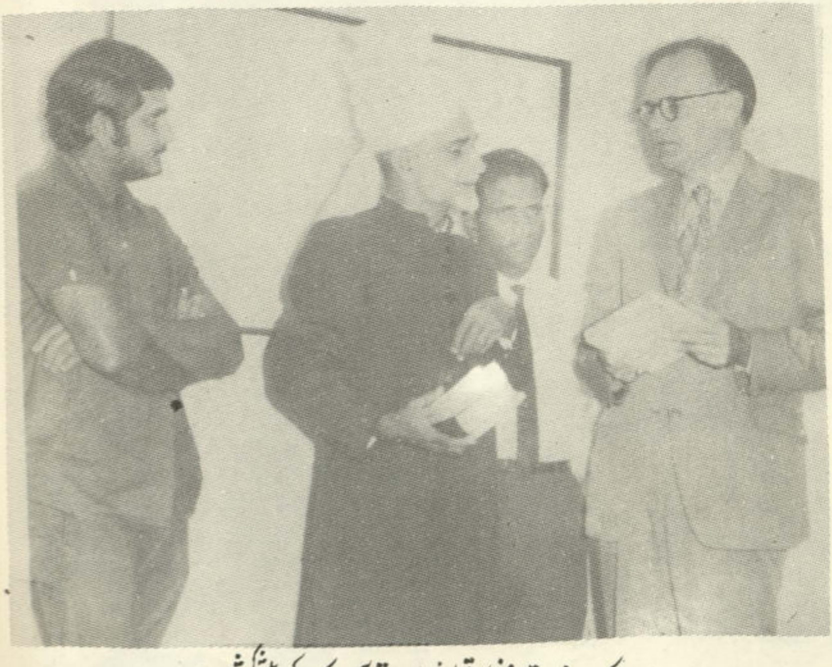
میئر آف سووا فجی سے جماعت احمدیہ کے تبلیغی وفد کی ملاقات اور قرآن کریم کی پیشکش



وزیراعظم جزائر ٹونگا کو تبلیغ اسلام اور قرآن کریم کی پیشکش (صفحہ ۶۷۰)



گورنر جنرل جزائر فجی کو تبلیغ اور قرآن کریم اور دیگر کتب کی پیشکش (صفحہ ۶۶۹)



امریکن سفیر مقیم فجی کو تبلیغ اور قرآن کریم کی پیشکش

جزائر فجی کی طرف سے مندرجہ ذیل ملکی سربراہوں اور باہر سے آنے والے لیڈروں سے ملاقات کر کے انہیں قرآن کریم اور اسلامی لٹریچر پیش کیا گیا اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی اور خدا کے فضل سے سب نے شکریہ سے ہمارے تحائف قبول کئے اور لوکل اخبارات میں بھی ان تقاریب کی روئیداد اور تصاویر شائع ہوئیں:

(۱) وزیر اعظم فجی آنریبل سر راتو کامی سیسے مارا۔ گورنمنٹ ہاؤس سووا میں ان سے ۲۹ رمئی ۱۹۷۳ء کو ملاقات کر کے انہیں قرآن کریم اور دیگر کتب پیش کیں نیز طوفانی بارشوں سے تباہ شدہ باشندگان فجی کی امداد کے لئے انہیں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۸۰۰ ڈالر کا چیک پیش کیا۔ نیز قرآن کریم مترجم محترم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی طرف سے ان کی خدمت میں پیش کیا گیا کیونکہ بقول ان کے محترم چوہدری صاحب کے ساتھ ان کے بہت اچھے مراسم ہیں۔ اس لئے انہوں نے چوہدری صاحب کا خاص طور پر شکریہ ادا کرنے کی ہمیں تاکید کی۔ اور براہِ راست بھی ان کا شکریہ ادا کیا۔ قرآنِ کریم کے متعلق انہوں نے کہا کہ مَیں نے قرآنِ کریم کا خوب مطالعہ کیا ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم بعض امور میں بائیبل سے اختلاف کرتا اور بائیبل کی غلطیوں کا ازالہ کرتا ہے اب موقعہ ملنے پر اُسے پھر پڑھ کر اظہار خیالات کرونگا۔

(۲) وزیر اعلیٰ جزائر ٹونگا۔ گرینڈ Pacific ہوٹل سووا میں ہم نے ان سے ایک وفد کی صورت میں ۱۰ر جنوری ۱۹۷۳ء کو ملاقات کی اور قرآن کریم پیش کیا اور اسلام کا پیغام پہنچایا۔

(۳) ہائی کمشنر فار آسٹریلیا مقیم فجی۔ ۱۶ر اگست ۱۹۷۳ء کو آسٹریلین ہائی کمشنرز آفس سووا میں ان سے ملاقات کر کے ان کی خواہش کے مطابق قرآن کریم انگریزی کے چار نسخے پیش کئے اور تبلیغ کی۔

(۴) ہائی کمشنر فار نیوزی لینڈ۔ ۶ر ستمبر ۱۹۷۳ء کو ان کے دفتر میں ان سے ملاقات ہوئی۔ قرآن کریم اور دیگر کتب پیش کرنے کے علاوہ اسلام کے متعلق ان کے شبہات کا بھی ازالہ کیا۔

(۵) آنریبل ٹوپاٹا میسے وزیر اعلیٰ جزائر مغربی ساموا (samoa) گرینڈ

Pacific ہوٹل سووا میں وفد کی صورت میں ۱۴ ستمبر ۱۹۷۳ء کو ان سے ملاقات کر کے ان کو اور ان کے تین ساتھی وزراء کو آدھ گھنٹہ تبلیغ کی اور قرآن کریم انگریزی ہر ایک کو پیش کیا۔

(۹) آنریبل البرٹ ہنری وزیر اعظم جزائر کوک (Cook)۔ ٹریولاج ہوٹل سووا (Travelodge) میں ان سے ۱۵ ستمبر ۱۹۷۳ء کو ملاقات کر کے جماعت کی طرف سے انہیں قرآن کریم اور دیگر کتب پیش کیں۔ انہوں نے شکریہ ادا کرنے کے بعد اپنے ملک کے دلچسپ حالات سنائے اور ہمارے استقبالیہ پر کہنے لگے کہ میرا ملک سو فیصدی عیسائی ہے جس کے آئین کی رُو سے کسی غیر عیسائی کو وہاں تبلیغ کی اجازت نہیں ہے البتہ آپ میرے ذاتی مہمان کے طور پر وہاں ضرور تشریف لائیں۔ مجھے خوشی ہو گی کاش آئین میں تبدیلی کرنا میرے ذاتی اختیار میں ہوتا اور میں آپ کو وہاں اسلام جیسے عظیم مذہب کی تبلیغ کرنے کی اجازت دے سکتا۔" وہاں عیسائی پادریوں کا بہت اثر ہے۔

ہوٹلوں کے لئے قرآن کریم

اس کے علاوہ فجی کے مندرجہ ذیل مشہور ہوٹلوں وغیرہ کے یورپین مینیجروں سے مختلف اوقات میں ملاقات کی اور دو دو نسخے قرآن کریم انگریزی کے پیش کر کے ان کے ہوٹلوں کی لائبریریوں اور رہائشی کمروں میں رکھوائے۔

۱۔ گرینڈ Pacific ہوٹل سووا۔
۲۔ ٹریولاج Travelodge ہوٹل سووا۔
۳۔ سی ویو sea view ہوٹل سووا۔
۴۔ ایمبیسیڈر ہوٹل سووا۔
۵۔ لائبریری بہائی مشن سووا۔
۶۔ مہمان خانہ سندو تبلیغی مشن ناصوری سووا۔
۷۔ ہیلتھ Pacific یونیورسٹی سووا۔

ایک بہائی مناد صاحب کے ساتھ دلچسپ گفتگو

اکتوبر ۱۹۷۳ء میں ایران کے ایک بہائی مناد اچانک "سووا" میں مجلس احمدیہ مشن کی مرکزی مسجد میں تشریف لے آئے۔ ان کی چائے وغیرہ سے خاطر تواضع کرنے کے بعد ان سے مذہبی گفتگو شروع ہوگئی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ شریعت محمدی گو ایک سچی اور اپنے وقت کی مکمل شریعت تھی مگر اب اس شریعت کا دَور ختم ہوگیا ہے اور بہائی شریعت نے اسے منسوخ کر دیا ہے۔ میں نے عرض کیا ہمارے نزدیک تو قرآن کریم ایک ایسی ابدی شریعت ہے جس کا دَور اب کبھی ختم نہیں ہو سکتا اور اس کی تعلیم کا ہر حصہ ہمہ وقت قابل عمل اور ہر زمانہ کے حالات اور ضرورت کے مطابق ہے اور قرآن کریم کا کوئی حکم ایسا نہیں جو اب ناقص ثابت ہو چکا ہو یا فرسودہ اور متروک قرار دیا جا سکے۔ اس لئے اب ہمیشہ کے لئے اور ہر قوم و مذہب اور ملک کے باشندوں کے لیے شرعی احکام وہی رہیں گے جو قرآن کریم میں موجود ہیں نیز انہیں بتایا کہ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ کا وہ مطلب نہیں جو آپ لیتے ہیں۔ اس آیت میں امت سے مراد قوم یا خاص نسل کے لوگ اور ملک ہے شریعت اور مذہب کو امت نہیں کہا جاتا۔ پس قومیں دنیا میں دنیوی لحاظ سے ابھرتی، اٹھتی اور ایک مدت کے بعد گرتی اور مردہ ہوتی رہتی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔

دو عورتوں کی گواہی کی حکمت

اس پر انہوں نے اس بحث سے گریز کر کے ہماری اسلامی شریعت کے احکامات کو ناقص ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کے دوران یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام میں عورت کو مرد کے مساوی حقوق نہیں دیئے گئے اور اسے ناقابل اعتماد سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں مالی معاملات کے بیان میں کہا گیا ہے کہ لین دین کے وقت دو مرد گواہ نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ رکھی جائیں گویا ایک مرد کی طرح ایک عورت کی گواہی کافی نہیں سمجھی گئی۔ نیز اسلام عورت سے مصافحہ کرنے سے بھی منع کرتا ہے۔ لہذا بہائی شریعت نے آکر عورت کو اس کا اصل اور مردوں سے مساوی مقام عطا کیا ہے۔

میں نے عرض کیا آپ نے قرآن کریم کے منشاء کو غلط سمجھا ہے حضرت بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عورت کو ہر قسم کے بنیادی حقوق سے محروم رکھا جاتا تھا حضورؐ نے آکر عورت کو اس کا اصل مقام عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ کہ عورت اور مرد دونوں کو ایک دوسرے پر برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ صرف مرد کی سخت جانی، جفاکشی اور گھر کے باہر کی دنیا کے

نشیب و فراز اور مشکلات وغیرہ برداشت کرنے کی زیادہ اہلیت رکھنے کی وجہ سے اسے اپنے کنبے کا نگران اور سربراہ مقرر کیا گیا ہے اور دوسری طرف عورت کو اس کی اپنی جسمانی ساخت اور بچوں کی پرورش کی اہلیت رکھنے کی وجہ سے اپنے گھر کی رانی بنا دیا گیا ہے تاہم عمومی طور پر ہر قسم کے امور میں مرد پر فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ ویسے ہی اس کے حقوق ادا کرے جیسے وہ کر لیتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس کے جذبات کا خیال رکھے اور عملاً اسلامی معاشرہ میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

صنفِ نازک اور مالی معاملات

قرآن کریم میں جہاں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی ضروری قرار دی گئی ہے اس میں عورت کی کوئی حق تلفی نہیں کی گئی نہ اُسے مرد کے مقابل پر کمتر قرار دیا گیا ہے۔ دو عورتوں کی گواہی کی شرط صرف ان مخصوص مالی اور قضائی معاملات میں رکھی گئی ہے کیونکہ فطرتی اور جسمانی طور پر عورت کا زیادہ تر تعلق اور تجربہ گھریلو امور تک محدود ہوتا ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ مالی اور قضائی معاملات اور اکاؤنٹ وغیرہ سے عموماً اسے بہت کم واسطہ پڑتا ہے اور اس کا تجربہ مرد کے مقابل پر کم ہوتا ہے نہ اُسے ایسے حسابات سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ اس لئے جہاں مرد کی گواہی نہ مل سکے وہاں ایک عورت کی بجائے دو عورتوں کی گواہی ضروری قرار دی اور وجہ بھی بتا دی گئی کہ اگر ایک عورت عدالت میں یا باہر کوئی حسّہ معاملے یا مقدمے کا بھول جائے تو دوسری عورت اسے یاد دلا دے کہ فلاں بات یا لین دین یوں نہیں بلکہ یوں تھا۔ نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ عورت اپنی فطرت اور نرم و نازک جذبات میں بہہ کر نادانستہ طور پر انصاف اور اظہارِ حقیقت کی ڈگر سے ہٹ بھی سکتی ہے۔ اس لئے دو عورتیں گواہ رکھ دیں تاکہ اگر ایک عورت بھولے سے اصلی بات کو نرم یا معمولی رنگ میں پیش کر رہی ہو تو دوسری عورت اُسے روک سکے۔ ورنہ قرآن کریم میں مالی معاملات کے علاوہ باقی تمام معاملات میں ایک عورت کی گواہی کو ہر جگہ مرد کی گواہی جتنی ہی وقعت دی گئی ہے۔

رہی مصافحہ کی بات تو اسلام نے صرف مرد کو ہی نہیں بلکہ عورت کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ غیر محرم مرد سے مصافحہ نہ کرے۔ نہ اُس سے غیر ضروری میل جول رکھے گویا یہ حکم دونوں کو مساوی طور پر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی مرد کسی عورت سے مصافحہ کرنا چاہے تو عورت پر بھی لازم ہے کہ وہ مصافحہ نہ کرے۔ پس یہ حکم یک طرفہ نہیں ہے اور اس میں بڑی عظیم حکمتیں مضمر ہیں۔ ایک اجنبی عورت سے اجنبی مرد کا مصافحہ ہی عموماً شیطانی وساوس اور جنسی خیالات و رجحان کی راہ کی طرف پہلا قدم ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے گناہ کے ابتدائی اقدامات سے بھی منع فرما دیا ہے اور اس حفاظت کی فی زمانہ گزشتہ سب زمانوں سے زیادہ ضرورت ہے آپ بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ منفی اور

مثبت کرنٹ کے باہمی مَس یا TOUCH سے ایک تیسری مشترکہ طاقت یا رَو کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ ماچس کی تیلی کو ماچس سے ملا کر رگڑنے سے آگ ضرور پیدا ہوگی۔ اگر وہ تیسری رَو یا آگ کم و بیش پیدا ہوتی یا نکلتی آپ کو محسوس نہیں ہوتی، تو یہ آپ کی خوش فہمی اور محض حقائق کا انکار ہے۔ پس باہمی مصافحہ سے منع کرنے کی عظیم حکمت آج بھی عظیم و مفید اور ضروری ہے اور یہ باہمی مساوات کے منافی ہرگز نہیں۔ اگر میری بات پر آپ کو یقین نہیں تو یورپین مدبرین سے پوچھ لیں جنہوں نے عورتوں اور مردوں کے بے جا اور غیر ضروری اختلاط سے اپنی ہوم لائف تباہ کرلی ہے اور اب سخت پریشانی میں مبتلا ہیں۔

سال کے اُنیس مہینے

اس کے بعد خاکسار نے ان سے دریافت کیا کہ بہاء اللہ صاحب نے یہ جو سال کے ۱۲ مہینوں کو بدل کر ہر مہینے کے اُنیس ۱۹ دن اور سال کے ۱۹ مہینے کر دیئے ہیں اس میں کیا حکمت ہے اور آپ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ قرآن کریم میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سال کے ۱۲ مہینے ہیں۔ آپ مجھے بتائیں کہ قرآن کریم کے مقدّمہ طریق کار میں کیا سُقم ہے کہ بہاء اللہ صاحب نے اسے بدل کر ۱۹ مہینے اور ہر مہینے کے ۱۹ دن کر دیئے اور اس نئے طریق کار میں پبلک کے لئے افادیت اور حکمت کیا ہے اور اس طرح جو سال کے چار پانچ روز بچ جاتے ہیں وہ کہاں جائیں گے۔ ان کا حساب کیسے کیا جائے گا۔ کہنے لگے حکمت تو ان نئے شرعی احکام کی خدا ہی جانتا ہے ہم تو اس لئے مانتے ہیں کہ خدا نے کہا ہے کہ اب ۱۹ مہینے اور ہر ماہ کے ۱۹ دن ہوا کریں گے اور اس طرح جو باقی چار پانچ روز بچتے ہیں ہم ہر سال ان دنوں میں اپنے تہوار اور جشن مناتے ہیں وہ ہمارے متبرک دن ہوتے ہیں۔ میں نے کہا معلوم ہوتا ہے صرف جشن کی حد تک ہی آپ بہاء اللہ کے اس حکم پر عمل کرتے ہیں ورنہ فجی کے علاوہ بھی میں دنیا کے کئی ممالک میں رہا ہوں اور بہائیوں سے میری راہ و رسم رہی ہے یہاں بھی ہے میرے علم میں آج تک تو آپ سب پرانا اسلامی طریق یعنی ۱۲ مہینوں والا ہی سسٹم اپنائے ہوئے ہیں۔ یہ منسوخی تو زبانی زبانی معلوم ہوتی ہے۔ کہنے لگے بہائی شریعت اور بہائی آئین پر عمل کا وقت ابھی نہیں آیا عنقریب آنے والا ہے جب صرف ۱۹ مہینوں اور ۱۹ دنوں کا کیلنڈر ہی ساری دنیا استعمال کرے گی اور دنیا میں ہر جگہ بہائی حکومت اور بہائی مذہب کا غلبہ ہوگا۔ میں نے کہا۔ ہر مذہب کے نمائندے یہی دعویٰ کرتے ہیں مگر ہوگا وہی جو خدا چاہے گا یعنی عنقریب اسلام تمام دنیا میں غالب آئے گا اور قرآنی شریعت و آئین پر ہر قوم کا عمل ہوگا۔ اور یوں کوئی ایک گھنٹہ کی دلچسپ گفتگو کے بعد یہ مجلس برخاست ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سب کی سچائی کی طرف رہنمائی فرمائے آمین۔

میرے خاندانی حالات

میرا آبائی وطن اور جائے پیدائش موضع بھڈیار تحصیل اٹاری ضلع امرتسر ہے۔ میرے والدین اور خاندان کے اکثر افراد کا پیشہ ایک زمانہ تک کاشتکاری اور پھر تجارت اور دستکاری تھا۔ بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں میرے والدین اور خاندان کے بعض افرادِ تلاشِ معاش میں بھڈیار سے ہجرت کر کے امرتسر شہر میں آ گئے اور کچھ افراد لاہور کے علاقہ مغلپورہ میں آباد ہو گئے تھے۔

والد بزرگوار میاں نور محمد صاحب اور ان کے بڑے بھائی میاں جان محمد صاحبؒ ہمارے دادا جان کے ساتھ غالباً ۱۹۲۰ء میں بھڈیار سے امرتسر ہجرت کر کے شہر کے دروازہ سلطان ونڈ کے ایک اندرونی محلہ میں آباد ہو گئے تھے مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ہمارے آباؤ اجداد نے بھڈیار میں کب اور کہاں سے آکر سکونت اختیار کی تھی۔ البتہ ہمارے بڑے سے چھوٹے تایا محترم میاں محمد دین مرحومؒ بتایا کرتے تھے۔ کہ سترھویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہمارے بڑوں نے ہندو مذہب سے تائب ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ میرے پڑدادا کی زندگی میں ہمارا سارا خاندان کٹر وہابی ہو چکا تھا۔ اور وہابیت کے زیرِ اثر شریعت کے احکام پر سختی سے کاربند تھا۔

والد بزرگوارؒ نور محمد ولد حاجی گلاب دین ولد میاں بوڑا صحابی ابن صحابی ابنِ صحابی تھے۔ میری والدہ مرحومہ کا نام زینب بی بی تھا۔ والدہ صاحبہ کی پیدائش لاہور شہر کے علاقہ اندرون بھاٹی گیٹ میں ۱۹۰۰ء میں ہوئی۔ اس وقت ہمارے نانا جان میاں محمد رمضان مرحوم ملٹری میں ملازم تھے جہاں سے ریٹائر ہونے کے بعد موضع گنج مغلپورہ میں اپنا مکان بنا کر وہاں آباد ہو گئے اور گنج میں ہی آخر ۱۹۳۴ء میں انہوں نے وفات پائی۔ ان کا اصل وطن لاہور سے کوئی بیس میل کے قریب نارووال ریلوے لائن پر موضع لبانوالہ تھا۔ نانا جان ۱۹۲۶ء میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے احمدیت سے



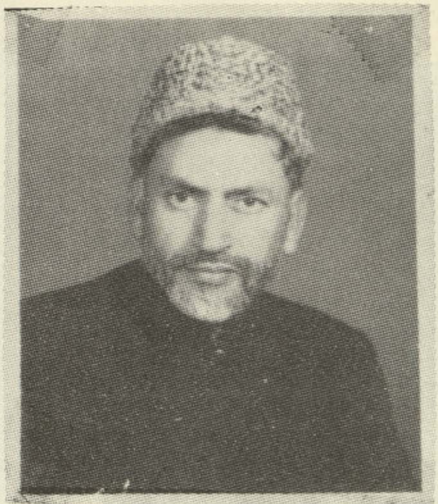
چوہدری منور احمد صاحب امین جماعت احمدیہ
ملتان و صدر موصیان (صفحہ ٦٩٤)



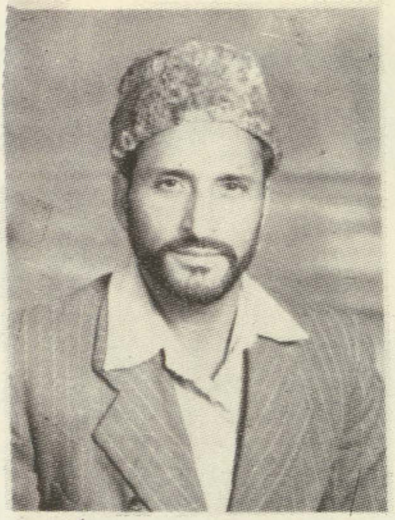
مکرم میاں نور محمد صاحب رضؓ والد ماجد مولف کتاب ہذا
تاریخ بیعت ۱۹۰۳ء (صفحہ ٦٧٦)



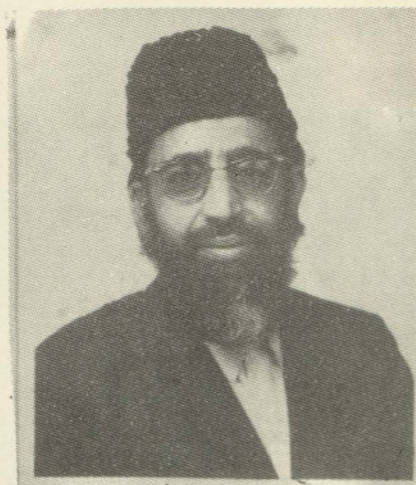
دائیں سے بائیں
صوفی عبدالمجید صاحب آف میرپور آزاد کشمیر
میاں عبدالحکیم صاحب آف مغلپورہ لاہور
مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری
(صفحہ ٦٧٦)



مکرم میاں عبدالحلیم صاحب آف مغلپورہ لاہور
(صفحہ ۶۷۶ و ۶۹۴)



مکرم صوفی عبدالمجید صاحب میرپور، آزاد کشمیر
(صفحہ ۶۷۶ و ۶۹۴)



مکرم میاں دین محمد صاحب آف لندن
(صفحہ ۶۹۴)



مکرم ماسٹر خان محمد صاحب آف ربوہ (صـ ۶۷۶)

مشرف ہوئے تھے۔ میری والدہ مرحومہ کی بیعت ۱۹۱۲ء کی ہے۔

والدہ صاحبہ کے حالات والدہ صاحبہ نے باقاعدہ کسی مکتب میں تو تعلیم حاصل نہیں کی تھی تاہم جب تک بصارت قائم رہی سلسلہ کی کتب اور اخبارات پڑھ لیا کرتی تھیں اور قرآن کریم کی تلاوت تو ان کی غذا اور روز کا معمول تھا۔ اگرچہ وہ اپنے ہاتھ سے خط نہیں لکھ سکتی تھیں لیکن میرے قادیان سے اور بعد میں بیرونی ممالک سے آمدہ خطوط کی وہ بڑی شدت سے منتظر رہتیں اور اکثر خود پڑھ کر سمجھ لیا کرتی تھیں۔ امرتسر میں رہائش کے دوران جب تک والدہ صاحبہ کی صحت اچھی رہی اپنی رہائش گاہ سے قریب ایک میل کا فاصلہ طے کر کے امیر جماعت کے مکان پر لجنہ اماء اللہ کے اجتماعات اور دیگر جماعتی تقریبات میں ضرور شامل ہوا کرتی تھیں۔ جماعت کے مرکزی چندوں کی ادائیگی نہایت باقاعدگی سے کیا کرتی تھیں۔ وصیت کرنے کے بعد حصہ جائیداد بھی یکمشت ادا کر دیا تھا۔ بعد میں حسب حالات حصہ آمد بھی التزام سے ادا کرتی رہیں۔ نیز تحریک جدید دفتر اوّل دوم میں تا وفات چندہ دیتی رہیں۔ چنانچہ تحریک جدید کی پانچہزاری فوج کی کتاب میں ان کا نام درج ہے۔ لجنہ اماء اللہ کے چندوں اور تحریکوں میں بھی باقاعدہ حصہ لیتی رہیں۔ سوئٹزرلینڈ کی احمدیہ مسجد کے لئے اپنی بعض ذاتی چیزیں فروخت کر کے مبلغ تین صد روپیہ پیش کیا۔

مخالفت کا گڑھ امرتسر میں ہمارا محلّہ بلکہ وہ سارا علاقہ احمدیت کی مخالفت کا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔ ہماری گلی کے لوگ باوجود مزدور اور جاہل طبقہ میں شمار ہونے کے ہماری جماعت کے سخت مخالف تھے تاہم وہ ہمارے گھرانے کی نیکی اور دینداری کے اس حد تک قائل تھے کہ بعض دفعہ ان کی عورتیں ہماری والدہ اور نانی صاحبہ کے پاس اپنے زیور اور بڑی بڑی رقمیں بطور امانت رکھ جاتی تھیں اور اکثر محلہ دار اپنی بچیاں دینی تربیت اور نماز اور تعلیم القرآن کے لئے ہماری والدہ صاحبہ کے پاس ہی بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ امرتسر میں والدہ صاحبہ نے بفضلِ خدا اپنی بیٹیوں

کے علاوہ بے شمار بچیوں اور خواتین کو نماز سکھائی۔ ناظرہ قرآن کریم ختم کرایا اور دیگر ضروری دینی مسائل سکھائے اور بعض اوقات وہ بچیاں اور عورتیں از خود والدہ صاحبہ کے ساتھ نماز جمعہ اور دیگر نمازوں میں شامل ہو جایا کرتی تھیں۔ بایں ہمہ محلہ میں احمدیت کی مخالفت کے موقعہ پر محلہ کے سب مسلمان گھرانوں کے مرد اور عورتیں ہمارے خلاف محاذ قائم کر لیتے تھے جو کچھ عرصہ تک قائم رہ کر ختم ہو جاتا۔

ہمارے والد صاحب کی طبیعت والدہ صاحبہ سے کسی قدر مختلف تھی۔ تاہم اگر وہ کبھی کسی امر پہ خفگی کا اظہار کرتے تو والدہ صاحبہ ہمیشہ خاموش رہتیں اور کبھی بات بڑھنے نہ دیتیں۔ مَیں نے عمر بھر کبھی کسی بات پر ان میں باہم تکرار بڑھتے ہوئے نہیں دیکھی۔ گھر میں مالی لحاظ سے مشکل اوقات بھی آتے مگر والدہ صاحبہ کبھی کوئی شکوہ زبان پہ نہ آنے دیتیں۔ بلکہ بعض دفعہ والد صاحب کو بھی دعا اور صبر کی تلقین کرتیں۔ اور ایسے مشکل دن صبر و دعا سے بسر کرتیں اور خود سلائی وغیرہ سے کچھ آمد پیدا کر کے بڑی خاموشی اور حکمت سے گھر کی ضروریات کا بوجھ اٹھائے رکھتیں۔

برکت الدعا میں دعائیں

والد صاحب کی خدمت اور ان کی صحت اور آرام کا اتنا اہتمام کرتیں کہ بسا اوقات انہیں اس دوران اپنی صحت کا بھی خیال نہ رہتا۔ صوم و صلوٰۃ اور دیگر شرعی امور کی عمر بھر پابند رہیں۔ شب بیداری کے علاوہ دن کے وقت نمازِ اشراق پڑھا کرتیں اور موقعہ ملنے پر نوافل ادا کرنے میں مشغول ہو جاتیں۔ تہجد کی نماز کی تو اتنی پابند تھیں کہ اکثر والد صاحب سے بھی پہلے بیدار ہو جاتیں اور انہیں جگا کر ان کے لئے پانی مہیا کر دیتیں۔ دعا پر انہیں کامل یقین تھا۔ قادیان میں جب خاکسار مولوی فاضل کا امتحان دے رہا تھا تو میری کامیابی کی خاطر خاص دعاؤں کے لئے وہ کچھ عرصہ کے لئے امرتسر سے قادیان آگئیں اور روزانہ حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کی خاص اجازت سے بیت الدعا میں اس وقت تک دعا میں مصروف رہتیں جب تک میں روزانہ پرچہ ختم کر کے واپس نہ آجاتا۔

مولوی فاضل کے امتحان میں میرا منطق و فلسفہ کا لازمی پرچہ اتنا خراب ہوا تھا کہ مجھے اپنی ناکامی کا تقریباً یقین تھا لیکن والدہ صاحبہ اور والد صاحب کی مخلصانہ دعاؤں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے کامیاب فرما دیا۔ چنانچہ نتیجہ نکلنے سے پہلے جب بھی میں اپنی ناکامی کا ذکر کرتا تو والدہ صاحبہ میری حوصلہ افزائی کے لیئے کہتیں کہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔ میں نے خواب میں تمہیں کامیاب دیکھا ہے اس لئے انشاء اللہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

خواتین مبارکہ کی خدمت میں حاضری کا شرف

والدہ صاحبہ کو خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے والہانہ محبت اور عقیدت تھی وہ حضورؑ کی موعود اولاد اور خواتینِ مبارکہ کے گھروں میں اکثر حاضر ہو کر ان سے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے دعائیں کرایا کرتیں اور اپنی استطاعت کے مطابق ثواب و برکت کی خاطر ان کی ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت بجالانے کو بھی غنیمت جانتی تھیں۔ حضرت اُم المؤمنینؓ اور حضرت اُمِّ ناصر رضی اللہ عنہما سے ان کی کچھ زیادہ وابستگی تھی۔ حضرت اُمِّ ناصر رضی اللہ عنہا کے گھر تو سالہا سال تک انہیں سیّدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی پگڑیاں دھونے کا شرف حاصل رہا۔ ربوہ میں والدہ صاحبہ کی زندگی میں جب بھی کسی احمدی خاتون نے یہ خدمت سرانجام دینے کی پیشکش کی تو حضرت اُمِّ ناصر رضی اللہ عنہا فرماتیں کہ یہ کام زینب ہی تسلی بخش طور پر کر سکتی ہے وہی کرے گی اُسے بلایا جائے۔ ربوہ میں بعض دفعہ گھر سے باہر جا کر جب ذرا دیر سے واپس آتیں تو دیر کی وجہ دریافت کرنے پر فرمایا کرتی تھیں۔

"مرکزِ سلسلہ ربوہ میں بڑی بڑی بزرگ اور خدا رسیدہ ہستیاں رہتی ہیں جن کی خدمت میں چند گھڑیاں گزارنا ایمان کی تازگی کا موجب ہوتا ہے اور ان سے آپ سب کے لئے دعائیں کرانے کے مواقع میسر آتے ہیں۔"

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی دعا کے لئے اکثر حاضر ہوا کرتیں۔ چنانچہ والدہ صاحبہ کی وفات کے چند سال بعد جب خاکسار

نے لیشیا سے ۱۹۶۳ء میں حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کسی جماعتی امر کے متعلق خط لکھا تو اپنے گرامی نامہ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۶۳ء میں آپ نے ضمنی طور پر میری دلجوئی کے لیے یہ بھی تحریر فرمایا۔

"آپ کے خط سے آپ کی والدہ یاد آگئیں جو بہت ہی مخلص اور نیک خاتون تھیں"

طویل بیماری میں صبر و رضا کا مظاہرہ اور دُعائیں

۱۹۳۴ء میں والدہ صاحبہ ہماری ایک مرحومہ بہن کی ولادت کے بعد کچھ عرصہ شدید اعصابی کمزوری میں مبتلا رہیں اور یہ عارضہ بعد میں تشنج کے دوروں میں تبدیل ہو گیا۔ اس تکلیف دہ حالت کو دیکھ کر میری چھوٹی بہنیں کبھی رونے لگ جاتیں تو والدہ صاحبہ اس حالت میں بھی صبر و حوصلہ اور دعا کی طرف متوجہ کر کے انہیں اپنے خدا سے ناامید ہونے سے باز رکھتیں اور کہا کرتیں کہ میرے رحیم و کریم خدا کو علم ہے کہ تمہاری تربیت اور ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے مجھے مزید زندگی اور صحت کی ضرورت ہے اس لئے وہ اپنے فضل و کرم سے مجھے اس بیماری سے ضرور صحت عطا کریگا چنانچہ خدا کے فضل سے ایسا ہی ہوا۔

طالب علمی کے زمانہ میں خاکسار قادیان سے مہینہ میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور امرتسر آجایا کرتا تھا۔ اور لمبی رخصتوں کے ایام بھی گھر آکر گزارتا تھا۔ مجھے یاد ہے اس پریشان کن اور تکلیف دہ بیماری میں وہ تین چار سال متواتر مبتلا رہیں۔ کچھ کمی ہو جاتی مگر بیماری مستقل طور پر پیچھا نہ چھوڑتی۔ چنانچہ ان کی صحت کے لئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اور حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں کئی بار دعا کی درخواستیں کی گئیں بعض دفعہ وہ خود اس حالت میں حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہو جاتیں کہ دَورے کی وجہ سے ہاتھ پاؤں میں کھچاؤ نمایاں ہوتا۔ حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا والدہ صاحبہ کو اس حالت میں دیکھ کر بڑی ہمدردی اور درد سے دعائیں فرماتے ہوئے ان کی ہمت بندھاتیں کہ زینب فکر نہ کرو اللہ تعالیٰ

تمہیں شفا عطا فرمائے گا۔ چنانچہ آخر کار میری بیرونی ممالک کو روانگی کے ایک دو سال بعد اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے والدہ صاحبہ اس بیماری سے مکمل طور پر صحت یاب ہو گئیں۔ اور پھر تا وفات انہیں یہ تکلیف کبھی نہیں ہوئی۔ البتہ امرت سر کے ایک ماہر ہندو ڈاکٹر نے بیماری کے دوران مجھے بتایا تھا کہ ماہرین کی رائے اور تجربہ کے مطابق اس مرض کے مریض کی وفات عموماً ہیضہ سے ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ والدہ صاحبہ کی وفات بھی ربوہ میں ۲۱ اپریل ۱۹۵۹ء کو اسی بیماری سے ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مرحومہ موصیہ تھیں۔ اس لئے بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ اور درجات بلند فرمائے۔

والدہ صاحبہ کی خدمت کا شرف

اس لمبی بیماری کے دوران ہماری بہنوں کے علاوہ خاکسار کو بھی والدہ صاحبہ کی خدمت کا خاص موقعہ ملتا رہا۔ بیماری کے دوروں کے وقت جب میں مختلف قسم کی دواؤں اور تیلوں وغیرہ سے ان کے ہاتھ پاؤں کی مالش کرتا تو ان کے نحیف لب اور زبان بڑے ہی درد بھرے انداز میں میرے لئے دعاؤں اور تشکر کے اظہار میں مصروف رہتے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ میری پیاری والدہ کی ان دلی دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ محض اپنے فضل و احسان سے مجھ جیسے ناکارہ اور نالائق انسان کو لمبا عرصہ دنیا کے کئی ممالک میں خدمتِ اسلام کا فریضہ بجا لانے کا شرف عطا فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالیٰ۔

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد خلیفۂ وقت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے والدہ صاحبہ نے اپنے چھوٹے بیٹے محمد لطیف انور صاحب (حال دفتر پرائیویٹ سیکرٹری ربوہ) کو حفاظتِ مرکز کے لئے قادیان بھجوا دیا اور ان کے قادیان پہنچنے کے بعد انہیں بار بار لکھتی رہیں کہ بیٹا جس کام کے لئے تمہیں اس مقدس بستی میں بھجوایا گیا ہے۔ اسے جرأت ہمت اور بشاشت سے بجا لانا اور اس سلسلہ میں اگر جان بھی دینی پڑے تو دریغ نہ کرنا۔ اسلام اور احمدیت کی خاطر تمہاری شہادت تمہاری ماں کے لئے فخر اور خوش قسمتی کا موجب ہوگی۔

والد صاحب کے حالات

والد صاحب کی پیدائش ۱۸۸۶ء میں موضع بھڈیار میں ہوئی۔ وہ کسی سکول میں تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ قریباً ناخواندہ تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ مجھے کسی استاد سے کبھی کچھ سیکھنے یا رہنمائی حاصل کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ قرآن کریم بھی مَیں نے کسی سے نہیں پڑھا حالانکہ میرے سب بڑے بھائیوں نے بچپن میں استادوں سے کچھ نہ کچھ ضرور پڑھا لکھا۔ مگر مَیں نے بچپن میں صرف نماز اور چند دینی مسائل اپنے ناخواندہ والد سے سیکھے اور پھر کاروبار میں لگ گیا۔ چونکہ والد صاحب محترم دادا جانؓ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ اس لئے دادا جان تا وفات انہیں کے ساتھ رہائش پذیر رہے۔ ۱۹۰۴ء میں حضرت امام الزمان علیہ السلام کی دستی بیعت سے مشرف ہونے کے بعد والد صاحب کو پڑھنے کا ایسا شوق پیدا ہوا کہ جب موقعہ ملتا اردو زبان سیکھنے کی کوشش کرتے۔ نیز لوگوں کو قرآن کریم پڑھتے دیکھ اور سُنکر خود ہی قرآن کریم کی آخری سُورتیں بلند آواز سے ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرتے رہتے۔ اور اس طرح ایک لمبے عرصہ کے بعد صحیح طور پر ناظرہ قرآن کریم پڑھنے کے قابل ہو گئے اس کے بعد جب تک نظر اور صحت نے ساتھ دیا تلاوت کرتے رہے۔

پنجابی شاعری سے لگاؤ

پنجابی شاعری سے انہیں خاص دلچسپی اور لگاؤ شائد ورثہ میں ملا تھا۔ پنجابی کے سینکڑوں اعلیٰ درجہ کے شعر انہیں زبانی یاد تھے۔ امرتسر میں رہائش پذیر ہونے کے بعد جماعت کی طرف سے شائع شدہ پنجابی منظوم کتب بڑے شوق سے مہیا کر کے نہ صرف خود پڑھا کرتے بلکہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بڑے پُرکیف لہجے اور مؤثر آواز سے سُنایا کرتے تھے یہاں تک کہ بڑھاپے میں قدم رکھنے سے پہلے خود بھی معیاری منظوم کلام کہنا شروع کر دیا تھا جس کے بعض حصّے شائع شدہ ہیں۔ پنجابی میں جماعتی منظوم کتب میں سے حضرت مولوی فتح دینؓ آف فتح گڑھ چوڑیاں کی کتاب "تذکرۃ الشہادتین" اور حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ اور حضرت مولانا محمد دلپذیر صاحب رضی اللہ عنہما کی کتب انہیں

بہت پسند تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب "کشتی نوح" اور سلسلہ کی دیگر اردو کتب اور رسالے سنتے سنتے اُن میں خدا کے فضل سے اتنی قابلیت اور ملکہ پیدا ہو گیا تھا کہ دین کے علاوہ دنیوی لحاظ سے بھی اپنے حلقۂ احباب میں وہ ایک پڑھی لکھی شخصیت سمجھے جانے لگے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دستی بیعت کا شرف

ہمارے خاندان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دستی بیعت کا شرف سب سے پہلے میرے تایا صاحبان مکرم میاں جمال دین رضؓ، مکرم میاں کرم دینؓ اور مکرم میاں محمد دینؓ کو اکتوبر ۱۸۹۷ء میں ملتان میں حاصل ہوا۔ سب سے پہلے محترم میاں کرم دین صاحب مرحوم کو ملتان شہر کے کسی فتح محمد نامی شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ازالۂ اوہام برائے مطالعہ دی جس کے مطالعہ کے بعد انہوں نے "توضیح مرام" اور "فتح اسلام" پڑھی اور اپنے بھائی محترم میاں محمد دین صاحبؓ کو بھی یہ کتب پڑھنے کی تحریک کی جب سچائی ان کے دل میں گھر کر گئی تو انہوں نے اپنے بڑے بھائی محترم میاں جمال دین صاحب کو تبلیغ کر کے حضور علیہ السلام کی صداقت کا قائل کر لیا اور چونکہ حضورؑ ان دنوں ملتان میں ہی قیام فرما تھے انہوں نے پھر حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر دستی بیعت کر لی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے گاؤں بھڈیار آکر سب کو تبلیغ کی میرے دادا جان نے پہلے تو چند دن اپنے تینوں بیٹوں کی اتنی مخالفت کی کہ گھر میں ہدایت کر دی کہ ان کے کھانے پینے کے برتن الگ کر دیئے جائیں کیونکہ وہ اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں۔ لیکن آخر کچھ دن بحث وتمحیص اور اپنے ان لڑکوں میں دینی لحاظ سے نمایاں جوش اور تبدیلی دیکھ کر بیعت کر لی جس کے بعد ان کے اثر کی وجہ سے ہمارا سارا خاندان اور بھڈیار کے دو اور مسلمان خاندان بھی احمدی ہو گئے۔ چنانچہ اس روز بھڈیار سے پچاس ساٹھ افراد کی بیعتیں قادیان ارسال کی گئیں (الحکم جلد ۲ نمبر ۳۸)

اس کے بعد ستمبر ۱۹۰۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی لاہور آمد پر دادا جانؓ تایا صاحبان، والد صاحب اور دیگر بزرگ اور نوجوان بعد نماز

عشاء بھڈیار سے پیدل لاہور روانہ ہوئے جہاں وہ اگلے روز حضرت میاں معراج دین صاحب عمرؓ کے مکان "مبارک منزل" پر حضور کے دستِ مبارک پر بیعت سے مشرف ہوئے اور پھر سب بیعت کنندگانِ بھڈیار حضور علیہ السلام کے ۳ر ستمبر ۱۹۰۴ء والے "لیکچر لاہور" میں شریک ہوئے جو منڈوا میلا رام میں ہوا تھا (تاریخ احمدیت لاہور صفحہ ۳۲۱ تا ۳۲۵)

سفرِ سیالکوٹ کے دَوران حضورؑ سے شرفِ ملاقات

پھر اسی سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سفرِ سیالکوٹ کے دَوران بھڈیار کی جماعت کے ساتھ والد صاحب اور دادا جان نے اٹاری ریلوے سٹیشن پر حضور سے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور حضورؑ کی خدمت میں کھانا بھی پیش کیا۔ حضورؑ نے سب کو مصافحہ کا شرف بخشا اور دعا فرمائی۔ (الحکم ۱۰ر نومبر ۱۹۰۴ء و تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۳۷۷)

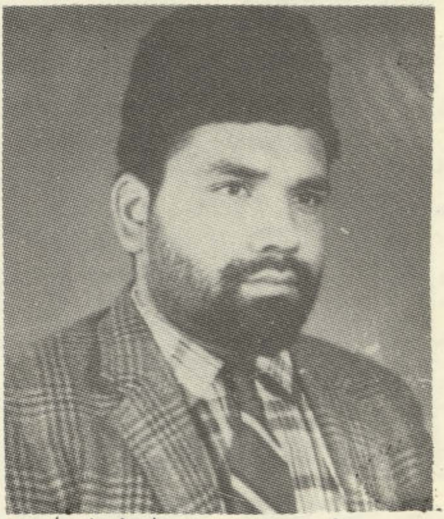
اس کے علاوہ والد صاحب قادیان جلسہ سالانہ کے لئے بھی حاضر ہوتے رہے اور ویسے بھی زیارت کے لئے جاتے رہے اور حضور علیہ السلام کے زمانہ کے آخری جلسہ سالانہ میں بھی ہمارے دادا محترم کے ساتھ قادیان گئے اور جتنے دن ٹھہرے سیر کے وقت حضورؑ کی ہمراہی کا شرف پایا۔ (تاریخ احمدیت لاہور صفحہ ۳۲۱)

بھڈیار کی جماعت کے بزرگوں میں سے دادا جانؓ اور ان کے بھائی اور ہمارے خاندان کی بعض صحابیات اور میرے تایا صاحبان میں سے بعض بہشتی مقبرہ قادیان میں دفن ہیں اور بعض نے بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہونے کا شرف پایا۔

خلافتِ اُولیٰ کے دَوران بھی دادا صاحب تین چار مرتبہ جلسہ سالانہ میں شریک ہوئے اور خلافتِ ثانیہ کے وقت جبکہ وہ گاؤں سے امرتسر شہر میں منتقل ہو گئے تھے اپنے معمّر باپ کو لے کر اکثر قادیان جاتے رہے۔ ۱۹۲۴ء سے تو مجھے بھی یاد ہے کہ وہ نہ صرف ہر جلسہ سالانہ پر بلکہ بعض دفعہ مجلس مشاورت کے موقعہ پر بھی جاتے رہے اور کبھی کبھی جمعہ بھی قادیان جا کر پڑھا کرتے۔

والدین کی خدمت

والد صاحب نے اپنے والدین کی خدمت کی بھی بہت توفیق پائی۔ وہ اور ان کے بڑے بھائی محترم



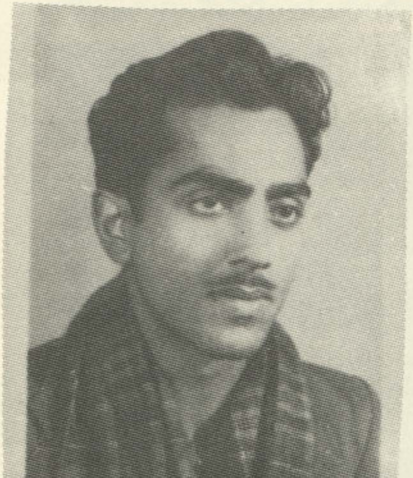
محترم مولانا سجاد احمد صاحب خالد مبلغ انچارج
احمدیہ مشن فجی (صفحہ ۱۳۶)



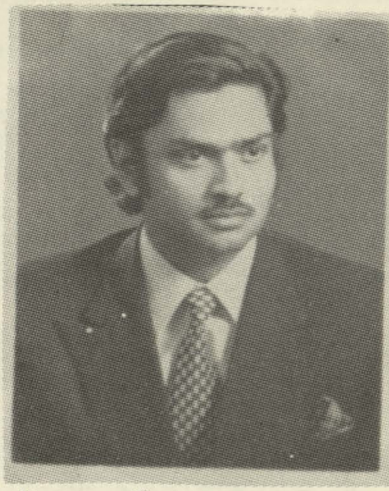
میاں نور محمد صاحب مرحوم و میاں جان محمد صاحب مرحوم
بیعت ۱۹۰۳ء (صفحہ ۶۷۶)



محترم میاں عبدالحی صاحب مبلغ انڈونیشیا (صفحہ ۳۶۲)



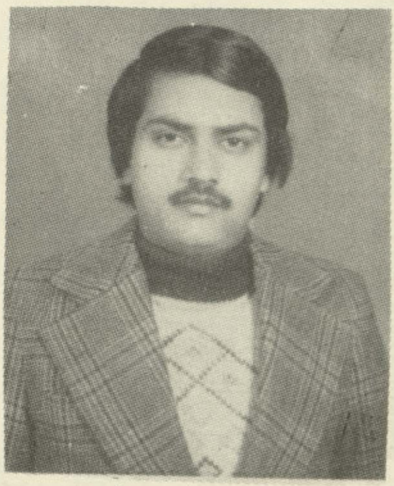
بابو محمد لطیف انور صاحب امرتسری کارکن دفتر
پرائیویٹ سیکرٹری ربوہ (صفحہ ۶۷۶)



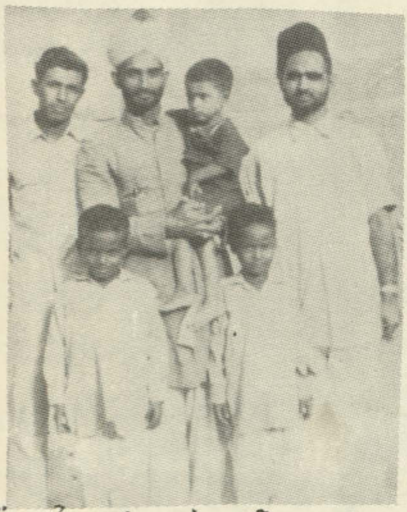
میاں عبداللطیف صاحب خالد آف لطیف موٹرز
۴۲ میکلوڈ روڈ لاہور (صفحہ ۶۹۴)



میاں بشیر احمد صاحب مرحوم آف مغلپورہ لاہور
(صفحہ ۶۹۴)



میاں عبدالسمیع صاحب آف پائینیرز آف آٹوز
۴۲ میکلوڈ روڈ لاہور (صفحہ ۶۹۴)



مولوی محمد اسحاق صاحب صوفی، مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری
و بچگان طاہر احمد۔ محمد بشیر و محمد ادریس (صفحہ ۱۴۳)

میاں جان محمد رضی اللہ عنہ اکٹھے رہتے تھے۔ دادا مرحوم بھی انہیں کے ساتھ رہے امرت سر میں ان کی آخری بیماری کے دوران علاج معالجہ میں ہمہ تن مشغول رہے اور وفات کے بعد بہشتی مقبرہ قادیان میں ان کی تدفین اور حصہ وصیت کی ادائیگی بھی ان دونوں بھائیوں نے کی۔ پہلی جنگ عظیم میں یہ دونوں بھائی ملٹری میں عراق وغیرہ گئے جہاں سے روپیہ بھیجکر انہوں نے اپنے بزرگ والدؓ کو حج بیت اللہ بھی کروا دیا۔ تایا جان بزرگوار محترم میاں جان محمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت اولاد عطا فرمائی۔ لیکن سوائے عزیزم مکرم میاں دین محمد صاحب ایم اے ایل ایل بی کے ان کے سب بچے بچپن میں فوت ہو جاتے رہے۔ عزیزم میاں دین محمد صاحب خدا کے فضل سے کئی سال سے لندن میں کامیاب زندگی گزار رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کے اہل وعیال کو صحت و عافیت سے رکھے۔ آمین۔

مہمان نوازی

مہمان نوازی بھی والد صاحب کی خاص اور نمایاں صفت تھی سالہا سال تک مغلپورہ میں جماعت احمدیہ کے سیکرٹری ضیافت رہے۔ پاکستان بننے سے پہلے ہمارے گاؤں کے لوگ اور رشتہ دار اور دوست احباب امرت سر آکر کئی کئی روز ہمارے ہاں ٹھہرتے بعض دفعہ گاؤں کے سکھ باشندے بھی امرت سر ہمارے پاس ٹھہرا کرتے البتہ اپنا کھانا خود تیار کرتے۔ والد صاحب گھر میں بھینس یا گائے اکثر رکھتے تھے جس سے مہمان نوازی میں آسانی رہتی۔ میرے بعض بزرگ استاد اور مبلغین کرام بھی امرت سر آنے یا وہاں سے گزرنے پر ہمیں مہمان نوازی کا شرف عطا کرتے۔ نیز میرے کئی ہم مدرسہ دوست رخصتوں میں آکر کئی کئی روز میرے پاس ٹھہرا کرتے اور باوجود مالی تنگی کے والدہ صاحبہ فراخدلی سے یہ خدمت بجا لاتیں۔

مستحسن اقدام پر اللہ تعالیٰ کا فضل

میرے دادا مرحوم کا مجھے دین کے لئے وقف کرنے کا ارادہ تھا مگر ۱۹۲۴ء میں ان کی وفات کے موقع پر جبکہ خاکسار بعمر آٹھ سال ان کو سورۃ یاسین سنا رہا تھا انہوں نے والد صاحب کو قریب بلا کر کہا "تمہاری مالی حالت بہت کمزور ہے تم صدیق کو قادیان تعلیم دلانے کا بوجھ نہ اٹھانا"۔ تاہم والد صاحب متواتر دعائیں

کے بعد ۱۹۲۸ء میں مجھے دینی تعلیم کے لئے قادیان چھوڑ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کا یہ اقدام دیکھکر بڑا فضل فرمایا انہیں لاہور میں ایک مستقل ملازمت مل گئی اور اس طرح میرے تعلیمی اخراجات کا انتظام ہو گیا۔ چنانچہ وہ متواتر چودہ برس تک صبح ½ ۳ بجے اٹھکر چار بجے کے قریب روزانہ بذریعہ ریل لاہور جاتے رہے اور شام کو واپس امرتسر آجایا کرتے۔ ہمارا گھر امرت سر اسٹیشن سے دور تھا۔ والد صاحب کو دن بھر ریلوے جنرل سٹور مغلپورہ میں کام کر کے سٹیشن تک تقریباً دو میل پیدل چلنا پڑتا۔ اور اس طرح امرت سر اور مغلپورہ سٹیشن تک آنا جانا تقریباً پانچ میل کا فاصلہ وہ سالہا سال تک روزانہ بڑی ہمت اور بشاشت سے طے کرتے رہے۔ ایک مرتبہ سائیکل لیا مگر چونکہ چلانے کی عادت نہ تھی چوٹ لگ جانے کی وجہ سے دوبارہ استعمال نہ کیا۔ تہجد کی نماز اکثر روانگی سے پہلے گھر پر یا ریل میں ادا کیا کرتے اور نماز فجر روزانہ باجماعت احمدیہ مسجد گنج مغلپورہ میں پڑھ کر جنرل ریلوے سٹور کو جاتے۔ خاکسار اس وقت ان کا اکلوتا بیٹا تھا میرے لئے بہت دعائیں کرتے۔ بچپن میں میرا تعلیم کی طرف رجحان بہت کم تھا۔ شعر و شاعری اور کھیلوں میں زیادہ دلچسپی تھی یہ صرف فضلِ الٰہی اور والد صاحب کی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ میں سال بسال کامیاب ہوتا چلا گیا اور سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے میرا وقف بھی منظور فرمالیا اور مجھ جیسے ناکارہ کو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے آٹھ ملکوں میں ۱۹۳۷ء سے ۱۹۷۰ء تک دینی خدمات کا شرف بھی عطا فرمایا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِكَ۔

دُعا اور صدقہ سے مشکلات کا حل

ایک مرتبہ میرے قیامِ فلسطین و مصر کے دوران مجھے عجیب مشکلات پیش آئیں دونوں ملکوں سے نکلنا پڑا۔ بلکہ ایک تیسرے ملک (شام) سے بھی علماء نے نکلوا دیا۔ اس سے والد صاحب بہت پریشان تھے۔ اُنہیں دنوں والدہ صاحبہ نے ان کو ایک گرم قمیص بنا کر دی تھی انہوں نے بوقتِ سحر ریل گاڑی میں خواب دیکھا کہ ایک نہایت معصوم صورت نوجوان نے انہیں کہا ہے "مشکلات کا علاج صدقہ و خیرات ہے یہ قمیص مجھے دے دو تمہارے بیٹے کی مشکلات دُور ہو جائینگی"۔

والد صاحب نے اسی دن وہ گرم قمیص اتار کر کسی غریب کو دیدی اور متواتر دُعا اور صدقہ دیتے رہے۔ چنانچہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میری مشکلات یوں دُور ہو گئیں کہ انہیں دنوں نظارت دعوت و تبلیغ نے احمدیہ مشن لندن میں حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کے ساتھ ایک نائب کی ضرورت کا ذکر سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کیا میں بھی حضور کو اپنے حالات پیش کر کے دعا کے لئے عرض کر چکا تھا۔ حضور نے ازراہِ شفقت مجھے بلادِ عربیہ سے فوراً انگلستان بھجوا دیا۔ جہاں سے دو سال بعد مرکز کے حکم سے میں سیرالیون چلا گیا۔

دُوسروں کی مدد اور ہمدردی کا جذبہ

والد صاحب میں دوسروں کے لئے مدد اور ہمدردی کا خاص جذبہ تھا۔ ہر کسی کی تکلیف سے بے چین ہو جاتے تھے۔ تنگدستی کے باوجود حتی الوسع دوسرے کی مدد کرتے اپنے عزیزوں کے گھروں میں جا کر ہمدردانہ مشورے دینا اور ان کے لئے دعائیں کرنا نیز انہیں نیکی کی تلقین کرتے رہنا ان کا معمول تھا۔ والدہ صاحبہ مرحومہ نے ایک مرتبہ بتایا کہ ایک روز موسم سرما میں والد صاحب کے پاس نہ کوٹ تھا نہ کمبل صرف اوپر نیچے دو قمیصیں پہن رکھی تھیں کہ گاڑی میں ایک معذور بوڑھا ننگے بدن کانپتا ہُوا نظر آیا اسی وقت اپنی ایک قمیص اتار کر اُسے پہنا دی۔ ایک سکھ دوست بھی ساتھ سفر کر رہے تھے۔ وہ یہ دیکھکر کہنے لگا "بھائیا جی تُہُش تہاڈا تے بیڑا پار ہوجائے گا۔ آپاں دا پتہ نہیں کی بنے؟" چند دن بعد اپنے لئے ایک گرم کمبل خرید لیا جسے اوڑھ کر حسبِ معمول احمدیہ مسجد مغلپورہ میں نماز فجر کے لئے داخل ہوئے تو دیکھا کہ فتح دین نامی ایک شخص جو کسی وقت بہت امیر تھا بیماری اور افلاس کا مارا سردی سے کانپ رہا ہے۔ والد صاحب نے اسی وقت وہ نیا کمبل اُسے اوڑھا دیا۔

تحدیثِ نعمت کے طور پر ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی مہربانی اور فضل شاملِ حال نہ ہوتا تو میں تمہاری پیدائش

سے بہت پہلے مر گیا ہوتا۔ پھر بتایا کہ چودہ پندرہ سال کی عمر میں موسم گرما میں ایک مرتبہ چوپاؤں کے ساتھ میں اپنے گاؤں کے جوہڑ میں گہرے پانی میں چلا گیا اور ڈبکیاں کھاتے کھاتے ڈوب گیا کوئی عورت کنارے پر کپڑے دھو رہی تھی اس نے فوراً شور مچا کر لوگوں کو بتایا اور مجھے بیہوشی کے عالم میں پانی سے نکال لیا گیا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے نئی زندگی عطا فرمائی۔ اسی طرح ایک مرتبہ شادی کے بعد جبکہ گاؤں میں طاعون کی شدید وبا پھیلی ہوئی تھی مجھے طاعون ہو گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بلا سے بھی اپنے فضل و رحم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں شمولیت کی وجہ سے نجات دے کر صحت کاملہ عطا فرمائی۔

ایک مرتبہ جوانی میں ایک سرکش بھینسے نے مجھ پر حملہ کر کے نیچے گرا لیا۔ اور پاؤں سے روند کر شدید زخمی کر دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا۔ اور میں جلد ہی صحت یاب ہو گیا۔ گویا تین مرتبہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے موت کے منہ سے نکالا اور لمبی زندگی مرحمت فرمائی۔ الحمد للہ۔

عالمِ دین کا احترام

آپ نے ہم سب بہن بھائیوں کی تعلیم و تربیت کا پورا خیال رکھا اور ان کا ہم سے ہمیشہ یکساں طور پر مشفقانہ سلوک رہا۔ اپنی ضرورتوں کو نظر انداز کر کے بھی ہماری مدد کرتے رہے۔ ایک نے کچھ رقم دی تو دوسرے کی اس سے ضرورت پوری کر دیتے۔ میں جامعہ احمدیہ قادیان سے فارغ ہوا تو ایک مرتبہ امرتسر میں خاکسار اور والد صاحب اپنی دکان سے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ میرے کندھے پر شاید چاولوں کی بوری یا کوئی اور بھاری سامان تھا۔ پچاس ساٹھ قدم میرے ساتھ چلنے کے بعد میرے والد صاحب نے وہ بوجھ مجھ سے زبردستی لے لیا اور وجہ یہ بتائی کہ اب تم عالمِ دین ہو گئے ہو اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ علماء کی عزت و وقار کا خیال رکھو ان کا بڑا درجہ ہے۔

میری تربیت کا اتنا خیال تھا کہ مجھے ۱۳/۱۴ سال کی عمر میں نماز کے ایک نقص پر ٹوک کر نصیحت کی کہ نماز کے الفاظ پڑھتے وقت لب ہلانے بھی نہایت

ضروری ہیں۔ نماز محض دل کی نہیں ہوتی۔ ایک دو مرتبہ اس وجہ سے مجھ سے نماز دوبارہ بھی پڑھوائی۔ اپنی وفات سے چند ماہ قبل وہ مجھے کوئی بات بتا رہے تھے۔ مَیں زبان سے "جی ہاں" یا "جی جی" کہنے کی بجائے صرف سر ہلا تا رہا۔ اس پر ناراض ہوئے اور نصیحت کی کہ اس طرح بڑوں کے آگے محض سر ہلاتے رہنا اور ہنکارا نہ بھرنا باوقار طریق نہیں بلکہ معیوب ہے کہیں خلیفۂ وقت کے سامنے بھی ایسے نہ کر بیٹھنا"۔

خاندان حضرت مسیح موعودؑ سے عقیدت و محبت خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے سلسلہ سے انہیں بے حد عقیدت تھی اپنا راستہ چھوڑ کر بھی صاحبزادگان سے مصافحہ کا شرف حاصل کرتے۔ سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی طویل بیماری کے دوران نہ صرف خود ان کی صحت کے لئے باقاعدگی سے دعائیں کرتے رہے، بلکہ ایک طویل پنجابی نظم لکھی جس میں حضورؓ کا مقام بیان کر کے جماعت کو خاص دعا کی تحریک کی اور اسے بار بار پمفلٹ کی صورت میں اپنے خرچ پر شائع کر کے تقسیم کراتے رہے۔

بڑے ہو کر چھوٹوں کی خدمت والد صاحبؓ کی زندگی کے آخری دو سال مَیں نے ان کے ساتھ ایک کمرے میں گزارے ہیں وہ اکثر عبادت میں مصروف رہتے مگر روزانہ اپنے عزیزوں کے گھروں میں احوال پرسی اور چہل قدمی کے لئے ضرور جاتے۔ کثرتِ بول کی بیماری تھی۔ لیکن فراغت کے بعد اکثر وضو کر لیتے۔ اور کہا کرتے کہ یہ بیماری مجھے فائدہ بھی دیتی ہے۔ کہ رات کو کئی بار نفلوں کا موقعہ مل جاتا ہے۔ نمازِ اشراق بھی باقاعدہ ادا کرتے اور نظر درست رہنے تک تلاوت بھی کرتے رہے۔ بعد میں کبھی کبھی مجھ سے قرآن کریم سن لیتے تھے نفل ادا کرنے کے لئے سخت سردیوں میں بھی رات کو ہر بار نیا وضو کرتے۔ آخر شب نلکے سے خود تازہ پانی نکالتے اور وضو کر کے میرے لئے بھی لوٹا بھر لاتے اور مجھ سے کہتے "یہ لو پانی اٹھو تہجد پڑھو اور خدا کو راضی کرو"۔ مجھے بڑی شرم محسوس ہوتی کہ جو خدمت مجھے کرنی

چاہیئے تھی بڑھاپے میں وہ میری کر رہے ہیں۔ مَیں کوشش کرتا مگر وہ مجھ سے بازی لے جاتے۔ دعائیں ایسی درد بھری آواز سے کرتے کہ سُنکر طبیعت دعا کی طرف مائل ہو جاتی۔ شدید گرمیوں میں اکثر دوپہر کو آرام کے بعد خاموشی سے ٹب میں پانی بھرتے اور خود غسل کرکے اکثر میرے لئے ٹب بھر دیتے اور مجھے جگا کر کہتے کہ "جاؤ پانی موجود ہے نہا کر نماز کی تیاری کرو"۔ میرے بار بار روکنے پر بھی انہوں نے اپنا یہ مشفقانہ طریق نہ چھوڑا۔ اس طرح وہ بڑوں کو چھوٹوں پر شفقت کرنے کا سبق مجھے متواتر دو سال دیتے رہے۔

آپ موصی ہونے کے علاوہ اور دیگر جماعتی تحریکوں میں بھی برابر حصہ لیتے رہے بلکہ بحیثیت سیکرٹری وصایا مغلپورہ آپ نے کثیر تعداد میں احباب کی وصیتیں کرائیں یہ کام آپ ربوہ آکر بھی کرتے رہے۔ مسجد اقصیٰ ربوہ کا سنگِ بنیاد رکھنے کے موقع پر سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے دیگر صحابہ کرام کے ساتھ آپ کو بھی بنیادی اینٹ رکھنے کا شرف عطا فرمایا۔

آپ کی اولاد

اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاکسار کے علاوہ دو لڑکے اور بھی عطا فرمائے۔ عزیز محمد لطیف صاحب انور امرتسری جو دفتر پرائیویٹ سیکرٹری ربوہ میں خدماتِ سلسلہ پر مامور ہیں اور عزیز محمد کریم جو بچپن میں ہی وفات پا گئے۔ نیز سات لڑکیاں عطا فرمائیں۔ خورشید بیگم صاحبہ (متوفیہ) اہلیہ مکرم ملک عبدالعزیز صاحب حال لندن۔ رشیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم میاں عبدالحکیم صاحب نائب صدر جماعت احمدیہ حلقہ مغلپورہ لاہور سعیدہ بیگم صاحبہ (متوفیہ) اہلیہ مکرم چوہدری عنایت اللہ صاحب حال معلّم وقفِ جدید ربوہ۔ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم خواجہ خورشید احمد صاحب سیالکوٹی مربی سلسلہ ربوہ۔ رحمت بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم صوفی عبدالمجید احمد صاحب صدر جماعت احمدیہ میرپور آزاد کشمیر۔ صفیہ بیگم صاحبہ جو بچپن میں فوت ہو گئیں۔ بشریٰ صادقہ صاحبہ اہلیہ مکرم ماسٹر خان محمد صاحب ہیڈ ماسٹر سنٹرل پرائمری سکول ربوہ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے فضلوں سے نوازے اور ان کی اولادوں کو دین و دنیا کی ترقیات عطا فرمائے اور احمدیت کے نور سے نسلاً بعد نسلٍ منوّر رکھے۔ آمین



خواجہ خورشید احمد صاحب ۔ میاں عبدالحکیم صاحب ۔ میاں نور محمد صاحب ۔
محمد لطیف انور صاحب ۔ صوفی عبدالمجید صاحب ۔ اور ماسٹر خان محمد صاحب (صفحہ ۶۷۶ / ۶۹۴)



مرزا ناصر احمد صاحب آف مغلپورہ لاہور
(صفحہ ۶۹۴)

آخری ایّام اور وفات

والد صاحب کی عام صحت خدا کے فضل و کرم سے عمر بھر اچھی رہی۔ عمر کے آخری چند سال بڑھاپے کی وجہ سے انہیں ضعفِ اعصاب کی شکایت رہتی تھی لیکن اس حال میں بھی خدا کے فضل سے ربوہ میں اپنے عزیزوں کے گھروں سے ہو کر آیا کرتے تھے اور نماز جمعہ کے لئے مسجد اقصیٰ باقاعدہ جاتے رہے۔ اپریل ۱۹۷۶ء کے آخر میں ضعفِ اعصاب کی تکلیف زیادہ ہو گئی تو ہماری ہمشیرہ اہلیہ مکرم میاں عبدالحکیم صاحب آف مغلپورہ انہیں کچھ عرصہ کے لئے بغرضِ علاج مغلپورہ لے گئیں۔ وہاں سے قدرے صحت مند ہو کر ۲۳ مئی کو ان کے بے حد اصرار پر ہمشیرہ صاحبہ نے انہیں ربوہ بھیجدیا۔ لیکن یہاں پہنچنے کے دوسرے روز ہی بوقتِ فجر ان پر فالج کا شدید حملہ ہوا جس سے جانبر نہ ہو سکے اور بقضائے الٰہی ۲۵ مئی بوقتِ عصر وفات پا کر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اگلے روز بعد نمازِ عصر سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ نے ازراہِ کرم نماز جنازہ پڑھائی اور لواحقین سے اظہارِ ہمدردی فرمایا اور موصی ہونے کی وجہ سے قطعہ صحابہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ والدِ بزرگوار کو اپنی مغفرت و رحمت کی چادر میں ڈھانپ لے اور درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علّیین میں جگہ دے۔ آمین ؛

والد صاحب کے پنجابی اشعار کا نمونہ

عقل کیے چھڈ غفلت پیندیا کر توں ذکر الٰہی
گزرے رات جاں تن تریائیاں نیندھی چھڈ بھائی

بخشش دے جو طالب اس وا ذکر ہمیشہ کردے
یاد احسان اوہدے کر اس وا شکر ہمیشہ کردے

پر اُمیدوں ہو کے عرضاں کرائے دلا ذرا توں
جو جو فکر نے تینوں اوہ ہن پیش خدا دے کر توں

بخشیں نیک حیاتی جس وچ نا ہووے خود غرضی
میری مرضی ہووے مولا جیوں کر تیری مرضی

بخشیں میریاں غلطیاں لے توں اس نوں اکھ الٰہی
جو نہ بخشی جاوے ایسی غلطی رہے نہ کائی

شرائطِ بیعت

اوّل بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

دوم یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق اور فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔

سوم یہ کہ بلاناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسولؐ کے ادا کرتا رہے گا حتّی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا۔ اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو اپنا ہر روزہ ورد بنائے گا۔

چہارم یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

پنجم یہ کہ ہر حال رنج اور راحت اور عُسر اور یُسر اور نعمت اور بلا میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہرحالت راضی بقضا ہوگا اور ہر ایک ذلّت اور دُکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔

ششم یہ کہ اتباعِ رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلّی اپنے سر پر قبول کرے گا اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

ہفتم یہ کہ تکبّر اور نخوت کو بکلّی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

ہشتم یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردیٔ اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

نہم یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچائے گا۔

دہم یہ کہ اس عاجز سے عقدِ اخوت محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقتِ مرگ قائم رہے گا اور اس عقدِ اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ

خدا کو پا لیا جس نے بھی پانا چاہا اُسے

وہ شخص ہیچ ہے تیری نگاہ میں اے دوست
جو منہمک ہے فقط مال وجاہ میں اے دوست

منال و مال فقط آنی جانی چیزیں ہیں
انہیں لٹا دے تو مولیٰ کی راہ میں اے دوست

رضائے حق میں ہی مضمر ہے اہلِ حق کی خوشی
نہ عزّ و جاہ میں نے واہ واہ میں اے دوست

خدا کو پا لیا جس نے بھی پانا چاہا اُسے
اگرچہ سنگ ہزاروں ہیں راہ میں اے دوست

وہاں سے خائب و خاسر کوئی نہیں لوٹا
جھکا جبیں تو اسی بارگاہ میں اے دوست

ملیں گے جلوے تجھے اس کے مہر و مہ میں کبھی
کبھی مناظرِ شام و پگاہ میں اے دوست

کبھی چمن میں دمکتا ہے اس کا حسن و جمال
کبھی پَوَن میں کبھی کوہ و کاہ میں اے دوست

دلِ شکستہ کی آہوں میں اس کو دیکھ کبھی
کبھی مریض کے درد و کراہ میں اے دوست

سکونِ قلب کی راہزن ہے عارضی دنیا
نہ اپنا آپ گنوا اس کی چاہ میں اے دوست

پڑے جو وقت تو صبر و دعا کو کام میں لا
گھلا نہ جان غمِ جانکاہ میں اے دوست

ہے خوش نصیب وہی بندۂ بزمِ ہستی میں
جو متقی ہے خدا کی نگاہ میں اے دوست

محمد صدیق امرتسری ۔ لاہور ۳؍فروری ۱۹۸۱ء

شکریہ اور دُعا

کتاب "روح پرور یادیں" کی طباعت و اشاعت میں مندرجہ ذیل احباب اور عزیزوں نے تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے۔ قارئین کرام! جہاں اس عاجز مولفِ کتاب ہذا اور اس میں اپنے حالات تحریر کرنے والے دوسرے مبلغین کے لئے دعائے خیر فرمائیں وہاں ان کرم فرماؤں کے حق میں بھی دعائے خیر فرمائیں۔ جزاہم اللہ تعالیٰ۔

خاکسار محمد صدیق امرتسری

میاں عبدالحکیم صاحب آف ۲۴ میکلوڈ روڈ لاہور
میاں اصغر علی صاحب گلوب ٹمبر کارپوریشن راوی روڈ لاہور
میاں مبارک علی صاحب پاک ٹمبر کارپوریشن " لاہور
میاں دین محمد صاحب لندن
چوہدری منور احمد صاحب یونیق سائیکل مارٹ حرم گیٹ ملتان
میاں ناصر احمد صاحب گنج مغلپورہ لاہور
ملک عبداللطیف صاحب ستکوہی مقبول پیپر مارٹ گنپت روڈ لاہور
صوفی عبدالمجید صاحب صدر جماعت احمدیہ میرپور آزاد کشمیر
مکرم بشیر احمد صاحب مرزا شارجا امارات متحدہ عربیہ
مکرمہ ذکیہ بیگم صاحبہ انگلستان
مکرمہ رقیہ بیگم صاحبہ انگلستان
مکرمہ رشیدہ بیگم صاحبہ گنج مغلپورہ لاہور
مکرم نذیر احمد صاحب گنج مغلپورہ لاہور
مکرمہ ثروت بیگم صاحبہ ڈنمارک
مولانا سجاد احمد صاحب خالد جزائر فجی
مولانا محمد صدیق صاحب گورداسپوری سیرالیون
چوہدری غلام رسول صاحب صدر حلقہ مغلپورہ لاہور

میاں عبداللطیف صاحب خالد آف لطیف موٹرز ۲۴-میکلوڈ روڈ لاہور
میاں عبدالسمیع صاحب آف پائیونیر آٹوز ۲۴-میکلوڈ روڈ لاہور

کتاب "دل کی دُنیا" پر قابلِ قدر تبصرے

حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر امیر جماعتِ احمدیہ فیصل آباد کی رائے

"محترم مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری سابق مبلغ انگلستان و مغربی افریقہ کا کلام اکثر اخبارات میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ ان کے کلام میں فصاحت و بلاغت بلا تصنع پائی جاتی ہے۔ خدا کے فضل سے ہر مضمون پر ان کا قلم کامیابی سے ہمکنار ہے۔ معاملہ بندی اور واقعات کو نظم کرنا ان کے کلام کا خاصہ ہے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں دل سے کہتے ہیں اور ان کی بات دل میں اتر تی جاتی ہے۔

سخن کز دِل بروں آید — نشیند لاجرم بر دل

"دل کی دنیا" ان کے کلام کا ایک مجموعہ حال ہی شائع ہوا ہے۔ یہ جماعت احمدیہ کے لٹریچر میں ایک مفید اضافہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس مجموعے میں برکت عطا فرمائے آمین"

والسلام خاکسار محمد احمد امیر جماعت احمدیہ ضلع فیصل آباد ۱۸/۲/۸۱

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ فرماتے ہیں

"برادرِ مکرم مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری شعرا کی اس خوش بخت اقلیت میں شامل ہیں جن کی دل پسند وادیاں ذکر الٰہی اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے مہک رہی ہیں اور جہاں بادہ و ساغر کے بغیر تو ہر بات بن جاتی ہے مگر اللہ اور رسولؐ کے ذکر کے بغیر کوئی بات نہیں بنتی۔

مولانا موصوف کے ہمراہ شعر کے اُڑن کھٹولے میں بیٹھ کر ان حسین اور دلکش وادیوں کی سیر ایک نہایت دلچسپ اور پُرلطف خیال انگیز تجربہ ہے۔ بہت سے مختلف مناظر ایک ہی رنگِ تقویٰ لئے ہوئے الگ الگ بہار دکھاتے ہیں۔ پرخلوص سچے عشق میں ڈوبی ہوئی حمد، اسلامی تعلیم کے مختلف پہلوؤں کا دل نشین ذکر، یادِ رفتگاں، سلوک کی راہوں میں سود و زیاں کے اثرات ایک سالک کے دل پر، اسلام کے غلبۂ نو کے لئے شاہراہِ ترقی پر مجاہدین کا سفر، بچوں اور جوانوں سے خطابات اور انہیں اعلیٰ مقاصد

یا د دلانا اور اس قسم کے بہت سے موضوعات پر آپ کو نہایت پُرتاثیر نظمیں مولانا موصوف کے کلام میں ملیں گی جن میں سے ایک بھی کھوکھلی، پُرتصنّع اور مغز سے خالی دکھائی نہ دے گی۔

(صاحبزادہ) مرزا طاہر احمد صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ

۹/۳/۱۳۵۹/۸۰

محترم جناب ثاقب زیروی مدیر اعلیٰ ہفت روزہ "لاہور" لکھتے ہیں

"دل کی دنیا" کے شاعر جناب محمد صدیق امرتسری کی عمر عزیز کا بیشتر حصہ بیرونی ممالک میں اعلائے کلمۃ الحق میں گزرا ہے۔ چنانچہ یہ جذبہ اور یہ سوز ان کی ہر نظم اور ہر غزل میں رچ بس گیا ہے۔ (وہ جدید اصطلاحیں تراشنے کے بکھیڑے میں نہیں الجھتے)، ان کی ساری توجہ سادگی اور سلاستِ بیان سے اپنا مافی الضمیر اپنے قاری کے قلب و روح میں اتار دینے پر رہتی ہے۔ ان کے اشعار میں دینِ حق سے سچی وارفتگی کی رعنائی ہے۔ ان کا نقطہ نظر تعمیری اور مثبت ہے اور ان کا کلام تزکیہ نفس کا پیغام۔

مادہ پرستی اور خودغرضی کے اس دورِ پُرآشوب میں ان کا پاکیزہ شعری شعور، ان کا سنبھلا ہوا اندازِ محبت اور رواں دواں سلیقہ اظہار و بیان غنیمت ہی نہیں بسا غنیمت ہے۔ کیونکہ آج کے بے راہ اور ذہنی آوارگی سے معمور ماحول کو ایسی شاعری کی ازحد ضرورت ہے جو انسان کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی کے حقائق کو ایسے براہ راست اور دلنشین انداز میں پیش کرے کہ دلوں میں خود پرستی کی بجائے خدا پرستی کی شمعیں فروزاں ہوں۔"

ثاقب زیروی ایڈیٹر ہفت روزہ لاہور ۲ اپریل ۱۹۸۰ء

مکرم و محترم میجر ملک منظور احمد صاحب آرٹلری ریٹائرڈ ساہیوال جو خود بھی ادیب ہیں اور معیاری شعر کہتے ہیں فرماتے ہیں:-

"محترم جناب مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ گراں قدر تحفے کا دل و جان سے شکریہ۔ آپ کے کلام کی فنکارانہ سادگی جسے سہل ممتنع کہہ سکتے ہیں خاص تاثیر رکھتی ہے۔ آپ کے رنگ کو دیکھ کر میں اکثر دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ جس طرح حالی مرحوم سعدیٔ ہند کہلاتے تھے اسی طرح آپ بجا طور پر "سعدیٔ احمدیت" ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و سلامتی عطا فرمائے اور آپ کے کلام میں تاثیر و برکت عطا فرمائے آمین" منظور احمد ۸/۲/۸۱